

تُحْفَةُ الْأُمَمِ
شرح
سِرِّ التَّوَكُّلِ

جُلْدِ پَنْجَم

إفادہ

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
محدث دارالعلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دارالعلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

تُحْفَةُ الْأَمْعَى

شرح

سَيَرُ الْبَرِّ مَدَى

جلد پنجم

افادالت

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

محدث دارالعلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

”مُحَقَّقَاتُ الْمَعْنَى“ شرح ”سَيِّدُ الْإِسْلَامِ“ کے جملہ حقوق اشاعت و طباعت پاکستان میں صرف مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشرز کراچی کو حاصل ہیں لہذا اب پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ اس کی طباعت کا مجاز نہیں بصورت دیگر زمزم پبلشرز کو قانونی چارہ جوئی کا مکمل اختیار ہے۔

از سعید احمد پالنپوری عفا اللہ عنہ

اس کتاب کا کوئی حصہ بھی زمزم پبلشرز کی اجازت کے بغیر کسی بھی ذریعے بشمول فوٹو کاپی برقیاتی یا میکائیکی یا کسی اور ذریعے سے نقل نہیں کیا جاسکتا۔
(زمزم پبلشرز کراچی)

ملنے کے دیگرتے

● مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509

● مکتبہ دارالحدی، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814

● دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

● قدیمی کتب خانہ بالقابل آرام باغ کراچی

● مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

● Madrasah Arabia Islamia

1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
Azaadville 1750 South Africa
Tel : 00(27)114132786

● Azhar Academy Ltd.

54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

● Islamic Book Centre

119-121 Halliwell Road, Bolton B11 3NE
U.K
Tel/Fax : 01204-389080

● Al Farooq International

68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640

کتاب کا نام _____ مُحَقَّقَاتُ الْمَعْنَى سَيِّدُ الْإِسْلَامِ جلد پنجم

تاریخ اشاعت _____ جنوری ۲۰۰۷ء

باہتمام _____ احکامات زمزم پبلشرز

ناشر _____ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینئر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com



فہرست مضامین

فہرست مضامین (اردو)	۳۴-۳
فہرست ابواب (عربی)	۳۸-۳۵

أبواب اللباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

احادیث کی دو قسمیں: پہلی قسم: جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے اس قسم میں چار طرح کی روایات شامل ہیں،	
دوسری قسم: جو دنیوی امور میں رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، اس قسم میں پانچ طرح کی روایات شامل ہیں	۴۹
ادب کی تعریف..... آداب کا تارک گنہگار نہیں ہوتا	۵۰
سنتوں کی دو قسمیں: سنن ہدیٰ اور سنن زوائد..... سنن ہدیٰ پر عمل ضروری ہے اور سنن زوائد پر مستحب	۵۰
لباس کا مقصد ”ستر عورت“ ہے، پس ایسا چست لباس پہننا کہ اعضاء کی ہیئت محسوس ہونگیا ہے	۵۱
تقویٰ کا لباس کیا ہے؟	۵۱
باب (۱): مردوں کے لئے سونا اور ریشم حرام ہیں	۵۲
مردوں کے لئے سونے اور ریشم کی حرمت کی تین وجوہ	۵۲
عورتوں کے لئے سونا اور ریشم حلال ہونے کی وجہ	۵۲
مردوں کے لئے چار انگشت سے کم ریشم، اور ایک مثقال سے کم چاندی کی انگوٹھی جائز ہونے کی وجہ	۵۲
عورت کے لئے سونا چاندی صرف زیور میں جائز ہیں..... غیر مقطوع زیور عورت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟	۵۳
باب (۲): جنگ میں ریشم پہننے کا جواز	۵۵
کیا مجبوری میں خالص ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے؟ اختلاف ائمہ اور دلائل	۵۵
باب (۳): جنت میں ریشمی کپڑے	۵۶
جنت میں ریشم اور سونا چاندی مردوں کے لئے حلال ہونے کی وجہ..... پہلے ریشم اور سونا جائز تھا	
بعد میں ممانعت آئی	۵۶
باب (۴): مردوں کے لئے سرخ کپڑا جائز ہے	۵۷
سرخ رنگ کے کپڑوں کے بارے میں مختلف روایات..... سرخ رنگ کے جواز و عدم جواز میں اختلاف	
اور مفتی بہ قول	۵۷

- سرخ رنگ کی ناپسندیدگی کی وجہ..... جَمَّہ، لِمَّہ اور وَفَرَہ کے معنی..... سر پر بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟..... ۵۸
- باب (۵): مرد کے لئے گیر وارنگ ناپسندیدہ ہے..... ۵۹
- باب (۶): پوستین پہننے کا جواز..... ۵۹
- اشیاء میں اصل اباحت ہے پس جس چیز کی حلت و حرمت کی قرآن و حدیث اور فقہ میں صراحت نہ ہو وہ مباح ہے..... ۶۰
- باب (۷): مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے..... ۶۰
- کن جانوروں کی کھال رنگنے سے پاک نہیں ہوتی؟..... درندوں کی کھالیں رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں مگر ان کا استعمال پہننے اور اوڑھنے میں مکروہ ہے..... اعضاء انسانی کی پیوند کاری حالت اضطرار میں جائز ہے ۶۱
- غیر ماکول اللحم جانور کو اگر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت اور کھال پاک ہو جاتے ہیں ۶۲
- باب (۸): ٹخنوں سے نیچی لنگی پہننا مکروہ ہے..... ۶۵
- فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ خُیَلَاء کی قید کے بغیر کیوں لکھا گیا ہے؟..... ۶۵
- باب (۹): عورتوں کے کرتے کہاں تک رہیں؟..... ۶۶
- عورتوں کے لئے لنگی یا پانچامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا جائز ہے..... دور نبوی میں مردوں کے کرتے زمین سے ایک ہاتھ اونچے ہوتے تھے اور آج کل عربوں میں جو کرتا رائج ہے وہ عورتوں کا کرتا ہے اور جرثوبہ کے دائرہ میں آتا ہے..... ۶۶
- باب (۱۰): اوننی کپڑے پہننے کا بیان..... ۶۸
- تصوف: قرآن و حدیث اور تعامل سلف سے ثابت ہے اس کا انکار درست نہیں..... تصوف میں عجمی اثرات کی وجہ سے ذکر و فکر کے غیر شرعی طریقے رائج ہو گئے تھے، علماء دیوبند نے اس کی اصلاح کی ہے اور تصوف کو اس کی اصل شکل کی طرف لوٹا دیا ہے..... ۶۸
- باب (۱۱): سیاہ عمامہ کا بیان..... ۷۰
- پگڑی سے بردباری پیدا ہوتی ہے اور چھچھورا پن ختم ہوتا ہے..... ۷۰
- باب (۱۲): شانوں کے درمیان شملہ لٹکانے کا بیان..... ۷۰
- باب (۱۳): سونے کی انگوٹھی کی حرمت..... ۷۱
- سونے کا ہر زیور مردوں کے لئے حرام ہے، اور سنہری جائز ہے..... سونے کے بٹن جو کرتے سے جڑے ہوئے ہوں وہ جائز ہیں..... ضرورت کے وقت سونے کا استعمال جائز ہے..... ۷۱

- باب (۱۴): چاندی کی انگوٹھی کا جواز ۷۲
- باب (۱۵): انگوٹھی کا نگینہ کیسا ہونا چاہئے؟ ۷۳
- باب (۱۶): دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا بیان ۷۳
- بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا اور گھڑی باندھنا جائز ہے ۷۳
- باب (۱۷): انگوٹھی پر کچھ لکھوانا ۷۵
- حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کی انگوٹھیوں میں کندہ عبارات حضرت مفتی مظفر حسینؒ کا جمع اگر انگوٹھی پر کوئی آیت کندہ ہو تو اس کو لے کر بیت الخلاء میں نہیں جانا چاہئے ۷۵
- باب (۱۸): تصویر کی حرمت کا بیان ۷۷
- کیمرے کے فوٹو کے بارے میں عرب علماء کی رائے اور ان کے استدلال پر نظر صاحب افادات کا اور اردن کے ایک عالم کا واقعہ ۷۷
- خاندان کے بڑوں کی اور بزرگوں کی تصویریں نہیں رکھنی چاہئیں اس میں شرک کا بہت زیادہ اندیشہ ہے ۷۸
- آج کل کی خراب صورت حال: فتویٰ حرمت کا اور ملت کے اکابر کا عمل اس کے خلاف ۷۸
- ضرورت کے وقت فوٹو کھینچوانے کی گنجائش ہے، البتہ شہرت، شوق اور بے ضرورت فوٹو کھینچنا حرام ہے ۷۹
- تصویر سازی کی حرمت کی ایک اور وجہ ۷۹
- جو تصویر فرش میں یا بیٹھنے کے تکیہ میں ہو اس کی گنجائش ہے، اور جو تصویر دیوار پر یا پردہ میں ہو وہ حرام ہیں ۷۹
- کیمرے میں آئے ہوئے ”فل“ کو جب برقرار کر لیا جائے تو وہ تصویر بن جاتا ہے ڈیجیٹل کیمروں کی تصویر بھی حرام ہے ۸۰
- باب (۱۹): تصویر سازوں کی سزا ۸۱
- لوگوں کی خانگی باتیں سننے والے کی سزا ۸۱
- باب (۲۰): خضاب کا بیان ۸۲
- سیاہ خضاب کے علاوہ ہر خضاب جائز ہے کونسا خضاب اچھا؟ کیا نبی ﷺ نے خضاب کیا ہے؟ سر اور ڈاڑھی کا خضاب سنت ہے، اور مردوں کے لئے ہاتھوں پیروں پر بے ضرورت خضاب لگانا حرام ہے ۸۳
- باب (۲۱): زلفیں اور بال رکھنے کا بیان ۸۵
- باب (۲۲): روزانہ تیل کنگھا کرنے کی ممانعت ۸۶
- باب (۲۳): سرمہ لگانے کا بیان ۸۷

- باب (۲۴): ایک کپڑے میں لپٹ جانے اور ایک کپڑے سے جوہ بنانے کی ممانعت ۸۸
- باب (۲۵): بالوں میں بال ملانے کی ممانعت ۸۹
- بالوں میں کالے دھاگے اور جانور کے بال ملانا اگر دھوکہ نہ ہو تو جائز ہے، اور انسان کے بال ملانا حرام ہے
- حسن و جمال مطلوب ہے مگر اس طرح حسن پیدا کرنا کہ دھوکہ ہو یا اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہو: جائز نہیں
- باب (۲۶): میشرہ پر بیٹھنے کی ممانعت ۹۰
- باب (۲۷): نبی ﷺ کے بستر کا ذکر ۹۱
- باب (۲۸): کرتوں کا تذکرہ ۹۲
- باب (۲۹): جب نیا کپڑا پہنے تو کیا دعا کرے ۹۳
- باب (۳۰): جبہ اور چمڑے کے موزے پہننے کا تذکرہ ۹۵
- باب (۳۱): سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا ۹۶
- باب (۳۲): درندوں کی کھالوں کا استعمال جائز نہیں ۹۷
- باب (۳۳): نبی ﷺ کے چپلوں کا تذکرہ ۹۸
- نبی ﷺ اور حضرات شیخین کے چپلوں میں دودو تسمے ہوتے تھے، ایک تسمہ والی چپل کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہے
- حضرت تھانویؒ کی ”زاد السعید“ میں جو نعل شریف کا نقشہ ہے: اس کی وضع قیاس اور اندازے سے متعین کی گئی ہے
- نعل شریف سے توسل کا مسئلہ اور حضرت تھانویؒ کا رجوع
- کعبہ شریف یا روضہ اقدس کی تصاویر کی توہین کرنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے، مگر اس کی تعظیم، اس سے توسل اور تبرک بھی جائز نہیں
- باب (۳۴): ایک چپل میں چلنے کی کراہیت ۹۹
- باب (۳۵): کھڑے ہوئے جوتا چپل پہننے کی ممانعت ۱۰۰
- باب (۳۶): ایک چپل پہن کر چلنے کا جواز ۱۰۱
- باب (۳۷): پہلے کس پاؤں میں جوتا پہننا چاہئے؟ ۱۰۱
- باب (۳۸): کپڑے میں پیوند لگانے کا بیان ۱۰۲
- آنحضور ﷺ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تین نصیحتیں: ۱۰۲

- جو طالب علم دین کا کام کرنا چاہتا ہے: اس کو چاہئے کہ آمدنی سے زیادہ پیر نہ پھیلائے اور مالداروں سے مصاحبت نہ رکھے ۱۰۳
- مالداروں کے ساتھ تعلقات کی تین صورتیں ۱۰۴
- باب (۳۹): بالوں کی لٹیں بنانے کا بیان ۱۰۵
- باب (۴۰): صحابہ کی ٹوپیاں یا آستینیں کیسی تھیں؟ ۱۰۶
- باب (۴۱): لنگی کہاں تک ہونی چاہئے ۱۰۶
- باب (۴۲): ٹوپی پر پگڑی باندھنے کا ذکر ۱۰۷
- باب (۴۳): لوہے کی انگوٹھی کا ذکر ۱۰۷
- باب (۴۴): دو انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کی کراہیت ۱۰۸
- باب (۴۵): نبی ﷺ کو کونسا کپڑا سب سے زیادہ پسند تھا؟ ۱۰۹

تقریب اختتام جلد اول

- اولاد کی تین قسمیں: پوت، سپوت اور کپوت طلبہ کو ملت اسلامیہ نے پڑھایا ہے فضلاء کو ملت کے حق میں سپوت بننا چاہئے ۱۱۰
- اللہ تعالیٰ: دین کی خدمت کے لئے فضلاء کے محتاج نہیں بلکہ فضلاء محتاج ہیں ۱۱۱
- فضلاء کی تعداد تو بڑھ گئی، مگر کام کے آدمی کم ہو گئے ۱۱۱
- دو لفظوں نے فضلاء کی ترقی روک دی علم پڑھنے سے آتا ہے پڑھانے سے نہیں آتا ۱۱۲
- طلبہ کے پڑھنے میں تین چیزیں شامل ہیں کمزور استعداد کے ساتھ پڑھنا بے فائدہ ہے ۱۱۲
- اساتذہ کے پڑھنے میں بھی تین چیزیں شامل ہیں مسلسل مطالعہ مفید نہیں حضرت علامہ قدس سرہ کی قیمتی نصیحت ۱۱۳
- صرف پڑھانے سے آدمی تیار نہیں ہوتے ترقی نہ ملنے کا شکوہ ترقی کے لئے تعلق کی ہمواری ضروری ہے ۱۱۴
- کتابوں کی بھرمار کا شکوہ اور اس کا علاج کمال کے لئے مستوی کی بلندی ضروری ہے ۱۱۵
- فضلاء ضائع کیوں ہو جاتے ہیں فضلاء کی تین قسمیں اور ان کے کام ۱۱۶
- دعا اور ترندی شریف جلد اول کا اختتام ۱۱۷

ترمذی شریف جلد ثانی کا آغاز

- ۱۱۹ جلد ثانی ابواب اللباس سے شروع ہونی چاہئے اور اس پر قرآن سے لطیف استدلال
- جلد دوم بھی جلد اول کی طرح اہم ہے..... جس توجہ کے ساتھ جلد اول پڑھی جاتی ہے اسی اہمیت کے ساتھ جلد ثانی بھی پڑھنی چاہئے..... احادیث موضوع وار ارشاد نہیں فرمائی گئیں پس آخری حدیث: پہلی حدیث سے زیادہ اہم ہو سکتی ہے
- ۱۱۹ دین کا خلاصہ پانچ باتیں ہیں: دو کا بیان جلد اول میں ہے اور تین کا بیان جلد ثانی میں..... ترمذی: جامع ہے، جس میں آٹھ مضامین ہوتے ہیں، ان میں سے دو کا بیان جلد اول میں ہے اور چھ کا بیان جلد ثانی میں
- ۱۲۰ تفسیر سے تعلق رکھنے والی روایات صرف بخاری، ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہیں
- ۱۲۰ مدارس اسلامیہ کی غرض و غایت تین چیزیں ہیں
- جلد اول میں جو احکام ہیں ان کا زیادہ تر تعلق دنیا سے ہے، اور جلد ثانی کی زیادہ تر باتیں آخرت سے متعلق ہیں
- ۱۲۱ سنت کی دو قسمیں: سنن ہدیٰ اور سنن زوائد
- ۱۲۱ سنن ترمذی کا تعارف اور امام ترمذی کی اصطلاحات
- ۱۲۲ امام ترمذی کی اصطلاحات حل کرنے کا بہترین طریقہ ان کی کتاب کا آزادانہ مطالعہ ہے
- ۱۲۲ امام ترمذی کے زمانہ کی اصطلاحات اور حسن صحیح کے معنی
- ۱۲۲ ایک نئی اصطلاح: حدیث حسن..... بعد میں حسن مستقل قسم بن گئی..... غریب بمعنی ضعیف قدیم اصطلاح ہے اور منکر بھی..... غریب کے تین نئے معانی
- ۱۲۳ غریب: صحیح اور حسن کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے..... حسن کے معنی میں تجرید..... اسباب طعن اور امام ترمذی
- ۱۲۴ فن تدریجی طور پر تکمیل پذیر ہوتا ہے
- ۱۲۵

أَبْوَابُ الْأَطْعَمَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(اشیائے خوردنی کا بیان)

- کھانے پینے کے سلسلہ کی بنیادی بات: طیب و خبیث کا فرق..... طیب و خبیث کی کسوٹی: احناف کے نزدیک ذوق نبوی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: عربوں کا ذوق
- ۱۲۶ طبعی کراہت اور کسی چیز سے گھن کرنا الگ باتیں ہیں، اول: مزاج خاصہ کا تقاضہ ہو سکتا ہے مگر ثانی حلت و حرمت کا معیار ہے
- ۱۲۶

- باب (۱): نبی ﷺ کھانا کس چیز پر رکھ کر کھاتے تھے؟ ۱۲۷
- کھانے کا اسلامی طریقہ..... فخر الدین علی احمد (صدر جمہوریہ) کا ایک واقعہ ۱۲۷
- میز نیبل پر کھانا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے..... میز نیبل پر کھانے کا رواج کیسے پڑا؟ ۱۲۸
- اسلامی تہذیب یہ ہے کہ لوگ مل کر کھائیں، علیحدہ علیحدہ کھانا ہندوانہ طریقہ ہے..... سادہ زندگی میں راحت ہے، تکلفات جتنے بڑھیں گے پریشانیاں بڑھیں گی ۱۲۸
- ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا﴾ کا مطلب ۱۲۹
- باب (۲): خرگوش کی حلت کا بیان ۱۳۰
- کراہیت کی تین ضعیف روایتیں ۱۳۰
- حیض کس کو آتا ہے؟..... اباحت کی چار صحیح روایتیں..... صحابہ روایت بالمعنی کرتے تھے اور مجازی تعبیر بھی استعمال کرتے تھے ۱۳۱
- باب (۳): گوہ کھانے کا بیان ۱۳۳
- گوہ کی حلت سے متعلق روایات ۱۳۳
- گوہ کی حرمت پر دلالت کرنے والی روایات ۱۳۴
- ائمہ ثلاثہ کی تطبیق..... احناف کی تطبیق..... حنفیہ نے تطبیق میں تین باتوں کا لحاظ کیا ہے ۱۳۵
- فقہ حنفی میں بہت احتیاط ہے ۱۳۶
- باب (۴): بچو یا لکڑ بھگے کو کھانا ۱۳۷
- باب (۵): گھوڑے کے گوشت کا حکم ۱۴۰
- فقہاء کی آراء..... روایات کا اختلاف..... مجتہدین کے استدلالات ۱۴۰
- باب (۶): گدھوں کے گوشت کا حکم ۱۴۲
- خچر کا حکم اس کی ماں کے تابع ہے..... جانور حلت و حرمت میں ماں کے تابع ہوتا ہے..... گھوڑی کا دودھ حلال ہے..... خچروں کی نسل نہیں چلتی ان کی مادہ بانجھ ہوتی ہے ۱۴۳
- باب (۷): کفار کے برتنوں میں کھانے کا حکم ۱۴۴
- باب (۸): جمے ہوئے گھی میں چوہا مر جائے تو کیا حکم ہے؟ ۱۴۶
- ناپاک گھی کا خارجی استعمال جائز ہے یا نہیں؟ ۱۴۶
- سیال ناپاک چیز پاک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فقہاء کی آراء اور پاک کرنے کا طریقہ..... جو چیزیں نجوڑی نہیں جاسکتیں ان کو پاک کرنے کا طریقہ ۱۴۷

- باب (۹): بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت ۱۴۸
- غائب کے ساتھ بھی تہہ ممنوع ہے ۱۴۹
- بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر پانی پی سکتے ہیں؟ یا بائیں ہاتھ سے برتن میں سے کھانا نکال سکتے ہیں؟ ۱۴۹
- باب (۱۰): کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا بیان ۱۵۰
- باب (۱۱): لقمہ گر جائے تو کیا کرے؟ ۱۵۰
- نبی ﷺ عام طور پر تین انگلیوں سے کھاتے تھے تین انگلیوں سے کھانے کا فائدہ پیٹ بھرنا اور
- جی بھرنا دو الگ الگ چیزیں ہیں ۱۵۱
- بوقت ضرورت چار پانچ انگلیوں سے کھانا بھی جائز ہے ۱۵۲
- کھانا گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھالینا چاہئے ضائع نہیں کرنا چاہئے کھانے کے بعد برتن صاف کرنا
- چاہئے برتن صاف کرنے سے برتن دعا دیتا ہے ۱۵۲
- باب (۱۲): برتن کے بیچ میں سے کھانا پسندیدہ نہیں ۱۵۳
- باب (۱۳): لبھسن پیاز کھانے کی کراہیت ۱۵۴
- باب (۱۴): پکایا ہوا لبھسن کھانا جائز ہے ۱۵۵
- باب (۱۵): برتن ڈھانکنے، اور سوتے وقت چراغ اور آگ بجھانے کا بیان ۱۵۸
- اگر بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کیا جائے تو شیطان کسی بھی طرح گھر میں نہیں آ سکتا ۱۵۸
- باب (۱۶): دو کھجوریں ایک ساتھ کھانے کی کراہیت ۱۵۹
- باب (۱۷): کھجور کی پسندیدگی ۱۶۰
- گھر میں کوئی معمولی چیز جو بازار میں سستی ملتی ہو ہمیشہ بخنی چاہئے ۱۶۰
- باب (۱۸): کھانے سے فارغ ہو کر اللہ کی حمد کرنا ۱۶۱
- باب (۱۹): کوڑھی کے ساتھ کھانے کا بیان ۱۶۲
- قوی اور فعلی روایات میں تعارض اور اس کا حل ۱۶۲
- اللہ پر توکل کی ضرورت کوڑھی کو ہوتی ہے یا ساتھ کھلانے والے کو؟ ۱۶۳
- باب (۲۰): مؤمن ایک آنت کھاتا ہے اور کافر ساتھ آنتیں! ۱۶۴
- باب (۲۱): ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہے ۱۶۵
- باب (۲۲): ٹڈی کھانا جائز ہے ۱۶۶
- باب (۲۳): مینگی اور لید کھانے والے چوپایے کے گوشت اور دودھ کا حکم ۱۶۷

- باب (۲۴): مرغی کھانے کا بیان ۱۶۹
- جو جانور عام طور پر نجاست نہ کھاتا ہو وہ حلال ہے ۱۶۹
- باب (۲۵): خُبّاری کے کھانے کا بیان ۱۷۰
- باب (۲۶): بھنا ہوا گوشت کھانے کا بیان ۱۷۰
- باب (۲۷): ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے ۱۷۱
- ٹیک لگا کر کھانے کی تین صورتیں: متواضعانہ بیت میں کھانا کھانا چاہئے ۱۷۱
- باب (۲۸): نبی ﷺ کو میٹھا اور شہد پسند تھا ۱۷۳
- ان چیزوں کے پسند ہونے کا مطلب اور ایک لطیفہ ۱۷۳
- باب (۲۹): شور با بڑھانے کا بیان ۱۷۴
- باب (۳۰): ثرید کی فضیلت ۱۷۵
- حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت عائشہ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک کو جزوی فضیلت حاصل ہے، کلی فضیلت کسی کو حاصل نہیں ۱۷۶
- باب (۳۱): گوشت دانتوں سے نوچ کر کھاؤ ۱۷۷
- باب (۳۲): چھری سے گوشت کاٹنے کا جواز ۱۷۸
- ضرورت کے وقت چھری سے گوشت، ڈبل روٹی وغیرہ کاٹنا جائز ہے اور بے ضرورت چھری کا استعمال مکروہ ہے ۱۷۸
- باب (۳۳): نبی ﷺ کو کونسا گوشت پسند تھا؟ ۱۷۹
- باب (۳۴): سرکہ کا بیان ۱۸۰
- إدام اور أدم کے معنی سب سے اچھا لالون کونسا ہے؟ اس سلسلہ کی دو روایتوں کا مطلب ۱۸۰
- باب (۳۵): خربوزہ کو تازہ کچی ہوئی کھجور کے ساتھ کھانا ۱۸۳
- باب (۳۶): کھیرا لکڑی: کھجور کے ساتھ کھانا ۱۸۴
- کھانے پینے کی چیزوں میں صفات اور مزاجوں کا لحاظ کرنا چاہئے تاکہ صحت محفوظ رہے کھیرا اور کھجور ملا کر کھانے سے فربہ پیدا ہوتی ہے ہزال (لاغری) کا علاج بھی کھیرا اور کھجور ملا کر کھانا ہے ۱۸۵
- باب (۳۷): اونٹ کا پیشاب پینا ۱۸۵
- باب (۳۸، ۳۹): کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا بیان ۱۸۶

- باب (۲۰): لوکی کدو کھانے کا بیان ۱۸۸
- باب (۲۱): زیتون کا تیل کھانے کا بیان ۱۹۰
- باب (۲۲): غلام کے ساتھ کھانے کا بیان ۹۱
- خادم یا غلام کو ساتھ بٹھا کر کھانا یا اس کے لئے کھانا بچانا استحباً ہی حکم ہے..... عالمگیرؒ کا ایک واقعہ..... تنخواہ
- دار ملازم کے لئے کھانا بچانا ضروری نہیں ۱۹۲
- باب (۲۳): غریبوں کو کھانا کھلانے کا ثواب ۱۹۳
- باب (۲۴): شام کے کھانے کی فضیلت ۱۹۵
- باب (۲۵): بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانا ۱۹۶
- تسمیہ کے سلسلہ میں پانچ مسئلے..... کھانے کے تین آداب ۱۹۶
- جس طرح کھانے میں برکت ہوتی ہے بے برکتی بھی ہوتی ہے: ایک واقعہ..... حاضرین میں سے ایک کا
- بسم اللہ پڑھنا سب کی طرف سے کافی ہے، البتہ جو بعد میں آکر شریک ہو اس کی طرف سے کافی نہیں ۱۹۸
- باب (۲۶): اس حال میں رات گزارنا کہ ہاتھ میں چکنا ہٹ کی بو ہو پسندیدہ نہیں ۱۹۹

أبواب الأشربة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- باب (۱): شراب پینے والے کے لئے وعید ۲۰۱
- حرام شرابیں چار ہیں: خمر (انگور کا کچا شیرہ) طلاء (انگور کا شیرہ) سکر اور قبیح الزہیب ۲۰۲
- خمر کا حکم..... خمر کے سلسلہ میں چار آیتیں بالترتیب نازل ہوئی ہیں ۲۰۳
- خمر کی دینی اور دنیوی خرابیاں..... کبھی نص خاص ہوتی ہے اور حکم عام ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا
- ہے..... آیت لفظ خمر کے ساتھ نازل ہوئی ہے یعنی نص خاص ہے مگر حکم عام ہے ۲۰۴
- باقی تین شرابوں کا حکم..... نشہ آور نبذوں کا حکم ۲۰۵
- نشہ آور نبذ مطلقاً حرام ہے یا اس کی تھوڑی مقدار جائز ہے؟ اس میں اختلاف ہے، اور فتویٰ امام محمد کے
- قول پر ہے ۲۰۵
- جمہور کے دلائل..... شیخین کی پانچ دلیلیں ۲۰۶
- جمہور کے دلائل کا جواب ۲۰۷
- فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر کیوں ہے؟ ۲۰۸
- شراب پینے پر سخت وعید شرابی آخرت میں شراب جنت سے محروم رہے گا..... شرابی کی نماز قبول نہیں ہوتی
- نماز قبول نہ ہونے کا مطلب ۲۰۹

- باب (۲): ہرنشہ آور چیز حرام ہے ۲۱۱
- باب (۳): جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے ۲۱۲
- باب (۴): گھڑوں کی نبیذ کا حکم ۲۱۳
- شراب کے برتنوں کا حکم کیا ان میں نبیذ بنانا جائز ہے؟ ۲۱۳
- باب (۵): تونبی میں، لکڑی کے برتن میں اور روغنی گھڑے میں نبیذ بنانے کی ممانعت ۲۱۶
- باب (۶): کسی بھی برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت ۲۱۷
- باب (۷): مشکیزوں میں نبیذ بنانے کا حکم ۲۱۸
- باب (۸): وہ غلے جن کی شراب بنائی جاتی تھی ۲۱۸
- باب (۹): گدڑی کھجور اور چھوہارے ملا کر نبیذ بنانا ۲۲۰
- دو مختلف النوع چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے کی ممانعت کی وجہ ۲۲۰
- باب (۱۰): سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے کی ممانعت ۲۲۱
- باب (۱۱): کھڑے ہوئے پینے کی ممانعت ۲۲۲
- کھڑے کھڑے کھانا پینا غیروں کا طریقہ ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ۲۲۲
- زم زم اور وضو کے بعد کاپانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے ۲۲۳
- باب (۱۳): پینے کے دوران سانس لینے کا حکم ۲۲۵
- تین سانس میں پینے کے فوائد ۲۲۶
- کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی حکمت اور کھانے پینے کے بعد حمد پسندیدہ ہونے کی وجہ ۲۲۶
- باب (۱۴): دو سانس میں پینے کا بیان ۲۲۸
- باب (۱۵): مشروب میں پھونکنے کی ممانعت ۲۲۹
- باب (۱۶): برتن میں سانس لینے کی کراہیت ۲۳۰
- باب (۱۷): مشکیزہ کا منہ موڑ کر پینے کی ممانعت ۲۳۰
- باب (۱۸): مشکیزہ کا منہ موڑ کر پینے کی اجازت ۲۳۱
- باب (۱۹): دائیں والے کا حق پہلے ہے ۲۳۲
- الایمن فالایمن کا ضابطہ منازعت ختم کرنے کے لئے ہے ۲۳۲
- باب (۲۰): پلانے والے کو آخر میں پینا چاہئے ۲۳۳
- باب (۲۱): نبی ﷺ کو کونسا مشروب زیادہ پسند تھا؟ ۲۳۳

آبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

(حسن سلوک، بدسلوکی، صلہ رحمی اور قطع رحمی کا بیان)

- باب (۱): والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بیان (پہلا باب) ۲۳۶
- والدین کے ساتھ حسن سلوک کی شکلیں ۲۳۶
- تعظیم و احترام میں باپ کا حق زیادہ ہے اور خدمت و انعام میں ماں کا حسن سلوک کے معاملہ میں
- ماں کو تین گنا برتری حاصل ہے ۲۳۶
- باب (۲): والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بیان (دوسرا باب) ۲۳۷
- باب (۳): والدین کو خوش رکھنے کا ثواب ۲۳۸
- والدین کی فرمانبرداری بعض صورتوں میں واجب ہے، بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں ناجائز
- ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے تعلق سے مختلف احوال اور ان کے احکام ۲۳۹
- باب (۴): والدین کے ساتھ بدسلوکی کا بیان ۲۴۳
- والدین کے ساتھ بدسلوکی کی سزا دنیا ہی میں ملتی ہے ۲۴۳
- کبھی بدسلوکی کرنے والا حسن سلوک کرنے والا اور حسن سلوک کرنے والا بدسلوکی کرنے والا قرار دیا جاتا ہے
- ۲۴۴
- باب (۵): باپ کے دوست کا اکرام باپ کے ساتھ حسن سلوک ہے ۲۴۵
- باب (۶): خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا بیان ۲۴۷
- دو مسکلوں میں خالہ ماں کے قائم مقام ہے ۲۴۷
- گناہ کبیرہ کے بعد توبہ ضروری ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی نیک کام بھی کیا جائے تو دل سے گناہ کا
- بوجھ ہٹ جاتا ہے ۲۴۸
- باب (۷): والدین کی دعا کا بیان ۲۴۹
- باب (۸): والدین کے حق کا بیان ۲۵۰
- باب (۹): خاندان کے ساتھ بدسلوکی کا بیان ۲۵۱
- قطع رحمی کا وبال احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا چاہئے احسان کرنے والے کے منہ پر بھی
- تعریف کی جاسکتی ہے لیکن اس میں مبالغہ نہیں چاہئے ۲۵۱
- اشتقاق کی تین قسمیں: صغیر، کبیر اور اکبر ۲۵۲
- باب کی روایت میں تھیف اور شارحین کی پریشانی ۲۵۳

- باب (۱۰): خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان ۲۵۴
- ۱۰ احسان کے بدلہ میں احسان کرنا مکافات ہے اور اینٹ کے جواب میں پھول برسانا صلہ رحمی (حسن سلوک) ہے ۲۵۴
- باب (۱۱): باپ کا اولاد سے محبت کرنا ۲۵۵
- اولاد کی محبت ماں باپ سے رفتہ رفتہ کم ہو جاتی ہے اور ماں باپ کی محبت بدستور باقی رہتی ہے، اور یہ فطری امر ہے ۲۵۵
- باب (۱۲): اولاد پر مہربانی کا بیان ۲۵۷
- باب (۱۳): بیٹیوں پر خرچ کرنے کا بیان ۲۵۸
- باب (۱۴): یتیم پر مہربانی کرنے کا اور اس کی پرورش کرنے کا بیان ۲۶۱
- شرک اور حقوق العباد بخشے نہیں جائیں گے ۲۶۲
- باب (۱۵): بچوں پر مہربانی کرنے کا بیان ۲۶۳
- لیس مذا ایک محاورہ ہے..... لیس مناز جروتونج ہے اور اسکی تفسیر کرنے سے بات کا وزن گھٹ جاتا ہے ۲۶۳
- باب (۱۶): لوگوں پر مہربانی کرنے کا بیان ۲۶۴
- مہربانی کے درجات ہیں اور اسی کے موافق شقاوت کے بھی مراتب ہیں ۲۶۵
- باب (۱۷): خیر خواہی کا بیان ۲۶۶
- خیر خواہی کی شکلیں نسبت کے بدلنے سے مختلف ہوتی ہیں..... حضرت جریرؓ کی خیر خواہی ۲۶۷
- باب (۱۸): مسلمان کی مسلمان پر لطف و مہربانی ۲۶۸
- ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی طرح ہے..... ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہے ۲۶۹
- باب (۱۹): مسلمانوں کی پردہ پوشی کا بیان ۲۷۰
- باب (۲۰): مسلمان کی آبرو بچانا ۲۷۱
- باب (۲۱): مسلمان سے ترک تعلقات کی ممانعت ۲۷۲
- حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ ۲۷۲
- باب اپنی اولاد سے، شوہر اپنی بیوی سے اور استاذ اپنے شاگرد سے تین دن سے زیادہ ناراض رہ سکتے ہیں ۲۷۳
- باب (۲۲): مسلمان کی غم خواری کرنا ۲۷۴
- باب (۲۳): غیبت کا بیان ۲۷۵
- غیبت کی تعریف..... غیبت کی قباح و شاعت..... غیبت سننا بھی ممنوع ہے ۲۷۵

- ۲۷۶ چھ صورتوں میں غیبت جائز ہے
- باب (۲۴): حسد کا بیان ۲۷۷
- ۲۷۷ حسد کی دو قسمیں: حقیقی اور مجازی مجازی حسد: دنیوی امور میں جائز اور عبادات میں مستحب ہے
- باب (۲۵): ایک دوسرے سے عداوت رکھنا ۲۷۹
- ۲۸۰ جو پابندی سے نماز پڑھے گا وہ ان شاء اللہ ارتداد سے محفوظ رہے گا
- باب (۲۶): لوگوں کے درمیان تعلقات سنوارنا ۲۸۰
- ۲۸۲ کذب کی حقیقت و ماہیت (مختصر المعانی کی بحث کا خلاصہ)
- ۲۸۲ کیا صریح جھوٹ جائز ہے؟ تو یہ جائز ہے تو یہ کے چند واقعات
- ۲۸۴ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات
- ۲۸۴ کذب کے سلسلہ میں علماء کی آراء
- باب (۲۷): امانت خرد برد کرنے اور دھوکہ دینے کا بیان ۲۸۶
- باب (۲۸): حق ہمسائیگی کا بیان ۲۸۷
- ۲۸۸ پڑوسی کی تین قسمیں ہیں پڑوسی کون ہے؟ فقہاء کی آراء
- باب (۲۹): خادم کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان ۲۸۹
- باب (۳۰): خدام کو مارنے اور گالی دینے کی ممانعت ۲۹۰
- ۲۹۱ غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کے دو مرتبے:
- ۲۹۱ آقا اگر اپنے غلام پر تہمت لگائے تو دنیا میں اس پر حد جاری نہیں ہوگی
- باب (۳۱): غلام کو سلیقہ سکھانے کا بیان ۲۹۳
- ۲۹۳ غلام باندی کو یا طالب علم کو چہرے پر یا اعضائے رئیسہ پر مارنا یا ایسا مارنا جس سے جسم پر نشان پڑ جائے:
- ۲۹۳ جائز نہیں کیا آقا اپنے غلام باندی کو خود مار سکتا ہے؟
- باب (۳۲): غلام کو معاف کرنے کا بیان ۲۹۴
- باب (۳۳): اولاد کی تربیت کا بیان ۲۹۵
- ۲۹۵ اگر اولاد کی تربیت کی طرف سے غفلت برتی گئی تو آدھی صدی گزرتے گزرتے معاشرہ بگڑ جائے گا
- باب (۳۴): ہدیہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا ۲۹۷
- ۲۹۷ ہدیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک: جس کا بدلہ مطلوب ہوتا ہے، دوسرا: جو محض صلہ رحمی یا ثواب کے لئے دیا جاتا ہے اول کا معاملہ بیچ کی طرح ہے اور ثانی کا بدلہ ضروری نہیں
- ۲۹۷

- باب (۳۵): حسن سلوک کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا ۲۹۸
- باب (۳۶): حسن سلوک والے کام ۲۹۹
- باب (۳۷): فائدہ اٹھانے کے لئے کسی کو کوئی چیز دینا ۳۰۰
- باب (۳۸): راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا ۳۰۱
- لفظ شکر کے نسبت بدلنے سے معنی بدلتے ہیں ۳۰۱
- باب (۳۹): مجلس کی باتیں راز و مخفی چاہئیں ۳۰۲
- باب (۴۰): سخاوت کا بیان ۳۰۳
- کیا بیوی شوہر کے مال میں سے خرچ کر سکتی ہے؟ حضرت زبیرؓ کا انفاق کے سلسلہ میں مزاج ۳۰۴
- باب (۴۱): بخیلی کا بیان ۳۰۶
- باب (۴۲): اہل و عیال پر خرچ کرنے کا بیان ۳۰۸
- باب (۴۳): مہمان نوازی کا بیان اور مہمان نوازی کی آخری حد ۳۰۹
- مہمان نوازی سنت مؤکدہ ہے یا واجب؟ ایک بدو کا واقعہ ۳۱۰
- باب (۴۴): بیوہ اور یتیم کے کام کرنے کی فضیلت ۳۱۱
- باب (۴۵): خندہ پیشانی اور شگفتہ روئی کا بیان ۳۱۳
- باب (۴۶): سچ بولنے اور جھوٹ بولنے کا بیان ۳۱۳
- اعمال میں رفتہ رفتہ کمال پیدا ہوتا ہے ایک اچھا عمل دوسرے اچھے عمل تک پہنچاتا ہے ۳۱۴
- باب (۴۷): بری باتوں کا بیان ۳۱۵
- باب (۴۸): لعنت کا بیان ۳۱۶
- لعنت کے معنی اگر لعنت ایسے شخص پر کی جائے جو لعنت کا مستحق نہیں تو لعنت کرنے والا خود ملعون ہوتا ہے لعنت کرنا صرف اس پر جائز ہے جس کا بالیقین برا ہونا معلوم ہو ۳۱۶
- باب (۴۹): نسب سیکھنے کا بیان ۳۱۸
- باب (۵۰): مسلمان کی مسلمان کے لئے پیٹھ پیچھے دعا ۳۱۹
- باب (۵۱): گالی گلوچ کا بیان ۳۲۰
- باب (۵۲): بھلی بات کہنے کا بیان ۳۲۲
- باب (۵۳): نیک غلام کی منقبت ۳۲۲
- باب (۵۴): لوگوں کے ساتھ میل جول کا بیان ۳۲۴

- باب (۵۵): بدگمانی کا بیان ۳۲۵
- ظن کے معنی ظن کی چار قسمیں: حرام، واجب، مندوب اور مباح جو گمان زبان پر آئے اس میں گناہ ہے اور جو گمان دل میں رہے اس میں کوئی گناہ نہیں ۳۲۶
- باب (۵۶): خوش طبعی کا بیان ۳۲۷
- خوش طبعی مسنون ہے مگر اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کوئی خلاف واقعہ بات نہ کہے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو ۳۲۸
- باب (۵۷): بحث تکرار کا بیان ۳۲۹
- اگر وعدہ پورا کرنے کا ارادہ ہو مگر کسی مانع کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو کوئی گناہ نہیں ۳۳۰
- باب (۵۸): لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا بیان ۳۳۱
- باب (۵۹): محبت اور دشمنی میں میانہ روی اختیار کرنا ۳۳۲
- باب (۶۰): گھمنڈ کی برائی ۳۳۳
- جہنم میں جانے کا قوی ترین سبب تکبر ہے تکبر کی دو قسمیں: تکبر اور تجمل حسن و جمال میں فرق ۳۳۴
- خودداری اور گھمنڈ میں فرق ۳۳۵
- باب (۶۱): خوش اخلاقی کا بیان ۳۳۶
- میزان عمل میں سب سے بھاری اخلاق حسنہ ہونگے اخلاق حسنہ والا: صائم الدہر، قائم اللیل کے درجہ میں ہوگا ۳۳۷
- جہنم میں لے جانے والے دو گناہ اخلاق حسنہ کی تفسیر ۳۳۸
- باب (۶۲): حسن سلوک اور درگزر کا بیان ۳۳۹
- باب (۶۳): دینی بھائیوں سے ملنے کا بیان ۳۴۰
- لوگوں سے بے تعلق رہنا اچھی صفت نہیں ۳۴۰
- باب (۶۴): شرم کا بیان ۳۴۱
- شرم لحاظ کا معاشرہ کو سنوارنے میں بڑا دخل ہے ۳۴۱
- باب (۶۵): اطمینان سے کام کرنے کا اور جلد بازی کرنے کا بیان ۳۴۲
- نبوت تمام ہو گئی مگر کمالات نبوت باقی ہیں ہر کمال کا مجموعہ سے نسبت دیکھنے کا طریقہ ۳۴۳
- اچھی سیرت، اطمینان سے کام انجام دینا اور میانہ روی کا مجموعہ: کمالات نبوت کا $\frac{1}{۲۴}$ ہے ۳۴۳
- دو خصلتیں: جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں ۳۴۴

- باب (۶۶): نرمی کا بیان ۳۴۵
- باب (۶۷): مظلوم کی بددعا کا بیان ۳۴۶
- باب (۶۸): نبی ﷺ کے اخلاق عالیہ کا بیان ۳۴۷
- گناہوں سے پسینہ میں بدبو اور اعمالِ حسنہ سے خوشبو پیدا ہوتی ہے ۳۴۷
- اگر خادم بالقصد کام بگاڑے تو اس کی سرزنش کی جاسکتی ہے ۳۴۸
- باب (۶۹): حسن وفا کا بیان ۳۴۹
- تعلقات کی پاسداری ایمان کا تقاضہ ہے ۳۴۹
- باب (۷۰): بلند اخلاقی کا بیان ۳۵۱
- باب (۷۱): لعن طعن کا بیان ۳۵۲
- باب (۷۲): بہت زیادہ غصہ کرنے کا بیان ۳۵۳
- غصہ کی کثرت قوتِ عاقلہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتی ہے اور غصہ کرنے سے قوتِ عاقلہ کمزور ہوتی ہے ۳۵۳
- باب (۷۳): غصہ پینے کا بیان ۳۵۴
- باب (۷۴): بڑے کی تعظیم کرنا ۳۵۵
- باب (۷۵): دو قطع تعلق کرنے والوں کا حکم ۳۵۶
- تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنے والوں کی بخشش نہیں ہوتی ۳۵۶
- باب (۷۶): صبر کا بیان ۳۵۷
- صبر کی مختلف صورتیں اور چار اخلاقِ حسنہ ۳۵۷
- باب (۷۷): دورِ خِ آدمی کا حال ۳۵۹
- باب (۷۸): چغلوں کا بیان ۳۵۹
- باب (۷۹): قلتِ کلام کا بیان ۳۶۰
- شرم و لحاظ اور قلتِ کلام ایمان کی شاخیں ہیں اور یہودہ گوئی اور طلاقِ لسانی نفاق کی شاخیں ہیں ۳۶۰
- باب (۸۰): بعض بیانِ جادو اثر ہوتے ہیں ۳۶۱
- باب (۸۱): خاکساری کا بیان ۳۶۲
- باب (۸۲): ظلم کا بیان ۳۶۳
- باب (۸۳): نعمت کی برائی نہیں کرنی چاہئے ۳۶۴
- باب (۸۴): مؤمن کے احترام کا بیان ۳۶۴

- ۳۶۵ اللہ کے نزدیک مؤمن کا احترام کعبہ شریف سے بھی بڑھا ہوا ہے
- ۳۶۵ باب (۸۵): تجربات کا بیان
- ۳۶۶ باب (۸۶): نعمت کی جھوٹی نمائش کرنا
- ۳۶۸ باب (۸۷): نیک سلوک پر تعریف کا بیان

أبواب الطب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- طب نبوی کی روایات کے تعلق سے چھ باتیں: (۱) علاج معالجہ سے تعلق رکھنے والی روایات دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، حکم شرعی کے طور پر وارد نہیں ہوئیں (۲) بیماریاں اور دوائیں دو قسم کی ہیں: مفرد اور مرکب (۳) نبی ﷺ نے تجربہ سے جو باتیں جانی تھیں وہ امت کو بتلائیں ۳۶۹
- (۴) روایات پر عمل کرنے کے لئے مرض کی پہچان اور دواء کے استعمال کا طریقہ جاننا ضروری ہے
- (۵) طب نبوی پر تعامل نہ ہونے کی وجہ (۶) علاج دو ہیں: جسمانی اور روحانی ۳۷۰
- باب (۱): پرہیز کا بیان ۳۷۰
- طب کی تین بنیادیں: حفظانِ صحت، پرہیز اور استفراغ مادہ فاسد ۳۷۰
- یونانی اور ایلیپتیسی طریقہ علاج مختلف ہے دنیا سے بچانے کی دو صورتیں: ۳۷۲
- حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا واقعہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا واقعہ خواجہ عبید اللہ احرار کا واقعہ ۳۷۳
- باب (۲): دوا دارو کی ترغیب ۳۷۵
- اسباب ظاہری کو اختیار کرنا مامور بہ ہے اسباب کی تین قسمیں اور ان کے احکام ۳۷۶
- باب (۳): بیمار کو کیا کھلانا چاہئے؟ ۳۷۸
- بیمار کو حریرہ پلانا چاہئے حریرہ بنانے کا طریقہ ۳۷۸
- باب (۴): بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور مت کرو ۳۸۰
- باب (۵): کلونجی کا بیان ۳۸۰
- کلونجی کا مزاج گرم خشک ہے کلونجی کثیر المنافع دواء ہے باب کی حدیث بظاہر عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے ۳۸۱
- باب (۶): اونٹوں کا پیشاب پینے کا بیان ۳۸۲
- ناپاک اور حرام چیز سے علاج جائز ہے یا نہیں؟ ۳۸۲
- باب (۷): زہر وغیرہ سے خودکشی کرنے کا بیان ۳۸۳

- ۳۸۴ خطرناک دوائیں ماہر حکیم کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں
- ۳۸۵ کیا خودکشی کرنے والے کی بخشش ہوگی؟
- ۳۸۷ باب (۸): نشہ آور چیزوں سے علاج کرنے کی ممانعت
- ۳۸۷ چار شرابیں بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں..... انگریزی ادویات کا حکم
- ۳۸۸ باب (۹): ناک میں دواء ٹپکانے وغیرہ علاج کا بیان
- ۳۸۹ دماغی بیماریوں کا علاج..... نمونیا وغیرہ کا علاج
- ۳۹۰ فسادخون کا علاج..... فساد معدہ کا علاج..... مُسہل لینے کا فائدہ
- ۳۹۱ باب (۱۰): گرم لوہے سے داغنے کی ممانعت
- داغنا نہایت تکلیف دہ علاج ہے اگر دوسرا متبادل علاج ہو تو یہ علاج نہیں کرانا چاہئے..... یہی حکم
- ۳۹۱ خطرناک آپریشن کا ہے..... علاج کرنا سنت ہے مگر کوئی خاص طریقہ علاج سنت نہیں
- ۳۹۲ باب (۱۲): چھپنے لگوانے کا بیان
- ۳۹۲ ملائکہ انسانوں کی مصلحت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں
- ۳۹۵ باب (۱۳): مہندی سے علاج کرنا
- ۳۹۶ باب (۱۵): جھاڑ پھونک کی ممانعت اور اجازت
- ۳۹۶ بیماریاں دو طرح کی ہیں: جسمانی اور روحانی، اور علاج بھی دو ہیں
- جھاڑ کی بیماریوں کی ایک علامت..... خواہ مخواہ جھاڑ پھونک کرنا یا تعویذ گنڈے باندھنا تو کل کے
- ۳۹۷ منافی ہے
- ۳۹۸ باب (۱۶): معوذتین سے جھاڑنا
- ۳۹۹ باب (۱۷): نظر بد سے جھاڑنے کا بیان
- ۳۹۹ ماشاء اللہ کہہ لینے سے نظر نہیں لگتی..... جھاڑنے کی ایک دعا
- ۴۰۰ باب (۱۸): نظر واقعی لگتی ہے اور اس کے لئے دھونا
- ہامۃ: کی دو تفسیریں، اور یہ عقیدہ باطل ہے..... زمانہ جاہلیت میں نظر بد کا ایک علاج عائن کے غسل کو
- ۴۰۱ مغسول پر ڈالنا بھی تھا..... دھونے کا طریقہ
- ۴۰۲ باب (۱۹): تعویذ پر اجرت لینے کا بیان
- ۴۰۲ جسمانی علاج کی طرح روحانی علاج بھی کبھی کامیاب ہوتا ہے کبھی ناکام
- ۴۰۴ تعلیم قرآن پر اجرت کا مسئلہ..... طاعات مقصودہ پر اجارہ باطل ہے

- سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفاء ہے..... عمل کی تاثیر کے لئے اکلِ حلال اور صدقِ مقال ضروری ہے اور
 ۴۰۵ دعاؤں کی تاثیر پر یقین بھی ضروری ہے
- باب (۲۰): جھاڑ پھونک اور علاجِ معالجہ کا بیان ۴۰۶
- باب (۲۱): کھمبی اور کھجور کا بیان ۴۰۷
- عجوبہ کے جنتی پھل ہونے کے دو مطلب یہ جو مشہور ہے کہ عجوبہ کا درخت نبی پاک ﷺ کا لگایا ہوا
 ۴۰۸ ہے: صحیح نہیں..... ”کھمبی من سے ہے“: اس کے دو مطلب
- باب (۲۲): غیب کی باتیں بتلانے والے کی اجرت ۴۱۰
- باب (۲۳): کوڑی وغیرہ باندھنے کی ممانعت ۴۱۱
- تعویذ وغیرہ باندھنے کے جواز و عدم جواز میں علماء کی آراء اور مستدلالات دم کرنے کی ایک دعا ۴۱۲
- باب (۲۴): پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنا ۴۱۳
- پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنے کا حکم اہل جہاز کے لئے ہے..... بخار اور سبھی دردوں میں دم کرنے کی دعا ۴۱۴
- باب (۲۵): دودھ پلانے کے زمانہ میں صحبت کرنا ۴۱۵
- باب (۲۶): پہلو کے درد (نمونیا) کا علاج ۴۱۷
- قسط تین قسم کی ہوتی ہے ۴۱۸
- باب (۲۷): درد کی ایک جھاڑ ۴۱۹
- باب (۲۸): سنا کا بیان ۴۲۰
- سنا کثیر الفوائد نبات ہے..... اگر کسی چیز میں موت کا علاج ہوتا تو وہ سنا میں ہوتا ۴۲۰
- باب (۲۹): شہد کا ذکر ۴۲۱
- باب (۳۰): بیمار کو جھاڑنے کی ایک دعا ۴۲۲
- باب (۳۱): بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا ایک طریقہ ۴۲۳
- باب (۳۲): راکھ سے علاج کرنے کا بیان ۴۲۴
- باب (۳۳): مریض کو زندگی کی امید دلانا ۴۲۵

أبواب الفرائض عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- باب (۱): مال کے وارث و رثاء ہیں ۴۲۶
- آج کل غیر مسلم حکومتیں مرنے والے کے مال پر بھی ٹیکس لگاتی ہیں: اسلام میں اس کی گنجائش نہیں، ترکہ
 ۴۲۶ سارا ورثاء کا ہے..... اسلامی حکومت دیلفیر حکومت ہے

- باب (۲): فرائض کی تعلیم کا بیان ۴۲۷
- فرائض کے چند معانی حدیث میں فرائض سے کیا مراد ہے؟ ۴۲۷
- باب (۳): میراث میں بیٹیوں کا حصہ ۴۲۹
- باب (۴): ایک بیٹی کے ساتھ پوتی کا حصہ ۴۳۰
- باب (۵): حقیقی بھائیوں کی میراث ۴۳۱
- حقیقی بھائی عصبہ اور علاقائی بھائی محروم کیوں رہتے ہیں؟ اخیانی بھائی حقیقی اور علاقائی بھائیوں کے ساتھ وارث کیوں ہوتے ہیں؟ ۴۳۲
- تجہیز و تکفین کے بعد تمام ترکہ سے قرض چکایا جائے اور آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم تاکید کے لئے ہے ۴۳۲
- باب (۶): بیٹیوں کا حصہ بیٹیوں کے ساتھ ۴۳۳
- باب (۷): بہنوں کا حصہ اور کلالہ کی تعریف ۴۳۴
- باب (۸): عصبہ کی میراث کا بیان ۴۳۵
- عصبہ کی قسمیں اور ان کی تعریف عصبہ نسبی کی قسمیں اور تعریف ۴۳۵
- بیٹا صرف عصبہ ہے اور باپ دادا ذوی الفروض بھی ہیں اور عصبہ بھی ایسا کیوں؟ ۴۳۶
- باب (۹): دادا کا میراث میں حصہ ۴۳۶
- باب (۱۰): دادی کا میراث میں حصہ ۴۳۷
- جدۃ کی قسمیں ماں کی وجہ سے تمام جدات ساقط ہوتی ہیں اور باپ کی وجہ سے صرف پدری جدات ساقط ہوتی ہیں ۴۳۸
- باب (۱۱): جدۃ کے بیٹے کی موجودگی میں اس کا حصہ ۴۴۰
- باپ کی وجہ سے پدری جدات ساقط ہوتی ہیں اور حدیث کی تین توجہیں ۴۴۰
- باب (۱۲): ناموں کا میراث میں حصہ ۴۴۱
- ذوی الارحام کو نئے رشتہ دار ہیں ذوی الارحام کی تواریث میں اختلاف ۴۴۱
- باب (۱۳): لاوارث کے ترکہ کا حکم ۴۴۲
- باب (۱۴): آزاد شدہ کا میراث میں حصہ ۴۴۳
- باب (۱۵): مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے ۴۴۴
- موانع ارث چار ہیں قتل بالسبب میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوتا مسلمان مرتد کا وارث ہوگا لیکن مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا مرتد نے ارتداد کے بعد جو اموال کمائے ہیں ان کا حکم ۴۴۴

- باب (۱۶): دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے ۴۴۵
- اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب ایک ملت ہیں یا الگ الگ ملتیں؟ مذاہب فقہاء ۴۴۵
- باب (۱۷): قاتل وارث نہیں ہوتا ۴۴۶
- باب (۱۸): شوہر کی دیت سے عورت کو حصہ ملے گا ۴۴۷
- باب (۱۹): میراث و رثاء کے لئے ہے اور دیت خاندان پر ہے ۴۴۸
- وراثت کی بنیاد تعاون، تناصر اور ہمدردی پر ہے اور دیت کا مدار برائی سے روکنے پر ہے ۴۴۸
- باب (۲۰): جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کا حکم ۴۴۹
- مولی الموالات کی میراث کا مسئلہ موالات کیا ہے؟ موالات معتبر ہے یا نہیں؟ مذاہب فقہاء ۴۴۹
- موالات کی صحت کے لئے شرائط (حاشیہ) ۴۴۹
- باب (۲۱): ولد الزنا وارث نہیں ہوتا ۴۵۲
- باب (۲۲): ولأء کا وارث کون ہوتا ہے؟ ۴۵۳
- باب (۲۳): عورتوں کو ولأء کب ملتی ہے؟ ۴۵۳
- عورتوں کو آٹھ صورتوں میں ولأء ملتی ہے ۴۵۳
- لقیط کی میراث ملقظ کو نہیں ملے گی ۴۵۴

أبواب الوصایا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- وصیت اور صدقہ کی تعریف وصیت کی حکمت حق واجب کی وصیت واجب ہے اور حق مستحب کی مستحب ۴۵۵
- باب (۱): وصیت صرف تہائی ترکہ کی جائز ہے ۴۵۶
- دو وجہ سے وصیت جائز نہیں ہونی چاہئے تھی مگر ایک مصلحت سے اس کی اجازت دی گئی ۴۵۷
- باب (۲): وصیت میں وراثت کو نقصان پہنچانا ۴۵۸
- جس نے وارث کی میراث کا فی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹیں گے ۴۵۹
- باب (۳): وصیت لکھ لینے کی ترغیب ۴۵۹
- معاملات کی یادداشت لکھ لینا کسی رازدار کو بتادینا وصیت نامہ لکھنے کے قائم مقام ہے ۴۶۰
- باب (۴): نبی ﷺ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی ۴۶۰

- ۴۶۰ وصیت ضروری ہے مگر دنیوی امور کی وصیت ضروری نہیں
- باب (۵): وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ۴۶۱
- نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ زانی سے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب ہونے والا ملعون ہے قومیت بدلنے والا ملعون ہے عورت کے لئے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں برتنے کے لئے لی ہوئی چیز ضرورت پوری ہونے پر لوٹا دینی چاہئے انتفاع کے لئے دیا ہوا جانور فائدہ اٹھا کر واپس کرنا چاہئے قرض بروقت ادا کرنا چاہئے ضامن ذمہ دار ہوتا ہے ۴۶۲
- اسماعیل بن عیاش کا حال ۴۶۳
- باب (۶): قرضہ: وصیت سے پہلے چکایا جائے ۴۶۴
- باب (۷): موت کے وقت خیرات کرنا یا غلام آزاد کرنا ۴۶۵
- مرض موت کا تبرع بحکم وصیت ہے ۴۶۵
- مجاہدین پر خرچ کرنا وجوہ خیر میں سب سے اہم ہے ۴۶۵
- باب (۸): ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (پہلا باب) ۴۶۶

أبواب الولاء والهبة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- باب (۱): ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (دوسرا باب) ۴۶۸
- باب (۲): ولاء بیچنا اور بخشنا ممنوع ہے ۴۶۹
- باب (۳): غیر آقاؤں سے تعلق قائم کرنا اور غیر باپ کی طرف منسوب ہونا ۴۷۰
- شیعوں نے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں، حضرت علی اور حضرت ابن عباس نے اس کی تردید کی ہے ۴۷۱
- حرم مدنی کی حدود مدینہ پاک کا حرم: حرم مکہ ہی کی طرح محترم ہے یا اس کا مرتبہ کچھ کم ہے؟ ۴۷۱
- بدعتی کو حرم میں پناہ نہ دی جائے ۴۷۱
- صرف وعدل کے معنی ۴۷۲
- باب (۴): اولاد کے نسب کا انکار کرنا ۴۷۳
- دلیل قوی کے بغیر اولاد کا انکار کرنا غلط ہے ۴۷۳
- باب (۵): قیافہ شناسوں کا بیان ۴۷۴

- قیافہ کی تعریف..... قیافہ سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہے..... نسب میں قیافہ کا اعتبار ہے یا نہیں؟..... ۴۷۴
- باب کی حدیث قیافہ شناسی کی اعتباریت کی دلیل ہے یا نہیں؟..... ۴۷۵
- باب (۶): ہدیہ دینے لینے کی ترغیب..... ۴۷۶
- ہدیہ کا لین دین دلوں کی کدورت کو دور کرتا ہے، اور محبت پیدا کرتا ہے..... ۴۷۶
- باب (۷): ہبہ کر کے واپس لینا مکروہ ہے..... ۴۷۷

أبواب القدر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- قضاء و قدر میں فرق..... بھلی بری تقدیر کا مطلب..... ۴۷۹
- تقدیر کا دائرہ..... ۴۸۰
- تقدیر کی ضرورت..... تقدیر کا مسئلہ آسان ہے..... ۴۸۱
- تقدیر کا مسئلہ مشکل کیوں بن گیا ہے؟..... ۴۸۲
- تقدیر پر ایمان لانے کے تین اہم فائدے..... ۴۸۳
- تقدیر کے ساتھ تدبیر ضروری ہے..... ۴۸۴
- تقدیر: معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے..... علم معلوم سے منترع ہوتا ہے، معلوم کبھی بھی علم کے تابع نہیں ہوتا..... خلاصہ کلام..... ۴۸۵
- مثالوں سے مزید وضاحت..... ۴۸۶
- تقدیر کے مسئلہ کی جانبیں: عقیدہ کی جانب اور عمل کی جانب..... ۴۸۷
- باب (۱): تقدیر میں بحث و تکرار کی سخت ممانعت..... ۴۸۷
- مسئلہ تقدیر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے مگر اس میں الجھنا نہیں چاہئے..... ۴۸۷
- اہم سابقہ کی طرح اس امت میں بھی فکری گمراہی تقدیر کے مسئلہ سے شروع ہوئی ہے..... ۴۸۸
- باب (۲): آدم و موسیٰ علیہما السلام میں ایک مناظرہ..... ۴۸۹
- یہ مناظرہ عالم ارواح میں بارگاہ خداوندی میں ہوا تھا..... نوشتہ تقدیر کوتاہی کا عذر تو نہیں بن سکتا مگر اس کے ذریعہ رفع الزام کیا جاسکتا ہے..... حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش میں دو پہلو..... ۴۹۰
- بندوں کو تقدیر کا معاملہ اپنی جانب سے دیکھنا چاہئے..... ۴۹۱
- تقدیر پر تکیہ کرنا ٹھیک نہیں، معاملات کو اسباب کے دائرہ میں لانا چاہئے..... ۴۹۱
- باب (۳): بد بختی اور نیک بختی کا بیان..... ۴۹۲
- تقدیر: مہر صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے، بندوں کی جانب سے معلق ہوتی ہے..... ۴۹۲

- باب (۴): اخروی انجام آخری عمل کے مطابق ہوگا ۴۹۴
- کسی کو بد اعمالیوں میں دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے..... اعمال خیر پر مطمئن نہیں ہونا چاہئے ۴۹۴
- باب (۵): ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے ۴۹۵
- معرفت خداوندی اور ربوبیت ربانی کا علم ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے ۴۹۶
- نابالغ بچوں کا اخروی حکم ۴۹۷
- باب (۶): تقدیر کو دعا ہی پھیر سکتی ہے ۴۹۸
- باب (۷): دل رحمان کی دوائیوں کے بیچ میں ہیں ۵۰۰
- نبی ﷺ کے اقوال و افعال میں امت کی تعلیم کا پہلو بھی ہوتا ہے..... انسان جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہے: ایک مثال سے اس کی وضاحت ۵۰۰
- باب (۸): اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے نام رجسٹروں میں لکھ لئے ہیں ۵۰۱
- اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں تو اس کو موت سے پہلے نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں..... امام محمد رحمہ اللہ کا واقعہ ۵۰۳
- باب (۹): چھوت کی بیماری، مقتول کے سر کا پرندہ، اور صفر کی نحوست بے اصل باتیں ہیں ۵۰۴
- باب (۱۰): بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے ۵۰۶
- موت پر حقیقی ایمان یہ ہے کہ موت سے ڈر کر انگلی زندگی کی تیاری کرے ۵۰۷
- باب (۱۱): آدمی وہاں ضرور پہنچتا ہے جہاں موت مقدر ہوتی ہے ۵۰۸
- باب (۱۲): جھاڑ پھونک اور دوا دار و تقدیر کو ٹال نہیں سکتے ۵۰۹
- باب (۱۳): منکرین تقدیر کا حکم ۵۱۱
- اسلامی فرقوں میں اختلاف کی چار بنیادیں ۵۱۱
- باب (۱۴): انسان ننانوے اسباب موت میں گھرا ہوا ہے ۵۱۳
- باب (۱۵): فیصلہ خداوندی پر راضی رہنا ۵۱۴
- باب (۱۶): تقدیر کا انکار گمراہی ہے ۵۱۵
- گمراہ فرقوں کے ساتھ سلام و دعا کا رابطہ نہیں ہونا چاہئے..... گمراہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا کسی وقت نکالے جائیں گے؟ ۵۱۶
- تقدیر الہی کا دوسرا مظہر ۵۱۷

۵۱۸ تقدیر الہی پانچ مراحل میں ظاہر ہوتی ہے تقدیر الہی کا قرآن مجید سے ثبوت

أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

۵۱۹ فتنوں کی چھ قسمیں: آدمی کے اندر کا فتنہ لطائف ثلاثہ: قلب عقل اور نفس کے اچھے برے احوال ...

۵۲۱ گھر کا فتنہ وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے

۵۲۲ ملی فتنہ عالمگیر فتنہ اور فضائی حادثات کا فتنہ فتن، ملاحم اور علامات قیامت کی روایتوں کا انداز

۵۲۳ فتنوں پر تفصیلی کلام کی حکمتیں

۵۲۴ اس امت میں فتنوں کی زیادتی اور اس کی وجہ مؤمنین کے لئے فتنوں میں بھی خیر ہوتی ہے

۵۲۴ باب (۱): کسی مسلمان کا قتل، بجز تین وجوہ کے جائز نہیں

۵۲۵ قتل و قتال کا فتنہ سب سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہوا

۵۲۶ باب (۲): مسلمانوں کی جان و مال کی حرمت

۵۲۸ باب (۳): کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو گھبرائے

۵۲۹ باب (۴): کسی بھی مسلمان کو ہتھیار دکھانا

۵۳۰ باب (۵): سونتی ہوئی تلوار دینے کی ممانعت

۵۳۱ باب (۶): جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی گارنٹی میں ہے

۵۳۱ باب (۷): جماعت مسلمین کے ساتھ لگا رہنا

۵۳۱ اتحاد و اتفاق میں جو قوت ہے وہ تشتت و افتراق میں نہیں

۵۳۲ تین زمانے خیر القرون ہیں اور وہ طول و عرض میں ایک ساتھ ہیں

۵۳۳ اجتماعیت کے ساتھ جو دینی کام انجام پاتے ہیں وہ انفرادیت کے ساتھ انجام نہیں پاسکتے

۵۳۳ وہ کسوٹی جس سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ اس میں ایمان ہے یا نہیں!

۵۳۳ پوری امت گمراہی پر متفق ہو جائے یہ بات ناممکن ہے اجماع امت حجت ہے

اللہ کی نصرت و حمایت جماعت کے شامل حال رہتی ہے اہل السنہ والجماعہ سے جدا ہونے والا دوزخ

۵۳۴ میں جائے گا

۵۳۵ باب (۸): منکر کو مٹایا نہ جائے تو عذاب آئے گا

دعوت کی دو قسمیں: غیروں کو دین کی طرف بلانا اور اپنوں کو دین پر جمانا پہلی قسم کی دعوت سے تغافل

۵۳۵ پر عذاب کی دھمکی نہیں آئی اور دوسری قسم کی دعوت سے تغافل پر عذاب کی خبر دی گئی ہے

- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہیں ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ﴾ یا تو غیروں کی دعوت سے متعلق
 ۵۳۶ ہے یا اس کا نمبر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد ہے
- باب (۹): امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان ۵۳۷
- معروف و منکر کی تعریف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں ضروری ہے؟ حکومت کے بگاڑ کا فتنہ ۵۳۷
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت ہو تو امور واجبہ میں امر و نہی واجب ہیں اور امور مستحبہ میں مستحب ۵۳۸
- باب (۱۰): منکر کو ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے روکنا ۵۳۹
- امر و نہی کا فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں، عام مسلمانوں پر بھی یہ فریضہ ہے امر و نہی عن المنکر میں
 حکمت کا لحاظ ضروری ہے ۵۴۰
- منکر کو ہاتھ سے کیسے بدلے؟ اور آخری درجہ کا ایمان ضعیف ہے مگر ناقض نہیں ۵۴۱
- باب (۱۱): منکرات میں مدہانت کرنے والے کی مثال ۵۴۲
- باب (۱۲): ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے ۵۴۳
- باب (۱۳): نبی ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگیں: دو قبول ہوئیں اور ایک قبول نہیں ہوئی ۵۴۳
- یہ امت قحط سالی سے ہلاک نہیں ہوگی اور نہ کوئی غیر ان پر مسلط ہو کر ان کی مرکزیت کو ختم کر سکے گا، البتہ
 آپس میں خلفشار اور جنگ و جدال کے اسباب رونما ہوتے رہیں گے ۵۴۴
- باب (۱۴): فتنوں کے زمانہ میں آدمی کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ ۵۴۷
- ایک فتنہ جو عربوں پر جھاڑو پھیر دے گا فتنوں کے زمانہ میں زبان کو قابو میں رکھنا ۵۴۷
- باب (۱۵): امانت داری کا فقدان ۵۴۸
- امانت کے لغوی اور اصطلاحی معنی امانت داری کا فقدان بڑا فتنہ ہے ۵۴۸
- پہلے لوگوں کے دلوں میں تعلیمات نبوی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی گئی پھر قرآن اترا امانت
 کس طرح اٹھالی جائے گی؟ ۵۴۹
- باب (۱۶): لوگ اگلوں کی روش پر ضرور چلیں گے ۵۵۱
- دلیل شرعی کے بغیر کسی چیز سے کوئی فضیلت وابستہ کر لینا جہالت ہے ۵۵۲
- باب (۱۷): درندوں کا لوگوں سے باتیں کرنا ۵۵۳
- عجائبات بھی کبھی فتنے کا سبب بنتے ہیں ۵۵۳
- قیامت کی تین نشانیاں ۵۵۴

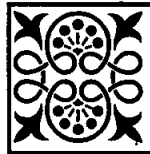
- باب (۱۸): معجزہ شق القمر کا بیان ۵۵۴
- مودودی صاحب شق القمر کو معجزہ نہیں مانتے، صرف کائناتی حادثہ مانتے ہیں (تفہیم القرآن دیکھیں) ۵۵۵
- باب (۱۹): زمین دھنسنے کا ذکر ۵۵۶
- قیامت کی دس نشانیاں ۵۵۷
- جب برائی پھیل جائے گی تو عام عذاب آئے گا ۵۵۸
- باب (۲۰): سورج کا مغرب سے نکلنا ۵۶۰
- ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ کا مطلب اور حضرت ابن مسعود کی قراءت سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے اور طلوع کی اجازت مانگنے کا مطلب ۵۶۰
- باب (۲۱): یاجوج و ماجوج کا خروج ۵۶۲
- یاجوج و ماجوج عام انسان یافت بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں دنیا کی موجودہ اقوام میں سے یاجوج و ماجوج کون ہیں؟ یاجوج و ماجوج کی دیوار میں سوراخ ہونے کا مطلب ۵۶۲
- باب (۲۲): خوارج کا حال ۵۶۳
- خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر ہے اور امیر المؤمنین سنت کی خلاف ورزی کرے تو بغاوت ضروری ہے خوارج کا نظریہ اور عقائد آج بھی موجود ہیں ۵۶۴
- خوارج کا دوسرا نام حروریہ اور مارقہ ہے، یہ فرقہ ۳۶ ہجری میں وجود پذیر ہوا اور ۳۷ ہجری میں نہروان میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں اس کا صفایا ہوا ۵۶۵
- باب (۲۳): ترجیح دینے کا بیان ۵۶۵
- نااہل کو ترجیح دینا فتنہ کا بڑا سبب ہے ۵۶۵
- باب (۲۴): قیامت تک پیش آنے والی باتیں نبی ﷺ نے صحابہ کو بتا دیں ۵۶۷
- دنیا کی رنگینی اور عورتوں کا فتنہ ۵۶۷
- بدعہدی کی سزا انسان کے مختلف درجات غصہ کا علاج دنیا کی زندگی تھوڑی بچی ہے ۵۶۸
- باب (۲۵): شام والوں کا تذکرہ ۵۷۰
- ملک شام کے اب چار ٹکڑے ہو گئے ہیں طاغفہ منصورہ کا مصداق کون ہے؟ ۵۷۰
- باب (۲۶): میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں ۵۷۲
- قتل و قتل عملی طور پر دین کا انکار ہے ۵۷۲

- باب (۲۷): جب فتنے سرابھاریں تو جو کم سے کم اس میں حصہ لے وہ بہتر ہے ۵۷۲
- باب (۲۸): عنقریب شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنے ہونگے ۵۷۳
- شب تار کے ٹکڑوں سے مراد سنگین فتنے ہیں یا وہ فتنے ہیں جن میں حق واضح نہ ہو ۵۷۳
- جو لباس پردہ کے مقصد کی تکمیل نہ کرے: ایسا لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوگی ہر شخص کے حقوق و فرائض ہیں، فرائض ادا کرنے ہیں اور حقوق مانگنے ہیں ۵۷۴
- باب (۲۹): قتل کی گرم بازاری ۵۷۶
- علم اٹھالئے جانے کا مطلب فتنوں میں اہتمام سے عبادتیں کرنی چاہئیں، ایسے وقت کی عبادتیں بہت مفید ہوتی ہیں ۵۷۶
- جب تلوار میان سے نکل آتی ہے تو واپس نہیں جاتی ۵۷۷
- باب (۳۰): لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم ۵۷۷
- باب (۳۱): علامات قیامت کا بیان (پہلا باب) ۵۷۸
- قیامت کی چھ نشانیاں صورت حال دن بدن خراب ہوتی جائے گی ۵۷۸
- جب تک زمین پر اللہ کا نام لینے والا باقی ہے قیامت نہیں آئے گی قیامت کی ایک علامت: دنیا کے مال و مناصب کے وارث خاندانی بیوقوف ہونگے دوسری علامت: بے حساب خزانے زمین سے نکل آئیں گے ۵۷۹
- باب (۳۲): علامات قیامت کا بیان (دوسرا باب) ۵۸۱
- جب امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر بلا اترے گی ۵۸۱
- جب آلات ہول و لعب عام ہو جائیں گے اور شرابیں پی جائیں گی تو زمین میں دھننا، شیطیں بگڑنا اور پتھر برسنے کا عذاب آئے گا ۵۸۳
- باب (۳۳): ارشاد نبوی: ”میں قیامت کے ساتھ اس طرح بھیجا گیا ہوں“ ۵۸۴
- باب (۳۴): ترکوں کے ساتھ جنگ کا تذکرہ ۵۸۵
- باب (۳۵): جب شہنشاہ ایران ختم ہوگا تو اور کوئی شہنشاہ نہیں ہوگا ۵۸۷
- باب (۳۶): قیامت سے پہلے حجاز کی طرف سے ایک آگ نکلے گی ۵۸۷
- باب (۳۷): قیامت سے پہلے جھوٹے نبی پیدا ہونگے ۵۸۸
- باب (۳۸): قبیلہ ثقیف میں بڑا جھوٹا اور ہلاک ہوگا ۵۸۹
- باب (۳۹): تیج تابعین کا تذکرہ ۵۹۰

- باب (۴۰): خلفاء کا بیان ۵۹۲
- خليفة اور بادشاہ میں فرق منہاج نبوت پر خلافت کا مطلب بادشاہ کا احترام ضروری ہے ۵۹۳
- باب (۴۱): خلافت راشدہ کا بیان ۵۹۴
- انقعا د خلافت کے چار طریقے ۵۹۵
- باب (۴۲): قیامت تک خلفاء قریش میں سے ہونگے ۵۹۶
- کیا خلیفہ راشد کا ہاشمی یا قریشی ہونا ضروری ہے؟ حدیث: الأئمة من قریش: عام ہے یا خاص؟ ۵۹۷
- باب (۴۳): گمراہ کرنے والے سربراہوں کا تذکرہ ۵۹۸
- باب (۴۴): حضرت مہدی کا تذکرہ ۵۹۹
- ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ اور خروج یاجوج ماجوج ایک ساتھ پیش آنے والے واقعات ہیں ۶۰۰
- حضرت مہدی کے ساتھ ”امام“ یا ”علیہ السلام“ کا اضافہ درست نہیں اور ”رضی اللہ عنہ“ کی ضرورت نہیں ۶۰۰
- حضرت مہدی کی مدت حکومت حضرت مہدی والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہونگے، حضرت مہدی کی خلافت حضرت حسن کے خلافت سے دستبردار ہونے کا انعام ہے ۶۰۱
- باب (۴۵): نزول عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ۶۰۲
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام سویلوں کو توڑنے کا اور خنزیر کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیں گے؟ ۶۰۳
- باب (۴۶): دجال کا تذکرہ ۶۰۳
- لفظ دجال کے معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماسح ہیں اور دجال بمعنی ممسوح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت تو رات میں دونوں مسیحوں کی خبر دی گئی ہے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ضلالت سمجھا اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کر رہے ہیں عیسائیوں کو بھی خاتم النبیین سے اشتباہ ہوا ۶۰۴
- حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے تمام انبیاء برابر خروج دجال کی خبر دیتے آئے ہیں دجالی فتنے ۶۰۴
- فتنے جہاں آزمائش کا سبب ہیں ایمان کی پختگی کا بھی سبب ہیں ۶۰۵
- باب (۴۷): دجال کہاں سے نکلے گا؟ ۶۰۶
- خروج دجال کے سلسلہ میں روایات میں چار جگہوں کا تذکرہ آیا ہے: ان میں تطبیق ۶۰۶
- باب (۴۸): خروج دجال کی نشانیاں ۶۰۷
- باب (۴۹): دجال کے فتنے کا تذکرہ ۶۰۸

- جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکہف پڑھے گا: ہفتہ بھر دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا..... نبی ﷺ کا
- ۶۰۹ دجال کے زمانہ کے لوگوں سے ایک ارشاد
- ۶۱۰ قیام دجال کی مدت جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے وہاں نمازیں کس طرح ادا کریں؟
- ۶۱۰ دجال کی رفتار.....
- ۶۱۱ دجال کا قتل..... دجال کے بعد فوراً جوج و ما جوج کا خروج ہوگا.....
- ۶۱۳ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور کی برکات.....
- ۶۱۶ باب (۵۰): دجال کی نشانی.....
- ۶۱۶ باب (۵۱): دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا.....
- ۶۱۶ مدینہ منورہ طاعون اور دجال سے محفوظ رہے گا.....
- یمن والے مخلص اور نرم دل ہوتے ہیں..... کفر مشرق سے سرا بھارے گا..... بکریاں پالنے والوں کی
- مزاجی کیفیت نرم ہوتی ہے..... جس چیز کے ساتھ مزاولت زیادہ ہوتی ہے اس کے اثرات آدمی میں پیدا
- ۶۱۷ ہوتے ہیں..... گھوڑے اور اونٹ پالنے والوں میں گھمنڈ اور دکھاوا ہوتا ہے.....
- ۶۱۸ باب (۵۲): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنا.....
- ۶۱۸ باب (۵۳): دجال کی پیشانی پر ک، ف، ر لکھا ہوگا.....
- ۶۱۹ باب (۵۴): ابن صیاد کا تذکرہ.....
- ۶۱۹ بعض باتیں نبی ﷺ کو اجمالی بتائی جاتی تھیں اور اس میں مصلحت تھی.....
- ۶۲۵ باب (۵۵): وہ حدیث جس سے غلط فہمی ہوئی کہ صدی کے ختم پر قیامت آئے گی.....
- ۶۲۶ باب (۵۶): ہوا کو برا کہنے کی ممانعت.....
- ۶۲۷ باب (۵۷): کسی جزیرہ میں مقید دجال اور جاسہ کی روایت.....
- ۶۲۸ یہ روایت اپنے داخلی اور خارجی تناقضات کی وجہ سے قابل قبول نہیں.....
- ۶۳۰ باب (۵۸): خود کو رسوا نہ کرو.....
- ۶۳۱ ایسا کام کرنا جس کے نتیجہ میں رسوائی ہو جائز نہیں.....
- ۶۳۱ باب (۵۹): ظالم کی بھی مدد کرو اور مظلوم کی بھی.....
- ۶۳۱ ظالم کی مدد اس کو ظلم سے روکنا ہے.....
- ۶۳۲ باب (۶۰): بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے.....
- ۶۳۲ جنگل باسی تندخو اور مکارم اخلاق سے دور ہوتے ہیں..... شکار کا ذہنی غافل ہوتا ہے.....

- ۶۳۲ خوش حالی بھی کبھی فتنوں کا سبب ہوتی ہے
- باب (۶۱): وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے ۶۳۳
- ۶۳۴ فتنوں کا علم اس لئے ضروری ہے کہ آدمی فتنوں سے بچے
- آدمی کا فتنہ (کو تا ہی) اس کی فیملی میں آدمی کا فتنہ اپنے مال میں آدمی کا فتنہ اپنی اولاد میں ۶۳۴
- آدمی کا فتنہ اپنے پڑوسی میں: یہ سب فتنے یعنی کوتاہیاں اعمال صالحہ سے معاف ہوتی رہتی ہیں ۶۳۴
- باب (۶۲): امراء کی ہاں میں ہاں ملانا حوض کوثر سے محرومی کا سبب ہے ۶۳۵
- آخر زمانہ میں دین کو تھا مناجاری تھانے کی طرح ہو جائے گا ۶۳۵
- یہ حدیث ثلاثی ہے اور ترمذی میں یہی ایک حدیث ثلاثی ہے ۶۳۶
- باب (۶۳): بہتر اور بدتر لوگ ۶۳۷
- باب (۶۴): جب امت میں اتر اہٹ آئے گی تو برے لوگ مسلط ہو جائیں گے ۶۳۸
- عورت کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں ۶۳۹
- عورت کو سربراہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ فقہاء کی آراء ۶۳۹
- بہترین اور بدترین امراء ۶۴۰
- جن امراء کے کام معروف و منکر: دونوں طرح کے ہوں: ان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے ۶۴۱
- اگر کوئی ایسا شخص زبردستی حکومت پر قبضہ کر لے جو شرائط خلافت کا جامع نہ ہو تو اس کی مخالفت میں جلدی نہ کی جائے ۶۴۱
- جب بادشاہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا انکار کرے تو اس سے جنگ واجب ہے ۶۴۱
- جینے میں مزہ کب تک ہے؟ ۶۴۲
- باب (۶۵): فتنوں کے زمانہ میں عمل کی اہمیت ۶۴۳
- فتنہ مشرق سے سر ابھاریں گے ۶۴۳
- مہدی و جال کا پیچھا کہاں سے کہاں تک کریں گے؟ ۶۴۴
- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی کی اہم تصانیف کا تعارف ۶۴۵
- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی کی جملہ تصنیفات ۶۴۸



عربی ابواب کی فہرست

أبواب اللباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- [۱-] باب ماجاء فى الحرير والذهب للرجال ۵۴
- [۲-] باب ماجاء فى لبس الحرير فى الحرب ۵۵
- [۳-] باب ۵۶
- [۴-] باب ماجاء فى الرخصة فى الثوب الأحمر للرجال ۵۹
- [۵-] باب ماجاء فى كراهية المعصفر للرجال ۵۹
- [۶-] باب ماجاء فى لبس الفراء ۶۰
- [۷-] باب ماجاء فى جلود الميتة إذا دبغت ۶۲
- [۸-] باب ماجاء فى كراهية جرز الإزار ۶۵
- [۹-] باب ماجاء فى دُيُول النساء ۶۷
- [۱۰-] باب ماجاء فى لبس الصوف ۶۹
- [۱۱-] باب ماجاء فى العمامة السوداء ۷۰
- [۱۲-] باب سدل العمامة بين الكتفين ۷۱
- [۱۳-] باب ماجاء فى كراهية خاتم الذهب ۷۲
- [۱۴-] باب ماجاء فى خاتم الفضة ۷۳
- [۱۵-] باب ماجاء ما يستحب من فص الخاتم؟ ۷۳
- [۱۶-] باب ماجاء فى لبس الخاتم فى اليمين ۷۴
- [۱۷-] باب ماجاء فى نقش الخاتم ۷۶
- [۱۸-] باب ماجاء فى الصورة ۸۰
- [۱۹-] باب ماجاء فى المصورين ۸۲
- [۲۰-] باب ماجاء فى الخصاب ۸۴
- [۲۱-] باب ماجاء فى الجمّة، واتخاذ الشعر ۸۶
- [۲۲-] باب ماجاء فى النهي عن الترجل إلا غلبا ۸۷

- ۸۸ باب ماجاء فی الإِکْتِحَالِ [-۲۳]
- ۸۹ باب ماجاء فی النهی عن اِشْتِمَالِ الصَّمَاءِ وَالِإِحْتِبَاءِ بِالثَّوبِ الْوَاحِدِ [-۲۴]
- ۹۰ باب ماجاء فی مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ [-۲۵]
- ۹۱ باب ماجاء فی رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ [-۲۶]
- ۹۲ باب ماجاء فی فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [-۲۷]
- ۹۳ باب ماجاء فی الْقُمُصِ [-۲۸]
- ۹۵ باب مايقولُ إِذَا لَبَسَ ثَوْبًا جَدِيدًا [-۲۹]
- ۹۵ باب ماجاء فی لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّيْنِ [-۳۰]
- ۹۶ باب ماجاء فی شَدِّ الْأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ [-۳۱]
- ۹۷ باب ماجاء فی النهی عَنِ جُلُودِ السَّبَاعِ [-۳۲]
- ۹۹ باب ماجاء فی نَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [-۳۳]
- ۹۹ باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ [-۳۴]
- ۱۰۰ باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ [-۳۵]
- ۱۰۱ باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ [-۳۶]
- ۱۰۲ باب ماجاء بِأَيِّ رَجُلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ [-۳۷]
- ۱۰۳ باب ماجاء فی تَرْقِيعِ الثَّوبِ [-۳۸]
- ۱۰۵ بابُ [دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ] [-۳۹]
- ۱۰۶ بابُ [كَيْفَ كَانَ كِمَامُ الصَّحَابَةِ؟] [-۴۰]
- ۱۰۶ بابُ [فِي مَبْلَغِ الْإِرَارِ] [-۴۱]
- ۱۰۷ بابُ [الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ] [-۴۲]
- ۱۰۸ بابُ [ما جاء فی خَاتَمِ الْحَدِيدِ] [-۴۳]
- ۱۰۹ بابُ [كَرَاهِيَةِ التَّخْتُمِ فِي أَصْبُعَيْنِ] [-۴۴]
- ۱۰۹ بابُ [ما جاء فی أَحَبِّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ] [-۴۵]

أبواب الأَطْعَمَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

- ۱۲۹ باب ماجاء عَلَى مَا كَانَ يَأْكُلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ [-۱]
- ۱۳۲ باب ماجاء فی أَكْلِ الْأَرْنَبِ [-۲]

- [۳-] باب ماجاء فی أَكْلِ الضَّبِّ ۱۳۶
- [۴-] باب ماجاء فی أَكْلِ الضَّبُعِ ۱۳۹
- [۵-] باب ماجاء فی أَكْلِ لُحُومِ الْخَيْلِ ۱۴۱
- [۶-] باب ماجاء فی لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ۱۴۳
- [۷-] باب ماجاء فی الْأَكْلِ فِي آيَةِ الْكُفَّارِ ۱۴۵
- [۸-] باب ماجاء فی الْفَارَةَ تَمُوتُ فِي السَّمَنِ ۱۴۸
- [۹-] باب ماجاء فی النّهي عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بِالشَّمَالِ ۱۴۹
- [۱۰-] باب ماجاء فی لَعْقِ الْأَصَابِعِ ۱۵۰
- [۱۱-] باب ماجاء فی اللَّقْمَةِ تَسْقُطُ ۱۵۲
- [۱۲-] باب ماجاء فی كراهية الْأَكْلِ مِنْ وَسَطِ الطَّعَامِ ۱۵۳
- [۱۳-] باب ماجاء فی كراهية أَكْلِ الثُّومِ وَالْبَصْلِ ۱۵۵
- [۱۴-] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثُّومِ مَطْبُوعًا ۱۵۶
- [۱۵-] باب ماجاء فی تَخْمِيرِ الْإِنَاءِ وَإِطْفَاءِ السَّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ ۱۵۹
- [۱۶-] باب ماجاء فی كراهية الْفَرَانِ بَيْنَ الثَّمَرَتَيْنِ ۱۶۰
- [۱۷-] باب ماجاء فی اسْتِحْبَابِ الثَّمْرِ ۱۶۱
- [۱۸-] باب ماجاء فی الحمدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا فَرَّغَ مِنْهُ ۱۶۱
- [۱۹-] باب ماجاء فی الْأَكْلِ مَعَ الْمَجْدُومِ ۱۶۳
- [۲۰-] باب ماجاء أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ ۱۶۴
- [۲۱-] باب ماجاء فی طَعَامِ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْإِثْنَيْنِ ۱۶۵
- [۲۲-] باب ماجاء فی أَكْلِ الْجَرَادِ ۱۶۷
- [۲۳-] باب ماجاء فی أَكْلِ لُحُومِ الْجَلَالَةِ وَالْبَانِيهَا ۱۶۸
- [۲۴-] باب ماجاء فی أَكْلِ الدَّجَاجِ ۱۶۹
- [۲۵-] باب ماجاء فی أَكْلِ الْحُبَّارَى ۱۷۰
- [۲۶-] باب ماجاء فی أَكْلِ الشَّوَاءِ ۱۷۱
- [۲۷-] باب ماجاء فی كراهية الْأَكْلِ مُتَكِنًا ۱۷۲
- [۲۸-] باب ماجاء فی حُبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلُوءَ وَالْعَسَلَ ۱۷۳
- [۲۹-] باب ماجاء فی إِكْتِنَارِ الْمَرْقَةِ ۱۷۵

- [۳۰] باب ماجاء فی فَضْلِ التَّزْيِدِ ۱۷۶
- [۳۱] باب ماجاء انْهَشُوا اللَّحْمَ نَهْشًا ۱۷۷
- [۳۲] باب ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الرُّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ
بِالسَّكَنِ ۱۷۸
- [۳۳] باب ماجاء اُتِيَ اللَّحْمُ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ ۱۷۹
- [۳۴] باب ماجاء فی الْخَلِّ ۱۸۱
- [۳۵] باب ماجاء فی أَكْلِ الْبِطْنِخِ بِالرُّطْبِ ۱۸۳
- [۳۶] باب ماجاء فی أَكْلِ الْقِثَاءِ بِالرُّطْبِ ۱۸۵
- [۳۷] باب ماجاء فی شُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ ۱۸۶
- [۳۸] باب الْوُضُوءِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ ۱۸۷
- [۳۹] بابُ فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ قَبْلَ الطَّعَامِ ۱۸۸
- [۴۰] باب ماجاء فی أَكْلِ الدُّبَاءِ ۱۹۰
- [۴۱] باب ماجاء فی أَكْلِ الزَّيْتِ ۱۹۱
- [۴۲] باب ماجاء فی الْأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوكِ ۱۹۲
- [۴۳] باب ماجاء فی فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ ۱۹۳
- [۴۴] باب ماجاء فی فَضْلِ الْعِشَاءِ ۱۹۵
- [۴۵] باب ماجاء فی التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ ۱۹۸
- [۴۶] باب ماجاء فی كراهية الْبَيْتُوتَةِ وَفِي يَدِهِ غَمَرٌ ۲۰۰

أبواب الأُشْرَبَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

- [۱] باب ماجاء فی شَارِبِ الْخَمْرِ ۲۱۰
- [۲] باب ماجاء كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ۲۱۱
- [۳] باب مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ ۲۱۳
- [۴] باب ماجاء فی نَبِيذِ الْجَرِّ ۲۱۵
- [۵] باب ماجاء فی كراهية أَنْ يُنْبَذَ فِي الدُّبَاءِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْحَنْتَمِ ۲۱۶
- [۶] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الطَّرُوفِ ۲۱۷
- [۷] باب ماجاء فی السَّقَاءِ ۲۱۸

- [۸-] باب ماجاء فی الحُبُوبِ الَّتِیْ یُتَّخَذُ مِنْهَا الخَمْرُ..... ۲۱۹
- [۹-] باب ماجاء فی خَلِیْطِ البُسْرِ وَالتَّمْرِ..... ۲۲۱
- [۱۰-] باب ماجاء فی کراهیة الشُّرْبِ فی آئِیَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ..... ۲۲۲
- [۱۱-] باب ماجاء فی الدَّهْیِ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا..... ۲۲۳
- [۱۲-] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فی الشُّرْبِ قَائِمًا..... ۲۲۳
- [۱۳-] باب ماجاء فی التَّنَفُّسِ فی الإِنَاءِ..... ۲۲۷
- [۱۴-] باب ما ذُکِرَ فی الشُّرْبِ بِنَفْسَیْنِ..... ۲۲۸
- [۱۵-] باب ماجاء فی کراهیة النَّفْخِ فی الشَّرَابِ..... ۲۲۹
- [۱۶-] باب ماجاء فی کراهیة التَّنَفُّسِ فی الإِنَاءِ..... ۲۳۰
- [۱۷-] باب ماجاء فی اخْتِنَاثِ الْأَسْقِیَةِ..... ۲۳۱
- [۱۸-] بابُ الرُّخْصَةِ فی ذَٰلِكَ..... ۲۳۲
- [۱۹-] باب ماجاء فی أَنَّ الْأَیْمَنِیْنَ أَحَقُّ بِالشُّرْبِ..... ۲۳۳
- [۲۰-] باب ماجاء فی أَنَّ سَاقِی الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا..... ۲۳۳
- [۲۱-] باب ماجاء أُمُّ الشَّرَابِ کَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ ۲۳۴

أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصَّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

- [۱-] باب ماجاء فی بِرِّ الْوَالِدَیْنِ..... ۲۳۷
- [۲-] بابُ مِنْهُ..... ۲۳۸
- [۳-] بابُ الْفَضْلِ فی رِضَا الْوَالِدَیْنِ..... ۲۴۲
- [۴-] باب ماجاء فی عُقُوقِ الْوَالِدَیْنِ..... ۲۴۵
- [۵-] بابُ فی إِكْرَامِ صَدِیقِ الْوَالِدِ..... ۲۴۶
- [۶-] بابُ فی بِرِّ الْخَالَةِ..... ۲۴۸
- [۷-] باب ماجاء فی دُعَاءِ الْوَالِدَیْنِ..... ۲۴۹
- [۸-] باب ماجاء فی حَقِّ الْوَالِدَیْنِ..... ۲۵۰
- [۹-] باب ماجاء فی قَطِیْعَةِ الرَّجِمِ..... ۲۵۳
- [۱۰-] باب ماجاء فی صَلَاةِ الرَّجِمِ..... ۲۵۵
- [۱۱-] باب ماجاء فی حُبِّ الْوَالِدِ وَلَدَهُ..... ۲۵۶

- [۱۲-] باب ماجاء فی رَحْمَةِ الْوَلَدِ ۲۵۷
- [۱۳-] باب ماجاء فی النَّفَقَاتِ عَلَى الْبَنَاتِ ۲۵۹
- [۱۴-] باب ماجاء فی رَحْمَةِ الْيَتِيمِ ۲۶۲
- [۱۵-] باب ماجاء فی رَحْمَةِ الصَّبِيَّانِ ۲۶۴
- [۱۶-] باب ماجاء فی رَحْمَةِ النَّاسِ ۲۶۵
- [۱۷-] بابُ فی النَّصِيحَةِ ۲۶۸
- [۱۸-] باب ماجاء فی شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ ۲۷۰
- [۱۹-] باب ماجاء فی السُّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ۲۷۱
- [۲۰-] باب ماجاء فی الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ ۲۷۲
- [۲۱-] باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الْهَجْرِ لِلْمُسْلِمِ ۲۷۳
- [۲۲-] باب ماجاء فی مُوَاسَاةِ الْأَخِ ۲۷۵
- [۲۳-] باب ماجاء فی الْغَيْبَةِ ۲۷۷
- [۲۴-] باب ماجاء فی الْحَسَدِ ۲۷۹
- [۲۵-] باب ماجاء فی التَّبَاغُضِ ۲۸۰
- [۲۶-] باب ماجاء فی إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ ۲۸۵
- [۲۷-] باب ماجاء فی الْخِيَانَةِ وَالْغِشِّ ۲۸۷
- [۲۸-] باب ماجاء فی حَقِّ الْجَوَارِ ۲۸۹
- [۲۹-] باب ماجاء فی الْإِحْسَانَ إِلَى الْخَادِمِ ۲۹۰
- [۳۰-] بابُ النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشَتْمِهِمْ ۲۹۲
- [۳۱-] باب ماجاء فی أَدَبِ الْخَادِمِ ۲۹۳
- [۳۲-] باب ماجاء فی الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ ۲۹۴
- [۳۳-] باب ماجاء فی أَدَبِ الْوَلَدِ ۲۹۵
- [۳۴-] باب ماجاء فی قُبُولِ الْهَدِيَّةِ، وَالْمُكَافَاةِ عَلَيْهَا ۲۹۸
- [۳۵-] باب ماجاء فی الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ ۲۹۹
- [۳۶-] باب ماجاء فی صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ ۳۰۰
- [۳۷-] باب ماجاء فی الْمِنْحَةِ ۳۰۱
- [۳۸-] باب ماجاء فی إِمَامَةِ الْأَدَى عَنِ الطَّرِيقِ ۳۰۲

۳۰۳	باب ماجاء أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ	[۳۹-]
۳۰۵	باب ماجاء فى السَّخَاءِ	[۴۰-]
۳۰۷	باب ماجاء فى الْبُخْلِ	[۴۱-]
۳۰۹	باب ماجاء فى النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ	[۴۲-]
۳۱۱	باب ماجاء فى الضِّيَافَةِ، وَغَايَةُ الضِّيَافَةِ: كَمْ هِيَ؟	[۴۳-]
۳۱۲	باب ماجاء فى السَّعْيِ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ	[۴۴-]
۳۱۳	باب ماجاء فى طَلَاقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبَشْرِ	[۴۵-]
۳۱۴	باب ماجاء فى الصِّدْقِ وَالْكَذْبِ	[۴۶-]
۳۱۶	باب ماجاء فى الْفُحْشِ	[۴۷-]
۳۱۷	باب ماجاء فى اللَّعْنَةِ	[۴۸-]
۳۱۹	باب ماجاء فى تَعْلِيمِ النَّسَبِ	[۴۹-]
۳۱۹	باب ماجاء فى دَعْوَةِ الْأَخِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ	[۵۰-]
۳۲۱	باب ماجاء فى الشَّتْمِ	[۵۱-]
۳۲۲	باب ماجاء فى قَوْلِ الْمَعْرُوفِ	[۵۲-]
۳۲۳	باب ماجاء فى فَضْلِ الْمَمْلُوكِ الصَّالِحِ	[۵۳-]
۳۲۵	باب ماجاء فى مُعَاشَرَةِ النَّاسِ	[۵۴-]
۳۲۷	باب ماجاء فى ظَنِّ السُّوءِ	[۵۵-]
۳۲۸	باب ماجاء فى الْمِرَاحِ	[۵۶-]
۳۳۱	باب ماجاء فى الْمِرَاءِ	[۵۷-]
۳۳۲	باب ماجاء فى الْمُدَارَاةِ	[۵۸-]
۳۳۳	باب ماجاء فى الْإِقْتِصَادِ فِى الْحُبِّ وَالْبُغْضِ	[۵۹-]
۳۳۵	باب ماجاء فى الْكِبَرِ	[۶۰-]
۳۳۸	باب ماجاء فى حُسْنِ الْخُلُقِ	[۶۱-]
۳۴۰	باب ماجاء فى الْإِحْسَانِ وَالْعَفْوِ	[۶۲-]
۳۴۱	باب ماجاء فى زِيَارَةِ الْإِخْوَانِ	[۶۳-]
۳۴۲	باب ماجاء فى الْحَيَاءِ	[۶۴-]
۳۴۳	باب ماجاء فى الثَّانِي وَالْعَجَلَةِ	[۶۵-]

۳۴۶	باب ماجاء فی الرِّفْقِ.....	[۶۶-]
۳۴۶	باب ماجاء فی دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ.....	[۶۷-]
۳۴۹	باب ماجاء فی خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.....	[۶۸-]
۳۵۰	باب ماجاء فی حُسْنِ الْعَهْدِ.....	[۶۹-]
۳۵۱	باب ماجاء فی مَعَالَى الْأَخْلَاقِ.....	[۷۰-]
۳۵۲	باب ماجاء فی اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ.....	[۷۱-]
۳۵۴	باب ماجاء فی كَثْرَةِ الْغَضَبِ.....	[۷۲-]
۳۵۵	بابُ فی كَظْمِ الْغَيْظِ.....	[۷۳-]
۳۵۵	باب ماجاء فی إِجْلَالِ الْكَبِيرِ.....	[۷۴-]
۳۵۶	باب ماجاء فی الْمُتَهَاجِرِينَ.....	[۷۵-]
۳۵۸	باب ماجاء فی الصَّبْرِ.....	[۷۶-]
۳۵۹	باب ماجاء فی ذِي الْوَجْهَيْنِ.....	[۷۷-]
۳۶۰	باب ماجاء فی النَّمَامِ.....	[۷۸-]
۳۶۱	باب ماجاء فی الْعِيَّ.....	[۷۹-]
۳۶۲	باب ماجاء إِنْ مِنْ الْبَيَانِ سَحْرًا.....	[۸۰-]
۳۶۳	باب ماجاء فی التَّوَاضُّعِ.....	[۸۱-]
۳۶۳	باب ماجاء فی الظُّلْمِ.....	[۸۲-]
۳۶۴	باب ماجاء فی تَرْكِ الْعَيْبِ لِلنَّعْمَةِ.....	[۸۳-]
۳۶۵	باب ماجاء فی تَعْظِيمِ الْمُؤْمِنِ.....	[۸۴-]
۳۶۶	باب ماجاء فی التَّجَارِبِ.....	[۸۵-]
۳۶۷	باب ماجاء فی الْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ يُعْطَهُ.....	[۸۶-]
۳۶۸	باب ماجاء فی الثَّنَاءِ بِالْمَعْرُوفِ.....	[۸۷-]

أبواب الطب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

۳۷۴	باب ماجاء فی الْحِمِيَّةِ.....	[۱-]
۳۷۷	باب ماجاء فی الدَّوَاءِ، وَالْحَثِّ عَلَيْهِ.....	[۲-]
۳۷۹	باب ماجاء مَا يُطْعَمُ الْمَرِيضُ؟.....	[۳-]

- [۴-] باب ماجاء لَا تُكْرِهُوا مَرَضًا كُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ ۳۸۰
- [۵-] باب ماجاء فی الْحَبَّةِ السَّودَاءِ ۳۸۲
- [۶-] باب ماجاء فی شُرْبِ آبِوَالِ الْإِبِلِ ۳۸۲
- [۷-] بَابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهِ ۳۸۶
- [۸-] باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ التَّدَاوِي بِالْمُسْكِرِ ۳۸۸
- [۹-] باب ماجاء فی السَّعُوطِ وَغَيْرِهِ ۳۹۰
- [۱۰-] باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الْكَيِّ ۳۹۲
- [۱۱-] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ ۳۹۲
- [۱۲-] باب ماجاء فی الْحِجَامَةِ ۳۹۴
- [۱۳-] باب ماجاء فی التَّدَاوِي بِالْحِنَاءِ ۳۹۵
- [۱۴-] باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الرُّقِيَةِ ۳۹۷
- [۱۵-] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ ۳۹۷
- [۱۶-] باب ماجاء فی الرُّقِيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ ۳۹۸
- [۱۷-] باب ماجاء فی الرُّقِيَةِ مِنَ الْعَيْنِ ۴۰۰
- [۱۸-] باب ماجاء أَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ، وَالْعَسَلُ لَهَا ۴۰۲
- [۱۹-] باب ماجاء فی اخْذِ الْأَجْرِ عَلَى التَّعْوِذِ ۴۰۵
- [۲۰-] باب ماجاء فی الرُّقَى وَالْأَدْوِيَةِ ۴۰۷
- [۲۱-] باب ماجاء فی الْكُمَاءِ وَالْعَجْوَةِ ۴۰۹
- [۲۲-] باب ماجاء فی أَجْرِ الْكَاهِنِ ۴۱۰
- [۲۳-] باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ التَّغْلِيْقِ ۴۱۳
- [۲۴-] باب ماجاء فی تَبْرِيدِ الْحُمَّى بِالْمَاءِ ۴۱۵
- [۲۵-] باب ماجاء فی الْغَيْثَةِ ۴۱۶
- [۲۶-] باب ماجاء فی دَوَاءِ ذَاتِ الْجُنُبِ ۴۱۸
- [۲۷-] بَابُ ۴۱۹
- [۲۸-] باب ماجاء فی السَّنَا ۴۲۱
- [۲۹-] باب ماجاء فی الْعَسَلِ ۴۲۲
- [۳۰-] بَابُ ۴۲۳

- [۳۱] بابُ ۴۲۴
- [۳۲] بابُ التَّدَاوِي بِالرَّمَادِ ۴۲۴
- [۳۳] بابُ ۴۲۵

أبواب الفرائض عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- [۱] باب ماجاء في مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ ۴۲۷
- [۲] باب ماجاء في تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ ۴۲۸
- [۳] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْبَنَاتِ ۴۲۹
- [۴] باب ماجاء في مِيرَاثِ بِنْتِ الْإِبْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ ۴۳۱
- [۵] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْإِخْوَةِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ ۴۳۳
- [۶] بابُ مِيرَاثِ الْبَنَيْنِ مَعَ الْبَنَاتِ ۴۳۴
- [۷] بابُ مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ ۴۳۵
- [۸] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْعَصْبَةِ ۴۳۶
- [۹] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْجَدِّ ۴۳۷
- [۱۰] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْجَدَّةِ ۴۳۹
- [۱۱] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا ۴۴۱
- [۱۲] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْحَالِ ۴۴۲
- [۱۳] باب ماجاء في الَّذِي يَمُوتُ، وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ ۴۴۳
- [۱۴] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْمَوْلَى الْأَسْفَلِ ۴۴۳
- [۱۵] باب ماجاء في إِبْطَالِ الْمِيرَاثِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ ۴۴۴
- [۱۶] [بَابُ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ] ۴۴۶
- [۱۷] باب ماجاء في إِبْطَالِ مِيرَاثِ الْقَاتِلِ ۴۴۷
- [۱۸] باب ماجاء في مِيرَاثِ الْمَرْأَةِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا ۴۴۸
- [۱۹] باب ماجاء أَنَّ الْمِيرَاثَ لِلْوَرَثَةِ، وَالْعَقْلُ عَلَى الْعَصْبَةِ ۴۴۸
- [۲۰] باب ماجاء في الرَّجُلِ يُسَلِّمُ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ ۴۵۱
- [۲۱] [بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ مِيرَاثِ وَلَدِ الزَّانَا] ۴۵۳
- [۲۲] بَابُ مَنْ يَرِثُ الْوَلَاءُ؟ ۴۵۳

[۲۳-] [بَابُ مَا جَاءَ مَا يَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ؟] ۴۵۴

أبواب الوصايا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- [۱-] باب ما جاء في الوصية بالثلث ۴۵۷
- [۲-] [بَابُ مَا جَاءَ فِي الضَّرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ] ۴۵۹
- [۳-] باب ما جاء في الحث على الوصية ۴۶۰
- [۴-] باب ما جاء أنَّ النبي صلى الله عليه وسلم لم يُوص ۴۶۱
- [۵-] باب ما جاء لا وصية لوارث ۴۶۳
- [۶-] باب ما جاء يُبَدَأُ بِالَّذِينَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ ۴۶۵
- [۷-] باب ما جاء في الرجل يتصدق أو يعتق عند الموت ۴۶۶
- [۸-] بَابُ ۴۶۷

أبواب الولاء والهبة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- [۱-] باب ما جاء أنَّ الولاء لمن أعتق ۴۶۹
- [۲-] بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَبَتِهِ ۴۶۹
- [۳-] باب ما جاء في مَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوْلَاهُ، أَوْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ ۴۷۲
- [۴-] باب ما جاء في الرجل ينقضي من ولده ۴۷۴
- [۵-] باب ما جاء في القافة ۴۷۵
- [۶-] باب ما جاء في حث النبي صلى الله عليه وسلم على الهدية ۴۷۶
- [۷-] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّجُوعِ فِي الْهَبَةِ ۴۷۸

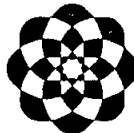
أبواب القدر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- [۱-] باب ما جاء من التشديد في الخوض في القدر ۴۸۹
- [۲-] [بَابُ] فِي حِجَاكِ آدَمَ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ۴۹۱
- [۳-] بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ ۴۹۳
- [۴-] بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالْخَوَاتِيمِ ۴۹۵
- [۵-] بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ۴۹۸
- [۶-] بَابُ مَا جَاءَ لَا يَرُدُّ الْقَدْرَ إِلَّا الدُّعَاءُ ۴۹۹

- [۷-] بابُ ماجاء أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعِي الرَّحْمَنِ ۵۰۱
- [۸-] بابُ ماجاء أَنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ ۵۰۳
- [۹-] بابُ ماجاء لَا عَذْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ ۵۰۵
- [۱۰-] بابُ ماجاء أَنَّ الْإِيمَانَ بِالْقَدْرِ: خَيْرُهُ وَشَرُّهُ ۵۰۸

- [۱۶]- بابُ لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ..... ۵۵۲
- [۱۷]- بابُ ماجاء في كَلَامِ السَّبَاعِ..... ۵۵۳
- [۱۸]- بابُ ماجاء في انْشِقَاقِ الْقَمَرِ..... ۵۵۶
- [۱۹]- باب ماجاء في الْحَسَفِ..... ۵۵۸
- [۲۰]- بابُ ماجاء في طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا..... ۵۶۱
- [۲۱]- بابُ ماجاء في خُرُوجِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ..... ۵۶۳
- [۲۲]- باب ماجاء في صِفَةِ الْمَارِقَةِ..... ۵۶۵
- [۲۳]- باب ماجاء في الْأَثَرَةِ..... ۵۶۶
- [۲۴]- بابُ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ..... ۵۶۹
- [۲۵]- باب ماجاء في أَهْلِ الشَّامِ..... ۵۷۱
- [۲۶]- بابُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ..... ۵۷۲
- [۲۷]- بابُ ماجاء أَنَّهُ تَكُونُ فِتْنَةٌ: الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ..... ۵۷۲
- [۲۸]- بابُ ماجاء سَتَكُونُ فِتْنَةٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ..... ۵۷۵
- [۲۹]- باب ماجاء في الْهَرَجِ..... ۵۷۶
- [۳۰]- باب ماجاء في اتِّخَاذِ السَّيْفِ مِنْ خَشَبٍ..... ۵۷۸
- [۳۱]- باب ماجاء في أَشْرَاطِ السَّاعَةِ..... ۵۸۰
- [۳۲]- بابُ..... ۵۸۳
- [۳۳]- بابُ ماجاء في قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ"..... ۵۸۵
- [۳۴]- باب ماجاء في قِتَالِ الثُّرُكِ..... ۵۸۶
- [۳۵]- بابُ ماجاء: إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ..... ۵۸۷
- [۳۶]- بابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الْحِجَازِ..... ۵۸۸
- [۳۷]- بابُ ماجاء: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ..... ۵۸۹
- [۳۸]- بابُ ماجاء: فِي تَقْيِيفِ كَذَّابٍ وَمُبَيِّرٍ..... ۵۹۰
- [۳۹]- باب ماجاء في الْقَرْنِ الثَّالِثِ..... ۵۹۲
- [۴۰]- باب ماجاء في الْخُلَفَاءِ..... ۵۹۳
- [۴۱]- باب ماجاء في الْخِلَافَةِ..... ۵۹۵
- [۴۲]- باب ماجاء أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنَّ تَقُومَ السَّاعَةُ..... ۵۹۸

٥٩٩	بابُ ماجاء في الأئمة المضلّين	[٤٣-]
٦٠٢	باب ماجاء في المهدى	[٤٤-]
٦٠٣	بابُ ماجاء في نزول عيسى ابن مريم	[٤٥-]
٦٠٥	باب ماجاء في الدجال	[٤٦-]
٦٠٤	باب ماجاء من أين يخرج الدجال؟	[٤٧-]
٦٠٨	بابُ ماجاء في علامات خروج الدجال	[٤٨-]
٦١٣	باب ماجاء في فتنة الدجال	[٤٩-]
٦١٦	باب ماجاء في صفة الدجال	[٥٠-]
٦١٤	بابُ ماجاء في أنّ الدجال لا يدخل المدينة	[٥١-]
٦١٨	بابُ ماجاء في قتل عيسى ابن مريم الدجال	[٥٢-]
٦١٩	بابُ	[٥٣-]
٦٢٠	باب ماجاء في ذكر ابن صياد	[٥٤-]
٦٢٥	بابُ	[٥٥-]
٦٢٤	باب ماجاء في النهي عن سب الرياح	[٥٦-]
٦٣٠	بابُ	[٥٧-]
٦٣١	بابُ	[٥٨-]
٦٣١	بابُ	[٥٩-]
٦٣٣	بابُ	[٦٠-]
٦٣٢	بابُ	[٦١-]
٦٣٦	بابُ	[٦٢-]
٦٣٤	بابُ	[٦٣-]
٦٣٨	بابُ	[٦٤-]
٦٣٣	بابُ	[٦٥-]



بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب اللباس

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

لباس کے احکام

پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لیں:

پہلی بات: لباس کے یہاں معروف معنی نہیں یعنی کپڑا پہننا ہی مراد نہیں بلکہ ”پہناوا“ مراد ہے یعنی جو بھی چیز بدن سے لگا کر پہنی جائے وہ لباس ہے، جوتا، چپل اور انگوٹھی وغیرہ بھی لباس کے دائرہ میں آتے ہیں بلکہ قرآن کریم نے تو زوجین کی ہم خوابی کو بھی ایک دوسرے کا لباس کہا ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ یعنی وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو (البقرہ آیت ۱۸۷) مگر احادیث میں یہاں تک تعمیم نہیں، بلکہ کسی بھی طرح پہنی جانے والی چیزیں مراد ہیں۔

دوسری بات: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجتہ اللہ البالغہ قسم اول بحث ہفتم باب اول میں احادیث کی دو قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر ارشاد فرمائی گئی ہیں، اس قسم کی احادیث میں چار قسم کی روایات شامل ہیں:

۱- معاد: یعنی آخرت سے تعلق رکھنے والی روایات، جیسے موت کے بعد قبر کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات، میدان حشر کے واقعات، اور جنت و جہنم کے احوال اسی طرح ملکوت و جبروت کے عجائبات۔

۲- احکامات شرعیہ اور عبادتوں اور ارتقاات کے انضباطات۔

۳- عام حکمتیں اور مطلق مصلحتیں، یعنی مفید اور غیر مفید باتیں جن کا نہ کسی خاص وقت سے تعلق ہوتا ہے اور نہ

ان کی حدود متعین کی جاتی ہیں، جیسے اخلاق صالحہ اور اخلاق ذمیرہ کا بیان۔

۴- اعمال صالحہ کے فضائل اور عمل کرنے والوں کے مناقب۔

دوسری قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں، بلکہ وہ دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، جیسے کھجوروں کو گاہا دینے کے معاملہ میں آپ کے تین ارشادات اسی قبیل سے ہیں۔

اس دوسری قسم میں پانچ طرح کی روایات شامل ہیں:

۱- علاج و معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات جو آگے ابواب الطب میں آرہی ہیں، اسی طرح وہ روایات جن میں اچھے برے گھوڑوں کی پہچان بتائی گئی ہے یہ روایات ابواب الجہاد باب ما یستحب من الخیل میں گذر چکی ہیں، ان روایات کا مدار تجربہ پر ہے، آپ نے یہ باتیں پرکھ کی بنیاد پر بتائی ہیں۔ یہ ایسے احکام شرعیہ نہیں ہیں جن پر عمل واجب ہو۔

۲- امور عادیہ یعنی وہ روایات جن میں آپ کی عادات شریفہ کا ذکر آیا ہے یعنی آپ نے وہ کام عبادت (حکم شرعی) کے طور پر نہیں کئے بلکہ آپ کے زمانہ کارائج طریقہ یہی تھا، جیسے چمڑے کے دسترخوان پر کھانا، لکڑی کے پیالہ میں پینا، اور کھجور کے درخت کی چھال بھرے بستر پر سونا وغیرہ۔

۳- عام مروجہ باتیں: یعنی وہ روایات جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں جیسی باتیں سبھی لوگ کیا کرتے ہیں، جیسے حدیث ام زرع اور حدیث خرافہ وغیرہ۔

۴- ہنگامی ارشادات یعنی وہ روایات جن میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے جس کا تعلق وقت کی خاص مصلحت سے ہے، وہ تمام امت کے لئے لازم نہیں جیسے دوران جنگ کوئی شعار مقرر کرنا۔

۵- کوئی خاص حکم اور فیصلہ جس کا مدار گواہیوں اور قسموں پر ہو کہ اگر وہ بدل جائیں یا ان سے قوی ذریعہ معلومات سامنے آجائے تو وہ حکم بھی بدل جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ میں صرف قسم اول کی روایات کی شرح کی ہے، قسم دوم کو نہیں لیا۔ مگر حدیث کی کتابوں میں یہ فرق نہیں کیا گیا اور محدثین کے لئے یہ بات ممکن بھی نہیں، ان کے لئے تو سبھی روایات کو لینا ضروری ہے۔ اس لئے اب جو ابواب شروع ہو رہے ہیں ان کو پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ وہ سب احکام شرعیہ نہیں ہیں بلکہ کچھ آداب اسلامیہ بھی ہیں جیسے مردوں کے لئے سونا اور ریشم حرام ہیں، یہ حکم شرعی ہے اور ایک چپل پہن کر چلنا ممنوع ہے کیونکہ بے ڈھنگا پن ہے، مگر یہ کوئی شرعی حکم نہیں کہ اس کی خلاف ورزی سے آدمی گنہگار ہو۔

ادب: کی تعریف: مَا يُحْمَدُ فِعْلُهُ وَلَا يُذَمُّ تَرْكُهُ جَنَىٰ اِذَا رَوَاهُ وَاهُ، اور اگر نہ کیا جائے تو کوئی بات نہیں، یعنی اگر وہ کام کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا، اور نہ کیا جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، پس دوسری قسم کی احادیث آداب کے قبیل کی ہیں۔ فقہاء کرام نے بھی سنتوں کی دو قسمیں کی ہیں: سنن ہدیٰ یعنی احکامات شرعیہ

اور سنن زوائد یعنی زائد باتیں، اور فقہ کی کتابوں میں عام طور پر سنن ہدیٰ کو لیا گیا ہے، سنن زوائد کو چھوڑ دیا گیا ہے، مگر محدثین کرام کے لئے یہ امتیاز کرنا مشکل تھا اس لئے وہ ہر طرح کی حدیثیں لائے ہیں، اس لئے حدیثیں پڑھتے ہوئے آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کونسی باتیں سنن ہدیٰ کے قبیل کی ہیں اور کونسی باتیں سنن زوائد کے قبیل کی، اول کو اپنانا لازم ہے اور ثانی پر عمل استحباب کے درجہ میں ہے۔

تیسری بات: لباس کے تعلق سے قرآن کریم میں سورۃ الاعراف آیت ۲۶ میں تین ہدایتیں آئی ہیں: ایک: یہ کہ لباس کا بنیادی مقصد پردہ کے بدن کو چھپانا ہے، دوم: یہ کہ لباس سے زینت اور زیبائش حاصل ہوتی ہے جیسے پرندہ پروں سے مزین ہوتا ہے انسان بھی پورے بدن پر لباس پہنے ہوئے ہو تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ سوم: یہ کہ لباس میں پرہیزگاری کا خیال رکھنا ضروری ہے، ارشاد پاک ہے:

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْآتِكَمْ وَرِيشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ، ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ

اے انسانو! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس مہیا کیا ہے جو تمہارے پردہ کے بدن کو چھپاتا ہے اور زیبائش ہے اور پرہیزگاری کا لباس: یہ اس سے بھی بہتر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں

تفسیر: یہ آیت آدم وحواء علیہما السلام کے واقعہ کے بعد فوراً آئی ہے، ان دونوں حضرات نے جب شجرہ ممنوعہ کھایا تو دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا، اور دونوں اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، پھر وہ زمین پر اتارے گئے اور زمین میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ایسا لباس مہیا کیا جس کا بنیادی مقصد ستر عورت ہے، عورت (ننگا پا) امام نالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف آگے پیچھے کی شرمگاہیں ہیں اور دوسرے فقہاء کے نزدیک ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک کا بدن ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کندھوں تک بدن چھپانے کو ضروری قرار دیتے ہیں، جسم کے اس حصہ کو اس طرح چھپانا ضروری ہے کہ کپڑے کے اوپر سے بھی اعضاء نہ جھلکیں، اگر ایسا چست لباس پہنا کہ اعضاء کی ہیئت محسوس ہو تو یہ ننگا رہنا ہی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے خبر دی ہے کہ ایسی عورتیں ہوں گی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی مگر تنگی ہوں گی وہ جنت کی شبونہیں سونگھیں گی، یعنی نھو! نے لباس ایسا پہنا ہوگا کہ ستر عورت کا مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہوگا وہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی (مسلم شریف حدیث ۲۱۲۸) اور یہ بات جو عورتوں کے تعلق سے فرمائی گئی ہے: مردوں کے تعلق سے بھی ہے، آج کل لوگ پتلون پہنتے ہیں اور شرٹ کمر تک ہوتا ہے اور مستوراء عشاء واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں، یہ ننگا ہونا ہی ہے پس ایسے لباس سے احتراز چاہئے کیونکہ یہ لباس مقصد لباس کی تمکین نہیں کرتا۔

چوتھی بات: تقویٰ کا لباس: وہ لباس ہے جس میں جائز ناجائز امور کا خیال رکھا گیا ہو، یہی پرہیزگاری کا لباس

ہے، تقویٰ ایک باطنی چیز ہے اس کا نمونہ سامنے آئے تو اس کا پہچانا آسان ہوتا ہے چنانچہ علماء نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ پرہیزگاری کا لباس وہ ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیب تن فرماتے تھے مگر چونکہ دنیا کی تمام تہذیبیں اور ملکوں کے سردی گرمی کے احوال یکساں نہیں اس لئے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ جو نیک لوگوں کا لباس ہے وہ بھی سنت ہے، یعنی لباس کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں کی گئی جیسے کوئی عمامہ باندھتا ہے، کوئی دوپٹی ٹوپی پہنتا ہے اور کوئی گول ٹوپی اوڑھتا ہے اسی طرح کوئی گول کرتا پہنتا ہے کوئی چاک والا، یہ سبھی مسنون لباس ہیں، پس کسی خاص ہیئت پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، یا جیسے گرم علاقوں میں لنگی پہننے کا رواج ہے اور ٹھنڈے علاقوں میں پاجامہ پہننے کا، بلکہ تنگ پاجامہ پہنتے ہیں کیونکہ وہاں کے موسم کا یہی تقاضہ ہے پس یہ سب تقویٰ کا لباس ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لئے سونا اور ریشم حرام ہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذَكَورِ أُمَّتِي، وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ: میری امت کے مردوں کے لئے ریشم کا لباس اور سونا حرام کیا گیا، اور ان کی عورتوں کے لئے یہ دونوں چیزیں حلال کی گئیں۔
تشریح: سونا اور ریشم مردوں کے لئے نینِ رحوہ سے حرام کئے گئے ہیں:

پہلی وجہ: یہ دونوں چیزیں طبیعت اور مزاج میں زنا نہ پن پیدا کرتی ہیں اور مردانگی مطلوب ہے، البتہ عورتوں کے لئے زنا نہ پن مطلوب ہے اس لئے یہ دونوں چیزیں عورتوں کے لئے حلال کی گئیں اور مردوں کے لئے حرام کی گئیں۔ اس وجہ کی طرف سورۃ الزخرف آیت ۱۸ میں اشارہ آیا ہے کہ گہنوں میں پلنا عورتوں کی شان ہے: ﴿أَوَمَنْ يُدَشِّوْا فِي الْحُلِيِّ﴾ البتہ جنت میں یہ دونوں چیزیں جائز ہوگی، اس لئے دنیا میں جنت کے نمونہ کے طور پر دونوں چیزوں کی تھوڑی مقدار مردوں کے لئے بھی جائز رکھی گئی ہے، باب میں دوسری حدیث ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام تشریف لے گئے تو آپ نے جابیہ مقام میں فوج کے سامنے ایک تقریر فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم کی ممانعت فرمائی ہے مگر دو، تین یا چار انگشت کی اجازت دی ہے، چوڑائی میں اتنی مقدار اور لمبائی میں بلا قید مرد کے لئے ریشم حلال ہے، کیونکہ اتنی مقدار اول تو لباس کے دائرہ میں نہیں آتی یعنی اس کو پہناوا نہیں کہتے، پھر اتنی مقدار کی کبھی ضرورت پیش آتی ہے، اگر مکھا اور شیروانی میں گوٹ لگانے کے لئے اس کی حاجت ہوتی ہے، نیز وہ جنت کے لباس کا پیکر محسوس بن کر نگاہوں کے سامنے رہے تو عمل صالح کی ترغیب ہوگی۔

اور سونا مطلق حرام کیا گیا ہے کیونکہ سونا اور چاندی ایک جنس ہیں اس لئے جنت کے زیور کے نمونہ کے طور پر ایک مشقال سے کم چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی گئی یعنی چار گرام کے بقدر چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، یہ انگوٹھی

جنت کے زیور کا پیکر محسوس بن کر نگاہوں کے سامنے رہے گی اور آدمی اس زیور کے شوق میں اعمال صالحہ کرے گا۔

دوسری وجہ: جو چیزیں عیش کوٹی اور لذات دنیا میں سرشاری کا ذریعہ ہیں نبی ﷺ نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، سونا اور ریشم کا لباس بھی آخرت فراموشی اور دنیا طلبی میں اسہاک کا ذریعہ ہیں، ان کو حاصل کرنے کے لئے رات دن محنت کرنی پڑتی ہے، آدمی کاموں میں تھک کر چور ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے نہ آخرت کی تیاری کر سکتا ہے، بلکہ کبھی کردنی ناکردنی بھی کرنی پڑتی ہے اس لئے نبی ﷺ نے سونا اور ریشم کے لباس کو حرام قرار دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بچے بانسری۔ مگر عورتیں آرائش کی محتاج ہیں، وہ زیورات اور رنگ برنگے لباسوں سے بنتی سنورتی ہیں پھر گہنوں میں پلانا ان کی خصوصیت ہے اس لئے عورتوں کے لئے یہ دونوں چیزیں حلال کی گئیں۔

مگر عورت کے لئے بھی سونا اور چاندی صرف زیور میں جائز ہیں، سونے چاندی کے برتن، سرمہ دانی، کنگھی اور آئینہ وغیرہ عورت کے لئے بھی جائز نہیں، اور غیر مقطع زیور جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، غیر مقطع زیور: وہ ہے جو بڑا ایک ٹکڑا (ون پیس) ہو جیسے ہنسی، چوڑی وغیرہ، اس کو مخلوق (وہ زیور جو کسی عضو کا ہالہ بنا ہوا ہو) بھی کہتے ہیں۔ ایسے بڑے زیور کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ہر زیور جائز ہے خواہ وہ مقطع (ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا یعنی چھوٹا زیور) ہو یا غیر مقطع (بڑا زیور) ہو، کیونکہ باب کی حدیث عام ہے چھوٹے بڑے ہر قسم کے زیور کو شامل ہے، اور سورہ زخرف کی مذکورہ بالا آیت کے عموم سے بھی مطلقاً زیور کا جواز مستند ہوتا ہے، مگر دوسری رائے یہ ہے کہ عورت کے لئے صرف مقطع یعنی چھوٹا زیور جیسے انگٹھی، بالی اور جو دھاگے میں پرویا ہوا ہو جائز ہے، عورت کے لئے بڑا زیور جائز نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے (عورتوں کو) سونا پہننے سے منع کیا ہے مگر مقطع کو مستثنیٰ کیا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۳۹۵) دوسری حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عورتو! کیا تمہارے لئے چاندی میں وہ چیز نہیں جس کے ذریعہ تم بناؤ سنگھار کرو؟ سنو! تم میں سے جو بھی عورت سونا پہنے گی جس کو وہ ظاہر کرے گی وہ اس کے ذریعہ سزا دی جائے گی (مشکوٰۃ حدیث ۴۴۰۳) یعنی عورتیں سونے کے بڑے زیور کی نمائش کرتی ہیں اس لئے وہ ممنوع ہے، جمہور کے نزدیک یہ وعید کی حدیثیں ہیں جن سے حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ وعید کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں مثلاً زکوٰۃ ادا نہ کرنا، زیور کی نمائش کرنا وغیرہ (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۵۰۵-۵۰۷ میں ہے)

تیسری وجہ: زیب و زینت اور جمال تو پسندیدہ ہے حدیث میں ہے: إن الله جميلٌ يُحِبُّ الجمال۔ اللہ تعالیٰ نہایت موزون ہیں وہ موزنیت کو پسند فرماتے ہیں، مگر یہ چیز ٹھاٹھ کی حد تک پہنچ جائے تو وہ پسندیدہ نہیں، کیونکہ ٹھاٹھ نفس میں غرور و تکبر پیدا کرتا ہے اور غرور یہ نہیں ہے کہ آدمی کو اچھا پہننا اور ہنپسند ہو بلکہ غرور دو چیزوں کا نام ہے: حق بات کے سامنے اکڑنا یعنی مونچھ نیچی نہ ہو جائے اس لئے حق کا انکار کرنا۔ دوم: لوگوں کو نگاہوں سے گرا دینا خود کو اچھا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر جاننا، حدیث میں ہے: الکبر: بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ، سونے اور ریشم

ہے یہ برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں جو لوگ ان چیزوں سے ٹھاٹھ کرتے ہیں ان میں اس بات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور عورتوں کے تعلق سے بھی جو سونے کے بڑے زیور کی ممانعت آئی ہے اور اس پر وعیدیں سنائی گئی ہیں اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چھوٹا زیور تو زنانہ پن پیدا کرے گا جو عورتوں میں مطلوب ہے لیکن اگر عورت سونے کے زیوروں میں لدی پھرے گی تو یقیناً اس کا سر آسمان پر چڑھ جائے گا اور دوسری عورتوں کی حیثیت اس کی نظر میں گر جائے گی، پس جو علماء سونے کا ون پیس زیور عورتوں کے لئے حرام کہتے ہیں اور ان کی تائید بھی حدیثوں سے ہوتی ہے وہ بھی ایک معقول بات ہے، پس حرام نہ سہی مکروہ تو ہوگا، اس لئے اپنی خواتین کو ترغیب دی جائے کہ وہ سونے کا چھوٹا زیور پہنیں، بڑا زیور نہ پہنیں۔

فائدہ: سونے اور ریشم کا عورتوں کے لئے جواز ان کے لئے دنیا میں انہماک اور آخرت فراموشی کا سبب نہیں بنتا، کیونکہ ان کو یہ چیزیں مرد فراہم کرتے ہیں، ان کو یہ چیزیں کمائی نہیں پڑتی بلکہ ان کے لئے یہ مال مفت ہے پس ان کی تحصیل آخرت کی طرف سے غافل نہیں کرے گی۔

أبواب اللباس

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في الحرير والذهب للرجال

[۱۷۱۰-] جَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "حُرْمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي، وَأَجَلٌ لِنَائِهِمْ"

وفي الباب: عَنْ عُمرَ، وَعَلِيٍّ، وَعُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ، وَأُمُّ هَانِيٍّ، وَأَنَسٍ، وَحُذَيْفَةُ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، وَعَمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَجَابِرٌ، وَأَبِي رِيحَانَةَ، وَابْنُ عُمرَ، وَالْبَرَاءُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۱۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ، عَنْ عُمرَ: أَنَّهُ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَرِيرِ، إِلَّا مَوْضِعَ أَصْبُعَيْنِ، أَوْ ثَلَاثٍ، أَوْ أَرْبَعٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: الذهب کا عطف لباس پر ہے اور اِنٹ: اُنٹی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عورت اور جابیہ

ملک شام کی ایک بستی ہے، دمشق سے جانب جنوب تقریباً پچھتر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ مقام فوجی چھاؤنی تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس کی یہی حیثیت تھی۔ ۷۱ھ میں جب آپ نے شام کا سفر کیا تو یہاں فوج کے سامنے تقریر فرمائی، مذکورہ بات اسی تقریر میں ارشاد فرمائی ہے، کیونکہ عجبی اثرات سے فوج میں ریشم کے کپڑے پہننے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

باب ماجاء فی لبس الحریر فی الحرب

جنگ میں ریشم پہننے کا جواز

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما نے ایک جنگ میں نبی ﷺ سے جوؤں کی شکایت کی (ان کے بدن میں جوؤں کی وجہ سے خارش ہو گئی تھی اور کوئی کپڑا پہنا نہیں جا رہا تھا اور جنگ سامنے آگئی تھی) آپؐ نے ان کو ریشم کا کرتہ پہننے کی اجازت دی، حضرت انسؓ کہتے ہیں: میں نے ان دونوں کو ریشم کا کرتا پہنے ہوئے دیکھا۔

تشریح: اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً بدن میں خارش ہو جائے، چپک نکل آئے یا جوئیں پڑ جائیں اور کوئی کپڑا پہنا نہ جائے تو ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے، اسی طرح جنگی ضرورت سے بھی ریشم کا استعمال جائز ہے، کیونکہ ریشم کی چمک دشمن کی نظر کو خیرہ کرتی ہے، اور اس پر سے توارا چٹ جاتی ہے۔

یہی بات کہ جنگ میں خالص ریشمی کپڑا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، خالص ریشمی کپڑا وہ ہے جس کے تانے اور بانے دونوں ریشم کے ہوں، جو دھاگے لمبے ہوتے ہیں وہ تانے کہلاتے ہیں اور جو دھاگے چوڑے ہوتے ہیں وہ بانے کہلاتے ہیں۔ پس اگر تانا، بانا دونوں ریشم کے ہوں تو وہ خالص ریشمی کپڑا ہے اور اگر ایک ریشم کا ہو اور دوسرا سوت کا تو وہ مخلوط ہے، اور جمہور کے نزدیک بشمول صاحبین مجبوری میں اور جنگ میں خالص ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے، اور امام اعظمؒ کے نزدیک جنگ وغیرہ میں مخلوط ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت ہے، خالص ریشمی کپڑا پہننا کسی حال میں جائز نہیں۔

[۲-] باب ماجاء فی لبس الحریر فی الحرب

[۱۷۱۲-] حدثنا محمود بن غیلان، ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث، ثنا همام، ثنا قتادة، عن أنس: أن عبد الرحمن بن عوف، والزبير بن العوام شكيا القمل إلى النبي صلى الله عليه وسلم في غزاة لهما، فرخص لهما في قمص الحرير، قال: ورأيتُهُ عليهما، هذا حديث حسن صحيح.

وضاحت: علامہ شامی رحمہ اللہ نے حاشیہ درمختار (۲۵۲:۵) میں لکھا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک خالص ریشم جنگ میں مطلقاً جائز نہیں بلکہ وہی ریشمی کپڑا جائز ہے جس کا صرف بانا ریشم کا ہو، بشرطیکہ وہ کپڑا موٹا بھی ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک خواہ موٹا ہو خواہ باریک اور خواہ خالص ہو خواہ مخلوط: جائز ہے، مگر کراہیت میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی صاحبین کے نزدیک بھی بہتر یہ ہے کہ خالص پتلاریشمی کپڑا نہ پہنا جائے یہی حکم دیگر مجبوریوں میں بھی پہننے کا ہے۔

باب

جنت میں ریشمی کپڑے

قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے کہ جنت میں ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے کیونکہ ان میں غیر معمولی جمال و زینت ہے اور وہاں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں، جیسے جنت میں شراب پلائی جائے گی، کیونکہ اس میں سرور و نشاط ہوگا جنت کی شراب میں نشہ نہیں ہوگا جو فساد کا اندیشہ ہو۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ پہلے ریشم جائز تھا مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: دومتہ الجندل کے حاکم ائیکندر نے ریشم کا جبہ آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا، اس میں یہ صراحت ہے کہ یہ واقعہ ریشم کی حرمت سے پہلے کا ہے، چنانچہ آپ نے اس کو زیب تن فرمایا، لوگ اس کو دیکھ کر حیرت کرتے تھے، پس باب کی حدیث میں بھی جو واقعہ ہے وہ حرمت سے پہلے کا ہے۔

حدیث: حضرت واقد (جو انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں) کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ سے مدینہ آئے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے پوچھا: کون؟ میں نے عرض کیا: میں واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ ہوں، وہ رونے لگے اور فرمایا: تم حضرت سعدؓ سے بالکل مشابہ ہو، اور سعد بن معاذ لوگوں میں سب سے بڑے رتبہ والے اور دراز قد تھے، اور انھوں نے نبی ﷺ کے پاس ریشم کا ایک جبہ بھیجا تھا جس میں زری کا کام ہوا ہوا تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے اس کو پہنا، پس منبر پر چڑھے، پس کھڑے ہوئے یا بیٹھے (راوی کو شک ہے) پس لوگ اس کپڑے کو ہاتھ لگا کر دیکھنے لگے (اور تعجب کرنے لگے) پس انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آج تک ایسا کپڑا ہرگز نہیں دیکھا! آپ نے فرمایا: ”تمہیں اس پر حیرت ہوتی ہے، سعد کے جنت میں تو لیے اس سے بہتر ہونگے!“

باب [۳-]

[۱۷۱۳-] حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، ثَنِي وَاقِدُ بْنُ عَمْرٍو

بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، قَالَ: قَدِمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، فَأَتَيْتُهُ، فَقَالَ: مَنْ أَنْتَ؟ فَقُلْتُ: أَنَا وَاقِدُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: فَبَكِّي، وَقَالَ: إِنَّكَ لَشَبِيهٌ بِسَعْدٍ، وَإِنَّ سَعْدًا كَانَ مِنْ أَعْظَمِ النَّاسِ وَأَطْوَلَ، وَإِنَّهُ بَعَثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبَّةً مِنْ دِيْبَاجٍ، مَنْسُوجٌ فِيهَا الذَّهَبُ، فَلَبِسَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعِدَ الْمَنْبَرَ فَقَامَ أَوْ: قَعَدَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْمُسُونَهَا، فَقَالُوا: مَا رَأَيْنَا كَالْيَوْمِ ثَوْبًا قَطُّ! فَقَالَ: "أَتَعْجَبُونَ مِنْ هَذَا؟ لَمَّا دِيلُ سَعْدٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا تَرَوْنَ"

وفى الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: الدیباج: ریشمی کپڑا جس کا تانا بانا ریشم کا ہو..... منسوج: جبہ میں سونا بنا ہوا تھا یعنی سونے کے تاروں سے اس میں پھول بوٹے بنے ہوئے تھے..... منادیل: منديل کی جمع ہے، دسی رومال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں پہننے کے کپڑوں کے علاوہ کپڑے بھی ریشم کے ہونگے، جیسے پلنگ پوش، پردے، تولیے وغیرہ..... اور اطول سے قد کی درازی مراد نہ ہو بلکہ رتبہ کی بلندی مراد ہو یہ بھی ممکن ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخَصَةِ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ لِلرَّجَالِ

مردوں کے لئے سرخ کپڑا جائز ہے

سرخ رنگ کے کپڑوں کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ترمذی ابواب الآداب میں اور ابوداؤد کتاب اللباس میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس سے دوسرخ کپڑے پہنے ہوئے گذرا اس نے آپ کو سلام کیا، آپ نے جواب نہیں دیا (مشکوٰۃ حدیث ۴۳۵۳) اس حدیث کی سند میں ابویکلی قنات ہے جو بہت اچھا راوی نہیں، لیکن الحدیث ہے، علاوہ ازیں المیثرة الحمراء یعنی چھوٹا سرخ تکیہ جس کو گھوڑ سوار اپنے نیچے رکھتا ہے اس کی بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے، مگر اس کا لباس سے قریبی تعلق نہیں، غرض ممانعت کی کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔

دوسری طرف حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی ہٹھے والے کو سرخ جوڑے میں نبی ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ کے بال شانوں کو چھوتے تھے، آپ کے دونوں شانوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا اور جس کے شانوں میں فاصلہ ہوتا ہے اس کا سینہ چوڑا ہوتا ہے اور یہ بہادری کی علامت ہے، اور آپ نہ پستہ قد تھے نہ دراز قامت (یہ حدیث باب میں ہے)

تشریح: اس حدیث سے سرخ رنگ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ فقہاء کرام کے یہاں بھی مختلف اقوال ہیں، شربلانی نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک قول استحباب کا

بھی ہے۔ اور سرخ ٹوپی کی اجازت تو بالاتفاق مروی ہے (شامی: ۵: ۲۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ تیز سرخ رنگ مردوں کے لئے ناپسندیدہ ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے اور ہلکا سرخ رنگ اور سیاہی مائل سرخی یعنی براؤن رنگ بغیر کراہیت کے جائز ہے۔

اور نبی ﷺ کے لباس میں جو سرخ جوڑے کا ذکر آتا ہے: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ یمن کا بنا ہوا حِجْرہ کپڑا تھا جس کی زمین سفید تھی اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں، اذان کے بیان میں (تحفۃ: ۱: ۵۱۳) حضرت سفیان کا یہ قول آیا ہے جیسے آج کل لال رومال اوڑھے جاتے ہیں، ان کی زمین سفید ہوتی ہے اور ان میں سرخ پھول ہوتے ہیں۔ اور جس سرخ لباس پہننے والے کے سلام کا جواب آپؐ نے نہیں دیا تھا وہ احقر قانی یعنی شوخ سرخ رنگ کا کپڑا پہننے ہوئے ہوگا اور ایسا رنگ بہر حال ناپسندیدہ ہے۔

اور سرخ رنگ کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ یہ رنگ مست کُن ہے جو مردوں کے شایانِ شان نہیں، البتہ عورتوں کے لئے زیبا ہے، اس لئے ان کے لئے جائز ہے۔

فائدہ: مونڈھوں تک لٹکی ہوئی زلفیں جَمَّہ کہلاتی ہیں اور کان کی لو سے بڑھی ہوئی زلفیں لَمَّہ کہلاتی ہیں اور کانوں تک زلفیں وَفْرہ کہلاتی ہیں ان کو یاد رکھنے کا فارمولہ یہ ہے کہ حروف ہجاء کی ترتیب کے خلاف تینوں حالتیں ہیں، جب آپؐ زلفیں بنواتے تھے تو بال کانوں تک کٹواتے تھے یہ وفْرہ ہیں، پھر وہ بڑھ کر آدھی گردن تک پہنچ جاتے تھے یہ لَمَّہ ہیں، پھر جب بال بڑھتے تھے تو کندھوں کو چھوتے تھے یہ جَمَّہ ہیں۔ اس کے بعد آپؐ پھر پنٹھے کٹوا لیتے تھے، مگر اس حدیث میں یہ سب تفصیل مراد نہیں، بلکہ مطلق زلفیں مراد ہیں (یہ حدیث شامل کے بالکل شروع میں بھی ہے)

فائدہ: یہاں طلبہ ایک سوال پوچھتے ہیں کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں، نبی ﷺ نے احرام کھولتے وقت سر منڈوایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ سر منڈواتے تھے اور نبی ﷺ اور صحابہ کا سروں پر بال رکھنا سننِ عادیہ میں سے تھا سننِ ہدی میں سے نہیں تھا، کیونکہ آپؐ نے نہ بال رکھنے کی ترغیب دی ہے نہ سر منڈانے کو ناپسند کیا ہے۔

لیکن صرف سر پر بال رکھنا ہی سنت نہیں ہے، عمامہ باندھنا بھی سنت ہے، پس جو طالب علم شرعی زلفیں رکھتا ہے اور عمامہ بھی باندھتا ہے وہ ٹھیک کرتا ہے اس کے عمل کو مسنون کہا جاسکتا ہے، لیکن جو طالب علم انگریزی بال رکھتا ہے اور ٹوپی بھی صرف مدرسہ کے ماحول میں پہنتا ہے ورنہ اتار کر ہاتھ میں لے لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں سنت پر عمل کر رہا ہوں تو یہ نفس کا دھوکہ ہے اس سے بچنا چاہئے، سادہ گناہ ہلکا ہوتا ہے اور سنت کو گناہ کا ذریعہ بنانا سنگین معاملہ ہے۔

[۴-] باب ماجاء فی الرُّحْصَةِ فی الثَّوبِ الْأَحْمَرِ لِلرَّجَالِ

[۱۷۱۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَكِيعٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ الْبَرَاءِ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لَمَّةٍ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بُعِيدٌ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ.

وفی الباب: عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَأَبِي رِمَّةَ، وَأَبِي جُحَيْفَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترکیب: من ذی لمة: بمنزله مفعول اول ہے اور فی حلة حمراء: کائن سے متعلق ہو کر مفعول اول کی صفت ہے اور احسن: رایت کا مفعول ثانی ہے..... بُعِيدٌ کو مصغر بھی پڑھ سکتے ہیں اور کبر بھی اور یہ مابعد کی طرف مضاف ہے۔

باب ماجاء فی کَرَاهِيَةِ الْمُعْصَفْرِ لِلرَّجَالِ

مردوں کے لئے گیر وارنگ ناپسندیدہ ہے

المُصْفَرُ: ایک زرد رنگ کی بوٹی ہے جس سے رنگائی کی جاتی ہے، الْمُعْصَفَرُ: عصفر سے رنگا ہوا کپڑا، اردو میں اس کو گیر واری یعنی گہرے گلابی رنگ میں رنگا ہوا کپڑا کہتے ہیں، اس قسم کے کپڑے سادھو سنت اور پادری پہنتے ہیں اس لئے ان کی مشابہت کی وجہ سے شریعت نے مردوں کے لئے اس رنگ کو ناپسند کیا ہے، نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قسی کپڑا پہننے سے اور گیر وے رنگ کا کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے، یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ باب ۸۲ میں گزر چکی ہے۔

[۵-] باب ماجاء فی کَرَاهِيَةِ الْمُعْصَفْرِ لِلرَّجَالِ

[۱۷۱۵-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: "نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقَسِيِّ وَالْمُعْصَفْرِ"

وفی الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، حَدِيثٌ عَلِيٌّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی لُبْسِ الْفِرَاءِ

پوستین پہننے کا بیان

الفراء: الفرو کی جمع ہے، ریچھ یا لومڑی وغیرہ کی کھال جس سے دباغت کے بعد گرم کپڑا بنایا جاتا تھا اسی کو پوستین یعنی چمڑے کا کوٹ بھی کہتے ہیں، جس کے اوپر کی جانب میں یا اندر کی جانب میں بال ہوتے ہیں۔

پوتین پہننا جائز ہے کیونکہ درندوں کی کھالیں رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں اور بالوں میں تو حیات ہی نہیں اس لئے وہ پہلے سے پاک ہیں۔

حدیث: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے گھی، پنیر اور پوتین کا حکم دریافت کیا گیا، آپؐ نے فرمایا: حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (شریعت) میں حلال کیا ہے اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (شریعت) میں حرام کیا ہے اور جس چیز سے خاموشی اختیار کی ہے یعنی نفیاً یا اثباتاً اس کا حکم بیان نہیں کیا: وہ ان چیزوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے درگزر کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے علماء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے، پس جس چیز کی حلت و حرمت کی قرآن و حدیث اور فقہ میں صراحت نہ ہو وہ مباح ہے۔

[۶-] باب ماجاء فی لبس الفراء

[۱۷۱۶-] حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ، ثَنَا سَيْفُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّمِيمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ: "الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَى عَنْهُ" وَفِي الْبَابِ: عَنِ الْمُغِيرَةِ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَأَنَّهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ. وَرَوَى سُفْيَانُ وَغَيْرُهُ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّمِيمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَوْلَهُ، وَكَأَنَّ الْحَدِيثَ الْمَوْقُوفَ أَصَحُّ.

وضاحت: یہ حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے اس کی سند میں سیف بن ہارون البزجمی ابو الزرقاء الکوفی نہایت ضعیف راوی ہے، ابن حبان نے اس پر سخت تنقید کی ہے اور اسی کی سند سے یہ حدیث ابن ماجہ (حدیث ۳۳۶۷) اور مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے، یہی راوی اس حدیث کو مرفوع کرتا ہے۔ اور سفیان ثوری وغیرہ جو مضبوط راوی ہیں وہ سلیمان تیمی سے اس حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں یعنی یہ سوال حضرت سلمانؓ سے کیا گیا تھا اور یہ جواب حضرت سلمانؓ نے دیا ہے، یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی ہے جس کا مصری نسخہ میں تذکرہ ہے، البتہ امام بخاریؒ نے سیف کو مقارب الحدیث کہا ہے۔

بابُ ماجاء فی جلود المیتة إذا دُبغت

مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب بہت لمبا لکھا ہے، اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ ماکول اللحم مردار کی کھال اور غیر

ماکول اللحم جانوروں کی کھالیں رنگنے سے پاک ہوتی ہیں یا نہیں؟ احناف کے نزدیک خنزیر اور انسان کے علاوہ تمام کھالیں رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں، ان پر نماز پڑھنا درست ہے، البتہ درندوں کی کھالوں کا استعمال پہننے اور ڈھننے میں مکروہ ہے کیونکہ اس سے مزاج میں درندگی پیدا ہوتی ہے، ہاں خارجی استعمال جیسے دیوار پر زینت کے لئے یا بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لئے لٹکانا جائز ہے۔

اور خنزیر کا استثناء اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے ہے، قرآن کریم میں صراحت ہے کہ خنزیر گندہ ہے پس وہ کسی بھی طرح پاک نہیں ہو سکتا، اور انسان کا استثناء اس کی کرامت کی وجہ سے ہے یعنی اس کی کھال پاک ہے مگر احترام انسانیت کی وجہ سے اس کا استعمال ممنوع ہے اور یہی حکم اعضائے انسان کا ہے، اگر ان کا استعمال موضع امتہان (پامالی) میں نہ ہو بلکہ کسی انسان کے جسم میں پیوند کاری کی جائے تو حالت اضطرار میں اس کی گنجائش ہے۔ اور فقہ حنفی میں ایک استثناء اور بھی ہے: جو کھالیں رنگی نہیں جاسکتیں جیسے: سانپ، مچھلی وغیرہ کی کھالیں وہ بھی پاک نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ دباغت کا اثر قبول نہیں کرتیں، مگر اب مشنری دور میں اس استثناء کی ضرورت نہیں رہی، مشن ہر کھال سے گوشت کے اجزاء علیحدہ کر دیتی ہے اور پتلی سے پتلی کھال کو بھی رنگ دیتی ہے۔

اور فقہ شافعی میں خنزیر کے ساتھ کتے کا بھی استثناء کیا گیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتا بھی نجس العین ہے۔ اور امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ اس مسئلہ میں دو وجہ سے مذہب ہیں: ایک: إہاب: کس کو کہتے ہیں، فن غریب الحدیث کے امام نصر بن شمیلؒ کے نزدیک: إہاب ماکول اللحم جانور کی کھال ہے، غیر ماکول اللحم کی کھال إہاب نہیں۔ دوم: روایتوں میں تعارض ہے، ایک: روایت یہ ہے کہ ایک بکری مرگئی نبی ﷺ نے اس کے مالکوں سے کہا: ”اس کی کھال کیوں نہیں نکال لیتے؟ پھر اس کو رنگ لو پس اس سے فائدہ اٹھاؤ“ اور قولی حدیث ہے: ”جو نسا کچا چمڑا رنگ دیا جائے وہ یقیناً پاک ہو جاتا ہے“

دوسری حدیث عبد اللہ بن عکیم کی ہے وہ کہتے ہیں: ہمارے پاس نبی ﷺ کا وفات سے دو مہینہ پہلے خط آیا کہ مردار سے فائدہ مت اٹھاؤ، نہ کچے چمڑے سے اور نہ پٹھے سے، یہ حدیث چونکہ مؤخر ہے اس لئے ان ائمہ نے اس کو ناخ قرار دیا، مگر اس حدیث میں اضطراب ہے، عبد اللہ نے حضور ﷺ کی یہ تحریر خود نہیں دیکھی بلکہ قبیلہ جہینہ کے کچھ لوگوں سے وہ یہ بات نقل کرتے ہیں اور وہ لوگ اللہ جانیں کون ہیں، اس لئے امام احمد رحمہ اللہ نے آخر میں رائے بدل لی، اب ان کی رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے اور حضرت اسحاق کے مذہب کی حقیقت معلوم نہیں۔

ملفوظ: مردار کی کھال دباغت سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ کتاب البیوع باب ۶۰ میں گذر چکا ہے۔

پہلی حدیث: وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ ایک بکری مرگئی تھی الخ۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

براہ راست نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے بھی روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے، پس وہ روایت جس میں حضرت میمونہ کا واسطہ نہیں وہ مرسل صحابی ہوگی۔

دوسری حدیث: اَيْمًا إِهَابُ دُبِغٍ فَقَدْ طَهُرَ: جو بھی کچی کھال رنگ دی گئی وہ یقیناً پاک ہوگئی۔

تشریح: غیر ماکول اللحم جانوروں کی کھالوں کو یہ حدیث شامل ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے حضرت اسحاق نے نصر بن شمیل کا قول لیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اہاب ماکول اللحم کی کچی کھال کو کہتے ہیں، پس غیر ماکول اللحم کی کھال سے انتفاع جائز نہیں، نہ رنگنے سے پہلے اور نہ رنگنے کے بعد، اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: اہاب مطلق کچی کھال کو کہتے ہیں، خواہ ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی، مذبوہ کی ہو یا غیر مذبوہ کی، پس یہ حدیث ہر کھال کو شامل ہے، اور ہر کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

تیسری حدیث: عبد اللہ بن عکیم (صحابی نہیں ہیں، مخصرم تابعی ہیں) کہتے ہیں: ہمارے (قبیلہ کے) پاس نبی ﷺ کا خط آیا کہ تم مردار کی کچی کھال سے اور پٹھے سے فائدہ مت اٹھاؤ۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: مردار کی کھال سے کسی ل میں انتفاع جائز نہیں، اور وہ حدیثیں جن میں دباغت کے بعد مردار کی کھال سے انتفاع کی اجازت دی گئی ہے وہ منسوخ ہیں، اور یہ حدیث ناسخ ہے کیونکہ اس کے بعض طرق میں یہ صراحت ہے کہ یہ خط آنحضور ﷺ کی وفات سے دو مہینے پہلے گیا تھا پس یہ حدیث بعد کی ہے اور ناسخ ہے، اور اباحت والی حدیثیں پہلے کی ہیں اور منسوخ ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کی بھی پہلے یہی رائے تھی مگر جب ان کے سامنے یہ بات آئی کہ عبد اللہ بن عکیم نے خود وہ تحریر نہیں دیکھی بلکہ وہ قبیلہ کے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ مجہول ہیں اس لئے آپ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا، اب وہ جمہور کے ساتھ ہیں، صرف اسحاق کا اختلاف باقی ہے۔

فائدہ: غیر ماکول اللحم جانور کو اگر بسم اللہ پڑھ کر شرعی طریقہ پر ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اور کھال بھی، البتہ وہ گوشت کھانا حرام ہے، پس اگر وہ گوشت پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہوگی۔

[۷-] باب ماجاء فی جُلُودِ الْمَيِّتَةِ إِذَا دُبِغَتْ

[۱۷۱۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ:

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: مَاتَتْ شَاةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا هِلَهَا: "أَلَا نَزَعْتُمْ

جَلَدَهَا ثُمَّ دَبَعْتُمُوهُ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ“

وفى الباب: عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ، وَمَيْمُونَةَ، وَعَائِشَةَ؛ وَحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا، وَرَوَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ، وَرَوَى عَنْ سَوْدَةَ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يُصَحِّحُ حَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ، وَقَالَ: احْتَمَلْتُ أَنْ يَكُونَ رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ مَيْمُونَةَ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

[۱۷۱۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ وَعْلَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهَّرَ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ: إِذَا دُبِغَتْ فَقَدْ طَهَّرَتْ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهَّرَ إِلَّا الْكَلْبَ وَالْخِنْزِيرَ.

وضاحت: امام ترمذی نے سب سے پہلے مری ہوئی بکری کی حدیث لکھی ہے اس میں اِلا: ہلا کی طرح حرف تخصیض ہے جو کسی کام پر ابھارنے کے لئے استعمال ہوتا ہے..... یہ روایت ابن عباسؓ براہ راست نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے بھی اور ام المؤمنین حضرت سوداءؓ سے بھی، امام بخاری نے پہلی دو سندوں کی تصحیح کی ہے اور فرمایا ہے کہ احتمال ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ حدیث حضرت میمونہؓ سے بھی سنی ہو پھر ان کا تذکرہ نہ کیا ہو (پس یہ حدیث مرسل صحابی ہوگی اور حضرت سوداءؓ والی سند کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا) اور اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے جن میں ابن المبارک، احمد اور اسحاق کا بھی نام لیا ہے، حالانکہ ان کا اختلاف آگے ذکر کریں گے..... پھر دوسری حدیث (نمبر ۱۷۱۸) پیش کی ہے جو قولی حدیث ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت ہے پھر مکرر فرمایا ہے کہ اس حدیث پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ مردار کی کھال کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب اس کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو بھی کچی کھال رنگ دی گئی وہ یقیناً پاک ہو گئی، مگر خنزیر اور کتا مستثنیٰ ہیں، یہ (کتے کے استثناء کے علاوہ) جمہور کا مذہب ہے اور عبارت میں تکرار ہے۔

وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ جُلُودَ السَّبَاعِ، وَشَدُّوا فِي لُبْسِهَا، وَالصَّلَاةِ فِيهَا.

قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: إِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِيْمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقْدَ طَهْرٍ" إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ جِلْدَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ، هَكَذَا فَسَّرَهُ النَّصْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، وَقَالَ: إِنَّمَا يُقَالُ: إِهَابٌ: لَجِلْدِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ، وَكَرِهَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ وَالْحَمِيدِيُّ الصَّلَاةَ فِي جُلُودِ السَّبَاعِ.

[۱۷۱۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَالشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ: أَتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَنْتَقِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَيُرْوَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ عَنْ أَشْيَاخٍ لَهُ هَذَا الْحَدِيثُ وَلَيْسَ الْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[۱۷۲۰-] وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ أَنَّهُ قَالَ: "أَتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَقَاتِهِ بِشَهْرَيْنِ"

سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ: كَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ يَذْهَبُ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ لِمَا ذَكَرَ فِيهِ: قَبْلَ وَقَاتِهِ بِشَهْرَيْنِ، وَكَانَ يَقُولُ: كَانَ هَذَا آخِرَ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ تَرَكَ أَحْمَدُ هَذَا الْحَدِيثَ لَمَّا اضْطَرُّوا فِي إِسْنَادِهِ: حَيْثُ رَوَى بَعْضُهُمْ وَقَالَ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ عَنْ أَشْيَاخٍ مِنْ جُهَيْنَةَ.

ترجمہ: اور بعض صحابہ وغیرہ اہل علم نے درندوں کی کھالوں کو ناپسند کیا ہے، اور ان کے پہننے میں اور ان میں نماز پڑھنے میں سختی کی ہے یعنی رنگنے کے بعد بھی ان کا استعمال جائز نہیں (یہ رائے ان فقہاء کی ہے جن کا تذکرہ بعد میں آ رہا ہے یعنی ابن المبارک وغیرہ کی اور ان حضرات نے مذکورہ قولی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ إِهَاب: ماکول اللحم جانور کی کچی کھال ہی کو کہتے ہیں) اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کا ارشاد: إِيْمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقْدَ طَهْرٍ میں صرف ان جانوروں کی کھال مراد ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، نصر بن شُمیل نے اہاب کی یہی تفسیر کی ہے وہ کہتے ہیں: إِهَاب اسی جانور کی کھال کو کہا جاتا ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور ابن المبارک، احمد اسحاق اور حمید نے درندوں کی کھال میں نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے (انہی حضرات کی رائے کا تذکرہ پہلے آیا)

پھر امام ترمذی نے عبد اللہ بن عکیم کی روایت پیش کی ہے (یہ صحابی نہیں ہیں، مختصر م تابعی ہیں اور خود انھوں نے وہ امہ مبارک نہیں دیکھا بلکہ قبیلہ جہینہ کے بعض بڑے لوگوں سے وہ یہ بات روایت کرتے ہیں) امام ترمذی فرماتے

ہیں: اس حدیث پر اکثر اہل علم کا عمل نہیں، پھر امام ترمذیؒ نے آخری روایت پیش کی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ یہ نامہ مبارک آپؐ کی وفات سے دو مہینے پہلے گیا تھا، پھر احمد بن الحسن کا قول ذکر کیا ہے کہ امام احمد کی رائے اس حدیث کے مطابق تھی، کیونکہ اس میں قبل وفاتہ بشہوین کی صراحت ہے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آخری امر ہے (پس یہ روایت ناخ ہے) پھر امام احمدؒ نے اس روایت کو چھوڑ دیا، جب راویوں میں اس کی سند میں اختلاف ہوا چنانچہ بعض روات نے عبد اللہ بن عکیم کے بعد عن اشیاخ من جُھینۃ بڑھایا (پس سند میں مجہول واسطے آگئے)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ جَرِّ الْإِزَارِ

ٹخنوں سے نیچے لنگی پہننا مکروہ ہے

عربی میں اِزار: لنگی کو کہتے ہیں اور اردو میں پاجامہ کو، اور مراد مطلق کپڑا ہے خواہ لنگی ہو، پاجامہ ہو، پتلون ہو، کرتا ہو، ٹوپی ہو یا پگڑی ہو، کیونکہ حدیث میں عام لفظ ثوب آیا ہے پس ہر کپڑا معروف انداز پر پہننا چاہئے، بھونڈے انداز پر نہیں پہننا چاہئے نہ لباس میں تکبر کو راہ ملنی چاہئے، ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا، آدھی پنڈلی سے بھی نیچے کرتا پہننا، اور بالشت بھر اوچی ٹوپی پہننا کبر کی علامت ہے۔ اور ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک امام نماز پڑھانے آیا، اس کے عمامہ سے ساری محراب بھر گئی، یہ بات تکبر سے ناشی ہے یا تکبر اس کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) ہے یعنی پہلے سے اگر تکبر نہیں بھی ہوتا تو رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَنْظُرُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلًا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائیں گے جو اپنا کپڑا تکبر کے طور پر گھسیٹتا ہے۔

تشریح: الخِيَلَاء کے معنی ہیں: تکبر، بڑائی اور خود پسندی، حضرات شوافع کی کتابوں میں یہ مسئلہ گھمنڈ کی قید کے ساتھ مذکور ہے مگر احناف کی کتابوں میں یہ مسئلہ مطلق ہے کیونکہ جس میں پہلے سے تکبر نہیں ہوتا: کپڑا لٹکانے سے اس میں بھی رفتہ رفتہ اترا ہٹ پیدا ہو جاتی ہے، پھر کوئی بھی شخص اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ اس نے اپنا کپڑا تکبر کے طور پر پہنا ہے اس لئے ایسی مخفی چیز پر حکم کا مدار نہیں رکھا جاسکتا حکم عام رہے گا، یہ مضمون پہلے ابواب البیوع باب ۵ میں بھی گذر چکا ہے۔

[۸-] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ جَرِّ الْإِزَارِ

[۱۷۲۱-] حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنُ، ثَنَا مَالِكُ ح. وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، وَزَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ كُلُّهُمْ يُخْبِرُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

”لَا يَنْظُرُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلًا“

وفى الباب: عَنْ حُدَيْفَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَمُرَةَ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَعَانِشَةَ، وَهَبِيبِ بْنِ مُعْقَلٍ، حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ما جاء في ذُيُولِ النِّسَاءِ

عورتوں کے کرتے کہاں تک ہوں؟

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا اترا ہٹ سے گھسیٹا اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائیں گے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: عورتیں اپنے کرتوں کے دامن کیسے رکھیں؟ (معلوم ہوا کہ یہ حکم لنگی پا جامہ کے ساتھ خاص نہیں، صحابہ اس حکم کو ہر کپڑے کے لئے عام سمجھ رہے ہیں، اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے یہ سوال کیا) نبی ﷺ نے فرمایا: عورتیں مردوں کے کرتے سے ایک بالشت کرتا نیچا رکھیں، ام سلمہؓ نے عرض کیا: تب تو ان کے پیر نظر آئیں گے، آپؐ نے فرمایا: پس عورتیں کرتے کو ایک ہاتھ نیچا رکھیں، اس سے زیادہ نیچا نہ رکھیں۔

تشریح: عورتیں ایک ہاتھ سے بھی زیادہ کرتا نیچا رکھیں گی تو وہ زمین سے لگے گا اور گندہ ہوگا، اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ایک ہاتھ نیچا رکھنے میں فائدہ ہے ان کے پیر نظر نہیں آئیں گے۔

فائدہ (۱): امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے عورتوں کے لئے جواز نکلتا ہے کہ وہ لنگی پا جامہ بھی ٹخنوں سے نیچے رکھ سکتی ہیں کیونکہ اس میں ان کے لئے ستر ہے یعنی حدیث میں اگرچہ کرتہ لٹکانے کا جواز ہے مگر اس سے لنگی پا جامہ لٹکانے کا جواز بھی عورتوں کے لئے ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ (۲): اس حدیث سے آسانی سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ دور نبوی میں مردوں کے کرتے زمین سے ایک ہاتھ اونچے ہوتے تھے اس سے نیچا کرتا پہننا مردوں کے لئے زیبا نہیں، اور آج کل عربوں میں جو کرتا رائج ہے اس کو مردوں کا کرتا کہنا مشکل ہے، یہ تو عورتوں کا کرتا ہے اور جرّ ثوب کے دائرہ میں آتا ہے۔

حدیث (۲): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک بالشت بھری ان کی پیٹی سے۔

تشریح: نطق: کمر پر باندھی جانے والی پیٹی: جسے گھر میں کام کاج کرنے والی عورتیں اور کھانا پکانے والی عورتیں اور کھانا کھلانے والی عورتیں باندھتی ہیں یہ روایت عرصہ تک میں نہیں سمجھتا تھا اس کی صورت میری سمجھ میں نہیں آتی تھی، نیز یہ بات بھی واضح نہیں تھی کہ نبی ﷺ نے جو بالشت بھری تھی وہ پیٹی کی ابتداء سے بھری تھی یا

انتہا سے، پھر جب میرا سری لٹکا جانا ہوا اور وہاں میں نے بدھٹ عورتوں کا لباس دیکھا تو اس کی صورت میری سمجھ میں آگئی، وہ عورتیں گگری پر پٹی باندھ کر گھر سے نکلتی ہیں یعنی ان کی کمر سے ان کی لنگی پر ایک کپڑا لٹکتا ہے جو آدھی ران تک ہوتا ہے اس سے جسم کے بالائی حصہ کی بے پردگی ختم ہو جاتی ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں مردوں کی طرح عورتیں بھی لنگی باندھتی تھیں پا جامہ کا عام رواج نہیں تھا پس جب مسلمان عورت گھر سے نکلے گی تب تو برقعہ پہن کر نکلے گی مگر جب گھر میں کام کاج میں ہوگی اور کرتا نہیں پہن رکھا ہوگا تو لنگی میں بے پردگی ہوگی اس وقت اگر لنگی پر پا جامہ پر عورت کمر میں پٹی باندھ لے تو پردہ ہو جائے گا، یہ پٹی اگر برائے نام ہے یعنی ایک بالشت سے کم ہے تو لا حاصل ہے اور اگر بہت لمبی ہے اور گھٹنوں سے نیچے تک ہے تو بے ضرورت ہے اور جرثوب کے دائرہ میں آتی ہے۔ نبی ﷺ نے جو پٹی سے ایک بالشت بھری تھی وہ اگر کمر سے بھری تھی تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بس اتنی پٹی کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں اور حدیث کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ کی پٹی جہاں تک تھی وہاں سے آپؐ نے بالشت بھری، پس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنی چھوٹی پٹی لا حاصل ہے اس کو مزید ایک بالشت بڑھانا چاہئے جیسے کرتوں کے دامن کو ایک بالشت یا ایک ہاتھ بڑھانے کی اجازت دی اسی طرح پٹی بھی گھٹنوں تک لٹکنی چاہئے تاکہ پردہ کا مقصد حاصل ہو۔ حدیث کا یہ دوسرا مطلب زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسی صورت میں حدیث کی باب سے مناسبت ہوگی پہلا مطلب لینے کی صورت میں حدیث: باب سے بے جوڑ ہوگی۔

[۹-] باب ماجاء فی ذیول النساء

[۱۷۲۲-] حدثنا الحسن بن علی الخلال، ثنا عبد الرزاق، ثنا معمر، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: فَكَيْفَ يَصْنَعُ النِّسَاءُ بِذُيُولِهِنَّ؟ قَالَ: "يُرْخَيْنَ شِبْرًا" فَقَالَتْ: إِذَا تَنَكَّشَفُ أَقْدَامُهُنَّ! قَالَ: "فَيُرْخِيَنَّ ذِرَاعًا، لَا يَزِدَنَّ عَلَيْهِ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْحَدِيثِ رُخْصَةٌ لِلنِّسَاءِ فِي جَرِّ الْإِزَارِ، لِأَنَّهُ يَكُونُ أَسْتَرًا لَهُنَّ.

[۱۷۲۳-] حدثنا إسحاق بن منصور، ثنا عفان، ثنا حماد بن سلمة، عن علي بن زيد، عن أم الحسن، أن أم سلمة حدثتهم: أن النبي صلى الله عليه وسلم شَبَّرَ لِفَاطِمَةَ شِبْرًا مِنْ نِطَاقِهَا. وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ حَمَادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ.

لغات: ذیول: ذیل کی جمع ہے، ذیل الثوب کے معنی ہیں: دامن،..... یرخین: فعل مضارع صیغہ جمع مؤنث غائب اَرْخَى اِرْخَاءً الستر: پردہ لٹکانا..... شَبَّرَ الثوب: بالشت سے ناپنا، اندازہ کرنا۔

وضاحت: یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی والدہ روایت کرتی ہیں ان کا نام خَیْزَہ ہے وہ حضرت ام سلمہؓ کی آزاد کردہ ہیں ان سے علی بن زید بن جَدعان بلا واسطہ بھی روایت کرتے ہیں اور حضرت حسن کے واسطہ سے بھی اور دونوں سندیں صحیح ہیں کیونکہ ان کا دونوں سے لقاء و سماع ہے مگر راوی ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الصُّوفِ

اونی کپڑے پہننے کا بیان

قدیم زمانہ سے چمڑے اور اُون کا لباس پہننے کا رواج چلا آ رہا ہے، پہلے سوتی کپڑوں کا رواج زیادہ نہیں تھا، نیز بے سلا لباس پہنا جاتا تھا یعنی چادر اوڑھی جاتی تھی اور لنگی باندھی جاتی تھی، اوڑھنے کی چادر کو کِسَاءُ کہتے تھے، یہ چادر عام طور پر اون کی ہوتی تھی اور لنگی کو اِزَار کہتے تھے، یہ بھی اون کی ہوتی تھی، سلعے ہوئے کپڑوں کا عام رواج نہیں تھا۔ آج بھی چمڑا اور اون لباس میں استعمال ہوتا ہے مگر اب ان کی کوالٹی اعلیٰ ہو گئی ہے، اونی لباس اعلیٰ لباس سمجھا جاتا ہے، چمڑے کے کوٹ، ٹوپی، موزے اور صدری وغیرہ پہنتے ہیں اور طرح طرح کے اونی کپڑے تیار ہوتے ہیں جو سردیوں میں پہنے جاتے ہیں مگر درنہوی میں اونی کپڑوں کا درجہ سوتی کپڑوں سے نیچے تھا، بعد میں بھی ایک عرصہ تک ان کا درجہ نیچے رہا، جب دنیا نے ترقی کر لی اور سب لوگ سوتی کپڑے پہننے لگے: اس وقت اللہ کے نیک بندے صوف (اون) پہنتے تھے چنانچہ وہ صوفی کہلانے لگے، اور ان کا طریقہ تصوف کہا جانے لگا قبل ازیں اس کے لئے زُہد، زہادہ اور احسان کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے اب ان کی جگہ تصوف اور صوفی نے لے لی۔

مگر اس زمانہ میں تصوف میں عجبی اثرات بھی شامل ہو گئے تھے اور ذکر و فکر کے غیر شرعی طریقے رائج ہو گئے تھے، جس کی علماء دیوبند نے تجدیدی اور حتی الامکان غیر شرعی باتیں تصوف سے نکال دیں، اور تصوف کو اس کی اصل شکل کی طرف لوٹا دیا، مگر ممکن ہے کچھ باتیں باقی رہ گئی ہوں جن کی اصلاح کی جاسکتی ہے مگر نفس تصوف کا انکار جیسا کہ نجدی، سلفی، غیر مقلدین اور مودودی کرتے ہیں درست نہیں، یہ ایک قرآن و حدیث اور تعامل سلف سے ثابت حقیقت کا انکار ہے۔

حدیث (۱): ابو بردہؓ کہتے ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک موٹی اوڑھنے کی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھائی اور فرمایا: ان دو کپڑوں میں نبی ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔

تشریح: آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے جو تبرکات تقسیم کئے تھے ان میں یہ جوڑا جسے پہن کر آپ کی وفات ہوئی تھی حضرت عائشہؓ کو دیا تھا جو ان کے پاس عرصہ تک محفوظ رہا، وہ کبھی کبھی طلبہ کو اس کی زیارت کراتی تھیں — کِسَاءُ کے معنی ہیں اوڑھنے کی چادر، دراول میں یہ چادر

اونی ہوتی تھی، اور مُلَبَّدُ (اسم مفعول) لَبَّدَ الشَّيْءَ بالشَّيْءِ سے ہے جس کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مضبوط چپکانا، جوڑنا، ٹھوس بنانا۔ علماء نے اس کے دو ترجمے کئے ہیں: ایک: پیوند لگی ہوئی، مگر یہ ترجمہ ٹھیک نہیں، دوسرا: موٹی، دیز، یہی ترجمہ مناسب ہے اور مُلَبَّدُ اور غلیظ میں فرق یہ ہے: مَلَبَّدُ زیادہ موٹا اور غلیظ کم موٹا یا اس کا برعکس دونوں قول ہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر اللہ تعالیٰ سے مکالمہ ہوا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اونی چادر اور اونی جبہ اور اونی ٹوپی اور اونی پاجامہ پہن رکھا تھا (چادر آپ نے جبہ پر اوڑھ رکھی ہوگی کیونکہ سردی کا زمانہ تھا، آپ گھر والوں کے تاپنے کے لئے آگ لینے گئے تھے) اور آپ کے دونوں چپل مردہ گدھے کی کھال کے تھے (کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے)

تشریح: اس حدیث کی سند میں حمید اعرج ہے اس کے باپ کا نام علی ہے، یہ کوفہ کا باشندہ ہے اور منکر الحدیث یعنی نہایت ضعیف راوی ہے، اسی طبقہ میں ایک دوسرا حمید بھی ہے جس کے باپ کا نام قیس ہے اس کا لقب بھی اعرج ہے مگر وہ مکہ کا باشندہ ہے اور حضرت مجاہدؒ کا شاگرد ہے وہ ثقہ راوی ہے، اور ایک تیسرا حمید بصرہ کا رہنے والا ہے اس کا لقب طویل ہے، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اور اعلیٰ درجہ کا ثقہ راوی ہے۔

[۱۰-] باب ماجاء فی لبس الصوف

[۱۷۲۴-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبرَاهِيمَ، ثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هَلَالٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: أَخْرَجَتِ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيظًا، فَقَالَتْ: قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَيْنِ.

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَحَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۲۵-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا خَلْفُ بْنُ خَلِيفَةَ، عَنْ حُمَيْدِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كَانَ عَلَى مُوسَى يَوْمَ كَلَّمَهُ رَبُّهُ كِسَاءٌ صُوفٍ، وَجُبَّةٌ صُوفٍ، وَكُمَّةٌ صُوفٍ، وَسَرَاوِيلُ صُوفٍ، وَكَانَتْ نَعْلَاهُ مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَيِّتٍ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حُمَيْدِ الْأَعْرَجِ، وَحُمَيْدٌ: هُوَ ابْنُ عَلِيٍّ الْأَعْرَجِ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَحُمَيْدُ بْنُ قَيْسٍ الْأَعْرَجُ الْمَكِّيُّ صَاحِبُ مُجَاهِدٍ ثَقَّةٌ، وَالْكُمَةُ الْقُلَنَسُوءَةُ الصَّغِيرَةُ.

لغت: الْكُمَةُ: سر سے لگی ہوئی گول ٹوپی..... اور الْكُمَةُ کے معنی ہیں: آستین، اس کی جمع اُكُمَام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِمَامَةِ السَّوْدَاءِ

سیاہ عمامہ کا بیان

عربوں میں پگڑی باندھنے کا عام رواج تھا، نبی ﷺ بھی پگڑی باندھتے تھے، اور صحابہ بھی پگڑی باندھتے تھے، اور ایک ضعیف روایت ہے: اَعْتَمُوا تَرْدَادُوا حِلْمًا: پگڑی باندھو بردباری میں اضافہ ہوگا، چھپھورا پن اور اوجھا پن دور ہوگا اور باوقار بنو گے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں میں پگڑی سے امتیاز ہوتا ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فتح مکہ کے دن جب نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر سیاہ پگڑی تھی۔

تشریح: پگڑی کسی بھی رنگ کی باندھنا جائز ہے، نبی ﷺ نے سیاہ پگڑی بچی باندھی ہے، ہری بھی اور سفید بھی، پس لال پگڑی تو مناسب نہیں، باقی جس رنگ کی چاہے پگڑی باندھ سکتا ہے، اور چونکہ جنتیوں کا لباس ہر اس لئے عام طور پر علماء ہری پگڑی کو پسند کرتے ہیں۔

[۱۱-] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِمَامَةِ السَّوْدَاءِ

[۱۷۲۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ، وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَرُكَانَةَ؛ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ سَدْلِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ

شانوں کے درمیان شملہ لٹکانے کا بیان

پگڑی بغیر شملہ کے باندھنا بھی درست ہے اور شملہ کے ساتھ بھی، پھر ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو بھی، اور اس کی مقدار کم از کم ایک بالشت اور زیادہ سے زیادہ کمر تک ہونی چاہئے اس سے لمبا شملہ جرتوب کے دائرہ میں آتا ہے، اور شملہ دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی سینہ پر ڈالا جاسکتا ہے، پہلے روافض بائیں کندھے سے سینہ پر شملہ ڈالتے تھے مگر اب ان کا یہ شعار نہیں رہا اس لئے یہ بھی درست ہے۔

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ جب پگڑی باندھتے تھے تو اپنے دونوں شانوں کے درمیان اپنی پگڑی یعنی شملہ لٹکاتے تھے، نافع کہتے ہیں: ابن عمر کا بھی یہی معمول تھا، اور عبید اللہ عمری کہتے ہیں: میں

نے قاسم اور سالم کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا ہے، یہ دونوں حضرات مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں، قاسم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور سالم حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے ہیں۔

ملفوظ: اس حدیث پر مصری نسخہ میں باب ہے اور تحفۃ الاحوذی میں بھی باب ہے اور اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے جس کی سند صحیح نہیں (اللہ جانے یہ روایت کس کتاب میں ہے)

[۱۲]- باب سَدَلِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ

[۱۷۲۷]- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدِينِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَرَ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْدُلُ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ.

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَلَا يَصِحُّ حَدِيثُ عَلِيٍّ مِنْ قَبْلِ إِسْنَادِهِ.

لغات: اعْتَمَرَ الرجلُ: پگڑی سر پر لپیٹنا..... سَدَلَ الثوبَ: لٹکانا، چھوڑنا۔

بابُ ماجاء في كراهية خاتم الذهب

سونے کی انگوٹھی کی ممانعت

مردوں کے لئے سونا مطلقاً حرام ہے، البتہ عورتوں کے لئے سونے کا زیور جائز ہے اور جس طرح ریشم ابتداء اسلام میں جائز تھا سونا بھی جائز تھا، پھر دونوں کی حرمت آگئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے دو مرتبہ گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور قسسی کپڑا پہننے سے اور رکوع سجدے میں قرآن پڑھنے سے اور گبروے رنگ کا کپڑا پہننے سے منع کیا، حضرت عمرانؓ بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کیا، اور آگے یہ حدیث آرہی ہے کہ پہلے نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنائی تھی پھر اس کو نکال پھینکا اور فرمایا: ”میں اس کو اب کبھی نہیں پہنوں گا“ اور آپؐ نے امت کو بھی اس سے منع کر دیا۔

مسئلہ (۱): سونے کا کوئی بھی زیور جیسے گردن کی زنجیر، ہاتھ کا کڑا، گھڑی کی چین اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ مردوں کے لئے حرام ہیں، البتہ عورتوں کے لئے یہ چیزیں جائز ہیں۔

مسئلہ (۲): سنہری رنگ جائز ہے یعنی اگر انگوٹھی یا گھڑی کی چین پر سنہری کمر ہو تو یہ جائز ہے اور کمر وہ ہوتا ہے جو کھرچنے سے الگ نہ پڑے اور جو کھرچنے سے الگ پڑے وہ پتر ہے جو جائز نہیں۔

مسئلہ (۳): جو بن شیروانی یا کرتے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں اور اس پر زری کا کام ہوا ہوا ہو تو ایسے بن جائز ہیں اور جو بن کپڑے سے علاحدہ ہوں وہ سونے کے جائز نہیں۔

مسئلہ (۴): ضرورت کے وقت سونے کا استعمال جائز ہے جیسے ایک صحابی کی جنگ میں ناک کٹ گئی تھی، انھوں نے چاندی کی ناک بنوائی تو اس میں بدبو ہو جاتی تھی اس لئے نبی ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی، اسی طرح دانتوں کو سونے کے تاروں سے بندھوانا یا دانت پر سونے کا خول چڑھانا بھی جائز ہے، کیونکہ چاندی کالی پڑ جاتی ہے پس یہ بھی ایک ضرورت ہے (اور یہ مسئلہ اور یہ حدیث باب ۳۱ میں آرہی ہے)

[۱۳-] باب ماجاء فی کراہیۃ خاتم الذهب

[۱۷۲۸-] حدثنا سلمة بن شبيب، والحسن بن علي الحلل، وغير واحد، قالوا: ثنا عبد الرزاق، ثنا معمر، عن الزهري، عن إبراهيم بن عبد الله بن حنين، عن أبيه، عن علي بن أبي طالب قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التَّخْتُمِ بِالذَّهَبِ، وَعَنْ لِبَاسِ الْقَسِيِّ، وَعَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، وَعَنْ لُبْسِ الْمُعْصَفِرِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۲۹-] حدثنا يوسف بن حماد المَعْنِيُّ البَصْرِيُّ، ثنا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، ثنا حَفْصُ اللَّيْثِيِّ، قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ حَدَّثَنَا: أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّخْتُمِ بِالذَّهَبِ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَمُعَاوِيَةَ، حَدِيثُ عِمْرَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو التَّيَّاحِ: اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ.

وضاحت: یوسف بن حماد: معن بن زائدہ کی اولاد میں تھے اس لئے ان کی نسبت المَعْنِيُّ ہے (الباب ۳: ۲۳۸)

بابُ ماجاء فی خاتم الفضة

چاندی کی انگوٹھی کا بیان

چاندی کی انگوٹھی جائز ہے مگر وہ چار گرام سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے اور اس وزن میں گینہ شامل نہیں، اور اس کی حکمت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ جنت کے زیور کا نمونہ ہے، نبی ﷺ چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے اور اس کا گینہ حبشی طرز کا تھا، اس کی ساخت کیسی تھی؟ اس کا سمجھنا اب ہمارے لئے دشوار ہے، پس مسئلہ یہ ہے کہ انگوٹھی کا گینہ کسی بھی چیز کا اور کسی بھی طرز کا ہو سکتا ہے اس سلسلہ میں کوئی تنگی نہیں۔

[۱۴] باب ماجاء فى خاتَمِ الفِضَّةِ

[۱۷۳۰] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرَقٍ، وَكَانَ فَضَّهُ حَبَشِيًّا. وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَبُرَيْدَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ فَصِّ الْخَاتَمِ؟

انگوٹھی کا نگینہ کیسا ہونا چاہئے؟

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا، یعنی کسی پتھر یا مہرے کا نہیں تھا بلکہ چاندی ہی کا تھا، جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔
تشریح: اس حدیث میں اور گذشتہ حدیث میں کچھ لوگوں کو تعارض محسوس ہوا ہے، گذشتہ حدیث میں تھا کہ نگینہ حبشی تھا اور اس حدیث میں ہے کہ نگینہ چاندی کا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ نگینہ چاندی کا تھا کیونکہ اس پر مہر کندہ تھی اور مہر پتھر وغیرہ پر کندہ نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کی ساخت حبشی طرز کی تھی، پس دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

[۱۵] باب ماجاء ما يُسْتَحَبُّ مِنْ فَصِّ الْخَاتَمِ؟

[۱۷۳۱] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الطَّنَافِيسِيِّ، ثَنَا زُهَيْرُ أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضَّةٍ، فَضَّهُ مِنْهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِينِ

دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا بیان

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہننی چاہئے؟ اسی طرح گھڑی کس ہاتھ میں باندھنی چاہئے؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ دائیں کی فضیلت مسلم ہے مگر دائیں ہاتھ سے چونکہ کام بہت زیادہ کرنے پڑتے ہیں اس لئے دائیں ہاتھ میں گھڑی باندھنے میں اور انگوٹھی پہننے میں دشواری ہے، چنانچہ عام طور پر لوگ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے ہیں اور بائیں ہاتھ میں گھڑی باندھتے ہیں، پس اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی

پہنا بھی ثابت ہے۔

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور اس کو دائیں ہاتھ میں پہنا شروع کیا، پھر ایک دن منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا: میں نے یہ انگوٹھی جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے بنائی تھی (مگر اب سونا حرام ہو گیا ہے) پھر آپؐ نے وہ انگوٹھی نکال کر نیچے ڈال دی لوگوں نے بھی (جنھوں نے سونے کی انگوٹھیاں بنائی تھیں) نکال کر نیچے ڈال دیں۔

حدیث (۲): صلت بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا اور میرا گمان یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ نبی ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

حدیث (۳): محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے بلکہ بیہقی کی روایت میں باقر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اور حضرات ابو بکر و عمر و علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنتے تھے (تحفۃ الاحوذی بحوالہ فتح ابن حجر)

حدیث (۴): حماد بن سلمہ کہتے ہیں: میں نے عبید اللہ کو جو نبی ﷺ کے آزاد کردہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں ان کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا، پس میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے اور عبد اللہ نے یہ بھی کہا کہ نبی ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

ملفوظ: حدیث (۳) باب سے بے جوڑ ہے، کیونکہ باب دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے بارے میں ہے، اور اس روایت میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔ مولانا عبد الرحمن مبارک پوری نے شرح میں لکھا ہے کہ شاید باب میں فی الیمین کے بعد والیسار (کاتبوں سے) رہ گیا ہے۔

[۱۶-] باب ماجاء فی لبس الخاتم فی الیمین

[۱۷۳۲-] حدثنا محمد بن عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ، فَتَخَاتَمَ بِهِ فِي يَمِينِهِ، ثُمَّ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: "إِنِّي كُنْتُ اتَّخَذْتُ هَذَا الْخَاتَمَ فِي يَمِينِي" ثُمَّ نَبَذَهُ وَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِمَهُمْ

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَ هَذَا مِنْ غَيْرِ

هَذَا الْوَجْهِ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: أَنَّهُ تَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

[۱۷۳۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، ثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَوْفَلٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ، وَلَا إِخَالَهُ إِلَّا قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَوْفَلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۳۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۳۵-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ، وَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا أَصَحُّ شَيْءٍ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ.

باب ما جاء في نقش الخاتم

انگوٹھی پر لکھوانا

جب نبی ﷺ نے شاہانِ عجم کو دعوتی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر کوئی خط قبول نہیں کرتے، چنانچہ آپ نے مہر بنوائی اور اس پر ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ کندہ کروایا، یہ سورۃ الفتح کی آخری آیت کا ابتدائی حصہ ہے اس کو اس طرح کندہ کرایا تھا کہ نیچے ﴿مُحَمَّدٌ﴾ تھا اور اوپر ﴿رَسُولُ﴾ تھا اور بالکل اوپر ﴿اللَّهُ﴾ تھا اس طرح ﷺ اس مہر کو آپ خطوط میں استعمال فرماتے تھے، کچھ صحابہ نے بھی اتباع سنت میں یہی عبارت کندہ کروائی تو آپ نے منع فرمایا کیونکہ اس سے اشتباہ پیدا ہوگا اور مہر کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

فائدہ: اب چونکہ ربڑ کی مہریں بنتی ہیں اس لئے انگوٹھیوں پر مہر کندہ کرانے کا رواج ختم ہو گیا ہے، مگر ماضی قریب تک اس کا رواج تھا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی انگوٹھی میں ﴿رشید احمد﴾ کندہ تھا، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی انگوٹھی میں: ﴿الہی: عاقبت محمود گرواں﴾ کندہ تھا یعنی اے اللہ! انجام بخیر فرما، اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی انگوٹھی میں ﴿از گروہ اولیاء اشرف علی﴾ کندہ تھا یعنی اولیاء کی جماعت میں سب سے اشرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، مگر حضرت یہ مہر استعمال نہیں فرماتے تھے، کیونکہ غلط فہمی کا اندیشہ تھا اور میرے حضرت (حضرت مفتی مظفر حسین صاحب

قدس سرہ) کاسجع تھا ﴿در دو جہاں مظفر حسین﴾ یعنی دونوں جہاں میں کامیاب حضرت حسین رضی اللہ عنہ رہے، یزید کامیاب نہیں رہا، یہ جمع حضرت مفتی محمود حسن صاحب لنگوہی قدس سرہ نے کہا تھا۔ اور میری مہر میں ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ﴾ لکھا ہوا ہے یعنی اگر جنت میں جانا ہے تو نیک بخت بنو۔

لطیفہ: ایک دیہاتی نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے کہا: حضرت جی! میرا بھی حج کہہ دے، حضرت تھانوی نے پوچھا: تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: محمد گھیسا۔ حضرت نے اس کا حج کہا ﴿سب مٹھا محمد گھیس﴾ یعنی سارا جگت چھا چھ ہے اور حضرت محمد ﷺ اس میں گھی کی مثال ہیں۔

مسئلہ: اگر انگوٹھی پر کوئی آیت کندہ ہو تو اس کو لے کر بیت الخلاء میں جانا جائز نہیں، نبی ﷺ کی انگوٹھی پر چونکہ آیت کندہ تھی اس لئے جب آپ بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے تو اس کو نکال کر باہر رکھ دیتے تھے، آج کل حروف مقطعات کی انگوٹھیوں کا رواج چل پڑا ہے یہ بھی آیات قرآنیہ ہیں، پس اس انگوٹھی کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا جائز نہیں، نکال کر باہر رکھ کر جانا چاہئے۔

[۱۷۰] باب ماجاء فی نقش الخاتم

[۱۷۳۶] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَى أَبِي، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ: مُحَمَّدٌ سَطْرٌ، وَرَسُولٌ سَطْرٌ، وَاللَّهُ سَطْرٌ، وَلَمْ يَقُلْ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى فِي حَدِيثِهِ: ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ.

وفی الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

[۱۷۳۷] - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ، فَنَقَشَ فِيهِ: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ ثُمَّ قَالَ: "لَا تَنْقُشُوا عَلَيْهِ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "لَا تَنْقُشُوا عَلَيْهِ" نَهَى أَنْ يَنْقُشَ أَحَدٌ عَلَى خَاتَمِهِ: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾

[۱۷۳۸] - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ، وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَا: ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

باب ماجاء فی الصّورة

تصویر کی حرمت کا بیان

قدیم زمانہ سے مجسمہ بنانے کا اور اس کو پوجنے کا اور گھر کی دیواروں پر اور کپڑوں پر اور جسم پر تصویر بنانے کا رواج چلا آ رہا ہے اس لئے اسلام نے جاندار کی تصویر کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ کسی چیز پر ہو اور کسی طرح ہو، البتہ جو موضع امتہان (پامالی) میں ہو اس سے صرف نظر کی ہے اور جو موضع تعظیم میں ہو اس پر سخت نکیر کی ہے۔ اور یہ باب أبواب اللباس میں اسی مناسبت سے لایا گیا ہے کہ لوگ پہننے کے کپڑوں پر تصویریں بناتے ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا، اور اس سے بھی منع فرمایا کہ تصویر بنائی جائے یعنی تصویر بنانی بھی ممنوع ہے اور اس کو گھر میں رکھنا بھی ممنوع ہے۔

تشریح: صورت سازی کی حرمت کی وجہ قدیم زمانہ سے علماء یہ بیان کرتے آئے ہیں کہ یہ بت پرستی کا ذریعہ ہے اور اسلام شرک کا کسی طرح رو دار نہیں، اس لئے تصویر سازی اسلام نے مطلقاً حرام کر دی ہے، پھر جب کیمرہ ایجاد ہوا تو تصویر کشی کے بارے میں اختلاف ہوا، مصر کے بعض علماء نے فتویٰ دیا کہ کیمرہ کا فوٹو جائز ہے، وہ حرام تصویر کے دائرہ میں نہیں آتا، بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ بعض صورتوں میں مثلاً صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے اور میڈیکل سائنس کے فروغ کے لئے کیمرہ کا فوٹو ضروری ہے، پھر رفتہ رفتہ یہ رائے تمام عرب علماء میں پھیل گئی اور سب ایک خیال ہو گئے، مگر ہمیشہ ہی کچھ عرب علماء کیمرے کے فوٹو کو ناجائز بھی کہتے رہے ہیں، ماضی قریب میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کیمرے کے فوٹو کو قطعاً حرام کہتے تھے، اور آج بھی بحمد اللہ ایسے علماء عرب موجود ہیں جو اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

اور برصغیر کے یعنی غیر منقسمہ ہندوستان کے تمام علماء شروع سے آج تک کیمرے کے فوٹو کو حرام کہتے ہیں ان کے نزدیک مجسمہ کا اور تصویر کشی کا ایک حکم ہے اور عرب علماء کی دلیل صرف یہ ہے کہ مجسمہ ہی کی عبادت ہوتی ہے، کیمرہ کے فوٹو کی عبادت نہیں ہوتی اس لئے وہ جائز ہے مگر وہ حضرات اسلامی مملکت میں رہتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ دنیا میں کن کن چیزوں کی پوجا ہوتی ہے۔

ایک واقعہ: جب ندوۃ العلماء لکھنؤ کا پچاسی سالہ جشن ہوا تو کافی عرب علماء کو دعوت دی گئی تھی اس موقع پر کے ایک عالم دیوبند ہو کر لکھنؤ گئے تھے، یہاں میرا ان سے تعارف ہو گیا تھا، پھر جب دارالعلوم دیوبند نے پندرہ اساتذہ کا وفد بنایا جس نے اس اجلاس میں شرکت کی تو اس میں میرا نام بھی تھا، ہم جب لکھنؤ پہنچے اور اجلاس میں شریک ہوئے تو دیکھا کہ اسٹیج پر پہلی دو تین صفوں میں عرب علماء بیٹھے ہیں اور بری طرح ان کے فوٹو کھینچے جا رہے ہیں، اردن کے وہ عالم صاحب بھی ان صفوں میں بیٹھ کر فوٹو کھینچتے تھے، ایک دن میری ان سے اس مسئلہ پر گفتگو

ہوئی، میں نے عرض کیا: آپ بڑے عالم ہیں اور صحیح حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں؟ انھوں نے فوراً کہا: کیمرے کا فوٹو حرام نہیں، میں نے پوچھا: کیوں؟ انھوں نے جواب دیا: لأنها لا تُعبد یعنی تصویر کی حرمت اس لئے ہے کہ وہ پوجی جاتی ہے اور کیمرے کا فوٹو پوجا نہیں جاتا، میں خاموش ہو گیا، عصر کی نماز کے بعد میں نے شیخ سے کہا: حضرت! تشریف لائیں ذرا تفریح کر آئیں، میں پہلی مرتبہ لکھنؤ گیا تھا جب میں رکشے سے گومتی کے پل سے گذرنا تو دائیں طرف چٹائیاں باندھ کر ایک عارضی مندر بنایا گیا تھا، سنا ہے اب وہاں بڑا مندر بن گیا ہے، میری اس پر نظر پڑی تھی، میں شیخ کو لے کر وہاں پہنچ گیا، میں نے شیخ کو مندر کے سامنے کھڑا کیا اور کہا: شف! هذه صورة شمسية أم مجسمة؟ ملاحظہ فرمائیں! یہ کیمرے کا فوٹو ہے یا مورتی ہے؟ وہاں ایک بڑا فوٹو لگا ہوا تھا جس پر پھول ہار چڑھے ہوئے تھے، شیخ نے اس کو بغور دیکھا اور فرمایا: واللہ! هذه صورة شمسية، بخدا! یہ کیمرے کا فوٹو ہے، پس میں نے ان کو سمجھایا کہ آپ حضرات اسلامی ملک میں رہتے ہیں، آپ حضرات کو معلوم نہیں کہ مشرکین کیا کیا پوجتے ہیں، ہندوستان میں تو ہر جگہ یہی کیمرے کے فوٹو پوجے جاتے ہیں، دوکانوں میں، بسوں میں، گھروں میں اور چھوٹے مندروں میں یہی کاغذی فوٹو پوجے جاتے ہیں، انہی پر دیئے جلتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ شیخ چوتھی صف میں بیٹھتے تھے اور اپنا رومال چہرے پر لٹکا لیتے تھے، اس واقعہ سے یہ بات سمجھانی مقصود ہے کہ پوجا مورتی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ کیمرے کے فوٹو بھی پوجے جاتے ہیں، اس لئے تصویر سازی مطلقاً حرام ہے، پس اخبارات میں جو تصاویر چھپتی ہیں ان کو بھی گھر میں رکھنا چاہئے، یا کھلی جگہ نہیں رکھنا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں کتاب یا تصویر ہوتی ہے وہاں فرشتے نہیں آتے (متفق علیہ مشکوٰۃ حدیث ۴۲۸۹) پس اپنے گھروں کو رحمت کے فرشتوں سے کیوں محرم کیا جائے۔

اور خاندان کے بڑوں کی تصویریں اور بزرگوں کی تصویریں تو گھروں میں قطعاً نہیں رکھنی چاہئیں، آگے چل کر اندیشہ ہے کہ ان کی پوجا شروع ہو جائے، آج کل دیوبند میں ایک دبا پھیلی ہوئی ہے، بعض فوٹو گرافروں نے روزگار کے لئے حضرت تھانوی وغیرہ اکابر کے فوٹو بنا رکھے ہیں، لوگ شوق سے ان کو خریدتے ہیں اور احترام سے رکھتے ہیں، پس جان لینا چاہئے کہ یہ خطرہ کی گھنٹی ہے، اور اندیشہ ہے کہ آگے چل کر کہیں اکابر پرستی شروع نہ ہو جائے۔
اللھم! احفظنا منه (آمین)

فائدہ: آج کل ایک خراب صورت حال یہ بھی چل رہی ہے کہ سارے دارالافتاء فوٹو کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں اور ملت کے اکابر جلسوں میں اور کانفرنسوں میں دھڑلے سے فوٹو کھینچواتے ہیں، میں ہمیشہ ان بزرگوں سے عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کا یہ طرز عمل عام مسلمانوں کے ذہنوں میں دین کی بے قدری پیدا کرتا ہے، لوگ یہ سوچتے ہیں کہ مولوی دین کچھ بتاتے ہیں اور ان کا عمل کچھ ہوتا ہے، اگر کیمرے کا فوٹو جائز ہو گیا ہے تو چاہئے کہ پہلے

دارالافتاء اس کے جواز کا فتویٰ دیں پھر آپ حضرات پبلک لائف میں اس پر عمل کریں مگر کوئی سنتا نہیں سب کو نمایاں ہونے کا شوق ہے فالہی اللہ المشتکی!

فائدہ: ضرورت کے وقت کیمرے کے فوٹو کی گنجائش ہے جیسے پاسپورٹ بنانے کے لئے دستاویزات کے لئے، شناختی کارڈوں کے لئے اور ایسی ہی دیگر ضروریات کے لئے مفتیان کرام نے فوٹو کی گنجائش دی ہے، اس حد تک جانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن صرف شہرت، شوق اور بے ضرورت فوٹو کھینچنا حرام ہے، اس کی خلاف ورزی کر کے دین کی بے قدری نہیں کرنی چاہئے۔

تصویر سازی کی حرمت کی ایک اور وجہ: اور تصویر سازی اس لئے بھی حرام ہے کہ تجربہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس وقت ساری دنیا فاشی اور عریانیت سے جو بھر گئی ہے یہ اسی کیمرے کی نحوست ہے، پہلے گندے فوٹو کوک شاستروں میں چھپتے تھے اور لوگ چپکے چپکے ان کو دیکھتے تھے مگر اب ٹی وی، ویڈیو، وی سی آر وغیرہ خرافات کے ذریعہ ہر جگہ یہ ننگے فوٹو پھیل گئے ہیں اور نو جوان نسل تیزی کے ساتھ ان کا اثر قبول کر رہی ہے اور ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ کا منظر عیاں ہے، مکہ اور مدینہ بھی اس سے نہیں بچے، بلکہ اب تو ڈیجیٹل کیمرے، موبائل میں آگئے ہیں اور ہر جیب میں موجود ہیں فالہی اللہ المشتکی!

حدیث (۲): عبید اللہ: حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے گئے، وہاں پہلے سے حضرت سہل بن حنیف موجود تھے، حضرت ابو طلحہؓ نے گھر کے کسی فرد سے کہا: میرے نیچے سے یہ قالین نکال دو، حضرت سہل نے پوچھا: آپ یہ قالین کیوں نکلا رہے ہیں؟ حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا: اس میں تصویریں ہیں اور تصویروں کے بارے میں نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ جانتے ہیں (متفق علیہ حدیث میں ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا فوٹو ہوتا ہے) حضرت سہل نے فرمایا: مگر نبی ﷺ نے کپڑے میں نقش کا استثناء بھی تو فرمایا ہے، حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا: بیشک (آپ نے یہ استثناء فرمایا ہے) مگر مجھے یہ پسند ہے کہ میرے نیچے ایسا کپڑا نہ رہے (یہاں سے یہ ضابطہ بنایا گیا ہے کہ فتویٰ سے تقویٰ مقدم ہے)

تشریح: جو تصویر فرش میں ہو یا بیٹھنے کے تکیے میں ہو یعنی جس پر چلا جائے یا بیٹھا جائے اور وہ پامال کی جائے اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس سے کسی فساد کا اندیشہ نہیں، البتہ جو تصویر دیوار میں یا پردہ میں ہو یا موتی نصب کی ہوئی ہو اس سے چونکہ فساد کی راہ کھلتی ہے اس لئے وہ حرام ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دور اول میں صرف مجسمے نہیں ہوتے تھے بلکہ کپڑوں کی بناوٹ میں بھی تصویریں ہوتی تھیں، دیوار پر اور کاغذ پر قلم سے تصویریں بنائی جاتی تھیں، کعبہ شریف کے اندر مشرکین نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بنا رکھی تھیں اور ان کے ہاتھ میں جوے کے تیردے رکھے

تھے، پس ایسا سمجھنا کہ کیمرے کا فوٹو ایک نئی چیز ہے: صحیح نہیں، اس کی نظیریں پہلے سے موجود ہیں، اسی طرح یہ دلیل کہ کیمرے کا فوٹو ایک ظل (سایہ) ہے اور خود اس کا سایہ نہیں ہے جیسا پانی میں سایہ پڑتا ہے بس اس کو کیمرے سے برقرار کر لیا جاتا ہے پس اس میں کیا حرج ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ظل برقرار کرنے ہی سے تو صورت بنتا ہے اور صورت کا سایہ ہونا ضروری نہیں، اور مطلق صورت سے فساد پھیلتا ہے، پس جب تک وہ ظل ہے اس کے احکام اور ہیں اور جب اس کو برقرار کر لیا جائے تو وہ تصویر بن جاتا ہے اور وہ حرام ہو جاتا ہے^(۱)

اسی طرح ایک دلیل لوگ یہ بھی دیتے ہیں کہ ڈیجیٹل میں اور فلم میں غیر واضح ذرات کی شکل میں تصویر آتی ہے پس اس پر تصویر کا اطلاق درست نہیں، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ غیر واضح نکتے کیا کام آئیں گے؟ ان کو بہر حال صفحہ قرطاس پر واضح کر کے منتقل کیا جائے گا، پس مالا وہ تصویر بنیں گے، اس لئے ابتدا ہی سے وہ حرام ہونگے۔

[۱۸-] باب ماجاء فی الصُّورَة

[۱۷۳۹-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَلِيعٍ، ثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، ثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، ثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصُّورَةِ فِي الْبَيْتِ، وَنَهَى أَنْ يُصْنَعَ ذَلِكَ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَأَبِي طَلْحَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي أَيُّوبَ، حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۴۰-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُوذُهُ، فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حَنْفِيٍّ، قَالَ: فَدَعَا أَبُو طَلْحَةَ إِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهُ، فَقَالَ لَهُ سَهْلٌ: لِمَ تَنْزِعُهُ؟ قَالَ: لِأَنَّ فِيهَا تَصَاوِيرَ، وَقَالَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ عَلِمْتَ، قَالَ سَهْلٌ: أَوْ لَمْ يَقُلْ: "إِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ؟" قَالَ: بَلَى، وَلَكِنَّهُ أَطِيبَ لِنَفْسِي، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰: ۳۹۰) میں صراحت کی ہے: ویستفاد منه: أنه لا فرق فی تحریم التصوير بین أن تكون الصورة لها ظل أولا، ولا بین أن تكون مدهونة أو منقوشة أو منقورة أو منسوجة یعنی اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ تصویر خواہ سایہ دار ہو یا نہ ہو حرام ہے، اسی طرح روغنی، چھپی ہوئی، کھدی ہوئی اور زنی ہوئی تصویریں سبھی حرام ہیں۔

باب ماجاء فی المصوّرین

تصویر سازوں کی سزا

قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو لمبے عرصہ تک سزا دی جائے گی اور ان کی سزا کی موتوفی کو اس پر معلق کر دیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان ڈالیں، اور وہ یہ کام نہ کر سکیں گے، اور جب تک وہ یہ کام نہیں کریں گے سزا مسلسل جاری رہے گی۔

رہی یہ بات کہ تصویر بنانے والوں کو جہنم میں کس طرح سزا دی جائے گی؟ تو اس کا بیان ایک متفق علیہ روایت میں آیا ہے کہ جب تصویر ساز جہنم میں جائے گا تو وہاں اس کے لئے ہر اس تصویر کے بدل جو اس نے بنائی ہے ایک جان پیدا کی جائے گی جو اس کو جہنم میں سزا دے گی (مشکوٰۃ حدیث ۴۴۹۸) یعنی جب لوگ قیامت کے دن میدان محشر میں اپنے اعمال کے ساتھ آئیں گے تو مصور کی تصویر سازی ایسے نفوس کی صورت میں جلوہ گر ہوگی جن کا مصور نے تصویر بناتے وقت اپنے دل میں خیال جمار کھا تھا، جیسے کوئی زید کی تصویر بنائے تو پورے عمل کے دوران وہی اس کے حواس پر چھایا رہتا ہے، وہی قیامت کے دن مشکل ہو کر جہنم میں اس کو سزا دے گا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۵۱۵)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَوَّرَ صُورَةً عَذَّبَهُ اللَّهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا، وَلَيْسَ بِذَا فِخْ فِيهَا: جس نے کوئی تصویر بنائی اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت کے دن) سزا دیں گے یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے، اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا (پس سزا مسلسل جاری رہے گی) وَمَنْ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ يَقْرَءُونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اور جو شخص ایسے لوگوں کی باتیں سنتا ہے جو اس سے بچ کر باتیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں دو گنا ہوں کی سزا کا بیان ہے:

پہلا گناہ: تصویر سازی ہے، تصویر بنانے والوں کو جہنم میں مسلسل عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا اور ان کے عذاب کی موتوفی کو ایک محال امر پر معلق کر دیا جائے گا، تصویر سازوں سے کہا جائے گا: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ: تم نے جو تصویریں بنائی ہیں ان میں روح ڈالو، اور ظاہر ہے یہ بات ان کے بس کی نہیں، پس ان کی سزا مسلسل جاری رہے گی، ہاں اگر اللہ تعالیٰ ان کے گناہ سے درگزر فرمائیں تو دوسری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے۔

دوسرا گناہ: لوگوں کی خانگی باتیں سننا ہے، جو شخص ایسے لوگوں کی بات سننے کی کوشش کرتا ہے جو اس سے بچ کر باتیں کر رہے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، سیسہ بہت جلد گرم ہو جاتا ہے

اور بہت تیز گرم ہوتا ہے، پس اس کی اذیت کا ہر شخص بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

فائدہ: حدیث میں جو حتیٰ یَنْفُخَ فیہا آیا ہے وہ تعلیق بالحال ہے، جیسے ﴿حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ تعلیق بالحال ہے، اور جیسے مَنْ تَحَلَّمَ كُفْلًا أَنْ يَعْقِدَ شَعِيرَةً: جو شخص خواب گھڑتا ہے وہ مکلف کیا جائے گا کہ جو کے دانوں میں گرہ لگائے (ابوداؤد حدیث ۵۰۲۴ یہ روایت ترمذی میں کتاب الرؤیا میں آئے گی) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حدیث کی دوسری شرح کی ہے جو رحمة اللہ الواسعہ (۵۱۵:۵) میں ہے۔

[۱۹-] باب ماجاء فی المصوّرین

[۱۷۴۱-] حدثنا ثَنَابَةُ، ثنا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَوَّرَ صُورَةً عَدَّيْهِ اللَّهُ حَتَّىٰ يَنْفُخَ فِيهَا - يَعْنِي الرُّوحَ - وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا، وَمِنْ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ يَفْرُونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي جُحَيْفَةَ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ عُمَرَ؛ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترکیب: یفرون: جملہ فعلیہ قوم کی صفت ہے..... الآنک: پگھلا ہوا سیسہ۔

بابُ ماجاء فی الخضاب

خضاب کا بیان

جب سر یا ڈاڑھی سفید ہو جائیں تو خضاب لگانا چاہئے، متفق علیہ روایت ہے کہ یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے، پس تم ان کی مخالفت کرو یعنی خضاب لگاؤ (مشکوٰۃ حدیث ۴۴۲۳) اور مرد کے لئے صرف سر اور ڈاڑھی کا خضاب سنت ہے، ہاتھوں پیروں پر بے ضرورت خضاب لگانا حرام ہے، حدیث میں ہے: ایک ہجرا حضور اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا جس نے ہاتھوں پیروں پر مہندی لگا رکھی تھی، آپؐ نے پوچھا: اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا: عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے، آپؐ نے اس کو مدینہ منورہ سے نکلوا دیا، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے (ابوداؤد: ۳۲۶:۲)

اور شادی شدہ عورت کے لئے ہاتھوں پیروں پر بھی خضاب کرنا سنت ہے، حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خط پیش کیا، آپؐ نے ہاتھ سکیڑ لیا اور فرمایا: میں کیا جانوں: مرد کا

ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس نے عرض کیا: عورت کا ہاتھ ہے، آپ نے فرمایا: اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں پر مہندی کا رنگ کئے ہوئے ہوتی (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت ہند بنت عتبہ جب بیعت کے لئے آئیں تو آپ نے ان سے فرمایا: میں اس وقت تک تجھ کو بیعت نہیں کروں گا جب تک تو اپنی ہتھیلیوں کو مہندی سے نہ بدل دے، دیکھ تو سہی! گویا درندے کی ہتھیلیاں ہیں! البتہ اگر شوہر کو مہندی کی بو پسند نہ ہو تو پھر عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہندی کا خضاب نہ کرے بلکہ کوئی ایسا خضاب کرے جو شوہر کو پسند ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے مہندی کے خضاب کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، مگر مجھے مہندی کا خضاب پسند نہیں کیونکہ میرے حبیب ﷺ کو اس کی بو پسند نہیں تھی (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور سیاہ خضاب کے علاوہ ہر خضاب جائز ہے، فتح مکہ کے دن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں بیعت کے لئے لائے گئے ہیں تو ان کا سر اور ڈاڑھی ٹغامہ پھول کی طرح سفید ہو رہے تھے، آپ نے فرمایا: اس کو کسی چیز سے بدل دو، یعنی خضاب لگاؤ، اور سیاہی سے بچو یعنی سیاہ خضاب نہ لگاؤ۔ سیاہ خضاب کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ہونگے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے کبوتر کے پوٹے، وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے، احناف کے یہاں بھی علمہ مشائخ کا قول کراہیت کا ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کی اجازت دیتے ہیں مگر احتیاط اور راجح قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔

اور سرخ خضاب بالاتفاق مستحب ہے اور سیاہ رنگ کے علاوہ ہر خضاب جائز ہے حتیٰ کہ سیاہی مائل خضاب بھی جائز ہے جبکہ وہ بالوں کی سیاہی سے مشتبہ نہ ہو، اور ابن ماجہ میں جو روایت ہے جس سے سیاہ خضاب کا جواز مفہوم ہوتا ہے وہ روایت نہایت ضعیف ہے، اس میں دو ضعیف راوی ہیں۔ اور اس حدیث کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ اس میں اس سیاہ خضاب کا ذکر ہے جو صحابہ میں رائج تھا یعنی وسمہ اور کتم کا خضاب جو سیاہی مائل ہوتا تھا بالکل سیاہ نہیں ہوتا تھا (مزید تفصیل میری کتاب ”ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں“ میں ہے)

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: غَبِّرُوا الشَّيْبَ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ: بڑھاپے کے سفید بالوں کو بدل دو یعنی خضاب لگاؤ اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو یعنی ان کی طرح بے خضاب نہ رہو، ابھی متفق علیہ حدیث آئی ہے کہ یہود و نصاریٰ خضاب نہیں کرتے پس ان کی مخالفت کرو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَبِّرَ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ: بہترین وہ چیز جس سے بڑھاپے کے بال بدلے جائیں مہندی اور کتم ہیں، مہندی کو تو ہر شخص جانتا ہے، اور کتم ایک پودا ہے جس کے بیج سے قدیم زمانہ میں روشنائی بنائی جاتی تھی اور بالوں میں خضاب کیا جاتا تھا، دونوں درختوں کے پتے ملا کر پیسے جائیں تو

اس سے سیاہی مائل سرخ خضاب آتا ہے جو بہترین معلوم ہوتا ہے، اسی طرح وسمہ یعنی نیل کے پودے کے پتوں سے بھی خضاب کیا جاتا ہے، ان کو بھی مہندی کے پتوں کے ساتھ پیسا جائے تو براؤن رنگ پیدا ہوتا ہے۔

فائدہ: میں ایک دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں، چائے کے تیز پانی میں یا کافی کے پانی میں مہندی بھگاتا ہوں اور ۲۴ گھنٹے رکھتا ہوں پھر اس میں ایک لیموں نچوڑتا ہوں اور سردی کا زمانہ ہو تو تھوڑا نیلگری کا تیل ڈالتا ہوں، پھر لگاتا ہوں تو سیاہی مائل سرخی پیدا ہوتی ہے اور نزلہ سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے، مگر خیال رہے کہ جب بال دھوئے جائیں تو صابون استعمال نہ کیا جائے اور بال خشک کر کے کوئی بھی تیل لگا لیا جائے۔

ملاحظہ: نبی ﷺ نے خضاب کیا ہے یا نہیں؟ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ نہیں کیا کیونکہ آپ کی ڈاڑھی اور سر مبارک میں کل سترہ بال سفید ہوئے تھے، البتہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کیا ہے اور آپ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اس لئے خضاب کرنا سنت ہے۔

[۲۰-] باب ماجاء فی الخضاب

[۱۷۴۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "غَيِّرُوا الشَّيْبَ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ"

وفى الباب: عَنِ الزُّبَيْرِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي رَمَثَةَ، وَالْجَهْدَمَةِ، وَأَبِي الطُّفَيْلِ، وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَأَبِي جُحَيْفَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرٍ وَجَّهٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[۱۷۴۳-] حدثنا سُؤَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، ثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ الْأَجْلَحِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ

أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ: الْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ"

هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُو الْأَسْوَدِ الدَّيْلِيُّ: اسْمُهُ ظَالِمُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سُفْيَانَ.

ترکیب: اِن حرف مشبہ بالفعل، احسن اس کا اسم مضاف، ما موصولہ صلہ کے ساتھ مل کر مضاف الیہ، غیّر بہ الشیب جملہ فعلیہ صلہ، اور الحناء و الکتم (فتح التاء) اِن کی خبر۔

وضاحت: ابوالاسود الدیلی (دال کا کسرہ اور ی ساکن) اور الدؤلی (دال کا پیش اور ہمزہ مفتوحہ) بصرہ کے باشندے اور مختصرم تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے، حضرت علیؑ نے انہی کو علم نحو مرتب کرنے کا حکم دیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُمَةِ وَاتِّخَاذِ الشَّعْرِ

زلفیں اور بال رکھنے کا بیان

جُمَّة: مونڈھوں تک لٹکی ہوئی زلفوں کو کہتے ہیں، اور جوز زلفیں کانوں تک ہوتی ہیں ان کو وَفْرَة کہتے ہیں اور آدھی گردن تک پہنچی ہوئی زلفیں لَمَّة کہلاتی ہیں، نبی ﷺ جب بال کٹواتے تھے تو کانوں کی لوت تک کٹواتے تھے، پھر وہ بڑھ کر آدھی گردن تک پہنچ جاتے تھے، پھر کندھے پر پڑ جاتے تھے، اس وقت دوبارہ کٹوالیتے تھے، اور طلبہ کے اس سوال کا جواب پہلے آچکا ہے کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟ اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ سنن زوائد میں سے ہے، سنن ہدی میں سے نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے سر پر بال رکھنے کی نہ کوئی فضیلت بیان فرمائی ہے نہ بال منڈانے پر کوئی وعید سنائی ہے اور یہ بات بھی پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ صرف بال رکھنا سنت نہیں ہے پگڑی باندھنا بھی سنت ہے، پس سنت پر سنت کے طریقہ سے عمل کرنا چاہئے اس کو فیشن کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

۱- کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُبْعَةً. لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ: نبی ﷺ میانہ قد تھے، نہ دراز قامت تھے، نہ پستہ قد۔ الرُّبْعَةُ: مذکر و مؤنث دونوں کے لئے ہے۔

۲- حَسَنَ الْجِسْمِ: آپؐ خوبصورت بدن والے تھے۔

۳- أَسْمَرَ اللَّوْنُ: آپؐ گندمی رنگ تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں (جوشمائل میں ہے): أَبْيَضُ مُشْرَبٌ یعنی آپؐ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، اس تعارض کے سلسلہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ آپؐ کا جو بدن کھلا رہتا تھا وہ گندمی تھا اور جو ڈھکا رہتا تھا وہ سفید تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ گندمی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بدن مبارک چوڑے جیسا سفید نہیں تھا، بلکہ اس میں سرخی ملی ہوئی تھی چنانچہ وہ گندمی نظر آتا تھا۔

۴- وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ: آپؐ کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ ان میں تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریلا پن تھا) جَعْدُ الشَّعْرِ (ک) جُعُودَةٌ وَجَعَادَةٌ بالوں کا گھنگریلا ہونا، مڑنا، اور سَبْطٌ (ف) سَبْطًا بالوں کا نرم اور سیدھا ہونا، فَهُوَ سَبْطٌ وَسَبْطٌ یعنی صفت کا صیغہ باء کے کسرہ کے ساتھ بھی آتا ہے اور سکون کے ساتھ بھی۔

۵- إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأُ: جب آپؐ چلتے تھے تو جھکتے ہوئے چلتے تھے، تَكَفَّأُ فِي مَشْيِهِ: کچھ آگے جھکتا ہوا چلنا، مجرد كَفَى الإِنَاءُ ہے جس کے معنی ہیں اوندھا کرنا، یعنی اکثر کرتا رہتے ہوئے نہیں چلتے تھے بلکہ جس طرح اونچائی سے نشیب میں اترتے ہیں تو ذرا آگے جھک جاتے ہیں اسی طرح تواضع کے ساتھ چلتے تھے۔

حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور آپ کی زلفیں جُمّہ سے اوپر اور وَفْرہ سے نیچے تھیں، دوسرے طریق میں یہ آخری جملہ نہیں ہے، صرف پہلا مضمون ہے کہ صدیقہؓ اور نبی ﷺ ایک برتن سے نہاتے تھے، مگر جس راوی نے یہ دوسرا مضمون بڑھایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کا ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔ یہ راوی ابن ابی الزیاد ہیں۔

[۲۱-] باب ماجاء فی الجُمّة، واتّخاذِ الشَّعْرِ

[۱۷۴۴-] حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً: لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، حَسَنَ الْجِسْمِ، أَسَمَرَ اللَّوْنِ، وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ، إِذَا مَشَى يَتَكَفَأُ.

وفی الباب. عَنْ عَائِشَةَ، وَالْبَرَاءِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَجَابِرٍ، وَأُمِّ هَانِيٍّ؛ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ حُمَيْدٍ.

[۱۷۴۵-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَةِ، وَذَوْنُ الْوَفْرِ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوا هَذَا الْحَرْفَ: "وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَةِ" وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، وَهُوَ ثِقَةٌ حَافِظٌ.

باب ماجاء فی الذَّهْيِ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غَبًّا

روزانہ تیل کنگھا کرنے کی ممانعت

مسلمانوں کو ہر وقت بناؤ سنگھار میں نہیں لگا رہنا چاہئے، اس کے پاس کرنے کے بہت سے کام ہیں، دنیا کے کاموں میں لگے یا آخرت کے کاموں میں مشغول ہو، چنانچہ نبی ﷺ نے روزانہ تیل کنگھا کرنے سے منع فرمایا، تَرَجَّلَ شَعْرَہ کے معنی ہیں: بالوں میں کنگھی کرنا اور مراد تیل کنگھی کرنا ہے یعنی پہلے بالوں کو صابن سے دھوئے پھر ان میں تیل ڈالے پھر ان کو کنگھی سے سنوارے، یہ سب کام آدھ گھنٹے کے ہیں، مومن بھلا آرائش میں اتنا وقت کیسے برباد کر سکتا ہے! البتہ اگر سر یا اڑھی کے بال الجھ جائیں اور ان کو ٹھیک کر لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ

اور غُٹّا (غین کے زبر اور زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں: ایک دن چھوڑ کر کوئی کام کرنا، غُٹّ الرجلُ فی الزیارة: کبھی کبھی ملنا، حدیث میں ہے: زُرْ غُٹّا تَزِدْ حُبًّا: ناغہ کر کے ملا کرو، محبت بڑھے گی، اور مراد تیسرے دن کام کرنا ہی نہیں ہے بلکہ گاہ بہ گاہ حسب ضرورت کام کرنا مراد ہے، اگر درمیان میں دو تین دن چھوڑ دے تو بھی اس پر غُٹّ کا اطلاق ہوگا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے تیل کنگھا کرنے سے منع فرمایا مگر ایک دن چھوڑ کر یعنی گاہ بہ گاہ (یہ نہی تنزیہی بمعنی خلاف اولیٰ ہے)

[١٧٤٦-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عَيْسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غَبًّا.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ.

سرمہ لگانے کا بیان

تشریح: اشد ایک خاص قسم کا سرمہ ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے، اب عام طور پر نہیں ملتا، مدینہ منورہ میں جو ملتا ہے وہ بھی اصلی نہیں ہوتا پس مذکورہ فوائد کا حامل کوئی بھی سرمہ لگایا جائے تو مقصود حاصل ہو جائے گا۔

اور سرمہ سوتے وقت لگانا زیادہ مفید ہے تاکہ دیر تک آنکھوں میں اثر باقی رہے اور مسامات میں سرایت کرے اور آج کل آنکھ میں ڈالنے کے جو قطرات ملتے ہیں وہ بھی سرمہ کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

اور سلائی کی تعداد کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، بعض میں دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی ڈالنے کا ذکر

ہے (یہ روایت باب میں ہے) اور بعض میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو کا ذکر ہے، چونکہ پہلی سلائی پر کچھ زیادہ سرمہ نہیں لگتا اس لئے پہلی آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے ہوئے، پھر جب سلائی تر ہو جاتی ہے تو اس پر اچھی طرح سرمہ لگتا ہے اس لئے دوسری آنکھ میں دو سلائیاں ڈالتے ہوئے، مگر علماء نے عام طور پر اس کو ترجیح دی ہے کہ دونوں آنکھوں میں تین تین سلائیاں ڈالے۔

[۲۳-] باب ماجاء فی الاکتحالِ

[۱۷۴۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَكْتَحِلُوا بِالْإِثْمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ" وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحَلَةٌ، يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ: ثَلَاثَةً فِي هَذِهِ، وَثَلَاثَةً فِي هَذِهِ.

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ نَحْوَهُ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ جَابِرٍ، وَابْنِ عُمرَ، حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ حَسَنٍ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ.

[۱۷۴۸-] وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ"

نوٹ: علیکم کے لفظ سے روایت شامل ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ اسْتِمَالِ الصَّمَاءِ وَالْاِحْتِبَاءِ بِالثُّوبِ الْوَاحِدِ

ایک کپڑے میں لپٹ جانے اور ایک کپڑے سے جبوہ بنانے کی ممانعت

ایک کپڑا بدن پر اس طرح لپیٹ لینا کہ دونوں ہاتھ اندر بند ہو جائیں ممنوع ہے بعض مرتبہ اچانک ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً اس طرح کپڑا لپیٹ کر چل رہا تھا کہ اچانک ٹھوکر لگی تو ہاتھ سے ٹیک لگانے کی ضرورت پیش آئے گی، اور ہاتھ جلدی نکل نہ سکیں گے تو گر پڑے گا، اسی طرح ایک کپڑے میں جبوہ بنانا یعنی گھٹنے کھڑے کر کے چاروں طرف سے کپڑا لپیٹ کر بیٹھنا جبکہ شرم گاہ پر کوئی مستقل کپڑا نہ ہو ممنوع ہے، کبھی کسی کے دھکا دینے سے آدمی گر پڑتا ہے یا اونگھتے ہوئے گر جاتا ہے تو ننگا پھل جائے گا۔ غرض کپڑا پہننے کی ایسی ہیئت ممنوع ہے جس سے بوقت ضرورت ہاتھ نہ نکل سکیں یا ننگا ہو جانے کا احتمال ہو۔

حدیث: نبی ﷺ نے کپڑا پہننے کی دو ہیٹوں سے منع فرمایا: ایک: ٹھوس طریقہ پر کپڑا پہننا، دوسرا: آدمی کا ایک کپڑے سے جوبہ بنانا در انحالیکہ اس کی شرمگاہ پر اس میں سے کچھ نہ ہو۔

تشریح: اللبسة (بکسر اللام) کپڑا پہننے کا انداز و طریقہ الصماء: ٹھوس، صمّ الجسم: جسم کا ٹھوس اور سخت ہونا مراد ایک کپڑے میں بند ہو جانا ہے۔ اور الحبوّة (بتثلیث الأول) وہ بیٹھک جس میں آدمی سیرین کے بل بیٹھ کر اپنی دونوں رانوں سے پنڈلیاں ملا کر گھٹنے کھڑے کر لیتا ہے اور ہاتھ پنڈلیوں پر باندھ لیتا ہے، اسی طرح مذکورہ طریقہ پر بیٹھ کر کمر اور پنڈلیوں کے گرد کوئی کپڑا وغیرہ باندھ لینا بھی جوبہ ہے۔

[۲۴-] باب ماجاء فی النهی عن اشتمال الصماء والاحتباء بالثوب الواحد

[۱۷۴۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُبْسَتَيْنِ: الصَّمَاءِ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ بِثَوْبِهِ، لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ.

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي أُمَامَةَ، حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

لغت: لبسة (بضم اللام) مصدر: پہننا اور لبسة (بکسر اللام) پہننے کی ہیئت، طریقہ، لام کے زبر کے ساتھ صحیح نہیں اس کے معنی ہیں: اشتباہ۔

باب ماجاء فی مواصلۃ الشعر

بالوں میں بال ملانے کی ممانعت

جن عورتوں کے بال ہلکے یا چھوٹے ہوتے ہیں وہ بالوں کو گھنے اور لمبے کرنے کے لئے دوسرے بال بالوں میں ملواتی ہیں، حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے یعنی رحمت سے محرم کر دیا ہے واصلۃ کو یعنی جو بالوں میں دوسرے انسان کے بال ملانے والی ہے یعنی تجا من، اور مُسْتَوِصِلۃ کو یعنی جو اپنے بالوں میں دوسرے انسان کے بال ملوانے والی ہے، اول: دوکاندار عورت ہے جو یہ دھندا کرتی ہے اور دوسری گاہک ہے جو پیسے دے کر اپنے بالوں میں بال ملواتی ہے اور وَاِشْمۃ کو یعنی بدن گودنے والی عورت کو اور مُسْتَوِشْمۃ کو یعنی بدن گودانے والی عورت کو، وَشَمَّ الْجِلْدَ يَشْمُ وَشَمًّا کے معنی ہیں: کھال کو سوئی سے گود کر اس میں نیل بھرنا، عورتیں خوبصورت بننے

کے لئے اس طرح بدن گدواتی ہیں اور دیہاتی ہندوؤں میں تو اس کا عام رواج ہے، زمانہ جاہلیت میں مسوڑھے میں عورتیں تل بنواتی تھیں جس کا مقصد حسن و جمال پیدا کرنا ہوتا تھا اس لئے نبی ﷺ نے ان باتوں سے منع فرمایا۔

تشریح: بالوں میں کالے تاگے ملانا بلا کراہیت جائز ہے، اور جانور کے بال ملانا اگر اشتباہ پیدا نہ ہو تو وہ بھی جائز ہے، اور انسان کے بال ملانا مطلقاً حرام ہے، احترام انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی انسانی جزء استعمال نہ کیا جائے۔

جاننا چاہئے کہ حسن و جمال مطلوب ہے اور خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے جسم کو اور بالوں کو سنوارنا مامور بہ ہے مگر اس طرح حسن پیدا کرنا کہ کسی کو دھوکا ہو یا اللہ کی بناوٹ میں تغیر ہو: جائز نہیں، کالاضاب لگانا اور دانتوں میں ریخیں نکلوانا پھنوس کے بال نوچنا اور جسم گدوانا اسی وجہ سے ممنوع ہیں، کیونکہ حقیقی حسن وہی ہے جو فطری ہے، بناوٹی حسن کا غذا کچھول ہے جس میں خوشبو نہیں ہوتی، صرف دکھاوا ہوتا ہے۔

[۲۵]- باب ماجاء فی مَوَاصِلَةِ الشَّعْرِ

[۱۷۵۰]- حَدَّثَنَا سُؤَيْدٌ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ، وَالْمُسْتَوَصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ، وَالْمُسْتَوَشِمَةَ" قَالَ نَافِعٌ: الْوَشْمُ فِي اللَّثَةِ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَجَائِشَةَ، وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَمُعَاوِيَةَ.

بابُ ماجاء فی رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ

مَيْثَرَةٌ پَر بیٹھنے کی ممانعت

مَيْثَرَةٌ کا مادہ وَثَرَ ہے، وَثَرَ الشَّيْءُ يَثِرُ وَثَرًا کے معنی ہیں: ہموار کرنا، پیروں وغیرہ سے دبا کر نرم کرنا، اور وَثَرُ الشَّيْءِ (ک) يُوَثِّرُ وَثَارَةً کے معنی ہیں: نرم ہونا، ہموار اور ملائم ہونا، اور مَيْثَرَةٌ کے معنی ہیں: عجیبوں کی ریشم و دیبا سے سنواری ہوئی سواری۔

عربوں میں تکیوں پر بیٹھنے کا رواج تھا یعنی ایک تکیہ تو سر کے نیچے رکھنے کے لئے ہوتا تھا اور دوسرا تکیہ بیٹھنے کے لئے ہوتا تھا، بلکہ ٹیک لگانے کے لئے گاؤ تکیہ بھی ہوتا تھا۔ اور بعض لوگ گھوڑے کی زین پر بھی تکیہ رکھ کر سواری کرتے تھے جس کو مَيْثَرَةٌ کہا جاتا تھا، اس کی جمع مَيَاثِرُ ہے، نبی ﷺ نے اس کے استعمال کی ممانعت فرمائی، اب علماء کی تین رائیں ہیں: کوئی کہتا ہے: وہ ریشم کا ہوتا تھا اس لئے ممانعت فرمائی، اور کوئی کہتا ہے: وہ سرخ ہوتا تھا اس

لئے ممانعت فرمائی، اور کوئی کہتا ہے: وہ فضول ٹھاٹھ تھا اس لئے ممانعت فرمائی۔ واللہ اعلم
اور باب میں جو حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے میاثر پر سواری کرنے سے منع فرمایا، یہ
ایک لمبی حدیث ہے، اس میں سات باتوں کی ممانعت ہے اور سات باتوں کا حکم ہے۔ یہ حدیث بخاری (حدیث
۵۶۳۵) میں ہے اور امام ترمذی نے جو فرمایا ہے کہ حدیث میں لمبا مضمون ہے اس سے یہی مفصل حدیث مراد ہے^(۱)

[۲۶-] باب ماجاء فی رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ

[۱۷۵۱-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، ثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ
أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُؤَيْدٍ بْنِ مَقْرَنٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ.

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَمُعَاوِيَةَ، حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ، عَنْ
أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ نَحْوَهُ، وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

بابُ ماجاء فی فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی ﷺ کے بستر کا ذکر

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کا بستر جس پر آپ سوتے تھے چمڑے کا تھا جس
میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں ٹاٹ اور بورے پر آپ کے آرام فرمانے کا بھی ذکر آیا ہے اور صحابہ جب بھی نرم
بستر بنانے کی درخواست کرتے تو آپ فرماتے: ”مجھے دنیا کی راحت و آرام سے کیا لینا ہے! میری مثال تو اس راہ گیر کی
ہے جو چلتے چلتے راستہ میں کسی درخت کے سایہ میں آرام کے لئے تھوڑی دیر رک گیا ہو پھر آگے چل دیا ہو“ حضرت
عائشہ بیان کرتی ہیں: ایک انصاری عورت نے آپ کے لئے ایک بستر بنایا اور اس میں اون بھری، نبی ﷺ نے وہ بستر
واپس کر دیا، اور فرمایا: ”بخدا! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے لئے سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیں!“ چنانچہ حضرت
عائشہ نے بادل ناخواستہ وہ بستر واپس کر دیا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ آپ

(۱) وہ سات مامور بہ چیزیں یہ ہیں: بیماری کی بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا، جھینکنے والے کو دغا دے کر خوش کرنا، دعوت قبول
کرنا، سلام کو رواج دینا، مظلوم کی مدد کرنا اور قسم دینے والے کا کام کر دینا۔ اور سات منہی عنہ چیزیں یہ ہیں: سونے کی انگٹھی
پہننا، چاندی کے برتن میں پینا، میاثر پر بیٹھنا، کسی کپڑا پہننا اور حریر و دیبا و استبرق استعمال کرنا۔

ایک بورے پر آرام فرما رہے تھے جس کے نشانات جسم اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے، ابن مسعودؓ یہ منظر دیکھ کر رو پڑے آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی: انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ تو ریشم اور مخمل کے گدوں پر سوئیں اور آپؐ بورے پر! آپؐ نے فرمایا: ”یہ چیزیں ان کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں“ (شائل نبوی)

اور لَیْف کا ترجمہ عام طور پر کھجور کی چھال کیا جاتا ہے جس سے طالب علم صحیح بات نہیں سمجھتے، وہ سمجھتے ہیں: کلہاڑی سے چھیل کر کھجور کے تنے سے اتاری ہوئی چھال کا بستر ہوتا ہوگا، یہ بات صحیح نہیں، وہ تو لکڑیاں ہوں گی اس کا گدا کیسے بنے گا! بلکہ کھجور کے ریشے مراد ہیں، کھجور اور ناریل کے پتوں کی جڑوں میں ایک جھلتی ہوتی ہے جو سوکھ کر گر جاتی ہے اس کو کوٹ کر برادہ بنالیا جاتا تھا جس کو گدوں اور تکیوں میں بھرتے تھے اور لمبائی میں کاٹ کر اس کی رسی بھی بنی جاتی تھی پھر اس کی لگام بنتی تھی۔

[۲۷-] باب ماجاء فی فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[۱۷۵۲-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ أَدَمٌ، حَشْوُهُ لَیْفٌ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ حَفْصَةَ، وَجَابِرٍ.

وضاحت: ترمذی کے تمام نسخوں میں حدیث میں اَدَمٌ (چمڑا، کھال) حالت رفعی میں ہے مگر مسلم شریف (کتاب اللباس حدیث ۲۰۸۲) میں اَدَمًا حالت نصی میں ہے اور مشکوٰۃ (حدیث ۴۳۰۷) میں بھی حالت نصی میں ہے اور مسند احمد (۷۳:۲) میں بھی اسی طرح ہے مگر حالت رفعی کی بھی تاویل ممکن ہے کہ فراش کو خبر مقدم مان لیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُمُصِ

کرتوں کا ذکر

قُمُص (بضمتین) قمیص کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کرتا، نبی ﷺ کے زمانہ میں سلعے ہوئے کپڑوں کا رواج کم تھا، عام طور پر چادر اوڑھی جاتی تھی جس کو روکنی پڑتی تھی اور اس میں زینت بھی کم تھی، اس لئے نبی ﷺ کو کرتا پسند تھا اس سے بدن اچھی طرح چھپ جاتا تھا اور اس میں تحمل و زینت بھی زیادہ ہے۔

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں:

حدیث (۱): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو کپڑوں میں سب سے زیادہ کرتا پسند تھا۔ تشریح: أَحَبُّ اور القميص میں سے ہر ایک کو کان کا اسم اور خبر بنا سکتے ہیں مگر أَحَبُّ چونکہ مشتق ہے اس لئے

اس کو خبر مقدم بنانا بہتر ہے، اور یہ حدیث حضرت ام سلمہؓ سے عبد اللہ بن بریدہ براہ راست روایت کرتے ہیں مگر ایک سند میں وہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت کرتی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی روایت کو اصح قرار دیا ہے، مگر اس سند کا کسی کتاب میں ذکر نہیں، صرف ترمذی میں اس کا تذکرہ ہے، نیز ان کی والدہ کا نام بھی معلوم نہیں۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ جب کرتا پہنتے تو اس کی دائیں جانب سے شروع فرماتے یعنی پہلے دائیں آستین میں ہاتھ ڈالتے کیونکہ دائیں کی فضیلت مسلم ہے، اور مِیَامِنْ: مِیْمَنَہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: دایاں، یہ روایت امام شعبہ رحمہ اللہ کے بعض تلامذہ موقوف بیان کرتے ہیں یعنی کرتا پہنتے کا یہ طریقہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تھا، البتہ عبد الصمد اس کو مرفوع کرتے ہیں یعنی یہ طریقہ نبی ﷺ کا تھا۔

حدیث (۳): حضرت اسماء انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی قمیص کی آستین پہنچے تک تھی، یہیں تک آستین بہتر ہوتی ہے اور کوئی اس سے زیادہ رکھنا چاہے تو جائز ہے مگر انگلیوں سے متجاوز نہیں ہونی چاہیے۔

[۲۸-] باب ماجاء فی القمِص

[۱۷۵۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، ثَنَا أَبُو ثُمَيْلَةَ، وَالْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، تَفَرَّدَ بِهِ، وَهُوَ مَرْوُوزِيٌّ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي ثُمَيْلَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدِيثُ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَصَحُّ، وَإِنَّمَا يَذْكُرُ فِيهِ أَبُو ثُمَيْلَةَ: عَنْ أُمِّهِ.

[۱۷۵۴-] حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ، ثَنَا أَبُو ثُمَيْلَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ.

[۱۷۵۵-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ.

[۱۷۵۶-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ الْجَهْصَمِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا لَبِسَ قِمِيصًا بَدَأَ بِمَيَامِنِهِ.

وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَإِنَّمَا رَفَعَهُ عَبْدُ الصَّمَدِ.
[۱۷۵۷-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ الْبَصْرِيُّ، نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِيُّ،
ثَنِي أَبِي، عَنْ بُدَيْلِ الْعُقَيْلِيِّ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ بْنِ السَّكَنِ الْأَنْصَارِيَّةِ، قَالَتْ
كَانَ كَثْرُ يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسُغِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

وضاحت: شروع کی تین روایتیں (حدیث ۱۷۵۳-۱۷۵۵) ایک ہی روایت ہیں، عبدالمؤمن سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں: ابوثمیلہ، فضل بن موسیٰ اور زید بن حباب اور اس سند میں عبد اللہ کی والدہ کا واسطہ نہیں ہے اور تینوں سے روایت کرنے والے محمد بن حمید رازی ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے یعنی عبدالمؤمن سے آخر تک ایک ہی سند ہے، پس عبدالمؤمن اس حدیث کے ساتھ متفرد ہیں اور وہ مرو کے باشندے ہیں، اور بعض حضرات یہ روایت ابوثمیلہ یحییٰ بن واضح سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبد اللہ کی والدہ کا واسطہ بڑھاتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی واسطہ والی روایت کو اصح قرار دیا ہے اور عن امہ کا تذکرہ صرف ابوثمیلہ کرتے ہیں، پھر ابو تمیلہ کی یہی اضافہ والی سند زیادہ کی روایت سے (نمبر ۱۷۵۴) لائے ہیں، پھر علی بن حجر کی سند سے فضل بن موسیٰ کی روایت (نمبر ۱۷۵۵) بغیر واسطہ والی لائے ہیں، غرض یہ تینوں نہرات کی روایات ایک ہیں۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا

جب نیا کپڑا پہنتے تو کیا دعا کرے؟

حدیث: نبی ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے تو (پہلے) اس کا نام لیتے تھے مثلاً: عمامہ، قمیص یا چادر پھر فرماتے: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ! اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ، اَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ، وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ: اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں! آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا (اس میں تین ضمیریں ہیں: تَ واحد حاضر کی ضمیر، پھر ن وقایہ ہے، پھر ی واحد متکلم کی ضمیر مفعول اول ہے، پھر و واحد غائب کی ضمیر مفعول ثانی ہے) میں آپ سے اس کپڑے کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے (یعنی کپڑا بھی بابرکت ثابت ہو اور اس کے آثار بھی مبارک ہوں) اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس کپڑے کی برائی سے اور اس کام کی برائی سے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ اس دعا کے شروع میں ہذہ عمامۃ یا ہذا قمیص یا ہذا رداء وغیرہ کہتے تھے اور اگر کوئی کَسَوْتَنِيْهِ کے مفعول ثانی کی ضمیر کی جگہ کپڑے کا تذکرہ کرے تو یہ بھی درست ہے۔ مثلاً کہے: اَنْتَ كَسَوْتَنِيْ

عِمَامَةً/ قَمِيصًا/ رِدَاءً/ قَانِسُوَّةً/ خُفًّا وغيره..... اور اسْتَجَدَّ الثَّوبَ کے معنی ہیں: نیا کپڑا پہننا، یعنی کوئی کپڑا پہلی مرتبہ پہننا، دھلے ہوئے کپڑے پہننا استجد نہیں ہے۔

[۲۹-] باب مَا يَقُولُ إِذَا لَبَسَ ثَوْبًا جَدِيدًا

[۱۷۵۸-] حَدَّثَنَا سُؤَيْدٌ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سَعِيدِ الْجَرِيرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا، سَمَّاهُ بِاسْمِهِ: عِمَامَةً، أَوْ قَمِيصًا، أَوْ رِدَاءً، ثُمَّ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ! أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ، وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ، وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ"

وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَابْنِ عُمَرَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ الْكُوفِيُّ، ثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ، عَنِ الْجَرِيرِيِّ نَحْوَهُ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَيْنِ

جبہ اور چمڑے کے موزے پہننے کا ذکر

جبہ بھی ایک طرح کا کرتا ہے بلکہ کرتے کی اعلیٰ شکل ہے، تبوک کے سفر میں نبی ﷺ نے جبہ پہن رکھا تھا، وہ رومی ساخت کا بنا ہوا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں، ایک موقع پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو وضو کرائی تو آستین تنگ ہونے کی وجہ سے چڑھی نہیں تو آپ نے آستینوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر دھوئے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے ایک جبہ اور چمڑے کے دو موزے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کئے، آپ نے ان کو استعمال فرمایا یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے، اور آپ نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ وہ موزے مذبوہ جانور کی کھال کے تھے یا مردار کی، کیونکہ ہر کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے، اس لئے اس تحقیق کی ضرورت نہیں تھی۔

فائدہ: یہ دوسری حدیث امام شعبی رحمہ اللہ سے ابواسحاق شیبانی روایت کرتے ہیں اور اس میں صرف خفین کا ذکر ہے، اور امام شعبی سے جابر جعفی بھی روایت کرتے ہیں اور اس میں جبہ کا بھی تذکرہ ہے۔

[۳۰-] باب مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَيْنِ

[۱۷۵۹-] حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، ثَنَا وَكِيعٌ، ثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَسَ جُبَّةً رُومِيَّةً ضَبَقَةً

الْكُمَيْنِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۶۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عِيَّاشٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ - هُوَ الشَّيْبَانِيُّ - عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَهْدَى دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَيْنِ فَلَبِسَهُمَا، وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَامِرٍ: وَجَبَتْ فَلَبِسَهُمَا حَتَّى تَخْرَقَا، لَا يَدْرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَكِي هُمَا أَمْ لَا؟

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَأَبُو إِسْحَاقَ الَّذِي رَوَى هَذَا عَنِ الشَّعْبِيِّ هُوَ أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، وَاسْمُهُ سُلَيْمَانُ، وَالْحَسَنُ بْنُ عِيَّاشٍ: هُوَ أَخُو أَبِي بَكْرِ بْنِ عِيَّاشٍ.

بابُ مَا جَاءَ فِي شَدِّ الْأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ

سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا

باب ۱۳ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت مرد کے لئے سونے کا استعمال جائز ہے، حضرت عرفہ رضی اللہ عنہ کی ناک جنگ کلاب (بضم الکاف) میں کٹ گئی تھی، یہ زمانہ جاہلیت کا ایک معرکہ تھا، پس انھوں نے پہلے چاندی کی ناک بنوائی مگر وہ بدبودار ہو جاتی تھی اس لئے نبی ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی (اسی طرح سونے کے تاروں سے دانت بندھوانا یا دانت پر خول چڑھانا بھی جائز ہے اس لئے کہ چاندی کالی پڑ جاتی ہے)

فائدہ: اس حدیث کی سند میں جو ابوسعید الصنعانی ہیں ان کا نام محمد بن میسر (بروزن محمد) ہے، رجال کی کتابوں میں ان کی نسبت صاعغانی ہے، یہ ناپینا تھے اور ضعیف راوی ہیں، مگر اس سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ علی بن ہاشم کوئی ٹھیک راوی ہیں، اور اس حدیث کو عبد الرحمن بن طرفة سے سلم بن زریر بھی روایت کرتے ہیں ان کے باپ کا صحیح نام یہی ہے، عبد الرحمن بن مہدی ان کے باپ کا نام رزین (شروع میں راور آخر میں ن) بیان کرتے تھے جو صحیح نہیں، اور بہت سے سلف سے یعنی صحابہ و تابعین سے دانتوں کو سونے سے باندھنا مروی ہے، یہ سب روایتیں فتح الباری میں ہیں اور وہاں سے تحفۃ الاحوذی میں نقل ہوئی ہیں۔

[۳۱-] بابُ مَا جَاءَ فِي شَدِّ الْأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ

[۱۷۶۱-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ هَاشِمٍ بْنِ الْبَرِيدِ، وَأَبُو سَعْدٍ الصَّنَعَانِيُّ، عَنْ أَبِي الْأَشْهَبِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرْفَةَ، عَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ أَسْعَدَ قَالَ: أَصِيبَ أَنْفِي يَوْمَ الْكَلَابِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَاتَّخَذْتُ أَنْفًا مِنْ وَرَقٍ، فَأَتَنَنْ عَلَى، فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ.

حدثنا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ بَدْرٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْوَاسِطِيُّ عَنْ أَبِي الْأَشْهَبِ نَحْوَهُ.
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرْفَةَ، وَقَدْ رَوَى سَلَمُ بْنُ زَرْبٍ، عَنْ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرْفَةَ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي الْأَشْهَبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرْفَةَ، وَقَالَ ابْنُ مَهْدِيٍّ:
سَلَمُ بْنُ زَرْبٍ، وَهُوَ وَهْمٌ، وَزَرْبٌ أَصَحُّ، وَقَدْ رَوَى عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ شَدُّوا
أَسْنَانَهُمْ بِالذَّهَبِ، وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ حُجَّةٌ لَهُمْ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ أَنْ جُلُودَ السَّبَاعِ

درندوں کی کھالوں کا استعمال جائز نہیں

ابھی باب ۷ میں یہ بات آئی ہے کہ ہر کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے، پس درندوں کی کھالیں بھی رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں مگر جس طرح کھانے پینے کی چیزوں کا مزاج پر اثر پڑتا ہے، پہننے، رڑھنے اور بچھانے کی چیزوں کا بھی اثر پڑتا ہے، اس لئے درندوں کی کھالوں کو بچھا کر اس پر بیٹھنے سے منع کیا گیا، اسی طرح ان کی ٹوپی، صدری وغیرہ پہننا بھی ممنوع ہے، ہاں دور کی صاحب سلامت جائز ہے یعنی زینت کے لئے دیوار پر لگانا جائز ہے۔

باب میں جو روایت ہے اس کو ابوالخلیج اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، سعید بن ابی عروبہ کی سند اسی طرح ہے، اور امام شعبہؒ اس کی سند ابوالخلیج پر روک دیتے ہیں یعنی ان کی روایت مرسل ہے، امام ترمذیؒ نے اس دوسری سند کو اصح کہا ہے، کیونکہ شعبہؒ سعید سے احفظ ہیں، مگر سعید بھی ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے، چنانچہ حاکم نے ان کی سند کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، پس ہمارے خیال میں دونوں سندیں صحیح ہیں۔

ملوظہ: مشکوٰۃ میں امام ترمذیؒ کے حوالہ سے دو عمدہ علیحدہ روایتیں ہیں: (۱) نہی عن جلود السباع یہ ابوالخلیج کے والد سے مروی ہے (۲) کبرۃ ثَمَنَ جُلُودِ السَّبَاعِ یہ ابوالخلیج کا قول ہے، پس دونوں روایتوں کا مضمون الگ الگ ہے، پس کسی ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں (مشکوٰۃ حدیث ۵۰۶ و ۵۰۷ کتاب الطہارۃ باب تطہیر الذباجات)

[۳۲-] بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ

[۱۷۶۲-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ أَنْ تُفْتَرَشَ.

[۱۷۶۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، ثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ: عَنْ أَبِي

الْمَلِيح، عَنْ أَبِيهِ: غَيْرُ سَعِيدٍ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ.

[۱۷۶۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَزِيدَ الرُّشَكِ، عَنْ أَبِي الْمَلِيح، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ نَهَى عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ، وَهَذَا أَصَحُّ.

وضاحت: هذا أصح سے معلوم ہوتا ہے کہ مسند اور مرسل دونوں روایتیں ہم معنی ہیں، ورنہ ترجیح کی ضرورت نہیں تھی، پس صاحب مشکوٰۃ کی نقل قابل غور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی ﷺ کے چپلوں کا تذکرہ

دور نبوی میں لوگ عام طور پر ننگے پاؤں چلتے تھے، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ جوتے چپل بڑے لوگوں ہی کو میسر تھے، پھر جوتوں کا تو روایات میں کوئی تذکرہ نہیں، صرف چپلوں کا تذکرہ آتا ہے اور عام لوگ عام طور پر بالوں والے چپل پہنتے تھے، بالوں کو صاف کرنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے مگر نبی ﷺ بغیر بال والے یعنی عمدہ چپل استعمال فرماتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی چپل پہنتے تھے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: حضور اکرم ﷺ ایسے ہی چپل پہنتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ طلبہ کو نبی ﷺ کے چپل دکھائے جو بغیر بال والے تھے۔

رہی یہ بات کہ ان چپلوں کی ہیئت کیا تھی؟ اس کی کوئی واضح صورت روایات میں نہیں آئی، صرف اتنی بات مروی ہے کہ آپؐ کے ہر چپل میں دو تسمے تھے، حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی دوہرے تسمے کے چپل پہنتے تھے، ایک تسمہ والی چپلوں کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کی ہے، اور شاکل میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کے چپلوں میں دو ہر اچڑا سلا ہوا تھا، اس کی صورت کیا تھی؟ یہ بھی واضح نہیں، دوہری تلی بھی ہو سکتی ہے اور پیوند بھی مراد ہو سکتا ہے۔

اور نبی ﷺ کی چپلوں میں جو دو تسمے ہوتے تھے وہ کونسی انگلیوں کے درمیان گھستے تھے اور یہ تسمے کہاں سے کہاں تک تھے، یہ باتیں بھی روایات میں واضح نہیں، اس لئے آپؐ کے چپلوں کی کوئی خاص ہیئت آج تک میرے ذہن میں متعین نہیں ہو سکی اور آپؐ کے چپلوں کا جو نقشہ چھپتا ہے اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی زاد السعید میں بھی ہے اس کے مطابق اصل ہونے کا مجھے اطمینان نہیں، میرے خیال میں اس کی وضع قیاس و اندازے سے متعین کی گئی ہے۔

فائدہ (۱): جب آپؐ کے چپلوں کی صحیح نوعیت ہی متعین نہیں تو نعل مبارک سے تو سل یا تبرک کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ جب حضرت تھانوی قدس سرہ نے نیل الشفا، نعل المصطفیٰ ﷺ تصنیف فرمائی تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ نے اور دوسرے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا چنانچہ حضرت تھانویؒ کو نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو گیا اور آپؐ نے رسالہ نیل الشفا سے رجوع فرمالیا۔ یہ بات امداد الفتاویٰ میں بھی ہے اور زاد السعید کے آخر میں بھی ہے۔

فائدہ (۲): تبرک چیزوں کی مثلاً کعبہ شریف کی اور روضہ اقدس کی اصل یا قلمی تصاویر کی توہین کرنا مومن کی شایان شان نہیں، اس سے دل میں ان مقامات کی بے قدری پیدا ہوگی، البتہ اس کی تعظیم، اس سے توسل اور تبرک بھی جائز نہیں، کیونکہ اصل کعبہ اور اصل روضہ اقدس ہزار برکتوں کا محل ہے مگر کمرے سے اس کا جو فوٹو لیا جائے یا قلم سے اس کی جو تصویر بنائی جائے اس میں بھی وہی برکتیں پیدا ہو جائیں یہ بات نامعقول ہے، اور نہ اس کی کوئی دلیل ہے، اسی طرح جن مصلوں پر کعبہ وغیرہ کی فرضی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں ان کو بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آدمی کبھی ان پر بیٹھتا بھی ہے اور یہ بات مناسب نہیں۔

[۳۳]- باب ماجاء فی نَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[۱۷۶۵]- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ، ثَنَا هَمَّامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ نَعْلَاهُ لَهْمًا قَبَالَانِ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

[۱۷۶۶]- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَهْمًا قَبَالَانِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

نعت: القَبَال: چپل کا تسمہ، اسی کو الشراك بھی کہتے ہیں یعنی چپل کا وہ تسمہ جو پیر کے اوپر رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

ایک چپل میں چلنے کی کراہیت

نبی ﷺ نے ایک چپل پہن کر چلنے سے منع کیا ہے، فرمایا: ”یادونوں چپل پہن کر چلو یا دونوں نکال دو“ کیونکہ یہ جوتے چپل پہننے کا بے ڈھنگا طریقہ ہے، پہننے کی ہر چیز معاد طریقہ پر پہننی چاہئے بے ڈھنگا پن اور بے تمیزی سے احتراز کرنا چاہئے، جیسے ایک موزہ پہننا، کرتے کی ایک آستین میں ہاتھ ڈالنا وغیرہ۔ البتہ کسی عارض کی وجہ سے تھوڑی دیر ایک چپل میں چلے تو کوئی حرج نہیں، مثلاً ایک چپل صحن کے ایک کنارہ پر پڑا ہے اور دوسرا دوسرے کنارہ پر پس ایک چپل پہن کر چلے اور دوسرے کنارے پر جا کر دوسرا چپل پہن لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

[۳۴]- باب ماجاء فی کَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

[۱۷۶۷]- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، ح: وَثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ

الْأَعْرَجُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَمْشِي أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيَنْعَلَهُمَا جَمِيعًا، أَوْ لِيُخَفِّهَ جَمِيعًا، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ جَابِرٍ.

لغات: لِيَنْعَلَهُمَا مجرد سے بھی ہو سکتا ہے اور باب افعال سے بھی، نَعْل (س) نَعْلًا کے معنی ہیں: جوتا پہننا یا جوتا پہنے ہوئے ہونا۔ مجرد سے لِيَنْعَلَهُمَا پڑھیں گے اور یہی بہتر ہے۔ اور اِنْعَال: باب افعال سے لِيَنْعَلَهُمَا بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے بھی یہی معنی ہیں، اسی طرح لِيُخَفِّهَ جَمِيعًا بھی دونوں بابوں سے پڑھا جاسکتا ہے، خَفِيَ (س) خَفَا کے معنی ہیں: برہنہ پا ہونا، اس باب سے لِيُخَفِّهَ جَمِيعًا پڑھیں گے اور اُخْفِيَ فلانًا کے معنی ہیں: برہنہ پا کر دینا، اس باب سے لِيُخَفِّهَ جَمِيعًا پڑھیں گے، اور یہ حدیث بخاری میں ہے (نمبر حدیث ۵۸۵۵)۔

باب ماجاء في كراهية أن ينتعل الرجل وهو قائم

کھڑے ہوئے جوتا چپل پہننے کی ممانعت

مصری نسخہ میں یہاں باب ہے، اس باب میں یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہوئے چپل پہننے سے منع فرمایا، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی، مگر محدثین کے نزدیک دونوں روایتیں صحیح نہیں، پس کھڑے ہوئے چپل پہننے میں کوئی کراہیت نہیں، البتہ اگر جوتا چپل ایسا ہو کہ کھڑے ہوئے پہننے میں گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر پہننا اولیٰ ہے۔

[۳۵-] باب ماجاء في كراهية أن ينتعل الرجل وهو قائم

[۱۷۶۸-] حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ بْنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ، نَا الْحَارِثُ بْنُ نَبْهَانَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَرَوَى عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو الرَّقِّيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، وَكَلاَ الْحَدِيثَيْنِ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

وَالْحَارِثُ بْنُ نَبْهَانَ: لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِالْحَافِظِ، وَلَا نَعْرِفُ لِحَدِيثِ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَصْلًا.

[۱۷۶۹-] حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ السَّمَنَانِيُّ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الرَّقِّيُّ، ثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: وَلَا يَصِحُّ هَذَا الْحَدِيثُ، وَلَا حَدِيثُ مَعْمَرٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

وضاحت: حدیث کی پہلی سند جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اس میں حارث بن نبہان متروک راوی ہے، اس کی نسبت جرمی، کنیت ابو محمد ہے اور وہ بصرہ کا رہنے والا تھا، اور حدیث کی دوسری سند جو حضرت انس رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بے اصل ہے، قتادہ کی مرویات میں اس کا کوئی ذکر نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی دونوں سندوں کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

باب ماجاء فی الرخصة فی النعل الواحدة

ایک چپل پہن کر چلنے کا جواز

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کبھی ایک چپل پہن کر چلتے تھے، یہ مرفوع روایت صحیح نہیں، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (کبھی) ایک چپل پہن کر چلتی تھیں یہ روایت صحیح ہے، سفیان ثوری وغیرہ اس روایت کو موقوف بیان کرتے ہیں یعنی یہ حضرت عائشہ کا فعل ہے اور فعل صحابی بھی حجت ہے، پس گذشتہ ممانعت کی روایت اور اس روایت کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ عمومی احوال میں ممانعت ہے اور خصوصی احوال میں اجازت ہے، جیسے چلتے ہوئے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے پس اس کو ہاتھ میں لے لیں اور دوسرا پہننے رہیں تو اس کی گنجائش ہے۔

[۳۶] باب ماجاء فی الرخصة فی النعل الواحدة

[۱۷۷۰] - حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الْكُوفِيُّ، ثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ السَّلُولِيُّ - كُوفِيٌّ - ثَنَا هُرَيْرٌ - وَهُوَ ابْنُ سُفْيَانَ الْبَجَلِيُّ - عَنْ لَيْثٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ.

[۱۷۷۱] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ.

وَهَذَا أَصَحُّ، هَكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ مَوْقُوفًا، وَهَذَا أَصَحُّ.

باب ماجاء بأى رجل يبدأ إذا انتعل

پہلے کس پاؤں میں جوتا پہننا چاہئے

جوتا پاؤں کے لئے زینت ہے اور تمام اچھے کام دائیں جانب سے شروع کرنے چاہئیں، پس جوتے چپل بھی پہلے دائیں پیر میں پہننے چاہئیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں میں جوتا دیر تک رہے گا، نبی ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص جوتا چل پہنے تو دائیں سے ابتداء کرے اور جب نکالے تو بائیں پیر کا پہلے نکالے، پس دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہوگا اور نکالنے میں مؤخر (یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے)

[۳۷]- باب ماجاء بِأَيِّ رِجْلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ

[۱۷۷۲]- حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنُ، ثَنَا مَالِكٌ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشَّمَالِ، فَلْيَكُنِ الْيَمِينُ أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ، وَآخِرُهُمَا تُنْزَعُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء في تَرْقِيعِ الثَّوْبِ

کپڑے میں پیوند لگانے کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تین نصیحتیں کیں: (۱) اگر آپ آخرت میں میرے ساتھ (درجہ میں) ملنا چاہیں تو چاہئے کہ آپ کے لئے کافی ہو جائے دنیا (کے ساز و سامان) سے مسافر کے توشہ کے بقدر (کنزاد الراحلة میں) زندہ ہے اور باقی یکفٰی کا فاعل ہے) (۲) اور آپ مالداروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے احتراز کریں (۳) اور آپ کسی کپڑے کو پرانا نہ قرار دیں جب تک اس میں پیوند نہ لگالیں۔
تشریح:

۱- مسافر ضروری سامان ہی ساتھ رکھتا ہے، بے ضرورت سامان نہیں ڈھوتا، اسی طرح مومن کو بھی دنیا میں ضروری ساز و سامان ہی کی فکر کرنی چاہئے دنیا بھر کا جھمیلا نہیں پالنا چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے جو نصیحت فرمائی تھی: اس اللہ کی بندی نے اس پر اتنا عمل کیا کہ مسافر کے سامان کے بقدر بھی سامان نہیں رکھا، ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ بھیجے، جب مال اونٹوں پر لد کر آیا تو حضرت عائشہ نے حکم دیا: اس کو مسجد کے صحن میں ڈھیر کر دو، جب مال اتر گیا تو گھر میں سے کپڑا بھیجا کہ اس پر ڈھانک دو، پھر باندی سے کہا: مدینہ میں اعلان کرا، جسے مال کی ضرورت ہو آجائے، لوگ اکٹھا ہو گئے تو آپ تشریف لائیں اور ڈھیر کے پاس بیٹھیں، ایک ایک کو بلاتیں اور پوچھتیں: تجھے کتنا چاہئے، جو جتنا بتلاتا اس کو اتنا دیدیتیں، شدہ شدہ لینے والے بھی ختم ہو گئے اور مال بھی برائے نام رہ گیا، پس آخری شخص سے یہ نہیں پوچھا کہ تجھے کتنا چاہئے بلکہ اس سے کہا: لیجا سب! باندی نے عرض کیا: دو درہم بچالیں آج آپ کا روزہ ہے اور گھر میں افطاری کے لئے کچھ نہیں، میں دو درہم کا گوشت لا کر آپ کے لئے پکالوں گی، اس پر آپ نے فرمایا: اللہ کی بندی! پہلے بتاتی اب تو میں دے چکی!

۲- دوسری نصیحت آپؐ نے یہ فرمائی کہ مالدار عورتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ رکھا جائے یعنی ان کے ساتھ دوستی نہ کی جائے، کیونکہ آدمی دوستوں جیسا یا ان سے بہتر بننے کی کوشش کرتا ہے، اور اسباب مہیا نہیں ہوتے تو ناشکری کا جذبہ ابھرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری متفق علیہ روایت ہے جس کے الفاظ بخاری میں یہ ہیں: إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ، مِمَّنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ؛ یعنی جب تم میں سے کوئی اس شخص کو دیکھے جو اس پر مال اور حلیہ میں برتری بخشا گیا ہے تو چاہئے کہ وہ اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے نیچے ہے، ان لوگوں میں سے جن پر وہ برتری بخشا گیا ہے (بخاری حدیث ۶۳۹۰، مسلم حدیث ۲۹۶۳) اور مسلم میں ایک طریق سے یہ الفاظ ہیں: انظروا إلى من أسفل منكم، ولا تنظروا إلى من هو فوقكم، فهو أجدر أن لا تزدروا نعمة الله عليكم؛ یعنی اپنے سے نیچے کے درجہ کے لوگوں کی طرف دیکھو اور اپنے سے اوپر کے درجہ کے لوگوں کی طرف مت دیکھو، پس یہ بات اس کے زیادہ لائق ہے کہ تم حقیر نہ سمجھو تم پر اللہ کی نعمت کو یعنی جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس پر تم ناشکری نہ کرو۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کے لڑکے عون بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے مالداروں کے ساتھ دوستی کر کے دیکھی، میں نے کسی کو اپنے سے زیادہ پریشان نہیں پایا، میں نے دوستوں کی سوار یوں کو اپنی سوار یوں سے بہتر دیکھا، اور ان کے کپڑوں کو اپنے کپڑوں سے بہتر دیکھا (اس لئے میں پریشان رہا) اور میں نے غریبوں کی ہم نشینی اختیار کر کے بھی دیکھی، پس مجھے آرام مل گیا (کیونکہ میں ہر چیز میں اپنے کو ان سے بہتر پاتا تھا) شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اپنا قصہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی غربت یہاں تک پہنچی کہ پیروں میں چپل بھی نہ رہی، وہ دمشق کی جامع مسجد میں پہنچے اور خوب گڑگڑا کر دعا کی، پھر جب مسجد سے نکلے تو ایک شخص کو دیکھا جس کے پیر ہی نہیں تھے، پس شیخ سعدیؒ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ان کے پیر تو ہیں۔

اور خود میرے ساتھ یہ قصہ پیش آچکا ہے کہ میں اپنے ابتدائی حال میں جب تنگی سے گزارہ ہوتا تھا، اجلاس صد سالہ کے چندہ کے لئے بنگلہ گویا، وہاں ایک صالح مالدار شخص کے گھر میں ایک مہینہ تک قیام رہا، وہاں میں نے دیکھا کہ اے سی ہے، فرج ہے، اس میں مشروبات بھرے ہوئے ہیں، ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں مہیا ہیں تو میرے دل میں اپنی حالت کی ناشکری پیدا ہوئی کہ یہ کیسی فقیرانہ زندگی ہے، وہاں سے لوٹنے کے بعد مہینوں ذہن اس میں الجھا رہا، پھر الحمد للہ وہ کیفیت ختم ہوئی اور اپنی تنگی پر قناعت اور صبر آ گیا۔

عزیزو! اب کتاب پوری ہونے جا رہی ہے، میری ایک بات یاد رکھو: اگر آپ حضرات دین کا کام کرنا چاہتے ہیں تو اپنی آمدنی سے زیادہ پیر نہ پھیلائیو، اور مالداروں کے ساتھ مصاحبت نہ رکھو اس طرح آپ دین کا کام کر سکیں گے ورنہ ایک دن آئے گا کہ ہمت ہار جائیں گے اور دنیا کے پیچھے لگ جائیں گے، مگر دنیا ملے گی اتنی ہی جتنی مقدر ہے، کیا

آپ حضرات نہیں دیکھتے کہ دنیا کے پیچھے لگے ہوئے لوگ سب خوشحال نہیں ہیں بہت سے پریشان ہیں، ہر ایک کی روزی مقدر ہے، جتنے بھی ہاتھ پیر مارو گے رزق اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر ہے، ایک پیسہ زیادہ نہیں مل سکتا۔

فائدہ: مالداروں کے ساتھ تعلق کی تین صورتیں ہیں: ایک: وہ دین کے طالب بن کر آپ کے پاس آئیں، پس آپ ان کی مدارات کریں، ان کو اپنے سے قریب کریں، اور ان کو دین سکھائیں، یہ ضروری ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں۔ دوم: برابری والا دوستانہ تعلق، اس کی حدیث میں ممانعت ہے، علماء کے لئے یہی سخت مضر ہے، اسی ذریعے سے شیطان عالم کی راہ مارتا ہے، سوم: محتاج بن کر مالداروں کے پاس جانا اور ان کی کاسہ لیس کرنا، یہ قطعاً عالم کی شان کے خلاف ہے، یہ تو بئس الفقیر علی باب الأمیر ہے اور پہلی صورت نعم الأمیر علی باب الفقیر ہے (یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے مگر ابن ماجہ میں دوسرے لفظوں سے ہے)

۳- تیسری نصیحت یہ کہ کپڑے کو اس وقت تک پرانا قرار نہ دیا جائے جب تک اس میں پیوند نہ لگ جائے۔ یہ اقتصاد (خرچ میں میانہ روی) کی تعلیم ہے، مگر آج کل کپڑے دو قسم کے ہیں: ٹیلی کاٹ تو پھٹتا ہی نہیں، پہنتے پہنتے تھک جاتے ہیں مگر وہ ساتھ نہیں چھوڑتا، میں تو اسے ادھیڑ کر بچوں کے کپڑے سلواتا ہوں وہ چند دن میں پھاڑ دیتے ہیں اور گرمی میں سوتی کپڑے پہنتا ہوں، وہ ایک مرتبہ پھٹے کہ دوسری مرتبہ دھوبی دس جگہ سے پھاڑ لاتا ہے اس میں پیوند کہاں تک لگائیں، میں اسے کسی دوسرے مصرف میں لے لیتا ہوں، پیوند نہیں لگاتا۔

[۳۸-] باب ماجاء فی تَرْقِيعِ الثَّوْبِ

[۱۷۷۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَرَّاقُ، وَأَبُو يَحْيَى الْجَمَّانِيُّ، قَالَا: ثَنَا صَالِحُ بْنُ حَسَّانٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ أَرَدْتَ اللَّهُ حُوقَ بِي: فَلْيَكْفِكَ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّائِكِ، وَإِيَّاكَ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ، وَلَا تَسْتَخْلِقْنِي ثَوْبًا حَتَّى تَرْقِيعِهِ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَأَنْعَرَفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَالِحِ بْنِ حَسَّانٍ، سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: صَالِحُ بْنُ حَسَّانٍ: مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَصَالِحُ بْنُ أَبِي حَسَّانٍ: الَّذِي رَوَى عَنْهُ ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ: ثِقَّةٌ. وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "إِيَّاكَ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ" هُوَ نَحْوُ مَا رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ رَأَى مَنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ فِي الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ، مِمَّنْ هُوَ فَضَّلَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَلَّا يَزْدَرِيَ نِعْمَةَ اللَّهِ"

وَبُرْوَى عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ: صَحِبْتُ الْأَغْنِيَاءَ فَلَمْ أَرِ أَحَدًا أَكْثَرَ هَمًّا مِنِّي: أَرَى دَابَّةً خَيْرًا مِنْ دَابَّتِي، وَثَوْبًا خَيْرًا مِنْ ثَوْبِي، وَصَحِبْتُ الْفُقَرَاءَ فَاسْتَرَحْتُ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو باب کے شروع میں ہے: نہایت ضعیف ہے اس کا ایک

راوی صالح بن حسان النضری ابو الحارث المدنی البصری متروک ہے، امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے، اور ایک دوسرے صالح ہیں جن کے باپ ابو حسان ہیں وہ ابن ابی ذئب سے روایتیں کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔ ترجمہ: اور نبی ﷺ کا ارشاد: اِيَاكَ وَمَجَالِسَةَ الْأَغْنِيَاءِ: یہ ارشاد اس ارشاد کی طرح ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: آپؐ نے فرمایا: ”جس نے دیکھا اس شخص کو جو اس پر برتری بخشا گیا ہے حلیے میں اور روزی میں پس چاہئے کہ وہ دیکھے اس شخص کی طرف جو اس سے کم تر ہے، ان لوگوں میں سے جن پر وہ برتری بخشا گیا ہے، پس بیشک یہ بات زیادہ لائق ہے کہ نہ حقیر سمجھے وہ اللہ کی نعمت کو (اس پر)..... اور عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے "راویوں کی صحبت اختیار کی پس نہیں دیکھا میں نے کسی کو اپنے سے زیادہ فکر مند: میں اپنی سواری سے بہتر سواری دیکھتا تھا اور اپنے کپڑے سے بہتر کپڑا دیکھتا تھا، اور میں نے فقراء کی صحبت اختیار کی، پس مجھے آرام مل گیا (عون کا شمار بزرگوں میں ہے اور وہ بڑے محدث بھی تھے)

بابُ [دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرٍ]

بالوں کی لٹیں بنانے کا بیان

اگر مرد کے بڑے بال ہوں تو عورتوں کی طرح چوٹیاں بنانا تو ان کی مشابہت ہے اور جائز نہیں، لیکن اگر آدمی ان کی لٹیں بنالے یعنی چند حصے کر کے ان کو گول کر لے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب فتح مکہ کے دن نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے بال چار لٹیں تھے، غَدَائِرُ: غَدِيْرَةُ کی جمع ہے، بالوں کی لٹوں، جوڑوں اور چٹیا کے لئے یہ لفظ مستعمل ہے، یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث دو سندوں سے لکھی ہے، پہلی روایت میں غدائیر ہے اور دوسری میں صَفَاتِرُ یہ صَفِيْرَةُ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: چوٹی، مراد بالوں کی لٹ ہے اور دونوں سندوں میں مجاہد حضرت ام ہانی سے روایت کرتے ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: مجھے علم نہیں کہ مجاہد نے ام ہانی سے حدیثیں سنی ہیں یا نہیں؟ باقی کوئی خرابی نہیں۔

[۳۹-] بابُ [دُخُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرٍ]

[۱۷۷۴-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ قَالَتْ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَعْنِي مَكَّةَ - وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

[۱۷۷۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ الْمَكِّيُّ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ قَالَتْ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ

وَلَهُ أَرْبَعُ صَفَائِرَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي نَجِيحٍ: مَكِّيٌّ؛ وَأَبُو نَجِيحٍ: اسْمُهُ يَسَارٌ
قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا أَعْرِفُ لِمُجَاهِدٍ سَمَاعًا عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ.

بابُ [كَيْفَ كَانَ كِمَامُ الصَّحَابَةِ؟]

صحابہ کی ٹوپیاں یا آستینیں کیسی تھیں؟

کِمَام (بالسر) کُمَّة (بالضم) کی جمع ہے، جیسے قِباب: قُبَّة کی جمع ہے اس کے معنی ہیں گول ٹوپی، اور بَطْحَا (ب کے پیش اور ط کے سکون کے ساتھ) ابطح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: چپکی ہوئی، یعنی صحابہ کی ٹوپیاں سروں سے لگی ہوئی ہوتی تھیں، اونچی نہیں ہوتی تھیں۔ اور اگر کِمَام: کُم کی جمع ہے تو اس کے معنی ہیں آستین۔ اور اس صورت میں بَطْح کے معنی ہیں چوڑی، یعنی صحابہ کے کرتوں کی آستینیں تنگ نہیں ہوتی تھیں بلکہ چوڑی ہوتی تھیں، امام ترمذی کے ذہن میں یہی معنی ہیں مگر یہ حدیث انتہائی درجہ ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبد اللہ بن بسر سسکی خمرانی ابوسعید جمہی ضعیف ہے۔

[۴۰-] بابُ [كَيْفَ كَانَ كِمَامُ الصَّحَابَةِ؟]

[۱۷۷۶-] حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَرَانَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُسْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيَّ يَقُولُ: كَانَتْ كِمَامُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْحًا. هَذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُسْرِ: بَصْرِيُّ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُهُ، بَطْحٌ يَعْنِي وَاسِعَةً.

بابُ [فِي مَبْلَغِ الْإِزَارِ]

لنگی کہاں تک ہونی چاہئے؟

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے میری پنڈلی یا فرمایا: اپنی پنڈلی کا عضلہ (پٹھا) پکڑ اور فرمایا: یہ لنگی کی جگہ ہے، یعنی لنگی یہاں تک ہونی چاہئے، پس اگر آپ انکار کریں تو اس سے کچھ نیچے پہنیں پس اگر آپ انکار کریں تو کوئی حق نہیں لنگی کے لئے ٹخنوں پر، یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس سے ثابت ہوا کہ مسنون طریقہ آدھی پنڈلی تک لنگی پہننا ہے اور ٹخنوں سے اوپر تک جائز ہے اور ٹخنوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔

[۴۱-] بابُ [فِي مَبْلَغِ الْإِزَارِ]

[۱۷۷۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نَذِيرٍ، عَنْ حُدَيْفَةَ.

قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَصَلَةٍ سَاقِي أَوْ: سَاقِيهِ، وَقَالَ: "هَذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَاسْفُلْ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلِإِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ"
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، رَوَاهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ.

بَابُ [الْعَمَائِمِ عَلَى الْقَلَانِسِ]

ٹوپی پر پگڑی باندھنے کا بیان

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے خاندان ہی کے ہیں، عبدمناف میں آپ کے ساتھ ان کا نسب ملتا ہے، جنہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دی تھی اور جنہوں نے ابتدائے اسلام میں آپ سے کشتی لڑی تھی اور آپ نے ان کو پچھاڑ دیا تھا مگر وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں جب اللہ نے شرح صدر فرمایا تو مسلمان ہوئے، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: "بیشک ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپوں پر پگڑیاں ہیں" تشریح: علماء نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک: مشرکین بغیر ٹوپی کے پگڑی باندھتے ہیں اور مسلمان ٹوپی پہن کر اس پر پگڑی باندھتے ہیں، یہ مطلب رائج ہے، دوم: مشرکین صرف ٹوپی پہنتے ہیں پگڑی نہیں باندھتے، اور مسلمان ٹوپی پر پگڑی بھی باندھتے ہیں مگر یہ مطلب صحیح نہیں، اور یہ حدیث ضعیف ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: میں اس کے دو راویوں کو نہیں جانتا ایک: ابوالحسن عسقلانی کو اور دوسرا حضرت رکانہ کے لڑکے محمد کو۔

[۴۲-] بَابُ [الْعَمَائِمِ عَلَى الْقَلَانِسِ]

[۱۷۷۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيِّ، عَنْ أَبِي جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ رُكَانَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رُكَانَةَ صَارَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَرَعهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ رُكَانَةُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ فَرْقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ"
هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ، وَلَا نَعْرِفُ أَبَا الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيَّ وَلَا ابْنَ رُكَانَةَ.

بَابُ [مَا جَاءَ فِي خَاتِمِ الْحَدِيدِ]

لوہے کی انگوٹھی کا ذکر

حدیث: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص لوہے کی انگوٹھی پہن کر نبی ﷺ کی خدمت میں

آیا، آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تجھ پر جہنیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ (جہنیوں کو لوہے کے طوق اور بیڑیاں پہنائی جائیں گی) وہ دوسرے وقت پھر آیا اور اس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تجھ پر جہنیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ اس نے عرض کیا: میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپؐ نے فرمایا: چاندی کی، اور اس کا ایک مثقال پورا نہ کر یعنی اس کا وزن ساڑھے چار گرام سے کم ہونا چاہئے۔

تشریح: عورتوں کے لئے چاندی، سونے کے علاوہ اور کسی بھی دھات کا زیور پہننا درست ہے، جیسے پیتل، گلٹ، رائگا وغیرہ مگر انگوٹھی (عورتوں کے لئے بھی) سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں۔ اور مردوں کو چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی درست نہیں، صرف چاندی کی جائز ہے۔

فائدہ: باب میں جو حدیث ہے وہ ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے مگر اس کی سند اعلیٰ نہیں، اس کا ایک راوی عبداللہ بن مسلم ابوطیبہ سلمیٰ معمولی راوی ہے، نیز وہ حدیثوں میں غلطیاں بھی کرتا تھا، وہ مرو کا قاضی تھا اس لئے مروزی کہلاتا ہے اور کتاب النکاح میں مہر کے: "ان میں حضرت سہل بن سعد کی حدیث آئی ہے کہ آپؐ نے ایک شخص سے فرمایا: جا ڈھونڈ، چاہے لوہے کی انگوٹھی ہو، علماء نے اُس حدیث کا اس حدیث سے تعارض سمجھا ہے، پھر کسی نے نسخ و منسوخ قرار دیا ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ مقدم کوئی روایت ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر چاندی سونے کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی پر چاندی کا پانی چڑھا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔

[۴۳-] باب [ما جاء في خاتم الحديد]

[۱۷۷۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، وَأَبُو تَمِيمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ، فَقَالَ: "مَالِي أَرَى عَلَيْكَ حَلِيَّةَ أَهْلِ النَّارِ؟" ثُمَّ جَاءَهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ صُفْرِ، فَقَالَ: "مَالِي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْأَصْنَامِ؟" ثُمَّ أَتَاهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: "مَالِي أَرَى عَلَيْكَ حَلِيَّةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" قَالَ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ اتَّخَذَهُ؟ قَالَ: "مِنْ وَرِقٍ، وَلَا تُتَمَّهُ مِثْقَالًا". هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُسْلِمٍ يُكْنَى أَبَا طَيِّبَةَ، وَهُوَ مَرْوَزِيٌّ.

باب [كَرَاهِيَةِ التَّخْتُمِ فِي أَصْبُعَيْنِ]

دوانگلیوں میں انگوٹھی پہننے کی کراہیت

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے قسی کپڑا پہننے سے، اور سرخ گدی یا تکیہ پر

بیٹھنے سے، اور اس انگلی میں اور اس انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع کیا اور آپ نے سبابہ (شہادت کی انگلی) اور درمیان کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ اس انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور انھوں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا (مشکوٰۃ حدیث ۴۳۸۹)

[۴۴-] بَابُ [كَرَاهِيَةِ التَّخْتُمِ فِي أَصْبُعَيْنِ]

[۱۷۸۰-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقَسِيِّ، وَالْمِثْرَةِ الْحَمْرَاءِ، وَأَنْ أَلْبَسَ خَاتَمِي فِي هَذِهِ وَفِي هَذِهِ، وَأَشَارَ إِلَى السَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَابْنُ أَبِي مُوسَى: هُوَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى، وَاسْمُهُ عَامِرٌ.

بَابُ [مَا جَاءَ فِي أَحَبِّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ]

نبی ﷺ کو کونسا کپڑا سب سے زیادہ پسند تھا؟

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کو پہننے کے کپڑوں میں سب سے زیادہ پسند حَبْرَہ کپڑا تھا، یہ کپڑا یمن میں بنتا تھا، اس کی زمین سفید ہوتی تھی اور اس میں سرخ دھاریاں ہوتی تھیں اور یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور اذان کے بیان میں اس کا تذکرہ آچکا ہے۔
ملفوظ: جتنے باب کھڑی قوسوں کے درمیان ہیں وہ سب مصری نسخہ میں ہیں۔

[۴۵-] بَابُ [مَا جَاءَ فِي أَحَبِّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ]

[۱۷۸۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا الْحَبْرَةُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

﴿وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين﴾

تقریب اختتام

۲۸ رجب المرجب ۱۴۱۷ ہجری بعد نماز عشاء ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ترمذی شریف جلد اول مکمل ہوئی
 فالحمد لله علی ذلك! اس پر مسرت اور مبارک موقع پر صاحب افادات حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن
 پوری مدظلہ العالی نے قیمتی نصیحتوں سے فضلاء کو مستفیض فرمایا، پھر پوری امت کے لئے بالخصوص فارغ ہونے والے
 طلبہ، اساتذہ، محدثین کرام، مفسرین عظام اور فقہاء کے لئے دعا فرمائی، اس مبارک مجلس میں اکثر طلبائے دارالعلوم نے
 حاضر ہو کر بارگاہ ایزدی میں خوب گڑگڑا کر پوری امت کی فلاح و بہود کے لئے دعا مانگی، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ
 نصائح عالیہ اور دعائے کلمات یہاں درج کر دوں، فرمایا:

عزیز طلبہ! ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں، رات کافی ہو چکی ہے، اس لئے اب کوئی لمبی چوڑی بات کہنے کا تو موقع رہا
 نہیں، پھر سال بھر وقتاً فوقتاً آپ حضرات: اساتذہ کی نصائح عالیہ سے مستفیض ہوتے رہے ہیں، اس لئے بھی اس کی
 ضرورت نہیں، اب ضرورت ہے اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی، اقوال و افعال، کردار و گفتار اور عادات و اطوار کو سنوارنے
 کی، اور یہ فکر پیدا کرنے کی کہ ہمارے اعمال و اخلاق، ہماری سیرت و کردار اور ہمارے اقوال و افعال اس سیرت طیبہ سے
 ہم آہنگ ہو جائیں جو ہم نے سال بھر صبح و شام پڑھی ہے، اور ضرورت ہے کہ ہم امت مسلمہ کے سپوت بنیں: اس لئے
 میں اس مختصر وقت میں چار باتیں عرض کرتا ہوں، غور سے سنیں:

پہلی بات: عزیزو! اولاد تین قسم کی ہوتی ہے: پوت، سپوت اور کپوت۔ جو اولاد صرف اولاد ہو یعنی نہ تو باپ کا نام
 روشن کرے، نہ بدنام کرے وہ پوت ہے، اور جو اولاد باپ کا نام روشن کرے وہ سپوت ہے اور جو باپ کو بدنام کرے وہ
 کپوت ہے۔ اب آپ حضرات کی ایک زندگی ختم ہو کر دوسری زندگی شروع ہوگی، اب آپ اس پر غور کریں کہ آپ کو کس
 نے پڑھایا ہے؟ اگر آپ سوچتے ہیں کہ آپ کے ماں باپ نے پڑھایا ہے تو یہ غلط ہے، اگر یہ مدرسے اور یہ اساتذہ نہ
 ہوتے تو ماں باپ کہاں پڑھاتے؟ اور اگر آپ سوچتے ہیں کہ اساتذہ نے پڑھایا ہے تو یہ بھی غلط ہے، اگر یہ مدرسے نہ
 ہوتے تو اساتذہ کیسے پڑھاتے؟ اور اگر آپ سوچتے ہیں کہ ان مدارس اسلامیہ نے پڑھایا ہے تو یہ بھی تمام تر صحیح نہیں،
 اگر ملت اسلامیہ دستِ تعاون نہ بڑھاتی تو یہ مدارس کہاں ہوتے؟ پس درحقیقت آپ کو ملت اسلامیہ نے پڑھایا ہے،
 اس لئے میرے عزیزو! خوب سمجھ لو، تمہیں ملت اسلامیہ نے پڑھایا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ملت اسلامیہ کے حق
 میں پوت بنتے ہیں یا کپوت یا سپوت، اس کا فیصلہ آپ کا عمل کرے گا، اگر آپ نے اپنا دین محفوظ رکھا اور ملت اسلامیہ کو

کوئی فائدہ نہ پہنچایا تو آپ پوت ہوئے، اور اگر آپ نے اپنا دین محفوظ رکھا اور ملت کو بھی فائدہ پہنچایا تو آپ سپوت ہوئے، اور ملت کو فائدہ پہنچانے کی بہت سی صورتیں ہیں اللہ آپ کے لئے جو بھی راہ منتخب کریں وہ اختیار کریں۔ تبلیغ میں نکلیں، کتابیں تصنیف کریں، مکتبوں اور مدرسوں میں پڑھائیں، مسجدوں میں امامت کریں، غرض بے شمار راہیں ملت کی خدمت کی ہیں، اور اگر نہ ملت کو کوئی فائدہ پہنچایا نہ اپنا دین محفوظ رکھا بلکہ کسی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، یا کاروبار میں لگ گئے اور دین کا بھی ٹھکانہ نہ رہا، نہ ڈاڑھیاں صحیح رہیں نہ نمازوں کا ٹھکانہ رہا اور اعمال و اخلاق اور کردار و گفتار بگڑ گئے تو تم کپوت ہوئے، کاروبار کرنا ہے شوق سے کرو، یونیورسٹی میں پڑھنا ہے شوق سے پڑھو، جو بھی کام کرنا ہے کرو، مگر دس پندرہ سال تک جو دین تم نے پڑھا ہے اس کو تجھ دو، دین کا دامن پکڑے رہو، اگر دین تمہاری زندگی سے نکل گیا تو تم سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں، جس نے کھایا ملت کا اور نہ ان کو فائدہ پہنچایا نہ اپنا دین محفوظ رکھا وہ خسر الدنیا والآخرة کا مصداق ہوا، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائیں (آمین)

دوسری بات: عزیزو! اب آپ دورا ہے پر کھڑے ہیں، آپ کی زندگی کا ورق پلٹ رہا ہے اب آپ کو آئندہ کیا کرنا ہے اس کے لئے خاص طور پر دعا کرنی ہے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں اور آپ کی زندگیوں میں دین باقی رکھیں، آپ کی مساعی جلیلہ سے اللہ تعالیٰ دین کو بڑھائیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو فیض پہنچائیں، یہ دعا کریں، اگر آپ سچے دل سے اللہ سے مانگیں گے تو اللہ کے یہاں فضل کی کمی نہیں، اور اگر بے نیازی برتیں گے تو اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں، اللہ اپنے دین کا کام کسی سے بھی لے لیں گے آپ کو یاد ہوگا: صحابہ کو ڈانٹ پڑی تھی، پس ماوشا کی کیا حیثیت ہے، فرمایا: ﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ ہم سب اللہ کے محتاج ہیں، اللہ کسی کے محتاج نہیں۔ اس لئے سچے دل سے مانگو، نیاز مندی سے مانگو، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں، اور اگر تمہارے دل ملتفت نہ ہوئے تو اللہ کسی کے محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ دین کا کام پرندوں سے لے لیں گے، نو مسلموں سے لے لیں گے، کسی سے بھی لے لیں گے، وہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے محتاج نہیں، بلکہ یہ فضلاء اللہ اور اللہ کے دین کے محتاج ہیں، اللہ کے دین کی خدمت کے محتاج ہیں، پس دعا کرو! اللہ تمہیں صلاح و فلاح عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ملت اسلامیہ کو چمکائیں اور تمہارے ذریعہ مادر علمی کا نام روشن فرمائیں، اور مدارس اسلامیہ پر خرچ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں بہترین صلہ عطا فرمائیں، یہ ملت اسلامیہ کا احسان ہے کہ اس نے پیسہ پیسہ بچا کر مدارس کا تعاون کیا، جس سے آج دین کی بہار ہے، یہ مدرسے نہ ہوتے تو یہ بہار کہاں ہوتی؟

فضلاء کی تعداد تو بڑھ گئی مگر کام کے آدمی کم ہو گئے:

تیسری بات: یہ عرض کرنی ہے کہ اس زمانہ میں علم دین پڑھنے والوں کی اور علماء و فضلاء کی تعداد تو بہت بڑھ گئی ہے

مگر کیفیت و استعداد میں کمی آگئی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟ یہ جاننا ضروری ہے۔ ایک مونا اندازہ یہ ہے کہ ہر سال صرف ہندوستان میں تین ہزار علماء و فضلاء تیار ہوتے ہیں مگر قضاہ الرجال کا حال یہ ہے کہ ابتدائی عربی کے اساتذہ تو بہت مل جاتے ہیں مگر درجہ علیا کے اساتذہ کا فقدان ہے اور یہ بات دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: دو لفظوں نے مدارس سے نکلنے والوں کو پیچھے کر دیا ہے، ایک: ”میں فارغ ہو گیا“ دوسرا: ”فاضل“ ظاہر ہے جب فارغ ہو گیا اور کرنے کا کچھ رہا نہیں و پھر با کمال کیسے بنے گا؟ آپ جانتے ہیں: مدارس عربیہ میں علم نہیں دیا جاتا، بلکہ علم دین حاصل کرنے کی استعداد بنائی جاتی ہے، پڑھنا تو آپ کو یہاں سے نکل کر ہے اور زندگی بھر پڑھنا ہے، ایک لمبے عرصہ کے بعد آپ کو کمال حاصل ہوگا مگر اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ مدارس سے نکلنے والوں میں فراغت کا تصور پیدا ہو جاتا ہے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جو کچھ پڑھنا لکھنا تھا وہ ہو چکا، اب آگے کچھ باقی نہیں رہا، چنانچہ مدارس سے نکلنے کے بعد کوئی پڑھتا نہیں، الا ماشاء اللہ۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علم پڑھنے سے آتا ہے پڑھانے سے نہیں آتا، اور طلبہ کے پڑھنے میں تین چیزیں شامل ہیں:

اول: مطالعہ کر کے سبق میں جانا، جو طالب علم اگلا سبق دیکھے بغیر درس گاہ میں جاتا ہے وہ پڑھنے نہیں جاتا پڑھانے جاتا ہے، یعنی اس کی وجہ سے استاذ کو پڑھنا پڑتا ہے اگر وہ درس گاہ میں نہ جائے تو استاذ بھی نہیں پڑھے گا، پڑھنے والا طالب علم وہی ہے جو آگے کا سبق دیکھ کر درس گاہ میں جائے، مطالعہ میں آگے کا سبق سمجھنا ضروری نہیں، سمجھ میں آئے یا نہ آئے کم از کم تین مرتبہ عبارت پڑھ کر استاذ کے پاس جائے۔

دوم: درس گاہ میں ذہنی طور پر حاضر رہ کر کتاب کا ایک ایک لفظ حل کرنے کی کوشش کرے، کوئی بات بے سمجھے نہ چھوڑے، آج کل طلبہ کی صورت حال یہ ہے کہ سبق سمجھ میں آئے تو کوئی خوشی نہیں، اور نہ سمجھ میں آئے تو کوئی رنج نہیں حالانکہ سبق سمجھ میں نہ آنے کی صورت میں نیند حرام ہو جانی چاہئے۔

اور اگر کسی طالب علم کو مطالعہ کرنے کے بعد اور پوری توجہ سے سبق سننے کے بعد بھی سبق سمجھ میں نہ آئے تو اس کو جانا چاہئے کہ اس کی استعداد درجہ سے فروتر ہے، اس کو پیچھے پلٹنا چاہئے اور ایسے درجہ سے پڑھنا چاہئے جو اس کی استعداد کے موافق ہو، اگر وہ بدستور اپنے درجہ میں چلتا رہے گا تو آگے اور بھی دشواری پیش آئے گی اور اس کی سیر علمی کا کچھ حاصل نہیں نکلے گا، آج کل عام طور پر صورت حال یہ ہے کہ خود طالب علم بھی اوپر کودتا ہے اور مدرسہ والے بھی: وہ جو درجہ چاہتا ہے: دیدیتے ہیں، صحیح چانچ کر کے اس کی استعداد کے مطابق درجہ نہیں دیتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فارغ تو ہو جاتا ہے، مگر آتا کچھ نہیں! اور مدرسہ کا سارا نظام مختل ہو جاتا ہے۔

سوم: خواندہ یاد کرنا: پڑھا ہوا نقش بر آب ہوتا ہے، ایک دو دن میں طالب علم اس کو بھولی چاتا ہے پس جو طالب علم خواندہ یاد نہیں کرتا وہ ہاتھوں میں سوراخ کر کے پانی پیتا ہے، ظاہر ہے پانی کبھی اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا، سوراخ سے بہہ جائے گا، آج کے طالب علم کا بھی یہی حال ہے وہ ہاتھوں میں سوراخ کر کے پانی پیتا ہے خواندہ یاد نہیں کرتا، اور جب

پڑھا ہوا محفوظ نہیں رہا تو پڑھنے کا کیا حاصل!

اسی طرح اساتذہ کے پڑھنے میں بھی تین چیزیں شامل ہیں:

اول: فن دیکھ کر پڑھانا، صرف شرحیں دیکھ کر نہ پڑھانا، یعنی جو کتاب پڑھا رہا ہے اور وہ جس فن میں ہے وہ پورا فن نیچے تک اور اوپر تک دیکھ لینا۔ جیسے قدوری پڑھا رہا ہے تو بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام تک جو بھی کتابیں نیچے لکھی گئی ہیں ان کو دیکھ لینا، بعض مرتبہ مسئلہ کی تعبیر نیچے کی کتابوں میں بہت عمدہ ہاتھ آتی ہے، اوپر کی کتابوں میں وہ بدست نہیں آتی، نیز تفہیم کا طریقہ بھی ان اردو کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، اور اوپر درمختار، شامی، ہدایہ اور عالمگیری تک سب کتابوں میں متعلقہ مسئلہ دیکھ لینا، اس سے شرح صدر ہوتا ہے، اور استعداد بڑھتی ہے۔

مگر مسلسل مطالعہ مفید نہیں یعنی تعلیم الاسلام پوری پڑھ لی، یا بہشتی زیور پوری پڑھ لی یا درمختار پوری پڑھ لی یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ قدوری میں جو مسئلہ زیر درس ہے صرف وہی مسئلہ نیچے کی اور اوپر کی کتابوں میں دیکھا جائے، ایک ہی مسئلہ مختلف کتابوں میں دیکھنے سے یاد بھی ہوگا اور سمجھ میں بھی آئے گا۔

دوم: ہر کتاب سے ضروری باتیں یا عبارت کا حل نکال کر اپنی یادداشت تیار کر لی جائے، خواہ کتاب میں ورق رکھ کر یا علمدہ کا پی بنا کر جو بات بھی جہاں کام کی ملے اس کو بعینہ یا اس کا خلاصہ لکھ لیا جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بار بار کتابیں نہیں دیکھنی پڑیں گی، خلاصہ اس کے پاس محفوظ ہوگا تو ہر سال اس پر نظر ڈال لے گا اور تمام مضامین یاد ہو جائیں گے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی کتاب کی کوئی شرح کافی نہیں، اگر شرح سے کتاب حل ہو جاتی تو نئی نئی شرحوں کی ضرورت نہ ہوتی، حالانکہ کتابوں کی شرحیں مسلسل لکھی جا رہی ہیں معلوم ہوا کہ کچھ باتیں فن سے حل ہوتی ہیں شرح سے حل نہیں ہوتیں۔

سوم: استنتاج یعنی نتائج نکالنا، مدرس کے پڑھنے میں تیسری بات یہ شامل ہے کہ جو کچھ اس نے پڑھا ہے اور اس کا خلاصہ نوٹ کر لیا ہے اس میں خوب غور کرے، اس میں کوئی اشکال ہو تو اس کا جواب سوچے، کوئی بات دقیق ہو تو اس کا حل سوچے اور مختلف باتیں ملا کر نئی بات پیدا کرے اس سے استعداد بڑھتی ہے۔

حضرت علامہ کی قیمتی نصیحت:

میں جب دارالعلوم دیوبند سے رخصت ہو کر دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے لئے مدرس ہو کر چلا تو میں نے حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ سے آخری ملاقات میں عرض کیا: حضرت! مجھے کوئی کام کی بات بتا دیجئے جسے میں حرز جان بناؤں، حضرت نے فرمایا: ”مولوی صاحب! فن دیکھ کر پڑھانا، شرحیں دیکھ کر مت پڑھانا، علم آئے گا، اور طلبہ کو اپنی اولاد سمجھنا، وہ تم سے محبت کریں گے، اور سنت کی پیروی کرنا، لوگوں کے دلوں میں وقعت پیدا ہوگی“ یہ تین باتیں میرے لئے کس قدر مفید ثابت ہوئیں یہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

صرف پڑھانے سے آدمی تیار نہیں ہوتے:

آج کا المیہ یہ ہے کہ اساتذہ پڑھاتے ہیں مگر آدمی تیار نہیں ہوتے، ایک مثال میں غور کریں! ایک طالب علم متوسط استعداد کا عربی اول شروع کرتا ہے، وہ ساتویں یا آٹھویں سال بخاری شریف پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے، پھر وہ مدرس ہو جاتا ہے مگر بیس سال گذر جاتے ہیں وہ بخاری شریف پڑھانے کے قابل نہیں ہوتا، حالانکہ اس کو پانچ سال میں بخاری شریف پڑھانے کے قابل ہو جانا چاہئے، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ پڑھاتا ہے پڑھتا نہیں، مشکوٰۃ پڑھاتا ہے تو بس اسی کو پڑھاتا ہے فن نہیں پڑھتا، بعض مدرس پوچھتے ہیں: مجھے نسائی پڑھانے کے لئے ملی ہے یا ابن ماجہ ملی ہے، میں کوئی شرح دیکھوں؟ میں کہتا ہوں: فتح الباری اور عمدۃ القاری دیکھو، وہ کہتا ہے: بخاری میں نسائی اور ابن ماجہ کی حدیثیں تلاش کرنا پھر اس کی شرح دیکھنا وقت طلب ہے، یہ بات میرے بس کی نہیں، تو میں کہتا ہوں: پھر آپ نسائی اور ابن ماجہ کے لائق بھی نہیں، حدیث کی کوئی بھی کتاب پڑھانے کے لئے ملے اور وہ پورا فن نہ دیکھ ڈالے تو وہ پڑھا رہا ہے پڑھ نہیں رہا، اور سو سال بھی پڑھائے گا تو علم نہیں آئے گا، علم پڑھنے سے آتا ہے۔

یہاں اساتذہ دو سوال کرتے ہیں:

پہلا سوال: اساتذہ کہتے ہیں: مدارس والے ہمیں ترقی نہیں دیتے، وہ ہمیں بڑی کتابیں دیں تو ہم مطالعہ کریں، پانچ سال سے ہمیں مرقات میں لٹکا رکھا ہے ہم ملاحسن کا مطالعہ کیسے کریں؟ یا دس سال سے ہمیں قدوری دے رکھی ہے، کنزیا شرح وقایہ دیتے ہی نہیں، پھر ہم مطالعہ کیسے کریں؟

جواب: میں کہتا ہوں: آپ کی شیشی میں کچھ ہے؟ اگر عمدہ خوشبو ہے تو مہکاؤ، ہر آدمی پوچھے گا: کس نے خوشبو لگائی ہے؟ بڑی اچھی خوشبو ہے! آج ارباب مدارس ذی استعداد اساتذہ کے لئے پریشان ہیں مگر کوئی اپنا عطر مہکائے تو دوسرا اسے پوچھے، غرض پہلے پڑھنا پڑتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دینا پڑتا ہے تب مدرسہ والے ترقی دیتے ہیں بے استعداد کو ترقی دینا اس امید پر کہ بعد میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی: نادانی کی بات ہے۔

البتہ استعداد کے ساتھ تعلقات کی ہمواری ضروری ہے، چا پلوسی ضروری نہیں، یعنی اس درجہ ارباب انتظام کے ساتھ موافقت ضروری ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے اور اپنے ادارہ کے لئے مفید سمجھیں، بس فوراً ترقی ملے گی، اور اگر آپ کے تعلقات ناہموار ہیں، مدرسہ والوں سے آپ نے بگاڑ رکھی ہے اور مہتمم آپ کو اپنے لئے یا اپنے مدرسہ کے لئے مفید نہیں سمجھتا تو شاید وہ آپ کو ترقی نہ دے کیونکہ آپ کو آگے بڑھا کر وہ مصیبت کیوں مول لے۔

مگر کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ چا پلوسی سے دال کھتی ہے: الدنیا بالوسائل لا بالفصائل۔ میرا خیال ہے: یہ بات صحیح نہیں، مدرس کو اپنے کام سے غرض ہونی چاہئے، نظم و انتظام سے سروکار نہیں ہونا چاہئے، مدرسہ اس کا نہیں ہے دوسرے کا ہے، وہ جانے اور اس کا کام، اور اگر مدرس کو مہتمم بننے کا شوق ہے اور تعلیم کی اصلاح کا جذبہ ہے تو وہ ہٹ کر اپنی دوکان

علحدہ کھولے، اللہ کا ملک تنگ نہیں، اور گدا کا پیر لنگ نہیں، دوسرے کے مدرسہ میں اتھل پتھل کرنا اور اپنی پوزیشن خراب کرنا دانشمندی کی بات نہیں۔

دوسرا سوال: اساتذہ کہتے ہیں: مدرسہ والوں نے ہم پر ڈھیر سارے سبق لاد رکھے ہیں پھر ہم سارے فنون کیسے دیکھیں؟

جواب: میں کہتا ہوں: اگر آپ کے پاس پانچ فنون ہیں تو آپ ان میں سے چار کتابیں صرف شرحوں کی مدد سے پڑھائیں اور ایک کتاب فن دیکھنے کے لئے منتخب کریں، دو تین سال میں وہ پورا فن دیکھ لیں پھر دوسرا فن پکڑیں، اس طرح تدریجی طور پر کئی فنون دیکھے جاسکتے ہیں لیکن اگر آپ چاہیں ہی نہ تو زندگی گزر جائے گی، اور آپ کسی ایک فن میں بھی باکمال نہیں بنیں گے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ قسط الرجال کے اس زمانہ میں مدارس سے نکلنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ فارغ نہ ہو جائیں، یہ لفظ اپنے ذہن سے قطعاً نکال دیں، اسی طرح فاضل کا تصور ختم کر دیں طالب علم کا تصور رکھیں، فاضل تو فضول سے بھی ہو سکتا ہے تو کیا آپ کوڑا کرکٹ ہیں؟ رہا فاضل بمعنی علامۃ الدہر تو یہ بات کبریت احمر ہے، صدیوں میں کوئی باکمال پیدا ہوتا ہے، جب لاکھوں میدان میں سرگرداں رہتے ہیں تب کوئی منزل پر پہنچتا ہے، پس آپ بھی دیوانہ وار چلیں، ممکن ہے آپ ہی منزل پر پہنچیں۔

چوتھی بات: تیسری بات ہی سے متعلق ہے مگر اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ ذکر کرتا ہوں، سوال یہ ہے کہ بے شمار مدارس عربیہ ہیں اور لوگ پڑھنے پڑھانے میں مشغول بھی ہیں پھر اعلیٰ صلاحیتوں کے آدمی کیوں تیار نہیں ہوتے؟ قسط الرجال کیوں ہے؟

جواب: اس کی دو وجہیں ہیں: ایک تو گزر چکی کہ لوگ پڑھاتے ہیں پڑھتے نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدارس سے نکلنے والے تین قسم کے فضلاء ہیں: اعلیٰ استعداد والے، متوسط استعداد والے اور ادنیٰ استعداد والے، فضلاء کی پہلی قسم تو ضائع ہو جاتی ہے، یونیورسٹیوں میں چلی جاتی ہے، کمپیوٹر اور ہنر سیکھنے میں لگ جاتی ہے، یا کاروبار میں مشغول ہو جاتی ہے، اور دوسری قسم مدارس عربیہ میں لگتی ہے، چونکہ ان کا مستوی فروتر ہے اس لئے وہ ہر چند کوشش کے بعد بھی تازہ کا درخت نہیں بن سکتے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: اللہ تعالیٰ نے نباتات اور حیوانات میں سے ہر ایک کا ایک مستوی اور لیول تجویز کیا ہے، ہر مخلوق کو اس لیول پر پہنچ کر رک جانا ہے جیسے مرچی کے پودے کا ایک لیول ہے، گیہوں اور جوار کے پودوں کا دوسرا لیول ہے، امرود اور آم کے درختوں کا مستوی علیحدہ ہے، اور تاڑ، کھجور اور ناریل کی پہنچ دور تک ہے، ہر درخت اپنی مقدار پر پہنچ کر رک جاتا ہے، آپ غور کریں! امرود اور آم کے درخت جب اپنی مقدار پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر ہر بت جھڑ میں ان کے پتے جڑھتے ہیں، اور ہر بہار میں ان پر کوئلیں نکلتی ہیں، مگر وہ وہیں کے وہیں رہتے ہیں بلکہ بوڑھے ہو کر گھٹتے ہیں اور نیچے آتے

ہیں، یہی حال انسان کا ہے، ہر انسان کا ایک مستوی ہے وہ وہاں پہنچ کر رک جاتا ہے پھر وہ چاہے کتنی بھی اچھل کود کرے آگے نہیں بڑھ سکتا، پس متوسط مستوی والے ہر چند کوشش کے بعد بھی بڑے لوگ نہیں بن سکتے، بڑے لوگ بلند مستوی والے ہی بنتے ہیں، مگر وہ عام طور پر ضائع ہو جاتے ہیں۔

فضلاء ضائع کیوں ہو جاتے ہیں؟

اور اس میں قصور کچھ ارباب مدارس کا ہے، کچھ فضلاء کا ہے، یعنی کچھ سونا کھوٹا ہے کچھ سنا کھوٹا ہے، مدارس والے مدرسین کو اتنا دیتے ہی نہیں کہ وہ زندگی بھر دلجمعی کے ساتھ کام کر سکیں، گارابنانے والے مزدور کو بھی یومیہ سوا سو روپے ملتے ہیں یعنی ماہانہ اس کی چار ہزار کی آمدنی ہوتی ہے اور مدرس کو دو ڈھائی ہزار روپے ملتے ہیں جس نے پندرہ سال محنت کی ہے اور اپنی زندگی کا قیمتی وقت خرچ کیا ہے وہ گارابنانے والے مزدور کے ہم تول بھی نہیں تو کیا مزدور کے خرچ کے بقدر بھی مولوی کے گھر کا خرچ نہیں ہوگا، مگر اہل مدارس سمجھتے نہیں، بلکہ وہ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ مدرسہ میں گنجائش نہیں، سوال یہ ہے کہ پھر بلند نگیں کہاں سے بن رہی ہیں؟ اور مہتمم بکا مدرسہ کیسے گھوم رہا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ آدمی چاہے ہی نہ تو باتیں ہزار ہیں۔ غرض جب تک کارکنان کو بقدر ضرورت روزگار مہیا نہیں کیا جائے گا وہ زندگی بھر کام سے کیسے چٹے رہیں گے؟ اور آدمی تو بنتا ہی ہے پوری زندگی کھپانے سے، دس بیس سال پڑھانے سے کوئی شیخ الحدیث نہیں بنتا۔

دوسرا قصور فضلاء کا ہے، وہ کیا مل رہا ہے؟ اس کو پیش نظر رکھ کر کام کرتے ہیں حالانکہ علم برائے علم مطلوب ہے، برائے مال مطلوب نہیں، روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، وہ ہر ایک کا پیٹ ضرور بھرتے ہیں، اور پیسہ تین کام کرتا ہے، آدمی اچھا کھاتا ہے، اچھا پہنتا ہے اور لوگ سلام کرتے ہیں، مولوی کو یہ تینوں نعمتیں تھوڑی تنخواہ میں بھی حاصل ہیں، خوش خوراک اور خوش پوشاک وہی ہوتا ہے، اور عالم اگر اپنی حالت درست رکھے تو بستی کا ہر شخص اس کی عزت کرتا ہے، ہندو تک سلام کرتے ہیں پھر اور کیا چاہئے!

البتہ بیوی چونکہ گھر چلانا اپنے باپ کے یہاں سے سیکھ کر آئی ہے اس لئے تھوڑی اس کی تربیت کرنی پڑتی ہے، اس کو خرچ میں اقتصاد یعنی میانہ روی سکھانی پڑتی ہے، اور خود کو فضول خرچی سے بچانا پڑتا ہے، جیسے موبائل کا خرچ مولوی کے لئے فضول ہے، لوگوں کو اس سے رابطہ کرنا ہے تو کریں، اسے ساری دنیا سے رابطہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ البتہ جب اولاد ہو جاتی ہے تو پھر واقعی پریشانی کھڑی ہوتی ہے، جس کا علاج اہل مدارس کو سوچنا ہے۔

اور آخری بات: یہ ہے کہ آپ حضرات اس مجلس سے اٹھنے کے بعد تین قسموں میں بٹ جائیں گے، ایک وہ ہونگے جن کی اعلیٰ استعداد نہیں، وہ مکاتیب اسلامیہ میں پڑھائیں گے یا مسجد میں امامت کریں گے، یا کاروبار میں لگیں گے، ان کو سب سے پہلے ایک سال کے لئے جماعت میں نکلنا چاہئے، کیونکہ اب مدارس میں طلبہ کی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے تربیت کا حقہ نہیں ہو پاتی، پس جماعت میں ایک سال لگانے سے دینی مزاج بنے گا، اور عوام سے کس طرح معاملہ

کرنا چاہئے اس کا سلیقہ پیدا ہوگا، پھر وہ جس کام میں لگنا چاہیں لگ جائیں۔

دوسرے متوسط استعداد والے ہیں جن کو ابھی پڑھنا ہے، اپنی استعداد کی تکمیل کرنی ہے وہ ابھی اپنے آپ کو طالب علم سمجھیں، جماعت میں یا کسی اور کام میں نہ لگیں، وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔

اور جو پختہ استعداد والے ہیں اور وہ ضائع نہیں ہونا چاہتے بلکہ دین کے کام میں لگنا چاہتے ہیں، وہ پڑھانے میں لگیں اور رات دن اپنے کام میں منہمک رہیں، جماعت میں وہ ابھی ہرگز نہ نکلیں، ورنہ ایک سال کے بعد وہ کسی کام کے نہیں رہیں گے، طالب علم دو مہینے کی چھٹیوں میں گھر جاتا ہے تو آدھا پڑھا ہوا بھول جاتا ہے، ایک سال جماعت میں لگانے کے بعد تو اس کے کٹورے میں کچھ بھی نہیں رہے گا، وہ استعداد پختہ ہونے تک پوری توجہ کے ساتھ پڑھانے میں لگے رہیں، پھر جماعت میں نکلیں کوئی حرج نہیں، اب اس کی استعداد نہیں بجھے گی، بلکہ جماعت کے کاز کو بھی اس کی استعداد سے تقویت ملے گی۔

بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ حضرات جماعت میں نہ نکلیں، وہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ ”بھی“ دین کا کام ہے، جماعت کا کام ”ہی“ دین کا کام نہیں ہے، اور اس موضوع پر گفتگو کتاب الجہاد میں آچکی ہے، غرض تو حید مطلب ضروری ہے، اور ایک ہی لائن میں لگے رہنے میں کامیابی ہے۔

اور میری یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اعلیٰ استعداد والے دس سال، اور فروتر استعداد والے پندرہ سال اور کم استعداد والے بیس سال مسلسل رات دن کتابوں کے کیڑے بنے رہیں گے تو اتنی مدت کے بعد علم آنا شروع ہوگا، اور جب علم آنا شروع ہوگا تو خود اس کو احساس ہوگا کہ اب مجھے کچھ حاصل ہونے لگا ہے۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین﴾

دعا: اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، اللَّهُمَّ تَبِّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَلِكَ الْهُدَى وَالتَّقَى وَالْعِفَافَ وَالْغِنَى، اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَلِكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مَقْبُولًا وَقُلُوبًا خَاشِعَةً، وَعَيْنًا دَامِعَةً، اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ عَمَلٍ لَا يُرْفَعُ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

یا اللہ العالمین! ان بچوں کو جو تیرے بندے ہیں، میرے مولیٰ ان کو قبول فرما، میرے مولیٰ ان کے علم میں برکت فرما، یا اللہ! ان کے عمل میں اخلاص پیدا فرما، یا اللہ! ان کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب فرما، یا اللہ! ہم میں جو بیمار ہیں انہیں شفاء عطا فرما، یا اللہ! ہم میں جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانی دور فرما، یا اللہ! جو انتقال کر گئے ہیں ان کی مغفرت فرما،

یا اللہ! ہمیں علم نافع عطا فرما، عمل صالح عطا فرما، یا اللہ! ہمیں فتنوں سے محفوظ فرما، اے میرے مولیٰ! ہمیں ظالموں کا تختہ مشق نہ بنا، یا اللہ! پوری دنیا میں ایمان کی ہوائیں چلا، اے اللہ! دنیا میں جگہ جگہ تیرے مؤمن بندے پریشان ہیں، اے میرے مولیٰ! کفار نے اپنے منہ کھول رکھے ہیں، اے میرے مولیٰ! وہ ان کو کھاجانے کے لئے تیار ہیں: میرے مولیٰ! اپنے بندوں کی حفاظت فرما، اپنے حبیب کے دین کی حفاظت فرما، یا اللہ! مسلمانوں کی حفاظت فرما، یا اللہ! جہاں جہاں مسلمان تیرے دین کے لئے کوششیں کر رہے ہیں میرے مولیٰ ان کی مساعی کو کامیاب فرما، ان کے کاموں میں برکت فرما، یا اللہ! اسلام کی حفاظت فرما، مسلمانوں کی حفاظت فرما، اسلامی ملکوں کی حفاظت فرما، یا اللہ! دنیا کے تمام لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! سب کو جہنم سے بچنے کا سامان کرنے کی توفیق عطا فرما، اے میرے مولیٰ! ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرما، اے میرے مولیٰ! تیرے یہ بندے جو تیرا دین پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں میرے مولیٰ انہیں نامراد نہ فرما، انہیں ناکام نہ فرما، انہیں دین کے لئے قبول فرما، میرے مولیٰ یہ کسی لائق نہیں، لیکن میرے مولیٰ تیری نظر کرم ہو جائے تو یہ لائق بن جائیں گے، میرے مولیٰ ان کو قبول فرما، ان کے علم میں برکت فرما، ان کے علم میں وسعت پیدا فرما، یا اللہ! ہماری دعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، یا اللہ! ہمارے علم میں برکت فرما، یا اللہ! ہمارے قلوب میں نور پیدا فرما، اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما، ہمارے رشتہ داروں کی مغفرت فرما، جن لوگوں نے دعاؤں کے لئے کہا ہے یا لکھا ہے: ان کی جائز مرادیں پوری فرما، سب کی پریشانیوں کو دور فرما، سب بیماروں کو شفاۓ کاملہ عطا فرما، یا اللہ! جن لوگوں نے داسے درمے سخنے قدسے مدارس اسلامیہ کا تعاون کیا ہے ان کے کاروبار میں برکت فرما، ان کے تعاون کو قبول فرما، یا اللہ العالمین! ہمیں جب تک ہم زندہ ہیں احکام اسلام کا پابند بنا اور اے میرے مولیٰ! جب ہماری موت کا وقت آئے تو ایمان پر ہمارا خاتمہ فرما، یا اللہ العالمین! ہماری طرف سے امام ترمذی رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرما، ان کے درجات بلند فرما، اور تمام محدثین کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرما، اور ان کے درجات بلند فرما، یا اللہ العالمین! تمام فقہاء، محدثین، بزرگوں اور تمام دین کے کام کرنے والوں کو اے اللہ درجات عالیہ عطا فرما، اور اے میرے مولیٰ! ہم امتیوں کی طرف سے ہمارے اور آپ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جزائے خیر عطا فرما۔ اے اللہ! آپ پر بے پایاں رحمتیں نازل فرما، آپ کے درجات بلند فرما، آپ کی امت کو سرخ رو فرما، آپ کی امت کے ذریعہ آپ کا نام روشن فرما، یا اللہ! ہم تیرے حبیب کی امت ہیں، اپنے حبیب کے طفیل ہم پر رحم فرما، کرم فرما، احسان فرما، میرے مولیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين (آمین یا رب العالمین)



ترمذی شریف جلد ثانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. أما بعد.

جلد ثانی ابواب اللباس سے شروع ہونی چاہئے:

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ ترمذی شریف کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو جلدوں میں تقسیم نہیں کیا، کسی اور نے تقسیم کیا ہے، عرب ممالک میں جو ترمذی شریف چھپتی ہے وہ چار جلدوں میں منقسم ہے، ہمارے دیار میں دو جلدوں میں تقسیم کی گئی ہے، یہ تقسیم مصنف کی نہیں ہے کسی اور نے کی ہے اور جس نے بھی کی ہے اچھی تقسیم نہیں کی، جلد دوم ابواب اللباس سے شروع ہونی چاہئے، سورۃ الاعراف آیت ۳۱ میں ارشاد پاک ہے: ﴿يَذْنِبُنِي آدَمُ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ترجمہ: اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری پر اپنا لباس پہن لیا کرو (یہ ابواب اللباس ہوئے) اور کھاؤ (یہ ابواب الاطعمہ ہوئے) اور پیو (یہ ابواب الاشربہ ہوئے) اور حد سے مت نکو، اللہ تعالیٰ یقیناً حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے (یہ حفظانِ صحت کا اصول ہے) پس یہ تینوں کتابیں جلد دوم میں ایک ساتھ ہونی چاہئے تھیں۔

جلد دوم بھی جلد اول کی طرح اہم ہے:

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ ترمذی شریف کو دو جلدوں میں تقسیم کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جلد اول کے درس اور جلد ثانی کے درس کا انداز مختلف ہو گیا ہے، اب ایسا سمجھا جاتا ہے کہ جلد ثانی میں اہم مباحث نہیں، سارے اہم مباحث جلد اول میں گذر گئے ہیں، جلد ثانی بس برائے نام پڑھنی ہے، حالانکہ احادیث شریفہ موضوع دار ارشاد نہیں فرمائی گئیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے پہلے کتاب الطہارۃ کی حدیثیں بیان کی ہوں پھر نماز کی، پھر زکوٰۃ کی وہلم

جراً، بلکہ تیس سالہ زندگی میں ہدایت (راہنمائی) کا جو بھی موقع آیا اس میں نبی ﷺ نے ضروری باتیں بیان فرمائی ہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ جلد اول کے شروع میں آئی ہوئی کسی حدیث سے جلد ثانی کی بالکل آخری حدیث زیادہ اہم ہو، اس لئے جلد ثانی کو سرسری پڑھنے کا جو مزاج بن گیا ہے وہ غلط ہے، جس توجہ کے ساتھ جلد اول پڑھی جاتی ہے اسی اہمیت کے ساتھ جلد ثانی بھی پڑھنی چاہئے۔

ہاں یہ واقعہ ہے کہ احکام کی روایات کا چونکہ عمل سے قریبی تعلق ہے پھر ان میں مجتہدین میں اختلافات بھی ہوئے ہیں اس لئے ان کی تفصیلات زیادہ ہیں، مگر جلد ثانی کی احادیث کا بھی عمل سے تعلق ہے اور اس اعتبار سے تو ان کی اہمیت اور زیادہ ہے کہ ان کا تعلق تہذیب نفس سے ہے اور تعلیمات اسلامیہ کا بیشتر حصہ اسی جلد میں آیا ہے، دین کا خلاصہ پانچ باتیں ہیں: اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت، جلد اول میں صرف عبادات اور معاملات کا بیان ہے باقی تین باتیں جلد ثانی میں ہیں۔

نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ سنن جامع بھی ہے اور جامع وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں آٹھ مضامین کی حدیثیں ہوتی ہیں وہ آٹھ مضامین اس شعر میں جمع ہیں:

سیر، آداب و تفسیر و عقائد ﴿﴾ فتن اشراط و احکام و مناقب

ان آٹھ مضامین میں سے احکام و سیر کا تذکرہ جلد اول میں آیا ہے باقی چھ عناوین کی حدیثیں جلد ثانی میں ہیں، پھر یہ حصہ غیر اہم کیسے ہو سکتا ہے؟

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ جلد ثانی کی حدیثوں میں زیادہ تفصیل نہیں، مختصر طریقہ پر حدیثوں کو کا حق سمجھ لینا پھر ان پر عمل کرنا ہے، البتہ ایک ضروری کام جلد ثانی میں یہ ہے کہ جو حدیثیں مختصر اور جامع ہیں اور قیمتی نصاب پر مشتمل ہیں وہ حدیثیں طلبہ کو حفظ کرنی چاہئیں، مزید یہی طریقہ ہے، آگے جب میں باب پر تقریر کروں گا تو جو حدیث حفظ کرنی چاہئے اس کا متن لکھ کر شرح کروں گا، وہ حدیثیں خاص طور پر طلبہ کو یاد کرائی جائیں۔

اور ایک خاص بات یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ تفسیر سے تعلق رکھنے والی روایات صرف بخاری، ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہیں مگر بخاری شریف میں شرائط کی سختی کی وجہ سے روایتیں کم ہیں اور مستدرک حاکم پڑھائی نہیں جاتی اب صرف ترمذی شریف رہ جاتی ہے جس میں تفسیری روایات کا بڑا حصہ ہے پس وہ خاص توجہ سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔

مدارس اسلامیہ کی غرض و غایت تین چیزیں ہیں، قرآن، حدیث اور فقہ، قرآن دین کا سرچشمہ ہے، حدیث اس کی شرح ہیں اور فقہ دونوں کا خلاصہ ہے، پس سب سے زیادہ توجہ سرچشمہ پر دینی چاہئے، بخاری شریف میں تو روایات کم ہیں، مفردات کے معانی زیادہ ہیں جو قرآن کریم سامنے رکھے بغیر اور پوری آیت سمجھنے بغیر سمجھ نہیں جاسکتے، اس لئے بخاری شریف میں کتاب التفسیر بس سرسری پڑھائی جاتی ہے مگر ترمذی میں یہ حصہ توجہ سے پڑھانا چاہئے۔

نیز علوم شرعیہ کی ایک تقسیم اس طرح بھی جاسکتی ہے کہ کچھ احکام دنیا سے متعلق ہیں اور کچھ آخرت سے، جلد اول میں جو احکام ہیں ان کا زیادہ تر تعلق دنیا سے ہے یعنی وہ عملی احکام ہیں۔ اور جلد ثانی میں بھی کچھ عملی احکام ہیں مگر زیادہ تر باتیں آخرت سے تعلق رکھتی ہیں جیسے جنت و جہنم کا بیان، کتاب التفسیر، فضائل و مناقب کا بیان اور علم و عقائد کا بیان، یہ سب باتیں آخرت سے تعلق رکھتی ہیں، پس جلد ثانی کو سرسری پڑھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آخرت کے احکام نہیں سمجھے، اس لئے پہلے یہ ذہن بنالینا چاہئے کہ جلد ثانی بھی جلد اول ہی کی طرح اہم ہے، اور اس کو بھی پوری توجہ سے پڑھنا ہے واللہ الموفق۔

سنت کی دو قسمیں: سنن ہدیٰ اور سنن زوائد:

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ سنت کی دو قسمیں ہیں: سنن ہدیٰ اور سنن زوائد، سنن ہدیٰ کو چھوڑنا برا اور مکروہ ہے جیسے جماعت اور اذان و اقامت وغیرہ، اور سنن زوائد آداب کے درجہ کی چیزیں ہیں، ان کے ترک پر کوئی گناہ نہیں، جیسے نبی ﷺ کا کپڑے پہننے کا طریقہ، اور اٹھنے بیٹھنے کا انداز (شامی: ۷۶۱)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں علوم نبوی کی دو قسمیں کی ہیں: ایک: وہ حدیثیں ہیں جو حکم شرعی کے طور پر وارد ہوئی ہیں اس قسم میں چار قسم کی روایات شامل ہیں: ۱- معاد: یعنی آخرت سے تعلق رکھنے والی روایات ۲- احکامات شرعیہ یعنی عبادتوں اور ارتقاات سے تعلق رکھنے والی روایات ۳- مفید اور غیر مفید باتیں جن کا نہ کسی خاص وقت سے تعلق ہوتا ہے اور نہ ان کی حدود متعین کی جاتی ہیں جیسے اخلاق صالحہ اور اخلاق سیئہ ۴- اور اعمال صالحہ کے فضائل اور عاملین کے مناقب سے تعلق رکھنے والی روایات۔

دوسری قسم کی حدیثیں وہ ہیں جو دنیوی امور میں رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں اس قسم میں پانچ طرح کی روایات شامل ہیں: ۱- علاج و معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات ۲- امور عادیہ یعنی وہ روایات جن میں نبی ﷺ کے ایسے کاموں کا تذکرہ ہے جو آپؐ نے عادت کے طور پر کئے ہیں عبادت کے طور پر نہیں کئے، اتفاقاً کئے ہیں بالقصد نہیں کئے، جیسے چمڑے کے دسترخوان پر کھانا، لکڑی کے پیالہ میں پینا اور کھجور کے ریشے بھرے ہوئے بستر پر سونا ۳- مروجہ باتیں، یعنی وہ روایات جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں جس قسم کی باتیں سبھی لوگ کیا کرتے ہیں جیسے حدیث ام زرع ۴- ہنگامی ارشادات یعنی وہ روایات جن میں کوئی ایسی بات مذکور ہوتی ہے جس کا تعلق وقت کی خاص مصلحت سے ہوتا ہے وہ تمام امت کے لئے لازم نہیں ہوتیں ۵- کوئی خاص حکم اور فیصلہ جس کا مدار گواہیوں اور قسموں پر ہوتا ہے اگر وہ بدل جائیں یا ان سے قوی ذریعہ معلومات سامنے آجائے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ کی قسم دوم میں صرف پہلی قسم کی روایات کی شرح کی ہے اور دوسری قسم کی

روایات سے صرف نظر کیا ہے، ترمذی شریف جلد ثانی میں جو روایات ہیں ان کو سمجھتے وقت اس تقسیم کا لحاظ ضروری ہے، سب باتوں کو ایک درجہ کا قرار دینا مناسب نہیں، جو احکام شرعیہ ہیں وہ احکام ہیں اور دیگر باتیں از قبیل آداب ہیں۔

سنن ترمذی کا تعارف اور امام ترمذی کی اصطلاحات:

اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب کو سمجھنا ضروری ہے، حدیث شریف کی کتابوں میں یا تو صرف حدیثیں ہوتی ہیں یا عنوان میں مسائل فقہیہ بھی بیان کئے جاتے ہیں مگر امام ترمذیؒ کچھ اور باتیں بھی بیان کرتے ہیں مثلاً وہ راویوں کا تعارف کراتے ہیں، روایات پر جرح و تعدیل کرتے ہیں، اگر حکم شرعی میں اختلاف ہو تو مجتہدین کے اقوال ذکر کرتے ہیں اور روایات میں امتیاز کرتے ہیں، نیز وہ ہر حدیث پر حکم بھی لگاتے ہیں اور یہ آخری بات سب سے زیادہ اہم ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، کیونکہ کتاب میں قدم قدم پر اس سے سابقہ پڑتا ہے۔

امام ترمذی کی اصطلاحات سمجھنے کا بہترین طریقہ ان کی کتاب کا آزادانہ مطالعہ ہے:

قدیم زمانہ سے لے کر آج تک جو علماء امام ترمذی کی اصطلاحات پر بحث کرتے آئے ہیں وہ فن اصول حدیث کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرتے ہیں حالانکہ فن اصول حدیث چھٹی صدی میں تکمیل پذیر ہوا ہے، جب امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے اپنا مقدمہ لکھا، پھر امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا خلاصہ کیا اور تقریب لکھی، امام ترمذیؒ کی کتاب فن کی تکمیل سے تین سو سال پہلے لکھی گئی ہے پھر وہ فن کے تابع کیسے ہو سکتی ہے؟ امام ترمذیؒ کی اصطلاحات کو سمجھنے کا بہترین طریقہ ان کی کتاب کا آزادانہ مطالعہ ہے اور انھوں نے ترمذی شریف کے مقدمہ لاحقہ (کتاب العلل) میں جو اپنی اصطلاحات کی وضاحت کی ہے اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، نیز امام ترمذیؒ کے معاصر محدثین کی کتابوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے تبھی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے، اگر امام ترمذی کی اصطلاحات کو فن اصول حدیث کے تابع کیا جائے گا تو ایک ایسی چیتان بن جائے گی جو نہ سمجھنے کی ہوگی نہ سمجھانے کی۔

امام ترمذی کے زمانہ کی اصطلاحات اور حسن صحیح کے معنی:

امام ترمذی رحمہ اللہ کے زمانہ میں حدیث کی دو قسمیں تھیں: صحیح اور ضعیف موضوع کا شمار احادیث میں نہیں تھا نیز ابھی حسن کی اصطلاح وجود میں نہیں آئی تھی البتہ کچھ بڑے محدثین جیسے علی بن المدینی، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ جو رقیق العبارة تھے: لفظ صحیح استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی جگہ لفظ حسن بمعنی اچھی حدیث استعمال کرتے تھے، امام ترمذیؒ نے جب اپنی کتاب لکھی تو ان کے سامنے یہ دشواری پیش آئی کہ وہ ان دو اصطلاحوں میں سے کوئی اصطلاح استعمال کریں، اگر قدیم اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ اگر یہ نئی اصطلاح چل پڑی تو ان کے سب فیصلے ناقابل فہم ہو جائیں گے اور اگر نئی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اگر بعد میں یہ نئی اصطلاح نہ چلی تو بھی

پریشانی کھڑی ہوگی، اس لئے امام ترمذیؒ نے قدیم و جدید دونوں اصطلاحوں کو اکٹھا کیا، وہ اعلیٰ درجہ کی حدیثوں کے لئے حسنٌ صحیحٌ استعمال کرتے ہیں یعنی: حسنٌ فی اصطلاح قومٌ و صحیحٌ فی اصطلاح آخرین۔

ایک نئی اصطلاح: حدیثٌ حسنٌ:

اور اعلیٰ درجہ کی حدیثوں سے کم تر جو روایات تھیں ان کو اب تک جدا نہیں کیا گیا تھا، امام ترمذیؒ نے سب سے پہلے ان کو جدا کیا اور اس کے لئے نئی اصطلاح حسنٌ وضع کی، اور کتاب العلل میں فرمایا کہ جس حدیث میں تین باتیں ہوں وہ حدیث حسن یعنی اچھی حدیث ہے: ایک: سند میں کوئی راوی نہایت درجہ ضعیف نہ ہو، یعنی متہم بالکذب نہ ہو، معمولی ضعیف راوی کی حدیث حسن ہو سکتی ہے۔ دوم: وہ حدیث شاذ نہ ہو یعنی ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف نہ ہو، سوم: وہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو، جس حدیث کی سند میں یہ تینوں باتیں جمع ہوتی ہیں امام ترمذیؒ اس کو حسن کہتے ہیں۔

بعد میں حسن مستقل قسم بن گئی

بعد میں فن میں حسن مستقل قسم بن گئی، پھر اس کی دو قسمیں کی گئیں، حسن لذاتہ اور حسن لغيرہ، جس طرح صحیح کی دو قسمیں کی گئیں: صحیح لذاتہ اور صحیح لغيرہ، اور امام ترمذیؒ کی حسن دونوں قسموں کو شامل ہے اور حسن لذاتہ: صحیح سے قریب ہوتی ہے، صحیح کی تمام شرائط اس میں موجود ہوتی ہیں صرف راوی ضبط میں ہلکا ہوتا ہے، اور حسن لغيرہ ضعیف سے قریب ہوتی ہے اس کی ہر سند میں کلام ہوتا ہے مگر مجموعہ قوی ہو جاتا ہے، اس لئے وہ حدیث حسن کہلاتی ہے۔

غریب بمعنی ضعیف قدیم اصطلاح ہے اور منکر بھی:

اور ضعیف کے لئے دوسرا لفظ غریب بھی استعمال ہوتا تھا، امام ترمذیؒ نے ضعیف کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے اور غریب کی بھی بلکہ اگر کوئی حدیث نہایت درجہ ضعیف ہوتی ہے تو وہ اس کے لئے ”منکر“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہ اصطلاح بھی امام ترمذیؒ کے زمانہ میں رائج تھی، امام ابو داؤد نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی راویوں کی جرح میں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں اسی لئے امام ترمذیؒ نے غریب کے یہ معنی کتاب العلل میں بیان نہیں کئے کیونکہ یہ معنی معروف تھے۔

غریب کے تین نئے معانی:

البتہ غریب کا لفظ تین نئے معنی میں امام ترمذیؒ نے استعمال کیا ہے: ایک: بمعنی تفرد اسناد ہو وم: بمعنی متن میں یا حدیث میں کوئی زیادتی، سوم: کسی اسناد کی مخصوص حالت..... غریب کے یہ تینوں معانی نئے تھے اس لئے امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں مع امثلہ اس کی وضاحت کی ہے۔

غریب: صحیح اور حسن کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے:

اور غریب کے یہ تینوں نئے معانی حسنٌ صحیحٌ کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور صرف حسنٌ کے ساتھ بھی، کیونکہ حدیث کی ایک ہی سند ہو اور وہ اعلیٰ درجہ کی ہو: ایسا ہو سکتا ہے، اسی طرح حدیث میں کوئی زیادتی ہو اور وہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو: ایسا بھی ہو سکتا ہے، اور حدیث کسی خاص صحابی سے معروف نہ ہو مگر سند اعلیٰ درجہ کی ہو: ایسا بھی ہو سکتا ہے، اسی طرح کسی حدیث کی سند صحیح سے کم تر ہو اور ایک ہی سند ہو یا متن یا سند میں کوئی زیادتی ہو یا سند کی کوئی خصوصی حالت ہو، یہ سب باتیں حسن کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔

حسن کے معنی میں تجرید:

ہاں غریب بمعنی ضعیف ان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، اور جب صرف حسن کے ساتھ غریب بمعنی تفرّد اسناد جمع ہو تو حسن کے معنی میں تجرید کی جائے گی یعنی دُوِی مِنْ غَیْرِ وَجْہِ کی قید حسن میں سے ختم کر دی جائے گی۔

اور یاد رکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ غریب کے یہ تینوں معانی جو امام ترمذیؒ نے نئے بیان کئے ہیں ان کا رواج آگے نہیں چلا، بعد میں اتنی جزری کے ساتھ سندوں پر حکم لگانے کا سلسلہ باقی نہیں رہا یعنی حدیث کی سند ایک ہے یا زیادہ، متین میں یا سند میں کوئی زیادتی ہے یا نہیں، کسی خاص صحابی سے اس حدیث کی روایت میں کوئی انوکھا پن ہے یا نہیں، یہ سب باتیں بعد میں ملحوظ نہیں رکھی گئیں، اس لئے امام ترمذیؒ کی یہ اصطلاحات آپ کے ساتھ خاص ہو کر رہ گئیں۔

اسباب طعن اور امام ترمذی:

اصول حدیث کی کتابوں میں روایات پر دس اعتراضات کا ذکر ہے، پانچ راوی کی عدالت سے متعلق ہیں اور پانچ حفظ سے، اور وہ اعتراضات ہلکے بھاری ہیں، ان کا بیان کتاب العلل کی شرح (تحفۃ الأَلَمَعِ ۱: ۱۱۷) میں تفصیل سے آچکا ہے، یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ دس اعتراضات امام ترمذیؒ کے زمانہ میں تھے یا کم تھے؟ پھر ان میں ترتیب کیا تھی؟ یہ باتیں معلوم نہیں، ترمذیؒ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب اعتراضات اس زمانہ میں نہیں تھے ان میں سے بعض موٹے موٹے طعن تھے، سارے نہیں تھے واللہ اعلم

راویوں پر طعن میں سب سے بھاری اعتراض کذب کا ہے، پھر تہمت کذب کا، پھر فحش غلط کا۔ اگر یہ اعتراضات کسی راوی پر ہوتے ہیں تو امام ترمذیؒ کے نزدیک وہ حدیث حسن نہیں ہوتی، بلکہ غریب بمعنی ضعیف ہوتی ہے، یا منکر (ضعیف جداً) ہوتی ہے اور جو اعتراضات ان سے ہلکے ہوتے ہیں ان کے ساتھ حدیث حسن ہو سکتی ہے پس فن کی ہلکی ضعیف اور امام ترمذیؒ کی حسن دونوں جمع ہو سکتی ہیں، کیونکہ امام ترمذیؒ رحمہ اللہ حسن لذاتہ اور حسن لغيرہ دونوں پر حسن کا اطلاق کرتے ہیں، پس جو حضرات امام ترمذیؒ کی تحسین پر اعتراض کرتے ہیں جیسے امام نوویؒ تو یہ اعتراض امام ترمذیؒ

کی اصطلاحات کے پیش نظر صحیح نہیں۔

فن تدریجی طور پر تکمیل پذیر ہوتا ہے:

اور یہ بات تقریباً بدیہی ہے کہ ہر فن تدریجی طور پر پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، فن اصول حدیث کا بھی یہی حال رہا ہے، نیز جب کوئی فن شروع ہوتا ہے تو اس میں کچھ ایسی باتیں بھی شامل ہوتی ہیں جو بعد میں قابل قبول نہیں رہتیں، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبول حدیث کے لئے شہادت کو ضروری قرار دیتے تھے، مگر بعد میں یہ بات واضح ہوئی کہ گواہی معاملات میں لی جاتی ہے اور روایت حدیث: باب دیانت سے ہے پس اس کے لئے شہادت کی ضرورت نہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ اصول فن میں نہیں لیا گیا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم کھلاتے تھے مگر بعد میں یہ بات سمجھ میں آئی کہ قسم بھی معاملات میں کھلائی جاتی ہے اور روایت حدیث: باب دیانت سے ہے پس قسم لینے کے بھی کوئی معنی نہیں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اصول بھی فن میں نہیں لیا گیا۔

اور شروع میں مرسل روایتیں (بمعنی عام) اپنی تمام اقسام کے ساتھ حجت سمجھی جاتی تھیں حنفیہ اور مالکیہ ان کا اعتبار کرتے تھے، مگر بعد میں ان کی حجت پر اطمینان نہیں رہا، چنانچہ چند بڑے لوگوں کے مراسل مستثنیٰ کر کے باقی روایت کی مرسل روایات کو حجت نہیں سمجھا گیا یہ بات فن میں بعد میں بڑھی ہے۔

اسی طرح پہلے صحیح حدیثیں سب ایک ہی درجہ کی شمار ہوتی تھیں پھر ان کو دو حصوں میں بانٹا گیا: صحیح اور حسن، پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں کی گئیں: صحیح لذاتہ، صحیح لغيرہ، حسن لذاتہ اور حسن لغيرہ بلکہ صحیحین کے وجود میں آنے کے بعد صحیح کی اور طرح سے بھی درجہ بندی کی گئی، سب باتیں بعد میں فن میں بڑھی ہیں، امام ترمذیؒ کے زمانہ میں سرے سے حسن ہی کا وجود نہیں تھا آپ ہی نے سب سے پہلے حسن کی اصطلاح قائم کی ہے۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو عرض کی گئیں، باقی تفصیلات جلد اول کے شروع میں گزر چکی ہیں۔

أبوابُ الأَطْعَمَةِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

اشيائے خوردنی کا بیان

أطعمة: طعام کی جمع ہے، کھانی کی کوئی بھی چیز طعام ہے، اس کتاب میں اشیائے خوردنی کا بیان ہے اور اس کے ساتھ اس کے متعلقات بھی زیر بحث آئیں گے۔

کھانے پینے کے سلسلہ میں بنیادی بات طیب و خبیث کا فرق ہے، سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷ میں نبی ﷺ کے جو اوصاف خمسہ بیان کئے گئے ہیں ان میں ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ یعنی آپ ستھری چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام رکھتے ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ طیب اور خبیث کی کسوٹی کیا ہے؟ عربوں کا ذوق یا نبی ﷺ کا ذوق؟ احناف ذوق نبوی کا اعتبار کرتے ہیں اور ان کی دلیل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مسلم شریف کی حدیث (۱۹۴۸) ہے: نبی ﷺ نے جب گوہ کا گوشت نہیں کھایا بلکہ ہاتھ کھینچ لیا تو حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت خالد بن الولیدؓ اور ام خنیڈہؓ نے اس کو کھایا مگر حضرت میمونہؓ نے فرمایا: لَا أَكُلُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَيْءٌ يَأْكُلُ مِنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی میں تو وہی چیز کھاؤں گی جو رسول اللہ ﷺ کھائیں گے چنانچہ انھوں نے گوہ نہیں کھائی، انھوں نے ذوق نبوی کا لحاظ کیا۔ احناف بھی اسی کا لحاظ کرتے ہیں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے، آپ کی شریعت ساری دنیا کے لئے ہے، پس آپ کا ذوق تو ساری دنیا پر حجت ہو سکتا ہے، عربوں کا ذوق ساری دنیا پر حجت کیسے ہو سکتا ہے؟

اور ائمہ ثلاثہ عربوں کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں یعنی جس کو عرب ستھرا سمجھتے ہیں وہ حلال ہے اور جس کو عرب گندہ سمجھتے ہیں وہ حرام ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بجو کی حلت میں مشہور قول ہے کہ وہ برابر صفا مردہ کے درمیان بکتا ہے اور لوگ کھاتے ہیں پس وہ حلال ہے، معلوم ہوا کہ حضرت نے عربوں کے ذوق کا اعتبار کیا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کی کتابوں میں جگہ جگہ صراحت ہے کہ حلت و حرمت میں عربوں کے ذوق کا اعتبار ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی کا اعتبار کرتے ہیں، غرض یہ ایک ایسی بات ہے جس سے بعض حیوانات کی حلت و حرمت کا فیصلہ کرنے میں اختلاف ہو گیا ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایک طبعی کراہت (ناپسندیدگی) ہے اور ایک کسی چیز سے گھن کرنا ہے یعنی نفرت کرنا۔ اول: مزاج خاصہ کا تقاضہ ہو سکتا ہے مگر ثانی کو حلت و حرمت کا معیار بنانا ہوگا، ورنہ کوئی معیار باقی نہیں رہے گا مثلاً نبی ﷺ نے کبھی خرگوش کا گوشت پسند نہیں کیا یہ طبعی کراہت تھی، اس پر حلت و حرمت کا مدعا نہیں رکھا جائے گا، ہر شخص کو کچھ چیزیں پسند ہوتی ہیں اور کچھ ناپسند لیکن جب اللہ کے رسول کو کسی چیز سے گھن آئے یعنی وہ اس سے نفرت کریں تو اس کو حلال قرار دینا مشکل ہے۔

دوسری ہدایت کھانے پینے کے سلسلہ میں قرآن کریم نے یہ دی ہے کہ اسراف سے بچا جائے یعنی حسب ضرورت ہی کھایا جائے، حد سے زیادہ پیٹ بھر لینا بیماریوں کو دعوت دیتا ہے، اور یہ حکم حفظانِ صحت کے اصول سے دیا ہے، پس اگر لوگ اپنی صحت برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو حسب ضرورت کھائیں مگر یہ بات جوانی میں سمجھ میں نہیں آتی، بڑھاپے میں جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے: سمجھ میں آتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ عَلَى مَا كَانَ يَأْكُلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

نبی ﷺ کھانا کس چیز پر رکھ کر کھاتے تھے؟

کھانے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ کھانے کی اسلامی تہذیب یہ ہے کہ زمین پر صاف ستھرا دسترخوان بچھایا جائے پھر اس پر کھانا رکھا جائے اور نیچے بیٹھ کر کھایا جائے، اور لوگ ایک ساتھ ایک برتن میں کھائیں، علیحدہ علیحدہ کھانا اسلامی طریقہ نہیں، اور دسترخوان بچھانے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کھانا گر جائے تو وہ ضائع نہ ہو، دسترخوان نہیں ہوگا اور کھانا زمین پر گرے گا تو وہ سارا یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے گا، اور صاف ستھرے دسترخوان پر گرے گا تو اس کو اٹھا کر کھالیا جائے گا، کھانا ضائع نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھانا سلیقہ مندی کی بات بھی ہے، کھانا ہاتھ میں لے کر کھانا یا زمین پر رکھ کر کھانا بے تہذیبی ہے، اور علیحدہ علیحدہ پلیٹوں میں کھانا غیروں کا طریقہ ہے، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ ایک ساتھ کھانے کا تھا۔

ایک واقعہ: جب فخر الدین علی احمد ہندوستان کے صدر جمہوریہ تھے: دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے، میں اس زمانہ میں مدرس تھا انھوں نے خود دارالعلوم کو اطلاع دی تھی کہ وہ کھانا حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہ کے یہاں کھائیں گے، چنانچہ پولیس کھانے کا نظم و انتظام دیکھنے آئی کہ کہاں کھلایا جائے گا؟ کس طرح کھلایا جائے گا؟ کیا کھلایا جائے گا؟ وغیرہ امور جاننے کے لئے پولیس کے افسر آئے، یہ ان کی ذمہ داری تھی۔ حضرت مدنی نے اپنی بیٹھک دکھائی کہ یہاں زمین پر کھلاؤں گا، پولیس والوں کو اعتراض ہوا کہ صدر جمہوریہ نیچے بیٹھ کر کیسے کھائے گا؟ حضرت مدنی نے فرمایا: میرے یہاں یہی انتظام ہے آپ صدر جمہوریہ کو اطلاع کر دیں وہ پسند نہ کریں تو میں معذرت خواہ ہوں، چنانچہ یہ بات دہلی پہنچائی گئی وہاں سے جواب آیا کہ وہ جیسے کھلائیں ٹھیک ہے، پولیس پھر آئی کہ ہم کھانا چیک کریں گے حضرت مدنی نے فرمایا: شوق سے، مگر چیک کرنے اتنے نہ آئیو کہ کھانا ختم ہو جائے (وہ ہنس کر چلے گئے)

خیر صدر جمہوریہ آئے، مدرسہ نے ان کے استقبال میں جلسہ کیا، جلسہ کے بعد جب کھانے کے لئے چلے تو ہم اساتذہ بھی ساتھ تھے، جب بیٹھک پر پہنچے اور دسترخوان کا منظر دیکھا تو صدر صاحب نے یو، پی کے وزیر اعلیٰ تیواڑی سے فرمایا: ”تیواڑی جی! آئیے! آج ہماری تہذیب کے مطابق کھانا کھائیے“ ہماری تہذیب: یہ بہت اہم لفظ ہے، اسلام اور مسلمانوں کی اپنی ایک تہذیب ہے، آج مسلمان اپنی تہذیب بھول گئے وہ کھڑے کھاتے ہیں، بیٹھے، لیٹے اور ٹیک لگا کر کھاتے ہیں یہ سب افراط و تفریط ہے، خوش عیش لوگ افراط میں مبتلا ہیں، وہ میز کرسی پر کھانے لگے تاکہ کھاتے وقت جھکنا نہ پڑے، اور گنوار ہر طرح کھا لیتے ہیں، وہ دسترخوان بچھانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں

کرتے، یہ سب اسلامی تہذیب نہیں، مسلمان کو سلیقہ مند ہونا چاہئے، اور اسلامی تہذیب کے مطابق کھانا کھانا چاہئے۔ حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نان بائی تھا، اس مناسبت سے حضرت انسؓ نے حدیث سنائی۔ نبی ﷺ نے میز ٹیبل پر نہیں کھایا اور نہ آپؐ نے چھوٹی تشری میں کھایا، اور نہ آپؐ کے لئے چپاتی پکائی گئی، یونس اسراف (موچی) نے اپنے استاذ حضرت قتادہؓ سے پوچھا: پھر دور نبویؐ میں لوگ کس چیز پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے؟ حضرت قتادہؓ نے فرمایا: انہی چمڑے کے دسترخوانوں پر کھانا رکھ کر کھایا جاتا تھا۔

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں:

۱- میز ٹیبل پر کھانا رکھ کر کھانا اسلامی تہذیب نہیں، خوان: خاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے فصیح کسرہ ہے، یہ کس زبان کا لفظ ہے؟ یہ معلوم نہیں، قدیم زمانہ سے یہ لفظ عربی میں مستعمل ہے اور خوان کی شکل کیا تھی؟ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ تانبے کا بڑا تھاں ہوتا تھا اس کے نیچے تانبے کی کرسی ہوتی تھی، جو تھاں کے ساتھ چمکی ہوئی ہوتی تھی، کرسی کے پایوں کی لمبائی ایک ہاتھ ہوتی تھی یعنی وہ خوان زمین سے ایک ہاتھ اونچا ہوتا تھا، وہ چوکی کئی آدمی اٹھا کر خوش عیش لوگوں کے سامنے رکھتے تھے، پھر اس پر کھانا رکھ کر نیچے بیٹھ کر کھایا جاتا تھا، اور مقصد یہ تھا کہ کھاتے وقت جھکنا نہ پڑے، پھر جب غیروں نے لباس ایسا پہننا شروع کیا کہ ان کے لئے نیچے بیٹھنا دشوار ہو گیا تو انھوں نے نیچے بیٹھنے کے بجائے کرسی پر بیٹھنا شروع کیا اور وہ چوکی اور اونچی ہو گئی اور میز بن گئی، اس طرح میز کرسی پر کھانے کا رواج چل پڑا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا۔

اور الکوکب الدری میں ہے کہ خوان پر نہ کھانا اگر قصد تھا تو میز کرسی پر کھانا مکروہ ہے اور اگر اتفاقاً تھا تو میز کرسی پر کھانا مکروہ نہیں مگر اس کو پسندیدہ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یہ متکبرین کی وضع ہے، ہاں جہاں غیروں کے ساتھ تشبہ ہو وہاں مکروہ ہوگا۔

۲- نیز اسلامی تہذیب یہ ہے کہ لوگ مل کر کھائیں، علحدہ علحدہ پلیٹوں میں اور چھوٹی چھوٹی تشریوں میں کھانا ہندوانہ طریقہ ہے اور بے گانگی کی علامت ہے، اس سے برتن بہت خراب ہوتے ہیں اور دعوتوں میں تو کاغذ اور پلاسٹک کی پلیٹیں استعمال کرنی پڑتی ہیں یہ مال کا ضیاع ہے اگر لوگ مل کر کھائیں تو تھوڑے برتن استعمال ہونگے اور ان کا دھونا آسان ہوگا۔

۳- نبی ﷺ کے لئے چپاتی نہیں پکائی گئی، چپاتی باریک آٹے کی بنتی ہے اور دور نبویؐ میں چھلنی کا رواج نہیں تھا، جو پیس لئے جاتے تھے، پھر پھونک کر چھلکے اڑا دیئے جاتے تھے پھر اس کی روٹی پکائی جاتی تھی، غرض سادہ معاشرہ تھا، تنعم اور تعیش کا دور شروع نہیں ہوا تھا، آج بھی سادہ زندگی میں راحت ہے، تکلفات جتنے بڑھیں گے پریشانیاں بڑھیں گی۔

فائدہ: سورۃ النور میں ایک لمبی آیت ہے اس کا ایک ٹکڑا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا﴾ یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ، اس آیت سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ ایک دسترخوان پر الگ الگ پلیٹوں میں کھانا جائز ہے، حالانکہ اس طرح کھانا اشتاتاً نہیں ہے بلکہ متفرقین ہے اشتاتاً کے معنی آگے پیچھے کھانے کے ہیں، یعنی متفرق اوقات میں کھانا مراد ہے یعنی آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر ہے ان کے ساتھ کھانا بھی درست ہے اور ان سے آگے پیچھے کھانا بھی درست ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الأَطْعَمَةِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء عَلَى مَا كَانَ يَأْكُلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

[۱۷۸۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ يُونُسَ، عَنْ قَنَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ، وَلَا سُكْرُجَةٍ، وَلَا خُبْزٍ لَهُ مُرَقَّقٌ؛ فَقُلْتُ لِقَنَادَةَ: فَعَلَى مَا كَانُوا يَأْكُلُونَ؟ قَالَ: عَلَى هَذِهِ الشُّفْرِ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: يُونُسُ هَذَا: هُوَ يُونُسُ الْإِسْكَافِ، وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَنَادَةَ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ.

لغات: سُكْرُجَةٌ (س، ك اور د کا ضمہ اور د مشد د اور ج پر فتح) یہ بھی عربی لفظ نہیں، معلوم نہیں کس زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: چھوٹی تشری، رکابی، علماء نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک: چھوٹی تشریوں میں یا پیالیوں میں دسترخوان پر جو اچار چٹنی یا مربہ رکھا جاتا ہے وہ کٹوریاں مراد ہیں، دوم: چھوٹی چھوٹی پلیٹوں میں علیحدہ علیحدہ کھانا مراد ہے، میرے خیال میں یہ دوسرے معنی بہتر ہیں کیونکہ اچار چٹنی تو چھوٹی کٹوریوں ہی میں رکھی جائے گی، بڑے تھالوں میں نہیں رکھی جائے گی..... خَبْزَ (ض) خَبْزُ اِروثی پکانا..... مُرَقَّقٌ (اسم مفعول) پتلی بڑی چپاتی رَقَقَ الشَّيْءُ: پتلا کرنا..... الشُّفْرُ: سُفْرَةٌ کی جمع: کھانا لگا ہوا دسترخوان، اور مطلق دسترخوان کو بھی کہتے ہیں، خواہ وہ کسی چیز کا ہو اور چمڑے کے دسترخوان کو بھی کہتے ہیں۔

وضاحت: اس حدیث کی سند میں جو یونس ہیں وہ یونس اسکاف (موچی) ہیں ان کے والد ابوالفرات ہیں اور

یہ بصرہ کے رہنے والے تھے، ترمذی میں ان کی یہی ایک حدیث ہے، اسی طبقہ میں یونس بن عبید بھی ہیں ان سے بکثرت روایات مروی ہیں..... اور عبدالوارث کی سند سے روایت شامل ترمذی ص ۱۱۱ اور ترمذی جلد ثانی ص ۵۹ میں ہے..... باب کی روایت بخاری (حدیث ۵۳۸۶) میں ہے، اس کی سند میں جو یونس ہیں ان کو ابن عدی نے غیر مشہور اور ابن حبان نے غیوُ مُحْتَجِّج بہ قرار دیا ہے اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو صرف حسن کہا ہے۔

بابُ ماجاء فی أَكْلِ الْأَرْنَبِ

خرگوش کی حلت کا بیان

خرگوش چاروں ائمہ کے نزدیک حلال ہے، اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ سلف میں اختلاف تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (صحابی) حضرت عکرمہ (تابعی) اور ابن ابی لیلیٰ (مجتہد) مکروہ کہتے تھے، مگر بعد میں یہ اختلاف مضمحل (پاش پاش) ہو گیا، کیونکہ کراہت یا حرمت کی کوئی صحیح صریح روایت موجود نہیں۔ اور حلت کی صحیح اور صریح روایتیں موجود ہیں، البتہ شیعوں کا اختلاف اب بھی باقی ہے، ان کے نزدیک خرگوش حرام ہے، ابن بطوطہ نے قصہ لکھا ہے: وہ ایک بستی میں پہنچے، بستی والوں سے دعوت مانگی انھوں نے خرگوش بھیجا، قافلہ والوں نے اس کو ذبح کیا اور پکا کر کھایا تب گاؤں والوں کو اطمینان ہوا کہ وہ شیعہ نہیں، پھر انھوں نے سب کی دعوت کی۔

کراہیت کی روایات:

خرگوش کے سلسلہ میں تین ضعیف روایتیں ہیں جو کراہیت پر دلالت کرتی ہیں:

۱- نسائی میں روایت ہے کہ ایک بدو بھنا ہوا خرگوش لایا اور آپ کے سامنے رکھا، آپ نے ہاتھ روک لیا اور صحابہ کو کھانے کا حکم دیا اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر موسیٰ بن طلحہ کے شاگردوں میں سخت اختلاف ہے (نسائی حدیث ۲۳۲۱-۲۳۲۹) اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے، نیز اس میں صراحت ہے کہ آپ نے صحابہ کو کھانے کا حکم دیا، پس یہ حدیث ممانعت پر دلالت نہیں کرتی، زیادہ سے زیادہ آپ کی طبعی کراہیت پر دلالت کرتی ہے۔

۲- ابن ماجہ (حدیث ۳۲۳۵) میں حضرت خزیمہ بن جوحی روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے خرگوش کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: لَا أَكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ: میں نہ تو اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔ خزیمہ نے کہا: جب آپ اس کو حرام نہیں کہتے تو میں کھاؤں گا، پھر انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کیوں اس کو نہیں کھاتے؟ آپ نے فرمایا: نُبْتُ أَنَّهُا تَدْمَى، مجھے بتلایا گیا ہے کہ اسے حیض آتا ہے۔

تشریح: دَمِيَ الْجَوْحُ (س) دَمًا وَدَمِيًّا کے معنی ہیں: خون نکلنا اور نہ بہنا، اس حدیث کی سند میں عبدالکریم بن ابی الحارث ہے جو انتہائی ضعیف راوی ہے، پھر یہ بھی حرمت یا کراہت پر دلالت نہیں کرتی، نبی ﷺ کی ناپسندیدگی

پر دلالت کرتی ہے اور یہ ناپسندیدگی طبعی بھی ہو سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ حیض ہر اس جانور کو آتا ہے جو بچہ جنتا ہے اگر حیض نہ آئے تو ماں کے پیٹ میں بچہ کی پرورش کیسے ہو، لیکن حیض کا باہر نپکنا صرف انسانوں میں ہے، دیگر حیوانات میں حیض باہر نہیں نکلتا، پس یہ حرمت کی علت نہیں ہو سکتی، چنانچہ بعض لوگوں نے تَدْمِی کا دوسرا ترجمہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خرگوش کا گوشت پتلا ہوتا ہے، دھوتے جائیں خون نکلتا جائے گا آخر تک پانی صاف نہیں نکلے گا، پس یہ طبعی کراہت کی وجہ تو ہو سکتی ہے شرعی ممانعت کی وجہ نہیں ہو سکتی۔

۳- ابو داؤد (حدیث ۳۷۹۲) میں حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مکہ کے قریب صفاح مقام میں تھے، ایک شخص خرگوش شکار کر کے لایا اور اس نے آپؐ سے مسئلہ پوچھا: حضرت عبداللہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے پاس خرگوش لایا گیا در انحالیکہ میں موجود تھا پس نہ تو آپؐ نے کھایا اور نہ اس کے کھانے سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس کو حیض آتا ہے، اس حدیث کی سند میں محمد بن خالد مستور راوی ہے اور اس کا باپ خالد بن الحویرث بھی مضبوط راوی نہیں، اس لئے یہ حدیث بھی ضعیف ہے، نیز اس میں حرمت کی صراحت بھی نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا۔

اباحت کی روایات:

اور خرگوش کی حلت کی چار روایتیں ہیں:

۱- باب کی حدیث ہے یہ متفق علیہ روایت ہے (بخاری حدیث ۵۵۳۵، مسلم ۱۹۵۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پوتے ہشام بن زید کہتے ہیں: میں نے اپنے دادا حضرت انسؓ سے سنا، انھوں نے فرمایا: ہم نے مر الظہر ان میں ایک خرگوش بھگایا، صحابہ اس کے پیچھے دوڑے پس میں نے اس کو پالیا پس اس کو پکڑ لیا، پس میں اس کو اپنے سوتیلے باپ حضرت ابوطحہؓ کے پاس لایا، پس ابوطحہؓ نے اس کو سفید پتھر سے ذبح کیا پھر میرے ساتھ اس کی ران یا فرمایا اس کا کولہا نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپؐ نے اس کو نوش فرمایا۔ ہشام نے پوچھا: کیا آپؐ نے اس کو نوش فرمایا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قَبْلَہ: آپؐ نے اس کو قبول فرمایا (پہلے قبول کرنے کا جو لازمی نتیجہ تھا وہ بیان کیا پھر جب راوی نے جزی سے معلوم کیا تو فرمایا: قَبْلَہ: آپؐ نے اس کو قبول فرمایا)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ روایت بالمعنی کرتے تھے، اور مجازی تعبیر بھی استعمال کرتے تھے، چونکہ قبول کرنا کھانے کو مستلزم ہے اس لئے پہلے توسعاً حضرت انسؓ نے اُکھلے فرمایا (یہ مسئلہ باب میں بنیادی روایت ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح اور صریح روایت ہے)

۲- حضرت جابر کی حدیث ہے جو أبواب الصيد، باب فی الذبح بالمروءۃ میں گزر چکی ہے، وہ فرماتے ہیں: ان کی قوم کے ایک آدمی نے ایک یا دو خرگوش شکار کئے اور ان کو سفید پتھر سے ذبح کیا پھر دونوں کو کجاوے سے لٹکالیا

یہاں تک کہ نبی ﷺ سے ملاقات کی، پس آپ سے ان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو کھانے کا حکم دیا، اس روایت میں شععی کے تلامذہ میں اختلاف ہے، بعض تلامذہ اس کی سند حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں اور بعض محمد بن صفوان تک۔ اور امام ترمذی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ممکن ہے شععی نے دونوں سے روایت کی ہو۔

۳۔ وہی محمد بن صفوان کی روایت ہے جس کا تذکرہ اوپر آیا، یہ روایت ابن ماجہ (حدیث ۳۲۴۴) میں ہے: وہ دو خرگوش لے کر کجاوے سے لٹکا کر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے یہ دو خرگوش ملے ہیں، مگر ذبح کرنے کے لئے کوئی لوہا نہیں تھا، پس میں نے ان کو سفید پتھر سے ذبح کیا ہے تو کیا میں ان کو کھاؤں؟ آپ نے فرمایا: کھاؤ!

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جو دارقطنی (۲۹۱:۴) باب الصيد إلخ حدیث (۷۹) میں ہے، وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی خدمت میں خرگوش کا ہدیہ آیا، میں سوئی تھی، آپ نے میرے لئے اس کا پچھلا حصہ محفوظ رکھا، جب میں اٹھی تو مجھے کھلایا، یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں یزید بن عیاض ضعیف راوی ہے۔ خلاصہ: مذکورہ روایات کی وجہ سے ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ خرگوش حلال ہے کیونکہ حلت کی روایات صحیح بھی ہیں اور صریح بھی، اور حرمت یا کراہت کی جوتین وجوہ ہیں ان میں سے کوئی وجہ موجود نہیں، یعنی خرگوش نہ تو درندہ ہے نہ زمین کا کیڑا ہے اور نہ گندگی کھاتا ہے، پس وہ بلاشبہ حلال ہے۔

فائدہ: خرگوش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بزدل جانور ہے اور اس میں شہوت بہت زیادہ ہوتی ہے، یہ دو باتیں تو صحیح ہیں مگر یہ بات بھی لکھی ہے کہ وہ ایک سال نر اور ایک سال مادہ رہتا ہے، یہ بات بس ویسی ہی ہے، میری مسجد کے امام نے خرگوش پالے تھے ان میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی، پھر جب اس کے پاس خرگوش بہت ہو گئے تو اس نے ذبح کر کے کھلانے شروع کئے، میرے گھر بھی لایا، گھر والوں نے پکایا، مگر میں اس میں سے ایک بوٹی بھی نہیں کھا سکا، مجھے یاد آیا کہ نبی ﷺ کو وہ پسند نہیں تھا، پس میری طبیعت بھی نہیں چلی، یہ طبعی کراہت تھی، اس کا حلت و حرمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

[۲-] باب ماجاء فی اَکْلِ الأرنبِ

[۱۷۸۳-] حدثنا محمود بن غیلان، ثنا أبو داود، ثنا شعبه، عن هشام بن زيد، قال: سمعت أنسًا يقول: أنفجنا أرنبًا بمرّ الظهران، فسعى أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم خلفها، فأدركناها، فأخذتها، فأتيت بها أبا طلحة، ففجّحها بمرّوة، فبعث معي بفخذها أو: بورِكها إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فأكله، فقلت: أكله؟ قال قبله.

وفی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعَمَّارٍ، وَمُحَمَّدِ بْنِ صَفْوَانَ، وَيُقَالُ: مُحَمَّدُ بْنُ صَيْفِيٍّ؛ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا يَرَوْنَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ بَأْسًا، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الْأَرْنَبِ وَقَالُوا: إِنَّهَا تَذْمَى.

بابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الضَّبِّ

گوه کھانے کا بیان

گوه: چھپکلی جیسا ایک ریگنے والا جانور ہے، جو چھپکلی سے بڑا ہوتا ہے اور پہاڑوں اور درختوں کے تنوں کے سوراخوں میں رہتا ہے، گوه چھوٹی بھی ہوتی ہے اور بڑی بھی، چھوٹی کاٹی ہے اور بڑی کاٹی نہیں، بڑی دیوار سے مضبوط چپک جاتی ہے اس لئے چور وغیرہ اس کے ذریعہ فیصل پر چڑھتے ہیں، المنجد میں اس کا فوٹو ہے۔
گوه کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مختلف فیر اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گوه حلال ہے اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ یا حرام ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تو جواز کے قائل ہیں، اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اصح یہ ہے کہ گوه مکروہ تنزیہی ہے، اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہ نے العرف الشذی میں تحریر فرمایا ہے کہ جو احناف محدث ہیں وہ مکروہ تنزیہی (خلاف اولیٰ) کہتے ہیں اور جو احناف فقہاء ہیں وہ مکروہ تحریمی یعنی حرام کہتے ہیں، اور یہی قول مفتی بہ ہے، چنانچہ کوئی حنفی گوه نہیں کھاتا، اگر گھوڑے کی طرح مکروہ تنزیہی ہوتی تو کچھ لوگ ضرور کھاتے۔

حلت پر دلالت کرنی والی روایات:

اور گوه کے سلسلہ میں روایات بہت مختلف ہیں، جو روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے وہ حلت پر دلالت کرتی ہے، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو باب میں ہے، یہ روایت متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۵۵۳۶، مسلم حدیث ۱۹۴۳) ابن عمر فرماتے ہیں: نَبِیُّ ﷺ سے گوه کے بارے میں پوچھا گیا: آپؐ نے فرمایا: لَا أَكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ: میں نہ تو اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں، اور مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کے پاس چند صحابہ تھے اور گوه کا گوشت لایا گیا، ازواج مطہرات میں سے کسی نے آواز دے کر کہا: یا رسول اللہ! یہ گوه کا گوشت ہے، آپؐ نے فرمایا: كُلُوا فَإِنَّهُ حَلَالٌ، وَلَكِنَّهُ لَيْسَ مِنْ طَعَامِي: کھاؤ وہ حلال ہے مگر وہ میرے کھانے کی چیز نہیں۔

دوسری روایت: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، ان کی خالہ ام حفیدہ نجد سے گوه بھون کر لائیں، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں وہ آپؐ کے سامنے رکھی گئی، اور جب بھی آپؐ کے سامنے کوئی نیا کھانا پیش کیا جاتا تو آپؐ کو

بتلایا جاتا کہ یہ فلاں چیز ہے، چنانچہ جب آپؐ نے گوہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو گھر میں موجود عورتوں میں سے ایک نے کہا: نبی ﷺ کو بتلاؤ کہ تم نے آپؐ کے سامنے کیا رکھا ہے، چنانچہ عورتوں نے بتایا: یا رسول اللہ! یہ گوہ ہے، آپؐ نے ہاتھ اٹھالیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا گوہ حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا: لا ولکنہ لم یکن بأرض قومی فأجدنی أعافہ: گوہ حرام نہیں مگر وہ ہمارے علاقہ میں نہیں ہوتی اس لئے مجھے وہ پسند نہیں، حضرت خالدؓ کہتے ہیں: میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور میں اس کو کھاتا رہا اور نبی ﷺ میری طرف دیکھتے رہے یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۵۳۹۱، مسلم حدیث ۱۹۴۶)

حرمت پر دلالت کرنے والی روایات:

۱- اسماعیل بن عیاش: ضمضم بن زرعہ سے روایت کرتے ہیں، وہ شریح بن عبید سے، وہ ابوراشد خمرانی سے، وہ حضرت عبدالرحمن بن شبلؓ سے کہ نبی ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع کیا، یہ روایت ابوداؤد میں ہے (حدیث ۳۷۹۶) اور حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے، کیونکہ اسماعیل بن عیاش کی شامی اساتذہ سے روایتیں معتبر ہیں اور ضمضم حمصی (شامی) ٹھیک راوی ہیں۔

۲- دوسری روایت حضرت عبدالرحمن بن حسنہ کی ہے وہ کہتے ہیں: ہم ایک ایسے علاقہ میں پہنچے جہاں گوہ بہت تھیں اور ہم فاقہ سے تھے، چنانچہ ہم نے گوہ پکائی، ہماری ہانڈیاں ابل رہی تھیں کہ نبی ﷺ تشریف لائے، آپؐ نے پوچھا: کیا پک رہا ہے؟ ہم نے بتایا کہ گوہ پک رہی ہے، آپؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے کچھ لوگ جانوروں کی شکل میں مسخ کئے گئے تھے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ گوہ کی شکل میں مسخ کئے گئے ہوں، پس ہانڈیوں کو الٹ دو یعنی یہ گوشت ضائع کر دو (رواہ الطحاوی وغیرہ)

اور ان روایات کے علاوہ یہ بات طے ہے کہ نبی ﷺ نے گوہ کبھی نہیں کھائی اور مختلف موقعوں پر اس کی مختلف وجہ بیان فرمائی ہے:

(۱) کبھی فرمایا: ہمارے علاقہ میں گوہ نہیں ہوتی اس لئے مجھے پسند نہیں، یہ طبعی کراہت ہے جس پر حلت و حرمت کا مدار نہیں رکھا جاسکتا اور یہ وجہ اوپر آچکی ہے۔

(۲) اور کبھی فرمایا کہ شاید بنی اسرائیل کی ایک قوم اس جانور کی شکل میں مسخ کی گئی ہے، اور مسخ جب بھی ہوتا ہے حرام جانور کی شکل میں ہوتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور مسخ شدہ قوم کی نسل باقی نہیں رہتی، مگر وہ جانور جس کی شکل میں مسخ ہوتا ہے اس کی حرمت پر ضرور دلالت کرتی ہے (یہ بات مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے)

(۳) اور کبھی آپؐ کو گوہ سے گھن آئی، اس لئے آپؐ نے اس کو نوش نہیں فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

روایت میں صراحت ہے: تَرَكَ الصَّبَّ تَقْدَرًا (بخاری حدیث ۲۵۷۵، مسلم ۱۹۴۷، ابوداؤد حدیث ۳۷۹۳، نسائی حدیث ۴۳۱۹) یعنی آپؐ نے گھن آنے کی وجہ سے گوہ نہیں کھائی۔

(۴) اور کبھی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میرے پاس کسی بھی وقت فرشتہ آ جاتا ہے اس لئے میں اس کو نہیں کھاتا (کیونکہ اس میں بو ہوتی ہے)

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو مسکین کو گوہ دینے سے منع فرمایا، اگرچہ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ردی کجھور کے صدقہ کی ممانعت کی طرح ہے تاہم گوہ کا ردی طعام ہونا تو ثابت ہو گیا، اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ گھی روٹی کی آرزو کی، ایک صحابی یہ کھانا تیار کر کے لائے نبی ﷺ نے پوچھا: یہ گھی کس چیز میں تھا؟ انھوں نے کہا: گوہ کی پکتی میں، تو آپؐ نے فرمایا: یہ کھانا اٹھا لو، یعنی آپؐ نے اس گھی کو نہیں کھایا۔

خلاصہ بحث: یہ ہے کہ حلت کی روایات اصح مافی الباب ہیں اس لئے ائمہ ثلاثہ نے ان کو لیا ہے اور انھوں نے روایات میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ نبی ﷺ نے شروع میں مسخ کے احتمال کی وجہ سے ممانعت فرمائی، اور اسی زمانہ میں ہانڈیاں التوادیں، پھر آپؐ نے توقف فرمایا یعنی نہ کھایا اور نہ منع کیا، پھر آخر میں اس وقت اجازت دی جب یہ بات سامنے آئی کہ مسخ شدہ لوگوں کی نسل نہیں چلتی، مگر پھر بھی آپؐ اس کو نہ کھاتے تھے نہ حرام قرار دیتے تھے، پس اس کا کھانا جائز ہوا اور جس کو اس سے گھن آئے اس کے لئے نہ کھانا اولیٰ ہے اور جس کو گھن نہ آئے اس کے لئے کھانا جائز ہے (یہ تطبیق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۹: ۶۶۶) میں دی ہے)

احناف کی تطبیق: اور احناف کہتے ہیں: پہلے آپؐ نے اباحت اصلہ کی بنا پر اجازت دی، مگر گھن آنے کی وجہ سے خود نہیں کھائی اور نہ کھانے کی مختلف وجوہ بیان کیں، پھر آپؐ کو جواز میں تردد پیدا ہوا، پھر آخر میں آپؐ نے اس کی ممانعت کر دی، پس وہ حرام ہو گئی (یہ تطبیق بذل المجہود میں ہے)

اور حنفیہ نے اس تطبیق میں تین باتوں کو ملحوظ رکھا ہے:

۱- جب میخ اور محرم روایات میں تعارض ہوتا ہے تو احناف ہمیشہ محرم روایات کو ترجیح دیتے ہیں یعنی ان کو آخری حکم قرار دیتے ہیں کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، پس جب تک حکم شرعی نہیں آئے گا اباحت کا فیصلہ کیا جائے گا اور ممانعت کا مدار وحی پر ہوتا ہے اس لئے محرم کو ترجیح دی جائے گی، نیز احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ محرم کو ترجیح دی جائے کیونکہ ہر حلال چیز کا کھانا ضروری نہیں، البتہ ہر حرام چیز سے بچنا ضروری ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کا اصول اس کے برعکس ہے وہ ایسے تعارض کی صورت میں میخ کو ترجیح دیتے ہیں، معنی ابن قدامہ میں ائمہ ثلاثہ کے اس اصول کی صراحت ہے۔

۲- طیب اور خبیث کے سلسلہ میں احناف کے نزدیک نبی ﷺ کے ذوق کا اعتبار سے، اور آپؐ نے گوہ کبھی نہیں کھائی، معلوم ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے، پس وہی بات امت کے لئے بھی مناسب ہے جو آپؐ نے اپنے لئے پسند فرمائی ہے۔

۳- کتاب الحج میں ایک روایت گزری ہے کہ نبی ﷺ نے پانچ شریر جانوروں کو حرم میں مارنے کی اجازت دی، وہاں احناف نے تنقیح مناط کر کے حشرات الارض (زمین کے کیڑوں) کی حرمت ثابت کی ہے اور گوہ بھی زمین کا کیڑا ہے اس لئے اصول موضوعہ کے ماتحت ممانعت کی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے۔

ایک واقعہ: دارالعلوم دیوبند کا ایک ذہین طالب علم تھا جس کا نام مولوی احمد میرف سوڈانی تھا، جب وہ فارغ ہو کر جانے لگا تو مختصر التحلیل کی درودیر کی شرح کبیر کا حاشیہ دسوقی لایا، یہ چار جلدوں میں فقہ مالکی کی ضخیم کتاب ہے، میں نے اس کا باب المباح پڑھا، دوسرے دن جب احمد آیا تو میں نے کہا: احمد! تیری کتاب کا میں نے باب المباح پڑھا اور میں نے رات اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں خفی ہوں اگر میں مالکی ہوتا تو نہ معلوم مجھے کیا کیا کھانا پڑتا، اور اب میں تیرے یہاں کبھی مہمان نہیں آؤں گا، اللہ جانے تو مجھے کیا کیا کھلا دے گا، ہرن کے نام پر ہاتھی کھلا دے گا، اور مچھلی کے نام پر سانپ کھلا دے گا، اس لئے میں تیرے یہاں کبھی مہمان نہیں آؤں گا، وہ کہنے لگا: حضرت! میں صرف مرغی کھلاؤں گا، مجھے کہنا یہ ہے کہ فقہ خفی میں کھانے پینے کی چیزوں میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا مزاج عبادات اور کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط کا ہے، جہاں روایات میں اختلاف ہوتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ محرم کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ہر حلال چیز کا کھانا ضروری نہیں، ہاں ہر حرام چیز سے بچنا ضروری ہے۔

[۳-] باب ماجاء فی أكل الضَّبِّ

[۱۷۸۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ أَكْلِ الضَّبِّ؟ فَقَالَ: "لَا أَكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ"

وفی الباب: عَنْ عُمَرَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَثَابِتِ بْنِ وَدِيعَةَ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَسَنَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَقَدْ اختلفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي أَكْلِ الضَّبِّ: فَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ.

[۱۷۸۵-] وَيُرَوَّى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: "أَكَلَ الضَّبُّ عَلَى مَا نَدَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّمَا تَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْدَرًا."

وضاحت: یہ آخری حدیث جو بغیر سند کے ہے وہ متفق علیہ روایت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الضَّبُعِ

بَجُو يَالْكُرْ بَهْكَ كُوكْهَانَا

لغت والے ضَبُع کے دو ترجمے کرتے ہیں: ایک: گفتار یعنی بجو، دوسرا: لکڑ بھگا: جو بھیڑیے کی قسم کا ایک جنگلی جانور ہوتا ہے اور بجو: ایک قسم کا گوشت خور جانور ہے جو قبر کھود کر مردے نکال کر کھا جاتا ہے وہ دن مہربل میں گھسا رہتا ہے اور رات کو باہر نکلتا ہے، اس کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں، المنجد میں ضَبُع (بجو) ذئب (بھیڑیا) اور ثَعْلَب (لومڑی) کے فوٹو ہیں۔

بجو حلال ہے یا حرام: امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک حرام ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے، امام شافعی فرماتے ہیں: لوگ برابر اسے کھاتے ہیں اور بغیر نکیر وہ صفا و مروہ کے درمیان کہتا ہے۔
بجو کے سلسلہ میں احادیث میں اختلاف ہے جو روایت صحیح ہے مگر صریح نہیں: وہ حلت پر دلالت کرتی ہے، اور جو روایت ضعیف ہے مگر صریح ہے: وہ حرمت پر دلالت کرتی ہے، یہ دونوں روایتیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب میں ذکر کی ہیں، نیز ایک عام حدیث بھی ہے جو صحیح ہے اس سے بھی حرمت کی تائید ہوتی ہے۔

پہلی روایت: جو حلت پر دلالت کرتی ہے، جو امام ترمذی نے باب میں لکھی ہے، وہ کتاب الحج (باب ۲۸) تحتہ الامعی (۳: ۲۳۹) میں گذر چکی ہے: ابن عمار کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا بجو شکار ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا میں اس کو کھاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا یہ بات نبی ﷺ نے فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: اس حدیث میں اَقَالَہ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ مجوکا شکار ہونا یا اس کا حلال ہونا؟ دو امام کہتے ہیں: ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے پس اس حدیث سے بجو کی حلت ثابت ہوتی ہے اور دو امام کہتے ہیں: مرجع بجوکا شکار ہونا ہے پس اس سے حلت ثابت نہیں ہوتی (تفصیل آگے آرہی ہے)

دوسری روایت: جو حرمت پر دلالت کرتی ہے وہ حضرت خزیمہ بن جزمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بجو کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: أَوْ يَأْكُلُ الضَّبُعُ أَحَدًا؟ کیا بجو کو بھی کوئی کھاتا ہے؟ پھر انھوں نے بھیڑیے کے بارے میں سوال کیا: آپ نے فرمایا: أَوْ يَأْكُلُ الذَّنْبُ أَحَدًا فِيهِ خَيْرٌ! کیا بھیڑیے کو بھی کوئی بھلا مانس کھاتا ہے! یہ حدیث بجو اور بھیڑیے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، بڑے دو اماموں نے اس حدیث کو لیا ہے کیونکہ ایک حدیث عام سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ حدیث عام یہ ہے: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللہ علیہ وسلم عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ: ہر چکی دار درندے کے کھانے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا (رواہ مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۴۱۰۵) اور بجو چکی دار درندہ ہے، پس وہ حرام ہے۔

تشریح: پہلی حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسنٌ صحیحٌ کہا ہے، مگر اس کی سند میں تھوڑا کلام ہے، ابن جریج اس کی سند حضرت جابرؓ تک پہنچاتے ہیں اور جریر بن حازم حضرت عمرؓ تک پھر ابن جریج اس کو نبی ﷺ کا ارشاد قرار دیتے ہیں اور جریر حضرت عمرؓ کا، یعنی یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں اور امام ترمذی نے ابن جریج کی سند کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ ابن ماجہ میں ان کے متابع اسماعیل بن امیہ ہیں، اور جریر کا کوئی متابع نہیں۔

مگر یہ حدیث باب حلت میں صریح نہیں کیونکہ اس حدیث میں دو مسئلے ہیں: ایک: بجوشکار ہے اور اس میں جزا ہے یہ بات یقیناً مرفوع ہے یعنی حضور ﷺ کا ارشاد ہے، دوسری: بجو کھانا جائز ہے، یہ حضرت جابرؓ کا اجتہاد ہے یعنی بجو چونکہ شکار ہے اس لئے حلال ہے، اور نعم کا تعلق پہلی بات سے ہے دوسری بات سے نہیں اور اس کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے (نمبر ۳۸۰۱) اس میں صرف پہلا مسئلہ ہے یعنی بجوشکار ہے اور اس کو کوئی محرم مارے تو اس میں ایک مینڈھا واجب ہے، دوسرا مضمون ابوداؤد کی روایت میں نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ حضرت جابرؓ کا اجتہاد ہے۔ اور حضرت جابرؓ نے یہ بات: ﴿حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا ذُكِّنْتُمْ حُرْمًا﴾ سے سمجھی ہے یعنی تمہارے لئے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں ہوؤ (المائدہ آیت ۹۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر احرام کی حالت نہ ہو تو خشکی کا شکار حلال ہے اور بجو کو چونکہ نبی ﷺ نے شکار قرار دیا ہے اس لئے وہ حلال ہے۔

مگر حضرت جابرؓ کا یہ اجتہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے معارض ہے، موطا محمد میں روایت ہے: حضرت علیؓ نے فرمایا: گوہ اور بجو کھانا جائز نہیں، اور حضرت علیؓ کے اس قول کی تائید حدیث عام سے ہوتی ہے کہ ہر چکی دار درندہ حرام ہے، اور آیت پاک میں صید بمعنی اصطیاد: شکار کرنا ہے، کھانے کی حلت و حرمت کا اس میں بیان نہیں۔

اور حرمت پر دلالت کرنے والی روایات میں دو راوی ضعیف ہیں: اسماعیل بن مسلم اور عبد الکریم بن ابی امیہ مگر چونکہ حدیث عام سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لئے دو بڑے اماموں نے بجو کو حدیث عام کے تحت داخل کر کے حرام قرار دیا ہے، حرمت کا مدار اس ضعیف روایت پر نہیں رکھا۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ حلت پر دلالت کرنے والی کوئی اعلیٰ درجہ کی صحیح صریح حدیث موجود نہیں اور حرمت کے سلسلہ میں جو عام ضابطہ ہے: ضعیف صریح روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اور جب محرم و میح جمع ہو جاتے ہیں تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے بڑے دو اماموں کے نزدیک بجو حرام ہے۔

ملفوظ: کتاب الحج میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بجو کی حلت کا قول لکھا گیا ہے وہ صحیح نہیں، بجو صرف چھوٹے دو اماموں کے نزدیک حلال ہے۔

[۴-] باب ماجاء في أَكْلِ الضَّبْعِ

[۱۷۸۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ: قُلْتُ لِجَابِرٍ: الضَّبْعُ أَصِيدٌ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: أَكْلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: أَقَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا، وَلَمْ يَرَوْا بِأَسَا بِأَكْلِ الضَّبْعِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَرَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الضَّبْعِ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِي، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الضَّبْعِ، وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ.

قَالَ يَحْيَى الْقَطَّانُ: وَرَوَى جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عُمرَ قَوْلَهُ، وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ أَصَحُّ.

[۱۷۸۷-] حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ، عَنْ حَبَّانَ بْنِ جَزْءٍ، عَنْ أَخِيهِ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزْءٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الضَّبْعِ؟ قَالَ: "أَوْ يَأْكُلُ الضَّبْعَ أَحَدٌ؟" وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَكْلِ الدَّنْبِ؟ فَقَالَ: "أَوْ يَأْكُلُ الدَّنْبَ أَحَدٌ فِيهِ خَيْرٌ؟"

هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِي، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي إِسْمَاعِيلَ، وَعَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ، وَهُوَ عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ قَيْسٍ، هُوَ ابْنُ أَبِي الْمُخَارِقِ، وَعَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ مَالِكٍ الْجَزَرِيُّ ثِقَةٌ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے، پھر فرمایا ہے کہ بعض اہل علم اس روایت کی طرف گئے ہیں، ان کے نزدیک بگو کے کھانے میں کوئی تنگی نہیں، اور یہ احمد و اسحاق کا قول ہے (امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے) اور نبی ﷺ سے بگو کھانے کی کراہیت کی بھی ایک روایت ہے مگر اس کی سند قوی نہیں (یہ حضرت خزیمہ کی روایت ہے جو آگے آرہی ہے) اور بعض اہل علم بگو کھانے کو مکروہ کہتے ہیں اور یہ ابن المبارک کا قول ہے (یہی رائے دو بڑے اماموں کی ہے) اور یحییٰ قطان نے فرمایا: جریر بن حازم نے یہ حدیث روایت کی عبد اللہ سے، انھوں نے ابن ابی عمار سے، انھوں نے حضرت جابرؓ سے، انھوں نے حضرت عمرؓ سے ان کا قول (یحییٰ قطان کی یہ روایت صرف ترمذی میں تعلیقاً ہے) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ابن جریج کی روایت اصح ہے (کیونکہ ان کے متابع اسماعیل بن امیہ ابن ماجہ میں ہیں، اور جریر کا کوئی متابع نہیں) پھر خزیمہ بن جزء کی روایت لکھی ہے پھر فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں، اسماعیل بن مسلم سے آخر تک اس کی یہی ایک سند ہے، اور بعض اہل علم نے

اسماعیل اور عبدالکریم پر جرح کی ہے اور اس راوی کا پورا نام عبدالکریم بن قیس ہے، یہی راوی ابن ابی الخارق بھی کہلاتا ہے (اور وہ ضعیف ہے) اور ایک دوسرا راوی عبدالکریم بن مالک جزری ہے وہ ثقہ ہے (یہ تمیز ہے) ملحوظہ: ہندوستانی نسخوں میں یحییٰ بن القطان ہے اور مصری نسخہ میں ابن نہیں ہے اور وہی صحیح ہے کیونکہ قطان: یحییٰ کی صفت ہے، وہ ابن کے والد نہیں ہیں، ان کے والد کا نام سعید ہے، مصری نسخہ سے تصحیح کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ لُحُومِ الْخَيْلِ

گھوڑے کے گوشت کا حکم

مذہب فقہاء: جمہور یعنی امام شافعی، امام احمد اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت بغیر کراہت کے جائز ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں حلت کا قول بھی ہے اور کراہیت کا بھی، مگر فاکہی نے جو مالکی فقیہ ہیں مکروہ تحریمی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے، پھر اختلاف ہے کہ کراہت کیسی ہے؟ تحریمی یا تنزیہی؟ اور لعینہ ہے یا غیر؟ صحیح قول یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے اور غیرہ ہے یعنی اس لئے مکروہ ہے کہ آلہ جہاد کم نہ ہو جائے، علامہ کشمیری قدس سرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور در مختار میں ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے کراہت کے قول سے رجوع کر لیا ہے مگر مشہور کراہت ہی کا قول ہے۔ اور گھوڑے کے سلسلہ میں روایتوں میں اختلاف ہے، دو روایتیں جو اعلیٰ درجہ کی صحیح اور صریح ہیں اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور ایک روایت جو متکلم فیہ ہے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

اباحت پر دلالت کرنے والی روایات درج ذیل ہیں:

پہلی روایت: متفق علیہ ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَطْعَمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُومَ الْخَيْلِ، وَنَهَانَا عَنْ لُحُومِ الْحُمْرِ، نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے ہمیں گھوڑوں کا گوشت کھلایا یعنی اس کے کھانے کی اجازت دی اور گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا یعنی اس کو حرام قرار دیا، اور بخاری و مسلم میں اس کی صراحت ہے کہ یہ اجازت جنگ خبیر کے موقع پر دی تھی (بخاری حدیث ۴۲۱۹ مسلم حدیث ۱۹۴۱)

اور دوسری روایت: بھی متفق علیہ ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے نبی ﷺ کے زمانہ میں مدینہ میں گھوڑا ذبح کیا، پس ہم نے اس کو کھایا (بخاری حدیث ۵۵۱۰، مسلم حدیث ۱۹۴۲)

اور حرمت پر دلالت کرنے والی روایت ابو داؤد میں ہے۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا (ابوداؤد حدیث ۳۷۹۰، نسائی حدیث ۴۳۳۱، ابن ماجہ حدیث ۳۱۹۸) اس کی سند میں بقیہ بن الولید ہے جو مشہور ضعیف راوی ہے، نیز اس حدیث کو مقدم بن

معد مکرب کے پوتے صالح بن یحییٰ عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کرتے ہیں جن کے بارے میں خطابی کہتے ہیں: لَا يُعْرَفُ سَمَاعٌ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ: بعض روایات کا بعض سے سماع معلوم نہیں۔ اور اس حدیث میں مسند احمد (۸۹:۴) میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ممانعت غزوہ خیبر کے موقع پر فرمائی تھی، اب بات الجھگئی، حضرت جابر کہتے ہیں: غزوہ خیبر کے موقع پر آپؐ نے گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی اور حضرت خالدؓ کہتے ہیں: ممانعت فرمائی، اور حضرت خالدؓ کب مسلمان ہوئے ہیں خیبر سے پہلے یا بعد میں؟ اس میں اختلاف ہے، علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں اور واقعہ دی رحمہ اللہ کہتے ہیں: خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں، نیز خیبر میں وہی صحابہ شریک ہوئے تھے جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے اور حضرت خالدؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پس ان کے خیبر میں ہونے کی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، پھر حضرت خالدؓ ہمیشہ امیر لشکر رہے ہیں اس لئے ممکن ہے ان کو ممانعت اس لئے کی ہو کہ آلہ جہاد کم نہ ہو جائے۔ اور ایک حدیث میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، بہر حال ان وجوہ سے امام اعظم رحمہ اللہ نے یا تو کراہت کے قول سے رجوع کر لیا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے یا یہ ممانعت لغیرہ ہے اور کراہت بمعنی خلاف اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

[۵-] باب ماجاء فی أَكَلِ لَحُومِ الْخَيْلِ

[۱۷۸۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَطْعَمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحُومَ الْخَيْلِ، وَنَهَانَا عَنْ لَحُومِ الْحُمُرِ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ أَبُو عَيْسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، وَرَوَى حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرٍ، وَرِوَايَةُ ابْنِ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ أَحْفَظُ مِنْ حَمَادِ بْنِ زَيْدٍ.

لغت: طَعَمَهُ (س) کھانا، أَطْعَمَهُ غَيْرَهُ: کھلانا۔

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں پھر ان سے سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں، یہ سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اس حدیث کو حماد بن زید بھی عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؓ سے۔ امام ترمذیؒ نے ابن عیینہ کی روایت کو اصح قرار دیا ہے یعنی سند میں امام باقر کا واسطہ نہیں۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ابن عیینہ: حماد سے احفظ ہیں۔ مگر امام ترمذیؒ کا یہ فیصلہ دوسرے محدثین نے تسلیم نہیں کیا، بخاری و مسلم اور نسائی میں واسطہ والی روایت لی گئی

ہے (دیکھیں بخاری حدیث ۴۲۱۹، مسلم حدیث ۱۹۴۱) پس دونوں روایتیں صحیح ہیں واسطہ والی بھی اور بغیر واسطہ والی بھی، واسطہ والی مزید فی متصل الاسناد ہے، یعنی عمرو بن دینار حضرت جابر سے براہ راست بھی روایت کرتے ہیں اور اپنے خواجہ طاش امام باقر سے بھی روایت کرتے ہیں، پس دونوں حدیثیں صحیح ہیں..... امام باقر کا نام محمد، لقب: باقر، کنیت ابو جعفر اور والد کا نام علی زین العابدین ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور امام باقر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ

گدھوں کے گوشت کا حکم

چاروں ائمہ متفق ہیں کہ گدھا حرام ہے، البتہ مالکیہ کے یہاں تین روایتیں ہیں، ایک روایت کراہیت کی بھی ہے۔ حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنگ خیبر کے موقع پر نبی ﷺ نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا (اس کا بیان کتاب النکاح باب ۲۷ میں گذر چکا ہے) اور گدھوں کے گوشت سے بھی منع فرمایا۔ تشریح: یہ حدیث حضرت علیؓ سے ان کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ روایت کرتے ہیں، پھر ان سے ان کے صاحبزادے عبد اللہ اور حسن روایت کرتے ہیں، پھر ان سے امام زہری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، ان دونوں صاحبزادوں میں پسندیدہ راوی کونسا ہے؟ اس میں روایات مختلف ہیں، زہری کے شاگرد سفیان بن عیینہ کے تلمیذ سعید بن عبد الرحمن مخزومی کا بیان ہے کہ امام زہری نے فرمایا: دونوں میں پسندیدہ راوی حسن ہے، اور سعید کے علاوہ ابن عیینہ کے دوسرے تلامذہ امام زہری کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ دونوں میں پسندیدہ عبد اللہ ہے، مگر مسند احمد میں حضرت سفیان کا یہ قول ہے کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ حسن ہے، اور عبد اللہ تو سبائی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اور امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ کبیر میں بھی یہی ہے کہ دونوں میں مضبوط راوی حسن ہے۔

حدیث (۲): ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر ہر کچلی دار درندے کو حرام قرار دیا، اور جثمہ کو اور پالتو گدھے کو حرام قرار دیا۔

تشریح: کچلی دار درندوں کی حرمت کا بیان کتاب الصيد باب ۱۰ میں گذر چکا ہے اور جثمہ وہ پرندہ وغیرہ ہے جس کو باندھ کر چاند ماری کی جاتی تھی اور وہ تیر کھا کر ڈھیر ہو جاتا تھا اس کا بیان بھی کتاب الصيد باب ۸ میں گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں جن کا باب میں حوالہ ہے، یہ تمام روایات گدھے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔

البتہ ایک روایت جو ابو داؤد (حدیث ۳۸۰۷) میں ہے وہ حلت پر دلالت کرتی ہے، غالب بن ابجرؓ کہتے ہیں: ہم قحط سالی سے دو چار ہوئے، میرے پاس کوئی ایسا مال نہیں تھا جو میں اپنے گھر والوں کو کھلاؤں، ہاں کچھ گدھے تھے مگر

نبی ﷺ نے گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا تھا پس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں قحط سالی پہنچی ہے اور میرے مال میں کوئی ایسا مال نہیں جو میں اپنے گھر والوں کو کھلاؤں، ہاں چند فرہ گدھے ہیں مگر آپ نے پالتو گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا ہے پس آپ نے فرمایا: **أَطْعِمُوا أَهْلَكُمْ مِنْ سَمِينِ حُمْرِكُمْ، فَإِنَّمَا حَرَّمْتُهَا مِنْ أَجْلِ جَوَالِ الْقَرْيَةِ**: اپنے فرہ گدھوں میں سے اپنے گھر والوں کو کھلاؤ، میں نے ان کو حرام صرف اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ گاؤں کے باہر گھومتے رہتے ہیں اور گندگی کھاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسبابہ (۱۸۱:۳) میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں بہت زیادہ اختلاف ہے، نیز حافظ نے فتح الباری (۶۵۶:۹) میں فرمایا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، اور متن شاذ ہے کیونکہ وہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، پس اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، نیز یہ تاویل بھی ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو بھوک مری کی وجہ سے گدھے کھانے کی اجازت دی ہو اور تحریم کی وجہ بیان کی ہے کہ وہ گندگی کھاتے ہیں یہ علت عام ہو اور اجازت عارض کی وجہ سے ہو یہ بات ممکن ہے، پس اس سے گدھے کی مطلق حلت ثابت نہیں ہوتی۔

فائدہ: خچر کا کیا حکم ہے؟ اس کا حکم اس کی ماں کے تابع ہے، اگر خچر: گدھے اور گھوڑی سے پیدا ہوا ہے تو حلال ہے اور اگر گھوڑے اور گدھی سے پیدا ہوا ہے تو حرام ہے، اسی طرح اگر گدھے اور گائے سے پیدا ہوا ہے تو بھی حلال ہے، درمختار: خطر و اباحہ کے باب اول کے آخر میں یہ مسئلہ ہے، حیوانات میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جانور حلت و حرمت میں ماں کے تابع ہوتا ہے اور جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم دودھ کا ہے، پس گھوڑی کا دودھ حلال ہے کیونکہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔

ملحوظہ: خچروں کی نسل نہیں چلتی ان کی مادہ بانجھ ہوتی ہے، وہ دو غلے ہی ہوتے ہیں یعنی دو نسلیں مل کر ہی وجود میں آتے ہیں۔

[۶-] باب ماجاء فی لُحُومِ الْحُمْرِ الْأَهْلِيَّةِ

[۱۷۸۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ح: وَثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدٍ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِمَا، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُتَعَةِ النِّسَاءِ زَمَنَ خَيْبَرَ، وَعَنْ لُحُومِ الْحُمْرِ الْأَهْلِيَّةِ.

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدٍ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَكَانَ أَرْضَاهُمَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَقَالَ غَيْرُ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ

الرَّحْمَنِ، عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ، وَكَانَ أَرْضَاهُمَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ.

[۱۷۹۰-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ، وَالْمُجْتَمَةِ، وَالْحِمَارِ الْإِنْسِيِّ.

وفى الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَجَابِرٍ، وَالْبَرَاءِ، وَابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَأَنَسٍ، وَالْعُرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، وَأَبِي ثَعْلَبَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَرَوَى عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَغَيْرُهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو هَذَا الْحَدِيثَ، وَإِنَّمَا ذَكَرُوا حَرْفَ وَاحِدًا: "نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ"

وضاحت: محمد بن عمرو کے شاگرد زائدہ کی روایت میں تین مضمون ہیں اور عبدالعزیز وغیرہ کی سند میں ایک مضمون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ فِي آيَةِ الْكَفَّارِ

کفار کے برتنوں میں کھانے کا حکم

یہ مسئلہ پہلے دو مرتبہ گذر چکا ہے، أبواب الصيد کے پہلے باب میں ضمناً آیا ہے، پھر أبواب السیر میں باب ماجاء فی الانتفاع بآئینۃ المشرکین میں آیا ہے۔ کفار کے دھات کے برتنوں کا تو کوئی مسئلہ نہیں، ان کو دھو کر استعمال کر سکتے ہیں، اور مٹی اور لکڑی کے برتن جو مظروف کو چوستے ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ناپاکی میں مستعمل نہ ہوں تو دھونے سے پہلے ان کا استعمال مکروہ ہے اور دھونے کے بعد کوئی کراہیت نہیں، کیونکہ وہ پاک ہیں اور جو برتن ناپاکی میں استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں شراب پی جاتی ہے یا خنزیر یا مردار پکایا جاتا ہے ان کو دھونے سے پہلے استعمال کرنا جائز نہیں، اور دھونے کے بعد مجبوری میں استعمال کر سکتے ہیں..... اور ان کے کپڑے اور ان کا پانی پاک ہے، جیسے مسلمانوں کے کپڑے اور پانی پاک ہے لیکن اگر وہ لوگ ناپاکی سے نہ بچتے ہوں تو ان کا استعمال جائز نہیں، اور معلوم نہ ہو تو پاک ہیں۔

ایک واقعہ: میں جب راندیر میں تھا تو فجر کی اذان کے بعد تفریح کے لئے لٹکاتا تھا، گھر میں پان دان تھا، مگر راستہ میں ایک ہندو کی پان کی دوکان کھل جاتی تھی، اس لئے ہمیشہ اس کے یہاں سے پان کھا کر آگے بڑھتا تھا، ایک دن میں نے بہت دور سے دیکھا: ایک گائے دوکان کے سامنے سے گذری، دوکاندار ایک لٹیا لے کر اتر ا اور گائے کے پیچھے کچھ بٹن دبایا، اس نے پیشاب شروع کیا، دوکاندار نے وہ پیشاب لٹیا میں لیا اور کچھ چونے میں ڈالا اور کچھ کھتے

میں اور باقی دوکان میں چھڑکا، اس دن سے میں کسی ہندو کی دوکان سے لکویڈ نہیں کھاتا، کیونکہ جس قوم کے نزدیک گائے کا پیشاب تبرک ہے، وہ معلوم نہیں اس کا استعمال کس کس چیز میں کرے گی۔

حدیث (۱): حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے مجوس (آتش پرستوں) کی (مٹی کی) ہانڈیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”ان کو خوب دھولو، اور ان میں کھانا پکاؤ، اور آپ نے ہر کچلی دار درندے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث ابو قلابہ: حضرت ابو ثعلبہ حششی سے روایت کرتے ہیں، مگر ابو قلابہ نے حضرت ابو ثعلبہ کا زمانہ نہیں پایا اس لئے روایت میں انقطاع ہے، البتہ آئندہ روایت ابو قلابہ: ابو اسماء رجبی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں اس لئے وہ موصول ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابو ثعلبہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! ہم اہل کتاب کے علاقہ میں رہتے ہیں، پس ہم ان کی ہانڈیوں میں پکاتے ہیں اور ان کے برتنوں میں پیتے ہیں (تو کیا یہ جائز ہے؟) پس نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر ان کے علاوہ برتن نہ پاؤ تو ان کو پانی سے دھو ڈالو“ (پھر استعمال کرو) انھوں نے دوسرا سوال کیا: یا رسول اللہ! ہم شکار کے علاقہ میں رہتے ہیں یعنی ہمارے علاقہ میں شکار بہت ملتا ہے، پس ہم کس طرح (شکار) کریں؟ آپ نے فرمایا: ”جب تم اپنے سکھلائے ہوئے کتے کو چھوڑو، اور اللہ کا نام لو، پس اس نے شکار مار ڈالا تو کھاؤ، اور اگر کتا سکھلایا ہو، پس شکار ذبح کر لیا گیا ہو تو (بھی) کھاؤ، اور جب تم اپنا تیر چلاؤ اور اللہ کا نام لو، پس تیر نے شکار مار ڈالا تو کھاؤ۔

لمحوظہ: شکار کے احکام تفصیل سے ابواب الصيد کے شروع میں گزر چکے ہیں، وہاں دیکھ لئے جائیں۔

[۷-] باب ماجاء فی الأکل فی آئینۃ الکفار

[۱۷۹۱-] حدثنا زَيْدُ بْنُ أَحْزَمَ الطَّائِي، ثنا سَلْمُنُ بْنُ قَتَيْبَةَ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قَلَابَةَ، عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ قَالَ: سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قُدُورِ الْمُجُوسِ؟ قَالَ: ”أَنْقَوْهَا غَسَلًا، وَاطْبَخُوهَا فِيهَا، وَنَهَى عَنْ كُلِّ سَبْعِ ذِي نَابٍ“

هَذَا حَدِيثٌ مَشْهُورٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي ثَعْلَبَةَ، وَرَوَى عَنْهُ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ. وَأَبُو ثَعْلَبَةَ: اسْمُهُ جُرْثُومٌ، وَيُقَالُ: جُرْهُمٌ، وَيُقَالُ: نَاشِبٌ، وَقَدْ ذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي قَلَابَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحْبِيِّ، عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ.

[۱۷۹۲-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عِيسَى بْنُ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَيْشِيُّ، ثنا

حَمَادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، وَقَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحْبِيِّ، عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ
الْخُسْنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: يَارَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَتَطْبُخُ فِي قُدُورِهِمْ، وَنَشْرَبُ فِي
آيَاتِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ لَمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَارْحَضُوهَا بِالْمَاءِ" ثُمَّ
قَالَ: يَارَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا بِأَرْضِ صَيْدٍ فَكَيْفَ نَصْنَعُ؟ قَالَ: "إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبُ،
وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ، فَقَتَلَ، فَكُلْ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُكَلَّبٍ، فَذَكِّي فَكُلْ، وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ
وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَقَتَلَ فَكُلْ"

لغات: رَحَضَهُ (ف) وَأَرَحَضَهُ: دھونا..... كَلَّبَ الْكَلْبَ: کتے کو سدھانا، شکاری بنانا، قرآن کریم میں ہے:
﴿وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ﴾ الْمُكَلَّبُ (اسم مفعول): معلّم، سکھایا ہوا۔
وضاحت: پہلی حدیث میں راوی سلم بن قتیبہ ہیں، ہندوستانی نسخوں میں المسلم ہے جو غلط ہے..... اور
حضرت ابو ثعلبہ خشنی کے نام میں تین قول ہیں: جرثوم، جرہم اور ناشب..... قوله وقد ذکر هذا الحديث: یہ
حدیث اگلے نمبر پر آرہی ہے..... دوسری حدیث کی سند میں عبید اللہ بن محمد العیشی ہیں، یہ نسبت عائشہ بنت طلحہ کی
طرف ہے یہ ان کی اولاد میں تھے، اور ہندوستانی نسخہ میں عبید اللہ بن محمد بن القرشی ہے جو غلط ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَارَةِ تَمُوتُ فِي السَّمَنِ

جمنے ہوئے گھی میں چوہا مر جائے تو کیا حکم ہے؟

جمنے ہوئے گھی وغیرہ میں چوہا وغیرہ مر جائے تو اس کو نکال کر پھینک دیا جائے اور جو گھی وغیرہ اس کے ارد گرد ہو
وہ بھی نکال کر پھینک دیا جائے، باقی گھی پاک ہے اس کو کھایا جائے۔

اور اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو وہ ناپاک ہو جائے گا، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کا خارجی استعمال جائز ہے یا
نہیں؟ مثلاً اس سے چراغ جلانا، یا اس کو جوتے وغیرہ پر لگانا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے، وہ اس سے
کسی بھی طرح فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے، کیونکہ حدیث میں ہے: وَإِنْ كَانَ مَانِعًا فَلَا تَقْرُبُوهُ: اگر گھی
سیال ہو تو اس کے نزدیک مت جاؤ، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اس کا خارجی استعمال جائز
ہے اس کو چراغ میں استعمال کر سکتے ہیں اور دوسری طرح بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، مگر اس کا کھانا اور بیچنا ممنوع ہے۔
اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بیچنا بھی جائز ہے صرف کھانا جائز نہیں۔

غرض پاک کرنے سے پہلے اس کے کھانے کی حرمت متفق علیہ ہے، پھر صاحبین رحمہما اللہ میں اختلاف ہے کہ

جو چیزیں نچوڑی نہیں جاسکتیں جیسے اناج، نئی ٹھیکری، چٹائی، ناپاک پانی پلائی ہوئی چھری اور ناپاک پانی میں ابالا ہوا گوشت وغیرہ پاک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین مرتبہ دھونے سے اور ہر بار سکھانے سے پاک ہو جائے گا، اور شہد اور دودھ جیسی چیزوں میں چوہا وغیرہ مر جائے تو اس میں ہم وزن پانی ملایا جائے پھر پکایا جائے، یہاں تک کہ پانی جل جائے، تین مرتبہ اس طرح کرنے سے دودھ اور شہد پاک ہو جائے گا اور فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو چیزیں نچوڑی نہیں جاسکتیں اگر وہ ناپاک ہو جائیں تو ان کو پاک کرنے کی کوئی شکل نہیں مگر اس قول پر فتویٰ نہیں (یہ تفصیل عمدۃ القاری (۱: ۹۲۸) میں ہے)

اور ایک طریقہ بہشتی زیور میں یہ بھی لکھا ہے کہ ناپاک گھی تیل میں اس کے بقدر پانی ڈال کر ہلایا جائے پھر جب وہ گھی تیل پانی کے اوپر آجائے تو کسی طرح اس کو اٹھالیا جائے، اس طرح تین دفعہ پانی ملا کر گھی تیل اٹھالینے سے پاک ہو جائے گا اور اگر گھی ناپاک ہونے کے بعد جم گیا ہو تو پانی ڈال کر آگ پر رکھ دیا جائے جب پگھل جائے تو اس کو اٹھالیا جائے (بہشتی زیور حصہ دوم نجاست کے پاک کرنے کا طریقہ مسئلہ ۲۹)

اور اسی باب میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر نجاست ایسی چیز میں لگی ہو جس کو نچوڑ نہیں سکتے، جیسے تخت، چٹائی، مٹی کا برتن وغیرہ تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ دھو کر ٹھہر جاوے جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو پھر دھوئے، اس طرح تین مرتبہ دھونے سے وہ چیز پاک ہو جائے گی۔

اور اگر بڑا فرش یا قالین ناپاک ہو جائے تو اس پر پانی ڈال کر بھگو دیا جائے پھر مٹین سے اس کا پانی چوسالیا جائے، اس طرح تین مرتبہ کرنے سے قالین اور فرش پاک ہو جائے گا۔

حدیث: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: گھی میں چوہا گر گیا، اور مر گیا، نبی ﷺ سے اس کا حکم پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا فَكُلُوْهُ یعنی چوہا پھینک دو اور اس کے ارد گرد جو گھی ہے وہ بھی پھینک دو اور باقی گھی کھاؤ۔

تشریح: یہ حدیث تین سندوں سے مروی ہے:

(۱) سفیان بن عیینہ: امام زہری سے، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے، وہ ابن عباس سے، اور وہ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں یہ سند صحیح ہے اور یہی سند بخاری (حدیث ۲۳۶) میں ہے۔

(۲) دوسری سند: زہری کے بعض تلامذہ سند کے آخر میں حضرت میمونہؓ کا ذکر نہیں کرتے (امام ترمذی نے اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے)

(۳) اور امام زہری کے شاگرد معمر اس کی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، یہ سند صحیح نہیں، امام بخاریؒ نے اس کو معمر کی چوک قرار دیا ہے اور پہلی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[۸-] باب ماجاء فی الْفَارَةَ تَمَوْتُ فِي السَّمَنِ

[۱۷۹۳-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَأَبُو عَمَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ: أَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِي سَمَنِ، فَمَاتَتْ، فَسُئِلَ عَنْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَلْقَوْهَا، وَمَا حَوْلَهَا، فَكُلُّوهُ"

وفی الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ: عَنْ مَيْمُونَةَ، وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ أَصَحُّ.

وَرَوَى مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَهَذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ: حَدِيثُ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا خَطَأٌ، وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ.

وضاحت: بخاری شریف (حدیث ۵۵۳۸ کتاب الذبائح) میں ہے کہ سفیان بن عیینہ کے سامنے یہ بات ذکر کی گئی کہ معمر اس کی سند حضرت ابو ہریرہ تک پہنچاتے ہیں تو انھوں نے کہا: میں نے یہ حدیث زہری سے بار بار سنی ہے وہ اس کی سند میمونہ تک پہنچاتے تھے یعنی معمر سے اس کی سند میں چوک ہوئی ہے..... معمر کی سند سے حدیث ابوداؤد (حدیث ۳۸۴۱) اور مسند احمد (۲۳۲:۲) میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بِالشَّمَالِ

بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت

اسلام نے ہاتھوں کی اچھے برے کاموں کے لئے تقسیم کی ہے، تمام اچھے کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں اور گندے کام جیسے استنجاء کرنا، ناک صاف کرنا وغیرہ بائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں، اور اس کی حکمت ظاہر ہے، آدمی کو کھاتے وقت گھن نہیں آئے گی، اور اگر جس ہاتھ سے استنجاء کیا ہے اسی سے کھائے گا تو طبیعت میں نفرت پیدا ہوگی، اسی وجہ سے مہذب لوگ چھری کانٹے سے کھاتے ہیں، کیونکہ وہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرتے ہیں، مگر ان عقل کے پتلوں کی سمجھ میں ہاتھوں کی اچھے برے کاموں کے لئے تقسیم نہیں آئی، پس: بریں عقل و دانش باید گریست!

مسئلہ: اگر دائیں ہاتھ میں عذر ہو یا دایاں ہاتھ نہ ہو تو بائیں ہاتھ سے کھانا جائز ہے، کیونکہ مجبوری میں ممنوع کام

جائز ہو جاتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے پیئے، اس لئے کہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور اپنے بائیں ہاتھ سے پیتا ہے“
تشریح: کوکب میں اس حدیث کی شرح میں ایک فائدہ ہے کہ غائب کے ساتھ بھی تخبہ ممنوع ہے، شیطان نظر نہیں آتا پھر بھی اس سے تخبہ کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت آئی ہے، پس اسی طرح کسی بستی میں یہود و مجوس و ہنود نہ ہوں تب بھی ان کی حرکات و عادات میں مشابہت ممنوع ہے، مثلاً: مجوس آگ پوجتے ہیں، ہمارے شہر میں کوئی مجوسی نہیں، پھر بھی نمازی کے سامنے آگ نہیں ہونی چاہئے۔

فائدہ: یہاں طالب عالم ایک سوال کرتے ہیں کہ اگر دایاں ہاتھ کھانے میں آلودہ ہو تو بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر پانی پی سکتے ہیں یا ڈونگے سے بائیں ہاتھ سے کھانا نکال سکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حدیث کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیز کے ساتھ راست بایاں ہاتھ نہ لگے، مگر بالواسطہ لگنا بھی ممنوع ہے، مسلم شریف میں نافع رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: وَلَا يَأْخُذُ بِهَا، وَلَا يُعْطَى بِهَا: یعنی بائیں ہاتھ سے نہ لے نہ دے، مگر ممانعت میں اس کا دوسرا درجہ ہوگا، پس چاہئے کہ بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑے اور دائیں ہتھیلی کی پشت سے یا ہتھیلی کے آخری حصہ سے لگا کر پیئے، یہ حیلہ ہے، اسی طرح دائیں ہاتھ سے کھانا نکالے اور ہاتھ آلودہ ہو تو چاٹ لے لیکن اگر بائیں ہاتھ سے یہ کام کرے تو یہ اتنا برا نہیں جتنا راست بائیں ہاتھ سے کھانا برا ہے۔

[۹-] باب ماجاء فى النهى عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بِالشِّمَالِ

[۱۷۹۴-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ، وَلَا يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ، وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ.
وفى الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، وَسَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، وَحَفْصَةُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَهَكَذَا رَوَى مَالِكٌ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَرَوَى مَعْمَرٌ، وَعَقِيلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَرَوَايَةُ مَالِكٍ وَابْنِ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے ان کے پوتے ابو بکر روایت کرتے ہیں یا بیٹے سالم؟ عبید اللہ عمری کی سند پہلی ہے اور امام مالکؓ اور سفیان بن عیینہؓ ان کے متابع ہیں اور معمر اور عقیل کی سند دوسری ہے، امام ترمذی نے

یہی سند کو صحیح کہا ہے، مگر امام مسلم رحمہ اللہ نے سالم کی سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، بلکہ نافع کی سند میں جو زیادتی ہے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، معلوم ہوا کہ ابن عمرؓ سے یہ حدیث سالم و نافع بھی روایت کرتے ہیں، مگر اس سند میں امام زہری کا ذکر نہیں، امام زہری یہ حدیث ابو بکر ہی سے روایت کرتے ہیں۔

باب ماجاء فی لعق الأصابع

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا بیان

کھانے کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہو کر پہلے سب انگلیاں چاٹ لے، پھر ہاتھ دھوئے، تاکہ انگلیوں پر لگا ہوا کھانا ضائع نہ ہو، حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو چاہئے کہ اپنی انگلیاں چاٹ لے، پس بیشک وہ نہیں جانتا کہ ان انگلیوں میں سے کونسی انگلی (پر لگے ہوئے کھانے) میں برکت ہے پس سبھی انگلیوں کو چاٹ لے (ضمیر ہُنْ: أصابع کی طرف راجع ہے) فائدہ: طالب علم پوچھتے ہیں: انگلیاں چاٹنے کی ترتیب کیا ہونی چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ کوئی ترتیب وارد نہیں ہوئی، پس جس طرح چاہے چاٹے۔

[۱۰-] باب ماجاء فی لعق الأصابع

[۱۷۹۵-] حدثنا محمد بن عبد الملك بن أبي الشوارب، ثنا عبد العزيز بن المختار، عن سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيِّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ"
وفى الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَأَنَسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ سُهَيْلٍ.

وضاحت: سہیل کے شاگرد عبد العزیز و باغ بصری ثقہ راوی ہیں اس لئے حدیث صحیح ہے، البتہ سہیل سے آخر تک یہی سند ہے اس لئے غریب ہے اور سہیل کے شاگرد وہیب بن خالد کی روایت مسلم شریف (حدیث ۲۰۳۵) میں ہے۔

باب ماجاء فی اللقمة تسقط

لقمہ گر جائے تو کیا کرے؟

کھاتے وقت اگر لقمہ گر جائے تو اس کو چھوڑ نہ دیا جائے، حکم شرعی یہ ہے کہ اس کو اٹھا کر کھالیا جائے، پھر اگر وہ

صاف دسترخوان پر گرا ہے تو سارا ہی اٹھا کر کھالینا چاہئے، دسترخوان بچھا کر کھانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کھانا ضائع نہ ہو، اور اگر نیچے گرا ہے تو اس کا اچھا حصہ کھالیا جائے، اور اگر مٹی وغیرہ لگ گئی ہے یا ناپاک ہو گیا ہے تو وہ جانور (چینوٹی وغیرہ) کو کھلا دیا جائے، اس کو یونہی شیطان کے لئے نہ چھوڑ دیا جائے، اس سنت پر عمل کرنے میں تواضع (فروتنی) ہے اور اس میں اقتصاد کی تعلیم بھی ہے۔

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے، پس اس کا لقمہ گر جائے تو چاہئے کہ دور کر دے وہ جو اس کو شک میں ڈالے اس لقمہ سے یعنی جو حصہ گندہ ہو گیا ہے اس کو علیحدہ کر دے پھر چاہئے کہ وہ اس لقمہ کو کھالے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے“

تشریح: اس حدیث پر امام ترمذی نے کوئی حکم نہیں لگایا، یہ حدیث اس سند سے تو ضعیف ہے، کیونکہ اس میں عبداللہ بن لہیعہ ہیں، جو مشہور ضعیف راوی ہیں، مگر یہ حدیث ابوالزبیر کے دوسرے شاگرد ابن عیینہ کی سند سے مسلم شریف (حدیث ۲۰۳۳) میں ہے، اس لئے یہ حدیث فی نفسہ حسن صحیح ہے۔

دوسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ جب کھانا نوش فرماتے تھے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے، اور ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے، تو چاہئے کہ دور کرے اس سے خرابی اور چاہئے کہ اس کو کھالے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے“ اور نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم پیالے کو پونچھ ڈالیں، اور ارشاد فرمایا: ”تم نہیں جانتے کہ تمہارے کون سے کھانے میں برکت ہے“

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں:

۱- نبی ﷺ عام طور پر تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے، ان سے کھانے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور پانچ انگلیوں سے کھانا حرص پر دلالت کرتا ہے جو مومن کی شان کے خلاف ہے، علاوہ ازیں: جب تین انگلیوں سے کھائے گا تو چھوٹے لقمے لے گا، پس تھوڑے کھانے میں پیٹ بھر جائے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پیٹ بھرنا اور جی (نفس) بھرنا: دوا لگ الگ چیزیں ہیں، بہت سی مرتبہ پیٹ بھر جاتا ہے مگر جی نہیں بھرتا، آدمی کھاتا ہی چلا جاتا ہے، جوانی میں ایسا زیادہ ہوتا ہے، اور کبھی آدمی کا جی بھر جاتا ہے تو کھانا چھوڑ دیتا ہے اگرچہ پیٹ ابھی نہیں بھرا..... دوسری حقیقت یہ ہے کہ کھاتے وقت آدمی لاشعوری طور پر کھانے کے لقمے اور پانی کے گھونٹ گنتا ہے، اور شکم سیری اور سیرابی پر یہ تعداد اثر انداز ہوتی ہے، اس لئے چھوٹے لقموں سے کھانا اور تین گھونٹ میں پینا مفید ہے، اس طرح کھانے پانی کی تھوڑی مقدار سے شکم سیری اور سیرابی حاصل ہو جائے گی، اور یہ چیز تجربہ سے تعلق رکھتی ہے، آپ شدید بھوک پیاس کی حالت میں اس کا تجربہ کریں ان شاء اللہ ایسا ہی پائیں گے،

بڑے بڑے لقموں سے کھائیں اور سارا لوٹا انڈیل دیں، کھانا پانی ختم ہو جائے گا اور جی کو سیری حاصل نہیں ہوگی اور اسی مقدار کو تھوڑا تھوڑا کر کے کھائیں پورا اطمینان ہو جائے گا۔

مسئلہ: بوقت ضرورت چار پانچ انگلیوں سے کھانا بھی ممنوع نہیں، امام زہری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ نبی ﷺ پانچ انگلیوں سے بھی کھاتے تھے، مگر عام معمول تین انگلیوں سے کھانے کا تھا۔

۲- دوسرا مضمون وہی ہے جو باب کا مضمون ہے کہ کھانا گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھالیا جائے، ضائع نہ کیا جائے۔

۳- کھانے کے بعد برتن صاف کرنا چاہئے، کھانے کے اجزاء اس میں چھوڑنے نہیں چاہئیں، کیونکہ جسم کے لئے کھانے کا کونسا حصہ مفید ہے یہ بات معلوم نہیں، ممکن ہے جو اجزاء برتن میں رہ گئے ہیں، وہی جسم کے لئے زیادہ مفید ہوں، اس لئے ان کو بھی کھالینا چاہئے، علاوہ ازیں اس میں اقتصاد کی تعلیم بھی ہے، اور برتن بھی دعا دیتا ہے، جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

تیسری حدیث: معنی کہتے ہیں: میری دادی ام عاصم نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم ایک بڑے پیالے میں کھا رہے تھے کہ حضرت نُبَيْشَةُ الْخَيْرِ تشریف لائے، اور انھوں نے یہ حدیث سنائی کہ جس نے بڑے پیالے میں کھایا، پھر اس کو چاٹ لیا تو پیالہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

تشریح: کھانے کے بعد برتن صاف کرنے کا حکم تو متعدد صحیح روایات میں آیا ہے مگر برتن صاف کرنے سے: برتن دعا دیتا ہے یہ مضمون اسی حدیث میں ہے، اور اس حدیث کی یہی ایک سند ہے اور روایات کا حال ٹھیک ہے، معنی بن راشد: مقبول راوی ہے، اور ان کی دادی ام عاصم بھی مقبول ہیں اور حضرت نبیؐ اگرچہ قلیل الروایہ ہیں مگر صحابی ہیں اس لئے حدیث ٹھیک ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء فی اللُقْمَةِ تَسْقُطُ

[۱۷۹۶-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا ابْنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا، فَسَقَطَتْ لُقْمَتُهُ، فَلْيُمِطْ مَا رَابَهُ مِنْهَا، ثُمَّ لِيَطْعَمَهَا، وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ" وَفِي الْبَاب: عَنْ أَنَسٍ.

[۱۷۹۷-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَقَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، ثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ، وَقَالَ: "إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةٌ أَحَدَكُمْ، فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْأَذَى، وَلْيَاكُلْهَا، وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ" وَأَمَرْنَا أَنْ نَسْلُتَ الصَّحْفَةَ، وَقَالَ: "إِنَّكُمْ لَا تَذَرُونَ فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۷۹۸-] حدثنا نصر بن علي الجهضمي، ثنا المَعْلَى بن رَاشِدٍ أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنِي جَدَّتِي أُمُّ عَاصِمٍ، وَكَانَتْ أُمَّ وَلَدٍ لِسَنَانِ بْنِ سَلَمَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا نَبِيْشَةُ الْخَيْرِ، وَنَحْنُ نَأْكُلُ فِي قِصْعَةٍ، فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَكَلَ فِي قِصْعَةٍ، ثُمَّ لَحِسَهَا، اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقِصْعَةُ".

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْمَعْلَى بْنِ رَاشِدٍ، وَقَدْ رَوَى يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَثَمَةِ عَنِ الْمَعْلَى بْنِ رَاشِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ.

لغات: رَابَهُ الْأَمْرُ رَبِيًّا وَرَبِيَّةً: شک میں ڈالنا، حدیث میں ہے: دَعُ مَا يَرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيْبُكَ: جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑو، اور جس میں شک نہ ہو اس کو اختیار کرو..... لَعَقَ (س) لَعَقًا: چاٹنا..... سَلَّتْ (ن) ض) سَلَّتَا: پونچھنا، کسی چیز کے اوپر سے کوئی چیز لے لینا..... لَحَسَ (س) الْإِنَاءَ: برتن کو انگلی سے یا زبان سے چاٹنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مِنْ وَسْطِ الطَّعَامِ

برتن کے بیچ میں سے کھانا پسندیدہ نہیں

کھانے کا ادب یہ ہے کہ اگر کھانا بڑے برتن میں ہو تو لوگ کناروں سے کھائیں، کھانا برتن کے بیچ میں جمع رہنے دیں، درمیان سے نہ کھائیں، اس سے کھانا منتشر ہو جاتا ہے اور برتن کا منظر برا ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ جب کھانا برتن میں جمع رہے گا اور آنکھیں اس کو مسلسل دیکھتی رہیں گی تو جی (نفس) جلدی بھر جائے گا، کہتے ہیں: حلوائی مٹھائی نہیں کھاتا، کیوں کہ وہ مسلسل مٹھائی کو دیکھتا رہتا ہے اس لئے جی بھر جاتا ہے، پس جو حکمت تین انگلیوں سے کھانے کی یعنی چھوٹے لقموں سے کھانے کی ہے وہی حکمت برتن کے کناروں سے کھانے کی اور کھانا برتن کے بیچ میں جمع رہنے دینے کی بھی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”برکت کھانے کے بیچ میں اترتی ہے، پس کناروں سے کھانا کھاؤ، اس کے درمیان سے نہ کھاؤ“

[۱۲-] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مِنْ وَسْطِ الطَّعَامِ

[۱۷۹۹-] حدثنا أَبُو رَجَاءٍ، ثنا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ وَسْطَ الطَّعَامِ، فَكُلُّوا مِنْ حَافَتَيْهِ، وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسْطِهِ".

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، إِنَّمَا يُعْرَفُ مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ.

لغت: الوَسَط (بسكون السين) درمیان، کہا جاتا ہے: جَلَسَ وَسَطَ الْقَوْمِ: لوگوں کے بیچ میں بیٹھا..... الوَسَط (بفتح السين): وسطی حصہ، کسی چیز کا مرکز (اس کے معنی معتدل اور متوسط چیز کے بھی ہیں اور منتخب اور بہتر چیز کے بھی) حدیث میں مرکزی اور درمیانی معنی ہیں۔ اور دونوں کو پہچاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر وسط کی جگہ بین رکھا جاسکے تو وہ بسکون السين ہوگا، ورنہ بفتح السين۔

وضاحت: اس حدیث میں امام ترمذی کے استاذ: البورجاء سے مراد قتیبہ بن سعید ہیں، اطراف مزی (۴: ۱۸۳۰) حدیث (۵۵۶۶) میں اس کی صراحت ہے، اور قتیبہ کی یہ کنیت تہذیب میں بھی ہے اور تقریب میں بھی (مولانا عبدالرحمن مبارک پوری کو اس راوی کا پتہ ہی نہیں چلا کہ یہ کون راوی ہے) اور جریر سے جریر بن عبد الحمید کوئی مراد ہیں، جریر بن حازم مراد نہیں..... اور عطاء بن السائب سے شعبہ کی روایت ابو داؤد (حدیث ۳۷۷۲) میں ہے، اور ثوری کی روایت مسند احمد (۲۷۰:۱) میں ہے..... حَافَةَ: کنارہ، تشنہ کی کچھ خصوصیت نہیں، چنانچہ بعض کتابوں میں مفرد ہے اور بعض میں جمع۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الثَّوْمِ وَالْبَصَلِ

لہسن پیاز کھانے کی کراہیت

ثُوم (لہسن) بَصَل (پیاز) کُورَاث (گندنا، ایک ترکاری جو پیاز لہسن سے مشابہ ہوتی ہے) فَنَجَل (مولی) ایسی سبزیاں اگر تنہا کافی مقدار میں کھائی جائیں تو گندی ڈکاریں آتی ہیں، اسی طرح بیڑی، سگریٹ پینے سے بھی منہ سے بد بو آتی ہے: ایسی چیزیں کھاپی کر مسجد میں آنا منع ہے، اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور مصلیوں کو بھی۔ البتہ سلا د کے طور پر یہ چیزیں کھانے کے ساتھ کھائی جائیں تو بد بو نہیں آتی، اس لئے جائز ہے، نیز پکا کر کھائی جائیں تو بھی بد بو مر جاتی ہے اس لئے جائز ہے، اور ان کو کھا کر مسجد میں آسکتے ہیں، اسی طرح جس کے منہ سے بد بو آتی ہو یا کوئی بد بو دار زخم ہو تو اس کو بھی مسجد میں نہیں آنا چاہئے اور مسجد کے حکم میں دیگر اجتماعات بھی ہیں جیسے سبق کی مجلس، ذکر کی مجلس یا دیگر تقریبات: سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اس میں سے کھایا۔ ابن جریج نے پہلی مرتبہ صرف لہسن کا ذکر کیا پھر لہسن، پیاز اور گندنا کا ذکر کیا۔ پس وہ ہماری مسجد کے نزدیک نہ آئے“ یعنی ہذہ کا مشار الیہ ایک مرتبہ صرف لہسن کو قرار دیا اور دوسری مرتبہ حدیث بیان کی تو تین چیزوں کا نام لیا۔ اور مسجد نبوی کی کچھ تخصیص نہیں، سب مساجد کا یہی حکم ہے۔

[۱۳-] باب ماجاء فى كراهية أكل الثُّومِ والبَصَلِ

[۱۸۰۰-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، ثَنَا عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ - قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ: الثُّومِ، ثُمَّ قَالَ: الثُّومِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ - فَلَا يَقْرَبْنَا فِي مَسَاجِدِنَا".

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ عُمَرَ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَفُرَّةَ، وَابْنِ عُمَرَ.

بابُ ماجاء فى الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثُّومِ مَطْبُوخًا

پکایا ہوا لہسن کھانا جائز ہے

گذشتہ باب میں مسئلہ گذر چکا ہے کہ پکایا ہوا لہسن پیاز وغیرہ کھانا جائز ہے، کیونکہ پکانے سے ان کی بو مر جاتی ہے۔ اور امام ترمذی نے اس باب میں پانچ روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت مصری نسخہ میں گذشتہ باب کے آخر میں ہے۔

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان ہوئے، آپ کا کھانا میزبان کے گھر سے پک کر آتا تھا، جب آپ کھانا نوش فرماتے تو کچھ بچا کر حضرت ابوایوب کے پاس بھیجتے، ایک دن میزبان نے کھانا بھیجا، آپ نے نوش نہیں فرمایا، ویسا ہی واپس کر دیا، حضرت ابوایوب حاضر خدمت ہوئے اور وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا: "اس میں لہسن تھا" انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا وہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں، مگر مجھے اس کی بو پسند نہیں" یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مگر اس کا تعلق گذشتہ باب سے تو ظاہر ہے اور اس باب سے اس کا تعلق اس طرح قائم کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس کی بو ناپسند کی، پس اگر پکا کر اس کی بو زائل کر دی جائے تو کھانے میں کچھ حرج نہیں۔

دوسری اور تیسری حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ اس میں اختلاف ہے، دوسری حدیث میں نُہی: فعل مجہول ہے، حضرت علی فرماتے ہیں: لہسن کھانے کی ممانعت کی گئی مگر پکا ہوا جائز ہے، ظاہر ہے ممانعت نبی ﷺ ہی کی جانب سے ہو سکتی ہے، پس یہ حدیث مرفوع ہوئی اور تیسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت علی نے لہسن کھانے کو ناپسند کیا مگر پکے ہوئے کو مستثنیٰ کیا، اب یہ حدیث موقوف ہوگئی، یہ دونوں روایتیں شریک بن حنبل کی ہیں، بلکہ ان کی ایک مرسل روایت بھی ہے یعنی وہ براہ راست نبی ﷺ سے یہ بات روایت کرتے ہیں، اسی اختلاف کی وجہ سے امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔

چوتھی حدیث: ام ایوب کہتی ہیں: نبی ﷺ ان کے مہمان ہوئے، ایک دن انھوں نے آپ کے لئے اہتمام سے کھانا پکایا جس میں ان ترکاریوں میں کوئی ترکاری تھی، پس آپ نے اس کو کھانا پسند نہ کیا، اور آپ نے صحابہ سے فرمایا: ”آپ لوگ کھائیں، میرا معاملہ آپ لوگوں جیسا نہیں ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ میں اپنے ساتھی (جبریل) کو تکلیف پہنچاؤں!“ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی وقت آسکتے ہیں، پس اگر ان کو بومحسوس ہوئی تو ان کو تکلیف ہوگی، اس لئے میں یہ نہیں کھاتا۔

پانچویں روایت: ابو العالیہ فرماتے ہیں: بہسن پاکیزہ (حلال) رزق ہے۔ ابو العالیہ جلیل القدر تابعی ہیں، ان کا نام زُریع اور نسبت ریاچی ہے، ان سے یہ روایت ابوخلدہ کرتے ہیں، ان کا نام خالد بن دینار ہے، وہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور ان سے حدیث سنی ہے، ان کے بارے میں عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں: ابوخلدہ نیک مسلمان تھے۔

فائدہ: اس باب کی روایات میں اضطراب ہے، سب روایات باب سے واضح طور پر متعلق نہیں، پہلی روایت تو اللہ جانے گذشتہ باب کی ہے یا اس باب کی؟ اس باب سے اس کا تعلق تکلف ہی سے قائم کیا جاسکتا ہے اور دوسری اور تیسری روایتیں باب سے متعلق ہیں، مگر اللہ جانیں وہ مرفوع ہیں یا موقوف؟ اور آخری روایت تو مقطوع ہے اور چوتھی روایت کا بھی باب سے تعلق نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے پکی ہوئی ترکاری بھی بوجہ سے نوش نہیں فرمائی تھی۔

[۱۴-] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِیْ أَكْلِ الثُّومِ مَطْبُوعًا

[۱۸۰۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَنبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، سَمِعَ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، يَقُولُ: نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي أَيُّوبَ، وَكَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا بَعَثَ إِلَيْهِ بِفَضْلِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ يَوْمًا بِطَعَامٍ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَتَى أَبُو أَيُّوبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”فِيهِ الثُّومُ“ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَحْرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: ”لَا وَلَكِنِّي أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيحِهِ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۸۰۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُدْوِيَةَ، ثَنَا مُسَدَّدُ، ثَنَا الْجَرَّاحُ بْنُ مَلِيحٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ شَرِيكَ بْنِ حَنْبَلٍ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ: نُهِيَ عَنْ أَكْلِ الثُّومِ إِلَّا مَطْبُوعًا.

[۱۸۰۳-] حَدَّثَنَا هَنَّادُ، ثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ شَرِيكَ بْنِ حَنْبَلٍ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَرِهَ أَكْلَ الثُّومِ إِلَّا مَطْبُوعًا.

هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَلِكَ الْقَوِيّ، وَرَوَى عَنْ شَرِيكَ بْنِ حَنْبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

[۱۸۰۴-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُمِّ أَيُّوبَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَلَيْهِمْ، فَتَكَلَّفُوا لَهُ طَعَامًا فِيهِ مِنْ بَعْضِ هَذِهِ الْبُقُولِ، فَكَرِهَ أَكْلَهُ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: "كُلُّوهُ، فَإِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ أُؤْذِيَ صَاحِبِي". هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَأُمُّ أَيُّوبَ: هِيَ امْرَأَةُ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ.

[۱۸۰۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ، عَنْ أَبِي خَلْدَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، قَالَ: الثُّومُ مِنْ طَيِّبَاتِ الرِّزْقِ.

وَأَبُو خَلْدَةَ: اسْمُهُ خَالِدُ بْنُ دِينَارٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَقَدْ أَذْرَكَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، وَسَمِعَ مِنْهُ؛ وَأَبُو الْعَالِيَةِ: اسْمُهُ رَفِيعٌ، وَهُوَ الرِّيَّاحِيُّ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ: كَانَ أَبُو خَلْدَةَ خِيَارًا مُسْلِمًا.

ترجمہ: پہلی حدیث: قولہ: "وكان إذا أكل طعاماً: اور نبی ﷺ جب کوئی کھانا کھاتے تو ابوایوبؓ کی طرف اس کا بچا ہوا بھیجتے، یعنی کچھ بچا کر بھیجتے تاکہ وہ تبرک استعمال کریں، یہ حدیث تبرکات کی اصل ہے، پس نبی ﷺ نے ابوایوبؓ کی طرف ایک دن ایک کھانا بھیجا درنحالیکہ آپؐ نے اس میں سے نہیں کھایا تھا، پس جب ابوایوبؓ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے یہ بات آپؐ سے ذکر کی کہ یا رسول اللہ! آج آپؐ نے فلاں آئینم بالکل نہیں کھایا، کیا وجہ ہے؟ پس آپؐ نے فرمایا: "اس میں لہسن تھا"، یہ لہسن کچا تھا یا پکا؟ اگر کچا تھا تو یہ حدیث گذشتہ باب کی ہے اور حدیث کا آخری جملہ کہ "لہسن حرام نہیں، مگر میں اس کو اس کی بو کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں" اس طرف مشیر ہے کہ وہ کچا تھا، کیونکہ پکانے سے اس کی بو مر جاتی ہے..... اور اگر پکا ہوا تھا جیسا کہ باب کی چوتھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (وہ حدیث اور یہ حدیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں) تو بھی یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے، کیونکہ اس میں رخصت (اجازت) نہیں ہے۔

وضاحت: مَدُّوۃ کے آخر میں ہ ہے تا نہیں ہے، جیسے سیدویہ کے آخر میں ہ ہے..... اور جَوَّاح: حضرت وکیع کے والد ہیں اور معمولی راوی ہیں..... قولہ: "وقد رَوَى: یہ حدیث اگلے نمبر پر آرہی ہے..... عبید اللہ بن ابی یزید: ہندوستانی نسخہ میں عبد اللہ (مکبر) ہے، جو غلط ہے، تصحیح مصری نسخہ سے کی ہے، یہ مولیٰ آل قارظ ہیں، ثقہ ہیں اور کثیر الحدیث ہیں..... اخبرته: ام ایوب نے عبید اللہ کو بتلایا..... تکلفوا یعنی اہتمام سے کھانا بنایا..... قولہ: کلوہ: اس سے معلوم ہوا کہ پکنے سے بھی اگر بو نہ مری ہو تو اس کا کھانا بہتر نہیں..... خیاراً: چنیدہ، منتخب۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْمِيرِ الْإِنَاءِ، وَإِطْفَاءِ السَّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ

برتن ڈھانکنے اور سوتے وقت چراغ اور آگ بجھانے کا بیان

برتن سے مراد: وہ برتن ہے جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہو، اور اسی مناسبت سے یہ باب: ابواب الاطعمہ میں آیا ہے، اور حدیث میں چار حکم مع وجوہ ہیں:

پہلا حکم: اَغْلِقُوا الْبَابَ: دروازہ بھیڑ لو یعنی رات میں بسم اللہ پڑھ کر گھر کا دروازہ بند کر لو فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غُلْقًا: اس لئے کہ شیطان کسی بھی بند چیز کو نہیں کھولتا، یعنی بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کیا جائے تو شیطان اس کو نہیں کھول سکتا، اسی طرح کھانے کا برتن وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر بند کیا جائے تو شیطان اس کو نہیں کھول سکتا..... اور غُلُق (بضم تنین) بمعنی مغلق ہے۔

سوال: شیطان گھر میں آنے کے لئے دروازے کا محتاج نہیں، وہ تو کسی بھی طرح گھر میں آ سکتا ہے۔
جواب: نہیں، اگر بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کیا جائے تو پھر شیطان کسی بھی طرح گھر میں نہیں آ سکتا، جیسے دعا پڑھ کر آدمی بیت الخلاء میں جائے تو اب شرمگاہ سے شیطان کا پردہ ہو جاتا ہے، اب شیطان کسی بھی طرح ستر کو نہیں دیکھ سکتا۔
علاوہ ازیں: شیطان کے بھائی بند (چور) مکان میں نہیں آئیں گے، اور اگر رات کو دروازہ کھلا چھوڑ دیا تو کوئی بھی گھر میں گھس آئے گا، اس لئے دروازہ بند کر کے سونا چاہئے۔

دوسرا حکم: أَوْكِنُوا السَّقَاءَ: پانی کی مشک کا منہ ڈوری سے باندھ لو۔ وَكَيْ السَّقَاءِ يَكْنِيهَا، وَأَوْكَى: مشکیزے کو ڈوری سے باندھنا..... السَّقَاءُ: پانی کی مشک، دودھ پانی رکھنے کا برتن، جمع أَسْقِيَّةٌ..... لَا يَحِلُّ وَكَاءُ: شیطان اس ڈوری کو نہیں کھولتا جو بسم اللہ پڑھ کر باندھی گئی ہے، علاوہ ازیں اس میں کیڑا وغیرہ بھی نہیں گھستا۔

تیسرا حکم: اكْفُوا الْإِنَاءَ، أَوْ: خَمَرُوا الْإِنَاءَ: برتن کو اوندھا کر دو یا فرمایا: برتن کو ڈھانک دو..... كَفَأَ الْإِنَاءَ (ف) كَفَأَ وَاكْفَأَ الْإِنَاءَ: اوندھا کرنا، پلٹنا..... خَمَرُ الشَّيْءِ: ڈھانکنا..... لَا يَكْشِفُ آتِيَةً: شیطان اس برتن کو نہیں کھولتا جو بسم اللہ پڑھ کر ڈھانکا گیا ہے اور اس میں کوئی کیڑا وغیرہ بھی داخل نہیں ہوتا۔

چوتھا حکم: أَطْفِئُوا الْمَصْبَاحَ: چراغ گل کر دو..... أَطْفَأَ النَّارَ: آگ بجھانا..... فَإِنَّ الْفَوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَنِيَّتَهُمْ: پس بیشک چھوٹا شرارتی (چوہا) لوگوں پر ان کا گھر بھڑکا دیتا ہے..... الفويسقة: الفاسقة کی تصغیر ہے۔ فاسق: شرارتی..... أَضْرَمَ النَّارَ: آگ جلانا، سلگانا..... أَضْرَمَ الشَّيْءَ: آگ لگانا..... یعنی چولھے میں آگ ہوگی تو چوہا کوئی چیز کھینچ کر اس میں لائے گا، پھر جب وہ جل جائے گی تو گھسیٹ کر لے چلے گا اور سارا گھر جلادے گا۔ یہی حکم بجلی کے بلب کا ہے، رات میں اس کے ذریعہ بھی آگ لگ سکتی ہے، میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آچکا ہے۔

میں جب ہدایہ اولین پڑھتا تھا تو گلکدہ میں کمرہ کرایہ پر لے کر رہتا تھا، دیوار پر کیلنڈر تھا اور اس سے لگ کر قمقمہ لٹک رہا تھا، میں بجلی جلتی چھوڑ کر سو گیا، رات میں وہ کیلنڈر جلا اور اس کے ٹکڑے میرے لحاف پر گرے اور آدھا لحاف جل گیا تب میری آنکھ کھلی، الحمد للہ! اللہ نے میری حفاظت فرمائی، اس لئے بجلی بھی جلتی نہیں چھوڑنی چاہئے۔

باب میں دوسری حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے: لَا تَتَرَكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ: جب رات میں سوؤ تو اپنے گھروں میں آگ مت چھوڑو یعنی اس کو بجھا کر سوؤ۔

[۱۵-] باب ماجاء في تحميم الإِنَاءِ وإطفاء السَّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ

[۱۸۰۶-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَغْلِقُوا الْبَابَ، وَأَوْكِنُوا السَّقَاءَ، وَأَكْفِلُوا الْإِنَاءَ أَوْ: خَمِّرُوا الْإِنَاءَ، وَأُطْفِئُوا الْمَصْبَاحَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غُلْقًا، وَلَا يَحِلُّ وَكَاءً، وَلَا يَكْشِفُ آيَةً، فَإِنَّ الْفَوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَيْتَهُمْ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ.

[۱۸۰۷-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَتَرَكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ملحوظہ: پہلی حدیث کے آخر میں فَإِنَّ الْفَوَيْسِقَةَ مصرية نسخہ میں وَإِنَّ الْفَوَيْسِقَةَ ہے یعنی فاء کے بجائے واو ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے، اس صورت میں لف و نشر مرتب ہو جائے گا، یعنی چار احکام اور ان کی بالترتیب وجوہ کا بیان ہوگا۔

بابُ ماجاء في كراهية القِرَانِ بَيْنَ الثَّمَرَتَيْنِ

دو کھجوریں ایک ساتھ کھانے کی کراہیت

اگر اجتماعی طور پر کھانا یا کوئی دوسری چیز کھائی جا رہی ہو تو ادب یہ ہے کہ دوسروں کو ترجیح دی جائے، خود کم کھائے اور دوسروں کو زیادہ کھانے کا موقع دے، اور اگر ایسا نہ کرے تو کم از کم انصاف سے کام لے، خود جلدی جلدی کھانا یا بڑے بڑے لقمے لینا یا دودو کھجوریں یا انگور ایک ساتھ کھانا حرص کی علامت ہے اور خود غرضی کی بات ہے، جو اسلامی اخلاق کے منافی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر دو کھجوریں ایک ساتھ کھانے سے منع فرمایا۔
 تشریح: اگر کسی کو جلدی ہو یا بھوک زیادہ ہو تو ساتھیوں سے اجازت لے کر دو کھجوریں ساتھ کھانا جائز ہے، ادب کے خلاف نہیں، کیونکہ اس ممانعت کی وجہ ساتھیوں کی کبیدگی ہے، اور اجازت کی صورت میں اس کا احتمال نہیں۔
 فائدہ: ابن شاہین کی کتاب الناسخ والمنسوخ میں ایک مرفوع حدیث ہے: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْقِرَانِ فِي التَّمْرِ، وَإِنَّ اللَّهَ وَسَّعَ عَلَيْكُمْ فَافْرِنُوا: میں نے آپ لوگوں کو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع کیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے وسعت کر دی ہے، پس ملا کر کھاؤ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۷۱:۹) میں فرمایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور ممانعت کی حدیث اصح اور اشہر ہے، اس لئے علماء نسخ کے قائل نہیں۔

[۱۶] باب ماجاء فی کراهیة القرآن بین التمرین

[۱۸۰۸] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، وَعُبَيْدُ اللَّهِ، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: "نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقْرَنَ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ صَاحِبُهُ"
 وفي الباب: عَنْ سَعْدِ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ملاحظہ: حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ حضرت سعدؓ کی حدیث ابن ماجہ (حدیث ۳۳۳۲) میں ہے۔

بابُ ماجاء فی استِحْبَابِ التَّمْرِ

کھجور کی پسندیدگی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: بَيِّنْتُ لَا تَمْرَ فِيهِ جِيعًا أَهْلُهُ: جس گھر میں کھجور نہیں: وہ گھر والے بھوکے ہیں۔
 تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے کھجور کا استحباب سمجھا ہے یعنی کھجور گھر میں ضرور ہونی چاہئے، مگر دنیا میں ہر جگہ کھجور دستیاب نہیں، یا بہت گراں ہے پھر حدیث پر عمل کیسے کیا جاسکتا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نظام خانہ داری میں یہ بات شامل ہے کہ گھر میں کوئی معمولی چیز جو بازار میں سستی ملتی ہو: ذہنی چاہئے، جیسے مدینہ میں کھجوریں اور ہمارے دیار میں گاجریں وغیرہ، تاکہ اگر ناوقت کسی کو بھوک لگے اور گھر میں کھانا ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ گھر میں اس موجود چیز سے ضرورت پوری کر لی جائے گی، اور اگر لوگ اس بات کا اہتمام نہیں کریں گے تو کسی بھی وقت بھوک ان کو ستائے گی اس کی نظیر: لا وں ہے، سرکہ اچار وغیرہ کچھ نہ کچھ گھر میں رہنا چاہئے، تاکہ بوقت ضرورت اس سے کام چلایا جاسکے (رحمۃ اللہ: ۵: ۴۸۳)

[۱۷] باب ماجاء فی استِحْبَابِ التَّمْرِ

[۱۸۰۹] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ بْنُ عَسْكَرٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَا: ثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ هِلَالٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "بَيِّتٌ لَا تَمْرَ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ"
 وفي الباب: عَنْ سَلَمَى أُمِّ رَافِعٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

ملاحظہ: سلمیٰؓ کی روایت ابن ماجہ (حدیث ۳۳۲۸) میں ہے،

بابُ ماجاء فی الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا قَرَعَ مِنْهُ

کھانے سے فارغ ہو کر اللہ کی حمد کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یقیناً بندے کی اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ وہ کوئی کھانا کھائے یا کچھ پیئے پھر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے۔
 تشریح: کھانے پینے کے بعد اللہ کی حمد کرنا مستحب ہے اور روایات میں حمد کے بہت سے جملے آئے ہیں، لیکن اگر کوئی صرف الحمد للہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں یا اردو میں: اللہ تیرا شکر! کہہ لے تو اصل سنت ادا ہو جائے گی۔

[۱۸] باب ماجاء فی الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا قَرَعَ مِنْهُ

[۱۸۱۰] - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَا: ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللَّهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ، فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا"
 وفي الباب: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ نَحْوَهُ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ.

لغات: الْأَكْلَةَ (بضم الهمزة) لقمہ اور (بفتح الهمزة) ایک بار کھانا..... الشَّرْبَةَ (بفتح نقط) پینا..... أَنْ يَأْكُلَ: لیرضی کا مفعول بہ ہے، اِیْ یُحِبُّ مِنْهُ أَنْ یَأْكُلَ فی حمدہ یعنی اللہ کو بندے کا وہی کھانا پینا پسند ہے جس پر وہ اللہ کی تعریف کرے۔

باب ماجاء فى الأَكْلِ مَعَ المَجْدُومِ

کوڑھی کے ساتھ کھانے کا بیان

جذام: (کوڑھ) ایک مرض ہے جو فسادِ خون سے پیدا ہوتا ہے، اس میں یا تو بدن پر سفید دھبے پڑ جاتے ہیں تو وہ برص کہلاتا ہے، یا اعضاء پر ورم ہو کر انگلیاں وغیرہ سڑنے لگنے اور گرنے لگتی ہیں، تو اس کو جذام کہتے ہیں۔ اور مسئلہ پہلے أبواب السیر کے آخر میں باب ماجاء فى الطَّيَّوْرَةِ میں آچکا ہے کہ عدوی: یعنی ایک کی بیماری خود بخود دوسرے کو لگنے کا خیال اسلام کے عقیدہ توحید کے منافی ہے، اللہ کی کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے: اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، یہ دنیا آٹو میٹک (خود کار) نہیں ہے، نہ اسباب خود کار ہیں، بلکہ وہ مسبب الاسباب کے حکم کے تابع ہیں، البتہ بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاطِ مجملہ اسباب مرض ہے اور اسباب اختیار کرنے کا شریعت کا حکم ہے پس احتیاط چاہئے، مگر اتنی بھی احتیاط نہیں چاہئے کہ اسباب خدا بن جائیں۔

اور احادیث میں قولی اور فعلی حدیثوں میں ان دونوں پہلوؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک طرف فرمایا: لَا عَذْوَى: کوئی بیماری بذاتِ خود کسی کو نہیں لگتی، اور باب میں روایت ہے کہ آپؐ نے ایک کوڑھی کو اپنے ساتھ کھلایا اور دوسری طرف متفق علیہ روایت ہے کہ کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، اور بنو ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھی آیا تھا، آپؐ نے اس کو کھلوا دیا کہ لوٹ جاؤ، آپؐ نے اپنے پاس اس کو نہیں آنے دیا، یہ دونوں پہلوؤں کو جمع کرنے کی تعلیم ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا، پس اس کو اپنے ساتھ بڑے پیالے میں داخل کیا، پھر فرمایا: ”کھا، اللہ کے نام سے (شروع کر) اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے“

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، سند کا ایک راوی مفضل بن فضالہ ابو مالک بصری (مبارک بن فضالہ کا بھائی) ضعیف ہے (اور ایک دوسرا راوی مفضل بن فضالہ قہبانی مصری ہے وہ ثقہ ہے، وہ اس سند میں نہیں ہے)

اور امام شعبہ رحمہ اللہ اس روایت کو حبيب بن الشہید سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا الی آخرہ۔ یہ حدیث منقطع ہے عبد اللہ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا، مگر امام ترمذیؒ نے اسی روایت کو اصح کہا ہے یعنی حدیث میں جو واقعہ ہے وہ نبی ﷺ کا نہیں ہے، بلکہ حضرت عمرؓ کا ہے۔ حالانکہ شعبہؒ کی روایت معلوم نہیں کس کتاب میں ہے اور باب کی روایت سنن اربعہ میں ہے، اگرچہ اس میں مفضل ضعیف راوی ہے، مگر وہ روایت بہر حال کتابوں میں ہے، پس اسی کو اصح کہنا چاہئے تھا۔

[۱۹-] باب ماجاء فی الأکل مع المَجْدُومِ

[۱۸۱۱-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْقَرُ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ، قَالَا: ثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِ مَجْدُومٍ، فَأَدْخَلَهُ مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ، ثُمَّ قَالَ: "كُلْ، بِسْمِ اللَّهِ، ثِقَةً بِاللَّهِ، وَتَوَكَّلًا عَلَيْهِ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يُونُسَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ فَضَالَةَ، وَالْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ هَذَا: شَيْخٌ بَصْرِيُّ، وَالْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ: شَيْخٌ آخَرُ مِصْرِيٌّ، أَوْثَقُ مِنْ هَذَا وَأَشْهُرُ. وَرَوَى شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ، عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ: أَنَّ عُمَرَ أَخَذَ بِيَدِ مَجْدُومٍ، وَحَدِيثُ شُعْبَةَ أَشْبَهُ عِنْدِي وَأَصَحُّ.

ترکیب: ثقۃ باللہ اور تو کلاً علیہ: کُل کی ضمیر فاعل سے حال ہیں یعنی اللہ پر بھروسہ کر اور اعتماد کر اور کھا (مجھے ان شاء اللہ کوئی ضرر نہیں پہنچے گا)..... حدیث کو سمجھنے کے لئے ایک فرضی مثال یہ ہے: مجمع میں ایک کوڑھی تھا، جب کھانے بیٹھے تو اس کو کوئی اپنے ساتھ کھلانے کے لئے تیار نہیں تھا، وہ بیچارہ مایوس کھڑا تھا، نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ پیالہ میں شریک کر لیا..... اُدخلہ کی ضمیر ید (مؤنث سماعی) کی طرف لوٹتی ہے بتاویل عضو۔ اور اس ترکیب کی صورت میں الکو کب الدری میں ایک سوال وجواب ہے:

سوال: اللہ پر توکل واعتماد کی ضرورت تو اس کو ہوتی ہے جو کوڑھی کو اپنے ساتھ کھلا رہا ہے، تعدیہ کا اندیشہ اور اس سے بچنے کی فکر تو اسی کو لاحق ہونی چاہئے نہ کہ مجذوم کو، پھر نبی ﷺ نے اس کو یہ تعلیم کیوں دی؟ جواب: کبھی مبتلا کو بھی اس کی حاجت ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح کوڑھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کھا کر اس کی بیوی بچے اس مرض میں مبتلا ہوں، اسی طرح وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ اپنے محبوب (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ شریک طعام ہو کر اس کو مرض میں مبتلا کرے، اس لئے آپ کو تو توکل واعتماد کی دولت حاصل تھی ہی مجذوم کو بھی اس کی تعلیم دی کہ میاں بے فکر ہو کر میرے ساتھ کھاؤ، مجھے ان شاء اللہ کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

دوسری ترکیب: اور اگر ثقۃ مصدر بمعنی وثوق ہو اور وہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہو ای کُل معی اُثِق باللہ ای اعتمد علیہ، وأقوَضُ امری الیہ، وأتوکل علیہ: یعنی میرے ساتھ کھا، میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں یعنی اس پر اعتماد کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اسی کو سونپتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں..... اس ترکیب کی صورت میں کوئی سوال وجواب نہیں ہوگا۔ ملحوظہ: ابن بریدۃ: جب بھی مبہم ہوتا ہے تو عبد اللہ بن بریدۃ بن الحصیب مراد ہوتا ہے اور سلیمان بن بریدۃ کا

نام مذکور ہوتا ہے یہ دونوں بھائی ثقہ راوی ہیں، دونوں مرو کے قاضی تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ

مؤمن ایک آنت کھاتا ہے اور کافرسات آنتیں!

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ: کافرسات آنتیں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت کھاتا ہے۔

تشریح: یہاں ایک دُور اعتراض ہے کہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے، بعض کافر کم کھاتے ہیں اور بعض مؤمن زیادہ، نیز کھانا اولاً معدہ میں جاتا ہے، پھر فضلہ انتڑیوں میں جاتا ہے اور انتڑیاں کافر اور مؤمن کی یکساں ہیں۔ اس کا جواب: یہ ہے کہ حدیث میں تمثیل ہے کہ کافر پر پیٹ کی فکر سواری رہتی ہے اور مؤمن پر آخرت کی، مؤمن کی دنیا کی طرف سے بے توجہی قلتِ طعام کا سبب ہوتی ہے، نیز مؤمن کے شایانِ شان بھی کم کھانا ہے، کیونکہ یہ ایمانی خصلت ہے اور کھانے کی حرص کفر کی عادت ہے۔

حدیث (۲): ایک غیر مسلم رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہوا، آپ نے اس کے لئے بکری دوہنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ دوہی گئی، پس وہ اس کا دودھ پی گیا، پھر دوسری کے لئے حکم دیا تو وہ بھی دوہی گئی، پس وہ اس کو بھی پی گیا، پھر ایک اور دوہی گئی، اس کا دودھ بھی پی گیا، یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر آئندہ صبح وہ مسلمان ہو گیا، پس اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک بکری کا حکم دیا، چنانچہ وہ دوہی گئی، پس وہ اس کا دودھ پی گیا، پھر اس کے لئے دوسری بکری دوہنے کا حکم دیا تو وہ اس کو پورا نہ پی سکا، اس موقع پر آپ نے فرمایا: ”مؤمن ایک آنت پیتا ہے، اور کافرسات آنتوں میں پیتا ہے“

تشریح: حدیث جملہ خبریہ ہے یعنی اس میں ایک بات کی اطلاع دی گئی ہے، اور ہر خبر انشاء کو متضمن ہوتی ہے، پس خبر تو پیرایہ بیان ہے، اور انشاء مقصود ہے، اور سات کا عدد تکثیر کے لئے ہے یعنی یہ خبر دی ہے کہ کافر کھانے کا حریص ہوتا ہے اور مؤمن قانع ہوتا ہے، اور آپ نے یہ بات عمومی احوال کے اعتبار سے فرمائی ہے، کوئی کلیہ نہیں بیان کیا اور اس سے یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ مؤمن کے شایانِ شان یہ بات ہے کہ وہ بقدر ضرورت کھانے پر اکتفا کرے، زیادہ کھانا اس کے لائق نہیں۔

[۲۰-] بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ

[۱۸۱۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، ثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ“

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي بَصْرَةَ، وَأَبِي مُوسَى، وَجَهَّاهُ الْغَفَارِيُّ، وَمِثْمُونَةُ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو.

[۱۸۱۳-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَافَهُ ضَيْفٌ كَافِرٌ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ، فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَ، ثُمَّ أُخْرِي، فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَهُ، ثُمَّ أُخْرِي فَشَرِبَهُ، حَتَّى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شَيَاطِينٍ، ثُمَّ أَصْبَحَ مِنَ الْغَدِ فَاسْتَلَمَ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ، فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِأُخْرَى، فَلَمْ يَسْتَمْتَمَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مَعَى وَاحِدٍ، وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

بابُ مَا جَاءَ فِي طَعَامِ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْإِثْنَيْنِ

ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہے

مکارم اخلاق میں سے صفت ”ایثار“ ہے، یعنی دوسرے کے نفع کو اپنے نفع سے مقدم رکھنا، اور ایثار کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جس کا ذکر سورۃ الحشر (آیت ۹) میں آیا ہے: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ یعنی وہ اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کا فائدہ ہی ہو، اور اس کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جو اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کو کھانے میں شریک کر لیا جائے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہے، اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہے“
حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایک کا کھانا دو کے لئے کفایت کرتا ہے، اور دو کا کھانا چار کے لئے کفایت کرتا ہے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کفایت کرتا ہے“

تشریح: دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک کا کھانا جس سے وہ شکم سیر ہو جائے اگر دو شخص کھائیں تو دونوں کا دال دلیا ہو جائے گا یعنی کام چل جائے گا، پس ایسی صورت پیش آئے تو بے تکلف دوسرے کو کھانے میں شریک کر لیا جائے یہ بھی ایثار کا ایک درجہ ہے۔

[۲۱-] بابُ مَا جَاءَ فِي طَعَامِ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْإِثْنَيْنِ

[۱۸۱۴-] حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "طَعَامُ الْإِثْنَيْنِ كَافِي

الثَّلَاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ“

وفی الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۸۱۵-] وَرَوَى جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْإِثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الْإِثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ“ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا.

ترکیب: پہلی حدیث میں کافی: اسم فاعل ہے، اس کی مابعد کی طرف اضافت بھی ہو سکتی ہے اور اس کو مفعول بھی بنایا جاسکتا ہے، اور دوسری حدیث میں یکفی کا مابعد اس کا مفعول ہے..... اور الاثنین کے دونوں ہمزہ وصلی ہیں، اس لئے لام کا زیر پڑھیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْجَرَادِ

ٹڈی کھانا جائز ہے

ٹڈی: ایک قسم کا پردار کیڑا ہے جو درختوں اور فصلوں کو نقصان پہنچاتا ہے، میرے بچپن میں ٹڈی ڈل آیا تھا، منجد میں اس کا فوٹو ہے، اور ٹڈی بالاجماع حلال ہے اور جمہور کے نزدیک مری ہوئی بھی حلال ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک ذبح ضروری ہے، پھر ذبح کے طریقہ میں اختلاف ہے: کوئی کہتا ہے: سر کاٹ دیا جائے، کوئی کہتا ہے: اگر ہانڈی یا آگ میں گر جائے تو حلال ہے اور اپنی موت مرے یا کسی برتن میں مرے تو حلال نہیں، اور ابن وہیب کہتے ہیں: اس کا پکڑنا ہی ذبح ہے..... اور جمہور کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ: الْمَيْتَتَانِ: الْحَوْثُ وَالْجَرَادُ، وَالدَّمَانِ: الْكَبِدُ وَالطَّحَالُ: ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: دو مردار: مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون: جگر اور تلی ہیں (رواہ ابن ماجہ و احمد والدارقطنی، مشکوٰۃ حدیث ۳۱۳۲ کتاب الصيد)

فائدہ: ابو داؤد (حدیث ۳۸۱۲) میں حضرت سلمان فارسی کی روایت ہے: نَبِيٌّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا؟ آپ نے فرمایا: أَكْثَرُ جُنُودِ اللَّهِ، لَا أَكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ: ٹڈیاں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہیں (جس نے ٹڈی دل دیکھا ہے وہی اس کو سمجھ سکتا ہے) میں نہ اس کو کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں، یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے موصول و مرسل ہونے میں اختلاف ہے اور درج ذیل حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، جس سے حلت ثابت ہوتی ہے، اور طبعی ناپسندیدگی پر بھی اس کو محمول کیا جاسکتا ہے۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ چھ جنگیں لڑی ہیں، ہم ٹڈی کھاتے تھے۔

ملحوظہ: اس روایت میں ابن عیینہ کی روایت میں چھ غزوات ہیں، اور سفیان ثوری کی روایت میں سات اور شعبہ کی روایت میں تعداد مذکور نہیں (مگر بخاری اور ابوداؤد میں شعبہ کی روایت میں چھ یا سات میں شک ہے)

[۲۲-] باب ماجاء فی أکُلِ الْجَرَادِ

[۱۸۱۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي يَعْفُورَ الْعَبْدِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْجَرَادِ؟ فَقَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ. هَكَذَا رَوَى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ هَذَا الْحَدِيثَ، وَقَالَ: سِتَّ غَزَوَاتٍ، وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ هَذَا الْحَدِيثَ، وَقَالَ: سَبْعَ غَزَوَاتٍ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عُمرَ، وَجَابِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو يَعْفُورَ: اسْمُهُ وَاقِدٌ، وَيُقَالُ: وَقْدَانٌ أَيْضًا، وَأَبُو يَعْفُورَ الْآخَرُ: اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ. [۱۸۱۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ، ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، وَالْمُؤَمَّلُ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي يَعْفُورَ، عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ، نَأْكُلُ الْجَرَادَ. وَرَوَى شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ، عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ بِهِذَا.

باب ماجاء فی أکُلِ لُحُومِ الْجَلَّالَةِ وَالْبَانِهَاءِ

میٹنی اور لید کھانے والے چوپایے کے گوشت اور دودھ کا حکم

الْجَلَّةُ: میٹنی اور لید، الْجَلَّالَةُ (اسم مبالغہ) وہ چوپایہ جو میٹنی اور لید بہت کھاتا ہو یعنی اس کا اکثر چارہ یہی ہو، اور اگر اکثر چارہ پاک ہو تو جلالہ نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ کثرت و قلت کا اعتبار نہیں، بدبو پر مدار ہے، اور الکوکب الدری میں ہے کہ جب نجاست کا اثر پسینے، دودھ اور گوشت میں صاف محسوس ہو تو وہ حرام ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک جلالہ کا گوشت اور دودھ مکروہ تحریمی ہے اور اس کا پسینہ ناپاک ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جلالہ کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اور جلالہ جانور سے انتفاع کی صورت یہ ہے کہ اس کو روک لیا جائے اور دوسرا چارہ دیا جائے، جب اس کے پسینہ، دودھ اور گوشت کی بدبو ختم ہو جائے تو اب انتفاع جائز ہے اور کتنی مدت باندھ رکھا جائے؟ اس میں اختلاف ہے اور بذل المجہود میں ہے کہ جب تک نجاست کا اثر زائل نہ ہو روک رکھا جائے۔

مسئلہ: جو جانور کبھی نجاست کھاتا ہو وہ حلال ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے مرغی کھائی ہے اور وہ کبھی نجاست کھاتی ہے (کوکب)

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے جلالہ کا گوشت کھانے سے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مُجَثَّمَة (نشانہ بنا کر تیروں سے مارے ہوئے جانور) سے اور جلالہ کے دودھ سے اور مشکیزے کے منہ سے پینے سے منع فرمایا۔

تشریح: پہلی حدیث صرف حسن اس لئے ہے کہ ابن ابی نجیح کے تلامذہ میں اختلاف ہے، کوئی عن مجاہد، عن ابن عمر روایت کرتا ہے، اور کوئی عن مجاہد کہہ کر مرسل روایت کرتا ہے، اور کوئی عن مجاہد، عن ابن عباس روایت کرتا ہے، اور دوسری حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور عبد اللہ بن عمرو کی روایت ابو داؤد (حدیث ۳۸۱۰) اور نسائی (حدیث ۴۳۴۷) میں ہے۔ اور مجثمۃ کا مسئلہ پہلے گزر چکا ہے اور مشکیزے کے منہ سے پینے کی ممانعت آگے آرہی ہے۔

[۲۳-] باب ماجاء فی اَکْلِ لُحُومِ الْجَلَّالَةِ وَالْبَانِهَا

[۱۸۱۸-] حَدَّثَنَا هَذَا، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَالْبَانِهَا. وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَرَوَى الثَّوْرِيُّ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

[۱۸۱۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ، وَعَنِ الْبَانِهَا، وَعَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السَّقَاءِ.

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: وَثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ماکول اللحم جانوروں کے فضلات ناپاک ہیں، ورنہ جلالہ کی ممانعت نہ کی جاتی۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور تحفۃ اللمعی (۳۱۶:۱) میں آچکا ہے۔

باب ماجاء فی أكل الدجاج

مرغی کھانے کا بیان

مرغی: بالاتفاق حلال ہے، البتہ نجاست خور مرغی میں بحث ہے کہ وہ جلالہ کے دائرہ میں آتی ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ اس کو بھی جلالہ کی حدیث کے تحت لاتے ہیں، اور کچھ لوگ جلالہ کو چوپایے کے ساتھ خاص رکھتے ہیں، اور صحیح یہ ہے کہ خاص نہیں چنانچہ جو کو اصراف مردار کھاتا ہے وہ اسی حدیث سے حرام ہے، مگر مرغی عام طور پر خلط کرتی ہے یعنی کبھی نجاست کھاتی ہے اور عام طور پر غلہ دانہ چگتی ہے، اور خلط کرنے والا جانور حلال ہے۔

حدیث: زہدم کہتے ہیں: میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا، جمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا، حضرت ابو موسیٰ نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی، اس نے عرض کیا: میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا ہے، اس لئے میں نے مرغی نہ کھانے کی قسم کھالی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا: قریب آؤ (اور کھاؤ) میں نے نبی ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔

[۲۴] باب ماجاء فی أكل الدجاج

[۱۸۲۰] - حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَحْزَمَ، ثَنَا أَبُو قَتَيْبَةَ، عَنْ أَبِي الْعَوَّامِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زَهْدَمِ الْجَرْمِيِّ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِي مُوسَى، وَهُوَ يَأْكُلُ دَجَاجَةً، فَقَالَ: أَذُنُ فُكُلٍ، فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ زَهْدَمٍ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَهْدَمٍ، وَأَبُو الْعَوَّامِ: هُوَ عِمْرَانُ الْقَطَّانُ.

[۱۸۲۱] - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ زَهْدَمٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ، وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هَذَا. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رَوَى أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْقَاسِمِ الثَّمِيمِيِّ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ زَهْدَمِ الْجَرْمِيِّ.

لغت: الدجاج اور الديك: مرغی..... الدجاجة: مرغی..... عمران بن ذاور ابو العوام القطان البصری: معمولی درجہ کا راوی ہے اور وہ غلطیاں بھی کرتا ہے، اس لئے اس کی سند سے حدیث صرف حسن ہے، اور دوسری سند سے حسن صحیح ہے..... دوسری حدیث میں زائد کلام بخاری و مسلم اور شمائل میں ہے، اوپر اسی کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْحَبَارَى

حَبَارَى كے کھانے کا بیان

حَبَارَى: تیتڑ جیسا ایک پرندہ ہے، البتہ اس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں، ہمارے علاقہ میں نہیں ہوتا، منجد میں اس کا فوٹو ہے، یہ پرندہ بے وقوفی میں مشہور ہے، مثل ہے: كُلُّ شَيْءٍ يُحِبُّ وَلَدَهُ حَتَّى الْحَبَارَى: یعنی حَبَارَى: بے وقوفی کے باوجود اپنے چوزے سے محبت کرتا ہے اور اس کو اڑنا سکھاتا ہے۔ حَبَارَى بالاتفاق حلال ہے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ حَبَارَى کا گوشت کھایا ہے، یہ حدیث ضعیف ہے، عقیلی اور ابن حبان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے (قالہ الحافظ فی التلخیص) ابراہیم بن عبد الرحمن: صدوق لہ مناکیر اور ابراہیم بن عمر جس کا لقب بُرّیہ ہے: وہ مستور ہے۔

[۲۵-] بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْحَبَارَى

[۱۸۲۲-] حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجِيُّ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حَبَارَى.

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ: رَوَى عَنْهُ ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، وَيَقُولُ: بُرِّيَّةُ بْنُ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ.

وضاحت: بُرِّيَّة: یا تو ابراہیم کا لقب ہے یا ابراہیم کی تصغیر ہے، ابن ابی فدیک: اپنی روایت میں یہی لقب استعمال کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الشَّوَاءِ

بھنا ہوا گوشت کھانے کا بیان

الشَّوَاء: بھنا ہوا گوشت کھانا جائز ہے، نبی ﷺ سے اس کا کھانا ثابت ہے، پس یہ بات دینداری کے منافی نہیں، نہ یہ بات تعیش کے زمرے میں آتی ہے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے بکری کا بھنا ہوا پہلو نبی ﷺ سے نزدیک کیا یعنی آپؐ کے سامنے رکھا، پس آپؐ نے اس میں سے نوش فرمایا، پھر آپؐ نماز کے لئے اٹھے اور وضو نہیں کی معلوم ہوا کہ ماست النار سے وضو نہیں ٹوٹتی، یہ مسئلہ تفصیل سے تحفۃ اللمعی (۳۲۵:۱) میں گذر چکا ہے۔

[۲۶] باب ماجاء في أكل الشَّوَاءِ

[۱۸۲۳] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّعْفَرَانِيُّ، ثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ: أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَمَا تَوَضَّأَ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، وَالْمُغِيرَةِ، وَأَبِي رَافِعٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مُتَّكِنًا

ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے

کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ مناسب ہیئت پر بیٹھ کر کھایا جائے، نامناسب ہیئت میں کھانے سے احتراز کیا جائے، اور مناسب ہیئت کیا ہے؟ اس کی تعیین نہیں کی گئی، کیونکہ وہ بہت سی ہیں، البتہ منفی پہلو سے یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ٹیک لگا کر نہ کھایا جائے۔

اس کی نظیر: احرام میں کیا کپڑے پہنے جائیں؟ اس کی تعیین نہیں کی گئی، کیونکہ وہ بہت سے کپڑے ہو سکتے ہیں، البتہ احرام میں کیا کیا کپڑے نہ پہنے جائیں؟ اس کی تعیین کر دی، اب جو باقی بچے وہ احرام میں پہنے جاسکتے ہیں (تفصیل تحفۃ الامعی ۳: ۲۲۹ میں گزر چکی ہے)

اسی طرح یہاں بھی مناسب ہیئت کی تعیین نہیں کی، اور جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ نبی ﷺ کو فلاں ہیئت میں کھاتے ہوئے دیکھا گیا: ان سے ہیئت کی تعیین نہیں ہوتی، کیونکہ وہ فعلی روایتیں ہیں..... البتہ منفی پہلو سے یہ قاعدہ بیان کیا کہ ٹیک لگا کر نہیں کھانا چاہئے، پھر ٹیک لگانے کی کیا صورت ہے؟ یہ بات بھی روایات میں نہیں آئی، اور علماء نے اتنی مختلف تفسیریں کی ہیں کہ شد و خواب من پریشاں ز کثرت تعبیر ہا!..... دائیں بائیں جھک کر اور ہاتھ ٹیک کر کھانا تو اس کا مصداق ہے ہی، خطابِ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گدے پر باطمینان بیٹھ کر کھانا بھی ٹیک لگا کر کھانا ہے، اور ابن القیمؒ نے چار زانو بیٹھ کر کھانے کو بھی ٹیک لگا کر کھانا قرار دیا ہے، اور اس کے علاوہ بھی تفسیریں کی گئی ہیں، پس بہتر یہ ہے کہ اس کو رائے مجتہلی بہ پر چھوڑ دیا جائے، اس قسم کی ابھی ہوئی باتوں میں امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مزاج ہے، جیسے نماز میں عمل کثیر کا مسئلہ، عمل کثیر کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس لئے اس کو رائے مجتہلی بہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

پس ہر شخص دو باتیں پیش نظر رکھ کر اس کی تعیین کرے، ایک: ایسی ہیئت میں نہیں کھانا چاہئے کہ پیٹ بڑا ہو

جائے، یہ وجہ حضرت نخعیؒ نے بیان کی ہے، فرمایا: کانوا یکرہون أن یأکلوا اتکاءً ؓ مخافة أن تعظم بطونهم (ابن ابی شیبہ) یعنی سلف ٹیک لگا کر کھانے کو اس اندیشہ سے ناپسند کرتے تھے کہ ان کے پیٹ بڑھ جائیں گے۔ دوم: متکبروں کی حالت اختیار نہیں کرنی چاہئے، متواضعانہ حالت میں کھانا چاہئے، یہ وجہ حدیث میں آئی ہے، ابن ماجہ (حدیث ۳۲۶۳) میں ہے: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو بکری ہدیہ میں پیش کی، آپؐ نے دوزانو بیٹھ کر کھانا شروع کیا، ایک بدو بولا: یہ بیٹھنے کی کیا ہیئت ہے! آپؐ نے فرمایا: إن اللہ جعلنی عبداً کریمًا، ولم یجعلنی جباراً عنیداً: اللہ تعالیٰ نے مجھے معزز بندہ (غلام) بنایا ہے، اور مجھے سرکش ضدی نہیں بنایا (اس لئے میں متواضعانہ ہیئت پر بیٹھ کر کھاتا ہوں)۔

غرض: ان دو باتوں کا لحاظ کر کے طلباء ٹیک لگانے کا مفہوم خود متعین کریں، میرے خیال میں تین صورتیں ٹیک لگانے میں شامل ہیں: ۱- کرسی پر بیٹھ کر کھانا، کیونکہ اس حالت میں پیٹ تنارتا ہے، اس لئے زیادہ کھایا جاتا ہے اور آدمی توندو ہو جاتا ہے ۲- دیوار وغیرہ سے پیٹھ لگا کر کھانا، اس حالت میں بھی پیٹ تنارتا ہے، اور زیادہ کھایا جاتا ہے ۳- ایک جانب جھک کر ہاتھ سے ٹیک لگا کر کھانا، یہ متکبرانہ وضع ہے، باقی حالتوں کے بارے میں طلبہ خود فیصلہ کریں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: أَمَّا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَّكِنًا: رہائیں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا ہوں۔

تشریح: یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۳۷۶۹) اور ابن ماجہ (حدیث ۳۲۶۲) میں بھی ہے، ان میں اَمَّا أَنَا نہیں ہے، صرف لَا أَكُلُ مُتَّكِنًا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اَمَّا اُنَاجَا ہوتا ہے کہ مقابل کوئی شخص ٹیک لگا کر کھارہا ہو، اور اس کو اس حالت پر اصرار بھی ہو یا کم از کم اس کو وہ حالت پسند ہو جس پر نبی ﷺ نے نکیر فرمائی ہو، مگر روایات میں ایسا کوئی واقعہ مروی نہیں۔

اور اس حدیث کا شانِ ورود یہ واقعہ ہے: ایک مرتبہ ایک ایسا فرشتہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا، اور اس نے یہ پیغام پہنچایا کہ آپؐ کے پروردگار آپؐ کو اختیار دیتے ہیں کہ آپؐ خواہ بندہ نبی بنیں یا بادشاہ نبی، آپؐ نے حضرت جبرئیل کی طرف دیکھا جیسے ان سے مشورہ طلب کر رہے ہوں، انھوں نے اشارہ سے فرمایا کہ فروتنی اختیار کریں، چنانچہ آپؐ نے اس فرشتہ کو جواب دیا: بل عبداً نبیاً، قال: فما آکل مُتَّكِنًا: بلکہ میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں اور فرمایا: پس میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا یعنی بندہ نبی بننے کی یہ ایک صورت ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ متواضعانہ ہیئت میں کھانا چاہئے۔

[۲۷]- باب ماجاء فی کراہیة الأَکْلِ مُتَّكِنًا

[۱۸۲۴]- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَّا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَّكِئًا"

وفى الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ بْنِ الْأَقْمَرِ.

وَرَوَى زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ، وَسُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ عَلِيٍّ بْنِ الْأَقْمَرِ هَذَا الْحَدِيثَ، وَرَوَى شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ عَلِيٍّ بْنِ الْأَقْمَرِ.

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، علی بن اقر سے آخر تک ایک سند ہے، زکریا اور سفیان ثوری وغیرہ بھی علی ہی سے روایت کرتے ہیں بلکہ امام شعبہ تو ثوری سے، اور وہ علی سے روایت کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلُوءَاءَ وَالْعَسَلَ

نبی ﷺ کو میٹھا اور شہد پسند تھا

میٹھی چیز معدے کو قوت پہنچاتی ہے، نبی ﷺ کو طبعی طور پر میٹھا کھانا اور شہد مرغوب تھا، الحلواء: ہر میٹھے کھانے کو کہتے ہیں، اور شہد کا ذکر تعیم کے بعد تخصیص ہے یعنی خاص طور پر شہد پسند تھا۔ اور ان چیزوں کے پسند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ان کو بہت چاہتے تھے اور ان کے لئے بے چین رہتے تھے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جب یہ چیزیں سامنے آئیں تو آپ شوق سے کھاتے، جس سے صحابہ سمجھتے کہ یہ کھانا آپ کو پسند ہے، اور یہ بات امام خطابی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، اور مجھے اس کا خوب تجربہ ہے، یورپ اور امریکہ میں اگر دعوت میں میں کوئی کھانا رغبت سے کھاتا ہوں تو فوراً خبر پھیل جاتی ہے کہ حضرت کو فلاں کھانا پسند ہے، پھر ہر دعوت میں وہ کھانا سامنے آتا ہے۔

لطیفہ: بولٹن (برطانیہ) میں ایک دعوت میں کرپلا سامنے آیا، میں نے رغبت سے کھایا، کیونکہ مجھے ذیابیطس ہے اور کرپلا اس میں مفید ہے پس پورے محلہ میں خبر پھیل گئی اور اب ہر دعوت میں کرپلا ضرور ہوتا تھا، حالانکہ کرپلا پکانا ہر عورت نہیں جانتی، اب یہ کڑوا کھانا کیسے کھایا جائے اور نہ کھائیں تو پکانے والوں کی دل شکنی ہو، چنانچہ میں مجبوراً ہر مار کرتا تھا، اور احباب نے اس کا نام "فرض عین" رکھ دیا، دیکھتے ہی کہتے: فرض عین آگیا!

[۲۸-] بَابُ مَا جَاءَ فِي حُبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلُوءَاءَ وَالْعَسَلَ

[۱۸۲۵-] حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غِيلَانَ، وَأَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، قَالُوا:

ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحُلُوءَاءَ وَالْعَسَلَ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هَذَا.

وضاحت: یہ حدیث غریب اس لئے ہے کہ ہشام ہی اس کے راوی ہیں اور یہ حدیث بخاری و مسلم میں مفصل ہے، اس میں ایک اسکیم کے تحت ازواج نے آپ کے لئے شہد حرام کرایا تھا (دیکھیں مسلم شریف حدیث ۲۱/۱۴۷۴ کتاب الطلاق باب ۳)

فائدہ: نبی ﷺ کے زمانہ میں مَجْنِع (بروزن عظیم) نامی حلوا بھی بنتا تھا، جو کھجور اور دودھ ملا کر بنایا جاتا تھا، ممکن ہے حدیث میں یہی حلوا مراد ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْثَارِ الْمَرْقَةِ

شور با بڑھانے کا بیان

باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی ضعیف ہے، اس میں شور با بڑھانے کا لازمی فائدہ بیان کیا گیا ہے، یعنی اگر گوشت کم ہو، اور فیملی بڑی ہو تو شور با زیادہ کر لیا جائے، تاکہ جس کو بوٹی نہ پہنچے یا کم پہنچے وہ شور بے سے کام چلا لے، کیونکہ وہ بھی گوشت کا شور با ہے، پس گویا اس نے گوشت کھایا..... اور دوسری حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس میں شور با زیادہ رکھنے کا متعدی فائدہ بیان کیا گیا ہے کہ شور با زیادہ ہوگا تو چچہ دو چچہ پڑوسی کو بھی پہنچے گا۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے، پس چاہئے کہ وہ اس کا شور با زیادہ کرے، پس اگر وہ گوشت نہ پائے تو شور با پالے گا، اور شور با دو گوشتوں میں سے ایک ہے، یعنی وہ بھی گویا گوشت ہے۔“

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، محمد بن فضاء ضعیف ہے اور اس کا باپ مجہول ہے، محمد بن فضاء کی شہرت معبر (تعبیر بیان کرنے والے) سے تھی، سلیمان بن حرب اس کی تضعیف کرتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ وہ شراب پیتا ہے اور پیتا بھی ہے، اور ابن معین سے کہا گیا: یہ خواب کی تعبیریں بتلاتا ہے! فرمایا: ہاں اور اس کی حدیثیں بھی اس کی تعبیر جیسی ہیں (تہذیب ترجمہ محمد بن فضاء)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھلائی میں سے کسی چیز کو ہرگز معمولی نہ سمجھے یعنی چھوٹی بڑی ہر بھلائی کرے، اور اگر (بھلائی کی راہ) نہ پائے تو چاہئے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے، اور جب آپ کچھ گوشت خریدیں یا کوئی ہانڈی پکائیں تو اس کا شور با زیادہ کر لیں (اور ہانڈی کا کھانا بھی بڑھالیں) اور اس میں سے ایک چچہ اپنے پڑوسی کو دیں۔

[۲۹-] باب ماجاء في إِكْثَارِ الْمَرْقَةِ

[۱۸۲۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ، ثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُضَاءٍ، ثَنَا أَبِي، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيَكْثِرْ مَرْقَتَهُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرْقَةً، وَهُوَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ"
وفي الباب: عَنْ أَبِي ذَرٍّ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ قُضَاءٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ قُضَاءٍ: هُوَ الْمُعْتَبَرُ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَعَلْقَمَةُ: هُوَ أَخُو بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُزَنِيِّ،

[۱۸۲۷-] حدثنا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ الْأَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَنْقَرِيُّ، ثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ صَالِحِ بْنِ رُسْتَمَ أَبِي عَامِرٍ الْخَزَّازِ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ أَخَاهُ بِوَجْهِ طَلْبِقٍ، وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَأَكْثِرْ مَرْقَتَهُ، وَاعْرِفْ لِحَارَكَ مِنْهُ"
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ.

لغات: الطَّلْبِقُ من الوجوه: خنده، مسکراتا ہوا چہرہ، کھلا ہوا ہشاش چہرہ..... قولہ: فأكثر مرقته: یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا محذوف ہے جو بین القوسین لکھا ہے..... اس باب کے بالکل آخر میں هذا حدیث حسن تھا، یہ بے ضرورت ہے اور مصری نسخہ میں نہیں ہے، اس لئے اس کو حذف کیا ہے۔

بابُ ماجاء في فَضْلِ الثَّرِيدِ

ثرید کی فضیلت

ثرید: روٹی کو چور کر شور بے میں بھگو کر بنایا ہوا کھانا، اسی طرح گوشت پکتے ہوئے اس میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیئے جائیں تو یہ بھی ثرید ہے، ثرید: لذیذ، نرم اور زود ہضم ہوتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "مردوں میں بہت سے کامل ہوئے، اور عورتوں میں صرف مریم اور آسیہ کامل ہوئیں، اور عائشہ کی برتری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی برتری تمام کھانوں پر"

تشریح: سورۃ الواقعہ میں ہے کہ اعلیٰ درجہ کے لوگ اگلوں میں بہت زیادہ ہوئے ہیں اور پچھلوں میں تھوڑے

ہوئے ہیں، اسی طرح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اعلیٰ درجہ کے لوگ مردوں میں بہت زیادہ ہوئے ہیں، اور عورتوں میں ان کی تعداد تھوڑی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں میں نبوت تو مطلق نہیں، اور مقام شہادت بھی عام طور پر مردوں کو حاصل ہوتا ہے، اور عورتیں دین میں بھی ناقص ہوتی ہیں یعنی وہ اپنے مخصوص احوال کی وجہ سے مردوں کی طرح عبادت نہیں کر سکتیں، اس لئے فرمایا کہ مردوں میں تو بہت لوگ درجہ کمال کو پہنچے، اور عورتوں میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران، اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہما درجہ کمال تک پہنچیں، اور اس امت کی عورتوں میں سے حضرت عائشہ کا مرتبہ سب سے فائق ہے، جیسے شریک سب کھانوں میں عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے، اسی طرح حضرت عائشہ سب عورتوں سے افضل ہیں۔

سوال: حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ میں سے کون افضل ہے؟ حضرت عائشہ کی طرح باقی دو کے بارے میں بھی روایات آئی ہیں، حضرت خدیجہ کے بارے میں متفق علیہ روایت ہے: مریم اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں، اور خدیجہ اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۶۱۷۵) اور حضرت فاطمہ کے بارے میں بھی متفق علیہ روایت ہے: فاطمہ بضعة منی: فاطمہ میرا پارہ (مکڑا) ہیں، پس ان تین میں سے افضل کون ہے؟

جواب: ان میں سے ہر ایک کو جزئی فضیلت حاصل ہے جو دوسری کو حاصل نہیں، غم گساری، ہمدردی اور سخت حالات میں رفاقت حضرت خدیجہ کا نصیب ہے اور جزئیت و بعضیت کی فضیلت حضرت فاطمہ کو حاصل ہے اور محبوبیت و فقاہت اور اشاعت دین کی فضیلت حضرت عائشہ کے حصہ میں آئی، اور فضیلت کلی کسی کو حاصل نہیں، جیسے نوح علیہ السلام کو ”سب سے پہلا رسول“ ہونے کی فضیلت حاصل ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام کو خلت کا مقام حاصل ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا: یہ سب جزئی فضیلتیں ہیں، کلی فضیلت ان میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

[۳۰-] باب ماجاء فی فَضْلِ الثَّرِيدِ

[۱۸۲۸-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرِيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَآسِيَةُ امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ؛ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ“

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأَنْسِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء انهشوا اللحم نهشاً

گوشت دانٹوں سے نوچ کر کھاؤ

حدیث: امیر بصرہ عبداللہ بن الحارث بن نوفلؓ کہتے ہیں: میرے ابا نے میرا نکاح کیا، پس کچھ لوگوں کو دعوت میں بلایا، ان میں حضرت صفوان بن امیہؓ بھی تھے، پس انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”گوشت دانٹوں سے نوچ کر کھاؤ، وہ زیادہ خوش گوار اور زیادہ زود ہضم ہوتا ہے“

تشریح: ہڈی پر سے گوشت اگر دانٹوں سے نوچ کر کھایا جائے تو اس کے ساتھ تھوک ملتا ہے، جس کی وجہ سے گوشت کی لذت بڑھ جاتی ہے اور وہ جلدی ہضم ہو جاتا ہے اور جزو بدن بن جاتا ہے، اور حدیث ضعیف ہے، اس میں عبدالکریم مشہور ضعیف راوی ہے، اس راوی کی شہرت معلّم سے تھی، اس کو حدیثیں ٹھیک یا نہیں تھیں، مگر بات تجربہ سے تعلق رکھتی ہے اور تجربہ یہی ہے کہ اس طرح گوشت کھانے سے خوب رچتا پچتا ہے۔

[۳۱-] باب ماجاء انهشوا اللحم نهشاً

[۱۸۲۹-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: رَوَّجَنِي أَبِي، فَدَعَا أَنَسًا فِيهِمْ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”انْهَسُوا اللَّحْمَ نَهْسًا، فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ“

وفى الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْكَرِيمِ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي عَبْدِ الْكَرِيمِ الْمُعَلِّمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، مِنْهُمْ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ.

لغات: نهش (بڑی شین کے ساتھ) اور نهس (چھوٹی سین کے ساتھ) اللحم (ف) نهشاً ونهساً: کھانے کے لئے گوشت کو دانٹوں سے نوچنا..... أهناً: هَنِئُ کا اسم تفضیل ہے: بہت خوش گوار، من پسند، مزیدار، هَنِئَ له الطعام (س) هناً وهناً ة: کھانے کا کسی کے لئے لذیذ و پر لطف ہونا، کھانا مزیدار لگنا..... أمراً: مَرِئُ کا اسم تفضیل ہے: بہت زود ہضم اور خوش گوار کھانا، هَنِئْنَا مَرِئاً: کھانا تمہارے لئے خوش گوار اور نفع بخش ہو (بطور دعا) قرآن میں ہے: ﴿فَكُلُوهُ هَنِئًا مَرِئًا﴾ تم اسے کھا کر لطف اٹھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ، مَرِئاً الطعام (ف) مَرَاء ة: کھانے کا مزیدار ہونا، مرغوب و پسندیدہ ہونا، خوش گوار اور بہتر ہونا (پس دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں اور ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں) رچنا: کھانا ہضم ہونا، جزو بدن ہونا..... پچنا: ہضم ہونا..... رچنا پچنا بھی تقریباً ہم معنی ہیں اور ایک ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسَّكِينِ

چھری سے گوشت کاٹنے کا جواز

اگر ضرورت ہو تو چھری سے گوشت، ڈبل روٹی اور پھل وغیرہ کاٹنا جائز ہے، صحیح روایات میں آپ کا چھری سے گوشت کاٹنا مروی ہے پس اس پر دیگر چیزوں کو قیاس کیا جائے گا، بلکہ ہوک میں چھری سے آپ نے پتیر بھی کاٹا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۲۲۷) البتہ بے ضرورت چھری کا استعمال ممنوع ہے، یہ عجیبوں کا طریقہ ہے، وہ چھری کاٹنے سے کھاتے ہیں، ضعیف روایات میں جو گوشت اور روٹی کاٹنے کی ممانعت آئی ہے اس کا یہی محل ہے۔ امام ترمذی نے لفظ رخصت استعمال کیا ہے یعنی پہلے ممانعت تھی، پھر اجازت ہو گئی، مگر اس کا کوئی قرینہ نہیں، اس لئے ضرورت اور بے ضرورت پر مسئلہ کا مدار رکھنا بہتر ہے۔

جواز کی روایت: حضرت عمرو بن امیہ ضمری نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ نے بکری کے شانے سے چھری سے گوشت کاٹا، پس اس کو کھایا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمائی (معلوم ہوا کہ ماست النار سے وضو نہیں ٹوٹی، یہ حدیث متفق علیہ ہے)

ممانعت کی روایات: ابوداؤد (حدیث ۳۷۷۴) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت ہے: لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسَّكِينِ، فَإِنَّهُ مِنْ صَنِيعِ الْأَعَاجِمِ، وَأَنْهَسُوهُ، فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ: چھری سے گوشت مت کاٹو، اس لئے کہ یہ عجیبوں کا طریقہ ہے، بلکہ اس کو دانتوں سے نوج کر کھاؤ، پس وہ زیادہ خوش گوار اور زیادہ زود ہضم ہے (اس کی سند میں ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن سند مدنی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے)

اور طبرانی میں حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: لَا تَقْطَعُوا الْخَبْزَ بِالسَّكِينِ، كَمَا تَقْطَعُهُ الْأَعَاجِمُ الْخَبْزَ چھری سے روٹی مت کاٹو، جس طرح عجی لوگ کاٹتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی گوشت کھانے کا ارادہ کرے تو اس کو چھری سے نہ کاٹے، بلکہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے اور چاہئے کہ اس کو دانتوں سے نوج کر کھائے، پس وہ زیادہ خوش گوار اور زیادہ زود ہضم ہے (اس کی سند میں عباد بن کثیر ثقفی ہے اور وہ بھی ضعیف راوی ہے)

[۳۲-] بَابُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسَّكِينِ

[۱۸۳۰-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمَرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَزَمَ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، ثُمَّ مَضَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ.

ملحوظ: حضرت مغیرہ کی حدیث شامل باب ماجاء فی صفة إدام رسول الله صلى الله عليه وسلم میں ہے اور مشکوٰۃ (حدیث ۴۲۳۶) میں بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ : أَيُّ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

نبی ﷺ کو کونسا گوشت پسند تھا؟

بکری کے کس حصہ کا گوشت نبی ﷺ کو زیادہ پسند تھا؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں: (۱) ابو داؤد (حدیث ۳۷۸۰) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کان أَحَبُّ الْعَرَّاقِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرَّاقُ الشَّاةِ: نبی ﷺ کو بکری کی وہ ہڈی سب سے زیادہ پسند تھی جس کا گوشت اتار لیا گیا ہو (۲) اور ابن ماجہ (حدیث ۳۳۰۸) میں عبد اللہ بن جعفرؓ کی مرفوع حدیث ہے: أَطْيَبُ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ: سب سے عمدہ گوشت پیٹھ کا گوشت ہے (۳) اور باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے اور ابو داؤد (حدیث ۳۷۸۱) میں ابن مسعودؓ کا بھی بیان ہے کہ دست کا گوشت آپؐ کو زیادہ پسند تھا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آخری روایت پر نقد کیا ہے کہ نبی ﷺ کو دست کا گوشت سب گوشتوں سے زیادہ پسند نہیں تھا، بلکہ دست کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ گوشت نہیں پاتے تھے مگر گاہ بہ گاہ، پس وہ آپؐ کے سامنے جلدی پیش کر دیا جاتا تھا، کیونکہ دست کا گوشت سب گوشتوں میں جلدی پک جاتا ہے۔

بات درحقیقت یہ ہے کہ مختلف اعتبارات سے مختلف حصوں کا گوشت پسند کیا جاتا ہے، مزید ارگوشت اس ہڈی کا ہوتا ہے جس پر سے گوشت کا بڑا حصہ اتار لیا گیا ہو، اور چاپ پیٹھ میں سے نکلتی ہے اور وہ بھی پسند کی جاتی ہے، اور نرم گوشت گردن کا ہوتا ہے اور دست کا گوشت جلدی پک جاتا ہے، پس سب صحابہ کا بیان صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بھی صحیح ہے کیونکہ گھر کا بھیدی گھر کی بات دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

[۳۳]- بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

[۱۸۳۱]- حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ، عَنْ أَبِي حَبَّانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرٍو بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ، فَدَفَعَ إِلَيْهِ الذَّرَاعُ، وَكَانَ يُعْجِبُهُ، فَتَهَسَّ مِنْهَا.

وفي الباب: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، وَأَبِي عُبَيْدَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو حَبَّانَ: اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ بْنِ حَبَّانَ التَّيْمِيُّ، وَأَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرٍو بْنِ جَرِيرٍ: اسْمُهُ هَرْمٌ.

[۱۸۳۲-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّغَفَرَانِيُّ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ، ثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ يَحْيَى - مِنْ وَلَدِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ - عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَ الذَّرَّاعُ أَحَبَّ إِلَيَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنْ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غَبًّا، فَكَانَ يُعَجِّلُ إِلَيْهِ، لِأَنَّهُ أَعَجَّلَهَا نَضْجًا. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: پہلی حدیث میں فدفع: مصری نسخہ میں اور ابن ماجہ میں فرفع ہے، یہی بہتر ہے..... نہس کے معنی گذشتہ باب میں بیان کئے گئے ہیں..... عباد: عبد الوہاب کے دادا ہیں..... الغب کے معنی اونٹوں کو سیراب کرنے میں: ایک دن چھوڑ کر سیراب کرنا ہیں، اور انسانوں میں درمیان میں کئی دن چھوڑنے کے ہیں..... آخر میں ہذا حدیث حسن: مصری نسخہ میں ہذا حدیث غریب الخ ہے اور وہی مناسب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَلِّ

سرکہ کا بیان

إِدَامَ (بروزن کتاب) اور اَدَمَ (بروزن فُفْل) دونوں مفرد ہیں، دونوں کی جمع اَدَمَ (بروزن کُتُب جمع کتاب) ہے اور اِدَامَ کے دو معنی ہیں: ایک: سالن، دوسرے: لاون۔ یعنی ہر وہ چیز جس سے روٹی لگا کر کھائی جائے، حاشیہ میں ہے: مَا يُؤْكَلُ مَعَ الْخُبْزِ أَيْ شَيْءٍ كَانَ، اس کا فعل اَدَمَ (ض) بَيْنَهُمْ اَدَمًا ہے جس کے معنی ہیں موافقت کرانا، صلح کرانا، یعنی دو چیزوں میں جوڑ بٹھانا، اور اَدَمَ الطَّعَامَ کے معنی ہیں: روٹی کے ساتھ سالن وغیرہ ملانا، پس لفظ اِدَامَ گوشت، ترکاری سے عام ہے، ابوداؤد میں ایک ضعیف روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا: هَذِهِ اِدَامُ هَذِهِ، یعنی یہ اس کا لاون ہے پھر آپ نے نوش فرمایا (مشکوٰۃ حدیث ۴۲۲۳) غرض کوئی بھی چیز جس سے روٹی بسہولت کھائی جائے جیسے سرکہ، نمک، چٹنی، اچار وغیرہ سب اِدَام ہیں، بلکہ الکوکب (۲۲:۳ کتاب الاطعمہ مصری) میں ایک حدیث ہے کہ خُبْزُ الْحِنْطَةِ اِدَامُهُ مَعَهُ: گےہوں کی روٹی کا لاون اس کے ساتھ ہے یعنی گےہوں کی روٹی کو سالن کے بغیر بھی رغبت سے کھایا جاسکتا ہے، مگر روایات میں یہ لفظ خاص معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی گوشت، ترکاری کے علاوہ دوسری چیزیں جن سے روٹی کھائی جائے وہ لاون ہیں۔

اور سب سے اچھا لاون کونسا ہے؟ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک: ابن ماجہ میں ہے: سَيِّدُ اِدَامِكُمُ الْمِلْحُ: لاون کا سردار نمک ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۲۳۹ کتاب الاطعمہ فصل ثالث) دوسری حدیث باب میں ہے: نَعَمَ اِدَامُ الْخَلِّ یعنی سرکہ بہترین لاون ہے، ان دونوں روایتوں کا منشا کیا ہے؟ آیا فی نفسہ نمک اور سرکہ کی خوبی

بیان کرنا مقصود ہے یا یہ ارشادات نادار کی دلداری کے لئے ہیں؟ حدیث کے جو دو شانِ ورود آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشادات ناداروں کی دلداری سے تعلق رکھتے ہیں، فی نفسہ ان کی خوبی بیان کرنا مقصود نہیں۔ پہلا شانِ ورود: نبی ﷺ اپنی چچا داز بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، آپؐ نے پوچھا: تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ ام ہانی نے عرض کیا: کچھ نہیں، صرف (روٹی کے) سوکھے ٹکڑے اور سرکہ ہے، آپؐ نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ فَمَا أَفْقَرُ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيهِ خَلٌّ: جس گھر میں سرکہ ہوتا ہے وہ گھر لاون سے خالی نہیں ہوتا۔

تشریح: أَفْقَرُ الْمَكَانُ مَنْ شَيْءٍ خَالِي هُوَ، أَفْقَرُ فَعْلٌ ماضی ہے، بَيْتٌ اس کا فاعل ہے، اور موصوف ہے اور جملہ فیہ خَلٌّ اس کی صفت ہے اور مِنْ أُدْمٍ: أَفْقَرُ کا صلہ (متعلق) ہے اور موصوف صفت کے درمیان اجنبی کا فصل نہیں اس لئے کہ موصوف أَفْقَرُ کا معمول ہے اور مِنْ أُدْمٍ بھی اس کا معمول ہے اور ایک فعل کے دو معمول ایک دوسرے سے اجنبی نہیں ہوتے، یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ کا یہ ارشاد ام ہانی کی دلداری کے لئے تھا۔

دوسرا شانِ ورود: مسلم شریف میں روایت ہے: نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں سے لاون مانگا، گھر والوں نے کہا: مَا عِنْدَنَا إِلَّا خَلٌّ: ہمارے پاس صرف سرکہ ہے، آپؐ نے وہ منگوایا اور اس سے کھانا شروع کیا اور فرماتے رہے: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ! نعم الإدام الخلل! سرکہ بہترین لاون ہے! سرکہ بہترین لاون ہے! (مشکوٰۃ حدیث ۴۱۸۳) اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ نے گھر والوں کی دلداری کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

[۳۴-] باب ماجاء فى الخَلِّ

[۱۸۳۳-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، ثَنَا مُبَارَكُ بْنُ سَعِيدٍ - أَخُو سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ - عَنْ

سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ"

[۱۸۳۴-] حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْخَزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ

مُحَارِبِ بْنِ دَثَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ"

وفى الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأُمِّ هَانِيٍّ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُبَارَكِ بْنِ سَعِيدٍ .

[۱۸۳۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ بْنُ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ، أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ

بْنُ هِلَالٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

"نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ"

[۱۸۳۶-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ: بِهَذَا
الْإِسْنَادِ نَحْوُهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: "نَعْمَ الْإِدَامُ أَوْ: الْأَذْمُ الْخَلُّ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، لَا يُعْرَفُ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ
حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ.

[۱۸۳۷-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي حَمَزَةَ الثَّمَالِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ
أُمِّ هَانِيٍّ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "هَلْ عِنْدَكُمْ
شَيْءٌ؟" فَقُلْتُ: لَا، إِلَّا كِسْرَ يَابِسَةٍ وَخَلٌّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَرِّبِيهِ، فَمَا أَقْفَرُ
بَيْتٌ مِنْ أَدَمَ فِيهِ خَلٌّ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أُمِّ هَانِيٍّ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ،
وَأُمُّ هَانِيٍّ مَاتَتْ بَعْدَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ بِزَمَانٍ.

وضاحت: حدیث نعم الإدام الخل کی پہلی سند مبارک بن سعید کی ہے، یہ سفیان ثوری کے بھائی ہیں، وہ سفیان
ثوری سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، پھر وہ ابوالزیر محمد بن مسلم کی سے، اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت
کرتے ہیں۔ اور دوسری سند سفیان ثوری کے دوسرے شاگرد معاویہ بن ہشام کی ہے، وہ سفیان ثوری سے، وہ محارب
بن وثار سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی نے اس دوسری سند کو صحیح قرار دیا ہے یعنی درمیانی
واہط ابوالزیر کا نہیں ہے، محارب کا ہے، مگر امام صاحب نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی، اور میرے خیال میں ترجیح
کی حاجت نہیں، دونوں حضرات روایت کرتے ہوں یہ بات ممکن ہے، بلکہ مسلم شریف میں طلحہ بن نافع سے بھی یہ
روایت مروی ہے..... پھر یہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کی ہے، اس میں إدام یا أدم میں
راوی کو شک ہے، یہ دونوں لفظ مفرد ہیں اور دونوں کی جمع أدم (بروزن کُتُب) ہے..... پھر آخر میں ام ہانی کی روایت
ہے، اس کو امام عامر شععی ام ہانی سے روایت کرتے ہیں، اور یہ سند متصل ہے، کیونکہ شععی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا
زمانہ پایا ہے، اور ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے، جو بخاری (حدیث ۶۸۱۲) میں ہے، اور ام ہانی کا انتقال
حضرت علی کے عرصہ بعد ہوا ہے، باب کے آخر میں جو امام ترمذی کا قول ہے اس کا یہی منشا ہے..... البتہ اس حدیث کی
سند میں ابو حمزہ ثمالی ثابت بن ابی صفیہ ہے جو رافضی اور ضعیف راوی ہے، مگر امام ترمذی کی رائے اس راوی کے
بارے میں اچھی ہے، مصری نسخہ میں ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو امام
بخاری نے فرمایا: لا نعرف للشعبي سماعاً من أم هانئ: میرے علم میں شععی کا ام ہانی سے سماع نہیں، امام ترمذی
نے آخری جملہ میں غالباً اسی پر رد کیا ہے کہ جب شععی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ہے، اور ام ہانی ان کے بعد

عرصہ تک زندہ رہی ہیں، تو سماع کے لئے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ رہا امام بخاری کا نہ جاننا تو وہ عدم شی کو سترزم نہیں، اس لئے یہ حدیث سماع پر محمول ہوگی..... پھر مصری نسخہ میں یہ بھی ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے ابو حمزہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: امام احمد نے اس راوی پر جرح کی ہے، مگر میرے نزدیک یہ راوی مقارب الحدیث ہے، اور یہ جملہ الفاظ تعدیل میں سے ہے، اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

ملفوظ: ام ہانی کی یہ حدیث ترمذی سے مشکوٰۃ (حدیث ۴۲۲۲) میں نقل ہوئی ہے، اس میں **إلا كَسْرُ يَابِسَةَ** کے بجائے **إلا خُبْنُ يَابِسُ** (سوکھی روٹی یعنی باسی روٹی) ہے اور یہی لفظ موزون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْبَطْنِخِ بِالرُّطْبِ

خر بوزے کو تازہ پکی ہوئی کھجور کے ساتھ کھانا

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ خر بوزے کو تازہ کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے، اور ابو داؤد (حدیث ۳۸۴۵) میں ہے: **فَيَقُولُ: يُكْسَرُ حَرُّ هَذَا بِبَرْدِ هَذَا وَبَرْدُ هَذَا بِحَرِّ هَذَا**: یعنی فرماتے کہ اس کی گرمی سے اس کی ٹھنڈک اور اس کی ٹھنڈک سے اس کی گرمی توڑی جاتی ہے۔

تشریح: خر بوزہ: مشہور میوہ ہے، جو شاداب و شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے، شیریں: گرم تر ہوتا ہے، اور خام اور پھیکا: سرد تر ہوتا ہے (کتاب الادویہ حکیم کبیر الدین ۲: ۱۷۵) اور کھجور: گرم تر ہوتی ہے، پس اگر دونوں کو ملا کر کھایا جائے تو ایک کی ٹھنڈک دوسرے کی گرمی کو اور دوسرے کی گرمی پہلے کی ٹھنڈک کو ماردیتی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے خر بوزے کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا، تاکہ ایک دوسرے کے لئے مصلح بن جائے۔

سوال: خر بوزے کا مزاج گرم ہوتا ہے، کیونکہ طب کا اصول ہے: ہر میٹھی چیز گرم ہوتی ہے، پھر اس کو کھجور کے ساتھ کھانے سے تو گرمی اور بڑھ جائے گی؟

جواب: پکا ہوا شیریں خر بوزہ گرم ہوتا ہے، اور کچا اور پھیکا سرد ہوتا ہے، جیسا کہ حکیم کبیر الدین کی کتاب الادویہ سے نقل کیا گیا ہے، اور کھجور کے ساتھ پھیکا خر بوزہ ہی کھایا جاتا ہے، میٹھے کو کھجور کے ساتھ ملانے کی حاجت نہیں۔

لیطفہ: ایک شخص خر بوزہ بیچ رہا تھا اور صدالگار ہاتھا: ”خر بوزہ شکر سے میٹھا، خر بوزہ شکر سے میٹھا!“ ایک شخص نے سوچا بڑھیا خر بوزہ ہے، وہ خرید کر لے گیا، گھر جا کر کاٹا تو بالکل پھیکا تھا، وہ خر بوزہ لئے ہوئے دوکان پر آیا اور کہا: کچھ کہاں میٹھا ہے!“ دوکاندار نے کہا: ”تو نے شکر ڈالی ہے؟“ میں نے کہا تھا: ”خر بوزہ شکر سے میٹھا“، یعنی شکر ڈال میٹھا ہو جائے گا، ایسا ہی خر بوزہ کھجور کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور وہ سرد ہوتا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بات مستنبط ہوئی کہ کھانے پینے کی چیزوں میں مزاج کا لحاظ رکھنا چاہئے، اور اس کا تعلق

حفظان صحت سے ہے جو طب کا ایک مسلمہ اصول ہے، یعنی اگر کسی کا مزاج بارد ہو تو اسے ٹھنڈی چیزوں سے بچنا چاہئے اور گرم چیزیں استعمال کرنی چاہئیں، اور اگر مزاج گرم ہو تو اسے گرم چیزیں استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بارد چیزیں استعمال کرنی چاہئیں تاکہ اس کی صحت محفوظ رہے، اور اگر خلاف مزاج چیزیں استعمال کرے تو ساتھ ہی اس کا مصلح بھی استعمال کرے، ابو داؤد کی روایت کا یہی مطلب ہے کہ نبی ﷺ نے ایک کو دوسرے کا مصلح بنایا۔

[۳۵]- باب ماجاء فی أكل البَطْنِخِ بِالرُّطْبِ

[۱۸۳۸]- حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْخَزَاعِيُّ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبَطْنِخَ بِالرُّطْبِ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَنَسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ عَائِشَةَ، وَقَدْ رَوَى يَزِيدُ بْنُ رُوْمَانَ عَنْ عَائِشَةَ هَذَا الْحَدِيثَ.

وضاحت: اس حدیث کی سند ٹھیک ہے مگر اس کی اسناد میں اختلاف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور ان کے تذکرہ کے بغیر مرسل بھی مروی ہے، اور مسند روایت اصح ہے کیونکہ ہشام کے علاوہ یزید بن رومان بھی حضرت عائشہ کا تذکرہ کرتے ہیں پس ہشام کے متابع موجود ہیں اس لئے ان کی سند صحیح ہے۔

بابُ ماجاء فی أكلِ الْقَنْءِ بِالرُّطْبِ

کھیرا ککڑی کھجور کے ساتھ کھانا

حدیث: عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کھیرا، ککڑی، تازہ پکی ہوئی کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے، اور طبرانی کی معجم اوسط میں عبد اللہ بن جعفر ہی سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے دائیں ہاتھ میں کھیرا ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تازہ کھجور دیکھی، آپ ایک مرتبہ اس میں سے کھاتے تھے اور دوسری مرتبہ اس میں سے، مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے (قالہ الحافظ)

تشریح: الْقَنْءُ: کھیرا، ککڑی: مشہور سبزی ہے، کھیرا: موٹا ہوتا ہے، اور ککڑی باریک، کھیرا: بالشت بھریا اس سے کم و بیش لمبا ہوتا ہے، اور ککڑی اور بھی لمبی ہوتی ہے، اور کھیرے کو ککڑی کی طرح تراش کر نمک کے ساتھ کھایا جاتا ہے، ان کا مزاج سرد وتر ہے، اور سرد مزاجوں میں نفخ پیدا کرتا ہے، اور اس کا مصلح کھجور ہے، نبی ﷺ دونوں کو ملا کر کھاتے تھے تاکہ دونوں میں اعتدال پیدا ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کھانے پینے کی چیزوں کی صفات اور مزاجوں کا لحاظ کرنا چاہئے اور طب کے قواعد پیش نظر رکھ کر چیزیں استعمال کرنی چاہئیں تاکہ صحت محفوظ رہے۔

اور دوسرا خاص فائدہ اس میں یہ ہے کہ کھیر اور کھجور ملا کر کھانے سے فربہ پیدا ہوتی ہے، فربہ ہی ایک حد تک مستحسن ہے، خاص طور پر خواتین میں۔ حضرت عائشہ کی رخصتی کا جب وقت آیا تو ان کی والدہ نے ان کو کھیر اور کھجور کھلائی تھی، تاکہ وہ کچھ فربہ ہو جائیں، چنانچہ اس کا مطلوبہ اثر ظاہر ہوا، اسی طرح ہزال (لاغری) ایک بیماری ہے اس کا علاج بھی کھیر اور کھجور ملا کر کھانا ہے۔

اس حدیث سے تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے، لیکن اگر بائیں ہاتھ سے کچھ مدد لی جائے تو یہ جائز ہے، مثلاً: روٹی گرم و نرم رکھنے کے لئے بائیں ہاتھ میں دبا لی جائے اور دائیں ہاتھ سے کھایا جائے تو یہ درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

[۳۶-] باب ماجاء فی أَكْلِ الْقِثَاءِ بِالرُّطْبِ

[۱۸۳۹-] حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَاءَ بِالرُّطْبِ"
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ.

بابُ ماجاء فی شُرْبِ آبِ الْإِبِلِ

اونٹ کا پیشاب پینا

پہلے کتاب الطہارۃ باب ۵۵ میں یہ حدیث اسی سند سے گزر چکی ہے اور آگے أبواب الطب میں بھی آرہی ہے، جو ی پیٹ کی ایک بیماری ہے جس سے بد ہضمی ہو جاتی ہے، بدن پیلا پڑ جاتا ہے مگر یہ یرقان کے علاوہ بیماری ہے، قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے ان کو مدینہ کی آب ہوا موافق نہیں آئی، ان کو جو بیماری ہو گئی، نبی ﷺ نے ان کو زکوٰۃ کے اونٹوں میں بھیج دیا، اور فرمایا: "ان کا دودھ اور ان کا موت پیو"

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اس سے امام محمد، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ نے ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث کو منسوخ کہتے ہیں اور امام ابو یوسف اس کو علاج پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ ابھی جلالہ کی روایت آئی ہے اور جملہ کے معنی ہیں: میٹنی اور لید، جو جانور لید میٹنی کھاتا ہے اور اس کے پسینہ اور دودھ میں اس کا اثر محسوس ہوتا ہے اس کے کھانے سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے،

اگر لید یعنی پاک ہوتی تو جلالہ کے کھانے سے کیوں منع کیا جاتا؟ (تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

[۳۷-] باب ماجاء فی شربِ آبِ الوابلِ

[۱۸۴۰-] حدثنا الحسن بن محمد الزعفرانی، ثنا عفان، ثنا حماد بن سلمة، ثنا حميد، وثابت، وقائدة، عن أنس: أن ناساً من غريظة قدموا المدينة فاجتووها، فبعثهم رسول الله صلى الله عليه وسلم في إبل الصدقة، وقال: "اشربوا من ألبانها وأبوالها" هذا حديث حسن صحيح غريب من حديث ثابت، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن أنس، رواه أبو قلابة عن أنس، ورواه سعيد بن أبي عروبة عن قائدة عن أنس.

باب الوضوء قبل الطعام وبعده

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا بیان

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا کیا حکم ہے؟ جواب یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اگر ہاتھ منہ گندے ہوں تو دھونا مستحب ہے، اسی طرح کھانے کے بعد بھی اگر ہاتھ منہ چکنے ہوں یا بو ہو تو دھونا مستحب ہے، اور اگر صاف ہوں تو پہلے بھی اور بعد میں بھی ہاتھ منہ نہ دھونے کی گنجائش ہے۔

پہلے باب کی حدیث: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے (اسلام سے پہلے) تورات (یعنی یہودی کتابوں) میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے، میں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی (تاکہ اس بارے میں اسلام کا حکم معلوم ہو) اور میں نے آپ کو وہ بات بھی بتائی جو میں نے تورات میں پڑھی تھی، آپ نے فرمایا: بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده: کھانے میں برکت کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے سے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے سے ہوتی ہے۔

تشریح: کھانے سے پہلے ہاتھ منہ عام طور پر میلے ہوتے ہیں، پس ان کو دھو کر کھایا جائے تو یہ نفاذ کی بات بھی ہے اور اس میں بدن کی سلامتی بھی ہے، اور اگر ہاتھ منہ دھوئے بغیر کھایا جائے گا تو سارا میل پیٹ میں جائے گا جو جسم کے لئے مضر ہوگا، یہاں لوگ دو غلطیاں کرتے ہیں: ایک: ہاتھوں پر پانی ڈال لیتے ہیں اور میل گلا لیتے ہیں اور کھانا شروع کر دیتے ہیں یہ ہاتھ دھونا نہیں ہے، ہاتھ دھونا یہ ہے کہ خوب صاف ہاتھ دھوئے جائیں اور ضرورت ہو تو صابن بھی استعمال کیا جائے، دوسری غلطی لوگ یہ کرتے ہیں کہ منہ نہیں دھوتے حالانکہ اکثر منہ بھی گندہ ہوتا ہے پس اس کا خیال رکھ کر منہ بھی صاف کر لینا چاہئے، اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا مقصد کھانے کی چکناہٹ اور بو

زائل کرنا ہے، پس صابن کی ضرورت ہو تو اس کو استعمال کیا جائے یا کسی کپڑے سے ہاتھ پونچھ کر صاف کر دیئے جائیں۔ اور نبی ﷺ نے تورات کے حکم پر کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے کا اضافہ کیا اس لئے کہ آپ کی شریعت مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے آئی ہے۔

اور یہ حدیث ضعیف ہے، قیس بن الربیع ضعیف راوی ہے مگر منذری نے لکھا ہے کہ اس راوی میں کلام صرف حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ہے، یعنی یہ خفیف الضبط ہے، پس اس کی حدیث کم از کم حسن ہوگی، اور قیس کے استاذ ابو ہاشم کی نسبت رُمانی ہے، اور نام یحییٰ بن دینار ہے، قصر الرُمان کوئی محل تھا اس میں یہ رہتے تھے اس لئے رمانی کہلاتے ہیں، یہ راوی ٹھیک ہے۔

دوسرے باب کی حدیث: جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ بیت الخلاء سے تشریف لائے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا، لوگوں نے عرض کیا: أَلَا نَأْتِيكَ بِوَضُوءٍ؟ کیا ہم آپ کے لئے وضو کا پانی نہ لائیں، آپ نے ارشاد فرمایا: إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ: مجھے وضو کا حکم اسی وقت دیا گیا ہے جب مجھے نماز پڑھنی ہو۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپ نے پانی چھوئے بغیر کھانا نوش فرمایا، پس ثابت ہوا کہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا ضروری نہیں، البتہ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونا مکروہ ہے، مگر یہ رائے صحیح نہیں، کیونکہ وجوب کی نفی سے کراہت ثابت نہیں ہوتی، نیز یہ وضوء شرعی (نماز والی وضوء) کی نفی ہے، اس سے وضو لغوی (ہاتھ منہ دھونے) کی نفی نہیں نکلتی۔

رہی یہ بات کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب ہے یا نہیں؟ اس سے یہ حدیث ساکت ہے، لہذا دوسری نصوص میں یہ حکم تلاش کیا جائے گا اور دوسری نصوص موجود ہیں جیسا کہ پہلے باب میں روایت گذری، اگرچہ وہ سب روایات ضعیف ہیں مگر سب مل کر حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں جو استحباب ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، یہ بات الکوکب الدری میں ہے۔ اور نسائی وغیرہ میں جو صحیح روایت ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے چاہئیں وہ روایت جنبی کے بارے میں ہے، جب ہاتھوں کی ناپاکی کا احتمال ہوتا ہے لیکن اگر ہاتھ پاک صاف ہوں تو نہ دھونے کی بھی گنجائش ہے، اس میں بھی کوئی کراہیت نہیں، جیسے کھانے کے بعد اگر ہاتھ صاف ہوں، ملوث نہ ہوں تو بھی نہ دھونے کی گنجائش ہے، صحابہ سے کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ ڈالنا بھی ثابت ہے۔

[۳۸-] باب الْوُضُوءِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ

[۱۸۴۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ،

ثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ الْجُرْجَانِيُّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ — الْمَعْنَى وَاحِدٌ — عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ زَادَانَ، عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ: أَنَّ بَرَكََةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”بَرَكََةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ“

وفى الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، لَانَعَرَفَ هَذَا الْحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ، وَقَيْسٌ يَضَعُفُ فِي الْحَدِيثِ، وَأَبُو هَاشِمٍ الرَّمَانِيُّ: اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ دِينَارٍ.

[۳۹-] بَابُ فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ قَبْلَ الطَّعَامِ

[۱۸۴۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ، فَقُرَّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ، فَقَالُوا: أَلَا نَأْتِيكَ بِوُضُوءٍ؟ قَالَ: ”إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ“

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَاهُ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يَكْرَهُ غَسْلَ الْيَدِ قَبْلَ الطَّعَامِ، وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُوضَعَ الرِّغِيفُ تَحْتَ الْقَصْعَةِ.

وضاحت: مصری نسخہ میں دوسرے باب کی حدیث پر حسن صحیح کا حکم ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۳۷۴) میں ہے..... اور حضرت سفیان ثوری نے دو باتیں فرمائی ہیں: (۱) کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مکروہ ہے (۲) روٹی پیالے کے نیچے رکھنا مکروہ ہے، طلبہ یہ غلطی کرتے ہیں: وہ مطبخ سے کھانا اس طرح لے کر آتے ہیں کہ روٹیاں نیچے ہوتی ہیں اور سالن کا برتن ان کے اوپر ہوتا ہے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں اس سے احتراز کرنا چاہئے، یہ روٹی کی بے قدری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الدُّبَّاءِ

لو کی کدو کھانے کا بیان

الدُّبَّاءُ: کدو (دال کی تشدید کے ساتھ اور بغیر تشدید کے) گھیا، لو کی، خواہ گول ہو یا لمبی، یہ مشہور سبزی ہے اس کی ترکاری پکا کر کھائی جاتی ہے اور اس کے تخمیں کا مغز بکثرت استعمال کیا جاتا ہے اس کا مزاج سرد تر ہے، یہ سر بلع الہضم ہے اور صفراء کی حدت اور خون کے جوش کو تسکین دیتا ہے نبی ﷺ کو یہ سبزی پسند تھی۔

حدیث (۱): ابوطالوت (مجهول راوی) کہتا ہے، میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ لوکی کھا رہے تھے، اور کہہ رہے تھے: يَالِك شَجَرَةٌ مَا أَحْبَبَكَ إِلَيَّ لِحُبِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ك: اے درخت! تیرے کیا کہنے! (تیرے کیسے بھاگ ہیں!) تو مجھے کس قدر محبوب ہے! رسول اللہ ﷺ کے تجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے! دوسری قراءت: يَالِك شَجَرَةٌ مَا أَحْبَبَكَ إِلَّا لِحُبِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ك: اے درخت تیرے کیا کہنے! میں نہیں محبت کرتا تجھ سے مگر نبی ﷺ کے تجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے۔

تشریح: يَالِك میں لام تعجب ہے اور شَجَرَةٌ تمیز ہے، اور پہلے جملہ میں مَا أَحْبَبَكَ فعل تعجب ہے اور اِلَيَّ میں ضمیر واحد متکلم ہے اور لِحُبِّ میں لام اجلیہ ہے، اور دوسرے جملہ میں مانا فیہ ہے اور أُحِبُّ فعل مضارع واحد متکلم ہے اور إِلَّا حرف استثناء ہے، یہ جملہ دونوں طرح مروی ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لوکی سے خطاب کر کے فرمایا: تیرے کیسے نصیب ہیں! تو کتنا مبارک درخت ہے! اور تو مجھے کس قدر محبوب ہے! کیونکہ نبی ﷺ تجھ سے محبت فرماتے تھے، یا میں تجھ سے محبت صرف اس لئے کرتا ہوں کہ تجھ سے حضور اقدس ﷺ کو محبت تھی، یہ حدیث پہلی سند سے ضعیف ہے کیونکہ ابوطالوت مجهول راوی ہے اور آئندہ سند سے حسنٌ صحیح ہے۔

اس کے علاوہ باب میں حضرت جابر بن طارق رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے، وہاں کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جا رہے تھے، انہوں نے پوچھا: اس کا کیا بنے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اس سے سالن میں اضافہ کیا جائے گا (یہ حدیث شمائل میں نبی ﷺ کے سالن کے تذکرہ میں ہے)

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو بڑے پیالہ میں سے کدو تلاش کرتے دیکھا، پس میں برابر اس سے محبت کرتا ہوں، یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث شمائل میں ہے کہ نبی ﷺ کو کدو مرغوب تھا، ایک مرتبہ آپؐ کے پاس کھانا آیا یا آپؐ کسی دعوت میں تشریف لے گئے، سالن میں کدو بھی تھا، چونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپؐ کو یہ مرغوب ہے اس لئے میں اس کے قتلے ڈھونڈ ڈھونڈ کر آپؐ کے سامنے کرتا تھا، اس کے علاوہ ایک حدیث شمائل میں اور بھی ہے کہ ایک درزی نے آنحضور ﷺ کی دعوت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، داعی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو والے گوشت کا شور بہ پیش کیا، حضرت انسؓ نے دیکھا کہ نبی ﷺ پیالہ کی سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے نوش فرما رہے ہیں، اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہو گیا، یہ حضور ﷺ سے محبت کا ثمرہ تھا، محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ محبوب کی ہر اداسند ہو، اس کی ہر بات دل میں جگہ کرنے والی ہو اور جس درجہ کی محبت ہوگی اس مرتبہ میں محبوب کے اثرات کے ساتھ شغف ہوگا۔

[۴۰-] باب ماجاء فی أَكْلِ الدُّبَاءِ

[۱۸۴۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي طَالُوتَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَهُوَ يَأْكُلُ الْفَرْعَ، وَهُوَ يَقُولُ: يَا لَكَ شَجَرَةً! مَا أَحَبَّكَ إِلَيَّ، لِحُبِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكَ.

وفی الباب: عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِيهِ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

[۱۸۴۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَيْمُونٍ الْمَكِّيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، قَالَ: ثَنَى مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبَعُ فِي الصَّحْفَةِ - يَعْنِي الدُّبَاءَ - فَلَا أَرَأَى أَجْبَهُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ.

وضاحت: الْفَرْعُ اور الدُّبَاءُ ایک چیز ہیں..... تَتَّبَعُ يَتَّبَعُ تلاش کرنا، صَحْفَةُ بڑا پیالہ۔

باب ماجاء فی أَكْلِ الزَّيْتِ

زیتون کا تیل کھانے کا بیان

زیت: یعنی روغن زیتون، یہ خفیف زرد رنگ سبزی مائل روغن ہوتا ہے جو درخت زیتون کے پختہ پھلوں کو دبا کر نکالا جاتا ہے، اس کا مزاج گرم تر ہے، روغن زیتون کے بیرونی استعمال سے کھال نرم رہتی ہے اور جسم پر مالش کرنے سے اعضاء کو تقویت ملتی ہے اور کھانے سے بدن کو غذائیت ملتی ہے، زیادہ مقدار میں کھانے سے پیٹ صاف ہوتا ہے اور خاص طور پر جگر کی صفراوی پتھریوں کو گھلا کر خارج کر دیتا ہے، مگر ہمارے دیار میں اول تو دستیاب نہیں، اور ملے تو بہت گراں ہوتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُّوْا الزَّيْتِ، وَادَّهِنُوْا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مَبَارَكَةٍ: روغن زیتون کھاؤ (خواہ روٹی کے ساتھ کھاؤ یا کسی اور طریقہ سے) اور اس سے اپنا بدن ترکرو یعنی بدن پر اس کی مالش کرو، اس لئے کہ وہ بابرکت درخت کا تیل ہے، بابرکت یعنی کثیر النافع، سورة النور آیت ۳۵ میں زیتون کو بابرکت یعنی نہایت مفید درخت کہا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کی سند عبد الرزاق صنعانی (صاحب مصنف) بہت مختلف طرح سے بیان کرتے تھے، کبھی سند کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر بالیقین کرتے تھے، کبھی شک کے طور پر کہتے تھے: میرا خیال ہے کہ یہ

حدیث حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور کبھی اس کی سند اسلم عدویٰ پر روک دیتے تھے جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ ہیں اور ثقہ مخضرم راوی ہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا، یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے، یہی حدیث حضرت ابواسید انصاریؓ سے بھی مروی ہے اور اس کی سند ٹھیک ہے، اس کا ایک راوی عطاء شامی ہے وہ مقبول راوی ہے۔

[۴۱-] باب ماجاء فی أکل الزَّيْتِ

[۱۸۴۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُوا الزَّيْتَ، وَادَّهِنُوا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ"

هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَكَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَضْطَرِبُ فِي رَوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ، فَرُبَّمَا ذَكَرَ فِيهِ: عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرُبَّمَا رَوَاهُ عَلَى الشَّكِّ، فَقَالَ: أَحْسِبُهُ عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرُبَّمَا قَالَ: عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ مَعْبُدٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ عُمَرَ.

[۱۸۴۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِبْلَانَ، ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، وَأَبُو نُعَيْمٍ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ: عَطَاءٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، عَنْ أَبِي أَسِيدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُوا مِنَ الزَّيْتِ، وَادَّهِنُوا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى.

وضاحت: آخری حدیث میں من مصری نسخہ سے بڑھایا ہے..... اور عبد اللہ بن عیسیٰ بھی: ابن ابی لیلیٰ سے

معروف ہیں۔

بابُ ماجاء فی الأكل مع المملوك

غلام کے ساتھ کھانے کا بیان

مکارم اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ جس نے کھانا تیار کیا ہے اور آگ کی گرمی اور دھویں کی تکلیف اٹھائی ہے

اس کا بھی کھانے میں حصہ رکھا جائے، پھر اخلاق کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ غلام یا خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلایا جائے اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کرے، آقا یا غلام عار محسوس کرتا ہے یا کھانا تھوڑا ہے تو لقمے دو لقمے خادم کے لئے بچالے تاکہ اس کا دل خوش ہو۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انہوں نے اپنے تلامذہ کو یہ بات نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بتائی کہ آپؐ نے فرمایا: ”جب تم میں سے ایک کو بے نیاز کرے اس کا خادم اس کے کھانے سے یعنی اس کی گرمی اور اس کے دھویں سے تو چاہئے کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑے اور اس کو اپنے ساتھ بٹھائے، یعنی اگر غلام یا خادم ساتھ بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی بٹھائے اور اگر آقا انکار کرے یعنی تکبر کی وجہ سے ساتھ بٹھانے کے لئے تیار نہ ہو یا خادم تواضع کی وجہ سے آقا کے ساتھ کھانے کے لئے تیار نہ ہو تو چاہئے کہ ایک لقمہ لے اور اس کو وہ لقمہ کھائے۔

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے کہ ہمیں نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہم غلام کو بلائیں اور اپنے ساتھ کھلائیں، پس اگر ہم میں سے کوئی اس کو ناپسند کرے کہ غلام اس کے ساتھ کھائے تو چاہئے کہ اس کے ہاتھ میں کھانا دیدے، اس حدیث سے مذکورہ دو احتمالات میں سے پہلا احتمال متعین ہو گیا کہ آقا اپنی بڑائی کی وجہ سے نوکر کو ساتھ نہ بٹھانا چاہے تو اس کے لئے تھوڑا کھانا بچالے، البتہ اگر کھانا بہت ہو اور خادم کے لئے کھانا بچ جائے گا تو پھر اس کو ساتھ بٹھانا ضروری نہیں۔

[۴۲-] باب ماجاء فی الْأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوكِ

[۱۸۴۷-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يُخْبِرُهُمْ ذَلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”إِذَا كَفَا أَحَدُكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ: حَرَّهُ وَدُخَانَهُ، فَلْيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَلْيَقْعِدْ مَعَهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيَأْخُذْ لُقْمَةً، فَلْيُطْعِمْهُ إِيَّاهَا“

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو خَالِدٍ وَالِدُ إِسْمَاعِيلَ، اسْمُهُ سَعْدٌ.

لغت اور ترکیب: كَفَى يَكْفِي كِفَايَةً: کافی ہونا، کفایت کرنا، کسی چیز سے بے نیاز کرنا، أَحَدُكُمْ مفعول بہ، خَادِمُهُ فاعل مؤخر، طَعَامَهُ مفعول ثانی، اور حَرَّهُ وَدُخَانَهُ مفعول ثانی سے بدل، اور خادم کو ساتھ بٹھانا یا اس کے لئے کھانا بچانا استحبابی حکم ہے۔

ایک واقعہ: عالمگیر رحمہ اللہ کے ذاتی مطبخ کا باورچی نکلتا نہیں تھا، چند دن کے بعد اپنا تبادلہ لنگر خانے میں کروا لیتا تھا، ایک من چلا باورچی تھا اس نے سوچا: کیا بات ہے کوئی باورچی بادشاہ کے یہاں نکلتا نہیں؟ میں دیکھوں گا، اس نے درخواست دی: حضور میں آپ کا کھانا پکانا چاہتا ہوں، عالمگیرؒ نے فرمایا: ہمارے یہاں کوئی باورچی نکلتا نہیں، تو بھی چند

دن میں بھاگ جائے گا، اس نے وعدہ کیا کہ میں ہرگز نہیں جاؤں گا، چنانچہ بادشاہ نے اس کو رکھ لیا، اس نے دیکھا کہ نپا تلا کھانا پکتا ہے آدھا گھر میں چلا جاتا ہے اور آدھا بادشاہ کے سامنے، دپیچی میں کچھ نہیں بچتا، جب روز کا یہ معمول دیکھا تو وہ تنگ آ گیا مگر وہ یہ تو کہہ نہیں سکتا تھا کہ میرا تبادلہ لنگر خانہ میں کر دیا جائے اس نے سوچا کہ بادشاہ کو پریشان کرو تا کہ وہ ناراض ہو کر بھگا دے، بادشاہ کے یہاں شام کو ایک سیر کھڑی پکتی تھی، آدھی گھر میں جاتی تھی اور آدھی بادشاہ کے سامنے، ایک دن اس نے کھڑی میں نمک نہیں ڈالا، بادشاہ نے جب لقمہ لیا تو باورچی کی طرف دیکھا مگر کچھ نہیں کہا، نمک بھی نہیں مانگا، پھینکی کھڑی کھالی، باورچی نے سوچا: بادشاہ کو پھینکی کھڑی اچھی لگتی ہے اور جو پھینکا کھا سکتا ہے وہ تیز نمک والا نہیں کھا سکتا، چنانچہ اگلے دن ڈبل نمک ڈال دیا، بادشاہ نے ایک لقمہ کھا کر پھر باورچی کو دیکھا اور کچھ نہیں کہا، کھڑی کھالی، جب باورچی برتن اٹھانے آیا تو اس سے کہا: کل ڈیڑھ سیر کھڑی پکانا، اور جتنی گھر میں جاتی ہے اتنی گھر میں بھیجنا باقی میرے پاس لانا۔ بادشاہ نے حسب معمول آدھی کھڑی کھائی اور آدھی بچ گئی، جب باورچی برتن اٹھانے آیا تو اس سے کہا: یہ ہمارا بچا ہوا تبرک ہے اس کے نو حصے کرو اور ہمارے نورتنوں (وزیروں) کو ہدیہ پہنچاؤ، باورچی نے اس تبرک کے نو حصے کئے اور خوب سجائے، وزیروں کو جب معلوم ہوا کہ آج بادشاہ کا بچا ہوا کھانا ہدیہ آ رہا ہے تو ہر وزیر نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور باورچی کو ایک ایک لاکھ روپیہ ہدیہ دیا، جب باورچی فارغ ہو گیا تو بادشاہ نے پوچھا: ارے ہمارے وزیروں نے تجھے کچھ دیا بھی؟ اس نے کہا: حضور اتنا دیا ہے کہ میری سات پشتوں تک کے لئے کافی ہے، عالمگیرؒ نے فرمایا: پھر نمک ٹھیک ڈالا کرو۔

ملفوظ: عالمگیرؒ حکومت سے تنخواہ نہیں لیتے تھے، خود قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے اور اس کے ہدیہ سے گھر چلاتے تھے اس لئے باورچی کے لئے کھانا بچانے کی گنجائش نہیں تھی چنانچہ وزیروں سے انعام دلوا یا، عالمگیرؒ کے ہاتھ کے لکھے قرآن کریم کا ایک پارہ دارالعلوم دیوبند میں ہے۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنخواہ دار ملازم کے لئے کھانا بچانے کا حکم نہیں، وہ اپنے عمل کے صلہ میں تنخواہ پاتا ہے، غلام یا رضا کارانہ خادم کے لئے کھانا بچانے کا حکم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ

غریبوں کو کھانا کھلانے کا ثواب

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور دونوں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔

حدیث (۱): نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا: أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَاصْرُبُوا الْهَامَ: تَوَرَّثُوا الْجَنَانَ: سلام کو رواج دو، غریبوں کو کھلاؤ، اور (جہاد میں) دشمنوں کے سروں پر بجاؤ: باغوں کے وارث بنائے جاؤ گے۔
تشریح: أَفْشَاهُ: پھیلانا، شائع کرنا، عام کرنا۔ فَشَا (ن) فَشُوا وَفُشُوا: ظاہر ہونا، پھیلنا، عام ہونا، یعنی سلام کو

رواج دو، سب لوگوں کو سلام کرو، جان پہچان کے لوگوں کے ساتھ سلام کو خاص مت رکھو۔ اِطْعَام (افعال): کھانا کھلانا، مراد غریبوں کو کھلانا ہے۔ اور یہ زکوٰۃ کے علاوہ انفاق ہے کیونکہ مال میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق رکھے ہیں، کتاب الزکاۃ میں حدیث ہے: إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔ الھام: ہامہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: سر اور سر کا بالائی حصہ یعنی کھوپڑی، مراد اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے، تَوَرَّثُوا: فعل ماضی مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، اور جَنَانٌ: جَنَّةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: باغ، یعنی یہ تین کام دخول جنت کے بہترین اسباب ہیں پس ان کو اختیار کرو۔

حدیث (۲): نَبِیِّ ﷺ نے فرمایا: اَعْبُدُوا الرَّحْمَنَ، وَأَطْعُمُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ: تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ: ترجمہ: مہربان ہستی کی عبادت کرو، یعنی صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو عبادت میں شریک مت کرو، اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو رواج دو: باطمینان جنت میں جاؤ گے یعنی نہ آگے کا کوئی ڈر ہوگا نہ پیچھے کا کوئی غم، یہ حدیث بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور یہ تین کام بے خوف و خطر جنت میں جانے کے اسباب ہیں پس ان کو اختیار کرنا چاہئے۔

[۴۳-] بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ

[۱۸۴۸-] حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ حَمَّادٍ، ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجُمَحِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعُمُوا الطَّعَامَ، وَاصْرَبُوا الْهَامَ: تَوَرَّثُوا الْجَنَانَ"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِشٍ، وَشُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ، عَنْ أَبِيهِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

[۱۸۴۹-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، ثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اعْبُدُوا الرَّحْمَنَ، وَأَطْعُمُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ: تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: پہلی حدیث میں عثمان کچھ زیادہ مضبوط راوی نہیں، مگر امام ترمذی کے نزدیک وہ اچھا راوی ہے اور یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے جن کا باب میں حوالہ ہے مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب (انوکھی) ہے، محدثین میں مشہور نہیں۔

باب ماجاء فی فضل العشاء

شام کے کھانے کی فضیلت

سب لوگ دوپہر کا کھانا تو کھاتے ہیں مگر بعض لوگ شام کو فاقہ کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں، کیونکہ ناشتہ پوری رات گزرنے کے بعد صبح کو ملے گا یا اگلی دوپہر کو کھانا ملے گا، اتنا لمبا عرصہ بھوکا رہنا حفظانِ صحت کے نقطہ نظر سے ٹھیک نہیں، معدے کی چکی چلتی رہتی ہے اور جب چکی میں اناج ختم ہو جاتا ہے تو پتھر گھستا ہے، اسی طرح جب معدہ خالی ہو جاتا ہے تو رطوبتِ اصلیہ تختہ مشق بنتی ہے، اور آدمی کمزور ہو جاتا ہے، اس لئے شام کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور کھانا چاہئے تاکہ معدہ کو کام ملے مگر اس سلسلہ میں جو روایت ہے وہ منکر یعنی نہایت ضعیف ہے، اور یہ روایت صرف ترمذی میں ہے، باقی پانچ کتابوں میں نہیں ہے، اس کا پہلا راوی محمد بن یعلیٰ کوئی جس کا لقب زمبور (بھڑ) ہے ضعیف ہے، دوسرا راوی عنبہ بھی ضعیف ہے اور تیسرا راوی عبد الملک مجہول ہے اس لئے یہ روایت غایت درجہ ضعیف ہے، ایسی روایت کے لئے امام ترمذی لفظ منکر استعمال کرتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تَعَشُّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ، فَإِنْ تَرَكَ الْعِشَاءَ مَهْرَمَةً: شام کو کھاؤ، چاہے ایک مٹھی ردی کھجوریں ہوں، اس لئے کہ شام کو نہ کھانا بڑھاپے کا سبب ہے۔
تشریح: تَعَشُّوْا: رات کا کھانا کھانا، مجرد: عَشَى يَعْشُوْا عَشْوًا ہے، جس کے معنی ہیں رات کو نظر نہ آنا اور عَشَى فلان کے معنی ہیں: کسی کو رات کا کھانا کھانا، تَعَشُّوْا: فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر ہے..... بِكَفٍّ: اُی بِمِلْءٍ كَفٍّ یعنی مٹھی بھر..... الْحَشَفُ (بفتح حین) مِنَ التَّمْرِ: خراب کھجوریں جو پکنے سے پہلے سوکھ جاتی ہیں ان میں نہ گٹھلی ہوتی ہے نہ گودا، نہ جھلی ہوتی ہے نہ مٹھاس..... مَهْرَمَةً: بوڑھا پے کا سبب، هَرَمَ الرَّجُلُ هَرَمًا وَمَهْرَمَةً: بوڑھا پے کی آخری منزل کو پہنچنا، بوڑھا اور کمزور ہو جانا۔

[۴۴-] باب ماجاء فی فضل العشاء

[۱۸۵۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْلَى الْكُوفِيُّ، ثَنَا عَنَبَسَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقُرَشِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُلَاقٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَعَشُّوْا، وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ، فَإِنْ تَرَكَ الْعِشَاءَ مَهْرَمَةً"
هَذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ، لَأَنعَرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَعَنَبَسَةُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُلَاقٍ مَجْهُولٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ

بِسْمِ اللَّهِ پڑھ کر کھانا کھا !

عام طور پر احادیث میں کھانے سے پہلے صرف بسم اللہ کا ذکر ہے مگر ایک روایت میں جس کا حوالہ پہلے (تحفة اللمعی ۲۳۶:۱) گذرا ہے بسم اللہ وعلیٰ بركة اللہ بھی آیا ہے، پس کھانے سے پہلے صرف بسم اللہ یا بسم اللہ الرحمن الرحیم یا بسم اللہ وعلیٰ بركة اللہ پڑھنا چاہئے، پھر کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے تسمیہ واجب ہے کیونکہ اس باب میں صحیح روایات ہیں اور صیغہ امر وارد ہوا ہے، لیکن علماء کی عام رائے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ مسنون ہے۔

اور تسمیہ کے سلسلہ میں پانچ مسئلے ذہن نشین کرنے چاہئیں:

(۱) اگر اجتماعی کھانا کھایا جا رہا ہو تو بسم اللہ زور سے پڑھنا مستحب ہے، تاکہ اور لوگ بھی سنیں اور وہ بھی چونکا ہو جائیں اور بسم اللہ پڑھیں۔

(۲) اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے بسم اللہ بھول جائے تو جب یاد آئے: بسم اللہ اَوَّلُهُ وَاخِرُهُ یا بسم اللہ فی اَوَّلِهِ وَاخِرِهِ کہہ لے، اس کا فائدہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ شیطان نے جو کھایا ہے وہ اس کو قوی کر دیتا ہے یعنی وہ برکت لوٹی تو نہیں مگر دشمن کے پیٹ میں بھی نہیں رہتی، اور یہی کیا کم ہے! اور لفظ فی ذکر بھی کر سکتے ہیں اور حذف بھی کر سکتے ہیں۔

(۳) پانی، دودھ، شوربہ، دوا یا کسی بھی مشروب سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے جیسا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

(۴) جنبی اور حائضہ وغیرہ کے لئے بھی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

(۵) اگر چند افراد ایک ساتھ کھا رہے ہوں تو کسی ایک کا بسم اللہ پڑھنا سب کی طرف سے کافی ہے مگر مستحب یہ ہے کہ سب پڑھیں، البتہ جو شخص بعد میں آئے وہ اپنی بسم اللہ خود پڑھے اگر وہ نہیں پڑھے گا تو سارے کھانے کی برکت ختم ہو جائے گی، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ کے پروردہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے، آپ کے سامنے کھانا تھا، آپ نے فرمایا: اِذْنِ يَا بُنَيَّ! فَسَمَّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِمِيزَانِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ: نزدیک آ جا اے پیارے بچے! اللہ کا نام لے، اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنی جانب سے کھا۔

تشریح: بُنَيَّ: ابن کی تصغیر ہے اور یہ تصغیر پیار کے لئے ہے، اردو میں بچے کی تصغیر بچو نگر ہے اور اس حدیث میں کھانے کے تین ادب ہیں: ایک: بسم اللہ پڑھ کر کھانا، دوسرا: دائیں ہاتھ سے کھانا، تیسرا: اگر کھانا ایک طرح کا ہو تو

اپنی طرف سے کھانا۔ اور یہ حدیث ہشام اپنے ابا حضرت عروہ سے بھی روایت کرتے ہیں اور ابو و جزہ سعدی سے بھی، پھر وہ قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں، اور وہ عمر بن ابی سلمہ سے، غرض ہشام کے تلامذہ اس حدیث کی روایت میں مختلف ہیں۔

حدیث (۲): یہ حدیث نہایت ضعیف ہے اور باب سے غیر متعلق بھی ہے اس کا ایک راوی علاء بن الفضل ضعیف ہے اور اس کا استاذ عبید اللہ بھی ایسا ہی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی حدیث ثابت نہیں، حضرت عکراش جو قلیل الروایہ صحابی ہیں اور جنہوں نے سو سال کی عمر پائی ہے: کہتے ہیں: مجھے قبیلہ بنو مرہ نے اپنے اموال کی زکوٰتیں نبی ﷺ کے پاس پہنچانے کے لئے بھیجا، میں آپ کے پاس مدینہ پہنچا تو آپ مہاجرین و انصار کے درمیان تشریف فرما تھے، عکراش کہتے ہیں: جب مجلس ختم ہوئی تو نبی ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حضرت ام سلمہؓ کے گھر لے گئے اور پوچھا: کھانے کے لئے کچھ ہے؟ پس ہمارے پاس ایک بڑا پیالہ لایا گیا جس میں بہت ٹرید اور گوشت کی بوٹیاں تھیں، پس ہم نے اس میں سے کھانا شروع کیا، میں اپنا ہاتھ پیالہ کے کناروں میں ادھر ادھر مارتا تھا یعنی بوٹیاں چن چن کر کھاتا تھا اور نبی ﷺ اپنے سامنے سے کھاتے تھے، پس آپ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے کہ یہ ایک کھانا ہے، پھر ہمارے پاس ایک تھال لایا گیا جس میں مختلف قسم کے چھوہارے یا تازہ کھجوریں تھیں (عبید اللہ کو شک ہے) پس میں اپنے سامنے ہی سے کھاتا رہا اور نبی ﷺ کا ہاتھ تھال میں گھومتا رہا، یعنی آپ ہر طرف سے کھاتے تھے اور فرمایا: اے عکراش! جہان سے چاہو کھاؤ، اس لئے کہ یہ ایک قسم کی کھجوریں نہیں ہیں، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا، پس نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی تری کو اپنے چہرے پر، اپنی دونوں کلائیوں پر اور اپنے سر پر پونچھ لیا، اور فرمایا: اے عکراش! ماست النار سے وضو یہ ہے یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد جو وضو کا حکم ہے اس سے وضو شرعی مراد نہیں، بلکہ وضو لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ منہ دھونا۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر مختصر ہے، اس حدیث میں کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں، اس لئے یہ حدیث اس باب سے غیر متعلق ہے اور مصری نسخہ میں بھی بہت بے ربطی ہے، ابھی باب گذرا ہے: باب فی ترک الوضوء قبل الطعام، یہ حدیث مصری نسخہ میں اس کے بعد متصل ہے مگر وہاں بھی باب ماجاء فی التسمیۃ فی الطعام ہے پھر یہاں بھی یہی باب مکرر ہے اور یہ حدیث یہاں بھی ہے مگر دونوں جگہ باب سے غیر متعلق ہے، میری رائے میں اس حدیث کا تعلق باب فی ترک الوضوء قبل الطعام سے ہونا چاہئے اور مصری نسخہ میں وہاں جو باب قائم کیا گیا ہے یعنی باب ماجاء فی التسمیۃ فی الطعام یہ کاتب کی غلطی ہے، واللہ اعلم بالصواب اور یہاں حدیث کے آخر میں ہے: وفي الحديث قصة یہ مصری نسخہ میں نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ مصری نسخہ میں

ہے: وَلَا تَعْرِفْ لِعَكَرَاشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثُ: اور یہی نسخ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ لمبا مضمون تو روایت میں آگیا، اس کے علاوہ روایت میں کوئی مضمون نہیں، البتہ ابن ماجہ (حدیث ۳۲۷۴) کتاب الأَطْعَمَةِ باب ۱۱) میں جو مختصر حدیث ہے، وہاں یہ جملہ لکھا جائے کہ اس حدیث میں لمبا مضمون ہے تو ایک بات بھی ہے۔ حدیث (۳): نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی بھی کھانا کھائے تو چاہئے کہ بِسْمِ اللَّهِ پڑھے پس اگر شروع میں کہنا بھول جائے تو چاہئے کہ بِسْمِ اللَّهِ فی أوله و آخره کہے، اور اسی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، اچانک ایک بدو آیا اور وہ سارا کھانا دو لقموں میں کھا گیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: أَمَّا إِنَّهُ لَوْ سَمِيَ لَكَفَاكُم: سنو! اگر وہ بِسْمِ اللَّهِ پڑھتا تو وہ کھانا تمہارے لئے کافی ہو جاتا۔

تشریح: اللوکب میں ہے: قَضِيَّةٌ عَيْنٌ، لَا قَضِيَّةَ اسْتِمْرَارٍ: یعنی یہ ایک خصوصی واقعہ ہے ہمیشہ ایسا ہونا ضروری نہیں، یعنی چھ سات آدمیوں کا کھانا کوئی شخص دو لقموں میں کھا جائے ایسا عام طور پر نہیں ہوتا مگر جس طرح کھانے میں برکت ہوتی ہے بے برکتی بھی ہوتی ہے، اس خاص واقعہ میں یہی صورت پیش آئی تھی کہ کھانے میں بے برکتی ہوگئی اور بدو اس کو دو لقموں میں کھا گیا تا کہ اس سلسلہ کی تشریع امت کے سامنے آئے، چنانچہ نبی ﷺ نے یہ مسئلہ واضح کیا کہ بعد میں جو شخص آکر کھانے میں شریک ہو وہ اپنی بِسْمِ اللَّهِ خود پڑھے، ورنہ سارے کھانے کی برکت ختم ہو جائے گی، جیسا کہ اس واقعہ میں لوگوں نے مشاہدہ کیا، چنانچہ اللوکب میں ہے کہ حاضرین میں سے ایک کا بِسْمِ اللَّهِ پڑھنا صرف انہی لوگوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے جو تسمیہ کے وقت موجود ہوں جو بعد میں آکر شریک ہو اس کی طرف سے کافی نہیں۔

[۵-۴] باب ماجاء فی التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ

[۱۸۵۱-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعِنْدَهُ طَعَامٌ، فَقَالَ: "إِذْ يَأْتِيَنَّكَ اللَّهُ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ" وَقَدْ رَوَى عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي وَجْزَةَ السَّعْدِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، وَقَدْ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ، وَأَبُو وَجْزَةَ السَّعْدِيُّ: اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ.

[۱۸۵۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي السَّوَيَّْةِ أَبُو الْهَدَيْلِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عِكْرَاشٍ، عَنْ أَبِيهِ عِكْرَاشِ بْنِ ذُوَيْبٍ، قَالَ: بَعَثَنِي أَبُو مُرَّةَ بْنُ عُبَيْدٍ بِصَدَقَاتٍ أَمْوَالِهِمْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدِمْتُ عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ، فَوَجَدْتُهُ جَالِسًا بَيْنَ

الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَأَنْطَلَقَ بِي إِلَى بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَقَالَ: "هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟" فَأَتَيْنَا بِجَفَنَةٍ كَثِيرَةٍ الشَّرِيدِ وَالْوَزْرِ، فَأَقْبَلْنَا نَأْكُلُ مِنْهَا، فَخَبَطْتُ بِيَدِي فِي نَوَاحِيهَا، وَأَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ، فَقَبِضَ بِيَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى يَدِي الْيُمْنَى، ثُمَّ قَالَ: "يَا عِكرَاشُ! كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ" ثُمَّ أَتَيْنَا بِطَبَقٍ، فِيهِ أَلْوَانُ التَّمْرِ أَوْ: الرُّطَبِ — شَكَ عُبَيْدُ اللَّهِ — فَجَعَلْتُ أَكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْ، وَجَالَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبَقِ، قَالَ: "يَا عِكرَاشُ! كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ، فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ" ثُمَّ أَتَيْنَا بِمَاءٍ، فَغَسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ، وَقَالَ: "يَا عِكرَاشُ! هَذَا الْوُضُوءُ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْعَلَاءِ بْنِ الْفَضْلِ، وَقَدْ تَفَرَّدَ الْعَلَاءُ بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

[۱/۱۸۵۳-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، ثَنَا وَكِيعٌ، ثَنَا هِشَامُ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَكَلْتَ أَحَدَكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللَّهِ، فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللَّهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ"

[۲/۱۸۵۳-] وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْكُلُ طَعَامًا فِي سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهُ بِلَقْمَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَّا إِنَّهُ لَوْ سَمَى لَكَفَاكُمْ"، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ملحوظہ: حضرت عکراش کی حدیث چونکہ نہایت ضعیف ہے، اس لئے علماء نے اس کو مامست النار کی روایات کے اختلاف میں فیصلہ کن قرار نہیں دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبَيْتُوتَةِ وَفِي يَدِهِ غَمَرٌ

اس حال میں رات گزارنا کہ ہاتھ میں چکناہٹ کی بو ہو پسندیدہ نہیں

اگر کھانے سے ہاتھ ملوث ہوں تو کھانے کے بعد ان کو اچھی طرح دھولینا مستحب ہے اور اگر کوئی کسی وجہ سے نہ دھوئے تو یہ گوار پن کی بات ہے، مگر کسی ضرر کا اندیشہ نہیں، مگر اس حالت میں رات کو سونا ضرر کا سبب ہو سکتا ہے، کیڑوں کی قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے وہ بوسوگھ کرا کر ہاتھ چاٹیں گے اور ہو سکتا ہے کہ کاٹ لیں، پس سونے سے پہلے ہاتھ منہ اچھی طرح دھولینے چاہئیں، تاکہ ہاتھوں پر چکناہٹ نہ رہے اور ضرر کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ حَسَّاسٌ لِّحَاسٍ: شیطان بہت زیادہ احساس و ادراک کرنے والا، بہت زیادہ چاٹنے والا ہے، فَاحْذَرُوهُ عَلَى أَنْفُسِكُمْ: پس اپنے بارے میں اس سے ڈرو یعنی خیال رکھو کہ وہ تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے، مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحٌ غَمَرٌ، فَأَصَابَهُ شَيْءٌ، فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ: جس نے رات گزاری اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں چکناہٹ کی بو تھی پس اس کو کوئی چیز پہنچی یعنی کسی کیڑے نے کاٹ لیا تو وہ ہرگز ملامت نہ کرے مگر اپنے نفس کو، کیونکہ یہ اسی کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سعید مقبری اور ابوصالح روایت کرتے ہیں، مگر ابوصالح کی سند سے حدیث کا متن صرف یہ ہے: مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحٌ غَمَرٌ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ یہی حدیث دوسرے نمبر پر لائے ہیں..... اور ابن رسلان نے لکھا ہے کہ اگر ہاتھ چکنے ہوں تو صابن وغیرہ سے دھونے چاہئیں تاکہ چکناہٹ اور بو ختم ہو جائے۔

لغات: غَمَرَتِ الْيَدُ (س) غَمَرًا: ہاتھ میں گوشت یا چکناہٹ کی بو ہونا..... حَسَّاسٌ (اسم مبالغہ) بہت زیادہ احساس کرنے والا..... لِحَاسٍ (اسم مبالغہ) بہت زیادہ چاٹنے والا، لِحَسَّ الْإِنَاءُ (س) لِحَسًا: برتن کو انگلی یا زبان سے چاٹنا، اور شریعت کی اصطلاح میں بری اور تکلیف دہ باتیں شیطان کی طرف منسوب کر کے بیان کی جاتی ہیں پس یہ تمثیل یعنی پیرایہ بیان ہے۔

[۴۶-] باب ماجاء فی کراہیۃ البیتوتۃ وفی یدہ غمر

[۱۸۵۴-] حدثنا أحمد بن منيع، ثنا يعقوب بن الوليد المديني، عن ابن أبي ذئب، عن المِقْبَرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الشَّيْطَانَ حَسَّاسٌ لِحَاسٍ، فَاحْذَرُوهُ عَلَى أَنْفُسِكُمْ، مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحٌ غَمَرٌ، فَأَصَابَهُ شَيْءٌ، فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ"
هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَى مِنْ حَدِيثِ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[۱۸۵۵-] حدثنا محمد بن إسحاق أبو بكر البغدادي، ثنا محمد بن جعفر المديني، ثنا منصور بن أبي الأسود، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ غَمَرٌ، فَأَصَابَهُ شَيْءٌ، فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ"
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الأشرية

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

پینے کی چیزوں کا بیان

اشربة: شراب کی جمع ہے، شراب: عربی میں ہر مشروب کو کہتے ہیں، خواہ وہ حلال ہو یا حرام، اور اردو میں شراب: صرف حرام مشروب کو کہتے ہیں، اور لفظ مشروب (پینے کی چیز) عام ہے..... جو تو میں شراب پیتی ہیں ان کی زبانوں میں شرابوں کے لئے بہت سے الفاظ ہیں، جیسے انگریزی میں ہر چیز کی شراب کے لئے الگ لفظ ہے، اسلام سے پہلے عرب بھی بہت شراب پیتے تھے، اس لئے عربی میں بھی شرابوں کے لئے بہت الفاظ ہیں اور اردو مشترک زبان ہے، کسی قوم کی مخصوص زبان نہیں، اس لئے اردو میں صرف ایک لفظ شراب ہے، جو سب شرابوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور ”مشروب“ عام لفظ ہے۔

باب ماجاء فی شارب الخمر

شراب پینے والے کے لئے وعید

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ: ہر نشہ آور چیز خمر ہے، وکل مسکر حرام: اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، ومن شرب الخمر فی الدنيا، فمات وهو یدمنہا، لم یشربہا فی الآخرة: اور جس نے دنیا میں شراب پی، پس وہ مر اس حال میں کہ وہ اس کا عادی تھا (اس کو پابندی سے پیتا تھا) تو وہ آخرت میں شراب نہیں پیئے گا یعنی جنت میں نہیں جائے گا، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیں۔

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور اس میں دو مضمون ہیں: ایک: خمر کیا چیز ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟ دوسری: شرابی کے لئے کیا وعید ہے؟ یہ دونوں مضمون اہم ہیں، پہلا مضمون اس لئے اہم ہے کہ اس میں فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، اور دوسرا مضمون اس لئے اہم ہے کہ اس پر ایک اعتراض ہے، اس لئے دونوں کی تفصیل ضروری ہے۔

خمر کیا چیز ہے؟

حرام شراہیں چار ہیں:

۱- خمر: انگور کا کچا شیرہ (رس) جب اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس پر جھاگ آئے، خمر کی یہ تعریف امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، اور صاحبین کے نزدیک جھاگ آنا ضروری نہیں، جب اس میں جوش آئے اور وہ اٹھے تو خمر بن گیا، اور دیگر ائمہ کے نزدیک: انگور کے کچے شیرے کی کچھ تخصیص نہیں، ان کے نزدیک: ہر نشہ آور مشروب خمر ہے، اور حرام ہے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

۲- طلاء: انگور کا شیرہ، جب اس کو پکایا جائے، اور دو تہائی سے کم جلایا جائے، پھر جب اس میں نشہ پیدا ہو یعنی اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس پر جھاگ آجائے (امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جھاگ آنا ضروری نہیں) تو وہ طلاء بن گیا، طلاء کے چند نام اور بھی ہیں: (۱) باذنق (یہ بادہ کا معرب ہے) (۲) عصیر (شیرہ) (۳) منصف (آدھا جلایا ہوا) (۴) مطبوخ ادنی طبخہ (تھوڑا پکایا ہوا)

ملحوظہ: اگر انگور کا شیرہ پکا کر دو تہائی یا زیادہ جلادیا جائے تو پھر وہ بگڑتا نہیں، نہ اس میں نشہ پیدا ہوتا ہے، نہ اب اس کا سرکہ بن سکتا ہے، اس لئے وہ بالا جماع حلال ہے، لوگ اس طرح پکا کر قوام بنا کر رکھ لیتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔

۳- سکر: چھوہارے یا تازہ کھجوریں پانی میں بھگودی جائیں، وہ گل کر پانی میٹھا ہو جائے، پھر اس میں جوش آئے اور وہ اٹھے، اور اس میں نشہ پیدا ہو تو وہ سکر ہے، اس کو نَقِيعُ التَّمْرِ بھی کہتے ہیں، نقیع: فعیل کا وزن ہے اور بمعنی منقوع ہے یعنی پانی میں بھگوئے ہوئے چھوہارے، نَفَعَ الشَّيْءُ نَفْعًا کے معنی ہیں: کسی چیز کو پانی وغیرہ میں بھگونا، تر کرنا۔

۴- نقیع الزبیب: خشک انگور، مٹھی پانی میں بھگودی جائے، پھر جب وہ گل جائے اور اس میں جوش پیدا ہو، اور وہ اٹھے اور اس میں نشہ پیدا ہو تو وہ نقیع الزبیب ہے۔

بہ الفاظ دیگر: شراہوں کی تین قسمیں ہیں: ۱- خمر ۲- باقی تین شراہیں یعنی طلاء، سکر اور نقیع الزبیب ۳- ان کے علاوہ نشہ آور چیزیں جو نبیذ کہلاتی ہیں، جیسے گیہوں، جو، شہد اور مکئی وغیرہ کی شراہیں۔

ملحوظہ: نبیذ: فعیل کا وزن ہے اور بمعنی منبوذ ہے، نَبَذَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں: ڈالنا، پانی میں کوئی بھی چیز ڈالی جائے، جب وہ گل جائے اور پانی میٹھا ہو جائے اور ابھی نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو وہ بالاتفاق حلال ہے، اور جب نشہ پیدا ہو جائے تو اس کا حکم آگے آ رہا ہے۔

خمر کا حکم:

خمر بالاجماع حرام ہے، اور اس کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے، قرآن کریم نے اس کو ر جس (گندگی) قرار دیا ہے، چنانچہ: ۱- اس کی ذات حرام ہے، اس کی حرمت نشہ ہونے پر موقوف نہیں ۲- وہ ناپاک بہ نجاست غلیظہ ہے جیسے پیشاب ۳- اس کو حلال قرار دینے والا کافر ہے، اس لئے کہ وہ نص قطعی کا منکر ہے ۴- خمر: مسلمان کے حق میں مالی مقوم نہیں، پس اگر کوئی اس کو ضائع کر دے یا غصب کر لے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ۵- جو اس کو پیئے اس کو حد ماری جائے گی، چاہے نشہ نہ چڑھا ہو ۶- اس کو پکایا جائے تو پکانا اس میں مؤثر نہیں، وہ بدستور حرام رہے گا، کیونکہ پکانا حرمت کو روکتا ہے، حرمت کو اٹھاتا نہیں۔

البتہ اس کا سرکہ بنانا جائز ہے، کیونکہ ماہیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے، نیز حرمت خمر کی علت سکر (نشہ) ہے، سرکہ بن جانے کے بعد وہ علت باقی نہیں رہتی، اور حکم علت کے ساتھ دائر رہتا ہے، اس لئے سرکہ بننے کے بعد حرمت کا حکم اٹھ جائے گا۔

حرمت خمر کی دلیل:

خمر کے سلسلہ میں چار آیتیں بالترتیب نازل ہوئی ہیں:

پہلی آیت: سورۃ النحل کی آیت ۶۷ ہے: ﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ: تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا﴾ ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ سکر (کھجور کی شراب) اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، اس آیت میں کھجور کی شراب کا تذکرہ تو کیا، مگر انگور کی شراب یعنی خمر کا تذکرہ نہیں کیا، پھر سکر کے ساتھ کوئی صفت نہیں لائی گئی، یہ سورت مکی ہے، پس یہ آیت بھی مکی ہے، اس آیت میں واضح حکم تو نہیں مگر ہلکا سا اشارہ ہے، اور وہ اس طرح کہ خمر کا ذکر چھوڑ دیا اور سکر کو بھی کسی وصف کے ساتھ متصف نہیں کیا، اور خمر کا تذکرہ بالکل اس لئے نہیں کیا کہ وہ آگے چل کر حرام ہونے والی ہے، اور سکر کے ساتھ کوئی وصف اس لئے نہیں لایا گیا کہ آگے چل کر درجہ دوم میں اس کی حرمت بھی آنے والی ہے، چنانچہ لوگوں نے خمر کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ کیوں چھوڑا ہے؟ چنانچہ عرصہ بعد مدنی دور میں دوسری آیت نازل ہوئی۔

دوسری آیت: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۹ ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ؟ قُلْ: فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ، وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ ترجمہ: لوگ آپ سے خمر اور قمار کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپ بتادیں کہ دونوں میں بڑا گناہ (خرابی) ہے، اور کچھ فوائد ہیں، اسی وجہ سے لوگ خمر پیتے ہیں اور سٹہ کھیتے ہیں، مگر ان میں ایک بہت بڑا ضرر ہے، جس کا تذکرہ چوتھی آیت میں آ رہا ہے۔ اس آیت کے نزول پر لوگ سمجھ گئے کہ دیر سویر ان کی

حرم ضرور نازل ہوگی، مگر چونکہ صراحۃً منع نہیں کیا تھا اس لئے لوگ پیتے رہے، پھر ایک واقعہ پیش آیا، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کی دعوت کی، اور دعوت میں ان کو شراب پلائی، پھر مغرب کی نماز کا وقت آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا، انھوں نے سورۃ الکافرون پڑھی، اور نشہ میں سب جگہ سے لا حذف کر دیا اور بات کچھ سے کچھ ہوگئی پس تیسری آیت نازل ہوئی۔

تیسری آیت: سورۃ النساء کی آیت ۴۳ ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ، حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہوؤ، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم منہ سے کیا کہتے ہو، چنانچہ ظہر سے گھنٹہ پہلے پینا بند کرنا پڑا، پھر عشاء تک نہیں پی سکتے تھے، کیونکہ یکے بعد دیگرے نمازیں آرہی تھیں، اب پینے کے دو ہی وقت رہے: ایک عشاء کے بعد فجر سے ایک گھنٹہ پہلے تک، دوسرا: فجر کے بعد زوال سے ایک گھنٹہ پہلے تک، گویا لوگ ۲۰ سگریٹ سے ۵ پر آ گئے، اس طرح وہ کم پینے کے عادی ہو گئے تو چوتھی آیت نازل ہوئی۔

چوتھی آیت: سورۃ المائدہ کی آیات ۹۰ اور ۹۱ ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا! إِنَّمَا الْخَمْرُ، وَالْمَيْسِرُ، وَالْأَنْصَابُ، وَالْأَزْلَامُ: رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ، فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ، فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ؟﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! انگوری شراب، جوا، غیر اللہ کے لئے قربانی کے تھان اور قرعہ کے تیز: سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، پس ان سے بچو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ خمر اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرے، اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آؤ گے؟! (ضرور ہم ان سے باز رہیں گے)

تفسیر: دوسری آیت میں خمر کی دو خرابیاں بیان فرمائی ہیں: دینی اور دنیوی:

دنیوی خرابی: شرابی لوگوں سے جھگڑتا ہے اور ان پر زیادتی کرتا ہے یعنی جب اس کی عقل ماری جاتی ہے تو وہ گالی گلوچ کرتا ہے، اور دنگ فساد مچاتا ہے اور دوسروں کا مال ضائع کرتا ہے، بلکہ کبھی نوبت قتل کی بھی آ جاتی ہے۔

دینی خرابی: شرابی نفس کے تقاضوں میں گھستا چلا جاتا ہے، اس کو نہ نماز یاد رہتی ہے نہ اللہ کا ذکر، کیونکہ شراب سے وہ عقل ہی ناکارہ ہو جاتی ہے جو نیکیوں کی بنیاد ہے (رحمۃ اللہ الواقعہ ۵: ۳۳۰)

آیت خاص حکم عام:

اور نصوص میں ایسا ہوتا ہے کہ نص خاص ہو مگر حکم عام ہو اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے الرسالة میں اس کی بہت سی مثالیں بیان کی ہیں، یہاں بھی آیت لفظ خمر کے ساتھ نازل ہوئی ہے، اور خمر انگوری

شراب کو کہتے ہیں، اور اس کے دلائل میں نے رحمۃ اللہ (۳۳۱:۵) میں بیان کئے ہیں، مگر حکم عام ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جب خمر کی حرمت نازل ہوئی تو پانچ چیزوں کی شرابیں رائج تھیں: انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد کی (مگر حرمت ان پانچ میں منحصر نہیں، بلکہ) خمر: ہر وہ شراب ہے جو عقل کو ڈھانک دے (مشکوٰۃ حدیث ۳۶۳۵) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب خمر حرام کی گئی تو انگوری شراب کا وجود بہت کم تھا، اکثر شرابیں کھجور اور چھوہاروں کی تھیں (مشکوٰۃ حدیث ۳۶۳۶)

باقی تین شرابوں کا حکم:

دوسری شراب: عصیر (طلاء) احناف کے نزدیک حرام ہے، کیونکہ یہ بھی انگوری شراب ہے، اگرچہ پکائی گئی ہے اس لئے خمر نہیں رہی، اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی حرام ہے، البتہ امام اوزاعی کے نزدیک مباح ہے..... اور تیسری شراب: سکر: احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس کی حرمت خبر واحد سے ثابت ہے، اور قاضی شریک بن عبد اللہ نخعی کوئی کے نزدیک مباح ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے..... اور چوتھی شراب: نقع الزبیب احناف کے نزدیک حرام ہے اور امام اوزاعی کے نزدیک مباح ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے۔

غرض: احناف کے نزدیک: ان تین شرابوں کی حرمت درجہ دوم میں ہے، چنانچہ وہ ان کے حلال کہنے والے کو کافر نہیں کہتے، اور احناف کے نزدیک ان کی نجاست میں اختلاف ہے کہ غلیظہ ہے یا خفیہ؟ اور خمر میں کوئی اختلاف نہیں، وہ پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے، اور جو شخص یہ تین شرابیں پیئے اس کو حد اس وقت لگائی جائے گی جب نشہ چڑھ جائے، ورنہ حد واجب نہیں، اور ان کی بیع درست ہے اور ہلاک کرنے والے پر امام اعظم کے نزدیک ضمان واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک ضمان واجب نہیں، اور ان کی حرمت مسلم شریف کی حدیث (نمبر ۱۹۸۵) سے ثابت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”خمر: ان دو درختوں سے ہے اور آپؐ نے کھجور اور انگور کے درختوں کی طرف اشارہ کیا“ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان کی حرمت بھی خمر ہی کی طرح ہے، اور ان کے دلائل آگے آرہے ہیں۔

نشہ آور نبیذوں کا حکم:

اور مذکورہ چار شرابوں کے علاوہ جو بھی شراب ہے، خواہ گیہوں کی ہو، جو کی ہو، شہد کی ہو یا مکی وغیرہ کی ہو، وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے، اس کی تھوڑی مقدار پینے والے کو حد نہیں ماری جائے گی جبکہ اس نے عبادت پر قوت حاصل کرنے کی غرض سے پی ہو، اور جو شخص ان شرابوں سے مست ہو کر بیوی کو طلاق دے: وہ طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے بھنگ پی کر پاگل ہو جائے یا گھوڑی کا دودھ پی کر بے عقل ہو جائے اور طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی تقریباً یہی قول ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان شرابوں کی تھوڑی مقدار بھی حرام

ہے اور پینے والے کو سزا دی جائے گی اور ان شرابوں سے مدہوش ہونے والے کی طلاق واقع ہوگی اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے ان کے نزدیک ہر شراب اور اس کی ہر مقدار حرام ہے، در مختار (۳۲۳:۵) میں ہے (وَحَرَّمَهَا مُحَمَّدٌ) اِی الْأَشْرَبَةُ الْمَتَخَذَةُ مِنَ الْعَسَلِ وَالتِّينِ وَنَحْوَهُمَا (مطلقاً) قلیلها و کثیرها (وبہ یفتی) ذکر الزیلعی وغیرہ، واختاره شارح الوهبانية اور شامی میں دیگر بہت سے فقہاء کی تائیدات مذکور ہیں۔

جمہور کے دلائل:

امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل درج ذیل روایات ہیں:

- ۱- باب کی حدیث ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔
- ۲- شہد اور مکئی وغیرہ کی شرابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ”ہر وہ شراب جو نشہ کرے حرام ہے“
- ۳- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے“
- ۴- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شراب کا ایک فرق (دس لیٹر) نشہ کرے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے“^(۱)

شیخین کے دلائل:

اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

- ۱- ابوداؤد (حدیث ۳۶۹۵، ۳۶۹۶) میں حدیث ہے: ”نقیر، مزقت، دباء اور حنتم میں بنائی ہوئی نبیذ نہ پیو، اور چڑے کی مشک میں بنائی ہوئی نبیذ جس کا منہ باندھا گیا ہو پیو، پس اگر وہ اٹھے یعنی اس میں جوش آئے اور نشہ پیدا ہو جائے تو اس کو پانی سے توڑ دینی اس میں ٹھنڈا پانی ملاؤ جوش ختم ہو جائے گا اور نشہ کا فور ہو جائے گا (پس پیو) اور اگر وہ تم کو تھکا دے یعنی پانی سے بھی جوش ختم نہ ہو تو اس نبیذ کو پھینک دو“ اس حدیث میں نبیذ میں نشہ پیدا ہونے کے بعد بھی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔

- ۲- طحاوی (۳۲۶:۲) میں روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، آپؐ کے پاس نبیذ لائی گئی، آپؐ نے اس میں سے پیا تو منہ بگاڑا، پھر فرمایا: طائف کی نبیذ سخت ہوتی ہے، پھر پانی منگوایا اور اس پر ڈالا، پھر اس کو پیا۔ اس کی سند صحیح ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن هذا أصح الآثار۔

- ۳- طحاوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا اثر ہے کہ نبیذ میں نشہ ہو گیا تھا تو آپؐ نے فرمایا: اس (نشہ)

(۱) یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ (کتاب الحدود، باب بیان الخمر) میں ہیں۔ ان میں سے صرف دوسری حدیث متفق علیہ ہے اور پہلی حدیث صرف مسلم میں ہے، متفق علیہ نہیں، اور باقی حدیث سنن کی ہیں، علاوہ ازیں: مزر یعنی ڈرہ (چینا یا مکئی) کی شراب کی روایت بھی مسلم شریف میں ہے وہ بھی حرام ہے جبکہ وہ نشہ آور ہوگئی ہو۔

کوپانی سے توڑو (اس کی سند بھی صحیح ہے)

۴- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے ایک نبیذ بنائی گئی، مدینہ کے راستہ میں ایک شخص نے اس میں سے گھٹ گھٹ پیا، جس سے اس کو نشہ چڑھ گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑے رکھا، جب اس کا نشہ اتر گیا تو اس کو حد ماری، پھر حضرت عمرؓ نے پانی سے اس کا نشہ توڑا اور اس میں سے پیا، اسی طرح نافع بن عبد الحارث نے جو حضرت عمرؓ کے مکہ کے عامل تھے، مشکیزے میں حضرت عمرؓ کے لئے نبیذ بنائی، حضرت عمرؓ کے آنے میں کسی وجہ سے دیر ہو گئی، یہاں تک کہ نبیذ اپنی حد سے بڑھ گئی، پھر اور بڑھ گئی، پس حضرت عمرؓ نے اس کو منگوا یا تو وہ سخت یعنی نشہ آور ہو گئی تھی، پس اس کو ایک بڑے پیالے میں ڈالا، پھر پانی سے اس کا نشہ توڑا اور خود بھی پیا اور لوگوں کو بھی پلایا (مصنف عبد الرزاق ۲۲۴:۹) حدیث ۱۷۰۱۵ باب الحد فی نبیذ الأسقیة) یہ روایت طحاوی (۲۱۸:۴) میں بھی ہے۔

۵- سنن بیہقی (۲۹۷:۸) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے: حرمت الخمر بعینہا، القلیل منها والکثیر، والسكر من کل شراب: نمر: لذاتہ حرام ہے، قلیل بھی اور کثیر بھی، اور دیگر شرابوں میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔

ان روایات کی وجہ سے شیخین نے نبیذوں کی غیر مسکر مقدار کو جائز رکھا ہے، مگر:

امام عظیم رحمہ اللہ نے فرمایا: لو أعطیت جمیع ما فی الدنیا ومثلها لأشرب قطرة نبیذ فلا أشربہ، فإنہ مختلف فیہ، ولو أعطیت جمیع ما فی الدنیا لأحرم علیکم الذبیذ: لا أحرمہ، لأنه مختلف فیہ: اگر میں دنیا بھر کی دولت دیا جاؤں اور ایک اور دنیا بھی تاکہ میں نبیذ کا ایک قطرہ پیوں تو میں اس کو نہیں پیوں گا، کیونکہ وہ مختلف فیہ ہے اور اگر میں دنیا بھر کی دولت دیا جاؤں کہ نبیذ کو تمہارے لئے حرام کر دوں تو اس کو حرام نہیں کروں گا، کیونکہ وہ مختلف فیہ ہے (امام عظیم کا یہ قول شروح ہدایہ میں ہے) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: فی نفسی من ہذہ الفتیاء کأمثال الجبال، ولكن عادة البلد - أی الکوفة - ہذا: اس فتوے کا میرے دل پر پہاڑوں جیسا بوجھ ہے، مگر ہمارے شہر کوفہ کا یہی تعامل ہے (یہ قول ابو جعفر نخاس نے الناسخ والمنسوخ میں ذکر کیا ہے)

جمہور کے دلائل کا جواب:

جمہور نے جن روایات کی بنیاد پر ہر شراب کو خمر قرار دیا ہے: وہ سب روایات بیان الحاق کے لئے ہیں کیونکہ اگر تمام شرابیں لختہ خمر ہوتیں تو ان روایات کی ضرورت نہیں تھی، صحابہ اہل لسان تھے، وہ لفظ خمر کے معنی جانتے تھے، پھر ان روایات کی کیا حاجت تھی؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ حقیقی خمر: صرف انگوری شراب ہے، سورۃ یوسف آیت ۳۶ میں ہے: ﴿ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ﴾ یعنی ایک قیدی نے کہا: میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں، اس آیت میں انگور پر خمر کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ وہ آئندہ خمر بننے والے ہیں، اور بلا قرینہ خمر سے انگور اسی

وقت سمجھے جاسکتے ہیں: جب لفظ خمر انگوری شراب کے لئے خاص ہو..... اور دیگر تمام شرابیں حکمی خمر ہیں، یعنی ان کو خمر کے حکم میں رکھا گیا ہے اور علت سکر کی بنیاد پر رکھا گیا ہے، فرمایا: کُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: ہر (بالفعل) نشہ آور چیز حرام ہے، اور فرمایا: الخمر: ما خمر العقل: خمر: ہر وہ شراب ہے جو (بالفعل) عقل کو چھپا دے، پس نشہ کی مقدار سے کم پینا اور وہ بھی عبادت پر قوت حاصل کرنے کی نیت سے پینا جائز ہوگا، کیونکہ صحابہ سے خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا پینا ثابت ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کا یہ ارشاد: نعم، کان ناس من الصحابة والتابعين لم يبلغهم الحديث في أول الأمر فكانوا معذورين: یعنی بعض صحابہ و تابعین سے جو غیر انگوری شراب کی تھوڑی مقدار پینا مروی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو شروع میں یہ روایات نہیں پہنچی تھیں، پس وہ معذور تھے۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے تعلق سے کیسے تسلیم کر لی جائے گی؟ وہ امیر المؤمنین تھے، ان کا عمل لوگوں کے سامنے ہوتا تھا، پھر کسی نے ان کو یہ روایات کیوں نہیں پہنچائیں؟ بلکہ وہ یہ روایات جانتے تھے، خود حضرت عمرؓ کا ارشاد منبر سے خطاب عام میں مروی ہے کہ جب خمر کی حرمت نازل ہوئی تو پانچ چیزوں کی شراب رائج تھی، پھر قرآن کریم میں خمر کی تخصیص کی گئی، تو اس کی کوئی وجہ تھی۔ اور وہ وجہ یہی تھی کہ خمر تو مطلقاً حرام ہے اور دیگر شرابوں کی نشہ آور مقدار حرام ہے۔

فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر کیوں ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب شیخین کے قول کی مضبوط دلیل ہے تو پھر فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر کیوں ہے؟ اور ہر نشہ آور شراب مطلقاً حرام کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملت کی تنظیم کا یہی تقاضا ہے، نشلی چیزوں میں یہ خاصیت ہے کہ ان کا تھوڑا زیادہ کی دعوت دیتا ہے، جب اس کا چسکا پڑ جاتا ہے تو آدمی تھوڑے پر نہیں رکتا، اس لئے سیاست ملیہ (مذہبی راہ نمائی) میں ضروری ہے کہ حرمت کا مدار بالقوة نشہ آور ہونے پر رکھا جائے، اور جو بھی چیز نشہ آور ہو اس کو حرام قرار دیا جائے، اور قلیل و کثیر: ہر مقدار کو ناجائز ٹھہرایا جائے، حرمت کا مدار بالفعل نشہ ہونے پر نہ رکھا جائے، یہ بات ملت کے مفاد میں نہیں۔

اس کی نظیر: وقف کا مسئلہ ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک موقوفہ جائداد واقف کی ملکیت سے (علاوہ چار صورتوں کے) نہیں نکلتی، اس لئے واقف موقوفہ جائداد فروخت کر سکتا ہے، اگرچہ ایسا کرنا مکروہ ہے، اور امام اعظم کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کی روایت ہے، جو مسئلہ وقف میں واحد نص ہے، اس میں ہے: **إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَلَّفْتَ بِهَا:** یعنی اگر آپ چاہیں تو خیر کی زمین اپنی ملکیت میں رکھیں، اور اس کے منافع خیرات کریں۔ اور صاحبین اور جمہور کہتے ہیں: جب وقف تام ہو جاتا ہے تو جائداد واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، لہذا اب واقف اس کو فروخت نہیں کر سکتا، اور فتویٰ اسی پر ہے، کیونکہ وقف کی مصلحت اسی میں ہے۔

شراب پینے پر سخت وعید:

حدیث بالا میں دوسرا مضمون یہ ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی، پس وہ اس حال میں مرا کہ وہ اس کا عادی تھا یعنی اس نے توبہ نہیں کی تھی تو وہ آخرت میں شراب جنت نہیں پیے گا یعنی اس کو جنت میں جانا نصیب نہیں ہوگا، کیونکہ جو بھی جنت میں جائے گا وہ جنت کی سبھی نعمتوں سے متمتع ہوگا۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنت میں تو جائے گا مگر وہ نعمت شراب سے محروم رہے گا، اور یہ حدیث ان احادیث کی طرح ہے جن میں آیا ہے: لَمْ يَرْحَ رائحة الجنة، وإن رِيحَهَا يَوْجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا (بخاری حدیث ۳۱۶۶) یا فرمایا: حرام علیہ رائحة الجنة: یعنی وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا جبکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے یا اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے یعنی وہ جنت کے قریب بھی نہیں جاسکے گا، ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنت میں تو جائے گا، مگر جنت میں اس کو نزلہ ہو جائے گا جس کی وجہ سے جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

سوال: پھر تو یہ حدیث ان گمراہ فرقوں کی دلیل بن گئی جو کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

جواب: یہ سب حدیثیں سورۃ النساء کی آیت ۹۳ کی طرح ہیں: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ ۙ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے: اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، اس آیت میں غایت بیان کئے بغیر مطلقاً سزایان کی گئی ہے، کیونکہ وعید کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے، مگر سورۃ النساء کی آیت ۴۸ و ۱۱۶ میں ارشاد پاک ہے کہ مشرک کو تو اللہ پاک کبھی معاف نہیں کریں گے، اور اس کے علاوہ دیگر معاصی کو جس کے لئے منظور ہوگا: بخش دیں گے، پس مذکورہ آیت اور یہ حدیثیں مشیت ایزدی کے ماتحت ہیں یعنی یہ بندے جنت میں نہیں جاسکیں گے، ہاں جب اللہ تعالیٰ ان کا گناہ بخش دیں تو وہ جائیں گے اور جنت کی سب نعمتوں سے متمتع ہونگے۔

شرابی کی نماز قبول نہیں ہوتی:

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے شراب پی: اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ پھر اگر اس نے دوبارہ پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں، پھر اگر اس نے سہ بارہ پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ پھر اگر اس نے چوتھی بار پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتے اور اس کو زہرناک نہر سے پلائیں گے، راوی

نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: زہرناک نہر کیا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: جہنمیوں کے پیپ کی نہر! تشریح: نماز کا قبول نہ ہونا: نماز کا اس کے حق میں نفع بخش نہ ہونا ہے، جس طرح صاف برتن پر قلعی کھلتی ہے، اور میلے برتن پر کارگر نہیں ہوتی، اسی طرح نیکوکاری کی حالت میں عبادت سودمند ہوتی ہے، اور نفس کے گندہ ہونے کی حالت میں نفع بخش نہیں ہوتی، پس جب آدمی کسی معصیت پر مثلاً شراب پینے پر اقدام کرتا ہے اور اللہ کے سامنے بے باکی اور دلیری دکھاتا ہے اور اس کا نفس رذیل حالت میں غوطہ زن ہوتا ہے تو بہیمیت کا ملکیت پر غلبہ ہو جاتا ہے اور نفس کی حالت بگڑ جاتی ہے اور بدکاری کی حالت نیکوکاری کی ضد اور اس کے منافی ہے، اس لئے جس طرح نیکوکاری کی حالت میں نماز وغیرہ عبادات سودمند ہوتی ہیں، اور دوسری نیکیوں کا شوق پیدا کرتی ہیں: اس طرح تلویث نفس کی حالت میں اثر نہیں کرتیں اور جب تک نفس کی یہ حالت رہتی ہے: یہی صورت حال باقی رہتی ہے، اور نفس کی یہ کیفیت بہت دنوں تک (چالیس دن تک) باقی رہتی ہے، پھر رفتہ رفتہ نمازوں کے اثر سے یہ حالت بدل جاتی ہے اور نماز نفع بخش ہونے لگتی ہے، البتہ اگر بندہ گناہ سے توبہ کر لے تو جلد گناہ کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور نماز قبول ہونے لگتی ہے..... اور بار بار توبہ کرنا اور گناہ کی طرف لوٹنا: ایک کھیل ہے یا اس میں کھیل کا شائبہ ہے، اس لئے چوتھی مرتبہ میں توبہ قبول نہیں ہوتی (رحمۃ اللہ: ۵: ۳۳۸)

أبواب الأشرية

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في شارب الخمر

[۱۸۵۶-] حدثنا يحيى بن دُرُسْت أَبُو زَكْرِيَّا، ثنا حماد بن زَيْد، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا، فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ"

وفى الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعُبَادَةَ، وَأَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ.

حديث ابن عمر حديث حسن صحيح، وقد روى من غير وجه عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، ورواه مالك بن أنس، عن نافع، عن ابن عمر موقوفاً ولم يرفعه.

[۱۸۵۷-] أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، ثنا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدٍ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ

أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ: أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةٌ: أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةٌ: أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةٌ: أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَسَفَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ" قِيلَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! وَمَا نَهْرُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: نَهْرٌ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى نَحْنُ هَذَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

یہ حدیث کے الفاظ ہیں، یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسندوں سے ذکر کی ہے: ایک: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی ﷺ سے شہد کی شراب کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: جو بھی شراب مدہوش کرے وہ حرام ہے۔ دوسری: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مسکر سے بالفعل نشہ کرنا مراد ہے یا بالقوة؟ نبیذوں کی حلت کے قائل علماء بالفعل نشہ کرنا مراد لیتے ہیں اور نشہ سے کم مقدار کو جائز کہتے ہیں، اور جمہور بالقوة نشہ آور ہونا مراد لیتے ہیں اس لئے وہ تھوڑی مقدار کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔ اور ان کی دلیل آئندہ باب کی حدیثیں ہیں، اور پہلے فریق کی دلیل صحابہ وتابعین کا عمل ہے، وہ نشہ آور نبیذیں استعمال کرتے تھے جیسا کہ گذشتہ باب میں آیا ہے، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے اور حدیث نہ کسی کے موافق ہے نہ مخالف۔

[۲-] بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

[۱۸۵۸-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْبِتْعِ؟ فَقَالَ: "كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ"

[۱۸۵۹-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطٍ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشْجِيُّ، قَالَا: ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ

بْنِ إِدْرِيسَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ؛ وَفِي الْبَابِ: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي مُوسَى، وَالْأَشَجَّ الْعَصْرِيَّ، وَدَيْلَمَ، وَمَيْمُونَةَ، وَعَائِشَةَ، وَابْنَ عَبَّاسٍ، وَقَيْسَ بْنَ سَعْدٍ، وَالنَّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ، وَمُعَاوِيَةَ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُغَفَّلٍ، وَأُمَّ سَلَمَةَ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَوَائِلَ بْنَ حُجْرٍ، وَقُرَّةَ الْمُرَزِيِّ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَكِلَاهُمَا صَحِيحٌ، وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: پہلی حدیث امام زہریؒ: ابوسلمہ سے، وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، یہ حدیث شہد کی شراب کے بارے میں ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور دوسری حدیث ایک قاعدہ کلیہ ہے، اور اس کے بعد جوہذا حدیث حسن صحیح ہے وہ مصری نسخہ میں نہیں ہے اس کے بجائے پہلی حدیث کے آخر میں: قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن صحیح ہے۔ پھر دوسری حدیث کے بعد متصل و فی الباب ہے، یہ تمام صحابہ بھی قاعدہ کلیہ روایت کرتے ہیں، اور اس کے بعد هذا حدیث حسن ہے، یہ دوسری حدیث سے متعلق ہے اور دوسری حدیث محمد بن عمرو: ابوسلمہ سے، اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، یہ سند بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور اسی حدیث کو محمد بن عمرو: ابوسلمہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں جس کی تخریج نسائی اور امام احمد نے کی ہے اور امام ترمذی نے دونوں سندوں کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے عن ابی سلمة، عن ابی ہریرة بھی مروی ہے مگر اس اختلاف کی وجہ سے ابن عمر کی حدیث کو امام ترمذی نے صرف حسن کہا ہے حالانکہ یہ بھی صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ

جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

یہ بھی حدیث کے الفاظ ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ: جس شراب کی زیادہ مقدار سے نشہ ہو جائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، اور اس باب میں دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ مَا أَسْكَرَ الْفَرْقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ: وہ شراب جس کا ایک فرق (سولہ رطل) مدہوش کرے اس کا چلو بھر

بھی حرام ہے۔ امام ترمذی کے دو ساتذہ (محمد بن بشار اور عبد اللہ بن معاویہ) میں سے ایک کہتے ہیں: الْحُسْوَةُ مِنْهُ حَرَامٌ: اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔

تشریح: علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فرق اور چلو تکثیر و تقلیل کی تعبیریں ہیں، تحدید مراد نہیں، یعنی جس شراب کی کثیر مقدار سے نشہ ہو جائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

اس حدیث کے سمجھنے میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ یہ ارشاد سد ذرائع کے باب سے ہے یا واقعی حرام ہے؟ جو فقہاء منکر نیز کی تھوڑی مقدار کو جائز کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سد ذرائع کے طور پر ہے، کیونکہ نشہ آور چیز کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی اس کی تھوڑی مقدار پر رکتا نہیں، پیتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک کہ مدہوش ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی تھوڑی مقدار کی بھی ممانعت کر دی، ورنہ تھوڑی مقدار جائز ہے۔ اور جمہور کہتے ہیں: یہ ممانعت حقیقی ہے یعنی نشہ کی مقدار سے کم بھی واقعہ حرام ہے پس یہ بھی نص فیہی کا اختلاف ہے اور حدیث نہ کسی کے موافق ہے نہ مخالف۔

[۳-] باب مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ

[۱۸۶۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، ح: وَثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ بَكْرِ بْنِ أَبِي الْفَرَاتِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ"

وفی الباب: عَنْ سَعْدٍ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَابْنِ عُمَرَ، وَخَوَاتِ بْنِ جُبَيْرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ.

[۱۸۶۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ، عَنْ مَهْدِيٍّ بْنِ مَيْمُونٍ، ح: وَثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجَمَحِيُّ، عَنْ مَهْدِيٍّ بْنِ مَيْمُونٍ - الْمَعْنَى وَاحِدٌ - عَنْ أَبِي عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، مَا أَسْكَرَ الْفَرْقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ" قَالَ أَحَدُهُمَا فِي حَدِيثِهِ: "الْحُسْوَةُ مِنْهُ حَرَامٌ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، قَدْ رَوَاهُ لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ، وَالرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيِّ نَحْوَ رِوَايَةِ مَهْدِيٍّ بْنِ مَيْمُونٍ، وَأَبُو عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيُّ: اسْمُهُ عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ، وَيُقَالُ عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں داؤد صرف صدوق ہیں اس لئے حدیث صرف حسن ہے اور یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے، مگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غریب یعنی انجانی ہے، محدثین میں معروف نہیں.....

دوسری حدیث امام ترمذیؒ دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں: محمد بن بشار سے اور عبد اللہ بن معاویہ سے، اس کی سند میں ابو عثمان انصاری معمولی راوی ہے اس لئے حدیث صرف حسن ہے، ابو عثمان انصاری کا نام عمرو بن سالم ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ عمر بن سالم ہے، اور ابو عثمان سے روایت کرنے والے بہت ہیں، مہدی بن میمون کے علاوہ لیث بن ابی سلیم اور ربیع بن صمیج بھی روایت کرتے ہیں مگر ابو عثمان سے آخر تک یہی ایک سند ہے اور یہ راوی صرف مقبول ہے اس لئے حدیث صرف حسین ہے..... الْحُسُونَةُ (بالضم والفتح) گھونٹ یا گھونٹ بھر..... الْفَرْقُ: (فتح الفاء والراء) ایک پیمانہ جس میں تین صاع سماتا ہے، احناف کے نزدیک اس کی مقدار ۸۴۷ گرام ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک ۶۵۱۶ گرام ہے (معجم لغة الفقهاء)

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَبِيذِ الْبَجَرِ

گھڑوں کی نبیذ کا حکم

نَبِيذٌ: فَعِيلٌ کا وزن ہے اور مَنْبُذٌ کے معنی میں ہے، اور نَبَذَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں: ڈالنا، پانی میں کوئی بھی چیز ڈالی جائے جب وہ گل جائے اور اس کی شیرینی پانی میں آجائے مگر ابھی اس میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو وہ نبیذ کہلاتی ہے اور وہ بالاتفاق حلال ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں کھجور، منقہ، انجیر، شہد وغیرہ کی نبیذیں بنتی تھیں اور ان کو نبی ﷺ اور لوگ استعمال کرتے تھے..... اور الْبَجَرُ: جَوْرَةُ کی جمع ہے، جیسے التَّمْرُ: تَمْرَةُ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: مٹی کا گھڑا۔

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ شراب کے برتنوں کا کیا حکم ہے؟ اور ان میں نبیذ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نبی ﷺ نے وفد عبد القیس کو شراب کے برتنوں کے استعمال سے منع کیا تھا، بخاری میں روایت ہے: وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنِ الْحَنْتَمِ، وَالذُّبَاءِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُزَقَّتِ (بخاری حدیث ۵۳) حَنْتَمٌ: حَنْتَمَةُ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: روغنی گھڑا، جب اس میں نبیذ بنائی جائے تو اس میں جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے..... الذُّبَاءُ: سوکھا کدو جو برتن کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس میں بھی نبیذ بنائی جائے تو جلدی اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، اردو میں اس کو تو نبی کہتے ہیں، ثَوْبًا: ایک قسم کا تلخ کدو ہوتا ہے، جس کا چھلکا بہت موٹا ہوتا ہے اس کو فقیر سکھا کر کٹکول بناتے ہیں، میں نے زامبیا میں یہ برتن بکتے ہوئے دیکھے ہیں..... النَّقِيرُ بمعنی مَنْقُورٌ ہے۔ نَقَرَ يَنْقُرُ کے معنی ہیں: کریدنا، کھودنا، لوگ درخت کے تنے کو کرید کر برتن بناتے تھے اور اس میں نبیذ بناتے تھے، اس میں بھی نبیذ بنانے سے جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے..... اور الْمُزَقَّتُ: تارکول پھیرا ہوا گھڑا، اس میں بھی نبیذ بنانے سے جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت پہلے تھی پھر وہ ختم ہو گئی، مسلم شریف میں روایت ہے اور ترمذی میں بھی آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو چند برتنوں سے روکا تھا اب جان لو کہ کوئی برتن نہ

کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام کرتا ہے، البتہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور پہلے اس لئے ممانعت کی تھی کہ لوگوں کو شراب کے برتن دیکھ کر شراب یاد نہ آئے پھر جب شراب سے طبیعتیں ہٹ گئیں تو ممانعت اٹھادی گئی، اور دوسری رائے یہ ہے کہ ان برتنوں کی ممانعت پہلے بھی لعینہ نہیں تھی بلکہ لغیرہ تھی یعنی ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے اس لئے منع کیا گیا تھا کہ ان میں مسامات نہیں ہوتے اس لئے ان میں جلدی گرمی پیدا ہو جاتی ہے، اور پانی میں ڈالی ہوئی چیز جلدی سر جاتی ہے، اور اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور پتہ نہیں چلتا، اس لئے لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائیں اور اس کا منہ باندھ دیں تاکہ اگر اس میں گیس پیدا ہو تو مشکیزہ پھولے اور فوراً پتہ چل جائے کہ نشہ آور ہو گئی ہے، پس یہ ممانعت آج بھی باقی ہے، اور ان برتنوں ہی کے حکم میں دھات ے مام برتن ہیں پس اگر احتیاط سے ان برتنوں میں نبیذ بنائی جائے تو جائز ہے یعنی لمبی مدت تک نبیذ نہ رکھی جائے، جلدی استعمال کر لی جائے تو ان برتنوں میں نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث: ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور اس نے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے گھڑوں کی نبیذ سے منع کیا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: ہاں۔ حدیث کے راوی طاؤسؓ کہتے ہیں: بخدا! میں نے یہ بات حضرت ابن عمرؓ سے سنی ہے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو بات فرمائی ہے کہ نبی ﷺ نے گھڑوں کی نبیذ سے منع کیا ہے: یہ ممانعت اگر لعینہ تھی تو وہ بعد میں منسوخ ہو گئی جیسا کہ ابھی ایک باب کے بعد آ رہا ہے اور اگر یہ ممانعت لغیرہ تھی یعنی سد ذرائع کے طور پر تھی یعنی اس لئے تھی کہ روغنی گھڑے میں نبیذ جلدی بگڑ جاتی ہے اور نشہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ ممانعت اب بھی باقی ہے پس ایسے گھڑے میں احتیاط سے نبیذ بنانی چاہئے تاکہ بگڑنے کا اندیشہ نہ رہے یا جلدی استعمال کر لینی چاہئے۔

[۴-] باب ماجاء فی نَبِیْذِ الْجَرِّ

[۱۸۶۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثنا ابْنُ عُثَيْمٍ، وَبِزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: ثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ طَاوُسٍ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ، فَقَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِیْذِ الْجَرِّ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ طَاوُسٌ: وَاللَّهِ إِنِّي سَمِعْتُهُ مِنْهُ.

وفی الباب: عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَسُوَيْدٍ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: نہی سے پہلے ہمزہ استفہام پوشیدہ ہے اور مسلم شریف میں مذکور ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة أن ینبذ فی الدُّبَّاءِ وَالنَّقِیرِ وَالْحَنْتَمِ

تو نبی میں، لکڑی کے برتن میں اور روغنی گھرے میں نبیذ بنانے کی ممانعت

حدیث: زاذان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: نبی ﷺ نے کن برتنوں سے منع کیا ہے، زاذان نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنی زبان میں ہمیں بتائیں پھر ہماری زبان میں اس کی تشریح کریں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے حَنْتَمَ سے منع کیا اور وہ (روغنی) گھڑا ہے، اور حضور ﷺ نے دُبَّاء سے منع کیا اور وہ قرع ہے (دونوں کے معنی کدو کے ہیں) اور نقیر سے منع کیا اور وہ بھجور کے درخت کا تنا ہے جس کو خوب کرید کر برتن بنالیا جاتا ہے، یا فرمایا: اس کو خوب چھیل کر برتن بنالیا جاتا ہے، اور مزفت سے منع کیا، اور وہ تارکول پھیرا ہوا گھڑا ہے، اور نبی ﷺ نے حکم دیا کہ چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔

تشریح: سائل کی اصطلاحات اور تھیں اور قریش کی اصطلاحات اور تھیں، اس لئے سائل نے کہا کہ آپ پہلے اپنی اصطلاحات میں بتائیں پھر ہماری اصطلاح میں اس کی تشریح کریں..... الْحَنْتَم: ہرے رنگ کا گھڑا جس میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ نَقْرُ یَنْقُرُ نَقْرًا: لکڑی تراش کر برتن بنانا، اور نَسَحَ الثُّرَابُ، یَنْسَحُ نَسْحًا کے معنی ہیں: کریدنا صحیح لفظ حلی کے ساتھ ہے جیم کے ساتھ نہیں ہے اور زفت کے معنی ہیں: تارکول، یا تارکول کی طرح کا دوسرا مسالہ، زَفَّتِ الشَّیْءُ کے معنی ہیں تارکول کی طرح کی کوئی چیز ملنا، اور القَارُ اور القِنْزُ کے معنی بھی تارکول یا تارکول جیسا کالا روغن ہے، جسے کشتی پر ملتے تھے اور القَبَّار کے معنی ہیں: تارکول فروش اور قَبْرُ السَّفِینَةِ کے معنی ہیں: کشتی کو تارکول ملنا، اس سے الْمُقْفِرُ (اسم مفعول) ہے اور الْأَسْقِیَّة: سقاء کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: چمڑے کا مشکیزہ۔

[۵-] باب ماجاء فی کراهیة أن ینبذ فی الدُّبَّاءِ، وَالنَّقِیرِ، وَالْحَنْتَمِ

[۱۸۶۳-] حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةٍ، قَالَ: سَمِعْتُ زَاذَانَ، يَقُولُ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ مَا نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَوْعِيَةِ؟ وَأَخْبَرَنَاهُ بِلُغَتِكُمْ، وَفَسَّرَهُ لَنَا بِلُغَتِنَا، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَنْتَمَةِ، وَهِيَ الْجَرَّةُ، وَنَهَى عَنِ الدُّبَّاءِ، وَهِيَ الْقَرْعَةُ، وَنَهَى عَنِ النَّقِيرِ، وَهِيَ أَصْلُ النَّحْلِ: يُنْقَرُ نَقْرًا، أَوْ: يُنْسَحُ نَسْحًا، وَنَهَى عَنِ الْمَزْفَتِ، وَهُوَ الْمُقْفِرُ، وَأَمَرَ أَنْ يُنْبَذَ فِي الْأَسْقِیَّةِ.

وفی الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ

يَعْمُرُ، وَسَمُرَةٌ، وَأَنْسٍ، وَعَائِشَةُ، وَعَمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَعَائِذُ بْنُ عَمْرٍو، وَالْحَكَمُ الْغِفَارِيُّ، وَمَيْمُونَةُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: حدیث کا ابتدائی حصہ مسلم شریف میں اس طرح ہے: قُلْتُ لَابْنِ عَمْرٍو: حَدَّثَنِي بِمَا نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَشْرَةِ بِلُغَتِكَ، وَفَسْرُهُ لِي بِلُغَتِنَا، لِأَنَّ لَكُمْ لُغَةً سِوَى لُغَتِنَا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الظُّرُوفِ

کسی بھی برتن میں نیبذ بنانے کی اجازت

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے آپ لوگوں کو چند برتنوں سے منع کیا تھا پس (اب جان لو کہ) کوئی برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے چند برتنوں سے منع کیا پس انصار نے آپ کے سامنے اپنی پریشانی رکھی، انھوں نے عرض کیا: ہمارے پاس اور برتن نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پس نہیں، یعنی اگر مجبوری ہے تو ممانعت نہیں۔

تشریح: ان روایات کی وجہ سے ایک رائے یہ ہے کہ پہلے ان برتنوں کی جو ممانعت تھی وہ بعد میں ختم کر دی گئی اور دوسری رائے یہ ہے کہ پہلے بھی ممانعت بغیرہ تھی اور وہ آج بھی باقی ہے۔

[۶-] بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الظُّرُوفِ

[۱۸۶۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَمَحْمُودُ بْنُ غِيْلَانَ، قَالُوا: ثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوفِ، وَإِنَّ ظَرْفًا لَا يَحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۸۶۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الظُّرُوفِ، فَشَكَّتْ إِلَيْهِ الْأَنْصَارُ، فَقَالُوا: لَيْسَ لَنَا وَعَاءٌ، قَالَ: "فَلَا إِذَا"

وفى الباب: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فى السَّقَاءِ

مشکیزوں میں نبیذ بنانے کا حکم

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نبی ﷺ کے لئے ایسے چڑے کے مشکیزے میں نبیذ بناتے تھے جس کا اوپر کا حصہ باندھ دیا جاتا تھا، اور اس کے نچلے حصہ میں سوراخ ہوتا تھا (جس سے مظروف نکالا جاتا تھا) ہم صبح اس میں نبیذ بننے کے لئے کوئی چیز ڈالتے تھے اور آپ اس کو شام میں نوش فرما لیتے تھے، اور ہم شام میں اس میں نبیذ بننے کے لئے کوئی چیز ڈالتے تھے اور آپ اس کو صبح میں نوش فرما لیتے تھے، یعنی زیادہ دیر تک نبیذ نہیں رکھی جاتی تھی، جلدی استعمال کر لی جاتی تھی۔

[۷-] باب ماجاء فى السَّقَاءِ

[۱۸۶۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الْحُسَيْنِ الْبَصْرِيِّ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سِقَاءٍ، يُوَكَّلُ أَغْلَاهُ، لَهُ عَزْلَاءٌ، نَنْبِذُهُ غُدْوَةً، وَيَشْرَبُهُ عِشَاءً، وَنَنْبِذُهُ عِشَاءً، وَيَشْرَبُهُ غُدْوَةً. وَفِي الْبَابِ: عَنْ جَابِرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا.

لغت: العزلاء: اُغزول کا مونث ہے، جس کے معنی ہیں: مشکیزہ وغیرہ سے پانی کے گرنے کی جگہ، جمع عزالی اور عزالی، اور کہا جاتا ہے: أُرْسِلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيهَا یعنی آسمان نے پانی برسایا، آسمان نے اپنے دہانے کھول دیئے۔

باب ماجاء فى الحُبُوبِ الَّتِي يُتَّخَذُ مِنْهَا الْخَمْرُ

وہ غلے جن کی شراب بنائی جاتی تھی

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”شراب گیہوں کی، جو کی، چھوہاروں کی، کشمش کی، منقہ کی، اور شہد کی بنتی ہے“ اس حدیث کا ایک راوی ابراہیم بن مہاجر متکلم فیہ ہے اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو غریب بمعنی ضعیف کہا ہے، پھر امام شعی کے ایک اور شاگرد ابو حیان تبی اس حدیث کو امام شعی سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن عمرؓ سے، اور

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ شراب گیہوں کی بھی بنتی ہے الی آخرہ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ روایت ابراہیم کی روایت سے اصح ہے یعنی یہ روایت مرفوع نہیں ہے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور یحییٰ قطان نے ابراہیم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ مضبوط راوی نہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ”شراب ان دو درختوں سے ہے یعنی کھجور کا درخت اور انگور کا درخت“ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور اس کی وضاحت پہلے باب میں گذر چکی ہے کہ یہ حدیث الحاق کے لئے ہے یعنی کھجور کو انگور کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور یہ الحاق باقی نبیوں کے الحاق سے قوی ہے، پس کھجور اور انگور سے جو بھی شراب بنے گی اس کا قلیل و کثیر حرام ہوگا، مگر چونکہ یہ خبر واحد ہے اس لئے خمر سے اس کا درجہ کم ہوگا، اسی لئے احناف نے تین حرام شرابوں کو خمر اور دیگر نبیوں کے درمیان میں درجہ دوم میں رکھا ہے۔

[۸-] باب ماجاء فی الخُبُوبِ الَّتِي يَتَّخَذُ مِنْهَا الْخَمْرُ

[۱۸۶۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ، ثَنَا إِسْرَائِيلُ، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُهَاجِرٍ، عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا، وَمِنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا، وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا، وَمِنَ الدَّبِيبِ خَمْرًا، وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا“

وفی الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ إِسْرَائِيلَ نَحْوَهُ.

[۱۸۶۸-] وَرَوَى أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ: ”إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا“ فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ، أَخْبَرَنَا بِذَلِكَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: ”إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا“ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ، قَالَ: يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: لَمْ يَكُنْ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُهَاجِرٍ بِالْقَوِيِّ.

[۱۸۶۹-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، وَعِصْرَمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، قَالَا: ثَنَا أَبُو كَثِيرٍ السَّحْمِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ: النَّخْلَةِ وَالْعِنْبَةِ“

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو كَثِيرٍ السَّحْمِيُّ: هُوَ الْغُبَرِيُّ، اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غُفَيْلَةَ.

باب ماجاء فی خَلِيطِ البُسْرِ وَالتَّمْرِ

گدڑی کھجور اور چھوہارے ملا کر نبیذ بنانا

الخلیط: مختلف النوع چیزوں کا مجموعہ، البُسْر: گدڑ کھجور، یعنی ادھ کچری کھجور، اور التَّمْر: چھوہار یعنی سوکھی کھجور، اور الرُّطَب: تازہ پکی ہوئی کھجور۔

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے گدڑ کھجور اور تازہ پکی ہوئی کھجور: دونوں کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے گدڑ کھجور اور چھوہاروں سے منع فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان جمع کیا جائے اور منقی اور چھوہارے سے منع فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان جمع کیا جائے، اور مٹی کے گھڑوں سے منع فرمایا کہ ان میں نبیذ بنائی جائے۔

تشریح: یہ مسئلہ پہلے گدڑ چکا ہے کہ شراب کے برتنوں کا کیا حکم ہے؟ اور ان میں نبیذ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب کے برتنوں کی ممانعت لغیرہ تھی یعنی اس وجہ سے ممانعت تھی کہ لوگوں کو شراب یاد نہ آئے یا اس وجہ سے تھی کہ ان میں جو نبیذ بنائی جاتی ہے وہ جلدی نشہ آور ہو جاتی ہے پس لوگ ان میں نبیذ نہ بنائیں، اور اگر ممانعت لعینہ تھی تو وہ بعد میں ختم کر دی گئی تھی۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ مختلف النوع چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ حدیثوں میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے جیسا کہ مذکورہ حدیثوں میں ہے، مگر یہ ممانعت بھی لعینہ نہیں ہے بلکہ لغیرہ ہے یعنی اس اندیشہ سے ہے کہ نبیذ میں غیر محسوس طور پر فساد پیدا نہ ہو جائے کیونکہ ایسی دو چیزیں جن میں سے ایک جلدی گلنے والی ہو اور ایک دیر سے یا ایسی دو چیزیں جن میں سے ایک کٹھی ہو اور ایک میٹھی، ایسی دو چیزیں ملا کر نبیذ بنائی جائے گی تو جلدی گلنے والی چیز کے اجزاء شراب کی حد میں داخل ہو جائیں گے اور پتہ بھی نہیں چلے گا، اسی طرح ترش: میٹھی چیز کو بھی جلدی شراب بنا دے گی لہذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی دو چیزیں ملا کر نبیذ نہ بنائی جائے۔

اور اگر یہ ممانعت لعینہ ہے تو یہ روایتیں منسوخ ہیں، ابوداؤد میں دو حدیثیں (حدیث ۳۷۰۸ و ۳۷۰۷) ہیں:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کے لئے منقی کی نبیذ بنائی جاتی تھی، پس اس میں چھوہارے ڈالے جاتے تھے، یا چھوہاروں کی نبیذ بنائی جاتی تھی پس اس میں منقی ڈالی جاتی تھی۔

۲- صفیہ نامی ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھوہاروں اور منقی کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ نے فرمایا: میں چھوہاروں کی ایک مٹھی اور منقی کی ایک مٹھی لیتی تھی پس اس کو ایک برتن میں ڈالتی تھی، پس میں

اس کو مل دیتی تھی پھر میں وہ نبی پاک ﷺ کو پلاتی تھی۔

ان دونوں روایتوں میں اگرچہ تھوڑا ضعف ہے مگر قابل استدلال ہیں، پس اگر ممانعت لعینہ تھی تو وہ ان روایات سے منسوخ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ممانعت لغیرہ ہے، یعنی بر بنائے احتیاط ہے، پس یہ ممانعت آج بھی باقی ہے اور جس طرح دھات کے برتنوں میں اور ایسے برتنوں میں جن میں مسامات نہیں ہوتے نبیذ نہیں بنانی چاہئے اسی طرح مختلف النوع چیزوں کو ملا کر بھی نبیذ نہیں بنانی چاہئے، اور بنائی جائے تو پوری احتیاط رہنی چاہئے۔

[۹-] باب ماجاء فی خَلِيطِ الْبُسْرِ وَالْتَمْرِ

[۱۸۷۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُنْتَبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطْبُ جَمِيعًا، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. [۱۸۷۱-] حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، ثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْبُسْرِ وَالْتَمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا، وَنَهَى عَنِ الزَّبِيبِ وَالْتَمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا، وَنَهَى عَنِ الْجَرَارِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِيهَا. وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَنَسٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي قَتَادَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَمَعْبُدِ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ أُمِّهِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الشُّرْبِ فِي آيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے کی ممانعت

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے اور یہ ممانعت ہر مکلف کے لئے ہے خواہ مرد ہو یا عورت، عورتوں کے لئے سونے چاندی کے صرف زیورات جائز ہیں کیونکہ عورتیں زینت کی محتاج ہیں اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا تزیین نہیں ہے اس لئے عورتوں کے لئے بھی یہ حرمت ہے اور سونا چاندی پہننے کے مسائل ابواب اللباس میں گذر چکے ہیں۔

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ دور فاروقی اور دور عثمانی میں مدائن کے گورنر رہے ہیں، مدائن دجلہ کے کنارے پر ایک بڑا شہر ہے، آپؐ نے کسی سے پانی مانگا وہ غیر مسلم دیہاتی تھا، وہ چاندی کے برتن میں پانی لایا، آپؐ نے وہ برتن اس پر پھینک مارا (اور ایک روایت میں ہے: رَمَى بِهِ فِي وَجْهِهِ یعنی وہ برتن اس کے چہرے پر پھینک مارا) اور فرمایا: میں اس کو منع کر چکا ہوں مگر وہ مانتا نہیں (یعنی چاندی کے برتن میں پانی پلانے سے میں نے اس کو منع کیا ہے

پھر بھی وہ اس برتن میں پانی لے آیا) بیشک نبی ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن میں پینے سے منع کیا ہے (اور مسند احمد میں اسی روایت میں ہے: وَأَنْ يُؤْكَلَ فِيهَا: اور اس میں کھانے سے بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے) اور ریشم اور دبا کے پہننے سے بھی منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ ”یہ نعمتیں کفار کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں“ تشریح: ”میں نے اس کو منع کیا تھا“: اس میں اس وہم کو دفع کیا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک دم برتن کیوں پھینک مارا؟ نہ تو اس کو منع کیا نہ سمجھایا ایسا کیوں کیا؟ آپؐ نے وجہ بیان کی کہ میں اس کو منع کر چکا ہوں مگر وہ مانتا نہیں، بار بار چاندی کے برتن میں پانی لاتا ہے وہ گورنر کے اعزاز میں ایسا کرتا تھا۔

اور ”یہ نعمتیں کفار کے لئے دنیا میں ہیں“ اس کا مقصد کفار کے لئے ان نعمتوں کا جواز بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مؤمنین کے لئے حرمت کی وجہ بیان کرنا ہے یعنی کفار یہ نعمتیں دنیا میں استعمال کرتے ہیں اور مؤمنین کے لئے یہ نعمتیں دنیا میں حرام ہیں، ان کے لئے یہ نعمتیں آخرت میں ہیں، وہ وہاں ان سے متمتع ہونگے۔

[۱۰] - باب ماجاء فى كراهية الشرب فى آنية الذهب والفضة

[۱۸۷۲] - حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثنا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى، يُحَدِّثُ أَنَّ حُذَيْفَةَ اسْتَسْقَى، فَأَتَاهُ إِنْسَانٌ بِإِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ، فَرَمَاهُ بِهِ، وَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ قَدْ نَهَيْتُهُ، فَأَبَى أَنْ يَنْتَهَى، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشَّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالذِّبَاجِ، وَقَالَ: ”هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ“ وَفِي الْبَابِ: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَالْبَرَاءِ، وَعَائِشَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فى النهى عن الشرب قائماً

کھڑے ہوئے پینے کی ممانعت

آداب اسلامی میں سے یہ ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر کھایا پیا جائے، کھڑے کھڑے کھانا پینا نہ طبی نقطہ نظر سے مناسب ہے نہ یہ سلیقہ مندی کی بات ہے، آج کل کھڑے کھڑے کھانے کا فیشن چلا ہے، جس کا اسلامی تہذیب سے کوئی تعلق نہیں، یہ غیروں کا طریقہ ہے، مسلمانوں کو اس طرح کھانے پینے سے احتراز کرنا چاہئے۔

اور اس مسئلہ میں روایات میں اختلاف ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے دو باب قائم کئے ہیں: پہلے باب میں کھڑے ہوئے کھانے پینے کی ممانعت کی روایت ہے اور دوسرے باب میں جواز کی روایات ہیں، اور علماء میں اختلاف ہے کہ کھڑے ہوئے کھانے پینے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اور دونوں بابوں کی روایتوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟

ایک رائے: یہ ہے کہ جواز کی روایتیں ممانعت کی روایتوں سے مضبوط ہیں، غالباً امام ترمذیؒ کی یہی رائے ہے چنانچہ انھوں نے پہلے ممانعت کا باب باندھا پھر رخصت کا، اور رخصت ممانعت کے بعد ہوتی ہے، پس اگلے باب کی روایات پہلے باب کی روایت کے لئے ناخ ہیں۔

اور دوسری رائے: اس کے برعکس ہے، ابن حزم ظاہریؒ کہتے ہیں: جواز ضابطہ کے مطابق ہے، کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور ممانعت کی روایات حکم شرعی ہیں یعنی پہلے کھڑے کھانے پینے کی اجازت تھی پھر اس کی ممانعت کر دی گئی، مگر صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے وہ کھڑے ہوئے کھاتے پیتے تھے، اس لئے ابن حزم کی بات قابل قبول نہیں۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ دونوں بابوں کی حدیثوں کو جمع کیا جائے یہ رائے جمہور کی ہے، انھوں نے پہلے باب کی روایات میں کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی ہے یعنی کھڑے ہوئے کھانا پینا خلاف اولیٰ ہے اور جواز کی روایات حکم شرعی بیان کرنے کے لئے ہیں کہ حکم شرعی یہ ہے کہ کھڑے ہوئے کھانا پینا جائز ہے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کھڑے ہوئے پینے سے منع فرمایا، پوچھا گیا: اور کھانے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: وہ تو اور بھی زیادہ سخت ہے اور مسلم کی روایت میں اُشْرُ ہے یعنی وہ تو اور بھی زیادہ برا ہے۔

حدیث (۲): حضرت جابر بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے کھڑے ہوئے پینے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ روایت قتادہ: ابو مسلم جذبی سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں، مگر ایک دوسری روایت میں یزید کا واسطہ ہے، وہ روایت یہ ہے: ضالّة المسلم حرق النار یعنی مسلمان کا گم شدہ جانور روزخ کی لپٹ ہے یعنی اگر کسی کا اونٹ وغیرہ جنگل میں رہ جائے جو اپنی حفاظت خود کر سکتا ہے یعنی وہ چارہ پانی تلاش کرنے کے لئے دور تک جاسکتا ہے اگر کوئی اس کو جنگل سے پکڑ کر گھر لے آئے تو وہ کسی فاسد نیت ہی سے ہو سکتا ہے پس یہ جہنم کا سامان ہے: ای ضالّة المؤمن إذا أخذها إنسان ليمتلكها أدته إلى النار.

احادیث (۳-۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے (۳) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہوئے زم زم نوش فرمایا (۵) اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے پیتے دیکھا ہے، یہ سب روایات اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں اور پہلے باب کی روایات سے اثبت اور اقویٰ ہیں، اس لئے امام ترمذیؒ نے ان کو ناخ قرار دیا ہے، لیکن جمہور کہتے ہیں کہ زم زم تو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے اور وضو کے بعد کا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے، پس یہ دونوں صورتیں تو ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، رہی حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت تو وہ عذر پر یا بیان جواز پر محمول ہے، غرض اسلامی تہذیب یہ ہے کہ بیٹھ کر کھایا پیا جائے، یہی

اچھا طریقہ ہے، اور ضرورت کے وقت کھڑے ہوئے کھانا پینا بھی جائز ہے، مثلاً بیٹھنے کی کوئی مناسب جگہ نہ ہو یا میدان جنگ ہو، جہاں بیٹھ کر کھانے پینے کا موقع نہ ہو ایسی صورت میں کھڑے ہوئے کھانا پینا غیر اولیٰ بھی نہیں، حضرت عبداللہ کی روایت ایسے ہی مواقع کے لئے ہے۔

[۱۱۰] باب ماجاء فی النهی عن الشرب قائماً

[۱۸۷۳] - حدثنا محمد بن بشار، ثنا ابن أبي عدي، عن سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا، فَقِيلَ: الْأَكْلُ؟ قَالَ: ذَاكَ أَشَدُّ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

[۱۸۷۴] - حدثنا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، ثنا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْجَذَمِيِّ، عَنِ الْجَارُودِ بْنِ الْعَلَاءِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشَّرْبِ قَائِمًا.

وفى الباب: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَهَكَذَا رَوَى غَيْرٌ وَاحِدٌ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ، عَنْ جَارُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[۱۸۷۵] - وَرَوَى عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ، عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ، عَنْ الْجَارُودِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ" وَالْجَارُودُ بْنُ الْمُعَلَّى: يُقَالُ: ابْنُ الْعَلَاءِ، وَالصَّحِيحُ ابْنُ الْمُعَلَّى.

وضاحت: حدیث (۱۸۷۳) قتادہ ابو مسلم سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں، مگر حدیث (۱۸۷۵) یزید کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ بات امام ترمذی نے کیوں بیان کی ہے؟ یہ بات واضح نہیں، ممکن ہے محض افادہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ درپردہ قتادہ پر اعتراض ہو کہ انھوں نے پہلی حدیث میں تدلیس کی ہے یعنی استاذ کا نام چھپایا ہے (قتادہ تدلیس کیا کرتے تھے) اور حضرت جارود کے والد کا صحیح نام المعلى ہے۔

[۱۱۱] باب ماجاء فی الرخصة فی الشرب قائماً

[۱۸۷۶] - حدثنا أَبُو السَّائِبِ سَلْمُ بْنُ جُنَادَةَ بْنِ سَلَمِ الْكُوفِيِّ، ثنا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا نَأْكُلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَمْشِي، وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَرَوَى

عِمْرَانُ بْنُ حُدَيْرٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي الْبَرَزِيِّ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبُو الْبَرَزِيِّ: اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عَطَارِدَ. [۱۸۷۷-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا عَاصِمُ الْأَحْوَلُ، وَمُعِيزَةُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَسَعْدٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، وَعَائِشَةُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. [۱۸۷۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: نبی ﷺ نے زمزم ایک مرتبہ اونٹ پر بیٹھے ہوئے نوش فرمایا ہے، اگر اسی واقعہ کو ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے تو وہ قائم مجاز ہے، اور یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے تو حدیث میں مجاز نہیں، بلکہ حقیقت ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّنْفُسِ فِي الْإِنَاءِ

پینے کے دوران سانس لینے کا حکم

باب کے الفاظ حدیث کی اتباع میں ہیں اور ان لفظوں سے طلبہ کو غلط فہمی ہو سکتی ہے، بظاہر ان لفظوں کا مطلب یہ ہے کہ پیتے ہوئے برتن میں سانس لینا چاہئے مگر یہ مراد نہیں بلکہ تقدیر عبارت ہے: التَّنْفُسُ فِي شُرْبِ الْإِنَاءِ: کوئی بھی مشروب پیا جائے تو درمیان میں سانس لیا جائے مگر برتن منہ سے ہٹائے بغیر سانس لینا مکروہ ہے اور یہ کراہت طبعی ہے، مستحب یہ ہے کہ برتن منہ سے ہٹا کر سانس لیا جائے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ مسئلہ پانی پینے کے ساتھ خاص نہیں، لوگوں نے اس مسئلہ کو پانی کے ساتھ خاص کر لیا ہے: یہ صحیح نہیں۔ ہر مشروب کے لئے یہی حکم ہے، خواہ پانی ہو، دودھ ہو، چائے ہو یا کوئی اور چیز ہو، البتہ اگر وہ چیز تھوڑی مقدار میں ہو تو ایک دو گھونٹ میں بھی پی سکتے ہیں، جیسے زمزم تھوڑا ہو تو اس کو تین سانس میں پینا ضروری نہیں، ایک سانس میں بھی پی سکتے ہیں، اور اگر کوئی چیز کافی مقدار میں ہو یا گرم ہو تو تین سے زیادہ سانسوں میں بھی پی سکتے ہیں، یہ بات الکو کب الدری میں ہے کہ تین سانس میں پینے کا حکم اس وقت ہے جب مشروب زیادہ مقدار میں ہو، ورنہ تین مرتبہ سانس لینے کی ضرورت نہیں، ایک دو سانس میں بھی پی سکتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ہر طرح پینا جائز ہے کیونکہ روایات کا اختلاف سہولت پر دلالت کرتا ہے، البتہ اگر مشروب زیادہ مقدار میں ہو تو تین سانس میں پینا اولیٰ ہے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ برتن میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ زیادہ خوشگوار ہے کیونکہ اس طرح پینے سے مشروب جسم میں رچتا پچتا ہے اور اس طرح پینے سے سیرابی خوب حاصل ہوتی ہے یعنی یہ صحت کے لئے زیادہ مفید ہے۔

تشریح: تین سانس میں پینے سے سیرابی زیادہ اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ جب پانی معدہ میں تھوڑا تھوڑا پہنچتا ہے تو طبیعت اس کو ان اعضاء کی طرف سلائی کرتی ہے جن کو تری کی حاجت ہوتی ہے اور رُواں رُواں سیراب ہو جاتا ہے اور جب بہت سارا پانی اچانک معدہ میں پہنچتا ہے تو طبیعت حیران رہ جاتی ہے کہ اس کو کہاں سلائی کرے، چنانچہ پیٹ بوجھل ہو جاتا ہے اور سیرابی حاصل نہیں ہوتی۔

اور تین سانس میں پینا صحت کے لئے زیادہ مفید اس طرح ہے کہ:

۱- بارد مزاج آدمی: جب ایک دم اس کے معدہ پر پانی ڈالا جاتا ہے تو اس کو 'سردی' ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے وہ پانی کی بہت ساری مقدار کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور اس کو 'ٹھنڈ' لگ جاتی ہے اس کے برخلاف اگر پانی بتدریج پہنچے تو قوت مدافعت کام کرتی ہے اور سردی نہیں ہوتی۔

۲- اور گرم مزاج آدمی: جب پیٹ میں یکبارگی پانی ڈالا جاتا ہے تو مزاج اور پانی میں مزاحمت ہوتی ہے اور ٹھنڈک حاصل نہیں ہوتی اور جب معدہ میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈالا جاتا ہے تو اول اول مزاحمت ہوتی ہے پھر برودت غالب آ جاتی ہے جیسے آگ پر پانی ڈالا جائے تو شروع میں آگ اور پانی میں کشمکش ہوتی ہے پھر آگ ہار مان لیتی ہے۔ رہی خوشگوار کی بات تو وہ ظاہر ہے، اور تجربہ سے تعلق رکھتی ہے، سخت پیاس کی حالت میں تین سانس میں پانی پی کر دیکھیں، اور ایسی ہی حالت میں یکبارگی پی کر دیکھیں: فرق واضح ہو جائے گا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۳۹۵)

فائدہ: اَمْرًا: مَرِیء کا اسم تفضیل ہے جس کے معنی ہیں: گوارہ تر، اور اَرْوٰی بھی اسم تفضیل ہے اس کے معنی ہیں: زیادہ سیراب کرنے والا، اَرْوَاه: سیراب کرنا، اور اَرْوٰی (س) من الماء رِیًا: سیراب ہونا، پیاس بجھنا..... یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابو عصام روایت کرتے ہیں اور ثمامہ بھی روایت کرتے ہیں، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، ثمامہ کی روایت مسلم شریف میں بھی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے ابو عصام کی سند لکھی ہے اور اس کو حسن غریب قرار دیا ہے پھر ثمامہ کی سند لکھی ہے اور اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: اونٹ کے پینے کی طرح یکبارگی مت پیو، بلکہ دو مرتبہ اور تین مرتبہ کر کے پیو، اور جب بھی تم کوئی چیز پیو تو اللہ کا نام لو اور جب پی کر فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی تعریف کرو۔

تشریح: کسی چیز کے پینے کے درمیان اگر تین مرتبہ سانس لیا جائے تو مشروب کے چار ٹکڑے ہونگے اور دو مرتبہ سانس لیا جائے تو مشروب کے تین ٹکڑے ہونگے، اس باب میں درمیان میں تین مرتبہ سانس لینے کی روایت

ہے اور آئندہ باب میں درمیان میں دو مرتبہ سانس لینے کی روایت ہے..... اور کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی حکمت پہلے آچکی ہے کہ اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے اور شیطان اس میں شریک نہیں ہوتا..... اور فارغ ہونے کے بعد حمد اس لئے پسند ہے کہ اس سے منعم حقیقی کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ذہن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے..... اور حدیثوں میں حمد کے متعدد صیغے آئے ہیں ان میں سے کسی بھی جملے سے حمد کی جاسکتی ہے اور اگر صرف الحمد للہ کہہ لے تو یہ بھی کافی ہے۔

اور اونٹ ایک سانس میں پوری بالٹی چڑھا جاتا ہے اس طرح پینے کی ممانعت اس لئے فرمائی ہے کہ اس سے سیرابی اچھی طرح حاصل نہیں ہوتی اور طبیعت مطمئن نہیں ہوتی، اگر آپ کو شدید پیاس لگی ہو اور آپ دمام دو تین گلاس پی لیں تو پیٹ بوجھل ہو جائے گا اور جی نہیں بھرنے گا، اور ایک ہی گلاس پییں اور درمیان میں لمبا وقفہ کریں تو ایک ہی گلاس سے کام چل جائے گا اور جی بھر جائے گا: تجربہ کر کے دیکھیں۔

ملاحظہ: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی یزید بن سفیان جزری ضعیف ہے اور حضرت عطاء کے لڑکے کا نام معلوم نہیں، پس اس کا حال بھی معلوم نہیں۔

[۱۳-] باب ماجاء فی التَّنَفُّسِ فی الْإِنَاءِ

[۱۸۷۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَيُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ، قَالَا: ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي عَصَامٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا، وَيَقُولُ: "هُوَ أَمْرٌ وَأَرْوَى"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَرَوَاهُ هِشَامُ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ أَبِي عَصَامٍ، عَنْ أَنَسٍ؛ وَرَوَى عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا.

[۱۸۸۰-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۸۸۱-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ سَنَانٍ الْجَزَرِيُّ، عَنْ ابْنِ لِعَطَاءٍ بْنِ أَبِي رِبَاحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشْرَبِ الْبَعِيرِ، وَلَكِنْ اشْرَبُوا مَثْنَى وَثَلَاثَ، وَسَمُّوا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ، وَاحْمَدُوا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَيَزِيدُ بْنُ سَنَانٍ الْجَزَرِيُّ: هُوَ أَبُو فَرَوَةَ الرَّهَوِيُّ.

باب ماجاء فى الشربِ بِنَفْسَيْنِ

دوسانس میں پینے کا بیان

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ جب کوئی چیز پیتے تھے تو درمیان میں دو مرتبہ سانس لیتے تھے، پس مشروب کے تین ٹکڑے ہو گئے، اس حدیث کی سند میں رشدین بن کریب ہاشمی ابوکریب مدنی ضعیف راوی ہے اور وہی یہ حدیث روایت کرتا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میں نے امام دارمیؒ سے اس راوی کے بارے میں پوچھا کہ یہ راوی زیادہ قوی ہے یا اس کا بھائی محمد بن کریب؟ امام دارمیؒ نے فرمایا: مَا أَقْرَبَهُمَا: دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں یعنی دونوں ضعیف ہیں، البتہ رشدین دونوں میں میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے، اور امام ترمذیؒ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی ان دونوں کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: محمد بن کریب: رشدین سے وزنی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک امام دارمیؒ کی رائے بہتر ہے یعنی رشدین وزنی بھی ہے اور عمر میں بڑا بھی ہے، اس نے حضرت ابن عباسؓ کا زمانہ پایا ہے اور ان کو دیکھا ہے۔ غرض یہ دونوں بھائی ہیں اور دونوں کی روایتوں میں نہایت ضعیف روایتیں ہوتی ہیں۔

خلاصہ: یہ ہے کہ درمیان میں تین سانس لینے کی روایت رائج ہے اور دوسانس لینے کی روایت مرجوح ہے، اسی لئے علماء عام طور پر تین سانس میں پینے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

[۱۴-] باب ما ذکر فی الشربِ بِنَفْسَيْنِ

[۱۸۸۲-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عَيْسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا شَرِبَ يَنْتَفِسُ مَرَّتَيْنِ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَأَنْعَرَفَهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ، قَالَ: وَسَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: عَنْ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ، قُلْتُ: هُوَ أَقْوَى أَمْ مُحَمَّدُ بْنُ كُرَيْبٍ؟ قَالَ: مَا أَقْرَبَهُمَا، وَرِشْدِينُ بْنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُهُمَا عِنْدِي وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هَذَا، فَقَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُ مِنْ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ، وَالْقَوْلُ عِنْدِي مَا قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: رِشْدِينُ بْنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُ وَأَكْبَرُ، وَقَدْ أَذْرَكَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَرَأَاهُ، وَهُمَا أَخَوَانِ، وَعِنْدَهُمَا مَنَاكِيرُ.

وضاحت: رشدین کے والد کریب بن ابی مسلم ہاشمی مدنی: حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ ہیں اور ثقہ راوی ہیں، ان کا بیٹا رشدین ضعیف راوی ہے اسی طرح اس کا بھائی محمد بن کریب بھی ضعیف راوی ہے..... عبد اللہ بن عبد

الرحمن: امام دارمی کا نام ہے..... ما أقر بهما: فعل تعجب ہے، یعنی کس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں (ضعف میں)

باب ماجاء فی کراهیة النّفخ فی الشّراب

مشروب میں پھونکنے کی ممانعت

حدیث (۱): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مشروب میں پھونکنے سے منع فرمایا، پس ایک آدمی نے کہا: میں برتن میں کوئی تنکا دیکھتا ہوں (پس اس کو دور کرنے کے لئے پھونکتا ہوں) آپؐ نے فرمایا: برتن کو بہادے، یعنی تھوڑا پانی گرا دے تنکا اس کے ساتھ بہ جائے گا یعنی اس ضرورت سے بھی پھونکنا جائز نہیں، پھر اس نے دوسرا مسئلہ پوچھا کہ پیتے ہوئے سانس لئے بغیر مجھے سیرابی حاصل نہیں ہوتی، یعنی اگر میں سانس روک کر پیتا ہوں تو سیرابی حاصل نہیں ہوتی، پس کیا پیتے ہوئے برتن میں سانس لیا جاسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پیالہ منہ سے جدا کر لے، یعنی برتن میں سانس مت لے، برتن منہ سے ہٹا کر سانس لے (اس دوسرے سوال وجواب کا تعلق آئندہ باب سے ہے)

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے اس بات سے منع کیا کہ (پانی وغیرہ پیتے ہوئے) برتن میں سانس لیا جائے یا برتن میں پھونکا جائے۔

تشریح: کبھی مشروب (پانی وغیرہ) میں کوئی تنکا ہوتا ہے، اس کو ہٹانے کے لئے یا مشروب گرم ہوتا ہے اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے لوگ پھونکتے ہیں یہ مکروہ ہے، تنکا وغیرہ ہو تو کسی چیز سے یا انگلی سے نکال لیا جائے یا تھوڑا پانی بہادیا جائے اس کے ساتھ تنکا بہہ جائے گا اور اگر مشروب گرم ہو تو تھوڑی دیر انتظار کیا جائے ٹھنڈا ہو جائے گا، بہر حال پھونک نہ مارے، کیونکہ کبھی منہ میں تغیر آجاتا ہے یا مسواک کلی کئے دیر ہو جاتی ہے تو بھی منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، پس پھونکنے کی صورت میں یہ بدبو مشروب میں شامل ہو جائے گی اور کبھی ایک ہی برتن سے لوگ یکے بعد دیگرے پیتے ہیں پس جس کا نمبر بعد میں ہوگا اس کو کراہیت ہوگی، اور کبھی پھونکتے ہوئے منہ سے یا ناک سے کوئی چیز پانی میں گر جاتی ہے تو خود اس کو ناگوار ہوگا اور بدنما شکل بن جائے گی، اس لئے پھونکنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

[۱۵-] باب ماجاء فی کراهیة النّفخ فی الشّراب

[۱۸۸۳-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوبَ - وَهُوَ ابْنُ حَبِيبٍ - أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الْمُثَنَّى الْجُهَنِّيَّ، يَذْكُرُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ، فَقَالَ رَجُلٌ: الْقَذَاةُ أَرَاهَا فِي الْإِنَاءِ؟ فَقَالَ: "أَهْرِقْهَا" فَقَالَ:

فَإِنِّي لَا أَرَوِي مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ قَالَ: "فَأَبِنِ الْقَدَحَ إِذَا عَنْ فَيْكِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. [۱۸۸۴-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْحَزْرِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيهِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترکیب: القَدَاة: منصوب علی شریطۃ التفسیر ہے ای: اَرَى القذاة اَبِنُ: فعل امر از ابانة: جدا کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّنَفُّسِ فِي الْإِنَاءِ

برتن میں سانس لینے کی کراہیت

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز پیئے تو برتن میں سانس نہ لے (بلکہ برتن منہ سے ہٹا کر سانس لے، تاکہ خوب سیرابی حاصل ہو اور بدنما شکل نہ بنے، اور بعد میں جس کا نمبر ہے اس کو ناگواری نہ ہو)

[۱۶-] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّنَفُّسِ فِي الْإِنَاءِ

[۱۸۸۵-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ اخْتِنَاطِ الْأَسْقِيَةِ

مشکیزہ کا منہ موڑ کر پینے کی ممانعت

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مشکیزوں کے منہ موڑنے سے منع فرمایا (اور ان کا منہ موڑنا یہ ہے کہ ان کا سر پلٹا جائے پھر اس سے پیا جائے)

تشریح: مشکیزہ کا منہ موڑ کر اور اس سے منہ لگا کر پانی پینے میں چند نقصانات ہیں: ایک: پانی جوش سے نکلے گا اور حلق میں یکبارگی گرے گا، اس سے درد جگر پیدا ہوتا ہے، دوم: اس سے معدہ کو بھی ضرر پہنچتا ہے، سوم: پانی کے بہاؤ میں تنکے وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا، اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پیا تو سانپ اس کے پیٹ میں چلا گیا، چہارم: اس میں کپڑے بھیکنے کا اندیشہ ہے، پنجم: جب سب لوگ اس طرح منہ لگا کر پیئیں گے تو مشکیزہ کا منہ بدبودار ہو جائے گا (رحمۃ اللہ: ۳۹۶)

[۱۷-] باب ماجاء فی اختِنَاثِ الْأَسْقِیَةِ

[۱۸۸۶-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَوَايَةً: أَنَّهُ نَهَى عَنْ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِیَةِ.

وفی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

لغات: اخْتَنَثَ السَّقَاءَ وَخَنَثَ: مشک کے منہ کو موڑ کر پانی پینا..... روایۃ: اُی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

مشکیزے کا منہ موڑ کر پینے کی اجازت

حدیث (۱): عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ ایک لنگی ہوئی مشک کی طرف کھڑے ہوئے پھر اس کا منہ موڑا، پھر اس کے منہ سے پانی پیا (یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے مگر اس کی سند صحیح نہیں اس کا ایک راوی عبد اللہ عمری معمولی ضعیف ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں: اس نے عیسیٰ سے یہ حدیث سنی ہے یا نہیں؟ یہ بات مجھے معلوم نہیں)

حدیث (۲): کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ میرے گھر تشریف لائے پس آپ نے ایک لنگی ہوئی مشک کے منہ سے کھڑے ہوئے پانی پیا، پس میں مشکیزہ کی طرف کھڑی ہوئی اور میں نے اس کا منہ کاٹ لیا (یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے)

تشریح: باب میں حضرت ام سلمہ کی بھی روایت ہے ان کے گھر بھی نبی ﷺ نے مشکیزے سے براہ راست پانی پیا تھا تو انھوں نے بھی مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا تھا، وقالت: لِئَلَّا يَشْرَبَ مِنْهَا أَحَدٌ بَعْدَ شُرْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تاکہ کوئی اور شخص نبی ﷺ کے پینے کے بعد اس مشکیزے سے نہ پیئے، حضرت ام سلمہ نے مشکیزے کا منہ غیرت کی وجہ سے کاٹا تھا، ان کو یہ بات گوارہ نہ ہوئی کہ اب کسی اور کا منہ اس پر لگے، اور حضرت کبشہ نے کیوں کاٹا تھا یہ بات روایت میں مذکور نہیں، ممکن ہے انھوں نے بھی غیرت کی وجہ سے کاٹا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ تبرکاً کاٹ لیا ہو، بہر حال زندگی میں ایک دوبار نبی ﷺ نے مشکیزے کا منہ موڑ کر کھڑے ہوئے پیا ہے، پس دونوں باتوں کا جواز ثابت ہوا، اور گزشتہ باب کی روایت میں جو ممانعت ہے اس کو خلاف اولیٰ پر محمول کیا جائے گا، علاوہ ازیں نبی ﷺ کے منہ لگانے سے نہ کسی کو ناگواری ہوگی نہ بدبو پیدا ہوگی، بلکہ حسن و خوبی پیدا ہوگی، اسی وجہ سے دونوں خواتین نے مشکیزے کا منہ کاٹ لیا تھا، غرض دوسروں کو اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے، یہ سنت (دینی طریقہ) نہیں ہے،

حضور اقدس ﷺ کا یہ فعل بیان جواز کے لئے ہے۔

[۱۸-] بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

[۱۸۸۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمرَ، عَنْ عِيسَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ إِلَى قَرْبَةِ مُعَلَّقَةٍ، فَخَنَثَهَا، ثُمَّ شَرَبَ مِنْ فِيهَا.

وفى الباب: عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ، هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِصَحِيحٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمرَ يُضَعَّفُ مِنْ قَبْلِ حِفْظِهِ، وَلَا أَدْرَى سَمِعَ مِنْ عِيسَى أَمْ لَا؟

[۱۸۸۸-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عُمرَةَ، عَنْ جَدَّتِهِ كَبْشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَرِبَ مِنْ فِي قَرْبَةِ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَيَزِيدُ بْنُ يَزِيدَ: هُوَ أَخُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ، وَهُوَ أَقْدَمُ مِنْهُ مَوْتًا.

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْإِيْمَنِينَ أَحَقُّ بِالشُّرْبِ

دائیں والے کا حق پہلے ہے

حدیث: ایک بار نبی ﷺ کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا جس کو (ٹھنڈا کرنے کے لئے) پانی کے ساتھ ملایا گیا، آپؐ نے وہ دودھ نوش فرمایا، اس وقت آپؐ کی دائیں جانب ایک بدو تھا، اور بائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پس آپؐ نے بچا ہوا بدو کو دیا اور فرمایا: الْإِيْمَنُ فَالْإِيْمَنُ: أَيْ الْإِيْمَنُ أَحَقُّ يَ الْإِيْمَنَ فَالْإِيْمَنَ نَصَبَ كَ سَاطِھ أَى: أَعْطِ الْإِيْمَنَ۔ اور ایک دوسری روایت میں: الْإِيْمَنُونَ فَالْإِيْمَنُونَ ہے پس اس سے رفع کی قراءت رائج قرار پاتی ہے۔

تشریح: یہ ضابطہ نمازعت ختم کرنے کے لئے ہے کیونکہ اگر افضل کی تقدیم کا ضابطہ بنایا جائے گا تو کبھی لوگوں کے درمیان کسی کی فضیلت مسلم نہ ہوگی اور کبھی فضیلت مسلم ہونے کے باوجود دوسرے کی تقدیم سے دل تنگی پیدا ہوگی، اس لئے یہ ضابطہ بنا دیا کہ دائیں کو دودھ پھر اس کے دائیں کو خواہ وہ کوئی ہو، البتہ اس کی اجازت سے دوسرے کو دیا جاسکتا ہے۔

[۱۹-] باب ماجاء فی أَنَّ الْأَیْمَنَیْنِ أَحَقُّ بِالشُّرْبِ

[۱۸۸۹-] حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى بِلَبْنٍ، قَدْ شِيبَ بِمَاءٍ، وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ، فَشَرِبَ، ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ، وَقَالَ: "الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَابْنِ عُمرَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا

پلانے والے کو آخر میں پینا چاہئے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا: جو شخص لوگوں کو (چائے دودھ وغیرہ) پلائے اسے سب سے آخر میں پینا چاہئے۔
تشریح: یہ اس وقت ہے جب مشروب اس کی ملکیت نہ ہو، وہ صرف تقسیم کار ہو، اور اگر مالک ہو تو جب چاہے پی سکتا ہے بلکہ پہلے کچھ پی لینا چاہئے تاکہ چائے میں چینی ڈالی ہے یا نہیں: اس کا پتہ چل جائے۔
اور ساقی کو سب سے آخر میں اس لئے پینا چاہئے کہ اس کا سب سے پہلے پینا حرص کی علامت ہے اور ایثار و مروت کے خلاف ہے، پس یہ حکم آداب اسلامی کے قبیل سے ہے، کوئی شرعی حکم نہیں ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے گنہ ہو۔

[۲۰-] باب ماجاء فی أَنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا

[۱۸۹۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا". وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء أَيُّ الشَّرَابِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

نبی ﷺ کو کونسا مشروب زیادہ پسند تھا؟

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مشروبات میں سے نبی ﷺ کو زیادہ پسند میٹھا ٹھنڈا تھا، میٹھا:

جیسے شہد ملا ہوا پانی یا کھجور کی بنید وغیرہ، اور ٹھنڈی چیز اس لئے پسند تھی کہ ہر گرم مزاج آدمی کو ٹھنڈی چیز پسند ہوتی ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو سب سے زیادہ دودھ پسند تھا، ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، پسندیدگی کی وجہ مختلف ہوتی ہیں، غذاؤں میں دودھ پسند تھا اور عام مشروبات میں میٹھا ٹھنڈا پسند تھا۔

ملفوظہ: یہ حدیث امام زہری رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے، اور امام زہری کی مرسل روایتیں نہایت ضعیف ہوتی ہیں، سفیان بن عیینہ نے اس کی جو سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچائی ہے وہ صحیح نہیں، معمر، یونس اور عبد المرزاق وغیرہ اس کو مرسل روایت کرتے ہیں، اور یہی اصح ہے۔

[۲۱-] باب مَا جَاءَ أَيُّ الشَّرَابِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

[۱۸۹۱-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ

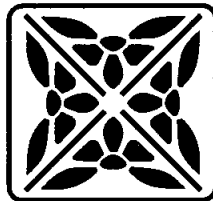
عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلُوُّ الْبَارِدُ.

هَكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ مِثْلَ هَذَا، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى الزُّهْرِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

[۱۸۹۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، وَيُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الشَّرَابِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: "الْحُلُوُّ الْبَارِدُ"

وَهَكَذَا رَوَى عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ.



بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ البرِّ والصِّلَةِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حسن سلوک (اور بدسلوکی) اور صلہ رحمی (اور قطع رحمی) کا بیان

البرُّ: مصدر ہے، اور مختلف استعمالات میں اس کے مختلف معانی ہوتے ہیں، مگر اس کے عام معنی: نیکی کے ہیں، خواہ کوئی سی نیکی ہو، پس یہ ایک جامع لفظ ہے جو تمام عقائد و اعمالِ صالحہ کو شامل ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۷) میں عقائد و اعمالِ صالحہ کے مجموعہ پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت نواس بن سمعانؓ نے نبی ﷺ سے برواٹم (نیکی اور گناہ) کی حقیقت پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: البرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ: اور گناہ وہ کام ہے جو تیرے دل میں جگہ کر لے، جم جائے اور تو نہ چاہے کہ لوگ اس سے واقف ہوں (مشکوٰۃ حدیث ۵۰۷۳) یعنی جو کام مؤمن کے دل میں کھٹک پیدا کرے، جس کام سے مؤمن کا دل بے چین رہے، اور اس کو وحشت لاحق ہو اور وہ نہ چاہے کہ کوئی اس سے مطلع ہو تو وہ گناہ کا کام ہے کیونکہ مؤمن کا قلب ایک کسوٹی ہے، کسی کام سے اس کا بے چین ہونا اس کام کے برے ہونے کی دلیل ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھے اخلاق کا نام البر ہے یعنی لوگوں کے ساتھ میل جول میں اچھا برتاؤ کرنا، بد اخلاقی سے بچنا: نیکی کا کام ہے اور یہ البر کے خاص معنی ہیں اور یہی معنی یہاں مراد ہیں اور یہ آدھا مضمون ہے، اس کا مقابل الإثم (گناہ) محذوف ہے اور وہ بھی یہاں مراد ہے، یعنی معاشرتی معاملات میں اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں برے برتاؤ کے احکام بھی انہی ابواب میں ذکر کئے جائیں گے۔

اور الصِّلَةُ بھی مصدر ہے، وَصَلَ الشَّيْءُ بِالشَّيْءِ وَصْلًا وَصِلَّةً: کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا، جوڑنا، اور الرَّحِمُ کے معنی ہیں: نانتہ، یعنی دھیلی اور ننھیالی رشتہ، پس صِلَةُ الرَّحِمِ کے معنی ہیں: خاندان کے ساتھ

حسن سلوک کرنا، اور یہ بھی آدھا مضمون ہے اس کا مقابل قطع رحمی مراد ہے، یعنی ان ابواب میں خاندان کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بیان ہے اور بدسلوکی کا بھی۔ پس یہ تخصیص بعد اعمیم ہے، یعنی البر سے عام معاشرتی حسن سلوک (اور بدسلوکی) مراد ہے اور الصلة سے خاص خاندان کے ساتھ حسن سلوک (اور بدسلوکی) مراد ہے۔

باب ماجاء فی برِّ الوالدین

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بیان (پہلا باب)

انسان کو وجود حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے مگر والدین سبب ظاہری ہیں اس لئے قرآن کی متعدد آیات میں والدین کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے اور احادیث شریفہ میں بھی بہت اہمیت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور بدسلوکی سے بچنے کا ذکر آیا ہے۔

اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کی شکلیں یہ ہیں:

۱- ان کی زندگی میں جان و مال سے ان کی خدمت کرنا اور ہمیشہ ان کو خوش رکھنا۔

۲- دل سے والدین کی تعظیم کرنا اور ان سے محبت رکھنا۔

۳- والدین کی وفات کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہنا۔

۴- والدین کے کئے ہوئے عہد و پیمان کو جہاں تک ممکن ہو پورا کرنا۔

۵- والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

حدیث: حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا: میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، انھوں نے پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، انھوں نے تیسری مرتبہ پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ۔ انھوں نے چوتھی مرتبہ پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ، پھر درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ۔

تشریح: ماں حسن سلوک (خدمت) کی باپ سے زیادہ حقدار ہے، اور باپ کا اطاعت میں زیادہ حق ہے، فتاویٰ عالمگیری (۳۶۵:۵) میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ تعظیم و احترام میں باپ کا حق زیادہ ہے اور خدمت و انعام میں ماں کا حق زیادہ ہے یعنی دونوں ہی کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، مگر بوقت تعارض یہ ضابطہ ہے، مثلاً دونوں ایک ساتھ پانی مانگیں اور دونوں کو ایک ساتھ دینا ممکن نہ ہو تو ماں کو مقدم رکھا جائے، اور دونوں کوئی حکم دیں تو باپ کی اطاعت پہلے کی جائے۔ اور ابن بطلان نے فرمایا ہے کہ حسن سلوک کے معاملہ میں ماں کو تین گنا برتری اس لئے حاصل ہے کہ ماں نے تین صعوبتیں برداشت کی ہیں، یعنی حمل کی، وضع حمل کی اور دودھ پلانے کی مشقت برداشت کی ہے۔ اور باپ نے

صرف کما کر کھلایا ہے اور تربیت دونوں نے کی ہے۔

ملفوظ: اس حدیث کا ایک راوی بہز بن حکیم ہے اس پر امام شعبہ رحمہ اللہ نے تنقید کی ہے جس سے اس کی عدالت متاثر ہوئی ہے، یہ راوی اب صرف صدوق ہے اس لئے اس کی حدیث صرف حسن ہے۔
نوٹ: والدین کے ساتھ حسن سلوک کے احکام ہدایت القرآن (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳، ۲۴) میں تفصیل سے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب البر والصلة

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في برِّ الوالدَيْنِ

[۱۸۹۳-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، ثَنَا بِهِزُّ بْنُ حَكِيمٍ، ثَنَى أَبِي، عَنْ جَدِّي، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ أَبْرُ؟ قَالَ: "أُمُّكَ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمُّكَ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمُّكَ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَأَلْقَرَبَ"
وفى الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ؛ وَبِهِزُّ بْنُ حَكِيمٍ: هُوَ ابْنُ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَبِذَةَ الْقُشَيْرِيِّ، وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.
وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي بِهِزِ بْنِ حَكِيمٍ، وَهُوَ ثَقَّةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَرَوَى عَنْهُ مَعْمَرٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَثَمَةِ.

وضاحت: اُبرُ: فعل مضارع صیغہ واحد متکلم از باب ضرب اُمُّک کا ناصب برّ محذوف ہے یعنی اپنے ماں کے ساتھ حسن سلوک کر بہز بن حکیم محدثین کے نزدیک ثقہ راوی ہیں، معمر وغیرہ بڑے لوگ ان سے روایت کرتے ہیں مگر شعبہ نے ان پر تنقید کی ہے اس لئے ان کا درجہ گھٹ گیا ہے اور وہ صرف صدوق رہ گئے ہیں۔

بَابُ مِنْهُ

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بیان (دوسرا باب)

حدیث: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا

ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا، انھوں نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، انھوں نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا (یہاں تک حدیث أبواب الصلاة باب ۱۴ میں گزر چکی ہے) پھر اس سے آگے حضور اقدس ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا، ابن مسعودؓ کہتے ہیں: اگر میں اور پوچھتا تو حضور اکرم ﷺ مجھے اور جواب دیتے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

تشریح: یہاں ایک سوال ہے کہ ایمان سب سے افضل ہے، پھر نبی ﷺ نے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ جواب: سائل نے اعمال کے بارے میں پوچھا ہے اور ایمان عقیدہ ہے، دوسرا سوال: حضرت ابن مسعودؓ نے آگے کیوں نہیں پوچھا؟ جواب: یہ حسن ادب ہے کیونکہ سوال کی کثرت کبھی دل تنگی کا باعث ہوتی ہے اس لئے حضرت ابن مسعودؓ نے آگے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

[۲-] بابُ منه

[۱۸۹۴-] حدثنا أحمد بن محمد، ثنا عبد الله بن المبارك، عن المسعودي، عن الوليد بن العيزار، عن أبي عمرو الشيباني، عن ابن مسعود قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! أي الأعمال أفضل؟ قال: "الصلاة لميقاتها" قلت: ثم ماذا يا رسول الله؟ قال: "بر الوالدین" قال: قلت: ثم ماذا يا رسول الله؟ قال: "الجهاد في سبيل الله" ثم سكت عني رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولو استزدته لزادني.

هذا حديث حسن صحيح، وقد رواه الشيباني، وشعبة، وغير واحد، عن الوليد بن العيزار، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن أبي عمرو الشيباني، عن ابن مسعود، وأبو عمرو الشيباني: اسمه سعد بن عباس.

وضاحت: قولہ: استزدتہ: اے سائل! اکثر من هذا..... لزادني: اے فی الجواب۔

بابُ ماجاء من الفصل في رضا الوالدین

والدین کو خوش رکھنے کا ثواب

حدیث (۱): ایک شخص حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میری ایک بیوی ہے اور میری ماں اس کو طلاق دینے کے لئے کہتی ہے (پس میں کیا کروں؟) حضرت ابوالدرداء نے اس کو حدیث سنائی: الوالد أوسط أبواب الجنة، فإن شئت فأضِعْ ذَلِكَ الباب، أو احْفَظْهُ: باپ جنت کا درمیانی (بہترین) دروازہ ہے،

اب تجھے اختیار ہے خواہ اس کو ضائع کر یا اس کو محفوظ رکھ، حدیث کے راوی ابن عیینہؒ کبھی اُمّی کہتے تھے اور کبھی اُبی۔
تشریح: اگر حدیث میں اُبی ہے یعنی میرا باپ طلاق دینے کے لئے کہتا ہے تب تو جواب سوال کے مطابق ہے
اور اگر حدیث میں اُمّی ہے یعنی میری ماں طلاق دینے کے لئے کہتی ہے تو جاننا چاہئے کہ والد اور والدہ میں فرق صرف
تاء تانیث کا ہے، یعنی دونوں جننے والے ہیں پس حدیث سے جو والد کے بارے میں ہے، والدہ کا حکم بھی نکلے گا۔

مسئلہ: والدین کی فرمانبرداری بعض صورتوں میں واجب ہے اور بعض صورتوں میں مستحب، اور بعض صورتوں
میں ناجائز، گناہ کے کاموں میں والدین ہی کی نہیں کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں، حدیث میں ہے: ”خالق کی نافرمانی
میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں“ صرف جائز کاموں میں والدین کی اطاعت واجب یا مستحب ہے، حدیث میں
ہے: ”اپنے پروردگار کی اور اپنے والدین کی اطاعت کر اگرچہ وہ تجھے ہر چیز سے بے دخل ہو جانے کا حکم دیں“ اور
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ ان کو بیوی سے بہت محبت تھی، ان کے ابا حضرت عمرؓ اس کو
ناپسند کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے حکم دیا کہ بیوی کو طلاق دیدو، ابن عمرؓ نے (عملی) انکار کیا، اور آنحضرت ﷺ
سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: ”اپنے ابا کا کہنا مانو“ اور حضرت ابوالدرداءؓ نے طلاق دینے کا حکم تو نہیں دیا
مگر حدیث سنائی کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اب تیری مرضی ہے خواہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھ یا اس کی
حفاظت کر، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ والدین کا ہر حکم واجب الطاعہ نہیں، بعض واجب ہیں، بعض مستحب، چنانچہ
روح المعانی میں ہے کہ اگر کسی کو بیوی سے محبت ہو اور ماں یا باپ بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں — اگرچہ وہ حکم
عورت کی بدچلنی کی وجہ سے ہو — اور لڑکا اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ باپ
کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس عورت کو طلاق دیدے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ: پروردگار
کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے (اور یہی حکم ماں کا بھی ہے)
تشریح: یہ حدیث اس صورت میں ہے جبکہ والدین کی خوشی اور ناخوشی اولاد کے اختیاری عمل سے ہو اور اولاد کی
کوئی مجبوری بھی نہ ہو، کیونکہ احوال مختلف ہوتے ہیں اس لئے احکام بھی مختلف ہیں، مثال کے طور پر احوال چار ہیں،
پس احکام بھی چار ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

احوال:

۱۔ علم دین کے دو درجے ہیں، فرض عین اور فرض کفایہ، فرض عین وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض
ہے، اور یہ دین کا وہ ضروری حصہ ہے جو اسلامی زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے اور دین کا مکمل علم حاصل کرنا
فرض کفایہ ہے، یعنی سب مسلمانوں پر فرض نہیں، بلکہ بقدر کفایہ (بقدر ضرورت) لوگوں پر فرض ہے، یعنی اتنے لوگوں

پراس کی تحصیل فرض ہے جن کے ذریعہ مسلمانوں کی دینی ضرورت پوری ہو سکے اور اسلام کی حفاظت ہو سکے، یہی حال تبلیغ و جہاد کا بھی ہے کہ وہ عام حالات میں فرض کفایہ ہیں مگر خاص حالات میں فرض عین ہو جاتے ہیں، پس دونوں درجوں کے احکام مختلف ہونگے۔

۲- صحت، طاقت اور قوت کے اعتبار سے بھی والدین کی دو حالتیں ہیں: ایک وہ زمانہ ہے جس میں والدین جسمانی خدمت کے محتاج نہیں ہوتے اور دوسری بڑھاپے اور بیماری کی حالت ہے جس میں وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں، اس لئے دونوں حالتوں کے احکام مختلف ہیں۔

۳- معاشی لحاظ سے بھی والدین کی دو حالتیں ہیں: ایک خود کفیل ہونے کی حالت ہے، دوسری محتاجگی کی حالت، یعنی کبھی والدین کے پاس گزارہ کے لئے اندوختہ ہوتا ہے یا وہ کما سکتے ہیں اور کبھی تہی دست ہوتے ہیں اور کمانے کی قابلیت نہیں رکھتے، پس دونوں حالتوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

۴- سفر کی اجازت نہ دینا بھی مختلف وجوہ سے ہوتا ہے ایک محبت کی وجہ سے والدین نہیں چاہتے کہ اولاد ان کی نظروں سے دور ہو، دوسرے اولاد کی دینی مصلحت کی وجہ سے مثلاً لڑکا امر و نحو بصورت ہو تو اس کو دوسری جگہ بھیجنا مناسب نہیں، یا وہ لڑکی ہو جس کا تحصیل علم کے لئے سفر کرنا مصلحت نہیں، تیسرے دنیا طلبی کی وجہ سے: ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا گھر پر رہے اور کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائے، یا کاروبار سنبھالے، چوتھے بے دینی کی وجہ سے، پانچویں علم دین کی قدر نہ جاننے کی وجہ سے، غرض سفر سے روکنے کی بھی مختلف وجوہ ہیں اس لئے ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔

احکام:

۱- والدین غریب اور خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا خدمت گار نہ ہو، یا وہ اولاد کی دینی مصلحت کی وجہ سے سفر کرنے سے منع کریں تو ان کی اطاعت واجب ہے، ان کی اجازت کے بغیر نہ فرض عین علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا جائز ہے نہ فرض کفایہ، اولاد کو چاہئے کہ علم دین کا جو درجہ فرض عین ہے وہ مقامی لوگوں سے حاصل کرے، اور تبلیغ کے لئے نکلتا بھی فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں، البتہ جہاد کے لئے جبکہ وہ فرض عین ہو جائے یعنی نفیر عام کی صورت میں والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں (تفصیل ابواب الجہاد باب ۲ میں پڑھیں)

۲- اگر والدین خدمت کے محتاج ہیں مگر خود کفیل ہیں یعنی ان کے پاس گزارہ کا سامان ہے تو فرض عین علم دین حاصل کرنے کے لئے — اگر وہ مقامی طور پر حاصل نہ ہو سکتا ہو — بلا اجازت سفر کرنا جائز ہے اور والدین کو چاہئے کہ وہ کسی کو اجرت پر رکھ کر خدمت لیں، البتہ فرض کفایہ علم دین حاصل کرنے کے لئے اور تبلیغ کے لئے بغیر اجازت سفر کرنا جائز نہیں۔

۳- اور اگر والدین طاقت و قوت رکھتے ہوں، خدمت کے محتاج نہ ہوں تو خواہ وہ خود کفیل ہوں یا غریب، فرض

عین اور فرض کفایہ دونوں درجوں کا علم دین حاصل کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں، بلا اجازت سفر کرنا اور علم دین حاصل کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں والدین کا نفقہ (خرچ) اولاد کے ذمہ واجب نہیں، والدین کا نفقہ حیثیت رکھنے والی اولاد پر اس وقت واجب ہوتا ہے جب والدین غریب ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے کمانے کے قابل نہ ہوں، نیز باپ اگر مالدار ہے یا کماسکتا ہے تو ماں کا خرچ اولاد پر واجب نہیں، باپ پر واجب ہے کیونکہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

۴- اور اگر والدین علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے سے یا تبلیغ کے لئے نکلنے سے، یا جہاد کے لئے نکلنے سے بر بنائے محبت منع کریں یا دنیا طلبی کی وجہ سے یا بے دینی کی وجہ سے یا اعمال دینیہ کی قدر نہ جاننے کی وجہ سے تو ان صورتوں میں ان کی اجازت ضروری نہیں، دونوں درجوں کا علم دین حاصل کرنے کے لئے اور دوسرے اعمال دینیہ کے لئے بلا اجازت سفر کرنا جائز ہے۔

نوٹ: یہ تو مسائل و احکام ہیں مگر سب صورتوں میں افضل یہ ہے کہ والدین کو کسی بھی طرح راضی کر کے ان کی اجازت لے کر علم دین حاصل کرنے کے لئے یا تبلیغ کے لئے نکلے، ان کی دعائیں شامل حال ہوگی تو علم میں اور کام میں برکت ہوگی۔

روح المعانی میں علامہ عمر بن رسلان بلقینی مصری شافعی رحمہ اللہ کے فتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ: ”فرض عین علم دین حاصل کرنے کے لئے یا فرض کفایہ کے لئے سفر کرنا ممنوع نہیں، اگرچہ مقامی طور پر اس کی تحصیل ممکن ہو — کچھ لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک اجازت ضروری ہے — کیونکہ باہر نکل کر علم حاصل کرنے میں فراغ بالی ہوتی ہے اور استاذ کے نصائح سے بھی متمتع ہوتا ہے، اور اس قسم کے دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اگر اس قسم کے فوائد کی امید نہ ہو تو پھر اجازت کی ضرورت ہوگی۔“

اور جن صورتوں میں باپ کا خرچ اولاد پر واجب ہے اور علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے میں یہ واجب فوت ہوتا ہو یعنی والدین کا خرچ نہ دے سکتا ہو تو باپ کو منع کرنے کا حق ہے اور اگر سفر کرنے میں بچہ کی آبر و پر حرف آسکتا ہو، مثلاً وہ امر دہے اور باہر جانے میں تہمت کا اندیشہ ہے تو باپ سفر کرنے سے منع کر سکتا ہے، اور لڑکی کو بدرجہ اولیٰ روک سکتا ہے۔

اور ایسی صورت میں باپ کے امر و نہی کی مخالفت کرنا جبکہ سفر میں بچہ کا قطعاً کچھ ضرر نہ ہو، باپ محض ارشاد و راہنمائی کرتا ہو تو یہ سفر باپ کی نافرمانی نہیں، اور باپ کے حکم کی مخالفت نہ کرنا بہر حال بہتر ہے (روح المعانی ۶۰:۱۵، ہدایت القرآن پارہ ۱۵)

سند کی بحث: یہ حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟

اس میں اختلاف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے شعبہ رحمہ اللہ کے شاگرد خالد بن الحارث کی سند لکھی ہے، انھوں نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، پھر محمد بن جعفر کی سند لکھی ہے انھوں نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے، یعنی یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو کا قول ہے، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی کو اصح کہا ہے، کیونکہ شعبہ رحمہ اللہ کے دوسرے تلامذہ بھی موقوف روایت کرتے ہیں، صرف خالد مرفوع کرتے ہیں، پھر امام ترمذی فرماتے ہیں کہ خالد ثقہ مامون یعنی قابل اعتماد ہیں، محمد بن المثنی کہتے ہیں: بصرہ میں میں نے خالد جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا، اور کوفہ میں عبد اللہ بن ادریس جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا پس جب خالد نہایت ثقہ ہیں تو اصول کے مطابق ان کی زیادتی معتبر ہونی چاہئے اور موقوف کو مرفوع کرنا زیادتی ہے پس چاہئے تھا کہ امام ترمذی اس زیادتی کو معتبر قرار دیتے، مگر حضرت کا مزاج یہ ہے کہ جدھر نشیب ہوتا ہے ادھر پانی بہا دیتے ہیں یعنی جس سند میں کمزوری ہوتی ہے اسی کو ترجیح دیدیتے ہیں۔

[۳-] بَابُ الْفَضْلِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ

[۱۸۹۵-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: إِنَّ رَجُلًا أَتَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ لِي امْرَأَةً، وَإِنَّ أُمِّي تَأْمُرُنِي بِطَلَاقِهَا، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِلْتَ فَأَضَعُ ذَلِكَ الْبَابَ، أَوْ أَحْفَظُهُ، وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: إِنَّ أُمِّي، وَرُبَّمَا قَالَ: أَبِي."

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَبِيبٍ.

[۱۸۹۶-] حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعَهُ.

وَهَذَا أَصَحُّ، وَهَكَذَا رَوَى أَصْحَابُ شُعْبَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مَوْقُوفًا، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ غَيْرَ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ شُعْبَةَ، وَخَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُثَنَّى يَقُولُ: مَا رَأَيْتُ بِالْبَصْرَةِ مِثْلَ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ، وَلَا بِالْكُوفَةِ مِثْلَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِدْرِيسَ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ.

باب ماجاء فی عُقُوقِ الْوَالِدَینِ

والدین کے ساتھ بدسلوکی کا بیان

عُقُوق (بضم العین) مصدر ہے، عَقَّ أَبَاهُ: نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت انجام نہ دینا، والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم سے بہت بڑے کبیرہ گناہ بیان نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! یعنی ضرور بیان فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا، حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور آپؐ سیدھے بیٹھ گئے، پہلے آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور فرمایا: جھوٹی گواہی، یا فرمایا: جھوٹی بات (راوی کو شک ہے) آنحضرت ﷺ یہ بات بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش آپؐ خاموش ہو جائیں!

تشریح: پہلے آپؐ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر آپؐ سیدھے بیٹھ گئے اور یہ ارشاد فرمایا: یہ بات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا جس طرح بات کو بار بار دوہرانا تاکید اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا، کیونکہ لوگ پہلے دو گناہوں کو تو گناہ سمجھتے ہیں اور صحابہ تو اس سے بالکل یہ پاک تھے، مگر جھوٹی گواہی دینے کو اور جھوٹ بولنے کو لوگ معمولی بات سمجھتے ہیں، اس لئے معاملہ کی سنگینی ظاہر کرنے کے لئے آپؐ نے سیدھے بیٹھ کر یہ بات فرمائی اور بار بار فرمائی۔

جھوٹی گواہی اور جھوٹی بات میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے اول خاص ہے اور دوم عام کیونکہ جھوٹی بات کوئی بھی ہو سکتی ہے اور دونوں ہی کبیرہ گناہ ہیں، اور صحابہ کا تمنا کرنا کہ کاش آپؐ خاموش ہو جائیں: اس وجہ سے تھا کہ جب مجلس میں کوئی بڑا آدمی کسی بات پر نکیر کرتا ہے تو حاضرین خود کو اس کا مخاطب سمجھتے ہیں اور ڈانٹ ایک حد تک برداشت ہوتی ہے پھر بھاری معلوم ہونے لگتی ہے۔ طلبہ کے ساتھ معاملات میں مجھے اس کا خوب تجربہ ہے، میں بھی طالب علم رہا ہوں، اگر استاذ کسی بات پر ڈانٹتا ہے اور بار بار کہتا ہے تو طلبہ کو وہ ڈانٹ بھاری معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ یہ تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کاش اب حضرت بس کریں۔

دوسری وجہ شارحین کرام نے یہ لکھی ہے کہ یہ تمنا انتہائی عشق و محبت کی وجہ سے تھی، صحابہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ بار بار سمجھانے کی زحمت اٹھائیں، وہ بات سمجھ گئے تھے اس لئے انھوں نے خاموش ہونے کی تمنا کی۔

والدین کے ساتھ بدسلوکی کی سزا دنیا ہی میں ملتی ہے:

حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں، مگر والدین کے ساتھ بدسلوکی مستثنیٰ ہے، اس گناہ کی سزا مرنے سے پہلے دنیا ہی میں دی جاتی

ہے“ (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۴۵)

پس اگر کوئی شخص زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ہو تو اب اس کا کفارہ یہ ہے کہ والدین کے لئے دعائیں کرے، ایصالِ ثواب کرے، ان کی قبروں پر جائے، اور ان کے لئے استغفار کرے، حدیث شریف میں ہے: جس شخص کے ماں باپ کا: دونوں کا یا ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور وہ زندگی میں ان کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ہو مگر وفات کے بعد برابر ان کے لئے دعائیں کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حسن سلوک کرنے والا قرار دے دیتے ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۴۲) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے تو اس کی بخشش کر دی جاتی ہے، اور وہ حسن سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے (روح المعانی ۱۵: ۵۸)

عجیب بات: والدین کے ساتھ زندگی بھر حسن سلوک کرنے والا ان کے مرنے کے بعد بدسلوکی کرنے والا قرار دیا جاتا ہے، اور زندگی بھر بدسلوکی کرنے والا ان کے مرنے کے بعد حسن سلوک کرنے والا بن جاتا ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جس شخص نے زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کی ہو پھر وفات کے بعد ان کا قرضہ ادا کرے ان کے لئے استغفار کرے، اور ان کو گالیاں نہ دلوائے تو وہ حسن سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے، اور جو زندگی میں تو حسن سلوک کرتا رہا ہو مگر ان کی وفات کے بعد ان کا قرض ادا نہ کرے، نہ ان کے لئے استغفار کرے اور دوسروں سے ان کو گالیاں دلوائے تو وہ بدسلوکی کرنے والا لکھ دیا جاتا ہے (روح المعانی ۱۵: ۵۸) اس میں خوش خبری ہے بدسلوکی کرنے والوں کے لئے اور ڈرنے کا مقام ہے حسن سلوک کرنے والوں کے لئے (ہدایت القرآن ۵: ۵۹)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ بات ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے پس دوسرا اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، اور دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے پس وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے (اس طرح آدمی سبب بن جاتا ہے اور اپنے والدین کو گالیاں دلواتا ہے پس یہ بھی خود اس کا اپنے والدین کو گالیاں دینا ہے)

تشریح: صحابہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا اس زمانہ میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی اپنے ماں باپ کو گالیاں دے، اس لئے صحابہ نے حیرت سے سوال کیا، مگر آئندہ زمانہ میں یہ واقعہ بننے والا تھا اور معلوم نہیں کیسے کیسے فواحش وجود میں آنے والے تھے، اس کا صحابہ کو ادراک نہیں تھا، اس لئے آپؐ نے جواب کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کسی کام کا سبب بننا بھی اس کام کو کرنے کی طرح ہے، پس جو شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے پھر وہ جو اب اس کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو وہ تسبب کی وجہ سے گویا خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے۔

غرض یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا ابواب الجنائز میں آپؐ کا یہ ارشاد گذرا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا

ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے ملنا تو موت کے بعد ہوگا اور موت ہر شخص کو ناپسند ہے، پس جواب میں نبی ﷺ نے ایک خاص حالت کا ذکر کیا جس سے بات خوب واضح ہوگئی (تفصیل تحفة الأَلَمْعِي ۳: ۴۷۸ کتاب الجنائز باب ۶۷ میں ہے)

اسی طرح یہاں بھی یہ بات صحابہ کے لئے ناقابل فہم تھی کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالیاں دے یا مارے پیٹے، مگر آئندہ یہ بات واقعہ بننے والی تھی مگر ابھی اس کا فہم و ادراک مشکل تھا، اس لئے آپؐ نے ایک ایسی حالت ذکر کی جس سے بات واضح ہوگئی اور وہ حالت سبب بن کر ماں باپ کو گالیاں دلوانا ہے اور اس کا تحقق اس زمانہ میں بھی تھا اس لئے بات صحابہ کی سمجھ میں آگئی، ورنہ آپؐ کی مراد ہقیقہ گالیاں دینا تھا جس کو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اولاد نہ صرف والدین کو گالیاں دیتی ہے، بلکہ مارتی پیٹتی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائیں (آمین)

[۴-] باب ماجاء فى عقوقِ الوالدين

[۱۸۹۷-] حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا بَشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، ثَنَا الْجَرِيرِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟" قَالُوا: بَلَى، يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: "الإِشْرَافُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ" قَالَ: وَجَلَسَ، وَكَانَ مُتَكِنًا، قَالَ: "وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَوْ: قَوْلُ الزُّورِ" فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ!

وفى الباب: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو بَكْرَةَ: اسْمُهُ نَفِيعٌ.

[۱۸۹۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مِنْ الْكَبَائِرِ أَنْ يَشْتِمَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: "نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَشْتِمُ أُمَّهُ فَيَشْتِمُ أُمَّهُ" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فى إِكْرَامِ صَدِيقِ الْوَالِدِ

باپ کے دوست کا اکرام باپ کے ساتھ حسن سلوک ہے

ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں اور متعلقین کے ساتھ حسن سلوک بھی والدین کے ساتھ حسن

سلوک ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ أَبْرَّ الْبِرِّ: أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وَدِّ أَبِيهِ: سب سے بہترین حسن سلوک یہ ہے کہ آدمی باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مکہ تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک آدمی ملا، ابن عمرؓ نے اس کو سلام کیا اور اس کو اپنے ساتھ گدھے پر بٹھالیا، اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر اس کو عنایت فرمائی، ان کے شاگرد ابن دینار نے عرض کیا کہ یہ لوگ تو دیہاتی ہیں، کوئی معمولی چیز دی جائے تو بھی خوش ہو جاتے ہیں، یعنی آپؓ نے اتنا اکرام کیوں کیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اس کا باپ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اور میں نے آنحضور ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: ”اولاد کا سب سے بڑا حسن سلوک باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے“ (رواہ مسلم، روح المعانی ۱۵: ۵۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہؓ ایک بار مدینہ منورہ آئے، حضرت ابن عمرؓ ان سے ملنے گئے، دوران ملاقات پوچھا کہ جانتے ہو: میں آپ سے ملنے کیوں آیا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں! ابن عمرؓ نے فرمایا: میں نے آنحضور ﷺ سے سنا ہے کہ: ”جو شخص مرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ والد کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے“ اور میرے ابا اور آپ کے ابا کے درمیان محبت اور بھائی چارہ تھا اسی لئے میں اس تعلق کی وجہ سے آپ سے ملنے آیا ہوں (روح المعانی ۱۵: ۵۹ بحوالہ ہدایت القرآن ۵: ۵۸)

[۵-] بَابُ فِي إِكْرَامِ صَدِيقِ الْوَالِدِ

[۱۸۹۹-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا حَيَوَةُ بْنُ شَرِيحٍ، ثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”إِنَّ أَبْرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وَدِّ أَبِيهِ“
وفى الباب: عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ، هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ.

وضاحت: اَبْرُ: اسم تفضیل ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے۔ اَبْرُ الْبِرِّ: اِیْ اَفْضَلُ الْبِرِّ: بہترین حسن سلوک..... اَهْلَ وَدِّ اَبِيْہ میں ڈبل اضافت ہے، اپنے باپ کی محبت والے یعنی اس کے دوست..... وَدِّ (مصدر، واو پر تینوں حرکتیں) بمعنی محبت، تعلق، دوستی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَرِّ الْخَالَةِ

خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا بیان

حدیث: جب نبی ﷺ عمرہ قضا سے فارغ ہو کر مکہ سے لوٹے تو سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی چچا! چچا! کہتی ہوئی آپ کے پیچھے چلی (آپ اور حضرت حمزہ رضاعی بھائی بھی تھے) آپ نے تو اسے نہیں دیکھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنی چچا زاد بہن کو لے لو (حضرت حمزہ حضور اقدس ﷺ کے چچا تھے، پس حضرت فاطمہ کے بھی چچا ہوئے) چنانچہ حضرت فاطمہ نے اس کو لے لیا، پھر اس کی کفالت اور تربیت میں حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہوا، حضرت علی نے کہا: میں نے اس کو لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ اور حضرت جعفر کی دلیل یہ تھی کہ یہ میرے بھی چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ اور حضرت زید کہتے تھے: یہ میرے اسلامی بھائی کی بیٹی ہے، اس نزاع میں نبی ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا: الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ: خالہ ماں سی ہے یعنی ماں جیسی ہے، اور حضرت علی سے فرمایا: أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ: تو من شدم! اور حضرت جعفر سے فرمایا: آپ کی شکل و شبہت اور اخلاق میرے جیسے ہیں، اور حضرت زید سے فرمایا: آپ ہمارے اسلامی بھائی اور مولیٰ ہیں، یہ فیصلہ سن کر حضرت جعفر ایک ٹانگ پر رسول اللہ ﷺ کے گرد کوونے اور اچھلنے لگے، آپ نے پوچھا: جعفر یہ کیا ہے؟ حضرت جعفر نے عرض کیا: جب نجاشی رحمہ اللہ کسی کو مسرور کرتے تو وہ اس کے گرد اس طرح رقص کرتا تھا (یہ روایت مختصر بخاری میں ہے حدیث ۲۶۹۹)

تشریح: جب خالہ ماں سی ہے تو ماں کی طرح اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے، نیز دو مسئلوں میں خالہ ماں کے قائم مقام ہے: ایک باب حضانت میں، بچہ کی تربیت کا پہلا حق ماں کا ہے، پھر نانی کا، پھر دادی کا، پھر بہن کا، پھر خالہ کا، پھر پھوپھی کا۔ اسی طرح احناف کے نزدیک ذوی الارحام بھی وارث ہوتے ہیں پس خالہ بھی اپنے درجہ میں وارث ہوگی۔

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے، کیا میرے لئے کوئی توبہ ہے؟ آپ نے پوچھا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے پوچھا: کیا تیری خالہ زندہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: پس آپ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

تشریح: اس بندے سے کیا گناہ ہوا تھا؟ اس کا تذکرہ کسی روایت میں نہیں آیا، پس قیاس آرائی سے کیا فائدہ!

جو بھی گناہ ہوا تھا نیکی سے وہ مٹ گیا، ارشادِ پاک ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، نبی ﷺ نے اس کو حسن سلوک کی تلقین کی، ماں کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ تو بڑھا ہوا تھا مگر وہ حیات نہیں تھی اس لئے خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا امر فرمایا، کیونکہ وہ بھی ماں سی ہے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا گویا ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔

فائدہ: اگر کوئی بڑا گناہ ہو جائے تو توبہ ضروری ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی نیکی کا کام بھی کیا جائے تو گناہ دل سے بھی نکل جاتا ہے ورنہ دل میں کسک باقی رہتی ہے، جیسے کسی نے حالت حیض میں بیوی سے صحبت کر لی تو اس گناہ سے توبہ ضروری ہے کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے لیکن توبہ کے بعد بھی مؤمن بندے کے دل میں بے چینی رہتی ہے کہ مجھ سے یہ گناہ ہو گیا! لیکن اگر وہ توبہ کے ساتھ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ بھی کر دے تو گناہ کا بوجھ دل سے ہٹ جائے گا، یہ تجربہ کی بات ہے، گناہ گار اس پر عمل کر کے دیکھے، وہ صحابی جو خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے، انھوں نے توبہ کر لی تھی، ان کا یہ جملہ کہ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے یہی ندامت توبہ ہے مگر ابھی ان کے دل پر بوجھ تھا، اس لئے انھوں نے پوچھا: فہل لی من توبۃ؟ چنانچہ آپ نے ان کو ایک بڑا نیکی کا کام بتلایا جس پر عمل پیرا ہونے سے ان کے دل کا یہ بوجھ ہٹ جائے گا، اسی طرح گناہ گار کو توبہ کے ساتھ کوئی خاص نیک کام بھی کرنا چاہئے تاکہ دل صاف ہو جائے۔

[۶-] بَابُ فِي بَرِّ الْخَالَةِ

[۱۹۰۰-] حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، ثَنَا أَبِي، عَنْ إِسْرَائِيلَ، ح: وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ، وَهُوَ ابْنُ مَدْوَيْه، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ - وَاللَّفْظُ لِحَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ - عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ" وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

[۱۹۰۱-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا! فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ: "هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟" قَالَ نَعَمْ، قَالَ: "فَبَرَّهَا" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ.

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ حَفْصٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ، وَأَبُو بَكْرٍ بْنُ حَفْصٍ: هُوَ ابْنُ عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ.

وضاحت: پہلی حدیث میں جو لمبا مضمون ہے وہ میں نے بیان کر دیا ہے..... اور پہلی حدیث کے الفاظ اسرائیل کے شاگرد عبید اللہ کے ہیں، وکیع کے نہیں ہیں..... اور دوسری حدیث کو ابو معاویہ متصل کرتے ہیں یعنی آخر میں ابن عمر کا تذکرہ کرتے ہیں اور ابن عیینہ مرسل کرتے ہیں، امام ترمذی نے اپنے مزاج کے مطابق مرسل روایت کو اصح کہا ہے۔

باب ماجاء فی دُعَاءِ الْوَالِدَيْنِ

والدین کی دعا کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تین دعائیں قبول کی ہوئی ہیں، ان میں کوئی شک نہیں: مظلوم کی (بد) دعا، مسافر کی دعا اور باپ کی اولاد کے لئے بد دعا (اور یہی حکم ماں کی بد دعا کا ہے)

تشریح: ان تین شخصوں کی دعائیں اس لئے مقبول ہیں کہ یہ لوگ شکستہ خاطر ہوتے ہیں، مظلوم کا پریشان ہونا تو ظاہر ہے، وہ ظالم کے حق میں جو بد دعا کرتا ہے وہ دل کی تھاہ سے نکلتی ہے، اس لئے وہ قبول کر لی جاتی ہے، اسی طرح جو غریب الوطن ہے اور اہل و عیال سے دور ہے اس کا دل بھی شکستہ ہوتا ہے، اس کی امیدوں کا مرجع صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے اس لئے اس کی دعا بھی قبول کر لی جاتی ہے، اور والدین اولاد کے لئے بد دعا کر ہی نہیں سکتے مگر یہ کہ ان کو اولاد کی طرف سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچے اس لئے ان کی بد دعا بھی قبول کر لی جاتی ہے۔

پس دعوة المظلوم سے بد دعا مراد ہے اور اس کا قرینہ عقلی یہ ہے کہ مظلوم ظالم کے لئے دعا کر ہی نہیں سکتا، اور مسافر کی دعا عام ہے، اور والدین کی نیک دعا بھی اولاد کے حق میں قبول کی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اخلاص سے ہوتی ہے مگر بد دعا بالیقین قبول کر لی جاتی ہے۔

پس اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کو خوش رکھے تاکہ ان کی نیک دعائیں حاصل ہوں، ان کو پریشان نہ کرے ورنہ ان کے دل سے جو آہ نکلے گی وہ فلک چیر کر بارگاہ خداوندی میں پہنچے گی۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے والدین کو اولاد کے حق میں بد دعا کرنے سے منع فرمایا، اور یہ فرمایا کہ اگر قبولیت کی گھڑی ہوئی تو بد دعا قبول ہو جائے گی، پھر پچھتا نا پڑے گا، لہذا والدین کو بد دعا کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے، ان کے منہ سے کبھی اولاد کے حق میں بد دعا نہیں نکلی جائے ورنہ اولاد کا نقصان اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑے گا۔

[۷-] باب ماجاء فی دُعَاءِ الْوَالِدَيْنِ

[۱۹۰۲-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هِشَامِ الدَّسْتَوَائِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثُ

دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٍ، لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ“
وَقَدْ رَوَى الْحَجَّاجُ الصَّوَّافُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ نَحْوَ حَدِيثِ هِشَامٍ، وَأَبُو
جَعْفَرٍ الدِّمَشْقِيُّ رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: يُقَالُ لَهُ: أَبُو جَعْفَرٍ الْمُؤَدِّنُ، وَلَا نَعْرِفُ اسْمَهُ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ
يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ غَيْرَ حَدِيثٍ.

وضاحت: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو جعفر روایت کرتے ہیں، اس راوی کا لقب المؤدِّن ہے اس کا نام معلوم نہیں، یہ انصاری مدنی ہیں اور مقبول ہیں اور یحییٰ بن ابی کثیر نے ان سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ

والدین کے حق کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَجْزِي وَلَدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا، فَيَشْتَرِيَهُ، فَيُعْتِقَهُ: کوئی اولاد کسی باپ کو بدلہ نہیں دے سکتی، مگر یہ کہ وہ اس کو غلام پائے، پس وہ اس کو خریدے، پس وہ اس کو آزاد کرے۔
تشریح: ماں باپ اولاد کے وجود ظاہری کا سبب ہیں پس اگر ماں یا باپ یا دونوں غلام ہوں اور اولاد آزاد ہو اور وہ اپنے ماں باپ کو خریدے تو وہ خریدتے ہی آزاد ہو جائیں گے، پس گویا اولاد ہی نے ان کو آزاد کیا، اولاد کا یہ احسان تو والدین کے احسان کا بدلہ بن سکتا ہے کیونکہ والدین کو آزاد ہونے سے شرفِ حریت حاصل ہوگا، اور وہ غلاموں کے زمرہ سے نکل کر آزادوں کی صف میں آجائیں گے پس گویا ان کوئی زندگی اور نیا وجود مل گیا، اس کے علاوہ ماں باپ کے حق کی ادائیگی کی اور کوئی صورت نہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ اس طرح بھی ماں باپ کے صرف ایک احسان کا بدلہ چکایا جاسکتا ہے اور ماں باپ نے اولاد کی تربیت میں جو پاپڑ پیلے ہیں اس کی مکافات کسی طرح نہیں ہو سکتی، اس کا بس ایک ہی راستہ ہے کہ زندگی بھر ماں باپ کی خدمت کرتا رہے اور فرمانبردار رہے اور موت کے بعد ان کے لئے دعا مغفرت کرے تو ان کے احسانات کی کچھ مکافات ہو سکتی ہے۔

[۸-] بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ

[۱۹۰۳-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ مُوسَى، ثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَجْزِي وَلَدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ

مَمْلُوكًا، فَيَسْتَرِيهٖ، فَيُعْتِقُهٗ،

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَّا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُهَيْلٍ هَذَا الْحَدِيثَ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَطِيعَةِ الرَّحِمِ

خاندان کے ساتھ بدسلوکی کا بیان

حدیث: حضرت ابوالرداء لیشی (قریشی) رضی اللہ عنہ بیمار پڑے، ان کی بیمار پرسی کے لئے حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری (قریشی) رضی اللہ عنہ تشریف لائے (حضرت عبدالرحمنؓ مالدار صحابی تھے اور بڑے دل والے تھے، انہوں نے حضرت ابوالرداءؓ کی کوئی مالی خدمت کی) پس ابوالرداءؓ نے کہا: سَدِّدُ هُمْ زَاوُ صَلُّهُمْ - مَا عَلِمْتُ - أَبُو مُحَمَّدٍ: یعنی خاندان میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے - میرے علم میں - ابو محمد یعنی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ہیں (یہ حضرت ابوالرداءؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ کے مالی تعاون کا شکریہ ادا کیا اور ان کے منہ پر ان کی تعریف کی) پس حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَنَا اللَّهُ، وَأَنَا الرَّحْمَنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَتْهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَنَتْهُ: میں اللہ ہوں اور میں رحمن (نہایت مہربان) ہوں رحم (ناتہ رشتہ) کو میں نے پیدا کیا ہے، اور میں نے ناتے کو اپنے نام میں سے پھاڑ کر نام دیا ہے یعنی الرحمن اور الرحم میں اشتقاق اکبر ہے پس الرحمن کا اثر الرحم کو بھی پہنچے گا، پس جو شخص ناتے کو جوڑے گا میں اس کو اپنے ساتھ جوڑوں گا، اور جو ناتے کو کاٹے گا میں اس کو اپنے سے کاٹوں گا۔

تشریح: قطع رحمی کا بہت بڑا وبال ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قطع رحمی کرنے والے کو اپنے سے کاٹ دیں گے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے کاٹ پھینکا اس کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کہاں ہو سکتا ہے؟ پس لوگوں کو قطع رحمی سے بہت ڈرنا چاہئے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگر کوئی شخص احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، حدیث میں ہے کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکریہ ادا نہیں کرتا، اور شکریہ ادا کرنے کے لئے جَزَاكَ اللہ خیراً بہترین جملہ ہے، حدیث میں اس کو انتہائی درجہ کا بدلہ کہا گیا ہے۔ اور احسان کرنے والے کی اور طرح بھی تعریف کی جاسکتی ہے اور تعریف احسان کرنے والے کے منہ پر بھی کی جاسکتی ہے، لیکن اس میں مبالغہ نہیں چاہئے، حضرت ابوالرداء لیشیؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی تعریف کی ہے کہ خاندان قریش میں سب سے بہتر شخص اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے حضرت عبدالرحمنؓ ہیں مگر ساتھ ہی یہ بات بھی بڑھائی ہے کہ یہ بات میں اپنے علم کی حد تک کہہ رہا

ہوں، ممکن ہے کوئی اور ان سے بھی آگے ہو۔

اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی حسن سلوک کرنے والے کی تعریف اس کے منہ پر کرے تو اس کو چاہئے کہ بات پھیر دے، حضرت عبدالرحمنؓ نے حدیث قدسی سنا کر بات پھیر دی ہے کہ یہ تو میرا فریضہ تھا میں نے بامید ثواب یہ کام کیا ہے، اس لئے میں قابل تعریف نہیں، میں نے جو کچھ کیا ہے اس حدیث قدسی میں جو فضیلت آئی ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کیا ہے، پس میرا کیا احسان! اور میری تعریف کی کیا حاجت!

فائدہ: اشتقاق کی تین قسمیں ہیں: صغیر، کبیر اور اکبر، اگر دو کلموں کے حروف اور ان کی ترتیب ایک ہو تو ان میں اشتقاق صغیر ہوتا ہے جیسے: ضَرَبَ اور ضَرْبٌ میں اور نَصَرَ اور نَصْرٌ میں، اور اگر دو کلموں کے حروف تو ایک ہوں مگر ترتیب مختلف ہو تو ان میں اشتقاق کبیر ہوتا ہے، جیسے: جَبَذَ اور جَذَبَ میں، دونوں کے معنی ہیں: کھینچنا، اور اگر دو کلموں کے اکثر حروف متحد ہوں اور باقی حروف مخرج میں متقارب ہوں تو ان میں اشتقاق اکبر ہوتا ہے جیسے نَهَقَ (للاکارنا) اور نَهَقَ (چیننا) میں، اور الرحمن اور الرَّحْمِ میں ر اور ح میں اشتراک ہے اور ن اور م میں اختلاف ہے مگر دونوں حروف غنہ ہیں، پس مخرج میں تقارب ہے، اس لئے دونوں میں اشتقاق اکبر ہے۔

اور اشتقاق صغیر میں دونوں کلموں کے معنی ایک ہوتے ہیں اور کبیر میں معانی میں تقارب ہوتا ہے اور اکبر میں کسی درجہ میں اشتراک ہوتا ہے، اسی باہمی مناسبت کا اس حدیث میں ذکر ہے اور ایک دوسری حدیث میں اس باہمی مناسبت کو ایک دوسری طرح سمجھایا ہے، بخاری میں روایت ہے: الرَّحْمُ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، وَقَالَ اللَّهُ: مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهُ: الرَّحْمُ (ناتہ) اور الرحمن (مہربان ہستی) کی شاخیں یا جڑیں ایک دوسرے کے ساتھ گتھی ہوئی ہیں۔ شَجْنَةٌ (ش پر تینوں اعراب) کے معنی ہیں: دو درختوں کی جڑوں کا یا شاخوں کا آپس میں گتھا ہوا ہونا، پس حدیث کے معنی ہیں: ناتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۲۰)

اور ایک اور متفق علیہ روایت میں ہے: الرَّحْمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تقول: مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللَّهُ، وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللَّهُ: ناتہ عرش کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ناتہ کہتا ہے: جو مجھے جوڑے گا اس کو اللہ تعالیٰ جوڑیں گے، اور جو مجھے کاٹے گا اس کو اللہ تعالیٰ کاٹیں گے۔

اور ایک اور متفق علیہ روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ناتے کو پیدا کیا تو وہ کھڑا ہوا اور اس نے رَحْمَن کی کمر میں کوئی بھری، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ ناتے نے کہا: یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ چاہنے والے کی جگہ ہے یعنی جو کسی کی پناہ چاہتا ہے وہ کمر میں کوئی بھرتا ہے میں نے کوئی اس لئے بھری ہے کہ میں اس بات سے آپ کی پناہ

چاہتا ہوں کہ لوگ مجھ پر چھری چلائیں یعنی قطع رحمی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی ہے کہ جو تجھے کاٹے میں اس کو اپنے سے کاٹوں اور جو تجھے جوڑے میں اس کو اپنے سے جوڑوں؟ ناتے نے جواب دیا: میں اس پر راضی ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس جابہ تیرے لئے وعدہ ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۱۹)

ان سب روایتوں میں مختلف انداز سے مہربان ہستی اور ناتے کے درمیان گہرا ربط و تعلق سمجھا گیا ہے، پس جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا طالب ہے وہ صلہ رحمی کرے اور جو اس سے لاپرواہ ہے وہ جو چاہے کرے۔

[۹-] باب ماجاء فی قَطِيعَةِ الرَّحِمِ

[۱۹۰۴-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: اشْتَكَى أَبُو الرَّدَادِ اللَّيْثِيُّ، فَعَادَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، فَقَالَ: خَيْرُهُمْ وَأَوْصَلُهُمْ - مَا عَلِمْتُ - أَبُو مُحَمَّدٍ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَنَا اللَّهُ، وَأَنَا الرَّحْمَنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَّتُهُ"

وفی الباب: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ. حَدِيثُ سُفْيَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَرَوَى مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ رَدَادِ اللَّيْثِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَمَعْمَرٌ كَذَا يَقُولُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَحَدِيثُ مَعْمَرٍ خَطَأً.

وضاحت: اس حدیث کی سند میں ہندوستانی نسخوں میں اشتکی ابو الرِّدَادِ اللَّيْثِی کے بجائے اشتکی ابو الدرداء ہے، یہ تصحیف ہے، اور بہت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے اور شارحین نے بات بنانے کی بہت کوشش کی ہے مگر بنی نہیں، کیونکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں اور حضرت عبدالرحمن بن عوف قریشی ہیں، دونوں میں کوئی خاندانی تعلق نہیں، پس ابوالدرداء کا خیرُہم و اَوْصَلُہم کہنا یعنی ہمارے خاندان کے سب سے بہتر آدمی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے کہنا شارحین کی سمجھ میں نہیں آیا، اور انھوں نے طرح طرح کی تاویلیں کیں، حالانکہ یہ کاتبوں کی غلطی تھی ابو الرِّدَادِ کا ابو الدرداء بن گیا تھا صحیح عبارت مصری نسخہ میں ہے اور تہذیب التہذیب میں بھی حافظ رحمہ اللہ نے رَدَادِ لَیْثِی کے تذکرہ میں امام ترمذی کی یہ عبارت نقل کی ہے اور مزی نے بھی تحفۃ الاشراف (۲۱۳: ۷) میں اس کی صراحت کی ہے۔

اور یہ دونوں حضرات قریشی ہیں، قریش: نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور بنو لیث: کنانہ کا ایک بطن ہیں، وہ بنو لیث

بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ ہیں، اور زہرہ بھی قریش کا ایک لڑکا ہے، پس ابو الرداد اور عبد الرحمن بن عوف ایک ہی خاندان کے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے والا تبار صاحبزادے حضرت ابوسلمہ جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں ان کا اپنے والد سے لقاء و سماع نہیں، وہ بچے تھے اور والد کا انتقال ہو گیا تھا پس سفیان بن عیینہ کی سند جو باب کے شروع میں ہے صحیح نہیں، سفیان امام زہری سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوسلمہ سے اور ابوسلمہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ابو الرداد لیشی بیمار پڑے، اور ان کی عیادت کے لئے حضرت عبد الرحمنؓ آئے یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اس وقت ابوسلمہ بچے تھے، صحیح سند معمر کی ہے جو باب کے آخر میں ہے، وہ یہ حدیث امام زہری سے، اور وہ ابوسلمہ سے، اور وہ رداد لیشی سے اور وہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں، جب حضرت عبد الرحمنؓ ابو الرداد لیشی کی عیادت کے لئے گئے ہونگے اس وقت رداد وہاں موجود ہونگے، انھوں نے یہ حدیث حضرت عبد الرحمنؓ سے سنی، پھر ان سے ابوسلمہ روایت کرتے ہیں، پس صحیح سند یہی ہے اور معمر معمولی راوی نہیں، بہت بڑے آدمی ہیں اس لئے انھوں نے جو حدیث کو متصل کیا ہے وہ ثقہ کی زیادتی ہے اور معتبر ہے، اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو معمر کی غلطی قرار دیا ہے، مگر ابو داؤد (حدیث ۱۶۹۵) میں اور مسند احمد (۱۹۴:۱) میں اور مستدرک حاکم (۴:۱۵۷) میں اسی سند سے یہ حدیث مروی ہے، پس امام بخاری کی بات صحیح نہیں نہ امام ترمذی کا فیصلہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء فی صِلَةِ الرَّحِمِ

خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان

اس باب کی روایتیں گذشتہ باب میں آگئی ہیں کیونکہ صلہ رحمی اور قطع رحمی ضدین ہیں، اس لئے حدیثوں میں دونوں کا تذکرہ ساتھ آیا ہے، البتہ اس باب میں جو حدیث ہے اس میں ایک زائد مضمون ہے کہ حسن سلوک کیا ہے؟ جاننا چاہئے کہ احسان کے بدلے میں احسان کرنا مکافات (بدلہ) ہے، حسن سلوک یہ ہے کہ بدسلوکی کرنے والے کو گلے سے لگائے، اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دے بلکہ پھول برسائے یہی صلہ رحمی ہے۔

حدیث (۱): نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا انْقَطَعَتْ رَحْمَةُ وَصَلَهَا: بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے جس کا ناتہ ٹوٹ جائے تو وہ اس کو جوڑ دے، یعنی بدسلوکی کے جواب میں سن سلوک کرے، تعلقات توڑنے والے کو بھی حسن سلوک سے اپنے ساتھ جوڑے یہی صلہ رحمی ہے۔

حدیث (۲): نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ رَحِمٍ: ناتہ توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا یعنی

اسے دخولِ اولیٰ نصیب نہیں ہوگا، اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔

[۱۰-] باب ماجاء فی صِلَةِ الرَّحِمِ

[۱۹۰۵-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا بَشِيرٌ أَبُو إِسْمَاعِيلَ، وَفَطْرُ بْنُ خَلِيفَةَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا انْقَطَعَتْ رَحْمَةُ وَصَلَهَا"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ سَلْمَانَ، وَعَائِشَةَ.

[۱۹۰۶-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَسَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، قَالُوا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ" قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ: قَالَ سُفْيَانُ: يَعْنِي قَاطِعَ رَحِمٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: حدیث میں صرف قاطع ہے، سفیان ثوری نے بتایا کہ مراد ناتہ کاٹنا ہے..... الرَّحِمُ، وَالرَّحْمُ وَالرَّحْمُ: بچہ دانی، رشتہ، قرابت (مذکر و مؤنث) جمع اَرْحَام، ذوی الارحام: وہ رشتہ دار جو نہ عصبہ ہوں نہ ذوی الفروض، جیسے خالہ، ماموں، بھتیجی، چچا زاد بہن وغیرہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُبِّ الْوَالِدِ وَلَدِهِ

باپ کا اولاد سے محبت کرنا

اولاد سے محبت ایک فطری امر ہے اور یہ محبت ہمیشہ باقی رہتی ہے، اور اولاد کی محبت ماں باپ سے بڑے ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے اور یہ بھی ایک فطری امر ہے، قدرت کا نظام یہ ہے کہ انسان زمین میں پھیلیں اور ساری زمین آباد ہو اس لئے جب اولاد صاحبِ عیال ہو جاتی ہے تو اس کا ماں باپ کی طرف میلان کم ہو جاتا ہے، وہ دنیا میں دور تک چلی جاتی ہے مگر ماں باپ کی طرف ایسی کوئی مجبوری نہیں اس لئے ان کا میلان آخر تک باقی رہتا ہے، اس میں کچھ کمی نہیں آتی، البتہ یہ الگ بات ہے کہ جب اولاد دور چلی جاتی ہے تو یاد کم آتی ہے مگر محبت بحالہ باقی رہتی ہے۔

حدیث: حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا (جو بڑے درجہ کی صحابیہ ہیں اور جو پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور نبی ﷺ سے ان کا قریبی تعلق تھا وہ) فرماتی ہیں: ایک دن نبی ﷺ گھر سے

باہر تشریف لائے، آپؐ نے اپنے دونوں اسوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) میں سے ایک کو گود میں لے رکھا تھا، آپؐ نے فرمایا: **إِنَّكُمْ لَتُبْخَلُونَ وَتُجْهَلُونَ، وَإِنَّكُمْ لَمِنْ رِیحَانِ اللَّهِ** بیشک تم بخیل بنادیتے ہو، اور بزدل بنادیتے ہو اور جاہل رکھتے ہو اور بیشک تم ہوا اللہ کا پھول!

تشریح: باپ اولاد کی خاطر بخیل کرتا ہے، پیسہ پیسہ جوڑ کر رکھتا ہے، کوئی چیز ملتی ہے تو بچوں کے لئے رکھ لیتا ہے اور راہ خدا میں جنگ کرنے سے بھی دریغ کرتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ اگر میں جنگ میں مارا گیا تو اولاد کا کیا ہوگا! اور جب اولاد ہو جاتی ہے تو آدمی نہ دنیا کا علم حاصل کر سکتا ہے نہ دین کا، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: **تَعْلَمُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوِّدُوا**: علم حاصل کرو اس سے پہلے کہ تم سردار بنائے جاؤ، کیونکہ جب اہل و عیال کا خرچہ سر پر آ پڑتا ہے تو آدمی کمانے میں جت جاتا ہے اور ضروری علم حاصل کرنے سے بھی محروم رہ جاتا ہے مگر بایں ہمہ اولاد بڑی پیاری ہوتی ہے، ماں باپ ان کو نہ صرف چومتے ہیں بلکہ سوگھتے بھی ہیں کیونکہ وہ اللہ کے پھول ہیں۔

[۱۱-] باب ماجاء فی حُبِّ الْوَالِدِ وَلَدِهِ

[۱۹۰۷-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي سُوَيْدٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَقُولُ: زَعَمَتِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ، قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، وَهُوَ مُحْتَضِنُ أَحَدَ ابْنَيْ ابْنَتِهِ، وَهُوَ يَقُولُ: "إِنَّكُمْ لَتُبْخَلُونَ، وَتُجْهَلُونَ، وَإِنَّكُمْ لَمِنْ رِیحَانِ اللَّهِ"
وفی الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَالْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ، حَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ، وَلَا نَعْرِفُ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ سَمَاعًا مِنْ خَوْلَةَ.

وضاحت: اس حدیث کا ایک راوی ابن ابی سؤید مجہول راوی ہے اس کا نام محمد ہے اور یہ وہ ابن ابی سؤید نہیں ہے جس سے حضرت غیلان رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتاب النکاح (باب ۳۱) میں مروی ہے (تحفۃ اللمعی ۳: ۵۵۹) اس کا نام بھی محمد ہے مگر وہ ثقہ راوی ہے اور یہ ابن ابی سؤید مجہول راوی ہے، دوسری کمی اس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا حضرت خولہ بنت حکیم سے لقاء و سماع نہیں، پس یہ حدیث منقطع ہے۔

لغات: **اِحْتَضَنَ الشَّيْءَ**: گود میں لینا، **مُحْتَضِنٌ**: اسم فاعل، **اور تُبْخَلُونَ اور تُجْهَلُونَ اور تُجْهَلُونَ**: تینوں باب تفحیل سے ہیں، **تُبْخَلُ**: کنجوسی کرنا، **تُجْهَلُ**: بخیل بننا، **تُجْهَلُ**: بزدل بننا، **بے حوصلہ ہو جانا، اور تُجْهَلُ**: ناواقف بننا، **لا علم رہنا اور الریحان**: ہر خوشبودار پودا اور ایک خاص قسم کا خوشبودار پودا جس کو نازبو (سیاہ تلسی) کہتے ہیں، یہاں مراد عام ہے اس لئے میں نے ترجمہ پھول کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْوَلَدِ

اولاد پر مہربانی کا بیان

یہ باب گذشتہ باب کے ہم معنی ہے، جب والدین کو اولاد سے محبت ہوگی تو وہ ان پر مہربانی بھی ہونگے، کیونکہ مہربانی محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

حدیث: اقرع بن حابسؓ نے جو بنو تمیم کے سردار تھے، نبی ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ حضرت حسنؓ کو چوم رہے تھے (اور ایک راوی کو حسنؓ یا حسینؓ میں شک ہے) پس اقرع نے کہا: میرے دس بچے ہیں، مگر میں نے ان میں سے کسی کو نہیں چوما، پس نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرَحَمُ جو مہربانی نہیں کرتا وہ مہربانی نہیں کیا جاتا!

تشریح: مہربانی نہ کرنے کے مختلف درجات ہیں: بالکل مہربانی نہ کرنا، یا کم کرنا، یا بہت کم کرنا، اسی طرح مہربانی نہ کئے جانے کے بھی درجات ہیں، پس جو اولاد وغیرہ پر جتنا زیادہ مہربان ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہونگے، ایک دوسری حدیث میں ہے: الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، اَرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مَنْ فِي السَّمَاءِ: (یہ حدیث ابھی آرہی ہے) یعنی مہربانی کرنے والوں پر الرحمن (نہایت مہربان اللہ تعالیٰ) مہربانی فرماتے ہیں پس تم زمینی مخلوقات پر مہربانی کرو، وہ ہستی تم پر مہربانی کرے گی جو آسمان میں ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۶۹)

اور صحیحین میں یہ واقعہ ہے کہ ایک بدو نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اس نے کہا: کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں؟ ہم تو ان کو نہیں چومتے! نبی ﷺ نے فرمایا: أَوْ أَفْلِكَ لَكَ: إِنْ نَزَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ! اَللَّهُ تَعَالَى تیرے دل سے مہربانی نکال دیں تو میں کیا کروں؟ (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۴۸)

اور ایک دوسری متفق علیہ روایت میں ہے: تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحِمِهِمْ وَتَوَادُّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عَضُوهُ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَّى: آپ مؤمنین کو دیکھیں گے ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں اور ایک دوسرے سے محبت کرنے میں اور ایک دوسرے سے نرم برتاؤ کرنے میں جسم کی طرح، جس کا کوئی عضو جب کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لئے سارا جسم ہمنوا ہو جاتا ہے بیداری اور بخار میں (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۵۳)

اس لئے مؤمنین کو چاہئے کہ ہر مخلوق پر مہربانی کریں، خاص طور پر مؤمنین پر، اور اس سے بھی زیادہ اپنی اولاد پر، اور جان لیں کہ مہربانی کا جذبہ ہی انسان کو محبوب بناتا ہے۔

[۱۲-] بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْوَلَدِ

[۱۹۰۸-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ

أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَبْصَرَ الْأَفْرُعُ بْنُ حَابِسٍ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَقْبَلُ الْحَسَنَ - وَقَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ: الْحَسَنُ أَوْ الْحُسَيْنَ - فَقَالَ: إِنَّ لِي مِنَ الْوَلَدِ عَشْرَةً، مَا قَبِلْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يَرْحَمْ".
 وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى الْبَنَاتِ

بیٹیوں پر خرچ کرنے کا بیان

مصری نسخہ میں باب میں وَالْأَخَوَاتِ بھی ہے، یعنی بیٹیوں اور بہنوں پر خرچ کرنے کا ثواب، لوگ لڑکوں پر تو دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، کیونکہ لڑکے بڑے ہو کر کام آتے ہیں اور لڑکیوں اور بہنوں پر خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں کیونکہ وہ دوسرے گھر چلی جاتی ہیں اس لئے احادیث شریفہ میں خاص طور پر بیٹیوں اور بہنوں پر خرچ کرنے کی فضیلت آئی ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں پس وہ ان کی رفاقت اچھی کرے، یعنی ان کو بہتر طریقہ پر پالے پوسے، اور ان کے حق میں اللہ سے ڈرے یعنی ان کے حقوق کما حقہ ادا کرے تو اس کے لئے جنت ہے یعنی یہ جنت میں جانے کا بہترین سبب ہے، یہی حدیث دوسری سند (نمبر ۱۹۱۰) سے مروی ہے کہ تم میں سے کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں پس وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔

حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ: جو شخص بیٹیوں میں سے کسی چیز کے ساتھ آزما گیا یعنی خواہ ایک بیٹی ملی یا زیادہ پس اس نے ان پر صبر کیا تو وہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی (یہ حدیث مختصر ہے اور یہی حدیث اگلے نمبر پر شانِ ورود کے ساتھ مفصل آرہی ہے) اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۳۵۹:۱۰) میں لکھا ہے کہ یہ ثواب ایک بیٹی کی پرورش کرنے والے کے لئے بھی ہے، پھر انھوں نے اس سلسلہ کی روایات لکھی ہیں۔

حدیث (۳): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک عورت میرے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، پس اس نے سوال کیا: میرے پاس دینے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی، ایک کھجور کے علاوہ، پس میں نے وہ کھجور اس کو دیدی، اس نے وہ کھجور اپنی دو بیٹیوں کے درمیان بانٹ دی، اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا، پھر وہ

کھڑی ہوئی اور چلی گئی، جب نبی ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ: یہ پہلی ہی حدیث ہے اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے شانِ ورود بیان کیا ہے کہ آپ نے یہ ارشاد کس موقع پر فرمایا تھا۔

حدیث (۴): نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ، دَخَلَتْ أُنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ، وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ: جس نے دو لڑکیوں کی کفالت کی تو میں اور وہ ان دو انگلیوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا۔

تشریح: اگر آپ نے دونوں انگلیاں ملا کر اشارہ کیا تھا تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ وسطی (درمیانی، لمبی انگلی) کی طرح پہلے داخل ہو گئے اور دو بیٹیوں کی کفالت کرنے والا شہادت کی انگلی کی طرح کچھ پیچھے داخل ہوگا، اور اگر آپ نے دونوں انگلیوں کے درمیان کچھ فاصلہ کر کے اشارہ کیا تھا تو تفاوتِ درجات واضح ہے، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ انبیاء امت سے پہلے جنت میں جائیں گے، امت پیچھے رہے گی اس لئے ان دو تاویلوں میں سے کوئی ایک تاویل ضروری ہے۔

[۱۳-] باب ماجاء فى النِّفَقَاتِ عَلَى الْبَنَاتِ

[۱۹۰۹-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ بَشِيرٍ، عَنْ سَعِيدِ الْأَعَشَى، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ، أَوْ ابْنَتَانِ، أَوْ أُخْتَانِ، فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ، وَاتَّقَى اللَّهَ فِيهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ"

[۱۹۱۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ كُمُ ثَلَاثِ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثِ أَخَوَاتٍ، فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ"

وفى الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، وَأَنَسٍ، وَجَابِرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ بْنِ سِنَانٍ؛ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ: هُوَ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ بْنِ وَهَيْبٍ، وَقَدْ زَادُوا فِي هَذَا الْإِسْنَادِ رَجُلًا.

وضاحت: اس حدیث کی پہلی سند (نمبر ۱۹۰۹) ابن عیینہ کی سند ہے وہ سہیل بن ابی صالح سے اور وہ ایوب بن بشیر سے اور وہ سعید بن عبد الرحمن اشعی سے، اور وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں..... اور

اس حدیث کی دوسری سند (نمبر ۱۹۱۰) عبد العزیز بن محمد دروردی کی ہے، وہ سہیل بن ابی صالح سے، اور وہ سعید بن عبد الرحمن اُشی سے اور وہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس سند میں ایوب بن بشیر کا واسطہ نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: وقد زادوا فی هذا الإسناد رجلاً یعنی روات نے اس اسناد میں ایک آدمی بڑھایا ہے، یہ وہی ایوب بن بشیر ہیں جو پہلی سند میں آئے ہیں اور یہ اضافہ سعید اُشی اور حضرت ابوسعید خدریؓ کے درمیان ہے، کیونکہ سعید اُشی چھٹے طبقہ کے راوی ہیں اور کسی صحابی سے ان کی ملاقات نہیں ہے، اس لئے ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی واسطہ ہو چنانچہ ابوداؤد (حدیث ۵۱۴۷ کتاب الادب باب ۱۲۲) میں سعید اُشی اور حضرت ابوسعید خدریؓ کے درمیان ایوب بن بشیر کا واسطہ ہے، البتہ ابن عیینہ کی سند میں ایوب کا تذکرہ سعید اُشی سے پہلے ہے جو صحیح نہیں۔ امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں لکھا ہے: ابن عیینہ اس حدیث کو عن سہیل، عن ایوب، عن سعید الأعشى روایت کرتے تھے مگر یہ سند درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کی سند میں کوئی قلب نہیں ہوا، ابن عیینہ اسی طرح سند بیان کرتے تھے، پس امام ترمذیؒ نے جو فرمایا ہے کہ قد زادوا فی هذا الإسناد رجلاً اس سے ان کی مراد حدیث کی دوسری سند میں ایوب کا اضافہ ہے اور وہ سعید اُشی اور ابوسعیدؓ کے درمیان ہے جیسا کہ ابو داؤد کی سند میں ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدریؓ رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک بن وہیب ہے، دونوں کے نام اور ان کے باپ کے نام ایک ہیں، مگر داؤد کے نام میں فرق ہے، اس لئے تمیز کرنے کے لئے حضرت ابوسعید خدریؓ کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی تعارف کرایا۔

[۱۹۱۱-] حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ ابْتَلَى بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[۱۹۱۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ السَّبَّارِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ابْنِ شَيْبَانَ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتْ امْرَأَةً مَعِيَ ابْنَتَانِ لَهَا، فَسَأَلْتُ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَسْرَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَتَسْتَنِي بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا، ثُمَّ قَامَتْ، فَخَرَجَتْ، وَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ ابْتَلَى بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث (نمبر ۱۹۱۱) میں امام ترمذیؒ کا استاذ العلاء بن مسلمہ موقوف راوی ہے

اور ابن حبانؒ نے اس کو وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے مگر چونکہ یہ حدیث دوسری سند سے صحیحین میں بھی ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے اس کی تحسین کی ہے اور حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث (نمبر ۱۹۱۲) میں جو عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم راوی ہے اس کا پورا نام عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہے راوی کے باپ کی اس کے باپ کے دادا کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔

دوسری بات ان روایتوں میں توجہ طلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث میں زہریؒ اپنے اور حضرت عروہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں بڑھاتے، اور وہ حدیث مختصر ہے۔ اور دوسری حدیث میں اپنے اور حضرت عروہ کے درمیان عبد اللہ بن ابی بکر کا واسطہ بڑھاتے ہیں، اور یہ مفصل حدیث ہے، پس معلوم ہوا کہ زہری نے مختصر روایت حضرت عروہ سے براہ راست سنی ہے اور مفصل روایت عبد اللہ کے واسطہ سے سنی ہے۔

[۱۹۱۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَزِيرٍ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الرَّاسِبِيُّ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ عَالَ جَارَيْتَيْنِ دَخَلَتْ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ" وَأَشَارَ بِأَصْبُعَيْهِ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ غَيْرَ حَدِيثٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ، وَالصَّحِيحُ: هُوَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَنَسٍ.

وضاحت: اس روایت میں ابو بکر بن عبید اللہ مجہول راوی ہے مگر یہ روایت دوسری سند سے مسلم میں بھی ہے اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے، پھر امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ محمد بن عبید نے اس سند سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں اور وہ سب میں عن ابی بکر بن عبید اللہ بن انس کہتے ہیں، مگر صحیح نام عبید اللہ بن ابی بکر بن انس ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْيَتِيمِ وَكَفَالَتِهِ

یتیم پر مہربانی کرنے کا اور اس کی پرورش کرنے کا بیان

یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے، اس لئے وہ بے سہارا رہ گیا ہے، پس تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں اور کوئی شخص اس کو پالنے پوسنے کی ذمہ داری اوڑھ لے اور اپنی اولاد کی طرح اس کی پرورش کرے، احادیث میں اس کا بڑا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَبِضَ يَتِيمًا مِنْ بَنِي الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ النَّبَّةَ: إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ: جس شخص نے مسلمانوں کے کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا: اللہ تعالیٰ اس کو بالیقین جنت میں داخل کریں گے، مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کرے جو بخشا نہیں جاتا۔

تشریح: دو گناہ بخشے نہیں جاتے: ایک: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اس کی بخشش کا کوئی امکان نہیں۔ دوسرا: حقوق العباد، وہ بھی جب تک چکائے نہ جائیں یا معافی حاصل نہ کر لی جائے بخشش نہیں ہو سکتی، پس ایسا شخص تو جنت میں نہیں جائے گا، لیکن اس قسم کا کوئی مانع نہ ہو تو یتیم کی پرورش کرنا دخول جنت کا یقینی سبب ہے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں ایک راوی حَنَش ہے، سلیمان تیمی اس کا یہی نام لیتے تھے، یہ لقب ہے اور نام حسین بن قیس، کنیت ابوعلی اور نسبت الرَحْبِي ہے، یہ راوی محدثین کے نزدیک نہایت ضعیف ہے، تقریب میں اس کو متروک لکھا ہے مگر چونکہ یتیم کی پرورش کے سلسلہ میں متعدد صحیح روایات موجود ہیں اس لئے اس روایت کے ضعف سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہونگے، اور آپؐ نے سبابہ اور وسطی سے اشارہ فرمایا، اور بخاری میں لعان کے بیان میں ہے: وَفُورَجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا: اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ کیا، یہ تفاوت درجات کی طرف اشارہ ہے اور حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

[۱۴-] باب ماجاء في رَحْمَةِ الْيَتِيمِ

[۱۹۱۴-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالِقَانِيُّ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يُحَدِّثُ عَنْ حَنْشٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَبِضَ يَتِيمًا مِنْ بَنِي الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ: أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ النَّبَّةَ، إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ"

وفي الباب: عَنْ مُرَّةَ الْفَهْرِيِّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ. وَحَنْشٌ: هُوَ حُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ، وَهُوَ أَبُو عَلِيٍّ الرَّحْبِيُّ، وَسُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ يَقُولُ: حَنْشٌ؛ وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

[۱۹۱۵-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عِمْرَانَ أَبُو الْقَاسِمِ الْمَكِّيُّ الْقُرَشِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ" وَأَشَارَ بِأَصْبُعَيْهِ، يَعْنِي السَّبَابَةَ وَالْوُسْطَى، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الصَّبِيَّانِ

بچوں پر مہربانی کرنے کا بیان

حدیث (۱): ایک بوڑھا شخص نبی ﷺ کی مجلس میں شرکت کے لئے آیا، اہل مجلس نے اس کو جگہ دینے میں دیر کی، تو نبی ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقَرْ كَبِيرَنَا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی ذرّی بن عبد اللہ از دی بصری ضعیف ہے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ان کے علاوہ سے بھی نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتا ہے، مگر یہ حدیث آگے دوسری صحیح سند سے آرہی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا: ہم میں سے نہیں وہ شخص جو ہمارے چھوٹے پر مہربانی نہ کرے اور ہمارے بڑے کی بزرگی نہ پہچانے (يعرف سے پہلے پوشیدہ ہے) حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُوقَرْ كَبِيرَنَا، وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے اور بھلی بات کا حکم نہ دے اور بری بات سے نہ روکے۔

تشریح: یہ آخری دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان روایات میں جو لیس منا آیا اس کا مطلب بعض حضرات نے لیس من سُنِّدَنَا بیان کیا ہے، یعنی لیس منْ أَدَبْنَا، یعنی وہ شخص ہمارے طریقہ پر نہیں، ہماری شائستہ تہذیب پر نہیں، مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ اس پر نکیر کیا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے: بئس هذا القول! یہ بہت غلط مطلب ہے اور وہ لیس منا کی تفسیر: لیس مثلنا کرتے تھے یعنی وہ ہم مسلمانوں جیسا نہیں، اور مصری نسخہ میں ہے: لیس منْ مِلَّتْنَا: یعنی وہ ہماری ملت میں سے نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ حدیث کی کوئی تاویل نہ کی جائے، زجر و توبخ کا مقصد اسی صورت میں حاصل ہوگا اور یہ درحقیقت ایک محاورہ ہے، ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

إِنْ كُنْتُ مِنِّي، أَوْ تُرِيدُنِ صُحْبَتِي ﴿﴾ فَكُونِي لَهُ كَالسَّمَنِ رُبْتُ لَهُ الْآدَمَ

شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے: اگر تو میرے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہنا چاہتی ہے یا کم از کم میرے ساتھ نباہ کرنا چاہتی ہے تو اس لڑکے کے لئے اس گھی کی طرح ہو جا جس کے لئے کپتے میں پہلے شیرہ بھرا گیا ہو، پس جن حضرات نے لیس منْ أَدَبْنَا اور لیس منْ سُنِّدْنَا تفسیر کی ہے وہ بھی کچھ غلط نہیں، مگر اس تفسیر سے بات کا وزن گھٹ جاتا ہے جیسے حدیث میں ہے: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ: اگر کُفْر کی تاویل کی جائے تو بات کا وزن گھٹ جائے گا اور

بغیر تاویل کے بیان کیا جائے تو بات پُر تاثیر رہے گی۔

[۱۵-] باب ماجاء فی رَحْمَةِ الصَّبِيَّانِ

[۱۹۱۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوقٍ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عُيَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ، عَنْ زُرَّيْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: جَاءَ شَيْخٌ بِرَيْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْهُ: أَنْ يُوسَّعُوا لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمَّ بِرَحْمِ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقَرْ كَبِيرَنَا"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي أُمَامَةَ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَزُرَّيْبٌ: لَهُ أَحَادِيثٌ مَنَّا كَثِيرٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَغَيْرِهِ.

[۱۹۱۷-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمَّ بِرَحْمِ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفُ شَرَفَ كَبِيرِنَا"

[۱۹۱۸-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ شَرِيكَ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمَّ بِرَحْمِ صَغِيرَنَا، وَيُوقَرْ كَبِيرَنَا، يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ أَيْضًا.

قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا": لَيْسَ مِنْ سُنَّتِنَا، يَقُولُ: لَيْسَ مِنْ أَدَبِنَا، وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يُذَكِّرُ هَذَا التَّفْسِيرَ [وَيَقُولُ: لَيْسَ مِنَّا: لَيْسَ مِثْلَنَا].

بابُ ماجاء فی رَحْمَةِ النَّاسِ

لوگوں پر مہربانی کرنے کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَمَّ بِرَحْمِ النَّاسِ لَا يَرْحَمُهُ اللَّهُ: جو شخص لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی نہیں کرتے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تُنْزِعُ الرَّحْمَةَ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ: مہربانی نہیں کھینچ لی جاتی مگر بد بخت سے۔

تشریح: دل سے مہربانی نکال لینے کے درجات ہیں اور اسی کے موافق شقاوت کے بھی مراتب ہیں، پس جس قدر مہربانی کا جذبہ گھٹے گا بد بختی بڑھے گی اور جس قدر مہربانی بڑھے گی سعادت بڑھے گی۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، اَرْحَمُوا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مَنْ فِي السَّمَاءِ: مخلوق پر مہربانی کرنے والوں پر نہایت مہربان اللہ مہربانی کرتے ہیں، پس مخلوقات پر مہربانی کرو وہ ہستی تم پر مہربانی کرے گی جو آسمان میں ہے، اور اس کی وجہ ایک دوسری سیف حدیث میں یہ آئی ہے: الْخَلْقُ عِبَالُ اللَّهِ، فَأَحْبَبُ الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِبَالِهِ: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے پس مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند وہ شخص ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے (رواہ الترمذی: مخلوق حدیث ۴۹۹۸)

اور خاص طور پر خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں ارشاد ہے: الرَّحْمُ شَجَنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللَّهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللَّهُ: ناتے کی جڑیں نہایت مہربان اللہ کے ساتھ گتھی ہوئی ہیں، یعنی ایک کا دوسرے سے قریبی تعلق ہے، پس جو ناتے کو جوڑتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ جوڑتے ہیں، اور جو ناتے کو توڑتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے توڑتے ہیں (اس حدیث کی شرح ابھی باب ۹ میں گذر چکی ہے)

[۱۶-] باب ماجاء في رَحْمَةِ النَّاسِ

[۱۹۱۹-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، ثَنَا قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، ثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَمْ يَرْحَمْ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللَّهُ"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي عَمْرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو. [۱۹۲۰-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِبْلَانَ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ، ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: كَتَبَ بِهِ إِلَيَّ مَنْصُورٌ، وَقَرَأْتُهُ عَلَيْهِ، سَمِعَ أَبَا عُثْمَانَ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَأَبُو عُثْمَانَ الَّذِي رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: لَا نَعْرِفُ اسْمَهُ، وَيُقَالُ: هُوَ وَالِدُ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ الَّذِي رَوَى عَنْهُ أَبُو الزِّنَادِ. وَقَدْ رَوَى أَبُو الزِّنَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ حَدِيثٍ.

[۱۹۲۱-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي قَابُوسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، اَرْحَمُوا"

مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، الرَّحِمُ شَجَنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللَّهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللَّهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: دوسری حدیث میں امام شعبہ کہتے ہیں: منصور نے یہ حدیث میرے پاس لکھ کر بھیجی پھر جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے یہ حدیث ان کے سامنے پڑھی، انھوں نے ابو عثمان سے سنا جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ ہیں..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابو عثمان کا نام معلوم نہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ اس موئی کے والد ہیں جن سے ابو الزناد روایت کرتے ہیں، اور ابو الزناد نے عن موسی بن أبی عثمان، عن أبیه، عن أبی هريرة کی سند سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

بَابُ فِي النَّصِيحَةِ

خیر خواہی کا بیان

خیر خواہی یعنی خیر اندیشی، بھلائی چاہنا، بہتری چاہنا، اور باب کی حدیث نہایت اہم ہے، اس کو اسلامی تعلیمات کا چوتھا قرار دیا گیا ہے بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے تو اس کو سارا ہی دین قرار دیا ہے۔ پس طلبہ حدیث غور سے پڑھیں، یاد کریں اور اس پر عمل کریں، اللہ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق دے (آمین)

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: الدِّينُ النَّصِيحَةُ، الدِّينُ النَّصِيحَةُ، الدِّينُ النَّصِيحَةُ: یعنی دین خیر خواہی ہے! دین خیر خواہی ہے! دین خیر خواہی ہے! یہ ارشادِ یزدِ عدل کے قبیل سے ہے، اس میں مبالغہ ہے کہ خیر خواہی دین کا قوام ہے یعنی دین کے وجود اور بقاء کا سامان خیر خواہی ہے۔ اور جب نبی ﷺ کوئی اہم بات جمع میں فرماتے تھے تو تین بار فرماتے تھے، پس جب آپ نے بار بار یہ بات فرمائی تو صحابہ نے پوچھا: لِمَنْ؟ یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول! کس کی خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا: لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِأُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَاقِبَتِهِمُ: اللہ کی، اللہ کی کتاب کی، مسلمانوں کی حکومت کے سربراہوں کی، اور عام مسلمانوں کی۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور مسلم شریف (حدیث ۵۵ کتاب الایمان باب ۲۳) میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ولیرسولہ بھی ہے۔

تشریح: ابواب الصلوٰۃ کے شروع (تحفۃ اللمعی ۱: ۴۳۷) میں یہ بات آئی ہے کہ بعض الفاظ کے نسبتیں بدلنے سے معانی بدلتے ہیں، جیسے صلوٰۃ کے معنی ہیں: انتہائی درجہ کا میلان، پھر نسبتوں کے بدلنے سے اس کے معنی بدلتے ہیں، اللہ کے تعلق سے اس کے معنی ہیں: مہربانی کرنا، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف آخری درجہ کا میلان ”نماز“ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آخری درجہ کا میلان ”دعا“ ہے، اور فرشتوں کے تعلق سے صلوٰۃ کے معنی ”استغفار“ کے ہیں۔

اسی طرح خیر خواہی کی شکلیں نسبت بدلنے سے مختلف ہوتی ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی: اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لانا ہے یعنی اللہ کا وجود تسلیم کرنا، ان کی صفات کو ٹھیک ٹھیک ماننا، ان میں الحاد و کجروی اختیار نہ کرنا، ان کے رب ہونے کو ماننا اور صرف انہی کی بندگی کرنا بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور ان کے احکام کی اطاعت کرنا۔

۲- اللہ کی کتاب (قرآن کریم) کی خیر خواہی: اس کو پڑھنا، اس کو سمجھنا، اس کے معانی میں غور و فکر کرنا، اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور اس کی دعوت کو عام کرنا ہے۔

۳- اللہ کے رسول کے ساتھ خیر خواہی: ان پر ایمان لانا، ان کی تعظیم کرنا، ان سے بے حد محبت کرنا، مگر ان کی شان میں غلو نہ کرنا اور ان کے دین کو چار دانگ عالم پھیلانے کی محنت کرنا ہے۔

۴- امراء کی خیر خواہی: ان کے احکام کو سننا اور تعمیل کرنا، اور ان کا بھی خواہ رہنا اور شدید مجبوری کے علاوہ ان کے خلاف بغاوت نہ کرنا ہے۔

۵- عام مسلمانوں کی خیر خواہی: ان کے فائدے کو سوچنا، ان کو بھلائی پہنچانے کی نیت رکھنا، لوگوں کو دین سکھانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ہے۔

اور یہ صورتیں ہم نے بطور مثال بیان کی ہیں، ان کے علاوہ خیر خواہی کی اور صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

حدیث (۲): حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے تین باتوں پر بیعت کی ہے: (۱) نماز کا اہتمام کرنا (۲) زکوٰۃ ادا کرنا (۳) اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا۔

تشریح: طبرانی میں حضرت جریرؓ کا ایک واقعہ ہے، انھوں نے اپنے مولیٰ کو حکم دیا کہ تین سو درہم میں ایک گھوڑا خرید لاؤ، وہ بازار گیا اور ایک گھوڑے کا سودا کر کے اس کے مالک کو ساتھ لے کر آیا تا کہ حضرت جریرؓ اس کو رقم ادا کریں، حضرت جریرؓ نے گھوڑا دیکھ کر گھوڑے والے سے کہا: تیرا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے کیا تو اس کو چار سو میں بیچتا ہے؟ اس نے خوش ہو کر کہا: جیسی آپ کی مرضی! یعنی اگر آپ چار سو درہم دیں تو مجھے کونسے برے لگیں گے! آپ نے فرمایا: تیرا گھوڑا چار سو سے بھی زیادہ قیمت کا ہے کیا تو اس کو پانچ سو میں بیچتا ہے؟ اس طرح وہ قیمت بڑھاتے ہوئے آٹھ سو تک لے گئے، پھر آٹھ سو میں اس کو خرید لیا، کسی نے حضرت سے عرض کیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ تو تین سو میں بیچنے کے لئے تیار تھا؟ آپؓ نے فرمایا: یا یَعْبُدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عَلَی النَّصِیْح لِکُلِّ مُسْلِمٍ: میں نے نبی ﷺ سے اس پر بیعت کی ہے کہ ہر مسلمان کے لئے بھلائی چاہوں گا، اس شخص کا گھوڑا میرے نزدیک تین سو سے زیادہ قیمت کا تھا، اگر میں تین سو میں خریدتا تو یہ خیر خواہی کے منافی ہوتا، اس لئے اس کے گھوڑے کی جو واقعی قیمت تھی وہ میں نے اس کو دی، اللہ اکبر! خیر خواہی کا کیا جذبہ تھا، اور یہ آخری درجہ کی خیر خواہی ہے۔

[۱۷-] بَابُ فِي النَّصِيحَةِ

[۱۹۲۲-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَيْسَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الَّذِينَ النَّصِيحَةُ" ثَلَاثَ مَرَارٍ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لِمَنْ؟ قَالَ: "لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَتَمِيمِ الدَّارِيِّ، وَجَرِيرٍ، وَحَكِيمِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ، وَثَوْبَانَ.

[۱۹۲۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَارِثٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، وَإِتْيَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنَّصَحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ

مسلمان کی مسلمان پر لطف و مہربانی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ سورۃ الحجرات میں ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ مسلمان سب بھائی ہیں، اور یہ ارشاد آئندہ احکام کی تمہید ہے:

۱- لَا يَخُونُهُ: وہ اس کے ساتھ خیانت نہیں کرتا، خَانَ الشَّيْءُ يَخُونُ خَوْنًا وَخِيَانَةً کے معنی ہیں: خیانت کرنا، غبن کرنا، کمی کرنا، بے ایمانی کرنا۔ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے ساتھ یہ حرکت نہیں کرتا، کیونکہ بھائی بھائی کے ساتھ ایسا نہیں کرتا۔

۲- وَلَا يَكْذِبُهُ: اور اس سے جھوٹ نہیں بولتا، یعنی اس کو خلاف واقعہ خبر نہیں دیتا، کوئی بھی شخص بھائی کے ساتھ اس طرح کی حرکت نہیں کرتا اور اس کو وَلَا يَكْذِبُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو نہیں جھٹلاتا، بلکہ اس کی تصدیق کرتا ہے، جھٹلاتا آدمی اسی کو ہے جس پر اعتماد نہیں ہوتا، اور مسلمان کو مسلمان پر اعتماد ہوتا ہے، اس لئے وہ اس کی تکذیب نہیں کرتا۔

۳- وَلَا يَخْذُلُهُ: اور اس کو سوا نہیں کرتا، یعنی اس کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچ لیتا، اس سے دستبردار نہیں ہو جاتا، اس کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، بلکہ آڑے وقت میں اس کا پشت پناہ بن جاتا ہے، بھائی بھائی کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔

۴- كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ: مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے یعنی اس

کی آبرو، اس کا مال اور اس کا خون یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی نہ آبروریزی کرتا ہے، نہ اس کا مال ہڑپ کر جاتا ہے اور نہ اس کا خون کرتا ہے، کیونکہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو اس طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

۵- التَّقْوَىٰ هُنَا: پرہیزگاری یہاں ہے اور مسلم (حدیث ۲۵۶۳) میں ہے: وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: اور آپؐ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے تین مرتبہ اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا کہ پرہیزگاری کا محل دل ہے، تقویٰ آنکھوں سے نظر نہیں آتا، پس کسی کے ظاہری احوال سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے گویا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، بعض مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ نازیبا برتاؤ کرتے ہیں، اس کی غیبت کرتے ہیں، اور اس کی آبروریزی کرتے ہیں، اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: وہ بڑا بے ایمان ہے، اور بڑا نالائق آدمی ہے، آپؐ نے فرمایا: تم کیا جانو کہ وہ بڑا نالائق ہے، ایمان اور تقویٰ دل میں ہوتا ہے جس کو کوئی نہیں جان سکتا، پس کسی کے ظاہری احوال کی وجہ سے بدگمانی کرنا اور اس کی برائی کرنا جائز نہیں۔

۶- بِحَسَبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْتَفِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ: آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل و حقیر سمجھے، کسی بھی مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں، ایک بھائی دوسرے بھائی کو ایسی نظر سے نہیں دیکھ سکتا، بِحَسَبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ: مبتداء ہے اور ب اس میں زائد ہے اور ان یحتقر خبر ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی طرح ہے، عمارت کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے، یعنی دیواریں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر عمارت مضبوط بنتی ہے اور بخاری کی روایت میں ہے: ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ: پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کیں اور محسوس طور پر سمجھایا کہ اس طرح انیٹیں ایک دوسرے میں گھس کر اور دیواریں ایک دوسرے سے جڑ کر مضبوط ہوتی ہیں۔ پس مسلمان بھی اسی وقت سرخ رو ہو سکتے ہیں جب وہ ایک (نیک) بن جائیں، پوری ملت ایک صالح اکالی بن جائے، تب عزت کا تاج ان کے سر کی زینت بن سکتا ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنْ أَحَدَكُمْ مَرَأةً أُخِيهِ، فَإِنْ رَأَى بِهِ أَدَى، فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ: تم میں سے ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے (جس طرح آئینہ میں چہرے کی برائی اور داغ دھبہ نظر آتا ہے مؤمن کو بھی اپنی برائی خود نظر نہیں آتی، اس کی برائی دوسرے مؤمن کو نظر آتی ہے، اس طرح وہ اس کا آئینہ ہے) پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کو اس سے دور کرے (اس کو مناسب انداز میں بتادے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لے، اور اگر یہ بات دشوار ہو تو اس کے لئے دعائے خیر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ برائی دور کریں)

تشریح: حدیث کا سبق یہ ہے کہ ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ کی طرح ہونا چاہئے، دشمن نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی برائی پھیلائے اور یہ تمنا کرے کہ کاش اس کی خرابیاں بڑھیں، بلکہ جس طرح آئینہ آدمی میں اصلاح

کا جذبہ پیدا کرتا ہے، مسلمان کو بھی چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان میں اصلاح کا جذبہ پیدا کرے۔

[۱۸-] باب ماجاء فی شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ

[۱۹۲۴-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطٍ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ، ثَنَا أَبِي، عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَخُونُهُ، وَلَا يَكْذِبُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ، التَّقْوَى هُنَا، بِحَسَبِ امْرِئٍ مَنِ الشَّرُّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

[۱۹۲۵-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ: يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَأَبِي أَيُّوبَ.

[۱۹۲۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ أَحَدُكُمْ مَرَأَ أَخِيهِ، فَإِنْ رَأَى بِهِ أَدَى فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ" وَيَحْيَى بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ: ضَعْفُهُ شُعْبَةً، وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَنَسٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ

مسلمانوں کی پردہ پوشی کا بیان

یہ باب اور یہ حدیث ابواب الحدود (باب ۳) میں گزر چکے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی دنیا کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور کی تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی بے چینیوں میں سے کوئی بڑی بے چینی دور فرمائیں گے (نَفْسَ عَنْهُ كُفْرَتَهُ: غم و تکلیف دور کرنا، دل کو تسلی و سکون بخشنا، کُفْرَتَهُ، اِیْ هُمْ: فکر، پریشانی، جمع کُفْرَتٍ) اور جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا: اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائیں گے (تنگ دست پر آسانی کرنا یہ ہے کہ اس کا قرضہ معاف کر دے، یا مہلت دے) اور جو دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے (پردہ پوشی یعنی اس کے عیوب کو چھپانا، ان کو ظاہر نہ کرنا) اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جب

تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے (یعنی وہ کسی مسلمان کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا کام بناتے ہیں) امام اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں: حَدَّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ: بَيَانُ كَيْفَ كَانُوا فِي الْبُوصَالِ مِنْ رِوَايَةِ كَرْتِ هُوَ، اس سے معلوم ہوا کہ اعمش اور ابوصالح کے درمیان کوئی واسطہ ہے اور آگے ابووانہ کہتے ہیں: عَنْ أَبِي صَالِحٍ يَعْنِي دَرْمِيَانَ فِي كَوْنِ وَاسِطَةٍ بَيْنَهُمَا، اعمش نے خود یہ حدیث ابوصالح سے سنی ہے، پس تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اعمش نے یہ حدیث واسطہ سے سنی ہوگی، پھر جب ان سے ملاقات ہوئی ہوگی تو ان سے بلا واسطہ بھی سنی ہوگی۔

[۱۹۰] باب ماجاء في السُّنَنِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ

[۱۹۲۷] - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَصْبَاطٍ الْقُرَشِيُّ، ثَنَا أَبِي، ثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ نَفَسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا: نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ فِي الدُّنْيَا: يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا: سَتَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ"

وفي الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى أَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ: حَدَّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ.

بابُ ماجاء في الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ

مسلمان کی آبرو بچانا

ذَبَّ عَنْهُ: دفع کرنا، بچانا، ہٹانا، اور المسلم سے پہلے عرض پوشیدہ ہے، یعنی مسلمان کی آبرو پر کوئی حرف آرہا ہو تو اس کی مدافعت کرنا۔

حدیث: نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ: رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: جس نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو سے پھیرا یعنی اس کی آبرو بچائی مثلاً کوئی شخص اس کی غیبت کر رہا تھا، اس کو روکا تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے قیامت کے دن دوزخ کی آگ پھیر دیں گے (کیونکہ جزاء جنس عمل سے ہوتی ہے، بندے نے مسلمان بھائی کی آبرو بچائی تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے بچائیں گے)

تشریح: باب میں حضرت اسماء بنت یزید کی روایت کا حوالہ ہے، جو بیہوشی کی شعب الایمان میں ہے اس سے

اس حدیث کی وضاحت ہوتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ أَخِيهِ بِالْمَغِيبَةِ: كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ: جس نے اپنے بھائی کے گوشت سے پیٹھ پیچھے بٹایا یعنی غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکا تو اللہ تعالیٰ پر یہ بات ثابت ہے کہ وہ اس کو دوزخ سے رستگاری دیں (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۸۱)

[۲۰-] باب ماجاء في الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ

[۱۹۲۸-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ النَّهْشَلِيِّ، عَنْ مَرْزُوقِ أَبِي بَكْرٍ النَّيْمِيِّ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ رَدَّ عَنْ عَرَضِ أَخِيهِ: رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

باب ماجاء في كَرَاهِيَةِ الْهَجْرِ لِلْمُسْلِمِ

مسلمان سے ترک تعلقات کی ممانعت

ہَجْر: باب نصر کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: الگ ہونا، دور ہونا اور مسلمان سے ترک تعلق یہ ہے کہ ملاقات پر ایک دوسرے سے اعراض کرے، جاننا چاہئے کہ معاشرہ میں باہم کسی نہ کسی بات پر ناگواری ہو ہی جاتی ہے، جہاں باسن ہوتے ہیں بجتے ہیں، مگر اس کی تھوڑی دیر کے لئے گنجائش ہے، لمبے عرصہ تک ترک تعلق خرابیاں پیدا کرتا ہے، اور باب میں جو حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تین دن تک ترک تعلق کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ بات چیت بند رکھنا حرام ہے۔

ایک واقعہ: دو چچا زاد بھائیوں میں یعنی حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑا ہوا اور بول چال بند ہو گئی، حقیقت میں دونوں کے نوکروں میں جھگڑا ہوا تھا جو آقاؤں تک پہنچ گیا، تیسرے دن حضرت عبداللہ نے حضرت حسینؑ کو پرچہ لکھا جس میں ان کے فضائل لکھے کہ آپ حضور ﷺ کے نواسے ہیں، آپ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، آپ بڑے باپ کے بیٹے ہیں، اور آپ علم و فضل میں بڑھے ہوئے ہیں، پھر لکھا کہ ہمارے درمیان بول چال بند ہے اور حدیث میں ہے کہ تین دن سے زیادہ بول چال بند نہیں رہنی چاہئے، آج تیسرا دن ہے، میں آپ کو موقعہ دیتا ہوں: آپ آکر مجھ سے معافی مانگیں، میں معاف کر دوں گا، اور ہماری بول چال شروع ہو جائے گی، کیونکہ معافی مانگنا بھی ایک فضیلت ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ فضیلت بھی آپ کو حاصل ہو، اور اگر آپ اس کے لئے تیار نہیں تو میں معافی مانگنے کے لئے آ رہا ہوں، جب یہ پرچہ حضرت حسینؑ کو پہنچا تو فرمایا: میری چادر لاؤ، اور فوراً حضرت عبداللہ کے پاس گئے اور معافی مانگی اور دونوں کے دل صاف ہو گئے۔ اس واقعہ میں ان لوگوں

کے لئے بڑا سبق ہے جن میں کوئی نزاع ہو جائے، اور بات چیت بند ہو جائے۔

فائدہ: خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ باپ اپنی اولاد سے اور شوہر اپنی بیوی سے اور اس کے مانند لوگ مثلاً استاذ اپنے شاگرد سے تین دن سے زیادہ ناراض رہ سکتا ہے، اور دلیل وہ حدیث ہے جو جلد اول (ص: ۸۶) میں گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک مہینہ کے لئے ترکِ تعلق کیا تھا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کے درمیان ترکِ تعلق سادہ معاملہ ہوتا ہے اور وہ کسی کدروت کا نتیجہ ہوتا ہے، اور مذکورہ صورتوں میں باپ، شوہر اور استاذ کے پیشِ نظر اولاد، بیوی اور شاگرد کی تربیت بھی ہوتی ہے، اور ضروری نہیں کہ تین دن میں ماتحت کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، اس لئے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کی گنجائش ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کے درمیان جب اس قسم کا معاملہ پیش آتا ہے اور بہت دنوں تک بات چیت بند رہتی ہے تو بات بگڑتی چلی جاتی ہے اور باپ اور اولاد کے درمیان اور شوہر اور بیوی کے درمیان اور استاذ اور شاگرد کے درمیان جب اس قسم کا معاملہ پیش آتا ہے تو معاملہ بگڑنے کا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ ان کو ہر حال میں ایک ساتھ رہنا ہے، اس لئے تین دین سے زیادہ ترکِ تعلق کی گنجائش ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ: کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کرے۔ يَلْتَقِيَانِ: فَيَصُدُّ هَذَا، وَيَصُدُّ هَذَا: دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں: پس یہ اعراض کرتا ہے اور وہ اعراض کرتا ہے، یہ ترکِ تعلق کی نشانی ہے اور اگر اتفاق سے بہت دنوں تک ملاقات نہ ہو تو وہ ترکِ تعلق نہیں۔ وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ: اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے، یعنی تعلقات بحال کرنے میں پہل کرے اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جیسے پہلے تعلقات تھے ویسے ہو جانے ضروری نہیں، سلام کلام شروع ہو جانا چاہئے، اتنی بات کافی ہے۔

[۲۱]- باب ماجاء في كراهية الهجر للمسلم

[۱۹۲۹]- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، ح: وَثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، يَلْتَقِيَانِ: فَيَصُدُّ هَذَا وَیَصُدُّ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَهَشَامِ بْنِ عَامِرٍ، وَأَبِي هِنْدٍ الدَّارِيِّ؛ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی مَوَاسَاةِ الْأَخ

مسلمان کی غم خواری کرنا

مواسات: غم خواری کرنا، شریک غم ہونا، تسلی دینا۔ اور آسَی فَلَانًا بمَالِهِ کے معنی ہیں: اپنے مال میں سے دینا، اور اپنے مال میں برابر کا شریک کرنا، باب میں دونوں معنی مراد ہیں اور حدیث کا باب سے تعلق دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے، اور پہلے معنی استدلال سے ثابت ہو گئے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو نبی ﷺ نے ان کو اور حضرت سعد بن الربیع کو بھائی بھائی قرار دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو گھر لے گئے اور رات کو عشاء کے بعد دونوں بھائی بیٹھے، حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ سے کہا: آئیں! ہم دونوں میرا مال آدھا آدھا بانٹ لیں، اور میری دو بیویاں ہیں، میں ان میں سے ایک کو طلاق دوں، جب اس کی عدت گزر جائے تو آپ اس سے نکاح کر لیں، حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنے بھائی کو دعویٰ: بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ: اللہ آپ کی فیملی میں اور آپ کے مال میں برکت فرمائیں یعنی حضرت عبدالرحمنؓ نے بھائی کی پیش کش قبول نہیں کی، پھر دونوں بھائی سو گئے، صبح حضرت عبدالرحمنؓ نے پوچھا: مدینہ کی مارکیٹ کہاں ہے؟ میری راہنمائی کرو، لوگوں نے ان کی رہنمائی کی، وہ بازار گئے اور بغیر سرمایہ کے کاروبار شروع کیا، جب وہ شام کو گھر لوٹے تو اپنے ساتھ کچھ پیسہ اور گھی لائے، یہ انھوں نے دن بھر کے کاروبار میں سے بچا لیا تھا یعنی اتنا نفع ہوا تھا، چند دن کے بعد نبی ﷺ نے ان کے کپڑوں پر صفحہ کا اثر دیکھا، یہ ایک زانی خوشبو تھی اور اس آدمی کے کپڑوں پر اس کا اثر ہوتا تھا جس کی بیوی ہو، اور حضرت عبدالرحمنؓ رضی اللہ عنہ ابھی ہجرت کر کے آئے تھے، ان کی بیوی نہیں تھی، چنانچہ آپ کو حیرت ہوئی اور آپؐ نے پوچھا: مَهَيْمَ: یہ کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمنؓ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی ہے (یہاں سے آگے حدیث ۱۲۹:۱ پر گزر چکی ہے) نبی ﷺ نے پوچھا: کیا مہر دیا؟ انھوں نے عرض کیا: ایک گھٹلی، حدیث کے راوی حمید طویل کہتے ہیں: یا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سونے کی گھٹلی کا وزن (اس کی تشریح تحفة الألمعی کتاب النکاح باب ۱۰، ۵۱۲:۳ میں گزر چکی ہے) پس حضور ﷺ نے فرمایا: أَوْلِمُوا لَوْ بِشَاقٍ: ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری کا ہو (یہ لو تقلیل کے لئے ہے یا تمشیر کے لئے؟ ہندوستان کے احوال کے اعتبار سے تمشیر کے لئے ہے ہم لوگ چڑیا شکار کرتے ہیں تو سارے محلے کی دعوت کرتے ہیں اور عربوں کے اعتبار سے تقلیل کے لئے ہے، عرب بیس آدمیوں کے درمیان ایک بکری ذبح کرتے ہیں)

[۲۲-] باب ماجاء فی مَوَاسَاةِ الْأَخِ

[۱۹۳۰-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِينَةَ، آخَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، فَقَالَ لَهُ: هَلُمُّ أَقَاسِمَكَ مَالِي نَصْفَيْنِ، وَلِيْ أَمْرَاتَانِ، فَأُطْلُقُ إِحْدَاهُمَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَرَوُجَّهَ، فَقَالَ: بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ! دُلُونِي عَلَى السُّوقِ، فَدَلُّوهُ عَلَى السُّوقِ، فَمَا رَجَعَ يَوْمَئِذٍ إِلَّا وَمَعَهُ شَيْءٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ، قَدْ اسْتَفْضَلَهُ، فَرَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ، وَعَلَيْهِ وَضْرُ صُفْرَةٍ، فَقَالَ: "مَهْمِيمٌ؟" فَقَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: "فَمَا أَصْدَقْتَهَا؟" قَالَ: نَوَاقٍ، قَالَ حُمَيْدٌ، أَوْ قَالَ: وَزْنُ نَوَاقٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: "أَوْ لِمَ وَلَوْ بِشَاةٍ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: وَزْنُ نَوَاقٍ مِنْ ذَهَبٍ: وَزْنُ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمٍ وَثُلُثٍ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: وَزْنُ نَوَاقٍ مِنْ ذَهَبٍ: وَزْنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمٍ، أَخْبَرَنِي بِذَلِكَ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، وَإِسْحَاقُ.

بابُ ماجاء فی الْغِيبَةِ

غیبت کا بیان

کتاب الصوم (باب ۱۶) میں روزہ دار کی غیبت کا بیان آیا ہے، وہاں غیبت کی تفصیل بھی آئی ہے۔ یہاں حدیث میں غیبت کی تعریف ہے: لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ذِکْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ تِیرا اپنے بھائی کا تذکرہ کرنا ایسی بات کے ذریعہ جو اسے ناگوار ہو (خواہ یہ تذکرہ لفظوں سے ہو یا اشارہ سے، سب غیبت میں شامل ہے) سائل نے پوچھا: اگر میرے دینی بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ یعنی اگر اس کے کسی واقعی عیب کو بیان کروں تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَابْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهْتَهُ: اگر اس میں وہ بات ہے جو آپ بیان کر رہے ہیں تو آپ نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں تو آپ نے اس پر بہتان باندھا۔

تشریح: غیبت نہایت بری چیز ہے، اس کی قباحت و شامت اس درجہ کی ہے کہ قرآن کریم نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حرمت بیان کی ہے۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۲ میں ہے: ﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے ﴿يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا، فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند

کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تو تم برا سمجھتے ہو! (پھر غیبت کیوں کرتے ہو؟ غیبت بھی تو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے!) ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہیں۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: محقق یہ ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے، البتہ جس سے بہت کم تاؤ ڈی ہو وہ صغیرہ ہو سکتا ہے اور بلا اضطرار غیبت سننا مثل غیبت کرنے کے ممنوع ہے۔

غیبت کا جواز: اور علماء نے بیان کیا ہے کہ چھ صورتوں میں غیبت جائز ہے۔ پہلی صورت: مظلوم کے لئے جائز ہے کہ بادشاہ، قاضی یا ایسے شخص سے ظلم کا شکوہ کرے جس سے فریاد رسی کی امید ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے مگر مظلوم مستثنیٰ ہے“ (النساء آیت ۱۲۸) یعنی مظلوم اگر ظالم کے خلاف حرف شکایت زبان پر لائے تو جائز ہے۔

دوسری صورت: کسی امر منکر میں تبدیلی اور نافرمان کوراہ راست پر لانے کے لئے کسی سے مدد طلب کرنے کے لئے برائی کرے تو جائز ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو عبد اللہ بن ابی منافق کی وہ دو باتیں پہنچائی تھیں جو سورۃ المنافقین آیات ۷ و ۸ میں مذکور ہیں (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۲) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حنین کی غنیمت کی تقسیم میں انصار کی بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچائی تھی (بخاری حدیث ۳۱۵۰) تیسری صورت: فتویٰ حاصل کرنے کے لئے کسی کی غیبت کرنی پڑے تو جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہندہؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو میرے اور میری اولاد کے لئے کافی ہوالی آخرہ (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۳)

چوتھی صورت: مسلمانوں کو شر سے بچانے کے لئے کسی کی برائی کرنی پڑے تو جائز ہے، جیسے ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا: آنے دو، قبیلہ کا برا آدمی ہے (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۲۹) اور جیسے ضعیف راویوں پر جرح کرنا اور جیسے نبی ﷺ کا یہ ارشاد: ”معاویہ تو کنگال ہیں، ان کے پاس کچھ نہیں، اور ابوالجہم کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے“ (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۱)

پانچویں صورت: جو شخص کھلے عام فسق و فجور میں مبتلا ہو، لوگوں کو اس سے متفر کرنے کے لئے اس کی برائی کرنا جائز ہے، جیسے نبی ﷺ نے دو منافقوں کے بارے میں فرمایا: ”میں نہیں خیال کرتا کہ فلاں اور فلاں ہمارے دین سے کچھ بھی جانتے ہوں!“ (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۰)

چھٹی صورت: کسی کا کوئی ایسا لقب ہو جس میں برائی ہو تو پہچان کے لئے اس کا تذکرہ جائز ہے، جیسے اعمش (چندھیا) اور اعرج (لنگڑا) وغیرہ (رحمۃ اللہ: ۵۷۸)

[۲۳-] باب ماجاء فی الغیبة

[۱۹۳۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْغَيْبَةُ؟ قَالَ: "ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ" قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ؟ قَالَ: "إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَابَتْهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَّتْهُ" وفي الباب: عَنْ أَبِي بَرْزَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی الحسد

حسد کا بیان

حسد کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور مجازی:

حقیقی حسد: کسی کی خوش حالی اور نصیبہ وری پر جلنا، اور یہ تمنا کرنا کہ اس کی نعمت اور خوش حالی ختم ہو جائے، خواہ وہ نعمت حاسد کو ملے یا نہ ملے، بہر حال محسود کے پاس نہ رہے، یہ حسد بہ اجماع امت حرام ہے، اور اس کی حرمت صحیح اور صریح نصوص سے ثابت ہے، اور اس میں کوئی استثناء نہیں۔

مجازی حسد: جس کا دوسرا نام غبط اور رشک بھی ہے یعنی یہ آرزو کرنا کہ دوسرے کو جو نعمت حاصل ہے وہ اسے بھی مل جائے۔ یہ مجازی حسد: اگر دنیوی امور میں ہے تو جائز ہے، اور عبادات میں ہے تو مستحب (پسندیدہ) ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾ [التفہیف ۲۶] یعنی حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہئے، تنافس: کسی کو نقصان پہنچائے بغیر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، پس نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا مامور بہ ہے اور آیت پاک میں یہ ارشاد ہے کہ جسے ریس کا شوق ہو — اور یہ شوق ہر شخص میں ہوتا ہے — وہ آئے اور جنت کی نعمتیں حاصل کرنے میں ریس کرے۔

باب کی پہلی حدیث میں حسد کی پہلی قسم کا بیان ہے، اور دوسری حدیث میں دوسری قسم کا:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے چھ احکام بیان فرمائے:

۱- لَا تَقَاطَعُوا: ایک دوسرے سے بے تعلق مت ہو جاؤ، یعنی آپس کی ملاقاتیں بند مت کرو، تَقَاطَعَ الْقَوْمُ کے معنی ہیں: لوگوں نے باہم تعلقات ترک کر لئے، ایک دوسرے سے دل میلے ہو گئے اور انھوں نے ملنا جلنا بند کر دیا، ایسا کرنا فساد ذات البین کا پیش خیمہ ہے۔

۲- وَلَا تَدَابَرُوا: اور باہم قطع تعلق مت کرو، الدُّبُرُ کے معنی ہیں: پیٹھ اور باب تفاعل میں معنی ہیں: ایک

دوسرے کی طرف پیٹھ پھیرنا یعنی جب ملنے کا موقع آئے تو ہر ایک دوسرے کی طرف منہ کرنے کے بجائے پیٹھ کرے، پس تقاطع اور تدابر کے معنی قریب قریب ہیں، البتہ تدابر کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

۳- وَلَا تَبَاغَضُوا: اور ایک دوسرے سے بغض و دشمنی مت رکھو یعنی ایک دوسرے سے شدید نفرت مت کرو، بغض کے معنی: نفرت اور دشمنی کے ہیں، پس تباعض کا درجہ تدابر سے بڑھا ہوا ہے۔

۴- وَلَا تَحَاسَدُوا: اور (دشمنی کی وجہ سے) ایک دوسرے پر مت جلو، اس کی خوش حالی اور نصیبہ وری کے زوال کی تمنا مت کرو، پس تحاسد کا درجہ تباعض سے بھی اوپر ہے اور یہ آخری درجہ ہے، اس کے بعد جو کچھ ہو سکتا ہے (جادو کرنا، قتل کرنا وغیرہ) اس سے اللہ کی پناہ!

۵- وَتَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا: اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، یہ حکم مثبت پہلو سے دیا تاکہ مذکورہ چار خرابیاں وجود میں نہ آئیں، اور بھائی کیونکر بنیں؟ اس کا طریقہ بھی ساتھ ہی بتا دیا کہ تم سب اللہ کے بندے ہو، جس کو جو خوبی اور نعمت ملی ہے وہ اللہ کی طرف سے ملی ہے، پھر ایک دوسرے پر جلنے کے کیا معنی؟ اس بات کا اگر آدمی صحیح ادراک کر لے تو آپس کے سارے خرنشے ختم ہو جائیں اور سب مسلمان بھائی بھائی بن جائیں۔

علاوہ ازیں: باہمی الفت و محبت پیدا کرنے کے اور بھی طریقے ہیں، ابھی حدیث گذری ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، اگر ہر شخص دوسرے کا خیر خواہ بن جائے تو خود بخود محبت پیدا ہوگی..... اور مسلم شریف کی روایت ہے: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اس کو کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ سلام کو آپس میں رواج دو (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۳۱)

۶- وَلَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ: اور مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ بے تعلق رہے، یہ منفی پہلو سے حکم دیا تاکہ مذکورہ چار خرابیاں وجود میں نہ آئیں، کچھ دیر رنجش تو ایک معاشرتی ضرورت ہے اور تین دن کافی مدت ہے، اتنے دنوں میں جوش تھم جاتا ہے، پس تین دن کے اندر صفائی ہو جانی چاہئے تاکہ بات آگے نہ بڑھے۔

دوسری حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: حسد نہیں مگر دو باتوں میں، رجلٌ آتاه الله مالا فهو يُنْفِقُ منه آتاء الليل و آتاء النهار: ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، پس وہ اس سے رات کی گھڑیوں میں اور دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہو، ورجلٌ آتاه الله القرآن، فهو يقوم به آتاء الليل و آتاء النهار: دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو یعنی وہ حافظ ہو، پس وہ اس کے ذریعہ رات کی گھڑیوں میں اور دن کی گھڑیوں میں نقلیں پڑھتا ہو۔

تشریح: اس حدیث میں حسد: مجازی معنی میں ہے یعنی ان دو شخصوں پر رشک کرنا چاہئے، اور ان دو کاموں (انفاق اور نوافل) سے مراد تمام دینی کام اور عبادات ہیں، اور ان دو باتوں کا تذکرہ بطور مثال ہے، اور دنیوی امور

میں رشک محض مباح ہے، اس لئے اس کی کچھ ترغیب نہیں دی، لاحسد میں ترغیب ہے کہ دینی کاموں میں ایک دوسرے کی ریس کرو۔

[۲۷-] باب ماجاء فی الحسد

[۱۹۳۲-] حدثنا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ الْعَطَّارُ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقَاطَعُوا، وَلَا تَدَابِرُوا، وَلَا تَبَاغُضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي بَكْرِ الصَّدِّيقِ، وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، وَابْنِ عُمَرَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

[۱۹۳۳-] حدثنا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٍ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا، فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آتَاءَ اللَّيْلِ وَآتَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٍ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آتَاءَ اللَّيْلِ وَآتَاءَ النَّهَارِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا.

وضاحت: فی اثنتین: دو باتوں میں.....رجل: ای فی خصلۃ رجل.....الآناء کا واحدائی ہے.....اور رجل پر دونوں جگہ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔

باب ماجاء فی التباعد

ایک دوسرے سے عداوت رکھنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيْسَ أَنْ يُعْبَدَهُ الْمُصَلُّونَ: شیطان بالیقین اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ نمازی بندے اس کی بندگی کریں، ولكن فی التَّحْرِيسِ بَيْنَهُمَا البتہ وہ نمازی بندوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے میں لگا ہوا ہے اور وہ امید باندھے ہوئے ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جائے گا۔

تشریح: حدیث کے پہلے جملہ میں: المسلمون یا المؤمنون فرمانے کے بجائے المصلون فرمایا یعنی شیطان نمازی بندوں سے مایوس ہو گیا ہے کہ وہ اس کی پوجا کریں، یعنی مرتد ہو کر شرک کی طرف پلٹ جائیں۔ اس

میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو پابندی سے نماز پڑھتا ہے وہ ان شاء اللہ! ارتداد سے محفوظ رہے گا، حج کی بھی یہی خاصیت ہے، جو حج کر لیتا ہے وہ ارتداد سے محفوظ ہو جاتا ہے، ابواب الحج کے شروع (باب ۳) میں یہ روایت آئی ہے کہ جو شخص زاد و راحلہ کا مالک ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو، پھر بھی حج نہ کرے تو وہ یہودی یا نصرانی ہو کر کیوں نہیں مرتا! یعنی اگر وہ ارتداد کا شکار ہو جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! اور مشاہدہ بھی یہی ہے، جو لوگ نماز کے پابند ہیں ان کے ارتداد کا کوئی واقعہ سننے میں نہیں آیا، اور جو مسلمان تارکِ صلوٰۃ ہیں ان کے ارتداد کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، پس مسلمانوں کو نماز کا اہتمام کرنا چاہئے اور وسعت ہو تو حج بھی کرنا چاہئے۔

اور حدیث کا باب سے تعلق اس طرح قائم ہوگا کہ جب شیطان نمازیوں کو آپس میں لڑانے کی امید باندھے ہوئے ہے تو وہ پہلے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرے گا، پھر بغض یعنی ایک دوسرے سے شدید نفرت اور دشمنی پیدا کرے گا، پھر تلواریں نکلیں گی پس شیطان کو اس سے بھی مایوس کرنے کے لئے مسلمانوں کو آپسی نفرت و عداوت سے بچنا چاہئے، تاکہ شیطان کی مراد پوری نہ ہو۔

[۲۵-] باب ماجاء فی التَّبَاغُضِ

[۱۹۳۴-] حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سَفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيْسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ، وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَنَسٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْأَخْوَصِ، عَنْ أَبِيهِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَأَبُو سَفْيَانَ: اسْمُهُ طَلْحَةُ بْنُ نَافِعٍ.

وضاحت: اَيْسَ يَيْتَسُ اَيْسًا وَاِيَّاسًا: ناامید ہونا، مایوس ہونا..... اُن سے پہلے مَن پوشیدہ ہے..... التَّحْرِيشُ: شراٹگیری، فتنہ پروری، حَرَشٌ بین القوم: لڑائی کرانا، ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا۔

بابُ ماجاء فی إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

لوگوں کے درمیان تعلقات سنوارنا

باب میں لفظ ذات زائد ہے، اور بین ظرف مبہم ہے، اس کی دو اسموں کی طرف اضافت ہوتی ہے جیسے: جَلَسْتُ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو، اور کبھی ایک ایسے اسم کی طرف اضافت ہوتی ہے جو دو اسموں کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسے بَيْنَ ذَلِكَ أَوْ بَيْنَهُمَا، اور کبھی مضاف الیہ کے عوض میں بَيْنَ پر الف لام لاتے ہیں اس وقت لفظ ذات زائد بڑھاتے ہیں، جیسے إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ۔

اگر پوری احتیاط کے باوجود معاشرہ میں آگ لگ جائے تو عقلمندی کی بات یہ ہے کہ ہر شخص اس کو بجھانے کی فکر کرے یعنی اگر لوگوں میں نزاع ہو جائے یا دو شخصوں کے معاملات بگڑ جائیں تو سمجھ داروں کو دونوں کے بیچ میں پڑنا چاہئے، اور صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہئے، ورنہ آگ بڑھ کر ساری بستی کو لپیٹ میں لے لیگی، دو کا اختلاف کہاں تک بڑھے گا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے قرآن کریم میں میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں صلح کی تلقین کی ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۲۸) میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ یعنی نزاع سے صلح بہتر ہے، اور احادیث شریفہ میں اس مقصد سے کذب کی بھی اجازت دی ہے، اگرچہ کذب حرام ہے، اور علماء میں اس کے جواز میں اختلاف ہے، مگر باب میں جو دو حدیثیں ہیں (ایک: اسماء بنت یزید کی، دوسری: ام کلثوم بنت عقبہ کی) ان میں کذب کی اجازت دی گئی ہے، یہ اجازت مقصد کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، یعنی اصلاح ذات البین اتنا اہم مقصد ہے کہ اس کے لئے ایک محذور شرعی کا بھی ارتکاب کیا جاسکتا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَحِلُّ الْكَذْبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: جھوٹ جائز نہیں مگر تین باتوں میں: (۱) يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِئَوْصِيَّهَا: آدمی اپنی بیوی کو پٹانے کے لئے اس سے کوئی (جھوٹی) بات کہے (۲) وَالْكَذْبُ فِي الْحَوْبِ: اور جنگ کے موقع پر جھوٹ بولنا (۳) وَالْكَذْبُ لِيُصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ: اور لوگوں کے درمیان تعلقات سنوارنے کے لئے جھوٹ بولنا۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ محمد بن بشار نے لایَحِلُّ کہا ہے اور ان کے دوسرے استاذ محمود بن غیلان نے لَا يَصْلَحُ کہا ہے، یعنی جھوٹ مناسب نہیں مگر تین باتوں میں۔ اور یہ حدیث عبد اللہ بن عثمان بن خثیم کی سند سے متصل ہے وہ سند کے آخر میں حضرت اسماءؓ کا ذکر کرتے ہیں اور شہر بن حوشب کے دوسرے شاگرد داؤد بن ابی ہند کی سند سے مرسل ہے یعنی وہ آخر میں حضرت اسماءؓ کا ذکر نہیں کرتے۔ پس حدیث کے وصل وارسال میں اختلاف ہوا، یہ حدیث میں دوسری خرابی ہوئی، اور ان دونوں باتوں کا کہ حدیث میں لَا يَحِلُّ ہے یا لَا يَصْلَحُ؟ اور حدیث مسند ہے یا مرسل؟ ان دونوں باتوں کا استدلال پر اثر پڑے گا کہ صریح جھوٹ جائز ہے یا نہیں؟ اور باب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جو حوالہ ہے وہ حدیث معلوم نہیں کس کتاب میں ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ، فَقَالَ خَيْرًا، أَوْ نَمًا خَيْرًا: وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان معاملات کو سنوارتا ہے، پس وہ کوئی بھلی بات کہتا ہے یا وہ کوئی بھلی بات منسوب کرتا ہے، نما الحدیث کے معنی ہیں: حدیث کی سند بیان کرنا، اور درست طریقہ پر اسے نقل کرنا اور کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرنا، یہاں فریقین میں سے کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرنا مراد ہے۔

تشریح: دونوں حدیثوں کی باب پر دلالت واضح ہے، اصلاح ذات البین کی اس درجہ اہمیت ہے کہ اس کے

لئے کذب کی بھی گنجائش ہے، مگر علماء کے درمیان اس میں شدید اختلاف ہے کہ اس مقصد سے بھی صریح جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ پہلا اختلاف اس میں ہوا ہے کہ کذب کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ کذب کی حقیقت و ماہیت:

مختصر المعانی (فن اول کا شروع بعنوان تنبیہ) میں آپ نے اس سلسلہ میں اختلاف پڑھا ہے، جمہور کہتے ہیں: صدق (سچ) یہ ہے کہ نسبت کلامی اور نسبت واقعی میں اتحاد ہو، اور کذب (جھوٹ) یہ ہے کہ دونوں میں اختلاف ہو، جیسے کہا کہ ”زید کھڑا ہے“ اس میں نسبت ایجابی ہے، پس اگر خارج میں بھی زید کھڑا ہے تو کلام سچا ہے اور اگر خارج میں زید کھڑا نہیں ہے تو کلام جھوٹا ہے، اسی طرح ”زید کھڑا نہیں ہے“ کا معاملہ ہے۔

اور نظام کہتا ہے: اگر نسبت کلامی اور نسبت واقعی میں مطابقت خبر دینے والے کے اعتقاد میں ہے تو کلام سچا ہے اگرچہ وہ اعتقاد غلط ہو، اور اگر مطابقت نہیں ہے تو کلام جھوٹا ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے: ”زید کھڑا ہے“ اور وہ یہی سمجھتا ہے کہ زید کھڑا ہے مگر نفس الامر میں زید کھڑا نہیں ہے تو یہ کلام سچا ہے، اور اگر وہ کہتا ہے کہ زید کھڑا نہیں ہے، اور وہ ایسا ہی سمجھتا ہے کہ زید کھڑا نہیں ہے مگر نفس الامر میں زید کھڑا ہے تو بھی کلام سچا ہے اور اگر کوئی کہتا ہے: زید کھڑا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ کھڑا نہیں ہے مگر خارج میں کھڑا ہے تو یہ کلام جھوٹا ہے، کیونکہ نسبت کلامیہ اور نسبت خارجیہ اگرچہ واقع میں مطابق ہیں مگر خبر دینے والے کے اعتقاد میں مطابق نہیں۔

اور جاحظ: صدق و کذب میں دو باتوں کا اجتماع ضروری قرار دیتے ہیں: ایک: نسبت کلامیہ اور نسبت خارجیہ میں مطابقت یا عدم مطابقت۔ دوم: خبر دینے والے کا اس مطابقت یا عدم مطابقت پر اعتقاد، چنانچہ ان کے نزدیک چار صورتیں ایسی نکلتی ہیں جو نہ سچ ہوتی ہیں نہ جھوٹ، تفصیل مختصر المعانی میں ہے^(۱)

(۱) طلبہ نظام اور جاحظ کی تعریفات میں فرق نہیں کر پاتے اس لئے جاننا چاہئے کہ جمہور کے نزدیک صدق و کذب کی تعریف یہ ہے: صدقُ الخَبَرِ: مطابقته للواقع، و کذبہ: عدم مطابقته للواقع: یعنی اگر نسبت کلامیہ، نسبت واقعیہ کے مطابق ہے تو کلام سچا ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

اور نظام کہتے ہیں: صدقُ الخبر: مطابقته لاغتقاد المخبر، و کذبہ: عدم مطابقته لاغتقاد المخبر: یعنی اگر نسبت کلامیہ خبر دینے والے کے اعتقاد کے ساتھ موافق ہے (چاہے وہ اعتقاد نفس الامر میں غلط ہو) تو وہ کلام سچا ہے، اور اگر نسبت کلامیہ خبر دینے والے کے اعتقاد کے موافق نہیں (اگرچہ یہ موافق نہ ہونا غلط ہو) تو وہ کلام جھوٹا ہے، جیسے کوئی کہے کہ آسمان ہمارے نیچے ہے اور وہ یہی سمجھتا ہے، تو یہ کلام سچا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں سمجھتا تو کلام جھوٹا ہے۔

اور جاحظ کہتے ہیں: صدقُ الخبر: مطابقته للواقع مع اعتقاد المطابق، و کذبہ: عدم مطابقته للواقع مع اعتقاد عدم المطابقة: یعنی نسبت کلامیہ، نسبت واقعیہ کے مطابق بھی ہو اور خبر دینے والا اس کو مطابق بھی سمجھتا ہو تو ←

اور لغت میں کذب دو معنی میں مستعمل ہے، ایک: جھوٹ بولنا، یعنی خلاف واقعہ خبر دینا، دوم: غلطی ہو جانا، خواہ یہ غلطی زبان کرے، گمان کرے، آنکھ کرے، کان کرے یا دل کرے، چنانچہ سورۃ النجم میں ہے: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ دل نے دیکھی ہوئی بات میں کوئی غلطی نہیں کی۔

علاوہ ازیں معراض (جمع معاریض) یعنی تور یہ کو کذب سے خارج کیا گیا ہے، تور یہ میں متکلم کی مراد کے اعتبار سے کلام سچا ہوتا ہے، اور مخاطب کے فہم کے اعتبار سے کلام جھوٹا ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے: إِنَّ فِي الْمَعَارِضِ لَمَنْدُوحَةً عَنِ الْكُذْبِ: یعنی تور یہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جاسکتا ہے، معلوم ہوا کہ تور یہ جھوٹ نہیں ہے۔

تور یہ کے چند واقعات:

۱- ابن جوزی رحمہ اللہ بڑے مقرر تھے، وہ ایک ایسے مجمع میں تقریر کے لئے گئے جس میں شیعہ اور سنی دونوں جمع تھے، کسی نے سوال کیا: حضرت ابو بکر افضل ہیں یا حضرت علی؟ ابن جوزی کے لئے پریشانی کھڑی ہو گئی، اگر حضرت ابو بکرؓ کو افضل کہتے ہیں تو شیعہ ناراض ہو جاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کو افضل کہتے ہیں تو بات خلاف واقعہ بھی ہوتی ہے اور سنی ناراض ہو جاتے ہیں، چنانچہ انھوں نے برجستہ جواب دیا: أَفْضَلُ الصَّحَابَةِ مَنْ كَانَ بِنْتَهُ فِي بَيْتِهِ: صحابہ میں سب سے افضل وہ ہیں جن کی بیٹی ان کے گھر میں ہے، سنیوں نے سمجھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضور اکرم ﷺ کے گھر میں تھیں، پس وہ افضل ہیں اور شیعوں نے سمجھا کہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں، پس وہ افضل ہیں، یوں ابن جوزیؒ نے حکمہ دیدیا۔

۲- اور جب نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سفر ہجرت میں نکلے تو ایک کافر جو حضور اقدس ﷺ کی تلاش میں تھا آپہنچا، وہ حضرت ابو بکرؓ کو پہچانتا تھا اور حضور ﷺ کو نہیں جانتا تھا، اس نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا: رَجُلٌ يَهْدِيَنِي السَّبِيلَ: ایک آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے، حضرت ابو بکر کی مراد یہ تھی کہ یہ ہمارے پیغمبر ہیں، ہمیں دین کی راہ دکھاتے ہیں مگر وہ کافر سمجھا کہ یہ

→ کلام سچا ہے اور اگر نسبت کلامیہ نسبت واقعہ کے مطابق نہ ہو اور خبر دینے والے کا اعتقاد بھی یہی ہو تو وہ کلام جھوٹا ہے، پس چار شکلیں ایسی نکلیں گی کہ کلام نہ سچا ہوگا نہ جھوٹا: (۱) نفس الامر میں دونوں نسبتوں میں مطابقت ہو مگر خبر دینے والے کے اعتقاد میں مطابقت نہ ہو (۲) یا خبر دینے والا خالی الذہن ہو (۳) نفس الامر میں مطابقت نہ ہو مگر خبر دینے والے کے اعتقاد میں مطابقت ہو (۴) یا خبر دینے والا خالی الذہن ہو: تو ان چار صورتوں میں کلام نہ سچا ہوگا نہ جھوٹا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور صرف واقعہ یعنی خارج کے ساتھ نسبت کلامیہ کی موافقت یا عدم موافقت دیکھتے ہیں اور نظام صرف خبر کے اعتقاد کے ساتھ موافقت یا عدم موافقت دیکھتے ہیں اور جا حظ دونوں کے ساتھ موافقت یا عدم موافقت دیکھتے ہیں، امید ہے اب بات طلبہ کی سمجھ میں آجائے گی۔

ابوبکر کے گاندھیں، جس کو وہ راہنمائی کے لئے ساتھ لائے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات:

۱- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی درگت بنائی اور کفار نے ان سے پوچھا: ﴿أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْئَةِ يَا إِبْرَاهِيمُ؟﴾ کیا تم نے ہمارے بتوں کی یہ درگت بنائی ہے اے ابراہیم؟ تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا: ﴿بَلْ فَعَلَهُ﴾ بلکہ کیا ہے اس کو (کسی کرنے والے نے) ﴿كَبِيرُهُمْ هَذَا فَسَلُّوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾ ان کا بڑا یہ ہے، پس ان ٹوٹے ہوؤں سے پوچھو اگر وہ بولتے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ کام کسی کرنے والے نے کیا ہے اور جس نے بھی کیا ہے اس کا ذکر چھوڑو، بذات یہ ہے جس کے گلے میں کلہاڑی لٹک رہی ہے، پس بظاہر اس نے یہ حرکت کی ہے، مگر قوم نے کبیرہم کو فعل کا فاعل بنایا اور یہ سمجھا کہ ابراہیم یہ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے یہ حرکت کی ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مراد نہیں تھی، پس یہ تو یہ ہوا جھوٹ نہیں ہوا۔

۲- اسی طرح جب قوم میلے میں چلی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی چلنے کے لئے کہا تو حضرت نے ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا: ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾: میری طبیعت ناساز (ناموافق) ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف خواہ مخواہ دیکھا تھا اور طبیعت کا ناساز ہونا واقعی تھا، کس کی طبیعت کفار کے میلے میں جانے کے لئے تیار ہوتی ہے! طبیعت کے ناساز ہونے کا یہی مطلب تھا، مگر قوم ستارہ پرست تھی، وہ سمجھی کہ ابراہیم نے ستاروں کے احوال سے جانا ہے کہ وہ بیمار پڑنے والے ہیں، یہ ان کی بھول تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ نہیں بولے تھے۔

۳- اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ نے طلب کیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: میری بہن ہے، کیونکہ بادشاہ شوہر کو قتل کر دیتا تھا، اور دوسرے رشتہ دار سے تعرض نہیں کرتا تھا، اور حضرت کی مراد دینی بہن تھی، نیز حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں، مگر بادشاہ نسبی بہن سمجھا، یہ اس کی غلطی تھی، حضرت نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

مگر بایں ہمہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تین باتوں پر کذب کا اطلاق آیا ہے، فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ دو ٹوک بات کہا کرتے تھے، تو یہ نہیں کیا کرتے تھے، مگر تین موقعوں میں آپ نے تو یہ سے کام لیا ہے، کیونکہ یہ نہایت خطرناک مواقع تھے اور دو ٹوک بات کہنے میں جان کا خطرہ تھا، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ سے کام لیا، کیونکہ تو یہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جاسکتا ہے۔

کذب کے سلسلہ میں علماء کی آراء:

بعض علماء جیسے علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں بحالت مجبوری صریح جھوٹ کے جواز کے قائل ہیں مگر عام

علماء اس کی اجازت نہیں دیتے، درمختار (۳۰۳:۵) میں ہے: الکذب مباح لإحياء حقّه، ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض، لأنّ عَيْنَ الكذب حرام، قال: وهو الحق، قال تعالى: ﴿قَتَلَ الْخَوَاصُّونَ﴾ ترجمہ: (فقہ کی کتاب مجتبیٰ میں ہے کہ) جھوٹ بولنا دو صورتوں میں جائز ہے، ایک: اپنا حق بچانے کے لئے، دوم: اپنی ذات سے ظلم دفع کرنے کے لئے، مگر کذب سے مراد تو یہ ہے، اس لئے کہ صریح جھوٹ حرام ہے، صاحب مجتبیٰ کہتے ہیں: یہی قول برحق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات (آیت ۱۰) میں فرمایا ہے: غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے! اور جھوٹ بے سند بات ہوتی ہے پس وہ کیسے جائز ہو سکتی ہے؟! اس تفصیل کی روشنی میں باب کی حدیثوں کو سمجھنا چاہئے، پہلی حدیث میں ہے کہ جھوٹ جائز نہیں، یا جھوٹ مناسب نہیں، مگر تین صورتوں میں، اس حدیث میں کذب سے صریح جھوٹ مراد ہے یا تو یہ؟ علامہ یعنی رحمہ اللہ کے نزدیک صریح جھوٹ مراد ہے، اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، مگر عام علماء صریح جھوٹ کو جائز نہیں کہتے، صرف تو یہی کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر صریح جھوٹ کی اجازت دیدی جائے گی تو عوام کے دلوں سے جھوٹ کی نفرت ختم ہو جائے گی، اور وہ جھوٹ بولنے پر جری ہو جائیں گے۔ اس لئے عام علماء نے ان حدیثوں میں کذب سے تو یہ مراد لیا ہے۔

اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ جب لفظ کذب صریح جھوٹ کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ عام ہے، غلطی کرنے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اگر دونوں حدیثوں میں کذب کو عام رکھا جائے تو کیا حرج ہے؟ مثلاً آدمی بیوی کو پٹانے کے لئے کہے: جب تنخواہ ملے گی سوٹ لاؤں گا تو یہ ایک وعدہ ہے، اگر وہ اس وعدہ کو وفانہ کرے تو اس کو جھوٹ کیسے کہیں گے؟ یہی حال جنگ میں چال چلنے کا ہے، اور یہی حال لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے کوئی خیر کی بات کہنے کا یا فریق مخالف کی طرف کوئی خیر کی بات منسوب کرنے کا ہے، مثلاً کہا کہ آپ آتش فشاں ہو رہے ہیں اور وہ تو آپ کے لئے دعا کرتا ہے اور اس کی مراد یہ ہو کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہے جس میں یہ بندہ بھی شامل ہے، پس اس میں غلط بات کیا ہوئی؟ پس اس حکمت سے جو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے بات وہی راجح معلوم ہوتی ہے جو درمختار میں ہے کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں مگر اس طرح بات کرنا کہ نہ سانپ بچے نہ لاشی ٹوٹے: جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[۲۶]- باب ماجاء فی إصلاح ذَاتِ الْبَیْنِ

[۱۹۳۵]- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، ثَنَا سُفْيَانُ ح: وَثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غِيلَانَ، ثَنَا بَشْرُ بْنُ السَّرِيِّ، وَأَبُو أَحْمَدَ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ ابْنِ خُنَيْمٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَسْمَاءَ

بْنْتُ يَزِيدَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: يُحَدِّثُ الرَّجُلُ أَمْرَاتَهُ لِيُرْضِيَهُنَّ، وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ، وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ" وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي حَدِيثِهِ: "لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ خُثَيْمٍ، وَرَوَى دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ أَسْمَاءَ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي بَكْرٍ. [۱۹۳۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أُمِّهِ أُمِّ كُثُومٍ بِنْتِ عُقْبَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ، فَقَالَ خَيْرًا، أَوْ نَمَّا خَيْرًا" وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: فی ثلاث: اے فی ثلاث خصال: تین باتوں میں یعنی تین موقعوں پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِيَانَةِ وَالْغِشِّ

امانت خرد برد کرنے اور دھوکہ دینے کا بیان

جن اسباب سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں: ان میں خیانت اور دھوکہ دہی کا اہم کردار ہے، خائن اور دھوکہ باز سے لوگوں کا دل میلا ہو جاتا ہے اور ان کو ایسی اذیت پہنچتی ہے کہ اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا، چنانچہ حدیثوں میں ان دونوں باتوں پر سخت وعید آئی ہے۔ حدیث میں ہے: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ: جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں، اور امانت کی ضد خیانت ہے، پس خیانت کرنے والا بے ایمان ہے، اور حدیث میں ہے: مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا: جو ہمیں (مسلمانوں کو) دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی ملتِ اسلامیہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔

حدیث (۱): نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا:

۱- مَنْ صَارَ صَارَ اللَّهُ بِهِ: جس نے (کسی مسلمان کو) ضرر پہنچایا: اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائیں گے۔ ضَارَّةٌ مُضَارَّةٌ، وَضِرَارًا كَمَا مَعْنَى هِيَ: نقصان پہنچانا۔

۲- وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ: اور جس نے (کسی مسلمان کو) مشقت میں ڈالا: اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں ڈالیں گے (کیونکہ جزاء جنسِ عمل سے ہوتی ہے) اور خیانت اور دھوکہ دہی میں نقصان پہنچایا جاتا ہے اور پریشان کیا جاتا ہے، پس وہ سزا سے بچ نہیں سکتا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرَبَهُ: وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ چال چلے، یعنی کھلے عام یا خفیہ طور پر نقصان پہنچائے بہر صورت وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ: پہلی حدیث کے راوی ابوصرمہ انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور وہ شاعر بھی تھے..... اور ان سے روایت کرنے والی خاتون لؤلؤة انصاری آزاد کردہ ہیں اور مقبول روایہ ہیں..... اور دوسری روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مَرْثَة بن شراحیل ہمدانی روایت کرتے ہیں، یہ لوگوں میں مَرْثَة الطَّيِّب کے نام سے مشہور تھے، مرثہ کے معنی ہیں: کڑوا، اس کے ساتھ لوگوں نے الطیب لگایا تاکہ کڑواہٹ کچھ کم ہو جائے..... اور ابوسلمہ کندی مجہول راوی ہے اور فرقہ سنی لین الحدیث اور کثیر الخطاء ہے، اس لئے حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے۔

[۲۷-] باب ماجاء في الخِيَانَةِ وَالْغِشِّ

[۱۹۳۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ لَوْلُؤَةَ، عَنْ أَبِي صِرْمَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ ضَارَّ ضَارًّا اللَّهُ بِهِ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقًّا اللَّهُ عَلَيْهِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِي بَكْرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

[۱۹۳۸-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ الْعُكْلِيُّ، ثَنَى أَبُو سَلَمَةَ الْكِنْدِيُّ، ثَنَا فَرْقَدُ السَّبَخِيُّ، عَنْ مَرْثَةَ بْنِ شَرَّاحِيلَ الْهَمْدَانِيِّ - وَهُوَ الطَّيِّبُ - عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصَّدِّيقِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا، أَوْ مَكْرَبَهُ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

لغات: خَانَ يَخُونُ خَوْنًا وَخِيَانَةً: خیانت کرنا، امانت خرد برد کرنا، غبن کرنا، بے ایمانی کرنا۔ غَشَّ صَاحِبَهُ (ن) غِشًّا (بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ) دھوکہ دینا، دل میں چھپی ہوئی بات کے خلاف ظاہر کرنا، غیر مفید چیزوں کو مفید بنا کر پیش کرنا، اور غَشَّ الشَّيْءَ کے معنی ہیں: کھوٹ ملانا، ملاوٹ کرنا اور دھوکا دینا۔

بابُ ماجاء في حقِّ الجَوَارِ

حق ہمسائیگی کا بیان

ہم سایہ (پڑوسی) دکھ درد کا ساتھی اور ہنسی خوشی میں شریک ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے پڑوسی کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے، پھر پڑوسی خواہ کوئی ہو، رشتہ دار ہو یا اجنبی، دور کا ہو یا قریب کا، ہم مذہب ہو یا غیر مذہب کا: سب کے ساتھ

حسن سلوک کا حکم دیا ہے، سورۃ النساء (آیت ۳۷) میں ہے: ”اور عبادت کرو اللہ کی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، اور ماں باپ کے ساتھ بہترین سلوک کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ، اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور ہم مجلس کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور غلام باندیوں کے ساتھ“

اور حدیث میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک: وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں: پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق اور مسلمان ہونے کا حق، دوسرا: وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں: پڑوس کا حق اور مسلمان ہونے کا حق، تیسرا: وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے یعنی صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے کیونکہ وہ رشتہ دار ہے نہ مسلمان۔

حدیث (۱): حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے گھر بکری ذبح کی گئی (آپ کہیں باہر تھے) جب گھر لوٹے تو پوچھا: کیا آپ لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ بھیجا ہے؟ کیا آپ لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ بھیجا ہے؟ میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جبریل علیہ السلام برابر مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنائیں گے“

تشریح: جبریل علیہ السلام جو بار بار نبی ﷺ کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتے تھے تو وہ اپنی طرف سے نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرتے تھے، کیونکہ وہ رسول (پیغامبر) تھے، پس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو خیال ہونے لگا کہ شاید آگے چل کر وہ پڑوسی کے وارث ہونے کا حکم لے آئیں۔

یہ حدیث پہلے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، پھر یہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے

اور پڑوسی: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: وہ ہے جس کا گھر ساتھ لگا ہوا ہو، اور صاحبین کے نزدیک: محلہ دار پڑوسی ہے یعنی محلہ کی مسجد کے تمام نمازی پڑوسی ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: ہر جانب سے چالیس گھروں تک پڑوسی ہیں اور صحیح امام اعظم کا قول ہے (در مختار: ۵: ۲۸۳ کتاب الوصایا، باب الوصیۃ للأقارب وغیرہم)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: (سفر کے) ساتھیوں میں اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہو، اور پڑوسیوں میں سے اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے بہتر ہو“ (اور پڑوسی کے لئے بہتر وہ ہے جو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے) اور یہ حدیث پہلے آئی ہے کہ جب تم سالن ترکاری پکاؤ تو پانی بڑھالو، اور اپنے پڑوسی کو بھی چھپو دو چھپو دو، اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میرے دو پڑوسی ہوں (اور دونوں یکساں مرتبے کے ہوں) تو میں ہدیہ کس کو بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: ”جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے قریب ہو“

[۲۸-] باب ماجاء فى حق الجوار

[۱۹۳۹-] حدثنا محمد بن عبد الأعلى، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ شَابُورَ، وَبَشِيرِ أَبِي إِسْمَاعِيلَ، عَنْ مُجَاهِدٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو دُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ فِي أَهْلِهِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: أَهْدَيْتُمْ لَجَارِنَا الْيَهُودِيَّ؟ أَهْدَيْتُمْ لَجَارِنَا الْيَهُودِيَّ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا زَالَ جِبْرِئِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورَّثُهُ"

وفى الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَالْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، وَأَبِي شُرَيْحٍ، وَأَبِي أَمَامَةَ.
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[۱۹۴۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثنا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ - وَهُوَ ابْنُ عَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ - عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا زَالَ جِبْرِئِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورَّثُهُ"

[۱۹۴۱-] حدثنا أحمد بن محمد، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حَيَّوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ شُرَحْبِيلِ بْنِ شَرِيكٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبْلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لَصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لَجَارِهِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَأَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبْلِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ.

باب ماجاء فى الإحسان إلى الخادم

خادم کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان

خادم: (خدمت گار) عام ہے: خواہ نوکر ہو یا رضا کار ہو یا غلام باندی ہو، سب کے ساتھ حسن سلوک مامور بہ ہے، گذشتہ باب میں سورۃ النساء کی آیت ۳۷ کا ذکر آیا ہے، اس میں ہم مجلس کا بھی ذکر ہے اور خادم: اول نمبر کا ہم مجلس ہوتا ہے، دوسرے ہم مجلسوں کا نمبر بعد میں آتا ہے، پس خادموں (غلام باندیوں) کے ساتھ حسن سلوک کرنا قرآن کریم کا حکم ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے بھائی یعنی غلام باندی: اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ہاتھوں کے

نیچے بطور خادم کیا ہے (فتیہ: فتی کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: جوان اور مرادی معنی ہیں: خادم یعنی غلام باندی اور یہ ضمیر ہم سے حال ہے اور مصری نسخہ میں فتیہ ہے، جس کے معنی ہیں: ذخیرہ کیا ہوا یعنی وہ تمہارے مملوک ہیں) پس جس کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو یعنی وہ اس کا مملوک ہو (اور اس کو ”بھائی“ جذبہ ترحم ابھارنے کے لئے کہا گیا ہے) پس چاہئے کہ وہ اس کو اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اس کو اپنے کپڑوں میں سے پہنائے اور اس کو ایسے کام کا حکم نہ دے جو اس کو ہر اے یعنی جس کی انجام دہی اس کے لئے دشوار ہو، پس اگر وہ اس کو ایسے کام کا حکم دے جو اس کو ہر اے تو چاہئے کہ وہ اس کی مدد کرے یعنی اس کا ہاتھ بٹائے، خود بھی اس کے ساتھ کام میں شریک ہو، اور دونوں مل کر وہ کام انجام دیں (یہ سب خادم کے ساتھ حسن سلوک کی شکلیں ہیں)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ: مملوکوں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا (یہ حدیث ضعیف ہے، فرقہ: ضعیف راوی ہے اور الْمَلَكَةُ بمعنی الْمَلِكِيَّةُ ہے یعنی نوکر چاکر اور رعایا کے ساتھ برا معاملہ کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے، پس اس کی ضد یعنی اچھا معاملہ کرنے والا جنت میں جائے گا، اس طرح یہ حدیث باب سے متعلق ہے)

[۲۹] باب ماجاء فى الإحسان إلى الخادِم

[۱۹۴۲] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِخْوَانُكُمْ: جَعَلَهُمُ اللَّهُ فِتْنَةً تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ: فَلْيُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهِ، وَلْيَلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهِ، وَلَا يُكَلِّفْهُ مَا يَغْلِبُهُ، فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنِّهِ“

وفى الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۹۴۳] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ يَحْيَى، عَنْ فَرْقِدٍ، عَنْ مَرْثَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ“ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ تَكَلَّمَ أَبُو السَّخْتِيَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فِي فَرْقِدِ السَّبَخِيِّ مِنْ قَبْلِ حِفْظِهِ.

بابُ النهى عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشَتْمِهِمْ

خدا کو مارنے اور گالی دینے کی ممانعت

جو لوگ اسلامی تعلیمات سے آراستہ نہیں وہ خادموں، نوکروں اور غلام باندیوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں،

ان کو برے القاب سے اور گالیوں سے نوازتے ہیں اور اگر پارہ چڑھ جائے تو مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور اس معاشرتی خرابی کی بنیاد اپنی رفعت و بلندی اور نوکروں اور غلاموں کی پستی کا تصور ہے، آقا خود کو خدا سمجھتا ہے، وہ ہر طرح سے بالادستی کے گھمنڈ میں مبتلا رہتا ہے، وہ غلاموں کے لئے شرفِ انسانیت کا بھی قائل نہیں ہوتا۔ پس اس معاشرتی خرابی کی اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آقا میں شعور بیدار کیا جائے کہ اس سے بالاتر بھی کوئی طاقت ہے جو اس کا محاسبہ کر سکتی ہے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں نبی ﷺ نے یہی بات آقا کو سمجھائی ہے۔

غرض: جب آفتابِ اسلام طلوع ہوا تو اس معاملہ میں عربوں کی صورتِ حال بہت بدتر تھی، اس لئے اسلام نے اس سلسلہ میں چند واضح ہدایات دیں تاکہ اس قسم کی بے عنوانی ختم ہو، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کے نبی ﷺ نے دو مرتبے قرار دیئے ہیں: ایک: واجب کا درجہ، جو لوگوں پر لازم ہے، خواہ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں اس پر عمل ضروری ہے۔ دوسرا: مستحب کا درجہ، جس کی ترغیب دی گئی ہے، اس کو لازم نہیں کیا۔

حسن سلوک کا پہلا مرتبہ: مثبت پہلو سے غلام باندیوں کا نان نفقہ اور لباس پوشاک مولیٰ کے ذمے رکھا گیا، اور منفی پہلو سے چند باتوں کی ممانعت کی: ۱- ان کو ایسے کام کا حکم نہ دیا جائے جس کو وہ تنہا انجام نہ دے سکیں (حدیث ابھی گزری) ۲- ان پر تہمت نہ لگائی جائے (یہ حدیث باب میں ہے) ۳- ان کا مثلہ نہ کیا جائے یعنی ان کے ناک کا نہ کاٹے جائیں (اگر ایسا کیا جائے گا تو وہ مولیٰ کی مرضی کے بغیر آزاد ہو جائے گا) ۴- کسی بھی گناہ میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔

حسن سلوک کا دوسرا مرتبہ: جو استجابی ہے: وہ یہ ہے کہ کھانے میں غلام باندیوں کا بھی حصہ رکھا جائے (یہ حدیث پہلے گزری ہے) اور اگر غلام باندی کو بلا وجہ حد ماری یا طمانچہ مارا تو اس کو آزاد کر دیا جائے، یہی اس کا کفارہ ہے، اسی طرح اگر غلام باندی کو مار رہا ہو اور وہ اللہ کا واسطہ دیں تو سزا دینے سے فوراً رک جایا جائے (رحمۃ اللہ: ۵: ۲۰۳) حدیث (۱): نبی التوبۃ ابو القاسم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے مملوک پر تہمت لگائی، درانحالیکہ وہ اس بات سے بری ہے جو اس کے حق میں آقا کہہ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آقا پر حد جاری کریں گے، یعنی اس پر حد قذف لگے گی، مگر یہ کہ معاملہ ایسا ہو جیسا اس نے کہا ہے، یعنی غلام واقعی بدکار ہو۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی صفت: نبی التوبۃ بیان کی ہے، آپ کی یہ صفت مسلم شریف (حدیث ۲۳۵۵ کتاب الفضائل باب ۳۲) میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے، وہ فرماتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُسَمَّى لَنَا نَفْسَهُ اَسْمَاءً، فَقَالَ: اَنَا مُحَمَّدٌ، وَاحْمَدُ، وَالْمُقَفَّى، وَالْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ: رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے اپنے چند نام

بیان فرماتے تھے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: میں محمد (ستودہ) ہوں، احمد (اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) ہوں، مقفی (پیچھے آنے والا) ہوں، حاشر (جمع کرنے والا) ہوں، نبی التوبہ ہوں اور نبی الرحمہ ہوں، اور حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث سے پہلے یہ صفت اس لئے لائے ہیں کہ جو آقا ایسی بے عنوانی کر چکا ہو وہ جان لے کہ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، خاتم النبیین ﷺ نبی التوبہ ہیں، ان کی امت کی توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ پس آقا کو اپنے برے فعل سے توبہ کرنی چاہئے۔

اور حدیث میں بَرِيئًا: مملوک سے حال ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آقا اگر مملوک پر تہمت لگائے تو دنیا میں اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، ورنہ آخرت میں حد جاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

حدیث (۲): حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا، اچانک میں نے پیچھے سے سنا، کوئی کہہ رہا ہے: ”جانو اے ابو مسعود! جانو اے ابو مسعود!“ پس میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ نبی ﷺ تھے، پس آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ یقیناً تم پر زیادہ قدرت رکھنے والے ہیں تم سے اس پر“ ابو مسعود فرماتے ہیں: پس اس کے بعد میں نے اپنے کسی غلام کو نہیں مارا۔ اور مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ اللہ کے لئے آزاد ہے، آپؐ نے فرمایا: أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلْفَحْتُكَ النَّارُ: سنو! اگر تم یہ نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں جھلسا دیتی!“

تشریح: جب آقا یہ سمجھ لے کہ وہ آخری طاقت نہیں ہے، بلکہ اس سے بالاتر بھی کوئی طاقت ہے جو اس کا محاسبہ کر سکتی ہے تو دماغ درست ہو جاتا ہے، اور خواہ مخواہ کا غصہ اتر جاتا ہے، اور وہ بلا وجہ غلام باندیوں کو نہیں مارتا، یہی اصلاح معاشرہ کی تدبیر ہے۔

[۳۰-] بَابُ النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشَتْمِهِمْ

[۱۹۴۴-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ فَضِيلِ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ التَّوْبَةِ: ”مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكًا بَرِيئًا مِمَّا قَالَ لَهُ: أَقَامَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْحَدَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ“

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ سُؤَيْدِ بْنِ مِقْرَنٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ.

وَابْنُ أَبِي نُعْمٍ: هُوَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي نُعْمٍ الْبَجَلِيُّ، يُكْنَى أَبَا الْحَكَمِ.

[۱۹۴۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا مُؤَمِّلٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ

التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ مَمْلُوكًا لِي، فَسَمِعْتُ قَائِلًا مِنْ خَلْفِي

يَقُولُ: اَعْلَمَ اَبَا مَسْعُودٍ! اَعْلَمَ اَبَا مَسْعُودٍ! فَالْتَفَتْتُ، فَاِذَا اَنَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيَّ"، قَالَ اَبُو مَسْعُودٍ: فَمَا ضَرَبْتُ مُمْلُوًّا لِيْ بَعْدَ ذَلِكَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَابْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ: هُوَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ زَيْدٍ بْنِ شَرِيكٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي اَدَبِ الْخَادِمِ

غلام کو سلیقہ سکھانے کا بیان

ابھی غلام کو مارنے کی ممانعت آئی ہے مگر کبھی سلیقہ سکھانے کے لئے مارنا پڑتا ہے، جیسے طالب عالم کو مارنا پڑتا ہے، چنانچہ سورۃ النساء (آیت ۳۴) میں بیوی کو مارنے کی اجازت اسی مقصد سے دی گئی ہے، مگر یہ اجازت معروف طریقہ پر مارنے کی ہے، چہرے پر اور اعضائے رئیسہ پر مارنا اور ایسا مارنا جس سے جسم پر نشان پڑ جائے: جائز نہیں، صرف ہلکا مارنا جائز ہے اور وہ بھی ایک حد تک مارنا جائز ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ، فَذَكَرَ اللّٰهَ، فَارْقَعُوا أَيْدِيَكُمْ: جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارے پس وہ اللہ کا واسطہ دے، تو تم اپنے ہاتھ اٹھا لو، یعنی مارنے سے رک جاؤ۔
تشریح: علامہ طیبی (شافعی) رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یہ حدیث اس صورت میں ہے جب آقا سلیقہ سکھانے کے لئے مار رہا ہو، اور اگر غلام پر حد جاری ہو رہی ہو تو رکنا نہیں جائے گا (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: آقا خود غلام باندی پر حد جاری کر سکتا ہے، اور احناف کے نزدیک: حد صرف قاضی جاری کرے گا) اسی طرح اگر غلام مکاری سے اللہ کا نام لے تو بھی رکنا ضروری نہیں۔

[۳۱-] بَابُ مَا جَاءَ فِي اَدَبِ الْخَادِمِ

[۱۹۴۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي هَارُونَ الْعَبْدِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اللّٰهَ، فَارْقَعُوا أَيْدِيَكُمْ" وَأَبُو هَارُونَ الْعَبْدِيُّ: اسْمُهُ عُمَارَةُ بْنُ جُوَيْنٍ، وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: ضَعَفَ شُعْبَةُ أَبُو هَارُونَ الْعَبْدِيُّ، قَالَ يَحْيَى: وَمَا زَالَ ابْنُ عَوْنٍ يَرَوِي عَنْ أَبِي هَارُونَ، حَتَّى مَاتَ.

وضاحت: یہ حدیث ابو ہارون عبدی کی وجہ سے ضعیف ہے، یہ راوی متروک ہے، امام شعبہ رحمہ اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے مگر عبد اللہ بن عون بصری (جو حضرت ایوب سختیانی کے ہم عصر تھے اور بڑے ثقہ، فاضل اور فقیہ تھے) وہ اس راوی سے برابر روایت کرتے تھے تا آنکہ ان کی وفات ہوئی، یعنی وہ اس راوی کو معتبر سمجھتے تھے۔

باب ماجاء فى العفو عن الخادم

غلام کو معاف کرنے کا بیان

غلطی بشریت کا خاصہ ہے، ہر انسان سے غلطی ہوتی ہے، پس اگر غلام باندی کوئی غلطی کریں تو ان سے درگزر کرنا چاہئے، بات بات پر سزا دینا یا ڈانٹ ڈپٹ کرنا مناسب نہیں، آقا کو سوچنا چاہئے کہ اس سے بھی غلطی ہوتی ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ اس کی ہر غلطی پر پکڑنے لگیں تو وہ کیسے پنپ سکے گا اور غلام بھی اس جیسا ایک انسان ہے، اس سے بھی غلطی ممکن ہے، لہذا اس سے درگزر کرنا چاہئے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اور پوچھا: یا رسول اللہ! میں کتنی مرتبہ غلام کو معاف کروں؟ آپ خاموش رہے، اس نے پھر پوچھا تو آپ نے فرمایا: کُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً. روزانہ ستر مرتبہ معاف کر۔

تشریح: ستر مرتبہ یعنی بار بار معاف کر، سات، ستر اور سات سو کے اعداد عربی میں تکثیر کے لئے ہیں، تھوڑی تکثیر کے لئے سات، درمیانی تکثیر کے لئے ستر اور بے حد تکثیر کے لئے سات سو آتا ہے۔

[۳۲] باب ماجاء فى العفو عن الخادم

[۱۹۴۷] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِي هَانِيٍّ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ جُلَيْدٍ الْحَجَرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَمْ أَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَّتْ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَمْ أَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ؟ قَالَ: "كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَرَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي هَانِيٍّ الْخَوْلَانِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ هَذَا.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي هَانِيٍّ الْخَوْلَانِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهْبٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ کی ہے یا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی؟ اس میں اختلاف ہے، رشدین بن سعد جو ضعیف راوی ہے اس کی سند ابن عمرؓ تک پہنچتا ہے مگر عبداللہ بن وہب جو ثقہ راوی ہیں ان کے متابع ہیں، اس لئے یہی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن وہب کے بعض تلامذہ عبداللہ بن عمروؓ تک سند پہنچاتے ہیں، یہ سند صحیح نہیں۔

باب ماجاء فی أدب الولد

اولاد کی تربیت کا بیان

جاننا چاہئے کہ آدھی صدی میں دنیا بدل جاتی ہے، کچھ ہی لوگ باقی رہ جاتے ہیں، میں نے پچاس سال کی عمر میں پانچ نسلیں دیکھی ہیں، میں نے اپنے دادا کو دیکھا، اپنے والد کو دیکھا، خود کو دیکھا، بیٹوں کو دیکھا اور پوتوں کو بھی دیکھا۔ غرض دنیا اس طرح بدل جاتی ہے کہ پتہ نہیں چلتا، ایک نسل گزر جاتی ہے اور دوسری نسل اس کی جگہ آ جاتی ہے، پس اگر ہر شخص آنے والی نسل کی تربیت کرے گا تو معاشرہ درست رہے گا، اور اگر اولاد کی تربیت کی طرف سے غفلت برتی جائے گی تو آدھی صدی گزرتے گزرتے معاشرہ بگڑ جائے گا۔

اور لوگ اولاد کے لئے مال و دولت جمع کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، جائیداد اور بیلنس بناتے ہیں مگر ان کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتتے ہیں، ان پر خرچ نہیں کرتے، یہ بات نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً، کیونکہ روزی ہر بندے کی قسمت میں لکھی ہوئی ہے، باپ اس کی فکر کرے یا نہ کرے اولاد کی قسمت کی روزی اس کو مل جائے گی، مگر تعلیم و تربیت کی طرف باپ توجہ کرے گا تبھی اولاد سنورے گی، ورنہ کندہ ناتراش رہ جائے گی۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”البتہ یہ بات کہ آدمی اپنی اولاد کو سلیقہ سکھائے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع (تین کلو اناج) خیرات کرے“

تشریح: اولاد کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے یعنی کار خیر ہے یہ خرچ کرنا ضائع نہیں جاتا۔ حدیث میں یہی بات سمجھائی ہے کہ غریب پر صدقہ کرنے سے بہتر اولاد کی تربیت پر خرچ کرنا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نُحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنِ: کسی باپ نے کسی اولاد کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔ نَحَلَ (ف) فَلَانًا نُحْلًا: کسی کو کوئی چیز اپنی مرضی سے دینا، عطیہ دینا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ باپ کو یہ کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ اولاد کے لئے جائیداد یا بیلنس چھوڑے، بلکہ ان کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنا چاہئے، یہی باپ کا اولاد کے لئے بہترین عطیہ ہے۔

[۳۳] باب ماجاء فی أدب الولد

[۱۹۴۸] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى، عَنْ نَاصِحٍ، عَنْ سِمَاكِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَأَنْ يُؤَدَّبَ الرَّجُلُ وَلَدُهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَنْصَدَّقَ بِصَاعٍ“

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَنَاصِحٌ بْنُ عَلَاءٍ الْكُوفِيُّ: لَيْسَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ بِالْقَوِيِّ، وَلَا يُعْرَفُ هَذَا الْحَدِيثُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

وَنَاصِحٌ: شَيْخٌ آخَرُ بَصْرِيُّ، يَرْوَى عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ، وَغَيْرِهِ، وَهُوَ أَثْبَتُ مِنْ هَذَا. [۱۹۴۹-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْظِيُّ، ثَنَا عَامِرُ بْنُ أَبِي عَامِرٍ الْخَزَّازُ، ثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ حَلَّ وَالِدًا وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَامِرِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ الْخَزَّازِ؛ وَأَيُّوبُ بْنُ مُوسَى: هُوَ ابْنُ عَمْرٍو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، وَهَذَا عِنْدِي حَدِيثٌ مُرْسَلٌ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں ایک راوی ناصح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے باپ کا نام علاء ہے، یہ کوفہ کا باشندہ ہے اور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، اور یہی راوی یہ حدیث سماک سے روایت کرتا ہے، اور ایک دوسرا راوی بھی ناصح نامی ہے جو بصری ہے اور وہ عمار بن ابی عمار وغیرہ کا شاگرد ہے، یہ راوی اس راوی سے اچھا ہے۔

مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس راوی کے باپ کا نام علاء نہیں ہے، بلکہ عبد اللہ یا عبد الرحمن ہے، اور اس کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، اور نسبت الحاکم ہے، یہی سماک بن حرب کا شاگرد ہے، اور ضعیف راوی ہے۔ ترمذی شریف کی سند میں یہی راوی ہے اور جس ناصح کے والد کا نام علاء ہے اس کی کنیت ابو العلاء ہے، اور وہ بصرہ کا رہنے والا ہے، اور وہ ضعیف نہیں ہے بلکہ لین الحدیث ہے (تہذیب التہذیب)۔

اور دوسری حدیث کی سند میں عامر بن صالح بن رستم ابو بکر بن ابی عامر الخزّاز البصری صدوق راوی ہے مگر سنی الحفظ ہے، ابن حبان نے اس راوی پر وضع حدیث کی تہمت لگائی ہے، اس کے استاذ: ایوب بن موسیٰ کا پورا نام ایوب بن موسیٰ بن عمرو بن سعید بن العاص ہے، وہ اپنے باپ یعنی موسیٰ سے روایت کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے، اور جدّہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں: اگر وہ ایوب کی طرف لوٹتی ہے تو یہ عمرو بن سعید کی روایت ہے، اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوا ہے، اور اگر ضمیر موسیٰ کی طرف لوٹتی ہے تو پھر یہ سعید بن العاص کی روایت ہے اور یہ راوی اگرچہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا مگر آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت اس کی عمر نو سال تھی، اس لئے سعید کا بھی حضور ﷺ سے سماع نہیں۔ بہر حال یہ حدیث مرسل ہے یا تو تابعی کی مرسل ہے یا صحابی صغیر کی مرسل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قُبُولِ الْهَدِيَّةِ، وَالْمُكَافَاةِ عَلَيْهَا

ہدیہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا

ہدیہ قبول کرنا سنت ہے اور یہ سنت ہر شخص جانتا ہے مگر اس پر بدلہ دینا بھی سنت ہے، اس کو کم لوگ جانتے ہیں، حالانکہ ہدیے کا پورا فائدہ اس وقت حاصل ہوگا جب بدلہ بھی دیا جائے۔ موطا میں روایت ہے: تَصَافَحُوا يَذْهَبُ عَنْكُمْ الْعِلُّ: مصافحہ کرو، کینہ دور ہوگا، وَتَهَادَوْا تَحَابُّوا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ: اور ہدیہ دو آپس میں محبت پیدا ہوگی، اور بغض ختم ہوگا۔ تَهَادَى الْقَوْمُ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو ہدیہ دینا، پس جب تک ہدیہ کا بدلہ نہ دیا جائے محبت کیسے پیدا ہوگی؟

حدیث: نبی ﷺ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے، اور اس کا بدلہ دیا کرتے تھے، یعنی ہدیہ کے عوض میں آپ بھی کچھ نہ کچھ عنایت فرمایا کرتے تھے، حضرت ازہر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے وہ ہر ہفتے کھیتوں میں سے سبزی وغیرہ چن کر لایا کرتے تھے: آپ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: أَزْهَرُ بَادِيَتِنَا، وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ: ازہر ہمارا دیہات ہیں یعنی ہماری دیہات کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور ہم اس کے شہر ہیں، آپ ان کو بازار سے گھر کی ضروریات خرید کر عنایت فرمایا کرتے تھے، جس کو لے کر وہ گاؤں لوٹا کرتے تھے۔

اور نبی ﷺ ہر ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، پہلے یہ حدیث گزری ہے کہ اگر مجھے بکری کے پايے ہدیے میں دیئے جائیں تو میں ان کو بھی قبول کروں گا، اور اگر بکری کے پايوں کی دعوت کی جائے تو میں وہ بھی قبول کروں گا..... اور ہدیہ کا عوض فوراً دینا ضروری نہیں، وقفہ کے بعد بھی دیا جاسکتا ہے، اور یہ بتلانا بھی ضروری نہیں کہ یہ ہدیہ کا عوض ہے، اس کو مستقل ہدیے کے طور پر بھی دے سکتے ہیں۔

اور مجمع البحار (ثوب کے مادہ) میں ایک بات لکھی ہے، جو یہاں حاشیہ میں بھی نقل ہوئی ہے کہ ہدیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک: جس کا بدلہ مطلوب ہوتا ہے، دوسرا: جو محض صلہ رحمی یا ثواب کے لئے دیا جاتا ہے، اول کا معاملہ بیع کی طرح ہے، اس میں عوض دینے پر مجبور کیا جائے گا، اور جو ہدیہ اللہ کے لئے یا صلہ رحمی کے لئے ہو اس کا بدلہ ضروری نہیں، جیسے شادیوں میں لڑکے اور لڑکی کے باپ کو ہدایا دیئے جاتے ہیں، یا ان کے واسطے سے دولہا دولہن کو دیئے جاتے ہیں یہ پہلی قسم کے ہدایا ہیں جن میں بدلہ مطلوب ہوتا ہے، اس لئے علماء اس کو قرض قرار دیتے ہیں، میں اگرچہ ان کو قرض قرار نہیں دیتا، ہدیہ ہی قرار دیتا ہوں مگر وہ ایسا ہدیہ ہے جس کا بدلہ ضروری ہے، اس کا معاملہ بیع کی طرح ہے، بیع میں عوضین ہوتے ہیں جو دیئے لئے جاتے ہیں، یہ بھی ایسا ہی ہدیہ ہے جس کا عوض دوسرے موقع پر دینا ضروری ہے، اور بزرگوں اور علماء کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے وہ ثواب حاصل کرنے کے لئے یا خوشنودی کے لئے دیا جاتا

ہے، پس اس کا عوض ضروری نہیں۔

[۳۴] باب ماجاء فی قُبُولِ الْهَدِيَّةِ، وَالْمُكَافَاةِ عَلَيْهَا

[۱۹۵۰] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ، وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، قَالَا: ثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ، وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ؛ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ جَدِثِ عِيسَى بْنِ يُونُسَ، عَنْ هِشَامٍ.

نغات: کافاه علی الشیء مکافاة وکفاء: بدلہ دینا..... اُتَابَهُ يُثِيبُ: لوٹانا، واپس کرنا، بدلہ دینا یا انعام دینا۔ حدیث میں ہے: اُثِيبُوا اَحَاکُم: اپنے بھائی کو ہدیہ کا بدلہ دو۔

باب ماجاء فی الشُّکْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ

سلوک کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا

محسن کا شکر گزار ہونا انسان کی فطرت ہے، اگر کوئی شخص چھوٹا یا بڑا احسان کرے تو اس کا قولی یا فعلی شکریہ ادا کرنا چاہئے، شکور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور بندوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کریں۔ اور قولی شکریہ محسن کی کچھ تعریف کرنا ہے، پہلے روایت گزری ہے کہ ابو الرداء لیشی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ان کے تعاون پر تعریف کی تھی، اور قولی شکریہ کا کم سے کم درجہ دعا دینا ہے، حدیث میں ہے: جس نے احسان کے جواب میں جزاء اللہ کہا اس نے بہت بدلہ دیدیا، اور فعلی شکریہ یہ ہے کہ حسن سلوک کے جواب میں حسن سلوک کیا جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللَّهَ: جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا، اور دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں:

پہلا مطلب: جو لوگوں کے حسن سلوک کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا، کیونکہ بندوں کے احسانات ظاہر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات مخفی ہیں، پس جو شخص اس احسان کا شکر ادا نہ کرے جو ظاہر و باہر ہے وہ اس نعمت کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے جو مخفی ہے!

دوسرا مطلب: جس کی فطرت اور عادت لوگوں کے انعام کی ناشکری کرنا ہے چنانچہ وہ لوگوں کے احسان کا

شکر گزار نہیں ہوتا، وہ اللہ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا، وہ کبھی اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار نہیں ہوگا۔

[۳۵]- باب ماجاء فی الشُّکْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ

[۱۹۵۱]- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۹۵۲]- حَدَّثَنَا هَذَا، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، ح: وَثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، ثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الرَّوَّاسِيُّ، عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَالْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ، وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ

حسن سلوک والے کام

صنائع: صنیعة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: بھلائی، نیکی اور حسن سلوک، اور المعروف کے بھی یہی معنی ہیں: بھلائی، احسان، حسن سلوک اور ہر وہ کام جس کی خوبی عقلاً و شرعاً ثابت ہو، پس یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں، اور ایک کی دوسرے کی طرف اضافت ہے، پس مضاف کے معنی میں تجرید کی جائے گی، اور اس سے صرف اعمال و افعال مراد لئے جائیں گے یعنی حسن سلوک والے کام، اور اس باب میں جو حدیث ہے اس میں حسن سلوک والے سات کاموں کا تذکرہ ہے:

۱- تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ: تیرا مسکرانا اپنے دینی بھائی کے سامنے تیرے لئے خیرات ہے، یعنی کسی مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا باعث اجر و ثواب ہے۔

۲- وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ: اور تیرا بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا خیرات ہے، کیونکہ اس سے بھی دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے اس پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔

۳- وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ: اور تیرا کسی کی راہنمائی کرنا ایسی سرزمین میں جس میں آدمی بھٹک جاتا ہے، تیرے لئے صدقہ ہے۔ یعنی شہر میں یا جنگل میں منزل تک پہنچنے کی کوئی علامت نہ ہو، اور بھٹک جانے کا خطرہ ہو وہاں کسی کی راہنمائی کرنا صدقہ ہے، کیونکہ اس سے بھی دوسرے کو فائدہ پہنچے گا۔

۷۔ وَاِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ: اور تیرا اپنی ڈول سے اپنے دینی بھائی کی ڈول میں پانی ڈالنا تیرے لئے صدقہ ہے، یعنی کوئی شخص مٹکا لے کر پانی بھرنے آیا، مگر اس کے پاس ڈول نہیں ہے، پس اگر آپ اس کا مٹکا بھر دیں تو یہ خیرات ہے یعنی اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا۔

وفى الباب: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، وَحَدِيفَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ؛ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَأَبُو زُمَيْلٍ: سِمَاكُ بْنُ الْوَلِيدِ الْحَنْفِيُّ.

الْمِنْحَةُ اور الْمَنْيْحَةُ کے معنی ہیں: عارضی ضرورت اور فائدہ اٹھانے کے لئے کسی متعلق کو واپسی کی شرط کے ساتھ کوئی زمین، یا دودھ کا جانور یا سواری یا اور کوئی چیز دینا، یہ بھی معاشرتی حسن سلوک کی ایک شکل ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةً لَبَنٍ، أَوْ وَرَقٍ، أَوْ هَدَى زُقَاقًا: كَانَ لَهُ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ:

جس نے دودھ کے جانور کا عطیہ دیا یعنی دودھ والا جانور کسی کو دودھ پینے کے لئے دیا، یا چاندی کا عطیہ دیا یعنی روپے پیسے قرض دیئے، یا کسی کو چہ کی طرف راہنمائی کی یعنی کوئی شخص کسی گلی میں جانا چاہتا ہے، اس کو اس گلی تک پہنچا دیا تو یہ کام اس شخص کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کے مانند ہونگے، اور گزشتہ باب کی حدیث میں جو لفظ صدقہ آیا ہے اس سے بھی یہی اجر مراد ہے۔

[۳۷-] باب ماجاء فی المِنْحَةِ

[۱۹۵۴-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْسَجَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةً لَبَنٍ، أَوْ وَرَقٍ، أَوْ هَدَى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلُ رَقَبَةٍ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَى مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، وَشُعْبَةُ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ هَذَا الْحَدِيثَ. وَفِي الْبَابِ: عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةً وَرَقٍ" إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ قَرْضَ الدَّرَاهِمِ، وَقَوْلُهُ: "أَوْ هَدَى زُقَاقًا" قَالَ: إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ هِدَايَةَ الطَّرِيقِ، وَهُوَ إِرْشَادُ السَّبِيلِ.

ترجمہ: مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةً وَرَقٍ سے نبی ﷺ نے در اہم قرض دینا مراد لیا ہے۔ اور هَدَى زُقَاقًا: سے راستہ کی راہ نمائی مراد لی ہے۔ ہدایۃ الطریق اور ارشاد السبیل ہم معنی ہیں۔

ملحوظ: اس حدیث کا ایک راوی ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق ہے، یہ ابواسحاق یوسف کے دادا ہیں، یوسف کے باپ اسحاق ہیں، پس عن اُبیہ سے یوسف مراد ہیں اور عن اُبی اسحاق سے یوسف کے دادا مراد ہیں۔

بابُ ماجاء فی إِمَامَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا

حدیث: ایک شخص راستہ پر چلا جا رہا تھا، اچانک اس نے ایک کانٹے دار ٹہنی راستہ میں پائی، پس اس نے اس کو ہٹا دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا شکر یہ ادا کیا، چنانچہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔

تشریح: لفظ شکر بھی ایسا لفظ ہے جس کے معنی نسبت کے بدلنے سے بدلتے ہیں، بندوں کے تعلق سے شکر یہ کے معنی تو ظاہر ہیں اور اللہ کے تعلق سے اس کے معنی ہیں: جزائے خیر دینا، اجر و ثواب سے نوازنا، یعنی اس کانٹے دار

ٹہنی کو راستہ سے ہٹانے کا اس کو اچھا بدلہ دیا اور وہ بدلہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی، اور کانٹے دار ٹہنی درخت سے جڑی ہوئی ٹہنی بھی ہو سکتی ہے اور کٹ کر زمین پر گر کر ہوئی ٹہنی بھی ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت میں اس کو راستے سے ہٹانے کی صورت یہ ہے کہ اس کو کاٹ کر راستے سے ہٹا دیا، اور دوسری صورت میں ہٹانا ظاہر ہے۔

[۳۸]- باب ماجاء فی إِمَامَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ

[۱۹۵۵]- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي الطَّرِيقِ، إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ، فَأَخْرَعَهُ، فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ.

وفی الباب: عَنْ أَبِي بُرْزَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ

مجلس کی باتیں راز دہنی چاہئیں

باب کے الفاظ ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ ہیں، یہ حدیث آگے آرہی ہے، اس باب میں یہ بیان ہے کہ معاشرہ کے صلاح و فساد میں اس بات کا بڑا دخل ہے کہ لوگ آپس کی باتیں راز رکھتے ہیں یا لیک کر دیتے ہیں، اگر خانگی باتیں راز ہیں تو معاشرہ کی قدر بڑھتی ہے اور اگر راز کی باتیں لیک کر دی جائیں تو دل میلے اور کھٹے ہو جاتے ہیں، اور بات بگڑتی چلی جاتی ہے۔

مجلس کی باتیں دو طرح کی ہوتی ہیں: عام اور خاص، عام باتیں تو عام ہیں ان کو راز رکھنے کا سوال نہیں، اور وہ بات بھلا کیسے راز رکھ سکتی ہے جو عام مجمع میں کہی گئی ہو، ہاں خاص باتیں جن کا خاص ہونا صراحتہ یا دلالتہ معلوم ہو ان کو راز رکھنے کا حکم ہے، البتہ اگر اس بات سے کسی کو شدید ضرر پہنچ سکتا ہو، تو پھر اس کو راز رکھنا جائز نہیں، ابوداؤد شریف (حدیث ۲۸۶۹) میں ضعیف حدیث ہے: الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ، إِلَّا ثَلَاثَةٌ مَجَالِسَ: سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ، أَوْ فَرْجُ حَرَامٍ، أَوْ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ: یعنی مجلس کی باتیں امانت دہنی چاہئیں، مگر تین مجلسیں مستثنیٰ ہیں: (۱) ناجائز خون بہانے کی مجلس (۲) یا ناجائز شرم گاہ استعمال کرنے کی مجلس (۳) یا ناحق کسی کا مال ہڑپ کرنے کی مجلس، یہ باتیں راز نہیں رکھنی چاہئیں، اس شخص تک پہنچا دینی چاہئیں جو صاحب معاملہ ہے تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر سکے۔

اور مجلس میں کہی ہوئی بات عام ہے یا خاص؟ یہ بات صراحت سے بھی معلوم ہوتی ہے اور دلالت سے بھی، صراحتہ خاص ہونا یہ ہے کہ بات کہنے والا کہہ دے: یہ بات راز رکھنا، کسی سے نہ کہنا، اور دلالتہ خاص ہونا وہ ہے جو

باب کی حدیث میں ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ، ثُمَّ التَفَتَ، فَهِيَ أَمَانَةٌ: جب کوئی شخص بات کہے پھر (دائیں بائیں) دیکھے (کہ کوئی سن تو نہیں رہا) پس وہ بات امانت ہے، یعنی بات آہستہ کرے یا بات کرتے وقت دائیں بائیں دیکھے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ راز کی بات کہہ رہا ہے پس اس کا افشاء جائز نہیں۔

[۳۹-] باب ماجاء أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ

[۱۹۵۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ ابْنِ أَبِي ذَنْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتَبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ، ثُمَّ التَفَتَ، فَهِيَ أَمَانَةٌ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَإِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي ذَنْبٍ.

بابُ ماجاء في السَّخَاءِ

سخاوت کا بیان

یہ دو باب ہیں: پہلے باب میں سخاوت کا اور دوسرے باب میں بخیلی کا ذکر ہے، سخاوت سے معاشرہ رونق پکڑتا ہے اور بخیلی سے معاشرہ پژمرده ہوتا ہے، اگر معاشرے کے افراد بخلی اور حاتم دل ہوں تو ہر کوئی وہاں وارد ہوگا اور اس کا شہرہ دور تک پھیلے گا، اور بخیل ہوں تو کتنے بھی وہاں سے نہیں گزریں گے، وہ کس امید سے وہاں آئیں گے؟ وہاں ان کو روٹی کا ٹکڑا بھی نہیں ملے گا۔ پس معاشرے میں سخاوت کو پروان چڑھانا چاہئے تاکہ لوگ اس کا گن گائیں۔

حدیث: نبی ﷺ کی سالی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا: میرے پاس میرا کچھ نہیں، میرے شوہر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جو کچھ مجھے لا کر دیتے ہیں وہی میرے پاس ہوتا ہے، پس کیا میں اس میں سے راہ خدا میں خرچ کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں کر سکتی ہو اور فرمایا: لَا تُؤْكَلُ فَيُؤْكَلُ عَلَيْكَ: کنجوسی مت کرو، ورنہ تمہیں بھی تھوڑا دیا جائے گا۔

تشریح: اَوْكَلُ فَيُؤْكَلُ عَلَيْكَ: بٹہ باندھ کر رکھنا یعنی کنجوسی کرنا، اس کا مجرد و سلی یکمی و کثما ہے، جس کے معنی ہیں: تھیلی کو ڈوری سے باندھنا۔ امام ترمذی نے اس کی تفسیر کی ہے: لَا تُحْصِي فَيُحْصِي عَلَيْكَ یعنی گن کر مت رکھو ورنہ تمہیں بھی گن کر دیا جائے گا۔ اُحْصِيَ الشَّيْءَ کے معنی ہیں: شمار کرنا، مقدار جاننا، گننا، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خوب دل کھول کر خرچ کرو، اللہ تعالیٰ بے حساب دیں گے، راہ خدا میں خرچ کرنے سے کبھی کوئی تنگ دست

نہیں ہوا، اور سینت کر رکھنے والے بہت سے بھوکے مر گئے، حوض میں پانی آتا بھی رہے اور جاتا بھی رہے تو پانی صاف رہتا ہے اور تازہ بھی، اور اگر نکلنا روک دیا جائے تو آنا بھی بند ہو جائے گا اور جو پانی حوض میں ہے وہ گندہ ہو جائے گا، یہی حال راہِ خدا میں خرچ کرنے کا ہے، آدمی کو اپنی ذات پر خرچ کرنے میں تو احتیاط کرنی چاہئے، دونوں ہاتھ کھول نہیں دینے چاہئیں، میانہ روی سے خرچ کرنا چاہئے، ورنہ ہمت ہار جائے گا، مگر راہِ خدا میں خرچ کرنے کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اللہ تعالیٰ اس خرچ کا ضرور بدلہ دیتے ہیں پھر کیوں ہاتھ روکے!

سوال: بیوی کے لئے شوہر کے مال میں سے شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں، پھر نبی ﷺ نے حضرت اسماء کو شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنے کا حکم کیسے دیا؟ (اس سلسلہ کے احکام کتاب الزکوٰۃ میں گذر چکے ہیں)

جواب: اجازت کی دو قسمیں ہیں: صریح اور دلالت، صریح اجازت تو ظاہر ہے اور دلالت اجازت یہ بھی ہے کہ شوہر کے مزاج و احوال سے یہ بات معلوم ہو کہ اس کو خرچ کرنا ناگوار نہیں ہوگا تو بیوی خرچ کر سکتی ہے، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ہم زلف تھے، ان کے احوال سے آپؐ بخوبی واقف تھے کہ وہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے تنگ دل نہیں ہوتے، اس لئے آپؐ نے ان کی بیوی حضرت اسماءؓ کو خرچ کرنے کی اجازت دی۔

حضرت زبیرؓ کا انفاق کے سلسلہ میں مزاج:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں: وہ لوگوں کی بینک تھے، لوگ آپؐ کے پاس رقمیں امانت رکھتے تھے، وہ ان سے کہتے: میں امانت کہاں تک محفوظ رکھوں گا! تم مجھے یہ رقم قرض دیدو، اور جب چاہو لے لو، لوگ قرض دیدیتے تھے، اور آپؐ اس کو راہِ خدا میں خرچ کر دیتے تھے، پھر جب قرض خواہ آتا تو ادھر ادھر کر کے دیدیتے تھے، اسی طرح چلتا رہا، پھر جب آپؐ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کو بلایا اور فرمایا: لوگوں کے مجھ پر کتنے قرضے ہیں یہ مجھے بھی معلوم نہیں، پس میری وفات کے بعد جو بھی قرض خواہ آئے، اور جتنی بھی رقم مانگے ادا کر دینا، کسی سے کوئی ثبوت نہ مانگنا، اور میری وفات کے بعد تین سال حج کے موقع پر منیٰ میں اعلان کرنا کہ زبیر کا انتقال ہو گیا ہے، ان پر جس کا قرضہ ہو وہ مجھ سے لے لے، اور اگر کوئی قرض خواہ اتنا بڑا قرضہ مانگے جس کی ادائیگی تمہارے بس میں نہ ہو تو اچھی طرح وضو کرنا اور دو رکعتیں پڑھنا، پھر جو الفاظ میں بتا رہا ہوں انہی الفاظ سے دعا کرنا کہ اے زبیر کے رب! ایک شخص زبیر کا قرضہ مانگنے آیا ہے، اور میرے پاس انتظام نہیں، آپ اس کا انتظام کر دیں، مجھے میرے رب سے امید ہے کہ وہ غیب سے میرے قرضے کی ادائیگی کا سامان کر دیں گے۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی، اور جو بھی قرض مانگنے آیا اس کا قرضہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ادا کر دیا، اسی سلسلہ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا ایک لاکھ کا قرض بتایا، حضرت عبداللہؓ کے پاس انتظام نہیں تھا، وہ گھر میں گئے تاکہ دو رکعتیں پڑھ کر دعا کریں، اس شخص نے سوچا: میرے قرض مانگنے سے ان کو شرمندگی ہوئی، اس

لئے وہ گھر میں چلے گئے، چنانچہ وہ بھی اٹھ کر چلا گیا، حضرت عبداللہؓ نے حسب وصیت دعا کی اور باہر آئے تو وہ آدمی جا چکا تھا، پھر یہ ہوا کہ اسی دن ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپ اپنا فلاں پلاٹ بیچتے ہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا: ہاں، اس نے کہا: میں اس کے ایک لاکھ درہم دوں گا، حضرت عبداللہؓ فوراً تیار ہو گئے، اور انھوں نے اس کو اپنی دعا کا اثر سمجھا، وہ شخص یہ کہہ کر چلا گیا کہ آپ غور کر لیں، اور اگر کوئی اس سے زیادہ دے تو مجھ سے مشورہ کئے بغیر نہ دینا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پلٹی آیا، اس نے وہی زمین خریدنی چاہی، حضرت عبداللہؓ نے کہا: فلاں صاحب اس کے ایک لاکھ درہم لگا گئے ہیں۔ حضرت معاویہ کے کارندے نے کہا: میں دو لاکھ دوں گا، حضرت عبداللہؓ نے کہا: میں پہلے شخص سے پوچھ کر جواب دوں گا، اس نے کہا: اگر وہ زیادہ دیں تو مجھ سے پوچھے بغیر نہ دینا، چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے جب پہلے شخص سے بات کی تو اس نے کہا: میں تین لاکھ دوں گا، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: میں دوسرے شخص سے بات کر کے جواب دوں گا۔ اس سے بات کی تو اس نے کہا: میں چار لاکھ دوں گا، یونہی بات بڑھتی رہی اور دس لاکھ میں وہ زمین بکی، جس کی واقعی قیمت ایک لاکھ تھی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہؓ کے پاس اتنی رقم بھیج دی کہ سارے قرضے ادا ہو گئے، اور حضرت عبداللہؓ کو پھر دعا کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

اس واقعہ سے یہ سمجھنا مقصود ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت اسماء کو شوہر کی اجازت کے بغیر راہ خدا میں خرچ کرنے کی اجازت اس لئے دی تھی کہ آپ کو ان کے شوہر کے مزاج سے واقفیت تھی، آپ کو معلوم تھا کہ ان کے شوہر کو یہ انفاق ناگوار نہیں ہوگا، ورنہ مسئلہ وہی ہے جو پہلے کتاب الزکوٰۃ میں گذر چکا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ، قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ، قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ، بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ: سخی اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہے، جنت سے نزدیک ہے، لوگوں سے نزدیک ہے، یعنی لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، اور دوزخ سے دور ہے، یعنی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ والبخیلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ، بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ، بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ، قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ: اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے، یعنی اللہ کو وہ بندہ پسند نہیں، جنت سے دور ہے، یعنی جنت اس کو نصیب نہیں ہوگی، لوگوں سے دور ہے، یعنی لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور دوزخ سے قریب ہے یعنی نرا اور دوزخ میں پہنچا! والجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ عَابِدٍ بِخَيْلٍ: اور جاہل سخی عبادت گزاری بخیل سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے، غور کریں! سخاوت نے بے علم کو بھی محبوب بنا دیا، اور بخل نے عبادت گزار کو بھی دور پھینک دیا۔

[۴۰-] باب ماجاء فی السَّخَاءِ

[۱۹۵۷-] حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْحَسَنِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ، ثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّهُ لَيْسَ لِي مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مَا

أَدْخَلَ عَلَى الزُّبَيْرِ، أَفْأَعِطِي؟ قَالَ: "نَعَمْ، لَا تُؤَكِّي فَيُؤَكِّي عَلَيْكَ" يَقُولُ: لَا تُحْصِي فَيُحْصِي عَلَيْكَ.
 وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا
 الْحَدِيثَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ
 أَبِي بَكْرٍ، وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا عَنْ أَيُّوبَ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ: عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ.
 [۱۹۵۸-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَرَّاقُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ
 الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ، قَرِيبٌ مِنَ
 الْجَنَّةِ، قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ، بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ؛ وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ، بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ، بَعِيدٌ مِنَ
 النَّاسِ، قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ؛ وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ"
 هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَأَنَّهُ مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، إِلَّا مِنْ
 حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَقَدْ خُوِّلَفَ سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ يَحْيَى بْنِ
 سَعِيدٍ، إِنَّمَا يَرَوِي عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَائِشَةَ شَيْئٌ مُرْسَلٌ.

وضاحت: پہلی حدیث حضرت ایوب سختیانی: ابن ابی ملیکہ سے، اور وہ حضرت اسماء سے روایت کرتے ہیں،
 اور ایوب سختیانی کے علاوہ ابن ابی ملیکہ کے بعض دوسرے تلامذہ: ابن ابی ملیکہ اور حضرت اسماء کے درمیان عباد بن
 عبد اللہ بن الزبیر کا واسطہ بڑھاتے ہیں، مگر ایوب سختیانی کا کوئی شاگرد یہ واسطہ نہیں بڑھاتا (پس صحیح سند ایوب
 سختیانی کی ہے یعنی ابن ابی ملیکہ نے یہ حدیث براہ راست حضرت اسماء سے سنی ہے، اور جس نے عباد کا واسطہ بڑھایا
 ہے وہ مزید فی متصل الاسناد ہے)

دوسری حدیث سعید بن محمد وراق کی ہے، وہ یحییٰ بن سعید انصاری سے، اور وہ عبد الرحمن بن ہر مزاعرج سے، اور وہ
 حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں، حدیث کی یہ متصل ہے، اور یہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے اور سعید بن محمد سے
 آخر تک یہی ایک سند ہے، اور یحییٰ انصاری کے دوسرے تلامذہ سعید بن محمد کی سند کے برخلاف سند پیش کرتے ہیں، وہ
 یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختصر روایت کرتے ہیں، یعنی بیچ کے
 کسی راوی کا تذکرہ نہیں کرتے، پس یہ سند مرسل یعنی منقطع ہے، اور صحیح سند پہلی ہے یعنی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبُخْلِ

بخلی کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: خَصَلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ: دو باتیں کسی

مؤمن میں جمع نہیں ہوتیں: بخلی اور بد اخلاق۔

تشریح: اس حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ کسی مؤمن میں یہ دو صفیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں، اور مشاہدے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بخلی بد اخلاق نہیں ہوتا، خوش اخلاق ہوتا ہے، اور بد اخلاق بخلی نہیں ہوتا، دریا دل ہوتا ہے، اور خبر میں انشاء مضمر ہے یعنی ان دو صفتوں سے بچو، ورنہ کم از کم ایک سے بچو، دونوں کو جمع مت ہونے دو۔ حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ حَبْشٌ، وَلَا بَخِيلٌ، وَلَا مَذَّاءٌ: دغا باز جنت میں نہیں جائے گا اور نہ بخلی اور نہ احسان جملانے والا، یہ تین صفیں دخول جنت کے لئے بڑی رکاوٹیں ہیں، پس ان سے دامن بچاؤ۔ حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: الْمُؤْمِنُ غُرٌّ كَرِيمٌ، وَالْفَاجِرُ حَبْشٌ لَيْئِمٌ: مؤمن سادہ دل (بھولا بھالا سیدھا سادہ) شریف الطبع ہوتا ہے، اور بدکار (خواہ کافر ہو یا نام نہاد مسلمان) دغا باز کمینہ ہوتا ہے۔

تشریح: اس آخری حدیث کا بعض حضرات نے ایک دوسری حدیث سے تعارض سمجھا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: لَا يَلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرِ مَرَّتَيْنِ: مؤمن: ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا یعنی وہ دھوکہ نہیں کھاتا۔ اور یہ حدیث کہہ رہی ہے کہ مؤمن بھولا بھالا سادہ دل ہوتا ہے یعنی معاملات میں دھوکہ کھاتا ہے، پس یہ تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مؤمن بے شک بھولا اور سادہ دل ہوتا ہے مگر بے وقوف نہیں ہوتا، وہ ایک آدھ بار تو دھوکہ کھاتا ہے، مگر بار بار دھوکہ نہیں کھاتا، اور حدیث میں مرتین (تثنیہ) عدد کے لئے نہیں ہے، بلکہ تکرار کے لئے ہے، جیسے سورۃ الملک (آیت ۴) میں کورتین: عدد کے لئے نہیں، بلکہ تکرار کے لئے ہے یعنی بار بار دیکھ، پس یہاں بھی مرتین کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن بار بار دھوکہ نہیں کھاتا، کیونکہ وہ بے وقوف نہیں ہوتا بلکہ سادہ دل ہوتا ہے اس لئے کبھی دھوکہ کھا جاتا ہے، یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

[۴۱-] باب ماجاء فی البخل

[۱۹۵۹-] حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ، ثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى، ثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَالِبٍ الْحُدَّانِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خَصَلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: الْبُخْلُ، وَسَوْءُ الْخُلُقِ"
وفی الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَدَقَةَ بْنِ مُوسَى.

[۱۹۶۰-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، ثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى، عَنْ فَرْقِدِ السَّبْحِيِّ، عَنْ مَرَّةَ الطَّيِّبِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصَّدِّيقِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ حَبْشٌ، وَلَا بَخِيلٌ، وَلَا مَذَّاءٌ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

[۱۹۶۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ بَشْرِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ غَرٌّ كَرِيمٌ، وَالْفَاجِرُ حَبٌّ لَلِئِيمِ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں صدقہ بن موسیٰ معمولی درجہ کا راوی ہے اس لئے امام ترمذی کے اصول کے مطابق یہ حدیث صرف حسن ہے..... اور دوسری حدیث کی سند میں فرقہ سنی بھی ہے یہ بھی معمولی راوی ہے اس لئے یہ حدیث بھی صرف حسن ہے..... اور تیسری حدیث کی سند میں بشر بن رافع ہے جو ضعیف ہے، اور حدیث کی یہی ایک سند ہے پس یہ سند ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ

اہل و عیال پر خرچ کرنے کا بیان

اہل و عیال پر خرچ کرنے میں تنگی کرنے سے بھی معاشرہ خراب ہوتا ہے، بیوی جب تنگ آ جاتی ہے تو شوہر کے مال میں سے چپکے سے لیتی ہے، وہ بے چاری اس کے بغیر گھر کا خرچ کیسے چلائے؟ پھر جب لینے کی عادت پڑ جاتی ہے تو بے ضرورت بھی لیتی ہے، اسی طرح جب بچوں کو خرچ کے لئے باپ کچھ نہیں دیتا تو وہ بھی گھر میں چھوٹی موٹی چوری کرتے ہیں، اور جب ان کی عادت بگڑ جاتی ہے تو باہر بھی ہاتھ مارتے ہیں اور معاشرہ خراب ہو جاتا ہے، پس لوگوں کو سمجھنا چاہئے اور گھر کی ضروریات کے بقدر گھر میں خرچ دینا چاہئے، اور بچوں کو بھی ان کی عمروں کے لحاظ سے خرچ دینا چاہئے تاکہ وہ تنگ دستی کی وجہ سے کوئی دوسری راہ نہ سوچیں۔

حدیث (۱): نَبِيُّ ﷺ نے فرمایا: نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ: آدمی کا اپنی فیملی پر خرچ کرنا خیرات ہے، یعنی اس کا بھی ثواب ملتا ہے، پھر آدمی گھر والوں پر تنگی کیوں کرے؟

حدیث (۲): نَبِيُّ ﷺ نے فرمایا: بہترین دینار (تین ہیں) ایک: وہ دینار جس کو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرے۔ دوسرا: وہ دینار جس کو آدمی راہ خدا میں اپنی استعمال ہونے والی سواری پر خرچ کرے، تیسرا: وہ دینار جس کو آدمی راہ خدا میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ حدیث کے راوی ابو قلابہ عبد اللہ بن زید جرمی بصری جو بڑے درجہ کے آدمی ہیں فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے پہلے بال بچوں پر خرچ کرنے کا تذکرہ کیا (اس سے معلوم ہوا کہ یہی سب سے افضل خرچ کرنا ہے) پھر ابو قلابہ نے فرمایا: بتلاؤ! کونسا آدمی ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے، اس آدمی سے جو اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کو اس خرچ کرنے کی وجہ سے پاک دامن رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس خرچ کرنے کی وجہ سے بے نیاز رکھتے ہیں! (بال بچوں پر خرچ کرنے کی اسی حکمت کا باب کی تمہید

میں تذکرہ کیا گیا ہے)

[۴۲-] باب ماجاء فی النّفقة علی الأهل

[۱۹۶۲-] حدثنا أحمد بن محمد، ثنا عبد الله بن المبارك، عن شعبة، عن عدي بن ثابت، عن عبد الله بن يزيد، عن أبي مسعود الأنصاري، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "نفقة الرجل على أهله صدقة"

وفی الباب: عن عبد الله بن عمرو، وعمرو بن أمية، وأبي هريرة، هذا حديث حسن صحيح.

[۱۹۶۳-] حدثنا قتيبة، ثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن أبي قلابة، عن أبي أسماء، عن ثوبان، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أفضل الدينار: دينار يُنفقه الرجل على عياله، ودينار يُنفقه الرجل على دابته في سبيل الله، ودينار يُنفقه الرجل على أصحابه في سبيل الله"

قال أبو قلابة: بدأ بالعيال، ثم قال: وأى رجل أعظم أجراً من رجل يُنفق على عيال له صغار يُعفهم الله به، ويُغنيهم الله به؟ هذا حديث حسن صحيح.

باب ماجاء فی الضیافة، وغایة الضیافة: کَمْ هِيَ؟

مہمان نوازی اور اس کی آخری حد

مہمان نوازی معاشرہ کی ایک بنیادی ضرورت ہے، آدمی ہمیشہ گھر پر نہیں رہتا، ادھر ادھر بھی جاتا ہے، اور توشہ ساتھ نہیں لے جاتا، پس اگر لوگ اس کی میزبانی نہیں کریں گے تو وہ بھوکا مرے گا، شہروں میں تو انتظام ہوتا ہے، آدمی پیسوں سے بھی کھا سکتا ہے، مگر دیہاتوں میں کوئی شکل نہیں ہوتی، اس لئے ضروری ہے کہ معاشرہ ایسے بے سہارا لوگوں کا تعاون کرے اور ان کی میزبانی کرے۔

پھر جمہور علماء کے نزدیک مہمانی کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور بعض حضرات کی رائے میں ضیافت واجب ہے، ابوداؤد (حدیث ۳۷۵۰ کتاب الأطعمة) میں روایت ہے: لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ: یک شبانہ روز مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب ہے، نیز باب کی پہلی حدیث میں جو تعبیر ہے وہ بھی وجوب پر دلالت کرتی ہے، اس لئے علماء نے حدیثوں کو مختلف طرح سے جمع کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے روایات کو ناخ و منسوخ قرار دیا ہے، یعنی وجوب پر دلالت کرنے والی روایتیں ابتدائے اسلام کی ہیں، بعد میں یہ وجوب ختم کر دیا گیا تھا۔ الکوکب الدری میں بھی یہی توجیہ کی گئی ہے، مگر بہتر تطبیق یہ ہے کہ وجوب پر دلالت کرنے والی روایات بھی استحباب پر محمول ہیں، اس لئے کہ حق کی

دو قسمیں ہیں: ایک شریعت کا حق اور دوسرا مروّت و انسانیت کا حق، اگر یہ دوسرا حق مراد لیا جائے تو اس روایت سے بھی ضیافت کا استحباب ثابت ہوگا، یہی لفظ غسل جمعہ کے مسئلہ میں آیا ہے وہاں بھی علماء نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

حدیث (۱): حضرت ابو شریح عدوی، کنعی، خزاعی خویلد بن عمروؓ کہتے ہیں: میری دونوں آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور میرے دونوں کانوں نے آپؐ کی بات سنی ہے جب آپؐ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ: جائزۃ: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور اکرام سے مراد اس کا انعام ہے۔ جائزۃ: ضیفہ سے بدل ہے، صحابہ نے پوچھا: مہمان کا انعام کیا ہے؟ (ان کا مقصد انعام کی مدت معلوم کرنا تھا یعنی مہمان کے لئے کتنے دن تک ضیافت کا اہتمام کیا جائے؟) آپؐ نے فرمایا: یَوْمٌ وَلَيْلَةٌ: یک شبانہ روز ضیافت میں تکلف کرنا اس کا انعام ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا: وَالضَّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ: اور مہمانی تین دن ہے، اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ خیرات ہے (یعنی ایک رات دن تک تو میزبانی کا اہتمام کرنا چاہئے، پھر ماہِ حضر پیش کیا جائے اور پھر بھی مہمان نہ جائے تو خندہ پیشانی سے کھلایا جائے، کیونکہ آدمی خیرات کرتا ہی ہے، اس کو بھی ایک خیرات سمجھے) اور نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ خَيْرٌ أَوْ لَيْسَ كُنْتُ: اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے، کیونکہ منہ سے نکلی ہوئی بات ریکارڈ کر لی جاتی ہے، پس اگر بھلے طریقہ پر مہمان سے کوئی بات کہے جس سے وہ رخصت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ رخصت کرنے کے لئے بھونڈا طریقہ اختیار نہ کرے۔

ایک واقعہ: ایک بدو کے یہاں مہمان آیا، وہ جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا، میاں بیوی نے طے کیا کہ آج رات ہم آپس میں باتیں کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مہمان کب تک رکے گا؟ چنانچہ جب رات میں بیٹھے تو کسی بات پر شوہر نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی روزی ہمارے یہاں آئندہ کل بھی رکھی ہے: بات یوں ہے، مہمان سن رہا تھا، مگر کچھ نہ بولا جس سے معلوم ہوا کہ وہ آئندہ کل رکنے والا ہے، پھر بیوی نے کہا: میرے سرتاج! قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی ہمارے یہاں آئندہ پرسوں کی بھی روزی رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ کہہ رہے ہیں بلکہ بات اس طرح ہے، مہمان یہ سن کر بولا: قسم ہے اس ذات کی جس نے میری روزی آپ حضرات کے یہاں ایک مہینہ تک رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ دونوں کہہ رہے ہیں بلکہ بات اس طرح ہے، وہ سمجھ گئے کہ یہ آفت مہینہ تک ٹلنے والی نہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: مہمانی تین دن ہے اور اس کا انعام یعنی اس کے لئے ضیافت کا اہتمام ایک رات دن ہے، اور جو کچھ اس کے بعد اس پر خرچ کیا جائے وہ خیرات ہے، اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس پڑا رہے یہاں تک کہ اس کو تنگ کر دے، قَوِي يَتَوَي قَوَاءً کے معنی ہیں: قیام کرنا، ٹھہرنا، اور اُحْرَجَ فَلَانًا

کے معنی ہیں تنگی اور پریشانی میں ڈالنا، یہ حدیث بھی ابو شریح کعمیٰ ہی کی ہے، البتہ اس کا آخری جملہ پہلی حدیث میں نہیں ہے، اور پہلی حدیث کا آخری جملہ یہاں نہیں ہے۔

[۴۳-] باب ماجاء فی الضیافۃ، وغایۃ الضیافۃ: کمرہی؟

[۱۹۶۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: أَبْصَرْتُ عَيْنَايَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَمِعْتُهُ أَدْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ: "مَنْ كَانَ يَوْمٌ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ: جَائِزَتُهُ" قَالُوا: وَمَا جَائِزَتُهُ؟ قَالَ: "يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ" قَالَ: "وَالضَّيْفَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَمَنْ كَانَ يَوْمٌ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيَقْلُ خَيْرًا أَوْ لَيْسَ كُنْتُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۹۶۵-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ ابْنِ عَجَلَانَ، عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الضَّيْفَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَمَا أَنْفَقَ عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَوَيَّعَ عِنْدَهُ حَتَّى يُخْرِجَهُ" وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "لَا يَتَوَيَّعَ عِنْدَهُ" يَعْنِي الضَّيْفَ: لَا يَقْبَلُهُ عِنْدَهُ حَتَّى يَشْتَدَّ عَلَى صَاحِبِ الْمَنْزِلِ، وَالْحَرْجُ: هُوَ الضَّيْقُ، إِنَّمَا قَوْلُهُ: "حَتَّى يُخْرِجَهُ" يَقُولُ: حَتَّى يُضَيِّقَ عَلَيْهِ.

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو شُرَيْحٍ الْخَزَاعِيُّ: هُوَ الْكَعْبِيُّ، وَهُوَ الْعَدَوِيُّ، وَاسْمُهُ: خُوَيْلِدُ بْنُ عَمْرٍو.

وضاحت: لایثوی کا فاعل ضیف ہے یعنی مہمان نہ ٹھہرا رہے میزبان کے پاس یہاں تک کہ تنگی کر دے گھر والے پر، اور حوج کے معنی تنگی کے ہیں، اور حتیٰ یُخْرِجہ کے معنی ہیں: یہاں تک کہ اس پر تنگی کر دے۔

بابُ ماجاء فی السَّعْيِ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ

بیوہ اور یتیم کے کام کرنے کی فضیلت

الأَرْمَلَةُ: الْأَرْمَلُ کا مَوْنُث ہے، جس کے معنی ہیں: بیوہ، یعنی جس کا شوہر مر گیا ہو، اس کی جمع أَرْمَلَةٌ ہے، اور یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کا باپ مر گیا ہو، اور یتیم سے یہاں مراد وہ بچہ ہے جو بیوہ کے پاس ہے، حدیث میں اگرچہ لفظ مسکین آیا ہے مگر عام مسکین مراد نہیں، بلکہ بیوہ کا یتیم بچہ مراد ہے، چنانچہ امام ترمذی نے باب میں مسکین کے

بجائے یتیم استعمال کیا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ حدیث میں خاص مسکین مراد ہے۔

کبھی بیوی پہلے مرجاتی ہے تو شوہر ضرورت ہو تو دوسری شادی کر لیتا ہے، خواہ پہلی بیوی سے اولاد ہو یا نہ ہو، اور کبھی شوہر پہلے مرجاتا ہے تو عورت اگر بے اولاد ہوتی ہے، یا اولاد کی پرورش کرنے والا کوئی ہوتا ہے تو وہ نکاح ثانی کر لیتی ہے، لیکن عورت کبھی بوڑھی ہوتی ہے، یا اولاد کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو وہ نکاح نہیں کرتی، شوہر کی اولاد کو پالتی ہے، ایسی صورت میں بیوہ اور اس کا بچہ بے سہارا ہوتے ہیں، پس ضروری ہے کہ معاشرہ ان کی خبر گیری کرے، ان کے کام کاج کرے، ان کا تعاون کرے اور اپنے کاموں پر ان کے کاموں کو مقدم رکھے، معاشرہ کی خوبی کے لئے یہ بات ضروری ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ: بیوہ اور مسکین کے کام انجام دینے والا راہِ خدا میں لڑنے والے کی طرح ہے، یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات میں نفلیں پڑھتا ہے۔

تشریح: اس شخص کو جو بیوہ اور یتیم کے کام انجام دیتا ہے: مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، یا شب و روز عبادت کرنے والے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، یعنی ان کے مانند قرار دیا ہے، یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہے، اور پہلے ابواب الجہاد میں حدیث گزری ہے جس میں نبی ﷺ نے مجاہد اور عبادت گزار کو ایک دوسرے کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ غرض ان بے سہارا لوگوں کا سہارا بننا بہت بڑا ثواب کا کام ہے، لوگوں کو چاہئے کہ وہ یہ فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

[۴۴-] باب ماجاء فی السَّعْيِ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ

[۱۹۶۶-] حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ"

[۱۹۶۷-] حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، نَا مَعْنٌ، نَا مَالِكٌ، عَنْ ثَوْرٍ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِثْلَ ذَلِكَ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ: وَأَبُو الْغَيْثِ: اسْمُهُ سَالِمٌ، مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطِيعٍ، وَثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ: شَامِيٌّ، وَثَوْرُ بْنُ زَيْدٍ مَدَنِيٌّ.

وضاحت: حدیث کی پہلی سند مرسل ہے، صفوان بن سلیم تابعی ہیں، ان سے امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کی

ہے، اور دوسری سند متصل ہے یہ بھی امام مالکؒ کی سند ہے مگر وہ ثور بن زید سے روایت کرتے ہیں، یہ دلی مدنی ہیں اور ثقہ ہیں، اور ایک دوسرا راوی ثور بن یزید ہے یہ حمص کا باشندہ ہے یعنی شامی ہے، اور یہ بھی ثقہ ہے مگر اس سند میں یہ راوی نہیں..... اور ابوالغیث کا نام سالم ہے، یہ مدنی ہیں، ابن مطیع کے آزاد کردہ ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاَقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبَشْرِ

خندہ پیشانی اور شگفتہ روئی کا بیان

معاشرہ کی خوبی اس بات کی رہن منت ہے کہ ہر شخص خندہ پیشانی، ہشاش بشاش دوسرے سے ملے، تاکہ باہمی ملاقاتیں خوش گوار ہوں اگر لوگ ترش روئی اور منہ لٹکا کر ایک دوسرے سے ملیں گے تو ہر شخص کبیدہ خاطر ہوگا۔ اس لئے معاشرہ کو پروان چڑھانے کے لئے بوقت ملاقات بشاشت ضروری ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ہر معروف (وہ کام جس کی خوبی عقل و شرع سے ثابت ہو) خیرات ہے، یعنی اس پر اجر و ثواب ملتا ہے، اور معروف کاموں میں سے یہ دو کام ہیں: ایک: آپ اپنے دینی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملیں، دوسرا: آپ اپنے ڈول میں سے اپنے دینی بھائی کے برتن میں پانی ڈالیں یعنی اس کے پاس ڈول نہ ہو تو آپ اپنے ڈول سے اس کا ٹکا بھر دیں۔

[۴۵-] بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاَقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبَشْرِ

[۱۹۶۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا الْمُتَكِدِرُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ الْمُتَكِدِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ: أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفَرِّغَ مَنْ دَلُوكَ فِي إِنْاءٍ أَخِيكَ" وفي الباب: عَنْ أَبِي ذَرٍّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدْفِ وَالْكَذْبِ

سچ بولنے اور جھوٹ بولنے کا بیان

سچ بولنا اور جھوٹ بولنا: ایسی دو باتیں ہیں جن سے معاشرہ سنورتا ہے اور بگڑتا ہے، اگر لوگ آپس میں سچ بولیں گے تو معاشرہ پروان چڑھے گا۔ اور اگر جھوٹ بولیں گے تو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوں گی، اس لئے اسلام نے سچ بولنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے اور جھوٹ بولنے سے بہت سختی سے روکا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: سچ بولنے کو لازم پکڑو، اس لئے کہ سچ بولنا نیک کاموں کی راہ دکھاتا ہے، اور نیک کام جنت میں پہنچاتے ہیں، اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سچا لکھ دیا جاتا ہے..... اور جھوٹ بولنے سے بچو، اس لئے کہ جھوٹ بولنا بدکاریوں کی راہ دکھاتا ہے اور بدکاریاں دوزخ میں پہنچاتی ہیں، اور بندہ برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک مہاجر جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

تشریح: اعمال کا حال عادات جیسا ہے، اور جس طرح اچھی بری عادتیں آہستہ آہستہ بنتی ہیں اچھے برے اعمال میں کمال بھی رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے، اور ایک اچھا عمل دوسرے اچھے عمل تک پہنچاتا ہے اور اسی طرح آدمی اچھے اعمال کرتا کرتا جنت میں پہنچ جاتا ہے، سچ بولنا بھی ایک ایسا ہی نیک عمل ہے جو دوسرے نیک عمل تک مفصلی ہوتا ہے، پھر وہ نیک اعمال اسے جنت تک پہنچاتے ہیں، اور جھوٹ بولنا نہایت برا عمل ہے وہ دوسرے برے عمل تک مفصلی ہوتا ہے اور آدمی یکے بعد دیگرے برائیاں کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔

دوسرا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ آدمی صدیق (نہایت سچا) اور کذاب (نہایت جھوٹا) ایک دم نہیں بن جاتا بلکہ رفتہ رفتہ بنتا ہے، اگر آدمی برابر سچ بولتا رہے اور سچ بولنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے تو ایک دن وہ صدیق بن جاتا ہے اور یہی حال جھوٹ بولنے کا ہے، پس ہر مومن کو سچ بولنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے تاکہ نبوت کے بعد جو سب سے بڑا مقام (صدیقیت) ہے اس کو حاصل کر سکے، اور جھوٹ سے ہر طرح دامن بچانا چاہئے، چھوٹی چنگاری کو بھی چھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے، وہ گھر پھونک سکتی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِذَا كَذَّبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِثْلًا مِنْ نَتْنٍ مَا جَاءَ بِهِ: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے اس کلمہ کی بدبو سے جس کو وہ بولا ہے۔

تشریح: جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو محسوس کرتے ہیں، اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آ جاتی ہے (معارف الحدیث ۲: ۲۶۴)

[۴۶-] باب ماجاء فی الصّدقِ وَالکِذْبِ

[۱۹۶۹-] حَدَّثَنَا هَذَا، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى

الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ، وَيَتَحَرَّى الصَّدْقَ، حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدْقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ، وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَابًا“

وفی الباب: عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ، وَابْنُ عُمَرَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. [۱۹۷۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ هَارُونَ الْغَسَّانِي: حَدَّثَكُمُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِثْلًا مِنْ نَتْنٍ مَا جَاءَ بِهِ“ قَالَ يَحْيَى: فَافْقَرْتُ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنِ هَارُونَ، وَقَالَ: نَعَمْ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنِ هَارُونَ.

وضاحت: اس حدیث کی سند میں عبد الرحیم بن ہارون غسانی ہے، یہ راوی ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے، کیونکہ آپ ہلکے ضعیف راوی کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفُحْشِ

بری باتوں کا بیان

فُحْش: باب نصر اور کرم کا مصدر ہے، فَحَشَ الْقَوْلُ أَوْ الْفِعْلُ کے معنی ہیں: قول فعل کا انتہائی برا ہونا، قابل مذمت ہونا اور الفاحشۃ کے معنی ہیں: قابل نفرت قول و فعل، گندی بات اور گندہ کام۔ اور تَفَحَّشَ کے معنی ہیں: بہ تکلف فحش گفتگو کرنا۔ فحش گوئی، بدکلامی اور گالی گلوچ بھی معاشرہ کے لئے کلنگ کا ٹیکہ ہے، اور خوش کلامی، شرم و حیا اور لحاظ و مروت معاشرہ کے لئے خوبی کی بات ہے۔

پھر بعض لوگ تو بدکلامی اور گالی گلوچ کے عادی ہوتے ہیں، اور بعض بہ تکلف بھونڈے الفاظ بولتے ہیں، یہ بھی طریقہ نبوی کے خلاف ہے، نبی ﷺ نہ فطری طور پر بدگوئی فرماتے تھے، بلکہ آپ خوش کلام تھے، لوگوں سے سنجیدہ گفتگو کرتے تھے، اور آپ کا ارشاد ہے: مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ، وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ: جس چیز میں بھی بدگوئی شامل ہو جاتی ہے: وہ اس کو عیب دار بنادیتی ہے، اور جس چیز میں بھی حیا و لحاظ شامل ہو جاتا ہے وہ اس کو شاندار بنادیتا ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نہ فطری طور پر بدگوئی کرتے تھے، کیونکہ یہ بد اخلاقی ہے، اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: خِيَارُكُمْ أَحَابِسُكُمْ أَخْلَاقًا: تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہیں، پس لوگوں کو چاہئے کہ خوش کلامی اختیار کریں، لحاظ و مروت سے کام لیں اور بدکلامی اور گالی گلوچ سے دور رہیں، اور لوگوں سے بھونڈے انداز

پر خطاب نہ کریں، اس سے معاشرہ کی قدر گھٹتی ہے۔

[۴۷-] باب ماجاء فی الفُحْشِ

[۱۹۷۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنَعَانِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ، وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ"

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ.

[۱۹۷۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَنبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا" وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فی اللَّعْنَةِ

لعنت کا بیان

اللَّعْنَةُ: باب فتح کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: بددعا دینا، لعنت بھیجنا، اور لَعَنَهُ اللہ کے معنی ہیں: یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اس کو خیر سے محروم کر دے، اور بھلائی سے دور کر دے۔

لعنت کرنا، پھنکار بھیجنا اور بددعا دینا: بدگوئی کا آخری درجہ ہے اور ڈھیلا اگر کسی سخت چیز پر پھینکا جائے تو وہ ٹکرا کر واپس آتا ہے، اسی طرح لعنت اگر کسی ایسے شخص پر کی جائے جو لعنت کا مستحق نہیں تو وہ لوٹ کر واپس آتی ہے، اور لعنت بھیجنے والا خود ملعون ہو جاتا ہے، اور ڈھیلا اگر کسی نرم چیز پر مارا جائے تو وہ اس میں گھس جاتا ہے، اسی طرح لعنت اگر مستحق پر بھیجی جائے تو وہ اس پر اثر انداز ہوتی ہے، اور وہ ملعون ہو جاتا ہے، اس لئے جس شخص کا بالیقین دشمن خدا ہونا معلوم ہو جیسے شیطان، فرعون اور قادیانی وغیرہ، ان پر لعنت بھیجنا جائز ہے، اور جس کا بالیقین کافر ہونا معلوم نہ ہو اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں، کیونکہ اگر وہ مستحق نہ ہو تو لعنت لوٹ کر لعنت بھیجنے والے پر واپس آئے گی، اور وہ خود ملعون ہو جائے گا۔

پھر لعنت تو آخری درجہ کی بددعا ہے، شریعت نے تو عام بددعا کرنے سے بھی روکا ہے، کیونکہ کبھی قبولیت کی گھڑی

ہوتی ہے اور بددعا قبول ہو جاتی ہے، پھر پچھتانا پڑتا ہے، علاوہ ازیں: لعنت ملامت کرنے سے اور بددعائیں دینے سے معاشرہ بھی خراب ہوتا ہے، لوگوں کے دلوں میں میل اور آپس میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے ہمیشہ لوگوں کو اچھی دعائیں دینی چاہئیں یا خاموش رہے، لعنت ملامت کرنے سے اور بددعائیں دینے سے احتراز کرے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَلْعَنُوا بِلَعْنَةِ اللَّهِ، وَلَا بِغَضَبِهِ، وَلَا بِالنَّارِ: ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت مت بھیجو، نہ اللہ کے غصہ کی بددعا کرو، اور نہ دوزخ کی بددعا کرو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا الْبَذِيّ: مؤمن طعنہ باز نہیں ہوتا، نہ بے حد لعنت کرنے والا ہوتا ہے اور نہ بے ہودہ باتیں کرنے والا ہوتا ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ کے سامنے کسی نے ہوا پر لعنت بھیجی (ہوا اس کے کپڑے اڑا رہی ہوگی) اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہوا پر لعنت مت بھیجو اس لئے کہ وہ حکم دی ہوئی ہے“ یعنی وہ اللہ کے حکم سے چلتی ہے، وہ اپنے اختیار سے کسی کو پریشان نہیں کرتی ”اور بیشک شان یہ ہے کہ جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے جو اس کا اہل نہیں تو وہ لعنت: بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے“ (یہ وہی بات ہے جو اوپر ہم نے تمہید میں سمجھائی ہے)

[۴۸-] باب ماجاء في اللَّعْنَةِ

[۱۹۷۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سُمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا تَلْعَنُوا بِلَعْنَةِ اللَّهِ، وَلَا بِغَضَبِهِ، وَلَا بِالنَّارِ“.

وفي الباب: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ؛ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. [۱۹۷۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْأَزْدِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا الْبَذِيّ“.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ.

[۱۹۷۵-] حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمٍ الطَّائِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا بَشَرُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ”لَا تَلْعَنِ الرِّيحَ، فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ، وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ“.

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسَنَدَهُ غَيْرَ بَشَرِ بْنِ عُمَرَ.

باب ماجاء فی تعلّم النسب

نسب سیکھنے کا بیان

قریب کے رشتہ داروں کو تو لوگ جانتے ہیں مگر دور کے رشتہ داروں سے واقف نہیں ہوتے، دادا پر دادا کے اوپر سے پھیلے ہوئے رشتہ دار بہت کم لوگ جانتے ہیں، ایسی صورت میں دور کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کیسے کریں گے! اس لئے نبی ﷺ نے حکم دیا: تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ، مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ: اپنے نسبوں میں سے اتنے سیکھو جن کے ذریعہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکو، یعنی پہچان سکو کہ یہ ہمارے رشتہ دار ہیں، پس ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکو، فَإِنَّ صَلَاةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ: پس بیشک خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنا: خاندان میں محبت کا سبب ہے، مال میں زیادتی کا ذریعہ ہے اور نشان میں تاخیر کا باعث ہے۔

تشریح:

۱- جو شخص خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اس سے پورا خاندان محبت کرتا ہے، اس لئے فرمایا کہ صلہ رحمی خاندان کی محبت کا باعث ہے۔

۲- المَثْرَاةُ کے معنی ہیں: مال کی کثرت کا سبب، اسی سے اردو میں ثروت بمعنی مالدار مستعمل ہے، خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے آدمی کا مال بڑھتا ہے، آدمی کو اس کی قسمت کا بھی ملتا ہے اور دوسروں کی قسمت کا بھی، آدمی جب تک اکیلا ہوتا ہے یا صرف میاں بیوی ہوتے ہیں آمدنی کم ہوتی ہے، پھر جب اولاد ہوتی ہے تو آمدنی بھی بڑھتی ہے، کیونکہ اولاد کے حصہ کی روزی بھی اللہ تعالیٰ باپ کو دیتے ہیں، اسی طرح غریبوں پر خیرات کرنے والے کی روزی بھی بڑھتی ہے، غریبوں کی قسمت کی روزی بھی اللہ تعالیٰ اس خیرات کرنے والے کے وایا بھیجتے ہیں، یہی حال خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہے، وہ بھی مال میں زیادتی کا سبب ہے۔

۳- مَنْسَأَةٌ کے معنی ہیں: درازی عمر کا باعث، نَسَاءُ الشَّيْءِ کے معنی ہیں: مؤخر کرنا، اور الْأَثَرُ کے معنی ہیں: نشان، جیسے چلنے والے کے پیروں کے نشان: اس کے قدموں کے آثار ہیں، صلہ رحمی: نشان میں تاخیر کا سبب ہے، یعنی ایسے شخص کو لمبے عرصہ تک یاد کرتے ہیں، اس کے گن گاتے ہیں، اور لوگ دنیا میں اپنا نام باقی رکھنے کے لئے ہر طرح کے جتن کرتے ہیں، پس صلہ رحمی کر کے بھی دیکھ لیں، یہ بھی آدمی کو یادگار بناتا ہے۔

اور دوسرا مطلب: یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ صلہ رحمی سے عمر دراز ہوتی ہے، اور زیادہ جینے کی تمنا ہر شخص رکھتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ صلہ رحمی کریں، خاندان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، ان کی عمر میں اضافہ ہوگا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

[۴۹-] باب ماجاء فی تعلّم النّسب

[۱۹۷۶-] حدثنا أحمد بن محمد، ثنا عبد الله بن المبارك، عن عبد الملك بن عيسى الثقفي، عن يزيد مولى المنبغث، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "تعلّموا من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم، فإن صلة الرحم محبة في الأهل، مثرة في المال، منسأة في الأثر" هذا حديث غريب من هذا الوجه، ومعنى قوله: "منسأة في الأثر" يعني به الزيادة في العمر.

باب ماجاء فی دعوۃ الأخ لأخيه بظہر الغیب

مسلمان کی مسلمان کے لپیٹھ پیچھے دعا

جس طرح بری دعاؤں سے معاشرہ خراب ہوتا ہے، اچھی دعاؤں سے معاشرہ کی قدریں بڑھتی ہیں، آپس میں میل ملاپ پیدا ہوتا ہے، اور جس طرح بد دعائیں ممنوع ہیں نیک دعائیں مطلوب ہیں، اور جس طرح بد دعائیں پیٹھ پیچھے ممنوع ہیں، نیک دعائیں مطلوب ہیں، بلکہ جو دعائیں پیٹھ پیچھے کی جاتی ہیں وہ جلد قبول ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، سامنے کی دعا میں بناوٹ اور دکھاوا بھی ہو سکتا ہے، مگر پیٹھ پیچھے کی دعا میں اس کا کوئی احتمال نہیں ہوتا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: مَا دَعْوَةٌ أَسْرَعَ إِجَابَةً مِنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِّغَائِبٍ: کوئی دعا زیادہ جلد قبول ہونے والی نہیں، غائب کی دعا سے غائب کے لئے، یعنی اگر کوئی شخص پیٹھ پیچھے کسی کے لئے دعا کرے تو وہ دعا بہت جلد قبول ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ مہنی براخلاص ہوتی ہے اور یہ حدیث ٹھیک ہے، افریقی ٹھیک راوی ہے، اس پر جرح غلط فہمی کی وجہ سے کی گئی ہے (تفصیل تحفۃ اللمعی ۱: ۲۸۵ میں گزر چکی ہے) مگر امام ترمذی رحمہ اللہ اس راوی سے ناراض ہیں، اس لئے ہر جگہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

[۵۰-] باب ماجاء فی دعوۃ الأخ لأخيه بظہر الغیب

[۱۹۷۷-] حدثنا عبد بن حميد، ثنا قبيصة، عن سفيان، عن عبد الرحمن بن زياد بن أنعم، عن عبد الله بن يزيد، عن عبد الله بن عمرو، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما دعوۃ أَسْرَعَ إِجَابَةً مِنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِّغَائِبٍ".

هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه، والإفریقی يضعف في الحديث، وهو عبد الرحمن بن زياد بن أنعم الإفریقی.

باب ماجاء فی الشتم

گالی گلوچ کا بیان

گالیاں بکنا اور فحش باتیں کرنا بھی معاشرہ کو خراب کرتا ہے، اور دلوں میں نفرت کا بیج بوتا ہے جس کا انجام بہت برا ہوتا ہے، اس لئے معاشرہ کو اس سے بھی پاک رکھنا ضروری ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: الْمُسْتَبَانِ: مَا قَالَا: فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ: ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے: جو کچھ دونوں کہتے ہیں: پس اس کا گناہ دونوں میں سے ابتداء کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم حد سے نہ بڑھے (اور اگر وہ حد سے نکل جائے یعنی ظالم سے سخت یا زیادہ گالیاں دے تو پھر وہ خود اپنی گالیوں کا ذمہ دار ہے اس کی گالیوں کا گناہ اسی پر ہوگا)

لغات: الْمُسْتَبَانِ: تشبیہ ہے الْمُسْتَبِ كَا، اس کا فعل ہے اسْتَبَّ: ایک دوسرے کو گالی دینا، اور اس کا مجرد: سَبَّ يَسُبُّ سَبًّا ہے یعنی گالی دینا، برا کہنا..... الْبَادِي: اسم فاعل ہے، بَدَأَ يَبْدَأُ بَدَأً الشَّيْءَ سے جس کے معنی ہیں: شروع کرنا، آغاز کرنا..... اعْتَدَى علیہ کے معنی ہیں: زیادتی کرنا، حد سے بڑھنا، تجاوز کرنا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَيُتَوَذَّرُوا الْأَحْيَاءُ: مرے ہوؤں کو گالیاں مت دو، پس تم زندوں کو ستاؤ۔

تشریح: جو لوگ دنیا سے گذر گئے ان کو برا کہنا اور گالیاں دینا اس لئے جائز نہیں کہ اس سے ان کے زندہ متعلقین کو تکلیف ہوگی، اس لئے جس طرح زندہ شخص کو گالیاں دینا حرام ہے، مردوں کو گالیاں دینا بھی حرام ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ: مسلمان کو گالی دینا فسق (دینداری کی حد سے نکلنا) ہے اور مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔

تشریح: فسق کے معنی ہیں حد سے نکل جانا، کہتے ہیں: فَسَقَتِ الرُّطْبَةُ عَنْ قَشْرِهَا: کھجور اس کے گانھے سے نکل آئی، اور دینداری کی بھی ایک حد (سرکل) ہے، جو شخص اس کے اندر ہے وہ دیندار ہے، اور جو اس سرکل سے نکل گیا وہ فاسق ہے، تمام حرام کاموں اور کبیرہ گناہوں کا مرکب سرکل سے باہر ہو جاتا ہے، پس جب مسلمان کو گالی دینا فسق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حرام کام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اور کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنا آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے، جیسے جان بوجھ کر نماز چھوڑنا آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے اور ایسے گناہوں پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آیا ہے، نماز چھوڑنے والے پر بھی یہ اطلاق آیا ہے۔

سوال: گناہ دو طرح پر کیا جاتا ہے: ایک: گناہ کو گناہ سمجھ کر، دوسرا گناہ کو حلال سمجھ کر۔ پہلی صورت میں مؤمن کا

قتل بھی فسق ہے اور دوسری صورت میں مؤمن کو گالی دینا بھی کفر ہے، کیونکہ کسی بھی گناہ کو حلال سمجھ کر کرنا کفر ہے، پھر ایک کو فسق اور دوسرے کو کفر کیوں کہا؟

جواب: اوپر ہم نے جو حدیث کی شرح کی ہے اس سے جواب سمجھ میں آجائے گا۔ قتل مؤمن پر کفر کا اطلاق تہدیداً ہے، کیونکہ قتل مؤمن حقیقتاً کفر نہیں اور دونوں گناہوں میں فرق مراتب کرنے کے لئے ایک پر فسق اور دوسرے پر کفر کا اطلاق کیا ہے، اور یہ ارشاد گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کر نیکی صورتیں ہے، کیونکہ گناہ کو کوئی مسلمان جائز سمجھ کر نہیں کر سکتا، الا یہ کہ وہ نام نہاد مسلمان ہو۔

[۵۱-] باب ماجاء فی الشتم

[۱۹۷۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُسْتَبَانِ: مَا قَالَا: فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ" وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۹۷۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَنُودُوا الْأَحْيَاءَ"

وَقَدْ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ سُفْيَانَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ، فَرَوَى بَعْضُهُمْ مِثْلَ رِوَايَةِ الْحَفَرِيِّ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا يُحَدِّثُ عَنِ الْمُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

[۱۹۸۰-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَكِيعٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ" قَالَ زُبَيْدٌ: قُلْتُ لِأَبِي وَائِلٍ: أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: دوسری حدیث کی سند میں تھوڑا اختلاف ہے، ابو داؤد حفری وغیرہ نے زیاد اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا اور سفیان کے بعض تلامذہ: جیسے عبد الرحمن بن مہدی: زیاد اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان ایک مجہول شخص کا واسطہ بڑھاتے ہیں، مگر صحیح سند بغیر واسطہ والی ہے، مگر چونکہ سند میں اختلاف ہو گیا اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا..... اور آخری حدیث کے آخر میں ہے کہ زبیدی یا میں نے ابو وائل شقیق بن سلمہ سے پوچھا: آپ نے یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں!

باب ماجاء فی قولِ المعروفِ

بھلی بات کہنے کا بیان

قولِ المعروف: موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے، جاننا چاہئے کہ جس طرح بری باتوں سے معاشرہ بگڑتا ہے، بھلی باتوں سے سنورتا ہے اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ ایسی باتیں کہیں جو عقلاً اور شرعاً پسندیدہ ہوں، تاکہ ثواب کے حق دار بھی بنیں، اور معاشرہ بھی سدھرے، واللہ الموفق۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں کچھ کمرے ایسے ہیں جن کا باہر اندر سے نظر آتا ہے اور ان کا اندر باہر سے نظر آتا ہے“ ایک بدو کھڑا ہوا، اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کمرے کن لوگوں کے لئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ: یہ کمرے ان لوگوں کے لئے ہیں جو اچھی باتیں کہتے ہیں، اور غریبوں کو کھلاتے ہیں اور ہمیشہ یعنی کثرت سے نفل روزے رکھتے ہیں، اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس حدیث کا پہلا جملہ باب سے متعلق ہے یعنی اچھی باتیں کہنے والوں کو جنت میں شاندار کمرے ملیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اچھی باتیں کہنے کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ ہم بھی ان کمروں کے وارث بنیں، مگر خیال رہے کہ یہ کمرے صرف اس ایک بات پر نہیں ملیں گے بلکہ حدیث میں جو چار باتیں ہیں ان کے مجموعے پر ملیں گے۔

[۵۲-] باب ماجاء فی قولِ المعروفِ

[۱۹۸۱-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تَرَى ظُهُورَهَا مِنْ بُطُونِهَا، وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا“ فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ“ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ.

باب ماجاء فی فضلِ المملوكِ الصالحِ

نیک غلام کی منقبت

غلام باندی بھی معاشرہ کا ایک حصہ ہیں، مگر وہ دوسرے درجہ کے لوگ سمجھے جاتے ہیں بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ کو فروتر سمجھتے ہیں، حالانکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں اور دین کے تعلق سے سب یکساں ہیں، اور شریعت کی پابندی

سب پر لازم ہے، پس معاشرہ کا ہر فرد دیندار ہوگا، جسبی معاشرہ شاندار بنے گا، اگر معاشرہ میں کچھ لوگ دین پر عمل نہ کریں تو وہ گیبہوں میں کنکر کی مثال ہونگے، ان کی وجہ سے معاشرہ کی خوبی خاک میں مل جائے گی، اس لئے احادیث میں غلاموں کو بھی دیندار بننے کی ترغیب دی ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: نَعْمَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ، وَيُؤَدَّى حَقَّ سَيِّدِهِ: بہت اچھا ہے وہ غلام جو لوگوں میں سے کسی ایک کے لئے ہے: جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے آقا کا حق ادا کرتا ہے۔
تشریح: نعم فعل مدح ہے، اور ما موصولہ ہے، اور اس سے مراد مملوک (غلام) ہے، اور ان يطيع سے غلام کے بہترین ہونے کی وجہ بیان کی ہے، جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو کعب احبار نے کہا: صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ: اللہ نے اور ان کے رسول نے سچ فرمایا، یہ تصدیق انھوں نے یا تو اس لئے کی ہے کہ انھوں نے تجربہ سے ایسے دیندار غلام کی خوبی جانی ہوگی یا انھوں نے یہ بات اہل کتاب کی کتابوں میں پڑھی ہوگی۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تین شخص قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہونگے: ایک: وہ غلام جو اللہ کا بھی حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقاؤں کا بھی حق ادا کرتا ہے۔ دوسرا: وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرتا ہے در انحالیہ وہ اس سے خوش ہیں، اور تیسرا: وہ شخص جو روزانہ پانچ نمازوں کی اذان دیتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث ابوالیقظان عثمان بن قیس کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ اس راوی کو اچھا سمجھتے ہیں، اس لئے حدیث کی تحسین کی ہے۔

[۵۳-] باب ماجاء فی فضل المملوک الصالح

[۱۹۸۲-] حدثنا ابن أبي عمير، ثنا سفيان، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "نعم ما لأحدِهِمْ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ، وَيُؤَدَّى حَقَّ سَيِّدِهِ" يَعْنِي الْمَمْلُوكَ، وَقَالَ كَعْبٌ: صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ.

وفی الباب: عَنْ أَبِي مُوسَى، وَابْنِ عُمَرَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۹۸۳-] حدثنا أبو كريب، ثنا وكيع، عن سفيان، عن أبي اليقظان، عن زاذان، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة على كُتُبَانِ الْمِسْكِ" أَرَاهُ قَالَ: "يَوْمَ الْقِيَامَةِ: عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ، وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ، وَرَجُلٌ يُنَادِي بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَأَنَّهُ لَمْ يَنْعَرَفْهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَفِيَّانَ، وَأَبُو الْيَقْظَانِ: اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ قَيْسٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُعَاشَرَةِ النَّاسِ

لوگوں کے ساتھ میل جول کا بیان

انسان مدنی الطبع ہے، ہل کر زندگی گزارنا اس کی فطرت ہے، جانوروں کی طرح دوسروں سے بے تعلق رہنا اس کے لئے ممکن نہیں، اس لئے میل جول کے لئے بھی کچھ احکام ہیں، تاکہ خوبصورت معاشرہ وجود میں آئے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ: اللہ سے ڈرو جہاں بھی تم ہو یعنی گھر میں ہو، گھر سے باہر ہو، تنہائی میں ہو، لوگوں کے ساتھ ہو، جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرو، یعنی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، اللہ سے ڈرنا اسی کا نام ہے، اللہ سے ڈرنا: دشمن سے، شیر سے یا سانپ سے ڈرنے کی طرح نہیں۔ یہ ڈرنا خوف کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اللہ سے ڈرنا محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے پیر سے، استاذ سے اور باپ سے ڈرنا محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، مرید، شاگرد اور فرمانبردار بیٹا ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے کہ پیر، استاذ یا باپ ناراض ہو جائے۔ اسی طرح مومن بندے کو بھی چونکہ اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ محبت ہے اس لئے وہ سوچتا ہے کہ اسے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں۔ اور مومن جہاں بھی ہو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر حال میں دیکھ رہے ہیں، تنہائی میں اگرچہ لوگ نہیں دیکھ رہے مگر اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

۲- وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمَحُّهَا: اور برائی کے پیچھے نیکی کرو، نیکی برائی کو مٹا دے گی۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ نیک کام یقیناً برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں، انسان چونکہ بشر ہے اس لئے اس سے غلطی ہو جاتی ہے۔ پس اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھیجی جائے، جیسے کپڑے پر داغ لگ جائے تو فوراً اس کو دھو ڈالنا چاہئے، داغ باقی نہیں رکھنا چاہئے۔ اور گناہ کے بعد نیکی گناہ سے تعلق رکھنے والی بھی ہو سکتی ہے اور عام نیکی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً حالت حیض میں بیوی سے صحبت کر لی تو ایک دینار صدقہ کرنا یا قسم توڑ دی تو کفارہ ادا کرنا یا گناہ ہو گیا تو صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر توبہ کرنا یہ سب گناہ سے تعلق رکھنے والی نیکیاں ہیں۔ اور عام نیکیاں کوئی بھی نیک کام کرنا ہے، اس سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں، جیسے وضو سے، نمازوں سے، عرفہ وغیرہ کے روزوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۳- وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ: اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاقی کا برتاؤ کرو، اس حکم کا باب سے تعلق ہے، پس معاشرتی معاملات میں اور باہمی میل جول میں ہر شخص کو چاہئے کہ اچھے اخلاق برتے تاکہ صالح معاشرہ وجود میں آئے۔

[۵-] باب ماجاء في معاشرۃ الناس

[۱۹۸۴-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانٌ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ، وَاتَّبِعِ السَّيْلَةَ الْحَسَنَةَ: تَمَحُّهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ"
وفي الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حدثنا محمود بن غيلان، ثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، وَأَبُو نُعَيْمٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ قَالَ مَحْمُودٌ: وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، قَالَ مَحْمُودٌ: وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی دوسندیں پیش کی ہیں، ایک حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اور دوسری حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ صحیح سند پہلی ہے۔

باب ماجاء في ظنِّ السَّوءِ

بدگمانی کا بیان

ظنُّ السَّوءِ میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے، اردو میں السَّوء کو پہلے لاکر ”بدگمانی“ کہتے ہیں، اور السَّوء (بفتح السين) مصدر ہے، اور السَّوء (بضم السين) اسم ہے، جس کی جمع اسواء آتی ہے، دونوں کے معنی ہیں: برائی، کہا جاتا ہے: رَجُلٌ سَوٌّ اور عَمَلٌ سَوٌّ: برا آدمی، اور برا کام۔ پس ظنُّ السَّوءِ کے معنی ہیں: برا گمان اور ظن کے معنی ہیں: گمان، خواہ اچھا ہو یا برا، مگر کبھی بدگمانی بھی اس لفظ کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

باہمی اختلافات کو اس طرح بھی بڑھا دیتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق سے بدگمان ہو جاتا ہے، وہ مخالف کی ہر بات کو اپنے خلاف سمجھتا ہے، اس کی بات میں اگرچہ ہزار احتمال بھلائی کے ہوں مگر وہ اس میں سے برائی کا پہلو نکال لیتا ہے، پھر وہ اس برے پہلو کی بنیاد پر فریق مخالف پر ہمتیں اور الزام لگانا شروع کرتا ہے، پھر اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے بھید معلوم ہوں تاکہ اس پر خوب حاشیے چڑھائے اور اس کی غیبت سے اپنی مجلسیں گرم کرے، اسی لئے سورۃ الحجرات (آیت ۱۲) میں ان تینوں چیزوں کی بالترتیب ممانعت فرمائی، ارشاد پاک ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ، إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ، وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور جستجو میں مت رہو، اور کوئی کسی

کی غیبت نہ کرے، اگر مسلمان اس ہدایت ربانی پر عمل کریں تو بد قسمتی سے جو اختلافات رونما ہو گئے ہیں وہ بھی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھیں گے، اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے گا، بلکہ چند دن میں اختلافات کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا (ماخوذ از فوائد شیریں)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ظن کے معنی ہیں: گمان، خیال، انکل اور اندازہ، یعنی ذہن کا کسی چیز کو ترجیح کے ساتھ قبول کر لینا: الاعتقاد الراجح مع احتمال النقيض اور ظن کبھی شک اور کبھی یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ظن کی بقول امام ابو بکر صراح رحمہ اللہ چار قسمیں ہیں: حرام، واجب، مندوب اور مباح۔ آیت کریمہ میں ممنوع گمان کا بیان ہے، باقی تین قسموں کا تذکرہ نہیں۔ اس لئے لفظ کثیراً بڑھایا ہے یعنی بہت سے گمانوں سے بچو، معلوم ہوا کہ بعض گمان جائز بھی ہیں اور وہ وہی ہیں جن کو بصاح نے واجب، مندوب اور مباح قرار دیا ہے، جس کی تفصیل معارف القرآن شفیع میں اسی آیت کے ذیل میں ہے۔

پھر یہ بہت سے گمان جن سے بچنے کا حکم ہے اگر ان کے مطابق کلام بھی کیا جائے یعنی ان کی بنیاد پر الزام تراشا جائے تو وہ گناہ ہے، اور اگر ان کی بنیاد پر کوئی کلام نہ کیا جائے تو وہ صرف ممنوع ہیں گناہ نہیں، یعنی مکروہ تنزیہی ہیں، اسی طرح آئندہ حدیث میں بھی اسی ممنوع گمان کا ذکر ہے، حدیث ہر گمان کو عام نہیں^(۱)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ: بدگمانی سے بچو، پس بیشک بدگمانی نہایت جھوٹی بات ہے۔

تشریح: لفظ ”الحدیث“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک گمان دماغ میں ہے گناہ نہیں، اگرچہ وہ بھی ممنوع ہے، البتہ جب وہ زبان پر آئے گا اور غلط ہوگا تو گناہ ہوگا اور نہایت گھناؤنا گناہ ہوگا، کیونکہ گمان پر اعتماد کر کے جو

(۱) اور وہ گمان جو واجب یا مندوب یا مباح ہیں ان کے بارے میں نصوص یہ ہیں: (۱) سورة النور آیت ۱۲۵ ہے: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا: هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾ یعنی جب آپ لوگوں نے یہ بات (حضرت صدیقہ پر تہمت) سنی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں کے بارے میں نیک گمان کیوں نہ کیا، اور یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (۲) ایک ضعیف حدیث ہے: إِنَّ مِنَ الْحَزْمِ سُوءُ الظَّنِّ: احتیاط کی بات یہ ہے کہ آدمی بدگمان رہے، یعنی تحقیق کے بغیر کسی پر اعتماد نہ کرے (۳) اور ایک بزرگ نے کہا ہے: طُفُّوا بِالْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا: یعنی مؤمنین کے بارے میں اچھا گمان رکھو (۴) اور قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کر کے جو ظن غالب قائم ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے (۵) نماز پڑھتے ہوئے رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے تو بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ تحری کی جائے اور جو ظن غالب قائم ہو اس پر عمل کیا جائے (۶) اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک إِيْحَالَةٌ یعنی مجتہد کا گمان بھی استنباط مسائل میں معتبر ہے..... غرض ہر گمان ناجائز نہیں بلکہ لوگ آپس میں جو برے گمان قائم کرتے ہیں وہی آیت اور حدیث کا مصداق ہیں۔

باتیں کی جاتی ہیں وہ عام طور پر از قبیل الزامات ہوتی ہیں، اس لئے وہ اکذب الحدیث ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گمان کی دو قسمیں ہیں: ایک گمان گناہ ہے، اور دوسرا گمان: گناہ نہیں، پس وہ گمان جو گناہ ہے وہ یہ ہے کہ آدمی ایک گمان قائم کرے پھر اس کو زبان پر لائے، اور اس کی بنیاد پر باتیں کرے، اور وہ گمان جو گناہ نہیں وہ یہ ہے کہ گمان گمان کی حد تک رہے، اس کو زبان پر نہ لائے تو اس میں کچھ گناہ نہیں، مگر پھر بھی ممنوع اس لئے ہے کہ وہ گمان گناہ تک پہنچا سکتا ہے۔

[۵۵-] باب ماجاء فی ظنّ السوء

[۱۹۸۵-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزُّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّا كُفِّرُوا الظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَسَمِعْتُ عَبْدَ بْنَ حُمَيْدٍ يَذْكُرُ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ سُفْيَانَ، قَالَ: قَالَ سُفْيَانُ: الظَّنُّ ظَنَانٍ: فَظَنُّ إِثْمٍ، وَظَنٌّ لَيْسَ بِإِثْمٍ، فَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِي هُوَ إِثْمٌ: فَالَّذِي يَظُنُّ ظَنًّا، وَيَتَكَلَّمُ بِهِ، وَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِي لَيْسَ بِإِثْمٍ: فَالَّذِي يَظُنُّ، وَلَا يَتَكَلَّمُ بِهِ.

بابُ ماجاء فی المزاح

خوش طبعی کا بیان

معاشرہ کی خوبی میں خوش طبعی کا بھی بڑا دخل ہے، کبھی کبھی حدود میں رہ کر ہنسی مذاق کرنا طبعیتوں میں فرحت پیدا کرتا ہے۔ نبی ﷺ کی سیرت میں خوش طبعی تھی، آپؐ کبھی کبھی دل لگی کی باتیں بھی کرتے تھے، حدیثوں میں اس سلسلہ کے متعدد واقعات آئے ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الادب میں باب ۸۱ الإنبساط إلى الناس قائم کیا ہے، یعنی کبھی سنجیدگی ختم کر دینا اور لوگوں سے بے تکلف ہو جانا بھی نبی ﷺ سے ثابت ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں چار روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے پہلی روایت کتاب الصلوٰۃ (تحفۃ اللمعی ۱۵۵:۲) میں گزر چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا ہمارے گھرانے کے ساتھ اتنا میل جول تھا کہ گھر کے چھوٹے بچوں کے ساتھ آپؐ دل لگی فرماتے تھے، میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جو ہمیشہ اپنی چڑیا کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا، ایک دن آپؐ نے اس کو مغموں دیکھا تو پوچھا: یہ بچہ آج مغموں کیوں ہے؟ گسروالوں نے بتایا کہ اس کی لال چڑیا مر گئی ہے، اس لئے عدت میں بیٹھا ہے، چنانچہ اس کے بعد آپؐ جب بھی ہمارے گھر تشریف لاتے تو اس بچہ کو چھیڑتے اور فرماتے: ”اوا ابو میرا تیری لال چڑیا کیا ہوئی؟“ بچہ کو اپنی محبوبہ یاد آ جاتی اور وہ ہشاش بشاش ہو جاتا۔

اور آپؐ نے لفظوں کو ہم وزن کرنے کے لئے بچہ کی ابو میر کنیت رکھی، یہ ایک دل لگی ہوئی، پھر آپؐ اس بچہ کو اس کی لال چڑھایا دلاتے یہ دوسری دل لگی ہوئی چنانچہ وہ بچہ کھل جاتا۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ دل لگی فرماتے ہیں، یعنی کیا یہ بات آپؐ کے شایان شان ہے؟ دل لگی میں کبھی لغو باتیں بھی کہی جاتی ہیں، اور متانت و وقار کے خلاف باتیں بھی کی جاتی ہیں جو شان نبوت کے خلاف ہیں، آپؐ نے جواب دیا: اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا: میں ہمیشہ سچ بات ہی کہتا ہوں، یعنی آپؐ کی دل لگی میں بھی کوئی بیہودہ بات نہیں ہوتی تھی نہ کوئی خلاف واقعہ بات ہوتی تھی، پس ایسی خوش طبعی شان نبوت کے منافی نہیں۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ دل لگی کے طور پر ”اودوکان والے“ کہہ کر پکارا، دوکان سبھی کے ہوتے ہیں، مگر اس طرح پکارنے سے خادم کے دل میں فرحت پیدا ہوئی، یہی مزاح اور خوش طبعی ہے۔

حدیث (۴): ایک صاحب جن میں بلاہت (کندھنی) تھی وہ (تحصیل علم کے لئے) مدینہ منورہ آئے، اتفاق سے ان کی سواری کا اونٹ مر گیا، ان کو بڑی فکر لاحق ہوئی کہ وہ واپس کیسے جائیں گے؟ انھوں نے نبی ﷺ سے سواری مانگی، آپؐ نے فرمایا: ”میں تمہیں سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا“ وہ اٹھ کر چلے گئے، اور اپنے ساتھیوں سے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تھا، آپؐ نے فرمایا: ”میں اونٹنی کا بچہ دوں گا“ میں بچہ کو کیا کروں گا؟ مجھے تو سواری چاہئے، ممکن ہے: نبی ﷺ میری بات نہ سمجھے ہوں، آپؐ لوگ جا کر عرض کریں کہ فلاں آدمی کو سواری چاہئے، لوگوں نے یہ بات عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: وھل تَلَدُ الْاِبِلَ اِلَّا النَّوْفُ؟ ہر اونٹ: اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے! اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے: نہیں جنتی اونٹوں کو مگر اونٹنیاں، النَّوْفُ: الناقة کی جمع ہے۔

فائدہ: دل لگی اور خوش طبعی مسنون ہے، مگر دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک یہ کہ کوئی خلاف واقعہ بات نہ کہی جائے، دوسری یہ کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے، ان دو باتوں کا خیال رکھ کر خوش طبعی سنت ہے، اسی طرح بہت زیادہ مذاق کرنا بھی وقار و متانت کے خلاف ہے جو شخص لوگوں کو ہنساتا ہے وہ مسخرہ کہلاتا ہے، اور یہ برا لقب ہے، اس لئے اس درجہ کے مذاق سے بچنا چاہئے۔

[۵۶-] باب ماجاء فی المزاح

[۱۹۸۶-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْوَضَّاحِ الْكُوفِيُّ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي الثَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَحْاِلْطُنَا، حَتَّى إِنْ كَانَ لَيَقُولُ

لَاخٍ لِي صَغِيرٍ: "يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النَّغِيرُ؟"

حدثنا هَذَا، ثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو التَّيَّاحِ: اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ الضُّبَعِيُّ.

[۱۹۸۷-] حدثنا العَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ الْمُقْبِرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا؟ قَالَ: "إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا"

هذا حديثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا": إِنَّمَا يَعْنُونَ: إِنَّكَ تُمَارِ حُنَا. [۱۹۸۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ، ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ شَرِيكَ، عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: "يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ" قَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ أَبُو أُسَامَةَ: إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ: أَنَّهُ يُمَارِ حُنَا.

[۱۹۸۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدٍ نَاقَةٍ" فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا التُّوْقُ؟" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

بابُ ما جاء في المِرَاءِ

بحث تکرار کا بیان

مِرَاءُ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: بحث و مباحثہ کرنا، جھٹ باز کرنا، جھگڑا کرنا، سورۃ الکہف آیت ۲۲ میں ہے: ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا﴾ پس آپ عار والوں کے معاملہ میں سرسری بحث کے علاوہ بحث نہ کیجئے کیونکہ جب لوگوں میں تکرار بڑھتی ہے تو وہ جو تم پیزار ہو جاتے ہیں، اور معاشرہ بد نما بن جاتا ہے، اس لئے معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ لوگ فضول بحث و مباحثہ اور تکرار نہ کریں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ، وَهُوَ بَاطِلٌ: بُنِيَ لَهُ فِي رِبَاضِ الْجَنَّةِ: جس نے جھوٹ چھوڑ دیا در انحالیکہ وہ باطل پر ہے تو اس کے لئے جنت کے ڈانڈے (سرحد) میں مکان بنایا جائے گا۔ وهو باطلٌ میں ہو کا مرجع من ہے کذب نہیں ہے، کذب تو ہمیشہ ہی باطل ہوتا ہے، اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بات کہنے والا غلط موقف پر ہے، مگر اس کو

ثابت کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہے اور بحث و مباحثہ کر رہا ہے، یہ غلط طریقہ ہے، پس جو اس سے احتراز کرے گا وہ قابل مبارک باد ہے، اور رِبَصَ کے معنی ہیں: شہر کے ارد گرد کا علاقہ، اردو میں اس کو ڈانڈا کہتے ہیں۔

۲- وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ، وَهُوَ مُحِقٌّ: بُنِيَ لَهُ فِي وَسْطِهَا: اور جس نے بحث و تکرار سے احتراز کیا در انحالیکہ وہ حق پر ہے، یعنی اس کا موقف صحیح ہے تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں یعنی بہترین حصے میں مکان بنایا جائے گا، اس جملہ میں بھی ہو کا مرجع من ہے اور وَسْطِ سَین کے زبر کے ساتھ ہے، جس کے معنی ہیں: بہترین حصہ، کیونکہ خیر الأمور أَوْسَطُهَا: درمیانی چیز بہترین ہوتی ہے۔

۳- وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا: اور جس نے اپنے اخلاق سنوار لئے اس کے لئے بہشت بریں میں مکان بنایا جائے گا، اخلاق سنوارنا آسان کام نہیں، اس لئے جزاء بقدر مشقت ہے، چنانچہ اس کے لئے جنت کے بلند و بالا حصہ میں مکان بنایا جائے گا۔

ملفوظ: اس حدیث کا راوی سلمۃ بن وردان لیشی ضعیف راوی ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی تحسین کی ہے، کیونکہ آپ ہلکے ضعیف راوی کی حدیث کی بھی تحسین کرتے ہیں، پھر ابوداؤد (حدیث ۴۸۰۰ کتاب الادب باب ۷) میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اس کی شاہد ہے۔

حدیث (۲): نَبِیِّ ﷺ نے فرمایا: كَفَى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُخَاصِمًا: تیرے گناہ گار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تو ہمیشہ لڑتا جھگڑتا ہی رہے، اس لئے کہ ہر وقت جھگڑنا ایسی باتوں تک پہنچاتا ہے جو آدمی کو زیب نہیں دیتیں، جھگڑے میں کوئی نہ کوئی غلط بات منہ سے نکل جاتی ہے جو آدمی کو گناہ گار بنا دیتی ہے، اس لئے ہر وقت نزاع و تکرار سے بچنا چاہئے۔

حدیث (۳): نَبِیِّ ﷺ نے فرمایا: ۱- لَا تُمَارِ أَخَاكَ: اپنے دینی بھائی سے بحث و تکرار مت کرو ۲- وَلَا تُمَارِ حَتًّا: اور اس کے ساتھ دل لگی مت کرو، یہ ممانعت اس دل لگی کی ہے جو ایذا رسانی کا سبب بنے ۳- وَلَا تَعْدُهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفُهُ: اور اس سے کوئی ایسا وعدہ مت کرو جس کو تم وفا نہ کرو۔

تشریح: کسی سے کوئی وعدہ کرتے وقت اگر وفا کا پکا ارادہ ہے پھر کسی مانع کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کر سکا تو اس میں کوئی گناہ نہیں، اور اس حدیث میں ممانعت صرف اس صورت میں ہے کہ وعدہ کرتے وقت دل میں یہ ہو کہ وعدہ پورا نہیں کرنا، پس یہ نفاق ہے اور ممنوع ہے، مثلاً قرض دینے کا وعدہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ نادہند ہے، یا رقم کا انتظام نہ ہو سکا اس لئے معذرت کر دی تو یہ جائز ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر وعدہ ہی ملانے کے لئے کیا ہے اور پہلے سے دل میں یہ بات ہے کہ قرض نہیں دینا تو یہ ممنوع ہے، جھوٹا وعدہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ایک طرح کا نفاق ہے اور ایسے جھوٹے وعدوں سے معاشرہ خراب ہوتا ہے۔

[۵۷-] باب ماجاء فی المِراءِ

[۱۹۹۰-] حدثنا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا ابْنُ أَبِي قُدَيْكٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَلَمَةُ بْنُ وَرْدَانَ اللَّيْثِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ، وَهُوَ بَاطِلٌ: بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَ الْمِراءَ، وَهُوَ مُحَقٌّ: بُنِيَ لَهُ فِي وَسْطِهَا، وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَلَمَةَ بْنِ وَرْدَانَ، عَنْ أَنَسٍ.

[۱۹۹۱-] حدثنا فضالة بن الفضل الكوفي، ثنا أبو بكر بن عباس، عن ابن وهب بن منبه، عن أبيه، عن ابن عباس، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَفَى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُخَاصِمًا" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

[۱۹۹۲-] حدثنا زياد بن أيوب البغدادي، ثنا المحاربي، عن ليث، وهو ابن أبي سليم، عن عبد الملك، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَارِ حُفَاةَ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفُهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء في المَدَاراةِ

اچھی طرح پیش آنے کا بیان

دَارَاةٌ، مَدَارَاةٌ: نرمی کا برتاؤ کرنا، دل جوئی کرنا، پیار و محبت سے پیش آنا، اس سے بھی معاشرہ سنورتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ برے آدمی کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کریں، اس سے بگڑے گا کچھ نہیں، اور وہ برا شخص قریب آجائے گا اور میل ملاپ ہو جائے گا۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست ❁ بادوستاں تَلَطَّف، بادشمنان مدارا

(دونوں جہاں کا آرام دو باتوں میں مضمر ہے: دوستوں کے ساتھ مہربانی کرنا اور دشمنوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا)

حدیث: عیینہ بن حصن نے نبی ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت آپ کے پاس تھیں، آپ نے فرمایا: بَنَسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ يَا فَرْمَا: بَنَسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ: قبیلہ کا برا آدمی ہے! پھر آپ نے ان کو آنے کی اجازت دی، جب وہ آئے تو آپ نے نرمی اور پیار سے باتیں کیں، پھر جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ قبیلہ کا برا آدمی ہے، پھر آپ نے ان کے

ساتھ ملاطفت اور نرمی سے بات کی، اس کی کیا وجہ ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: یا عائشہ! إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ: اے عائشہ! لوگوں میں بدترین وہ ہے جس کو لوگ چھوڑ دیں اس کی بدگوئی سے بچنے کے لئے، اور بخاری (حدیث ۶۰۳۲) میں اسی روایت میں یہ اضافہ ہے: یا عائشہ! مَتَى عَهْدَتِنِي فَاحْشَا؟ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ: اے عائشہ! تم نے مجھے کب بدگو پایا ہے؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ کے اعتبار سے بدترین وہ شخص ہے جس کو لوگ چھوڑ دیں اس کے شر سے بچنے کے لئے۔

تشریح: اس حدیث کا مصداق آپ ﷺ کی ذات گرامی بھی ہو سکتی ہے اور آنے والا شخص بھی، مگر بظاہر آپ کی ذات مراد ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی بد اخلاقی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا ترک کر دیں، چنانچہ آپ نے آنے والے کے ساتھ سختی اور تندہی سے بات نہیں کی، تاکہ لوگ آپ سے ملنا جلنا بند نہ کر دیں، اور صلاح و فلاح سے محروم نہ ہو جائیں، سورہ آل عمران کی آیت ۱۵۹ سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ یعنی یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرتے ہیں، اور اگر آپ تند خو (سخت طبیعت) ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، غرض شانِ ورود کے اعتبار سے تو آپ کی ذات کا مراد ہونا اولیٰ ہے، مگر حدیث میں ملنے آنے والا شخص بھی مراد ہو سکتا ہے، بعض لوگ ایسے بد اخلاق ہوتے ہیں کہ کوئی شخص ان سے ملنا پسند نہیں کرتا، ان کی بد زبانی کی وجہ سے گھر میں سے کہلوادیتے ہیں: ”گھر میں نہیں ہیں!“ چنانچہ وہ بدگو مایوس لوٹ جاتا ہے۔

[۵۸] - باب ماجاء فى المَدَارَةِ

[۱۹۹۳] - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: ”بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ!“ أَوْ: ”أَخُو الْعَشِيرَةِ!“ ثُمَّ أِذِنَ لَهُ، فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ؟ قَالَ: ”يَا عَائِشَةُ! إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ: وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فى الإقْتِصَادِ فى الْحُبِّ وَالْبُغْضِ

محبت اور دشمنی میں میانہ روی اختیار کرنا

لوگ جب ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو محبت میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ سارے راز کھول دیتے

ہیں، اور جب دشمنی پر اترتے ہیں تو جو کچھ دشمن کے حق میں کہہ سکتے ہیں: کہہ ڈالتے ہیں، پھر جب اس دوست سے تعلقات بگڑ جاتے ہیں تو اپنے رازوں کے افشا پر پچھتاتے ہیں اور جب اس دشمن سے تعلقات ہموار ہو جاتے ہیں تو پہلے ہی ہوئی باتیں شرمندگی کا باعث بنتی ہیں، اس لئے اگر آدمی محبت اور دشمنی میں میانہ روی اختیار کرے تو آئندہ پچھتانا یا شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

حدیث: محمد بن سیرین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ابن سیرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے (مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جیسا کہ باب کے آخر میں آرہا ہے) آپؐ نے فرمایا: أَحِبِّ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَّا: اپنے دوست سے ہولے ہولے (ہلکے) محبت کرو، ہو سکتا ہے کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَّا: اور اپنے دشمن سے ہولے ہولے دشمنی کرو، ہو سکتا ہے وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔

تشریح: یہ حدیث ایوب سختیانی کی ہے، وہ محمد بن سیرین سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، اور یہ حدیث حضرت ایوب سے اس کے علاوہ دوسری سند سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر اس کی سند میں حسن بن ابی جعفر ہے جو نہایت ضعیف راوی ہے، اس کے باوجود امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے، مرفوع حدیث نہیں اور سندوں کی تفصیل مزی کی تحفۃ الاشراف کے حاشیہ النکت الظرف میں ہے (تحفۃ الاشراف ۱۰: ۳۳۴، حدیث نمبر ۱۴۴۳۲)

[۵۹-] باب ماجاء فی الإقتصاد فی الحب والبغض

[۱۹۹۴-] حدثنا أبو كُرَيْبٍ، ثنا سُوَيْدُ بْنُ عَمْرٍو الْكَلْبِيُّ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَيْرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَرَاهُ رَفَعَهُ، قَالَ: "أَحِبِّ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَّا، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَّا" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَأَنَعْرِفُهُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَيُّوبَ بِإِسْنَادٍ غَيْرِ هَذَا، رَوَاهُ الْحَسَنُ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ، وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ أَيْضًا، بِإِسْنَادٍ لَهُ عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالصَّحِيحُ هَذَا عَنْ عَلِيٍّ مَوْقُوفٌ.

بابُ ماجاء فی الکبر

گھمنڈ کا بیان

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان اخلاق حسنہ میں سے ہے جس کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید آئی

ہے، اور اس کی بڑی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کے برعکس غرور و تکبر کی شدت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے، اور اس پر بڑی وعیدیں سنائی ہیں، کیونکہ تواضع بندہ کے شایانِ شان ہے، اور تکبر و کبریاؤ اللہ کی صفتِ خاصہ ہے، بندہ کو بڑائی زیب نہیں دیتی، جب انسان بندہ ہے تو بندہ کا کمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے نیاز مندی ٹپکے، وہ خاکساری اور تواضع کا پتلا بنے اور بڑائی اور گھمنڈ چونکہ بندگی کے منافی ہے، اس لئے بندے کے حق میں یہ بری صفت ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تکبر کی دو صورتیں ہیں: ایک اللہ کے تعلق سے تکبر کرنا، دوسری: بندوں کے تعلق سے تکبر کرنا۔ اللہ کے سامنے گھمنڈ کرنا یہ ہے کہ اللہ کے احکامات نہ مانے اور حق کا انکار کرے، اور بندوں کے سامنے گھمنڈ یہ ہے کہ خود کو دوسروں سے افضل سمجھے اور دوسروں کو ذلیل جانے حالانکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں، اور سب یکساں ہیں، لوگوں میں معزز وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ عزت دیں، اور ذلیل و خوار وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ رسوا کریں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرَدَلٍ مِنْ كِبَرٍ: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائے کے دانے کے برابر تکبر ہے، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ: اور وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت سے دور کرنے والے اور جہنم میں پہنچانے والے اسباب میں قوی ترین سبب غرور و تکبر ہے جس طرح جہنم سے دور کرنے والے اور جنت میں پہنچانے والے اسباب میں سب سے قوی سبب ایمان ہے، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں ضرور جائے گا، غرض اس حدیث میں جنت و جہنم میں جانے نہ جانے کے اعتبار سے تکبر اور ایمان میں مقابلہ ڈالا گیا ہے، جس سے کبر کا نہایت برا ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

حدیث (۲): جب نبی ﷺ نے مذکورہ بات ارشاد فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا: مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرے کپڑے اچھے ہوں اور میری چپل اچھی ہو (پس کیا یہ چیز بھی تکبر ہے؟) آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ موز و نیت کو پسند کرتے ہیں، متکبر وہ شخص ہے جو حق کے سامنے اکڑے اور لوگوں کو ذلیل سمجھے“

تشریح: حسن و جمال میں فرق ہے، ذاتی موز و نیت کا نام جمال ہے، اسی وجہ سے چند کلمات خاص ترتیب کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کو جملہ کہتے ہیں۔ اسی طرح آدمی کی ہر چیز سلیقہ سے ہو: اس کا نام جمال ہے، اور اللہ تعالیٰ جمیل ہیں، وہ جمال کو پسند کرتے ہیں۔

اور حسن عارضی صفت ہے، دوسرا شخص یہ صفت دیتا ہے، کہتے ہیں: اسْتَحْسَنَهُ: اس نے اس کو اچھا سمجھا، اسی لئے ایک ہی چیز ایک شخص کے نزدیک خوبصورت ہوتی ہے اور دوسرے کے نزدیک اس میں کوئی خوبصورتی نہیں ہوتی، پس حسن وہ صفت ہے جو دوسرے کی نظر دیتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ جمیل تو ہیں، حسین نہیں۔

اور اس حدیث میں تکبر کی دو قسمیں کی گئی ہیں: ایک: اللہ کے تعلق سے، دوسری: لوگوں کے تعلق سے، اللہ کے

تعلق سے کبر کا نام استکبار ہے، یعنی اللہ پر ایمان نہ لانا اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو اور اس کے احکام کو قبول نہ کرنا، اور دوسری قسم: لوگوں کو نگاہ سے گرا دینا ہے۔

لغات: بَطَرُ (س) بَطَرًا: اترانا، زیادتی نعمت کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جانا۔ بَطَرُ الْحَقِّ: تکبر کی وجہ سے حق قبول نہ کرنا بَطَرُ الشَّيْءِ: ناپسند کرنا در انحالیکہ وہ شی ناپسندیدگی کے قابل نہ ہو..... غَمَصَهُ (ض) غَمَصًا کے معنی ہیں: حقیر سمجھنا، کوئی حیثیت نہ دینا، یہی معنی غَمَطَ (ض) غَمَطًا کے ہیں، اور حدیث میں یہ لفظ بھی آیا ہے، غرض لوگوں کو حقیر و ذلیل جاننا لوگوں کے تعلق سے تکبر ہے۔

حدیث (۳): نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا: لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ، حَتَّى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِينَ، فَيُصِيبُهُ مَا أَصَابَهُمْ: آدمی برابر اپنے کو لبا کھینچتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ متکبروں کی فہرست میں آ جاتا ہے، پس اس کو وہ سزا پہنچتی ہے جو متکبروں کو پہنچتی ہے۔

تشریح: ذَهَبَ بہ کے معنی ہیں: لے جانا، یہاں مراد ہے خود کو اونچا اٹھانا، لبا کھینچنا، یعنی یہ سمجھنا کہ ”ہم چوں دیگرے نیست“ یہی خیالات انسان پکا تار ہوتا ہے اور پھولا نہیں سماتا، پھر جب پھول کر کپتا ہو جاتا ہے، تو وہ متکبر قرار دیدیا جاتا ہے، پھر وہ اس انجام سے دور چار ہوتا ہے جو متکبروں کا ہے۔

حدیث (۴): حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں کہ میرے اندر غرور ہے، حالانکہ میں گدھے کی سواری کرتا ہوں، اور گلیم خرد اوڑھتا ہوں، اور بکری کو دوہتا ہوں، اور مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو یہ کام کرے اس میں ذرہ بھر بھی تکبر نہیں ہو سکتا۔

تشریح: دو چیزوں کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں، ایک: خود داری، دوسری: گھمنڈ، خود داری کے معنی ہیں: غیرت مندی، یعنی کسی کے سامنے اپنے کو ذلیل نہ کرنا، اور گھمنڈ کے معنی ہیں: خود کو بڑا سمجھنا، اور دوسروں کو حقیر سمجھنا، اور دونوں کے درمیان مابہ الامتیاز یہ بات ہے کہ اگر دوسروں کو حقیر و ذلیل جانتا ہے تو وہ غرور ہے، اور نہیں جانتا تو وہ خود داری ہے، حضرت جبیر رضی اللہ عنہ میں خود داری تھی، لوگ اس کو غرور سمجھتے تھے۔ الثَّيْبَةُ کے معنی ہیں: غرور و تکبر اور اکڑ، جبکہ حضرت جبیرؓ میں یہ بات نہیں تھی، آپؐ بوقت ضرورت سائیکل پر بھی بیٹھ جاتے تھے، اور شَمَلَهُ: یعنی چھوٹی چادر بھی اوڑھ لیتے تھے، اور بکری بھی دوہ لیتے تھے، اور یہ کام کرنے والا شخص متکبر نہیں ہو سکتا، ہاں خود دار ہو سکتا ہے جس کو لوگ غلط فہمی سے متکبر سمجھتے ہیں۔

[۶۰] - باب ماجاء فی الکبر

[۱۹۹۵-] حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرَّفَاعِيُّ، نَا أَبُو بَكْرٍ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي

قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبَرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ“
وفی الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، وَأَبِي سَعِيدٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ
صَحِيحٌ.

[۱۹۹۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَا: ثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، ثَنَا
شُعْبَةُ، عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ، عَنْ فَضِيلِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ” لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ، وَلَا
يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ“ قَالَ: فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّهُ يُعْجِبُنِي أَنْ يَكُونَ ثَوْبِي
حَسَنًا، وَنَعْلِي حَسَنًا قَالَ: ” إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ، وَلَكِنَّ الْكِبَرَ مِنْ بَطَرِ الْحَقِّ، وَغَمَصِ
النَّاسِ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

[۱۹۹۷-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ إِيَّاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ
الْأَكْوَعِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ” لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ،
حَتَّى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِينَ، فَيُصِيبُهُ مَا أَصَابَهُمْ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

[۱۹۹۸-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عِيْسَى بْنِ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ، نَا ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ، عَنْ
الْقَاسِمِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: يَقُولُونَ لِي فِيَّ التِّيْهُ، وَقَدْ رَكَبْتُ
الْحِمَارَ، وَلَبِسْتُ الشَّمْلَةَ، وَقَدْ حَلَبْتُ الشَّاةَ، وَقَدْ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ” مَنْ
فَعَلَ هَذَا فَلَيْسَ فِيهِ مِنَ الْكِبَرِ شَيْءٌ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

وضاحت: پہلی اور دوسری حدیثیں ایک ہیں، پہلی حدیث ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے تلمیذ سلیمان اعمشؒ کی ہے اور
دوسری: فضیل بن عمرو فقیمی ابوالنضر کوئی کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ

خوش اخلاقی کا بیان

احادیث میں ایمان کے بعد جس چیز پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، اور جس چیز پر انسان کی سعادت موقوف ہے
وہ اخلاقِ حسنہ ہیں۔ پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اخلاقِ حسنہ اپنائے، اور برے اخلاق سے بچے، کیونکہ بعثتِ نبویؐ
کا ایک بڑا مقصد انسانوں کا تزکیہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ یعنی نبی ﷺ لوگوں کو پاکیزہ کرتے
ہیں (آل عمران آیت ۱۶۴ والجمعہ آیت ۲) اور پاکیزہ کرنے کا مطلب ہے: اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرتے ہیں، اور

اخلاقِ حسنہ سے آراستہ کرتے ہیں، اور حدیث میں ہے: بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ: میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں یعنی نامِ اچھے اخلاق امت کو سکھلا دوں۔

غرض انسان کی زندگی میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں گے تو اس کو قلبی سکون حاصل ہوگا، اور زندگی خوش گوار گزرے گی، اس کا وجود دوسروں کے لئے رمت ہوگا، اور اگر انسان کے اخلاق گندے ہوں گے تو وہ خود بھی زندگی کے لطف سے محروم رہے گا، اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی کرکرا کر دے گا۔

اور یہ خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کے دنیوی نتائج ہیں جو روزمرہ ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں، اور مرنے کے بعد ان کے نتائج اس سے بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا و جنت ہے، اور بد اخلاقی کا انجام خداوند غالب و قہار کا غضب و دوزخ ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اخلاق کے سلسلہ میں احادیث دو طرح کی ہیں: ایک: وہ ہیں جن میں آپؐ نے اصولی طور پر حسنِ اخلاق پر زور دیا ہے، اور اس کی اہمیت و فضیلت سمجھائی ہے، اور اس کا غیر معمولی ثواب بیان لیا ہے، اور دوسری: وہ ہیں جن میں آپؐ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی اور خاص خاص بد اخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ یہاں سے أبواب البر والصلة کے آخر تک یہی بیان ہے، پہلے باب میں خوش اخلاقی کی اہمیت و فضیلت بیان کی ہے۔

حدیث (۱): نَبِیِّ ﷺ نے فرمایا: مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ: قیامت کے دن مؤمن کی میزانِ عمل میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری (وزنی) کوئی چیز نہیں ہوگی، یعنی اخلاقِ حسنہ کا درجہ ایمان کے بعد ارکانِ اسلام سے بھی بڑھا ہوا ہے، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ: پس بیشک اللہ تعالیٰ نہایت ناپسند کرتے ہیں بد گو بیہودہ بکنے والے کو، یہ منفی پہلو سے اخلاقِ حسنہ کی خوبی سمجھائی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ضدین کے احکام مختلف ہوتے ہیں، مثلاً کسی کا مزاج بارد ہے، اس لئے بارد چیزیں اس کے لئے مضر ہیں تو حار (گرم) چیزیں اس کے لئے مفید ہوں گی، اسی طرح برعکس، اسی طرح بعض اخلاقِ قبیحہ (بد گوئی اور بیہودہ بکنا) اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں تو ان کی ضد ادا یعنی اخلاقِ حسنہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوں گے۔

حدیث (۲): نَبِیِّ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ شَيْءٍ يُوَضَّعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ: میزانِ عمل میں کوئی چیز اخلاقِ حسنہ سے زیادہ وزنی نہیں رکھی جائے گی، اس حدیث کا مفہوم بھی وہی ہے جو گذشتہ حدیث کا ہے کہ اخلاقِ حسنہ کا درجہ ایمان کے بعد دیگر ارکانِ اسلام سے بڑھا ہوا ہے۔ وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةً صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ: اور بیشک اخلاقِ حسنہ والا اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ دار اور نفل نمازیں پڑھنے والے کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، یعنی جس سچے مؤمن کو حسنِ اخلاق کی دولت مل گئی وہ حسنِ اخلاق کی وجہ سے روزہ

رکھنے والے اور شب بیداری کرنے والے کے درجہ کو پالیتا ہے، اس سے بھی اخلاقِ حسنہ کی خوبی ظاہر ہوتی ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں کو جنت میں پہنچانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مؤثر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق برتنا، پھر پوچھا گیا: لوگوں کو جہنم میں لے جانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مؤثر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: منہ اور شرمگاہ کے گناہ، یعنی ان دو اعضا سے جو گناہ وجود میں آتے ہیں وہ جہنم میں جانے کا بڑا سبب ہیں، شرمگاہ کے گناہ تو ظاہر ہیں، اور منہ کے گناہ: کفر و شرک، سب و شتم، کذب و غیبت، حرام خوری و حرام نوشی اور افتراء پر دازی وغیرہ ہیں۔

حدیث (۴): حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے اخلاقِ حسنہ کی تفسیر کی ہے کہ اخلاقِ حسنہ تین چیزوں کا نام ہے: (۱) لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا (۲) لوگوں کے ساتھ حسن سلوک برتنا خواہ جان سے ہو یا مال سے (۳) تکلیف دہی سے بچنا یعنی یہ کوشش کرنا کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

[۶۱-] باب ماجاء فی حُسْنِ الْخُلُقِ

[۱۹۹۹-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلُكٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ"

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَأَسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. [۲۰۰۰-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، ثَنَا قُبَيْصَةُ بْنُ اللَّيْثِ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا مِنْ شَيْءٍ يُوَضَّعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةً صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

[۲۰۰۱-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، ثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: "سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: "تَقْوَى اللَّهِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ" وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ قَالَ: "الْفَمْرُ وَالْفَرْجُ" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ: هُوَ ابْنُ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَوْدِيِّ.

[۲۰۰۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، نَا أَبُو وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، أَنَّهُ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ، فَقَالَ: هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ، وَبَذْلُ الْمَعْرُوفِ، وَكَفُّ الْأَذَى.

لغات: أَبْغَضَ (از باب افعال) دشمنی کرنا، نفرت کرنا..... الفاحش: بدخلق، بدگو، أَفْحَشَ: بری بات کہنا..... بَدَأَ (ن) بَدَّؤُا اور أَبْدَى إِبداءً علیہ: فحش بکنا، بَدَّؤُ (ک) بَدَّاءَ وَبَدَّاءَةً: فحش گو ہونا۔ البداء: بیہودہ کلام۔

باب ماجاء فی الإحسانِ وَالْعَفْوِ

حسن سلوک اور درگزر کا بیان

احسان (حسن سلوک) کا مطلب ہے: لوگوں کو بھلائی پہنچانا، تحفہ دینا، یا کسی کا کوئی کام کر دینا، یا اس کو آرام پہنچانا، یا ایسا کوئی کام کرنا جو اس کے لئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو..... اور عفو (درگزر) یہ ہے کہ آدمی اپنے متعلقین کی خردہ گیری نہ کرے، ان کی نازیبا حرکتوں سے صرف نظر کرے، اور ان کے اچھے کاموں کو سراہے، اور ان کی تکلیف دہ باتوں سے درگزر کرے۔

حدیث (۱): ابو الاحوص کے والد مالک بن نضلۃ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میں ایسے شخص کے پاس سے گذرتا ہوں جو نہ میری مہمان نوازی کرتا ہے نہ تکریم کرتا ہے (قَرَى يَقْرِى قَرَى وَقَرَاءُ الضیف: میزبانی کرنا، قَرَى اور ضیافت ایک چیز ہیں پس ایک کے معنی تکریم کے اور ایک کے معنی میزبانی کے کریں گے یا ایک کے معنی کھلانے اور ایک کے معنی ٹھہرانے کے کریں گے) پھر وہ شخص میرے پاس سے گذرتا ہے تو کیا میں اس کو ترکی بہ ترکی جواب دوں؟ آپ نے فرمایا: لا، أَقْرِه: (أَقْرِ فعل امر ہے) یعنی نہیں، آپ اس کی ضیافت کریں۔

مالک بن نضلۃ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ نے مجھے بوسیدہ کپڑوں میں دیکھا تو پوچھا: کیا آپ کے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہر مال اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے، اونٹ بھی اور بکریاں بھی! آپ نے فرمایا: فَلْيَبْرَ عَلَیْکَ: پس چاہئے کہ وہ آپ پر نظر آئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر ظاہر ہونا چاہئے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال دیا ہے تو اچھی حالت میں رہنا چاہئے۔ یو: یو کا مجھول ہے، آخر سے ی جزم کی وجہ سے گر گئی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَكُونُوا إِمْعَةً: دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو، إِمْعَةً: انا مع الناس کا مخفف ہے اور شروع میں ہمزہ اصلی ہے اورۃ مبالغہ کے لئے ہے، تقولون: إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنًا، وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا: کہو تم کہ اگر لوگ حسن سلوک کریں گے تو ہم بھی حسن سلوک کریں گے، اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے، یہ إِمْعَةُ کی تفسیر ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے کا یہی مطلب ہے، وَلَکِنْ وَطَّنُوا أَنْفُسَکُمْ: إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوا، وَإِنْ أَسَاءُوا فَلَا تَظْلِمُوا: بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کرو، یعنی اپنے آپ کو خوگر بناؤ کہ اگر لوگ حسن سلوک کریں تب بھی تم حسن سلوک کرو، اور اگر لوگ بدسلوکی کریں تب بھی تم ظلم نہ کرو، بلکہ حسن سلوک کرو۔

تشریح: دنیا میں خواہ حسن سلوک کا چلن ہو، یا ظلم و ستم کا دور دورہ ہو، اہل ایمان کو ہر حال میں دوسروں کے ساتھ

حسن سلوک کرنا چاہئے، اور یہ حسن سلوک صرف ان لوگوں کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے جو ہمارے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، بلکہ برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو چند باتوں کا حکم دیا ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ بھی صلہ رحمی کی جائے، اور محروم رکھنے والے کو بھی دیا جائے، اور ظلم کرنے والے کو بھی معاف کیا جائے (رواہ رزین)

[۶۲-] باب ماجاء فی الإِحْسَانِ وَالْعَفْوِ

[۲۰۰۳-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غِيلَانَ، قَالُوا: نَا أَبُو أَحْمَدَ، عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الرَّجُلُ أَمْرُهُ، فَلَا يَقْرِنُنِي، وَلَا يُضَيِّقُنِي، فَيَمُرُّ بِي أَفَاجِزِيهِ؟ قَالَ: "لَا، أَقْرِهِ" قَالَ: وَرَأَى رَثَّ الثِّيَابِ، فَقَالَ: "هَلْ لَكَ مِنْ مَالٍ؟" قَالَ: قُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللَّهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ، قَالَ: "فَلْيَرِ عَلَيْكَ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو الْأَخْوَصِ: اسْمُهُ عَوْفُ بْنُ مَالِكِ بْنِ نَضْلَةَ الْجُشَمِيُّ. وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "أَقْرِهِ" يَقُولُ: أَضِفْهُ، وَالْقِرَى: الصِّيَافَةُ. [۲۰۰۴-] حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرَّفَاعِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُمَيْعٍ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَكُونُوا إِمْعَةً: تَقُولُونَ: إِنَّ أَحْسَنَ النَّاسِ أَحْسَنًا، وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا، وَلَكِنْ وَطَنُوا أَنْفُسَكُمْ: إِنَّ أَحْسَنَ النَّاسِ أَنْ تُحْسِنُوا، وَإِنْ أَسَاءَ وَافَلَا تَظْلِمُوا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء فی زیارۃ الإِخْوَانِ

دینی بھائیوں سے ملنے کا بیان

باہمی انس و محبت خاص ایمانی صفت ہے، پس مومن کو چاہئے کہ دوسرے مومنوں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں، اور مانوس ہوں، اگر معاشرہ میں لوگوں میں باہمی انس و محبت نہیں ہوگی تو نہ ایک دوسرے کو کوئی نفع پہنچا سکیں گے اور نہ ایک دوسرے سے نفع اٹھا سکیں گے، اور باہمی الفت و محبت کا پیکر محسوس گاہ بہ گاہ ایک دوسرے سے ملنا ہے، ایسے بندوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے یہ حدیث قدسی نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہے جو باہم میری وجہ سے محبت کرتے ہیں، میری وجہ سے کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، میری وجہ سے باہم ملاقات کرتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ

کرتے ہیں، پس خشک مزاج لوگ جو سب سے بے تعلق رہتے ہیں اور اس کو دین کا تقاضہ سمجھتے ہیں یہ لوگ ایک ایمانی صفت سے محروم ہیں، ایسے لوگوں کے طرز عمل سے معاشرہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے، یا اپنے کسی دینی بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو اس کو ایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے: طِبْتَ، وَطَابَ مَمَشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا: خوش رہ، اور تیرا چلنا اچھا ہو، اور تو جنت میں اپنا مقام بنا لے۔

تشریح: فرشتے نے تین دعائیں دی ہیں: ایک: خوشگوار ہونے کی، اس کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے، دوسری: چال کے عمدہ ہونے کی اس کا تعلق عمل کی خوبی سے ہے، تیسری: جنت میں مقام بنانے کی، اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے، پس بیمار کی بیمار پرسی کے لئے جانا یا دینی بھائی سے ملنے کے لئے جانا خیر محض ہے۔

[۶۳-] باب ماجاء فی زیارۃ الإخوان

[۲۰۰۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَالْحُسَيْنُ بْنُ أَبِي كَبْشَةَ الْبَصْرِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ السَّدُوسِيُّ، نَا أَبُو سِنَانٍ الْقَسْمَلِيُّ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سَوْدَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ عَادَ مَرِيضًا، أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللَّهِ: نَادَاهُ مُنَادٍ: أَنْ طِبْتَ، وَطَابَ مَمَشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا"

هَذَا حَدِيثٌ [حَسَنٌ] غَرِيبٌ، وَأَبُو سِنَانٍ: اسْمُهُ عِيسَى بْنُ سِنَانٍ، وَقَدْ رَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنْ هَذَا.

وضاحت: قولہ شیئاً من هذا: یعنی مختصراً، معلوم نہیں یہ مختصر روایت کس کتاب میں ہے، حماد بن سلمہ کی مفصل روایت مسلم شریف (حدیث ۲۵۶۷) میں ہے۔

بابُ ماجاء فی الحیاء

شرم کا بیان

شرم وحیا: ایک بنیادی وصف ہے جس کا انسان کی سیرت سازی میں اور معاشرہ کو سنوارنے میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وصف انسان کو بہت سے برے کاموں سے اور بری باتوں سے روکتا ہے، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں پر آمادہ کرتا ہے، بلکہ شرم وحیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد ہے۔

اور حیا انسان کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض ہو اور اس کے

ارتکاب سے اذیت پہنچے، پھر حیا کا تعلق صرف انسانوں سے نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے۔ ابو داؤد (حدیث ۴۰۱۲) میں ہے: إِنَّ اللَّهَ حَيُّ سَتِيْرٌ، يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ، فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ: بیشک اللہ تعالیٰ بہت شرم کرنے والے، پردہ پوش ہیں، شرم اور پردہ کو پسند فرماتے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی نہائے تو چاہئے کہ پردہ کر کے نہائے، پس جب یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو ضروری ہے کہ مومن اس کو اپنے اندر پیدا کرے، اور اللہ تعالیٰ کے حیا دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام شاندار اور پر حکمت ہوتے ہیں، کوئی کام نامناسب اور برا نہیں ہوتا، پس جس مومن میں یہ صفت ہوگی وہ بھی ہمیشہ اچھے کام کرے گا اور برے اور شرمناک کاموں سے بچے گا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ، وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ: حیا ایمان کی شاخ ہے، اور ایمان کا صلہ جنت ہے۔ وَالْبَدَأُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ: اور بدکلامی گنوار پن کی شاخ ہے، اور گنوار پن کا انجام دوزخ ہے۔ تشریح: ایک دوسری حدیث میں ہے: الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ: حیا ایمان کی اہم شاخ ہے، پس حیا اور ایمان میں خاص مناسبت ہے اور دونوں میں گہرا تعلق ہے، جس طرح کا تعلق درخت اور اس کے پھل میں ہوتا ہے، اسی طرح بدگوئی اور گنوار پن میں خاص مناسبت ہے، بدسلیقہ لوگ ہی بدکلامی کرتے ہیں، اور بدسلیقہ لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، کیونکہ وہ ایسی حرکتیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو بالیقین جہنم میں پہنچانے والے ہیں۔

[۶۴-] باب ماجاء فی الْحَيَاءِ

[۲۰۰۶-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، وَعَبْدُ الرَّحِيمِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، نَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ، وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ؛ وَالْبَدَأُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ" وفي الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي بَكْرَةَ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فی الثَّانِي وَالْعَجَلَةِ

اطمینان سے کام کرنے کا اور جلد بازی کا بیان

ہر کام کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت پسندیدہ عادت ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے نصیب ہوتی ہے، اور جلد بازی بری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: السَّمْتُ الْحَسَنُ، وَالْثُّودَةُ، وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءٍ مِنَ النَّبُوَّةِ: اچھی سیرت اور اطمینان سے کام انجام دینا اور میا نہ روی نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہیں۔

تشریح: نبوت تو خاتم النبیین ﷺ پر ختم ہوگئی، مگر کمالاتِ نبوت باقی ہیں، یعنی جب نبوت جاری تھی تو اللہ تعالیٰ جن خوبیوں پر نبوت عطا فرماتے تھے وہ کمالاتِ نبوت باقی ہیں، اور کمالاتِ نبوت سب ایک درجہ کے نہیں ہیں، ان کا وزن کم و بیش ہے، کوئی اہم کمال ہے اور کوئی اس سے فروتر، پس ہر کمال کی مجموعہ کمالات سے نسبت دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کمال کا وزن کر لیا جائے پھر اس کمال کے ہم وزن باقی کمالات کے مجموعہ کو تقسیم کیا جائے تو کل جتنے اجزاء ہوں گے، یہ کمال اس کا ایک بٹا ہوگا، مثلاً مبشرات: نبوت کا چھیا لیسواں حصہ ہیں، یعنی جتنی اہمیت مبشرات کی ہے اس کے اعتبار سے اگر کمالاتِ نبوت کے مجموعہ کے اجزاء کئے جائیں تو چھیا لیس اجزاء ہوں گے، پس مبشرات $\frac{1}{14}$ ہوئے۔ اسی طرح ان تین کمالات کا مجموعہ یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان سے کام انجام دینا اور میانہ روی کا مجموعہ: کمالاتِ نبوت کا $\frac{1}{14}$ ہے، یعنی پہلے ان تین کو تو لا جائے، پھر اس کے ہم وزن باقی مجموعہ کمالات کے اجزاء بنائے جائیں تو مجموعہ چوبیس حصے ہوگا، پس ان تین کمالات کا مجموعہ $\frac{1}{14}$ ہوا، یعنی مبشرات سے ان تین کمالات کے مجموعہ کی اہمیت تقریباً دوگنی ہوگی^(۱)

اور میانہ روی سے مراد یہ ہے کہ ہر کام میں اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اعتدال کی راہ اختیار کی جائے، چنانچہ جن صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گزاری کا ارادہ کیا تھا، آپؐ نے ان کو منع کر دیا تھا، کیونکہ وہ میانہ روی کے خلاف تھا، اسی طرح بعض صحابہ نے اپنا پورا مال راہِ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو آپؐ نے ان کو بھی اس سے روک دیا تھا، کیونکہ یہ بھی میانہ روی کے خلاف تھا، اور صرف ایک تہائی مال خیرات کرنے کی اجازت دی تھی، یہی اتفاق کا اعتدال ہے، اسی طرح تنگ دستی اور فراخ دستی میں بھی اپنے اوپر یا دوسروں پر خرچ کرنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

لغات: السَّمْتُ: کے تقریباً وہی معنی ہیں جو اردو میں س کے زیر کے ساتھ سمت کے ہیں، یعنی رخ اور راہ، کہتے ہیں: سیدھی سمت چلنا، یہی السَّمْتُ الحسن ہے، اور سَمَتْ يَسْمُتُ سَمْتًا کے معنی ہیں: بہتر رخ والا ہونا، اچھی ہیئت والا ہونا، اور السَّمْتُ کے معنی ہیں: ہیئت و صورت..... اور التَّوَدُّة کی اصل وُودَةٌ ہے، اور اس کے معنی ہیں متانت و سنجیدگی، اور آہستگی سے کوئی کام کرنا۔ اِتَّادَ فِي أَمْرِهِ کے معنی ہیں: کام کو اطمینان سے انجام دینا، ثابت قدم رہنا، اپنے معاملہ میں پختہ ہونا..... اور الاقتصاد کے معنی ہیں: میانہ روی، اعتدال، اور درمیانی راہ جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط..... اور یہ حدیث دوسندوں سے مروی ہے، پہلی سند میں عاصم احوال ہیں اور دوسری سند میں یہ راوی (۱) جانا چاہئے کہ کل کمالاتِ نبوت کتنے ہیں؟ اور کیا کیا ہیں؟ اور ہر ایک کا وزن اور اہمیت کتنی ہے؟ یہ بات صرف اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ جانتے ہیں، ہم یہ بات نہیں جانتے، نہ جان سکتے ہیں، بس جس کمال کے بارے میں آپؐ نے بتا دیا اسی کو ہم جانتے ہیں ۱۲

نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ نے جس سند میں عاصم کا واسطہ ہے اس کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ یہ سند نازل ہوگئی، اس لئے حضرت کے مزاج کے مطابق یہی صحیح ہے۔

حدیث (۲): جب قبیلہ عبد القیس کا وفد خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تو ان میں منذر بن عائد بھی تھے، ان کی پیشانی پر زخم کا نشان تھا اس لئے وہ اُٹھ کھلاتے تھے، ان کا قبیلہ العَصْر تھا اس لئے العَصْرٰی کہلاتے تھے، جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو سب ارکان جلدی سے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، مگر منذر نہیں گئے، انھوں نے غسل کیا، کپڑے بدلے، پھر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے، پھر مجلس میں ایک خاص بات یہ پیش آئی کہ آپؐ نے فرمایا: اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرو، سب تیار ہو گئے، مگر منذرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم قوم کی طرف سے بیعت کیسے کریں؟ معلوم نہیں وہ اسلام قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ لوٹ کر ان کو اسلام کی دعوت دیں، نبی ﷺ نے ان کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور ان کے بارے میں فرمایا: إِنَّ فِيكَ خَصَلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَافَةُ تمہارے اندر دو ایسی عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں: ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسری اطمینان سے کام کرنا، اس حدیث سے بھی جہاں بردباری کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے متانت و وقار اور اطمینان کے ساتھ کام کرنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: الْأَنَافَةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ: اطمینان سے کام انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی بتوفیق خداوندی کسی کو یہ خوبی نصیب ہوتی ہے، اور جلد بازی شیطان کے اثر سے ہے، سعدیؒ کہتے ہیں: ”تقیل: کارِ شیطاں بود“ یہ اسی حدیث کا ترجمہ ہے، اور اس حدیث کا ایک راوی عبدالمہمین بن عباس ہے یہ حضرت سہل بن سعد سعدیؒ کا پوتا ہے اور ضعیف راوی ہے، اس کو حدیثیں اچھی طرح یاد نہیں تھیں۔

[۶۵-] باب ماجاء فى التَّائِي وَالْعَجَلَةِ

[۲۰۰۷-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، نَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِمْرَانَ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجِسٍ الْمُزَنِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”السَّمْتُ الْحَسَنُ، وَالنُّوْدَةُ، وَالْإِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النَّبُوَّةِ“
وفى الباب: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

[۲۰۰۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِمْرَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجِسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ عَاصِمٍ، وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ.
[۲۰۰۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَرْيَعٍ، نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي

جَمْرَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: "إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ" وفي الباب: عَنِ الْأَشَجِّ الْعَصْرِيِّ.

[۲۰۱۰-] حدثنا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدِينِيُّ، نا عَبْدُ الْمُهِيمِ بْنِ عَبَّاسٍ بْنِ سَهْلٍ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْأَنَاةُ مِنَ اللَّهِ، وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي عَبْدِ الْمُهِيمِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَضَعْفُهُ مِنْ قَبْلِ حِفْظِهِ.

باب ماجاء فى الرفق

نرمی کا بیان

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرنا بھی ایک خوبی ہے جس سے معاشرہ کو رونق ملتی ہے، مسلم شریف میں روایت ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نرم ہیں، اور نرمی کو پسند فرماتے ہیں، اور نرمی کرنے پر اتنا دیتے ہیں جتنا سختی کرنے پر نہیں دیتے، اور نہ اس کے علاوہ کسی اور اچھی صفت پر اتنا دیتے ہیں“ پس جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ سختی کے بغیر کام نہیں چلتا، ان کا یہ خیال صحیح نہیں، بلکہ مسلم شریف میں یہ بھی روایت ہے کہ جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ ہر خیر سے محروم کیا گیا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو نرمی سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو یقیناً خیر میں سے اس کا حصہ دیا گیا، اور جو شخص نرمی سے اس کے حصہ سے محروم رکھا گیا وہ خیر سے اس کے حصہ سے محروم رکھا گیا“ (اس حدیث میں چاروں جگہ حَظُّہ مفعول ثانی ہے اس لئے منصوب ہے)

تشریح: نرمی اور سختی کا دائرہ بہت وسیع ہے، اپنے گھر والوں سے، بیوی بچوں سے، غریب و قریب سے، پڑوسیوں اور شاگردوں سے، حاکموں اور افسروں سے: سب سے اس کا تعلق ہے، آدمی کو زندگی میں جن جن سے واسطہ پڑتا ہے ان سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے، اور یہ بات خود اس کے لئے بھی رحمت کا باعث ہے اور دوسروں کے لئے بھی سکون کا سبب ہے، نرمی کرنے سے باہم محبت و مودت پیدا ہوتی ہے، اکرام و احترام اور خیر خواہی کے جذبات ابھرتے ہیں اور سخت رویہ اختیار کرنے سے آپس میں بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے، اور حسد و بدخواہی اور جنگ و جدال کے جذبات ابھرتے ہیں اس لئے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جس کے مزاج میں نرمی ہے وہ بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جو اس اچھی خصلت سے محروم ہے وہ بہت سے نقصانات اور زحمتوں سے دوچار ہوتا ہے۔

[۶۶] باب ماجاء فى الرِّفْقِ

[۲۰۱۱] - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلُوكٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ: "مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ: فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظُّهُ مِنَ الرِّفْقِ: فَقَدْ حُرِمَ حَظُّهُ مِنَ الْخَيْرِ" وفى الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فى دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

مظلوم کی بددعا کا بیان

اس باب میں اگرچہ منطوق کے ذریعہ ظلم و زیادتی کی قباحت و شاعت کا بیان ہے مگر مفہوم مخالف کے ذریعہ عدل و انصاف کی خوبی بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ ظلم کے سلسلہ میں آگے باب ۸۲ آرہا ہے، پس جاننا چاہئے کہ عدل و انصاف کرنا بھی بڑی خوبی ہے، اور اس سے معاشرہ کو رونق ملتی ہے، اور ظلم و زیادتی معاشرہ کو تباہ کرتی ہے، جب حاکم ظلم پر کمر باندھ لیتا ہے تو بیچارہ مظلوم سوائے بددعا کے کیا کر سکتا ہے؟ اور اضطرابی حالت میں اس کے دل سے جو آہ نکلتی ہے وہ عرش الہی سے ورے نہیں رکتی، اور ابواب الزکوٰۃ (تحفۃ اللمعی ۲: ۵۳۱) میں یہ حدیث گزری ہے کہ بسب نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا: اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بِهَذَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ: مظلوم کی بددعا سے بچنا! کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں یعنی مظلوم کی آہ سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔

[۶۷] باب ماجاء فى دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

[۲۰۱۲] - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا وَكِيعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ مَعْبُدٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: "اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو مَعْبُدٍ: اسْمُهُ نَافِدٌ، وفى الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَأَبِي سَعِيدٍ.

وضاحت: فإنہ کی ضمیر: ضمیر شان ہے جو اس کا اسم ہے اور جملہ لیس خبر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا بیان

آپ کے اخلاقِ حسنہ کی گواہی قرآنِ عظیم نے دی ہے، سورۃ القلم آیت ۴ میں ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ اور آپ یقیناً بڑے اخلاق پر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ اخلاق پر پیدا فرمایا ہے، آپ کا کوئی عمل اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی ہے مگر کبھی کسی بات پر آپ نے ”ہوں“ نہیں کہا، نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ اور نبی ﷺ اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے (اسی طرح جسمانی حلیہ کے اعتبار سے بھی آپ سب سے بہتر تھے) میں نے کبھی کوئی خالص ریشم اور سلکی کپڑا، اور نہ کوئی نرم چیز ایسی چھوئی ہے جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو، اور نہ میں نے کبھی کوئی مشک اور نہ کوئی عطر نبی ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار سونگھا ہے۔

تشریح: جس طرح گناہوں کی کثرت سے خاص طور پر بد نظری سے پسینہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح اعمالِ حسنہ سے خوشبو پیدا ہوتی ہے اور اعمالِ حسنہ میں نبی ﷺ سے بڑھا ہوا کون تھا؟ اس لئے آپ کا پسینہ نہایت خوشبودار تھا۔

سوال: جب آپ ﷺ کا پسینہ خوشبودار تھا تو پھر آپ عطر کیوں لگاتے تھے؟

جواب: آپ عطر اس لئے استعمال فرماتے تھے کہ خوشبو اور بڑھے جیسے وہ شخص جو فطری طور پر خوبصورت ہوتا ہے وہ بھی بنتا سنورتا ہے بلکہ دوسرے سے زیادہ سنورتا ہے، حالانکہ حسنِ خدا داد کے بعد مانگ پٹی کی ضرورت نہیں رہتی، یا جیسے ایک نماز سے دوسری نماز تک کے گناہ نمازوں کی وجہ سے معاف ہو جاتے ہیں، پھر جمعہ سے جمعہ تک کے گناہ جمعہ کی وجہ سے معاف ہوتے ہیں، پھر عاشوراء اور عرفہ کے روزوں سے بھی سال بھر کے گناہ معاف ہوتے ہیں، نیز وضو سے بھی اعضاء کے تمام گناہ نکل جاتے ہیں، پس اگر کوئی سوال کرے کہ جب ایک عمل سے گناہ معاف ہو گئے تو دوسرا عمل کیا کام کرے گا؟ اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ مکلفات کے مجموعہ سے جلا پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس کو بھی سمجھنا چاہئے کہ آپ کا پسینہ نہایت خوشبودار تھا، ایک مرتبہ آپ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر سو رہے تھے، گرمی کا زمانہ تھا، پسینہ نکل رہا تھا، حضرت ام سلیم وہ پسینہ ایک شیشی میں جمع کر رہی تھیں، آپ کی آنکھ کھل گئی، آپ نے پوچھا: کیا کر رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: آپ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں، ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے، کیونکہ آپ کا پسینہ ہماری خوشبوؤں سے بھی زیادہ خوشبودار ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ دو خوشبوؤں کے جمع ہونے سے خوشبو میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے آپ بکثرت عطر استعمال فرماتے تھے۔

اور خادم کے فعل پر نکیر نہ کرنے کی وجہ اخلاق کی خوبی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال تک آپ کی خدمت میں رہے ہیں، اتنے لمبے عرصہ تک خادم سے کوئی نامناسب بات سرزد نہ ہو یہ ناممکن ہے، اور کبھی بھی خادم کو تنبیہ نہ کرنا یہ انتہائی درجہ کی تواضع ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے، اور اس پر راضی رہتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے، یعنی تقدیر سے ہٹ کر کوئی بات نہیں ہوتی، پھر آدمی کسی بات پر چیں بہ جہیں کیوں ہو؟ ہاں اگر خادم شرارت کرے، اور بالقصد کام بگاڑے تو اس کو سلیقہ سکھانا چاہئے، اور اس کی حرکت پر نکیر کرنی چاہئے، مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی امید نہیں تھی ان سے اگر کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو دانستہ نہیں ہوتی تھی، اس لئے نبی ﷺ کبھی ان کو نہیں ٹوکتے تھے۔

حدیث: ابو عبد اللہ جدلی کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا: آپ نہ (طبعی طور پر) فحش گو تھے اور نہ بہ تکلف فحش باتیں کرتے تھے۔ وَلَا صَحَابًا فِي الْأَسْوَاقِ: اور نہ آپ بازاروں میں چلا کر بولتے تھے (جہاں ہر کوئی چلاتا ہے) وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ: اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، وَلَكِنْ يَعْفو وَيَصْفَحُ: بلکہ آپ معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

تشریح:

۱۔ بعض لوگ فطری طور پر یہودہ باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں، اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس گرم کرنے کے لئے یا مجلس کا طرز نباہنے کے لئے فحش گوئی کرتے ہیں، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں باتوں کی نفی کی کہ آپ نہ طبعاً فحش گو تھے، نہ بہ تکلف فحش باتیں کرتے تھے۔

۲۔ اور مختلف مصلحتوں سے آپ بازار جاتے تھے، اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں، لیکن بازار میں شور و شغب کرنا وقار کے منافی ہے، آدمی کو چاہئے کہ سکون کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کر کے بازار سے لوٹ آئے، اور بازار میں عموماً شور و غل ہوتا ہے پس جو شخص وہاں بھی سکون و وقار سے رہتا ہے وہ ہر جگہ پر سکون رہتا ہے۔

۳۔ آپ برائی کا بدلہ برائی سے کبھی نہیں دیتے تھے، کفار نے آپ کو کتنی اذیتیں پہنچائیں تھیں مگر فتح مکہ کے دن آپ نے سب کو معاف کر دیا تھا۔ اور الفاظ عفو و صفح مترادف نہیں ہیں، بلکہ عفو کا تعلق ظاہر سے ہے، معاف کرنے کا مطلب ہے: غلط کام کرنے والے کو سزا دینا نہ ڈانٹ ڈپٹ کرنا، برا بھلا کہنا نہ شکوہ شکایت کرنا، اور صفح (درگزر کرنا) کا تعلق باطن سے ہے، یعنی دل سے غلطی کرنے والے کو معاف کر دینا، جو کچھ اس نے کیا ہے اس کو بھول جانا، دل کو اس کی طرف سے صاف کر لینا۔

ملفوظ: باب کی دونوں حدیثیں شمائل ترمذی (ص: ۲۵) میں بھی ہیں۔

[۶۸-] باب ماجاء فی خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[۲۰۱۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الصُّبُعِيُّ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: خَدَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي: أَفْ قَطُّ، وَمَا قَالَ لَشَيْءٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتُهُ؟ وَلَا لَشَيْءٍ تَرَكْتُهُ: لِمَ تَرَكْتُهُ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَمَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ، وَلَا حَرِيرًا، وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلَيْنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا شَمِمْتُ مِسْكَ قَطُّ، وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَالْبَرَاءِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۰۱۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، أَنبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيَّ يَقُولُ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَتْ: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا، وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَلَا صَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَغْفُو وَيَصْفَحُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدِ، وَيُقَالُ: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ.

وضاحت: خنز اور حریر ایک چیز ہیں، ریشم کا کپڑا خنز، اور خود ریشم حریر کہلاتا ہے اور بعض کہتے ہیں: خنز: نرم بال ہیں۔

باب ماجاء فی حُسْنِ الْعَهْدِ

حسن وفا کا بیان

العہد کے چند معانی ہیں: یہاں وفا کے معنی ہیں، کہا جاتا ہے: ہو ثابت العہد: وہ با وفا ہے یعنی پابند وعدہ ہے، اور وفا کی عمدگی تعلقات کی پاسداری سے ہوتی ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَا غَرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غَرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ: نَبِيِّ ﷺ کی ازواج میں سے کسی پر مجھے اتنی غیرت نہیں آتی جتنی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر آتی ہے (غَارُ يَغَارُ غَيْرَةً کے معنی ہیں: رشک کرنا، اور پہلا مانا فیہ ہے اور دوسرا موصولہ یا مصدر یہ ہے اور اس سے پہلے مثل محذوف ہے اور جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ رشک حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر آتا ہے۔ وما بی أَنْ أَكُونَ أَذْرَ كُنْهَآ: حالانکہ نہیں تھا (رشک) میرے ساتھ

یعنی میرے اندر بایں وجہ کہ میں نے ان کو پایا تھا (جملہ حالیہ ہے اور ان سے پہلے باء محذوف ہے، اور بخاری و مسلم میں ہے: وما رأيتها: اور میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا، اس لئے ان پر غیرت کی کوئی وجہ نہیں تھی، غیرت سوکنوں میں ہوتی ہے، اور سوکنیں وہ بیویاں ہیں جو ایک ساتھ کسی کے نکاح میں جمع ہوتی ہیں، اور حضرت خدیجہ کا زمانہ مقدم ہے اس لئے ان پر غیرت کھانے کی کوئی وجہ نہیں تھی، اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان پر بہت زیادہ غیرت آتی تھی، کیوں؟ وما ذاك إلا لكثرة ذكّر رسول الله صلى الله عليه وسلم لها: اور نہیں تھی وہ غیرت مگر بکثرت نبی ﷺ کے ان کا تذکرہ کرنے کی وجہ سے، یعنی آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اتنا زیادہ تذکرہ فرماتے تھے اور اتنی زیادہ تعریف کرتے تھے کہ دل سن کر کباب ہو جاتا تھا، بلکہ ایک مرتبہ تو حضرت عائشہ نے جھلا کر کہہ دیا تھا کہ آپ قریش کی ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی دی ہے، اس پر آپ نے فرمایا: نہیں، ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی، اللہ نے مجھے ساری اولاد ان سے دی ہے۔ وإن كان ليدبُح الشاة فينتبُع بها صدائق خديجة، فيهدِيها لهن: اور بیشک شان یہ ہے کہ نبی ﷺ بکری ذبح کیا کرتے تھے، پس آپ ٹوہ لگاتے بکری کے گوشت کے بارے میں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کی، پس آپ ہدیہ بھیجتے بکری کے گوشت کا ان سہیلیوں کے پاس، اسی کا نام تعلقات کی پاسداری ہے، اور یہی حسن وفا ہے، کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اس کے متعلقین کے ساتھ بھی محبت ہو جاتی ہے۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بڑھیا نبی ﷺ کے پاس آئی، آپ نے پوچھا: تم کیسی ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ ہمارے بعد تمہارے احوال کیا رہے؟ بڑھیا نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! ہمارے احوال اچھے ہیں، پھر جب وہ بڑھیا چلی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے اس بڑھیا کی طرف اتنا التفات کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: يا عائشة! إنها كانت تأتينا زمان خديجة، وإن حُسن العهد من الإيمان: اے عائشہ! یہ بڑھیا ہمارے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں آیا کرتی تھی، اور تعلقات کی پاسداری ایمان کا تقاضہ ہے، اس لئے میں نے اس کی طرف اتنا التفات کیا۔

[۶۹-] باب ماجاء في حُسن العهد

[۲۰۱۵-] حدثنا أَبُو هِشَامٍ الرَّفَاعِيُّ، نَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ مَا غَرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غَرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، وَمَا بِي أَنْ أَكُونَ أَدْرَكْتُهَا، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا، وَإِنْ كَانَ لِيَذْبُحُ الشَّاةَ فَيَنْتَبِعُ بِهَا صَدَائِقُ خَدِيجَةَ، فَيُهْدِيهَا لَهَا، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

باب ماجاء في معالي الأخلاق

بلند اخلاقی کا بیان

معالی: معالہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: شرف و بلندی، اور صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے اور اس باب میں یہ بیان ہے کہ جن لوگوں میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق ہوتے ہیں ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا: میرے نزدیک (دنیا میں) محبوب تر اور قیامت کے دن مجھ سے قریب تر: وہ لوگ ہونگے جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں (أَحْسَنُكُمْ: اِن کا اسم مؤخر ہے) اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی نزدیکی بڑی خوبی کی بات ہے اسی طرح نبی ﷺ کی نزدیکی بھی بڑی خوبی کی بات ہے جو قیامت کے دن بلند اخلاق لوگوں کو حاصل ہوگی، وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ، وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الثَّرَاوُونَ، وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيِّهُونَ: اور تم میں سے میرے نزدیک (دنیا میں) مبغوض تر اور قیامت کے دن مجھ سے بعید تر: وہ لوگ ہونگے جو بہت زیادہ بک بک کرنے والے ہیں، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے والے ہیں (یا باتوں میں غیر محتاط ہیں) اور تکبر سے بغضانے والے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: ثرثارون اور مُتَشَدِّقُونَ کو تو ہم جانتے ہیں، مُتَفَيِّهُونَ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: گھمنڈی لوگ (یہ بلند اخلاق والوں کا مقام و مرتبہ بیان کرنے کے بعد پست اخلاق والوں کا تذکرہ ہے، تاکہ تقابل سے اچھے اخلاق والوں کا مقام و مرتبہ اور بھی واضح ہو جائے)

[۷۰-] باب ماجاء في معالي الأخلاق

[۲۰۱۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ الْبَغْدَادِيُّ، نَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ، نَا مُبَارَكُ بْنُ فَصَالَةَ، ثَنِي عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ، وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الثَّرَاوُونَ، وَالْمُتَشَدِّقُونَ، وَالْمُتَفَيِّهُونَ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَدْ عَلِمْنَا الثَّرَاوِينَ، وَالْمُتَشَدِّقِينَ، فَمَا الْمُتَفَيِّهُونَ؟ قَالَ: "الْمُنْكَبِرُونَ"

وفي الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

الثَّرَاوُ: هُوَ كَثِيرُ الْكَلَامِ، وَالْمُتَشَدِّقُ: هُوَ الَّذِي يَتَطَاوَلُ عَلَى النَّاسِ فِي الْكَلَامِ، وَيَبْدُو عَلَيْهِمْ. وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فَصَالَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، وَهَذَا أَصَحُّ.

لغات: ثَرَثَرَفِي الْكَلَامِ: فضول بولنا، بکواس کرنا، ثَرَثَار: کثیر الکلام، بہت بولنے والا..... تَشَدَّقَ: عمدہ گفتگو کرنے کے لئے باجھوں (گوش ہائے لب) کو موڑنا، الْمُتَشَدَّقُ: وہ شخص جو لوگوں کے سامنے ڈینگنے مارے اور بدزبانی کرے، تَطَاوَلَ: غرور و تکبر کرنا۔ بَذَى (ن) بَذَا وَبَذَاءٌ بدکلامی اور بدزبانی کرنا..... تَفَهَّقَ بِالْكَلَامِ: مزین اور پر تکلف کلام کرنا، اور مراد متکبر لوگ ہیں، جیسا کہ خود نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے..... بَغِغْنَا: کبوتر یا اونٹ کا مستی میں بولنا، متکبرانہ کلام کرنا۔

وضاحت: حدیث کی پہلی سند حبان بن ہلال کی ہے وہ مبارک اور محمد بن المنکدر کے درمیان عبدر بہ کا واسطہ بڑھاتے ہیں، اور مبارک کے دوسرے تلامذہ یہ واسطہ نہیں بڑھاتے۔ امام ترمذی نے اس بغیر واسطہ والی سند کو اصح کہا ہے، کیونکہ مبارک کا محمد بن المنکدر سے لقاء و سماع ہے، پس عبدر بہ کے واسطہ والی سند مزید فی متصل الاسناد ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

لعن طعن کا بیان

اللَّعْنُ: باب فتح کا مصدر ہے: لعنت کرنا، اللہ کا کسی کو خیر سے محروم کرنا، اور الطَّعْنُ بھی باب فتح کا مصدر ہے: کسی کو طعنہ دینا، کسی کی برائی بیان کرنا، عیب نکالنا، تنقید کرنا، چھیننے ڈالنا، کسی کے نسب میں کیڑے نکالنا۔ یہ دونوں باتیں بھی لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا کرتی ہیں اور جھگڑے مننے کھڑے کرتی ہیں، اس لئے لوگوں کو ان سے بچنا چاہئے، نہ کسی پر لعنت ملامت کرنی چاہئے، نہ کسی کی خردہ گیری کرنی چاہئے، اور نہ کسی کے نسب میں کیڑے نکالنے چاہئیں، نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَانًا: مؤمن بکثرت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا، اور دوسری سند سے اس حدیث کے الفاظ ہیں: لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَانًا: یہ بات مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ بہت زیادہ لعن طعن کرنے والا ہو، ان لفظوں نے پہلے لفظوں کی مراد واضح کی کہ بکثرت لعنت کرنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے، مگر اس حرکت سے اس کا ایمان سلب نہیں ہو جاتا، اور لَعَان (صیغہ مبالغہ) میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی کسی پر لعنت کرنا ممانعت میں داخل نہیں، نہ لعنت مباحہ حدیث کا مصداق ہے، یعنی ایسے لوگوں پر لعنت کرنا جو حقیقت میں ملعون ہیں، جیسے ارشاد پاک ہے: ﴿لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ اور حدیث میں ہے: لَعْنُ اللَّهِ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ إِلَى آخِرِهِ۔

[۷۱-] بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

[۲۰۱۷-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا أَبُو عَامِرٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَانًا"

وفی الباب: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَنًا"

بابُ ماجاء فی کثرة الغضب

بہت زیادہ غصہ کرنے کا بیان

غصہ شیطان کے اکسانے سے آتا ہے، اور اس کی وجہ سے انسان حد اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ غلط باتیں کہتا ہے اور مذموم حرکتیں کرتا ہے، اور بغض و کینہ اور دیگر برائیاں غصہ پر مرتب ہوتی ہیں، اس لئے اگرچہ غصہ اپنے محل میں صفت محمودہ ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفت ہے اور اللہ کے حبیب ﷺ کو بھی موقع محل میں غصہ آتا تھا مگر ہر وقت غصہ کرنا، یا غیر محل میں غصہ کرنا یا حد سے تجاوز کرنا معاشرہ کی خرابی کا باعث ہے، اور غصہ سے آدمی کی شخصیت بھی مجروح ہوتی ہے۔ حضرت علامہ بلیاوی قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ غصہ کی کثرت قوت عاقلہ کی کمزوری کی دلیل ہے، یعنی حد سے زیادہ غصہ اس شخص کو آتا ہے جس کی قوت عاقلہ کمزور ہوتی ہے اور اگر پہلے سے کمزور نہیں ہوتی تو غصہ کرنے سے کمزور ہو جاتی ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

رفۃ رفۃ آدمی را کمتر سازد غضب ❁ آب را چنداں کہ جوشانند کمتر شود

(آہستہ آہستہ آدمی کو غصہ او چھاندا دیتا ہے ÷ پانی کو جتنا جوش دو گے گھٹنا چلا جائے گا)

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اور کہا: مجھے کچھ سکھائیے، اور بہت زیادہ باتیں نہ بتائیے، شاید میں اس کو محفوظ کر سکوں یعنی اگر لمبی بات ہوگی تو میں یاد نہیں رکھ سکوں گا، اس لئے کوئی مختصر بات بتلائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَغْضَبْ: غصہ مت کر، اس نے اپنی بات بار بار دہرائی، آپ ہر بار یہی فرماتے رہے لَا تَغْضَبْ، غصہ مت کر۔ تشریح: ان صحابی نے اس چھوٹی سی بات کو یا تو بات ہی نہیں سمجھا یا تھوڑی بات سمجھا، اس لئے انھوں نے بار بار سوال کیا کہ مجھے کچھ اور سکھائیے، مگر آپ ہر بار یہی جواب دیتے رہے کہ اپنے غصہ پر کنٹرول کرو، اور آپ نے یہی بات بار بار اس وجہ سے فرمائی ہوگی کہ مخاطب کی سب سے بڑی بیماری یہی ہوگی، اس کے علاج سے دوسرے تمام امراض کا علاج ہو جائے گا، پس آپ کی یہ نصیحت معمولی نہیں تھی بلکہ کانٹے کی بات تھی، جیسے ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: میں بہت سے گناہوں میں مبتلا ہوں، شراب پیتا ہوں، چوری کرتا ہوں، جھوٹ بولتا ہوں وغیرہ وغیرہ، اور یہ سب گناہ ایک ساتھ نہیں چھوڑ سکتا، ہاں ان میں سے ایک گناہ چھوڑ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جھوٹ بولنا چھوڑ دو، انھوں نے ہامی بھر لی، پھر جب شراب پینے کا وقت آیا تو سوچا کہ اگر نبی ﷺ نے پوچھا تو مجھے سچ بولنا پڑے گا، اور اپنے ہی اقرار سے کوڑے کھانے پڑیں گے۔ اسی طرح جب زنا کا ارادہ کیا تو بھی یہی

سوچا، اس طرح سارے گناہوں سے بچ گیا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے ان صحابی کو بھی کانٹے کی نصیحت فرمائی جو ان کی پوری زندگی کے اعمال و افعال پر اثر انداز ہوگی۔

[۷۲-] باب ماجاء فی کثرة الغضب

[۲۰۱۸-] حدثنا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا أَبُو بَكْرٍ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: عَلَّمَنِي شَيْئًا، وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ، لَعَلِّي أَعِيبُهُ، قَالَ: "لَا تَغْضَبْ" فَرَدَّدَ ذَلِكَ مِرَارًا، كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ: "لَا تَغْضَبْ" وفي الباب: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَسَلِيمَانَ بْنِ صُرَدَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَأَبُو حَصِينٍ: اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَسَدِيُّ.

لغت: اَعِيبُ (مضارع واحد تكلم) وَعَى يَعِى وَعَيَا الحديث: بات کو اچھی طرح سمجھ کر ذہن میں محفوظ کر لینا۔

باب ماجاء فی كظم الغيظ

غصہ پینے کا بیان

ہمارے نسخوں میں باب نہیں ہے، مصری نسخہ میں ہے۔ کَظَمَ الباب کے معنی ہیں: دروازہ بند کرنا، اور كَظَمَ الْغَيْظَ کے معنی ہیں: غصہ نکل جانا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَظَمَ غَيْظًا، وَهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنْفِذَهُ: دعاهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَأْسِ الْخَلَائِقِ، حَتَّى يُخَيَّرَهُ فِي أَى الْحَوَرِ شَاءَ: جو شخص غصہ نکل گیا در انحالیکہ وہ طاقت رکھتا تھا کہ غصہ اتارے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے بلائیں گے، پھر اس کو اختیار دیں گے کہ وہ جوئی حور چاہے لے لے۔ تشریح: نَفَذَ الْحَكَمَ کے معنی ہیں: حکم پر عمل کرنا، نَفَذَ الْقَوْلَ: بات کو عملی جامہ پہنانا، نَفَذَ الْغَضَبَ: کسی پر غصہ اتارنا، کبھی غصہ بہت آتا ہے مگر کچھ نہیں سکتا، کیونکہ جس پر غصہ آ رہا ہے وہ بڑا ہے یا با اقتدار ہے یا با اختیار ہے یا زور آور ہے، اس صورت میں غصہ نکل جانے کا کوئی ثواب نہیں، ثواب اس صورت میں ہے جب آدمی غصہ اتارنے پر قادر ہو اور فی أَى الْحَوَرِ شَاءَ میں اُخَذَ محذوف ہے: أَى فِي أَخَذِ أَيْتَهُنْ شَاءَ۔

اور قرآن کریم میں بھی غصہ نکل جانے کو پرہیز گاروں کی صفات میں شمار کیا گیا ہے۔ سورہ آل عمران آیت ۱۳۴ میں ہے: ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ، وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ یعنی اللہ سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو نکل جاتے

ہیں، اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ جب ان کا بس چل سکتا ہو غصہ پی جائیں، اور کوتاہی کرنے والے سے درگزر کریں، ہاں اگر ناراضگی میں اس کی کوئی دینی یا دنیوی مصلحت ہو تو دوسری بات ہے۔

[۷۳] - بابُ فی کَظْمِ الْغَيْظِ

[۲۰۱۹] - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقَرِّي، نَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، ثَنَى أَبُو مَرْحُومٍ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ بْنِ أَنَسِ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ كَظَمَ غَيْظًا، وَهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنْفِذَهُ: دَعَاهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ، حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَى الْحُورِ شَاءَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

بابُ ماجاء فی إِجْلَالِ الْكَبِيرِ

بڑے کی تعظیم کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَا أَكْرَمَ شَابٌ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللَّهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ: نہیں اکرام کرتا کوئی جوان کسی بوڑھے کا اس کی عمر کی وجہ سے مگر مقدر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے شخص کو جو اس کا اکرام کرے اس کی عمر زیادہ ہونے کے وقت۔

تشریح: پہلے (باب ۱۵) میں یہ حدیث آئی ہے کہ جو چھوٹے پر رحم نہیں کرتا، اور بڑے کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، یعنی ایسا شخص خاکِ مسلمان ہے! اور اس حدیث میں بڑے کی عزت کرنے کا دنیوی فائدہ بیان کیا ہے کہ آج جس جوان نے کسی بوڑھے کی عزت کی، محض اس کے بڑے ہونے کی وجہ سے توکل جب یہ جوان بوڑھا ہوگا تو دوسرے جوان اس کی عزت کریں گے۔

[۷۴] - بابُ ماجاء فی إِجْلَالِ الْكَبِيرِ

[۲۰۲۰] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، نَا يَزِيدُ بْنُ بَيَّانٍ الْعُقَيْلِيُّ، ثَنَى أَبُو الرَّحَالِ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَكْرَمَ شَابٌ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللَّهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ هَذَا الشَّيْخِ: يَزِيدُ بْنُ بَيَّانٍ، وَأَبُو الرَّحَالِ الْأَنْصَارِيُّ آخَرُ.

وضاحت: سند میں ابو الرِّحَالِ انصاری ہیں: ان کا نام محمد بن خالد ہے اور یہ ضعیف راوی ہے، اور ایک دوسرے ابو الرِّجَال (رجل کی جمع) ہیں، ان کا نام محمد بن عبد الرحمن انصاری ہے، یہ ثقہ راوی ہیں۔ یہ اس سند میں نہیں ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَهَاجِرِينَ

دو قطع تعلق کرنے والوں کا حکم

پہلے (باب ۲۱) میں یہ حدیث آئی ہے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے، کیونکہ جب باہمی تعلقات بگڑ جاتے ہیں اور لوگ ایک دوسرے سے کشیدہ ہو جاتے ہیں تو پھر فساد کی کوئی انتہا نہیں رہتی، اور معاشرہ بگاڑنے والے اللہ کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں، فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، پس ان دنوں میں ہر اس شخص کی مغفرت کر دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، مگر آپس میں قطع تعلق کرنے والے دو شخص مستثنیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ان دونوں کو پیچھے کرو، یہاں تک کہ دونوں مصالحت کریں“ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور اس میں ترک تعلقات کرنے والے دونوں شخصوں کے لئے سخت وعید ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتے ہیں، اس لئے انہیں پہلی فرصت میں تعلقات ہوار کر لینے چاہئیں۔

[۷۵] - بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَهَاجِرِينَ

[۲۰۲۱] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ فِيهِمَا لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ، إِلَّا الْمُتَهَاجِرِينَ، يَقُولُ: رُدُّوْا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا“
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَيُرْوَى فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ: ”ذَرُّوْا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا“ وَمَعْنَى قَوْلِهِ: ”الْمُتَهَاجِرِينَ“: يَعْنِي الْمُتَصَارِمِينَ، وَهَذَا مِثْلُ مَا رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ“

وضاحت: رُدُّوْا اور ذَرُّوْا ہم معنی ہیں..... متہاجرین: تشنہ ہے، یعنی دو تعلق توڑنے والے، تہاجر القوم: باہم قطع تعلق کرنا، یہی معنی تصارمہ کے ہیں، یعنی باہم قطع تعلق کرنا، صَرَمَ الْحَبْلَ: کاٹنا۔

بابُ ماجاء فی الصَّبْرِ

صبر کا بیان

صبر کے اصل معنی ہیں: روکنا، سورۃ الکہف آیت ۲۸ میں ہے: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الدِّینِ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشیِّ﴾ اور آپؐ خود کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں، پھر متعلقات کے اعتبار سے صبر کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

ایک: صَبْرُ النَّفْسِ عَلٰی مَا یُکْرَهُ یعنی ناگوار چیز کے پائے جانے کے وقت نفس کو قابو میں رکھنا۔ دوم: صَبْرُ النَّفْسِ عَلٰی الطَّاعَةِ یعنی نفس کو عبادات اور طاعات پر مجبور کرنا۔ سوم: صَبْرُ النَّفْسِ عَلٰی الْمَعْصِیَةِ یعنی نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا۔ چہارم: صَبْرُ النَّفْسِ عَلٰی الْبَلَایَا وَالْمَصَائِبِ یعنی مصیبتوں پر نہ گھبرا، حالات کو انگیز کرنا..... مگر لوگوں نے صبر کو اس آخری معنی کے ساتھ خاص کر دیا ہے، وہ صبر کے یہی معنی سمجھتے ہیں کہ کسی کے مرنے پر نہ رونا، یہ صحیح نہیں، لفظ عام ہے، اور اس باب میں عام معنی ہی مراد ہیں۔

صبر و ہمت سے کام لینا ایک اچھا وصف ہے، اس سے بڑی سے بڑی مشکلات حل ہو جاتی ہیں، اور جو شخص بے صبر اور بے ہمت ہوتا ہے اس کی مراد کبھی پوری نہیں ہوتی، اور جب کوئی شخص کسی مقصد کے پیچھے لگ جاتا ہے اور صبر و ہمت سے کام لیتا ہے تو وہ ایک نہ ایک دن منزل تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا مقصد برآتا ہے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کچھ انصار نے نبی ﷺ سے مالی تعاون مانگا، آپؐ نے ان کو عنایت فرمایا، پھر دوسرے وقت میں دوسری مرتبہ مانگا تو بھی آپؐ نے عنایت فرمایا اور اس موقع پر آپؐ نے پانچ باتیں ارشاد فرمائیں:

۱- مایکون عندی من خیر، لئن أذخره عنکم: میرے پاس جو بھی خیر ہوتی ہے، پس میں اس کو ہرگز تم سے ذخیرہ کر کے نہیں رکھتا۔ اس میں ما موصولہ متضمن معنی شرط ہے، اس لئے جزاء میں ف آئی ہے، اور خیر سے مراد صرف مال نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مراد ہے یعنی خواہ وہ علم دین ہو یا دنیوی ساز و سامان، سب خیر کا مصداق ہے اور من خیر: ما کا بیان ہے اور یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ کی ہے، ان کے بعض تلامذہ حدیث میں لن کہتے ہیں، اور بعض لم: لن سے مستقبل میں تاکید کے ساتھ نفی ہوتی ہے اور لم سے زمانہ ماضی میں نفی ہوتی ہے۔ مگر مراد دونوں صورتوں میں ایک ہے، ماضی میں بھی ادخار کی نفی کرنی مقصود ہے اور مستقبل میں بھی، کیونکہ جس نے ماضی میں ذخیرہ نہ کیا ہو، جو کچھ آیا وہ لوگوں کو دیدیا ہو، وہ مستقبل میں کیا ذخیرہ کرے گا!

۲- وَمَنْ یَسْتَعْنِ یُعْثِرْهُ اللّٰهُ: اور جو شخص مال داری ظاہر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مالدار بنا دیتے ہیں، یعنی جو قناعت

کرتا ہے اور اپنے پاس جو کچھ ہے اس پر راضی رہتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت پوری کر دیتے ہیں، اس کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتے ہیں، اور اس کو دل کا بادشاہ بنا دیتے ہیں، اور مال داری کی حقیقت دل کی بے نیازی ہے، سامان کی زیادتی کا نام مال داری نہیں۔

۳- وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعْفَهُ اللَّهُ: اور جو پاک دامن بنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاک دامن بنا دیتے ہیں استعفاف میں سوال سے بچنا بھی مراد ہے، یعنی جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے سے بچا لیتے ہیں۔

۴- وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصْبِرْهُ اللَّهُ: اور جو برداشت سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برداشت کی قوت دیدیتے ہیں، یعنی جو صبر کی عادت ڈالتا ہے اس کو صبر کی توفیق مل جاتی ہے، باب سے اسی ٹکڑے کا تعلق ہے۔

۵- وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ: اور کوئی شخص کوئی چیز نہیں دیا گیا جو صبر سے بہتر اور کشادہ ہو، یعنی سب سے اہم وصف صبر و ہمت ہے، اور اس کا فائدہ بھی بے حد و حساب ہے، اس ٹکڑے کا بھی باب سے تعلق ہے کیونکہ اس سے صفت صبر کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

[۷۶-] باب ماجاء فی الصَّبْرِ

[۲۰۲۲-] حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ، نَا مَعْنُ، نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوا فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ قَالَ: "مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدْخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ، وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعْفَهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصْبِرْهُ اللَّهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ"
وفی الباب: عَنْ أَنَسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَيُرْوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَالِكٍ: "فَلَنْ أَدْخِرَهُ عَنْكُمْ" وَيُرْوَى عَنْهُ: "فَلَمْ أَدْخِرْهُ عَنْكُمْ" وَالْمَعْنَى فِيهِ وَاحِدٌ، يَقُولُ: "لَنْ أَحْبِسَهُ عَنْكُمْ"

لغات: اِدْخَرَ کی اصل اِدْخَرَ (ذال کے ساتھ) ہے اس کے معنی ہیں: جمع کرنا، ذخیرہ کرنا اور اِدْخَرَ اصل میں اِدْخَرَ: باب اِفعال سے تھا، مجرد: ذَخَرَ الشَّيْءَ (ف) ذَخَرًا وَذَخَرًا کے معنی ہیں: وقت ضرورت کے لئے محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا، اساک کرنا..... يَسْتَغْنِي از اسْتَغْنَاءَ: مالدار ہونا، اسْتَغْنَى عنه: بے نیاز ہونا، استغنی بہ: کسی چیز پر اکتفا کرنا، کافی سمجھنا..... يُغْنِي از أَغْنَى اللَّهُ فلاناً: مالدار کرنا..... يَسْتَعِفُّ از اسْتِعْفَافًا: پاک دامن ہونے کی خواہش رکھنا، برائی سے بچنا، مجرد عَفَّ يَعْفُ عَفَّةً: پاک دامن ہونا..... يُعْفُ از أَعْفَهُ اللَّهُ: پاک دامن بنانا، بری اور ناجائز باتوں سے محفوظ رکھنا..... يَتَصَبَّرُ از تَصَبُّرٍ: صبر سے کام لینا، برداشت کرنا، صبر کا اظہار کرنا.....

يُصْبِرُ أَزْصَبْرَهُ: صبر کرانا، برداشت کرانا۔

باب ماجاء فی ذی الوجْهین

دور خے آدمی کا حال

دور خا: وہ شخص ہے جو ایک کے پاس ایک چہرے سے آئے اور دوسرے کے پاس دوسرے چہرے سے یعنی اس سے بھی دوستی ظاہر کرتا ہے اور اس کے مخالف سے بھی، یہ برا وصف ہے، اور ایسے شخص سے دونوں فریقوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے، مگر اس برے وصف کو اب سیاسی لوگ خوبی سمجھتے ہیں۔ سیاسی لوگوں کے ستر منہ ہوتے ہیں، اس لئے سیاسی لوگوں کی باتوں پر لوگ اعتماد نہیں کرتے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک دور خا شخص بدترین لوگوں میں سے ہوگا، اس حدیث میں اِن کی خبر مقدم ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دور خا آدمی خواہ دنیا میں دونوں فریقوں کا منظور نظر بن جائے مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

[۷۷-] باب ماجاء فی ذی الوجْهین

[۲۰۲۳-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَمَّارٍ، وَأَنَسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی التَّمَام

پغلخوری کا بیان

پغلخوری ایک برا وصف ہے، اصلاح ذات البین کی جس قدر اہمیت ہے، اسی قدر فسادات ذات البین کی قباحت ہے، لہذا (ادھر کی ادھر کہنے والا آدمی) لپٹا سمجھا جاتا ہے، جب اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھلتی ہے تو اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور لوگ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، پغلخوری کو لگائی بجھائی میں بڑا مزہ آتا ہے، مگر اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس سے اس کی شخصیت مجروح ہوتی ہے، اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت چار پیسے کی باقی نہیں رہتی، اس لئے اس کو اس حرکت سے باز آ جانا چاہئے۔

حدیث: ہمام بن الحارثؒ کہتے ہیں: ایک شخص حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا، لوگوں نے آپؐ

کو بتلا پا کہ یہ شخص حاکموں تک لوگوں کی باتیں پہنچاتا ہے، پس حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث سنائی: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ: جن چیس (باتیں چُٹنے والا) جنت میں نہیں جائے گا، یعنی وہ اپنے گناہ کی سزا ضرور پائے گا، اللہ کی معافی اس کے حصہ میں نہیں آئے گی۔

[۷۸-] باب ماجاء في النَّمَامِ

[۲۰۲۴-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَاسُفَيَانُ، عَنْ مَنصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ عَلَى حُدَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ هَذَا يُبْلَغُ الْأَمْرَاءَ الْحَدِيثَ عَنِ النَّاسِ، فَقَالَ حُدَيْفَةُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ" قَالَ سُفْيَانُ: وَالْقَتَاتُ: النَّمَامُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

لغات: نَمَّ بَيْنَ الْقَوْمِ: چغلوں کی کرنی، لگائی بجھائی کرنا۔ نَمَّ الْحَدِيثَ: بطور چغلی بات نقل کرنا اور فساد پھیلانا، النَّمَامُ: بڑا چغلوں، یہی معنی القَتَات کے ہیں، قَتَّ الْحَدِيثَ: فساد پھیلانے کی غرض سے باتیں لوگوں تک پہنچانا، جُغَلُّ کے اصل معنی ہیں: وہ کنکر جسے چلم میں تمباکو کے نیچے رکھتے ہیں، اور چغلوں کے معنی ہیں تُرَا، ادھر کی ادھر کہنے والا، بات ادھر سے ادھر جا لگانا، فساد پھیلانا۔

بابُ ماجاء في العِي

قلت كلام کا بیان

العِي (ع کے زیر اور زبر کے ساتھ) مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: کام کی بات نہ کہہ سکنا۔ افہام مقصود پر قادر نہ ہونا، مگر یہاں قلت کلام مراد ہے، کیونکہ حیاء کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے حیاء کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا مراد ہے، اور یہ وصف محمود ہے، جیسے بیہودہ گوئی اور طلاق لسانی وصف مذموم ہیں، یعنی بد لحاظی اور چالپوسی بری صفیتیں ہیں۔ حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- الحياء والعِي شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ: شرم و لحاظ اور قلت کلام ایمان کی دو شاخیں ہیں، یعنی یہ دونوں باتیں ایمان کے تقاضہ سے پائی جاتی ہیں، اور قلت کلام خود حیاء میں داخل ہے، کیونکہ حیاء کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ حیاء جس کا اثر ظاہر نہ ہو، دوسری: وہ حیاء جس کا اثر ظاہر ہو، حیاء کی پہلی قسم لفظ حیاء سے مراد لی گئی ہے، اور دوسری قسم لفظ العِي سے مراد لی گئی ہے یعنی شرم و لحاظ کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا خوبی کی بات ہے۔

۲- الْبَدَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ: اور بیہودہ گوئی اور طلاق لسانی نفاق کی دو شاخیں ہیں، بیہودہ گوئی

یعنی بے سمجھے اور انجام کی پرواہ کئے بغیر بولنا اور وہی تباہی باتیں کہنا، اور بیان یعنی طلاق لسانی، جیسے اس زمانہ کے مقررہ میں ہوتی ہے وہ جب بولنے پر آتے ہیں تو لگام ہاتھ سے چھٹ جاتی ہے وہ بولتے ہی چلے جاتے ہیں، اگر کسی کی برائی شروع کرتے ہیں تو جھوٹ اور بہتان تک پہنچ جاتے ہیں، یہی یہودہ گوئی ہے، اور کسی کی تعریف شروع کرتے ہیں تو بے باندھ دیتے ہیں، اور خوشامد اور چالپوسی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، یہی بیان نفاق کا شعبہ ہے، ایسے لوگ گفتار کے میری اور کردار کے پھسندی ہر تے ہیں۔

[۷۹-] باب ماجاء فی العی

[۲۰۲۵-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ، عَنْ حَسَّانِ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ، وَالْبَدَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ"
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ.
قَالَ: وَالْعِيُّ: قَلَّةُ الْكَلَامِ، وَالْبَدَاءُ: هُوَ الْفُحْشُ فِي الْكَلَامِ، وَالْبَيَانُ: هُوَ كَثْرَةُ الْكَلَامِ، مِثْلَ هَؤُلَاءِ الْخُطَبَاءِ الَّذِينَ يَخْطُبُونَ، فَيَتَوَسَّعُونَ فِي الْكَلَامِ، وَيَتَفَصَّحُونَ فِيهِ، مِنْ مَدْحِ النَّاسِ فِيمَا لَا يُرِضِي اللَّهَ.

ترجمہ: امام ترمذی فرماتے ہیں: العی کے معنی ہیں: قلت کلام، یعنی مطلق حصر (کلام سے رکنا اور بات کہنے سے بے بسی) مراد نہیں بلکہ شرم و لحاظ کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا مراد ہے..... اور البداء کے معنی ہیں: یہودہ گوئی..... اور البیان کے معنی ہیں: کلام کی زیادتی، جیسے یہ مقررین جو تقریریں کرتے ہیں، پس کلام میں دراز نفسی سے کام لیتے ہیں یعنی بہ تکلف فصیح بننے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کی ایسی تعریفیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں

حدیث: دور نبوی میں دو شخص مدینہ منورہ آئے، اور دونوں نے تقریریں کیں، لوگ دونوں کی باتیں سن کر حیرت میں رہ گئے، اس موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا يَا فَرْمَا: إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ سِحْرٌ: مطلب دونوں کا ایک ہے، پہلے ارشاد میں بھی من تبعیضیہ ہے، یعنی کچھ تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں، جادو منٹوں میں اثر کرتا ہے، اسی طرح تقریر لہجوں میں مجمع کا رخ پلٹ دیتی ہے، اچھائی کی طرف بھی اور برائی کی طرف بھی، پس اس ارشاد

میں تقریر کی مدح بھی ہے اور برائی بھی۔ اگر تقریر اچھی ہے اور لوگوں کا ذہن اچھی بات کی طرف پلٹا ہے تو مدح ہے اور بصورت دیگر مذمت ہے۔

تشریح: اس حدیث کا شان و رود یہ ہے کہ زَبْرَقَان اور عمرو بن اہتم مدینہ منورہ آئے، پہلے زَبْرَقَان نے اپنے قومی مفاخر بیان کئے اور نہایت فصیح تقریر کی، عمرو نے اس کا جواب دیا اور اس نے بھی نہایت بلیغ تقریر کی، اور زَبْرَقَان کا کمینہ پن ثابت کیا، زَبْرَقَان نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بخدا! عمرو جانتا ہے کہ میرے اندر اس کے علاوہ صفتیں ہیں جو اس نے کہی ہیں، مگر میرے فضائل کے اظہار سے اس کو حسد نے روک دیا ہے، عمرو نے اس کا بھی جواب دیا اور پہلے سے بھی زیادہ فصیح تقریر کی۔

اور احیاء العلوم میں ہے: ایک دن عمرو نے زَبْرَقَان کی تعریف کی، پھر دوسرے دن اس کی برائی کی، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ماہذا؟ یہ کیا بات ہوئی؟ کل تو نے اس کی تعریف کی تھی، اور آج اس کی برائی کر رہا ہے؟ عمرو نے کہا: کل میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا اور آج جو میں نے کہا وہ بھی جھوٹ نہیں، کل اس نے مجھے خوش کیا تھا اس لئے میں نے اس کے وہ فضائل بیان کئے جو میں جانتا تھا، اور آج اس نے مجھے ناراض کر دیا پس میں نے اس کی وہ برائیاں بیان کیں جو میں اس میں پاتا ہوں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا: بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں، قلوب کو ادھر سے ادھر پھیر دیتی ہیں، بہر حال اس ارشاد میں بیان کی مدح بھی ہے اور ذم بھی۔

[۸۰] - باب ماجاء إِنْ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

[۲۰۲۶] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلَيْنِ قَدِمَا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَظَبَا، فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمَا، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا" أَوْ: "إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ سِحْرًا" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَمَّارٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء في التَّوَاضُّعِ

خاکساری کا بیان

تَوَاضُّعَ فُلَانٌ کے معنی ہیں: خاکساری کرنا، اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا، یہ بہت اچھی صفت ہے، یہ تکبر اور گھمنڈ کی ضد ہے اس لئے جس قدر گھمنڈ برا ہے اسی قدر تواضع اچھی صفت ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

۱- مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ: نہیں گھٹایا کسی خیرات نے کوئی مال یعنی غریبوں پر خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا عوض دیتے ہیں، اور جوڑ کر رکھنے والے بھوکے مر جاتے ہیں، وقت پر ان کی دولت کچھ کام نہیں آتی، ڈاکٹر ہر چیز کے کھانے سے منع کر دیتا ہے اور وہ کھانے پینے کے لئے ترستے رہتے ہیں۔

۲- وَمَا زَادَ اللَّهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا: اور نہیں بڑھاتے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو درگزر کرنے کی وجہ مگر عزت میں، یعنی معاف کرنے سے اونچھ نیچی نہیں ہو جاتی، معاف کرنے سے ہمیشہ عزت بڑھتی ہے، تھوڑی دیر کے لئے لوگ چاہے کچھ کہیں، مگر آخر میں لوگ ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں۔

۳- وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ: اور جو بھی شخص اللہ کے لئے خاکساری کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی عطا فرماتے ہیں، مگر لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ خود کو لمبا کھینچنا چاہئے ورنہ لوگ چھوٹا سمجھیں گے، حالانکہ خاکسار اور متواضع ہی کو اللہ تعالیٰ سر بلند کرتے ہیں اسی کا مقام و مرتبہ بلند کرتے ہیں، جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے۔

[۸۱-] باب ماجاء فى التواضع

[۲۰۲۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللَّهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ"
 وفى الباب: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ، وَاسْمُهُ: عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فى الظُّلمِ

ظلم کا بیان

عدل و انصاف بڑی خوبی کی بات ہے، اور ظلم و زیادتی بری صفت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوگا، یعنی ظلم کرنا تاریکیوں کا سبب بنے گا، مظالم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت اختیار کریں گے، اور ظالم خدا کے نور سے محروم رہ جائے گا، غرض ظلم کا انجام بہت برا ہے۔

[۸۲-] باب ماجاء فى الظُّلمِ

[۲۰۲۸-] حَدَّثَنَا عَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ، نَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الظُّلْمُ

ظُلِمَاتُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ“

وفى الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي مُوسَى، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ.

بابُ ما جاء في ترك العيبِ لِلنَّعْمَةِ

نعمت کی برائی نہیں کرنی چاہئے

یہ بھی بڑی خوبی کی بات ہے کہ انسان اللہ کی ہر نعمت کو نعمت سمجھے اور اس کی برائی نہ کرے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر آپ کو کھانا پسند ہوتا تو نوش فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے، مگر اس کی برائی نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کسی کھانے کی غیر معمولی تعریف بھی نہیں کرتے تھے، البتہ لوگوں کی دلداری کے لئے کبھی آپ نے سرکہ وغیرہ کی تعریف کی ہے، کیونکہ کھانے کی تعریف کرنا دنیا کی طرف رغبت کی علامت ہے اور برائی کرنا اللہ کی نعمتوں کی ناقدری ہے، پس دونوں باتوں سے بچنا چاہئے۔

[۸۳-] باب ماجاء في ترك العيب للنعمة

[٢٠٢٩-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: مَا عَابَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ، وَإِلَّا تَرَكَهُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو حَازِمٍ: هُوَ الْأَشْجَعِيُّ، وَاسْمُهُ: سَلْمَانُ مَوْلَى عُرَّةَ الْأَشْجَعِيَّةِ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْمُؤْمِنِ

مؤمن کے احترام کا بیان

مؤمن۔ یہ ایک انسان ہے مگر اس میں ایک وصف محمود یعنی ایمان ہے۔ اس اعتبار سے وہ قابل تعظیم ہے، پس جو جتنا قوی الایمان ہوگا اتنا ہی قابل تعظیم ہوگا۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا: اے وہ لوگو جو صرف زبان سے مسلمان ہوئے ہو، اور دلوں تک ایمان نہیں پہنچا! مسلمانوں کو مت ستاؤ۔ اور ان کو عار مت دلاؤ، اور ان کے عیوب مت ڈھونڈو، کیونکہ جو شخص مسلمان بھائی کا عیب ڈھونڈتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عیب

ڈھونڈتے ہیں، اور جس کا اللہ تعالیٰ عیب ڈھونڈتے ہیں اس کو رسوا کر دیتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے مکان میں ہو۔
 تشریح: یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے اور تمام روایتیں سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور (۹۳:۶) میں ﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾ کی تفسیر میں جمع کی ہیں، مگر کسی روایت میں اس کی وضاحت نہیں کہ نبی ﷺ نے کس بات سے ناراض ہو کر یہ بات فرمائی تھی، یقیناً کوئی ایسی بات پیش آئی ہوگی مگر وہ روایت میں مروی نہیں۔
 ابن عمرؓ کا ارشاد: نافع کہتے ہیں: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن کعبہ شریف کی طرف دیکھا اور فرمایا: مَا أَعْظَمَكَ! وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكَ! وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنْكَ! یعنی تیرا مرتبہ کس قدر بڑا ہے! اور تیرا احترام کس قدر زیادہ ہے! مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا احترام تجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے!

[۸۴-] باب ماجاء فی تعظیم المؤمن

[۲۰۳۰-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ، وَالْجَارُودُ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَا: نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، نَا الْحُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ، عَنْ أَوْفَى بْنِ دَلْهَمٍ: عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ، فَتَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ، قَالَ: "يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ، وَلَمْ يُفِضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ! لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ، وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَتَّبَعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يُفْضَحْهُ، وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ"
 قَالَ: وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى الْبَيْتِ، أَوْ: إِلَى الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: مَا أَعْظَمَكَ! وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكَ! وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنْكَ!
 هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، وَقَدْ رَوَى إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ السَّمَرَقَنْدِيُّ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ نَحْوَهُ، وَقَدْ رَوَى عَنْ أَبِي بَرَزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ هَذَا.

وضاحت: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ابو داؤد (حدیث ۳۸۸۰) وغیرہ میں ہے اور یہ حدیث دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے، وہ روایات الدر المنثور میں ہیں۔

باب ماجاء فی التجارب

تجربات کا بیان

تجربہ عربی میں رک کے زیر کے ساتھ ہے، اور اردو میں زبر کے ساتھ، تجربہ کے معنی ہیں: سبب کے پائے جانے پر

ماسبب کے پائے جانے کا بار بار مشاہدہ کرنا، اور تجربہ سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور یہ باب یہاں اس لئے لائے ہیں کہ معاشرہ کے افراد کے بارے میں تجربات سے جو اچھی یا بری بات معلوم ہو اس کا لحاظ کرنا چاہئے، اگر تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بات نہیں ماننی چاہئے اور کوئی شخص خیانت کرتا ہے تو اس کے پاس امانت نہیں رکھنی چاہئے، قس علی ہذا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ: بردبار نہیں مگر لغزش والا، یعنی جس سے کبھی لغزش ہوئی ہے اس کا سوچنے کا انداز بدل جاتا ہے، وہ دوسروں کے بارے میں بھی یہی سوچتا ہے کہ ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اس لئے اس میں بردباری کی صفت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ غلطی کرنے والوں سے درگزر کرتا ہے۔ العَثْرَةُ: کے معنی ہیں: لغزش، ٹھوکر۔

۲- وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ: اور دانشمند نہیں مگر تجربہ کار، یعنی جب آدمی تجربات سے گذرتا ہے تب اس کی عقل پختہ ہوتی ہے، اس کے بغیر دانشمندی ادھوری رہتی ہے، کہتے ہیں: سَلِ الْمُجْرِبِ، وَلَا تَسْلِلِ الْحَكِيمَ: تجربہ کار سے پوچھ، دانشمند سے مت پوچھ، چنانچہ دینی اور دنیوی علوم پڑھ کر فارغ ہونے والے جب تک پریکٹس نہیں کرتے ان کے علوم پختہ نہیں ہوتے۔

[۸۵]- باب ماجاء فی التَّجَارِبِ

[۲۰۳۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ دَرَّاجٍ، عَنْ أَبِي الْهَيْثَمِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ، وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء فی الْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ يُعْطَهُ

نعمت کی جھوٹی نمائش کرنا

تَشَبَّعَ: شکم شیری کا اظہار کرنا، نعمت کا جھوٹا مظاہرہ کرنا۔ الْمُتَشَبِّعُ (اسم فاعل) از تَشَبَّعَ: شکم سیری کا اظہار کرنے والا، بما لَمْ يُعْطَهُ: ایسی چیز کے ذریعہ جو وہ دیا نہیں گیا، جیسے ایک بخیل نے دو تو لے اصلی گھی گھر میں لا کر رکھ لیا تھا، جب وہ روٹی چٹنی کھا کر نکلتا تو گھی میں انگلیاں بھگو کر مونچھوں پر ملتا ہوا نکلتا، تاکہ لوگ جانیں کہ اس نے اصلی گھی کھایا ہے، یہ نعمت کی جھوٹی نمائش ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً: جو شخص کوئی عطیہ دیا گیا یعنی اس کو کسی نے کوئی ہدیہ دیا، فَوَجَدَ:

پس اس نے پایا، یعنی اس کے پاس بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز ہے فَلْيَجْزِ بِهِ: پس چاہئے کہ وہ اس کے ذریعہ بدلہ دے، اور یہ مضمون پہلے (باب ۳۲) میں آیا ہے کہ ہدیہ ایک طرفہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کا بدلہ دینا چاہئے، آگے أبواب الولاء والہبة میں بھی اس سلسلہ کی حدیث آرہی ہے۔ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ: اور جو شخص بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ پائے تو چاہئے کہ وہ تعریف کرے، یہ مضمون بھی پہلے (باب ۹) میں آچکا ہے اور ہدیہ دینے والے کے منہ پر بھی تھوڑی تعریف کی جاسکتی ہے، اور ایسی صورت میں ہدیہ دینے والے کو چاہئے کہ بات پھیر دے، فَإِنَّ مَنْ أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَ: اس لئے کہ جس نے ہدیہ دینے والے کی تعریف کی: اس نے یقیناً شکر یہ ادا کر دیا، وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ: اور جس نے چھپایا یعنی تعریف یا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے ناشکری کی، یہ کفر ان نعمت کے معنی میں ہے، دین سے نکل جانے کے معنی میں نہیں ہے۔ وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسَ ثَوْبَيْ زُورٍ: اور جو شخص مزین ہو ایسی چیز کے ذریعہ جو وہ دیا نہیں گیا تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے (تَحَلَّى: آراستہ اور مزین ہونا، زیور پہننا)۔

لطیفہ: ایک شخص کی شادی کا وقت آیا، اس کے پاس شیر وانی نہیں تھی، اس کا ایک بے وقوف ساتھی تھا، اس سے شیر وانی لی، اور بارات چلی، راستہ میں کسی نے پوچھا: دولہا کون ہے؟ وہ احمق صاحب کہتے ہیں: دولہا یہ ہے مگر شیر وانی میری ہے، دولہا کو شرمندگی ہوئی، اس نے کہا: اللہ کے بندے! یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے کہا: اچھا آئندہ نہیں کہوں گا، پھر آگے کوئی ملا، اس نے بھی یہی سوال کیا کہ دولہا کون ہے؟ وہ بیوقوف صاحب کہتے ہیں: دولہا یہ ہے مگر میں شیر وانی کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا!

غرض جھوٹا سوٹ پہننے کا یہی انجام ہوتا ہے، اسی طرح جو شخص کسی ایسی نعمت سے خود کو آراستہ پیرا کرتا ہے کہ پیش کرتا ہے جس سے وہ تہی دست ہے تو وقت پر وہ رسوا ہو جاتا ہے، مثلاً عالم نہیں اور شیخ الحدیث بنا ہوا ہے، جبہ قبہ پہن رکھا ہے تو لوگ دھوکا کھائیں گے اور جب اس سے مسئلہ پوچھیں گے تو قلعی کھل جائے گی۔

اور اس آخری ٹکڑے کا سابقہ مضمون سے جوڑ یہ ہے کہ جیسے کسی نعمت کا چھپانا اس کی ناشکری ہے، ایسے ہی اس کا برعکس بھی برا ہے یعنی نعمت حاصل نہیں مگر وہ ایسا مظاہرہ کرتا ہے کہ گویا وہ نعمت حاصل ہے۔ یہ شخص جھوٹا سوٹ پہننے والے آدمی کی طرح ہے، اس کا احمق ساتھی اس کی پول کھول دے گا۔ پس یہ پہلے مضمون کی ضد کا بیان ہے والأشیاء تدبیر بأضدادھا: بیٹھا کڑوے سے پچھانا جاتا ہے، پس نعمت سے تہی دست کا جو حال ہے اس کا برعکس حال اس شخص کا ہوتا ہے، جس کو نعمت حاصل ہے پس اس کو منعم کا شکر یہ ادا کرنا چاہئے۔

[۸۶-] باب ماجاء فی الْمُتَشَبَّعِ بِمَا لَمْ يُعْطَهُ

[۲۰۳۲-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عِيَّاشٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَرْبَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ

جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً، فَوَجَدَ، فَلْيَجْزِ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُتِنِ، فَإِنَّ مَنْ أَتَنَى فَقَدْ شَكَرَ، وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبِي زُورٍ" وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَعَائِشَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ" يَقُولُ: كَفَرَ بِتِلْكَ النِّعْمَةِ.

باب ماجاء فى الثناء بالمعروف

نیک سلوک پر تعریف کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جزاك الله خيراً، فقد أبلغ في الثناء: جس شخص کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا گیا پس اس نے حسن سلوک کرنے والے سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں! اس نے آخری درجہ کی تعریف کر دی، کیونکہ اس نے دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا دیدی، پس اس سے آگے کیا رہ گیا..... اور یہ دعا دینے میں کیا خرچ ہوتا ہے، مگر لوگ اس میں بخیلی کرتے ہیں..... مگر یاد رکھنا چاہئے کہ دعا دے کر معاملہ نمٹا دینا اس وقت درست ہے جب بھلائی کے جواب میں بھلائی کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو، ورنہ اصل حکم جوابی بھلائی کرنا ہے جیسا کہ ابھی گذرا۔

[۸۷-] باب ماجاء فى الثناء بالمعروف

[۲۰۳۳-] حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ، وَالْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ - وَكَانَ سَكَنَ بِمَكَّةَ - قَالَا: ثَنَا الْأَحْوَصُ بْنُ جَوَّابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحِمْسِ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّمِيمِيِّ، عَنْ أَبِي عُمَرَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أَسَمَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جزاك الله خيراً! فَقَدْ أبلغ في الثناء" هذا حديث حسن جيد غريب، لا نعرفه من حديث أسامة بن زيد إلا من هذا الوجه، وقد روى عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله.

﴿آخر أبواب البر والصلة﴾



بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الطَّبِّ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علاج معالجہ کا بیان

طب نبوی کی روایات پڑھنے سے پہلے چھ باتیں جان لیں:

پہلی بات: وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے لکھی ہے کہ احادیث کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر وارد ہوئی ہیں، دوسری: وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں، بلکہ وہ دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، علاج معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات قسم دوم کی ہیں، اس لئے ابواب الطب کی روایات پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ احکام شرعیہ نہیں ہیں۔

دوسری بات: بیماریاں اور دوائیں دو قسم کی ہیں: مفرد اور مرکب، جو بیماریاں مفرد غذا کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مفرد دوائیں کافی ہیں، اور جو بیماریاں مرکب غذاؤں کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مرکب دوائیں ضروری ہیں، مفرد دواؤں سے ان کا علاج ممکن نہیں، اور قدیم زمانہ میں لوگ سادہ زندگی گزارتے تھے اور مفرد غذائیں کھاتے تھے، اس لئے حدیثوں میں جو مفرد علاج آئے ہیں وہ کارگر تھے، مگر اب جبکہ لوگ مرکب (طرح طرح کی) غذائیں کھانے لگے ہیں تو اب مفرد دوائیں زیادہ کارگر نہیں، اب مرکب دواؤں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات معمول بہ نہیں ہیں۔

تیسری بات: پہلے جب حکماء اور ڈاکٹر صاحبان کم تھے تو ہر شخص حکیم ڈاکٹر تھا، ایک ایک بیماری کے کئی کئی علاج لوگ جانتے تھے، جس کے سامنے بھی بیماری کا تذکرہ کیا جائے: ایک نئی دوا بتاتا تھا، اور اب شہروں کا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ لوگ نزلے کی دوا بھی نہیں جانتے، اس کے لئے بھی حکیم ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں، غرض قدیم زمانہ

میں لوگ عام طور پر بیماریوں کے علاج خود کرتے تھے، اور نئی نسل بڑوں سے علاج معالجہ اور دواؤں کا علم حاصل کرتی تھی، ابواب الطب کی روایات اسی قبیل کی ہیں، نبی ﷺ نے تجربہ سے یا بڑوں سے جو باتیں جانی تھیں وہ امت کو بتلائیں تاکہ امت ان سے استفادہ کرے۔

چوتھی بات: ابواب الطب کی روایات پر عمل کرنے کے لئے دو باتیں جانی ضروری ہیں:

ایک: مرض کی پہچان۔ بعض امراض پیچیدہ ہوتے ہیں، اور بعض امراض متشابہ (ملتے جلتے) ہوتے ہیں، اس لئے آنکھ بند کر کے کسی نسخہ پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

دوم: دواء کے استعمال کا طریقہ جاننا ضروری ہے یعنی یہ علم ضروری ہے کہ دواء مفرد استعمال کی جائے یا مرکب؟ پھر ہر دوا کی مقدار کیا ہو؟ اور دواء کتنی مقدار میں اور کتنی مرتبہ استعمال کی جائے؟ ان سب باتوں کا علم ضروری ہے، مگر یہ سب تفصیلات روایات میں نہیں آئیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل ممکن نہیں، جیسے حدیث میں آیا ہے کہ چار علاج مفید ہیں: (۱) سَعوط (ناک میں دواء ڈالنا) (۲) لَدُود (گوشہ نم میں دواء ڈالنا) (۳) پَچْھَنے لَگَوانا (۴) مَسْہَل لینا، مگر یہ بات مروی نہیں کہ سر کی کس بیماری میں ناک میں دواء ڈالی جائے؟ اور کونسی دواء ڈالی جائے؟ اسی طرح کس بیماری میں لدود کیا جائے؟ اور کونسی دواء سے لدود کیا جائے؟ جبکہ اس روایت پر عمل کرنے کے لئے یہ باتیں جانی ضروری ہیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل نہیں کیا جاسکتا۔

پانچویں بات: لوگ پہلے بیماریوں کا علاج خود کیا کرتے تھے، کیونکہ حکیم ڈاکٹر کی جنس نایاب تھی، اور تیار دوائیں بھی بازار میں دستیاب نہیں تھیں، اور اب صورت حال بدل گئی ہے، گاؤں گاؤں ڈاکٹر پھیل گئے ہیں، اور دواء ساز کمپنیاں ہر مرض کی دواء بازار میں لے آئی ہیں، اس لئے جب روٹی ملے یوں تو کھیتی کرے کیوں؟ لوگ اب از خود علاج کرنے کا ذوق نہیں رکھتے، اس لئے بھی لوگ طب نبوی پر عمل پیرا نہیں، کیونکہ یہ احکام شرعیہ نہیں۔

چھٹی بات: علاج دو ہیں: جسمانی اور روحانی، جو علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے وہ جسمانی ہے اور جو علاج دعا تعویذ سے کیا جاتا ہے وہ روحانی ہے، کیونکہ بیماریاں دو طرح کی ہیں، زیادہ تر بیماریاں دواؤں کی ہیں، وہ دواؤں کا اثر جلدی قبول کرتی ہیں، اگرچہ دعا تعویذ بھی ان میں فائدہ پہنچاتا ہے، اور کچھ بیماریاں جھاڑ کی ہیں جیسے سانپ بچھو کا زہر: جھاڑ زیادہ سنتا ہے، دواء اس میں کم اور دیر سے اثر کرتی ہے اس لئے ان ابواب میں دونوں علاجوں کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِمِيَّةِ

پرہیز کا بیان

طب کی تین بنیادیں ہیں: حفظانِ صحت، پرہیز اور استفراغِ مادہ فاسد، اور تینوں کی طرف قرآن کریم نے اشارہ

کیا ہے:

۱- حفظانِ صحت: سب سے مقدم یہ بات ہے کہ آدمی اپنی صحت کی حفاظت کرے، کوئی ایسی غذا نہ کھائے جس سے صحت خراب ہو، اور نہ ایسے اسباب اختیار کرے جو بیماری کو دعوت دیں، سورۃ الاعراف (آیت ۳۱) میں ہے: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾: کھاؤ پیو اور حد سے مت نکلو۔ یہ حد سے نکلنے کی ممانعت حفظانِ صحت کے اصول سے ہے، کیونکہ جب کھانے میں اعتدال نہیں رہے گا، اور آدمی پُر خوری کا عادی ہو جائے گا تو طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوں گی..... اور حدیث میں ہے کہ کوڑھی کے پاس سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، یہ اسباب مرض سے بچنے کی تعلیم ہے جو حفظانِ صحت کے اصول سے ہے۔

۲- پرہیز: اور بیماری سے پہلے بھی، اور بیماری کے ساتھ بھی، اور بیماری کے بعد بھی پرہیز ضروری ہے، پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ آپ ﷺ نے کچا یا پھیکا خربوزہ کھجور کے ساتھ نوش فرمایا، اور یہ ارشاد فرمایا: ہم ایک کی گرمی سردی دوسرے کی گرمی سردی سے توڑتے ہیں، کیونکہ پھیکا خربوزہ بارد ہوتا ہے اور کھجور گرم ہے، پس یہ بیماری سے پہلے پرہیز (احتیاط) کی مثال ہے، آدمی کو صرف حار یا صرف بارد چیزیں نہیں کھانی چاہئیں، بلکہ ان میں اعتدال پیدا کر کے کھانی چاہئیں، کھجور کو مکھن کے ساتھ کھانے میں بھی یہی حکمت ہے..... اور سورۃ النساء (آیت ۲۳) اور سورۃ المائدہ (آیت ۶) میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ﴾ الایۃ یعنی اگر تم بیمار ہوؤ..... پھر تم کو (ہیئتہ یا حکما) پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو۔ تیمم کی یہ اجازت حمیہ (پرہیز) کے اصول سے ہے یعنی اگر پانی سے وضو یا غسل کرنا سخت مضر ہو تو پانی سے پرہیز کیا جائے اور مٹی سے تیمم کر لیا جائے اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالا جائے، اور یہ بیماری کی حالت میں حمیہ کی مثال ہے..... اور اس باب میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ابھی بیماری سے اٹھے تھے: کھجوریں کھانے لگے تو آپؑ نے ان کو منع کیا، یہ بیماری کے بعد حمیہ کی مثال ہے۔

۳- اخراج مادہ فاسدہ: جب بیماری کا علاج کیا جائے تو توجہ اس پر مرکوز رکھی جائے کہ فاسد مادہ جسم سے نکل جائے، ورنہ علاج شفا بخش نہ ہوگا، صلح حدیبیہ کے موقع پر احرام کی حالت میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے سر میں جو گئیں پڑ گئیں، جس سے وہ بہت پریشان ہوئے، چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۶ نازل ہوئی: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ اس آیت کے نازل ہونے پر نبی ﷺ نے ان کو سر منڈا کر فدیہ دینے کا حکم دیا، کیونکہ جب تک بالوں کی جڑوں میں سے میل دور نہیں ہوگا: جوؤں کی آفرائش رکے گی نہیں، پس یہ اجازت جسم سے فاسد مادہ دور کرنے کے لئے تھی۔ کیونکہ فاسد مادہ سبب مرض ہے، اور اس کے ازالے پر شفا موقوف ہے (یہ مضمون ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۳: ۹۷) میں لکھا ہے)

فائدہ: علاج کے سلسلہ میں یونانی اور ایلوپیتھی یعنی انگریزی طریقہ علاج مختلف ہیں، طب میں سبب کا علاج کیا جاتا ہے اور جب بیماری کا سبب ختم ہو جاتا ہے تو مسبب یعنی بیماری خود بخود ختم ہو جاتی ہے، وہ دوبارہ نہیں لوٹی، اور انگریزی طریقہ علاج میں مسبب کا علاج کیا جاتا ہے تا آنکہ اس کا سبب ختم ہو جائے، چنانچہ یونانی دواؤں سے فوراً بیماری نہیں دیتی، اور انگریزی دواء کی پہلی خوراک ہی اثر دکھاتی ہے، نیز یونانی دواء کا کوئی کورس نہیں ہوتا، بلکہ جب تک بیماری کا سبب ختم نہ ہو: دواء کھانی پڑتی ہے، اور سبب کے ختم ہونے کی علامت یہ ہے کہ مسبب یعنی بیماری ختم ہو جائے، اور انگریزی طریقہ علاج میں دواؤں کا کورس ہوتا ہے، جس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ بیماری عود کر آنے کا احتمال رہتا ہے کیونکہ سبب ابھی باقی ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: دیوار میں درخت نکل آیا اس کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک: تیزاب سے اس کی جڑیں جلادی جائیں، درخت خود بخود سوکھ جائے گا اور پھر کبھی نہیں اگے گا، دوسرا: پہلے درخت کی ٹہنیاں کاٹی جائیں، پھر تنا نکالا جائے پھر جڑیں کھودی جائیں تو بھی درخت ختم ہو جائے گا، لیکن اگر ذرا سی جڑ بھی باقی رہ گئی تو درخت دوبارہ اُگ آئے گا۔

حدیث (۱): حضرت ام المندرانصار یہ کہتی ہیں: نبی ﷺ میرے گھر تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، ہمارے گھر میں کھجوروں کے خوشے لٹک رہے تھے، نبی ﷺ نے کھجوریں کھانی شروع کیں، حضرت علیؑ بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے، آپ نے ان سے فرمایا: ”علی! رکو، تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو“ یعنی ابھی تمہارے لئے کھجوریں مضر ہیں، پس حضرت علیؑ بیٹھ گئے، اور آپ کھاتے رہے..... ام المندرانصار کہتی ہیں: پھر میں نے ان کے لئے چقندر اور جو کا کھانا (کھجڑا) تیار کیا (یہ دونوں بارد ہیں) پس نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے علی! اس میں سے لو، یہ آپ کے لئے زیادہ موافق ہے“

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا: حَمَاهُ الدُّنْيَا، كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ بَحْمِي سَقِيمَةً الْمَاءِ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے بچاتے ہیں، جس طرح تم میں سے ایک شخص اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

تشریح: دنیا سے بچانے کی دو صورتیں ہیں: ایک: سرے سے صالح بندے کو دنیا دی ہی نہ جائے، اس کو غریب رکھا جائے، دوسری: دنیا دی تو جائے اور خوب دی جائے مگر اس کے دل کو مال میں نہ اٹکایا جائے، بہت سے صحابہ کرام اور صلحائے عظام ایسے گذرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صاحب ثروت (مال و دولت والا) بنایا تھا، مگر ان کے دل دولت میں پھنسے ہوئے نہیں تھے۔

ایک واقعہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے، جب رمضان آتا اور شام کو ان کے سامنے دسترخوان بچھایا جاتا تو افطاری دیکھ کر رونا شروع کر دیتے، اور ان صحابہ کو یاد کرتے جو غربت کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، پھر سارا دسترخوان غریبوں کو بانٹ دیا جاتا خود اس میں سے کچھ بھی نہیں کھاتے تھے۔

دوسرا واقعہ: پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بڑے مالدار تھے، آپ ایکسپورٹ اور امپورٹ کا کاروبار کرتے تھے، ایک مرتبہ مجلس میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں جہاز جو فلاں ملک جا رہا تھا: ڈوب گیا، آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمد للہ! لوگوں کو حیرت ہوئی، کیونکہ یہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کا موقع تھا، مگر کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی..... پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ مجلس ہی میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں ملک سے جو جہاز مال لے کر آیا تھا وہ پہنچتے ہی دو گئے نفع پر بک گیا تو آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمد للہ! اب لوگوں سے صبر نہ ہوسکا، اور پوچھ ہی لیا کہ حضرت! دونوں موقعوں پر آپ نے تحمید کی اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ دونوں موقع مختلف تھے، آپ نے فرمایا: میں نے پہلی مرتبہ الحمد للہ نقصان ہونے پر نہیں کہا تھا، نہ اب نفع ہونے پر کہا ہے، بلکہ جب نقصان کی خبر ملی تو میں نے سر جھکا کر دل کا جائزہ لیا کہ اس کو صدمہ پہنچایا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ قلب نقصان سے متاثر نہیں ہوا اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور اب جبکہ نفع کی خبر ملی تو بھی میں نے دل کا جائزہ لیا کہ اس کو خوشی ہوئی یا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ دل اس سے بھی متاثر نہیں ہوا، اس پر میں نے الحمد للہ کہا ہے۔

تیسرا واقعہ: خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ بھی بہت مالدار تھے، جب وہ خدام کے ساتھ نکلتے تھے تو بادشاہ کا جلوس ماند پڑ جاتا تھا، میں نے آپ کی قبر کی زیارت کی ہے اور اس سے متصل خانقاہ بھی دیکھی ہے، ان کے یہاں بزرگی کا شہرہ سن کر ایک مرید آیا، اور آپ کا ٹھاٹھ دیکھ کر بدگمان ہو گیا، اس نے خانقاہ کے دروازے پر لکھ دیا: نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد! وہ کیسا بزرگ جو دولت جمع کئے ہوئے ہے! کسی مرید نے حضرت کو اطلاع دی کہ نو وارد مہمان نے خانقاہ کے دروازے پر یہ لکھا ہے، آپ نے فرمایا: اس کے نیچے لکھ دو: وگر دارد برائے دوست دارد! یعنی اگر کوئی اللہ کے لئے اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کے لئے دنیا رکھتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے!

اور دنیا سے بچانے کی یہ دونوں صورتیں اسی حدیث سے سمجھ میں آتی ہیں، اس طرح کہ آپ ﷺ نے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح تم میں سے ہر شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے، اور ظاہر ہے: پانی ہر مریض کے لئے مضر نہیں گردے کی پتھری میں تو پانی خوب پلایا جاتا ہے، اور عرب تو بخاری کو پانی سے نہلاتے ہیں، یہی حال مال کا بھی سمجھنا چاہئے، وہ ہر حال میں مضر نہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الطب

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء في الحمية

[٢٠٣٤-] حدثنا عباس بن محمد الدورى، نا يونس بن محمد، ثنا فليح بن سليمان، عن عثمان بن عبد الرحمن، عن يعقوب بن أبي يعقوب، عن أم المنذر، قالت: دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم، ومعه على، ولنا دوال معلقة، قالت: فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل، ومعه على يأكل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي: "مه! يا علي، فإنك ناقة" قال: فجلس على، والنبى صلى الله عليه وسلم يأكل، قالت: فجعلت لهم سلقا وشعيرا، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: "يا علي! من هذا فأصب، فإنه أوفق لك"

هذا حديث حسن غريب، لا نعرفه إلا من حديث فليح بن سليمان، ويروى هذا عن فليح بن سليمان، عن أيوب بن عبد الرحمن.

حدثنا محمد بن بشر، نا أبو عامر، وأبو داود، قالا: نا فليح بن سليمان، عن أيوب بن عبد الرحمن، عن يعقوب بن أبي يعقوب، عن أم المنذر الأنصارية، قالت: دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر نحو حديث يونس بن محمد، عن فليح بن سليمان، إلا أنه قال: "أنفع لك" وقال محمد بن بشر في حديثه: حدثني أيوب بن عبد الرحمن، هذا حديث جيد غريب.

[٢٠٣٥-] حدثنا محمد بن يحيى، نا إسحاق بن محمد الفروى، نا إسماعيل بن جعفر، عن عمارة بن غزية، عن عاصم بن عمر بن قتادة، عن محمود بن لبيد، عن قتادة بن النعمان، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا أحب الله عبدا حماه الدنيا، كما يظل أحدكم يحمى سقيمته الماء"

وفى الباب: عن صهيب، هذا حديث حسن غريب، وقد روى هذا الحديث عن محمود بن لبيد، عن النبى صلى الله عليه وسلم مرسلًا.

حدثنا علي بن حجر، نا إسماعيل بن جعفر، عن عمرو بن أبي عمرو، عن عاصم بن عمر بن

قَتَادَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانَ، وَقَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانَ الظَّفَرِيُّ: هُوَ أَخُو أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لِأُمِّهِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ لَبِيدٍ قَدْ أَذْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَاهُ، وَهُوَ غُلَامٌ صَغِيرٌ.

وضاحت:

۱- پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اس کے راوی صرف فتح بن سلیمان ہیں، مگر یہ بات صحیح نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں اس کی ایک اور سند بھی ذکر کی ہے (تحفة الاشراف مزی ۱۳: ۱۰۸)

اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ فتح اس حدیث کو عثمان بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں، اور ایوب بن عبد الرحمن سے بھی، پھر ایوب کی سند لکھی ہے اور دونوں کی روایتوں میں ذرا سا فرق ہے، عثمان کی روایت میں فإنه أوفق لك ہے اور ایوب کی روایت میں فإنه أنفع لك ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے..... اور پہلی حدیث کی دونوں سندوں کے آخر میں جو عبارت ہے: وقال محمد بن بشار في حديثه الى آخره اس عبارت کا مطلب واضح نہیں، کیونکہ محمد بن بشار: ایوب بن عبد الرحمن کے شاگرد نہیں ہیں کہ کہیں: مجھ سے ایوب نے حدیث بیان کی (ممکن ہے حدیثیہ سے پہلے قال رہ گیا ہو یعنی فتح نے کہا: مجھ سے ایوب نے یہ حدیث بیان کی، کیونکہ پہلے عن سے روایت آئی ہے، اب یہ سماع کی صراحت کی تاکہ یہ احتمال ختم ہو جائے کہ شاید ایوب کا تذکرہ سند میں وہم ہو)

۲- اور دوسری حدیث کی بھی دو سندیں لکھی ہیں: پہلی سند موصول ہے اور دوسری مرسل، اس کے آخر میں حضرت قتادہ کا تذکرہ نہیں..... اور یہ قتادہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اخیانی بھائی ہیں..... اور حضرت محمود بن لبید صحابی صغیر ہیں۔

لغات: دَوَال: دَالِيَّة کی جمع ہے: کچی کھجور کا خوشہ جو لٹکا دیا جاتا ہے، پھر جب وہ پک جاتا ہے تو کھاتے ہیں، اور اس کا دوا الف سے بدلا ہوا ہے (نہایہ مادہ دول)..... نَاقِه: اسم فاعل اَزْنَقَه من مرضه نَقَهَا: صحت یابی کے بعد کی کمزوری۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّوَاءِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ

دوا دارو کی ترغیب

دنیا دار الاسباب ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے۔ پس بیماری کے لئے بھی اسباب پیدا کئے ہیں، اور شفا کے بھی اسباب بنائے ہیں، پھر جو اسباب ظاہری ہیں ان کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، اس لئے بیماری کا علاج کرنا

مسنون ہے، اور یہ توکل کے منافی نہیں۔

حدیث: اعراب (بدوں) نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم علاج نہ کرائیں؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، یا عباد اللہ تَدَاوُوا! ہاں اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ۔ فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَصُغْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْ: دَوَاءً، إِلَّا دَاءً وَاحِدًا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر اس کے لئے شفاء بھی پیدا کی ہے، یا فرمایا: دوا بھی پیدا کی ہے (اور نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ: اس دوا کو جو جانتا ہے جانتا ہے اور جو نہیں جانتا نہیں جانتا یعنی کوئی جانتا ہے کوئی نہیں جانتا) البتہ ایک بیماری متثنیٰ ہے، لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ ایک بیماری کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: الْهَرَمُ: بڑھاپا، اسی لئے احادیث میں بڑھاپے سے پناہ مانگی گئی ہے کیونکہ یہ لا علاج بیماری ہے۔

تشریح: یہاں بڑھاپے سے مراد موت ہے، بڑھاپا اس کی تمہید ہے، اور موت ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

سوال: قرآن وحدیث میں توکل (اللہ کی ذات پر اعتماد کرنے) کی تعلیم دی گئی ہے اور اس حدیث میں علاج کا حکم دیا گیا ہے، بظاہر یہ دونوں باتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں، پس اس کا کیا حل ہے؟

جواب: جب یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہونگے، البتہ اسباب تین قسم کے ہیں: ظاہری، خفی اور اخفی، سبب ظاہر وہ ہے جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے، اور سبب خفی: سبب ظنی کا نام ہے، اور سبب اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے، جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے اور پانی سے سیراب، اور دوا سے شفا حاصل ہوتی ہے، یہ اسباب ظاہرہ ہیں، اور جھاڑ پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر یہ سبب خفی ہے، اور علویات (ستاروں) کے سفلیات یعنی انسانی حوادث (صحت، مرض، عزت، ذلت وغیرہ) پر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ سبب اخفی ہے، اس کا ادراک نجومیوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا، اور نجومیوں کی باتیں اٹکل پچھوتی ہیں، اس لئے شریعت نے سبب اخفی کی تو قطعاً ممانعت کر دی، فرمایا: ”جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں پختہ کی وجہ سے بارش ہوئی وہ پختہروں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور پختہروں کا انکار کرتے ہیں“

اور اسباب خفیہ کی ممانعت تو نہیں کی مگر اس کے ترک کو اولیٰ قرار دیا، مسلم شریف (حدیث ۲۲۰) میں حدیث ہے کہ قیامت کے دن ستر ہزار لوگ ایسے ہونگے جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے، صحابہ نے دریافت کیا: وہ کون لوگ ہونگے؟ آپؐ نے فرمایا: هُمُ الَّذِينَ لَا يَرْقُونَ، وَلَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَنْطَرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ: وہ وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑتے ہیں اور نہ جھڑواتے ہیں، اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر

بھروسہ کرتے ہیں۔

اور اسباب ظاہری کو اختیار کرنا مایوسہ ہے، اس حدیث میں نبی ﷺ نے علاج کرانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ سبب ظاہری ہے، مگر سبب ظاہری اختیار کرنے کی حالت میں بھی بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہئے، کیونکہ اسباب محض اسباب ہیں، وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، وہ خود کار نہیں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں، وہ چاہیں گے تو اسباب کام کریں گے، ورنہ نہیں کریں گے۔ اور آگے یہ حدیث آرہی ہے کہ ایک بدو نے پوچھا: میں اونٹ کے پیرباندھ کر اللہ پر اعتماد کروں یا یونہی چرنے کے لئے چھوڑ دوں اور اللہ پر اعتماد کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اَعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ: اونٹ کے پیر میں رسی باندھ، پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ مولانا روم فرماتے ہیں: بر توکل زانوائے اُشتر بہ بند! اور جنگِ احد نہایت سخت معرکہ تھا، چنانچہ نبی ﷺ نے دو زر ہیں اوپر تلے پہنی تھیں حالانکہ آپؐ سید التوکلین تھے، اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ سب ایک دروازہ سے شہر میں داخل مت ہونا، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہیں گے: ﴿مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ میری تدبیر اللہ کے کسی فیصلہ کو روک نہیں سکے گی، پھر سوال پیدا ہوا کہ تدبیر بتانے سے کیا فائدہ؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دیا ہے: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ﴾ الآية: یعنی جب وہ لوگ مصر پہنچ کر جس طرح ان کے ابا نے کہا تھا اس طرح شہر میں داخل ہوئے، اور وہ ان سے اللہ کے حکم میں سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتے تھے، یعنی ان کی بتلائی ہوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، صاحبزادگان میں سے ایک کے بجائے دو روک لئے گئے، تاہم ان کے ابا کا ارمان پورا ہو گیا، یہ ارمان کیا تھا؟ اسباب کو اختیار کرنے کی آرزو! کیونکہ انبیاء نے امتوں کو اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، وہی تعلیم آپؐ نے اپنے بیٹوں کو بھی دی تھی، مگر تدبیر بتلانے کا مقصد اللہ کے حکم کو ٹالنا نہیں تھا، پھر قرآن نے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ﴾ اور یعقوبؑ بلاشبہ بڑے عالم تھے، اس وجہ سے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا یعنی یہ ارمان جو ان کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کا ایک حکم تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسباب ظاہرہ اختیار کرنے کے ساتھ اللہ پر اعتماد ضروری ہے، پس اسباب ظاہرہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، جس طرح اسباب کا اختیار کرنا تقدیر کے منافی نہیں، کیونکہ اسباب بھی تقدیر کا ایک حصہ ہیں، تفصیل ابواب القدر میں آئے گی، امید ہے اس تفصیل سے آپ حضرات مسئلہ کی حقیقت سمجھ گئے ہونگے، اور اسباب کے احکام بھی آپ حضرات کی سمجھ میں آگئے ہونگے، مزید تفصیل کے لئے میری تفسیر ہدایت القرآن (پارہ ۱۳ ص: ۱۶) سورہ یوسف آیت ۶۸ کی تفسیر دیکھیں۔

[۲-] باب ماجاء فی الدَّوَاءِ، وَالْحَتِّ عَلَيْهِ

[۲۰۳۶-] حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقْدِيُّ الْبَصْرِيُّ، نَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ

أُسَامَةُ بْنُ شَرِيكٍ، قَالَ: قَالَتِ الْأَعْرَابُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا نَتَدَاوَى؟ قَالَ: "نَعَمْ، يَا عِبَادَ اللَّهِ! تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، أَوْ: دَوَاءً، إِلَّا دَاءً وَاحِدًا" فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا هُوَ؟ قَالَ: "الْهَرَمُ"

وفی الباب: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُطْعَمُ الْمَرِيضُ؟

بیمار کو کیا کھلانا چاہئے؟

بیمار کی دو حالتیں ہیں، کبھی اس کو کھانے کی خواہش نہیں ہوتی، اور کبھی بھوک نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں اس کو حریرہ پلانا چاہئے، اور دوسری صورت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے، کیونکہ اس وقت طبیعت مرض کی مقاومت (مقابلہ) کر رہی ہوتی ہے، پس اس کو کھانے کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ اطباء سخت بخار میں اور بحرانی کیفیت میں غذا دینے سے منع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں جب مریض کا کھانے کو جی نہ چاہ رہا ہو اس وقت کا حکم ہے، اور دوسرے باب میں جب مریض بالکل کھانے کے لئے تیار نہ ہو اس وقت کا حکم ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ کے گھر میں کسی کو بخار آتا تو آپ حریرہ بنانے کا حکم دیتے، چنانچہ وہ بنایا جاتا، پس آپ مریض کو حکم دیتے کہ وہ اس میں سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے، اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ حریرہ غمگین کے دل کو قوی کرتا ہے، اور بیمار کے دل سے تکلیف ہٹاتا ہے، جس طرح عورتیں اپنے چہرے سے پانی کے ذریعہ میل ہٹاتی ہیں۔

تشریح: بخاری (حدیث ۵۴۱۷) میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: التَّلْبِينَةُ مَجْمَعٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيضِ، تَذْهَبُ بِنَقْصِ الْحُزَنِ: تلبینہ یعنی بھوسی یا چھنے ہوئے آٹے میں دودھ اور شہد ملا کر بنایا ہوا حریرہ بیمار کی دلجوئی کا ذریعہ ہے، اور اس کا کچھ غم دور کرتا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہی حدیث ہے، کبھی مریض کو بھوک تو ہوتی ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، ایسی صورت میں تھوڑے گھی میں آٹا بھون لیا جائے، پھر اس میں کافی دودھ ڈال کر پکالیا جائے، اور اس کو ایسا پتلا رکھا جائے کہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیا جاسکے، مریض اس کو دل نہ چاہنے کے باوجود پی لے تو اس کے دل سے بوجھ ہٹ جائے گا، اور یہ خیال نکل جائے گا کہ اس نے کچھ نہیں کھایا، اور غذا بھی پیٹ میں پہنچ جائے گی، جس سے اس کو قوت ملے گی۔

اور مسند احمد (۷۹:۶) میں حریرہ کا ایک فائدہ یہ بھی آیا ہے کہ اس سے پیٹ صاف ہو جاتا ہے، فرمایا: **إِنَّهَا تَغْسِلُ بَطْنَ أَحَدِكُمْ كَمَا تَغْسِلُ إِحْدَاكُنَّ وَجْهَهَا مِنَ الْوَسَخِ** یعنی تلبینہ (حریرہ) تم میں سے ایک کے پیٹ کو اس طرح دھو دیتا ہے جس طرح تم میں سے ایک عورت چہرہ دھو کر اس کا میل دور کر دیتی ہے اور جب معدہ صاف ہو جائے گا جو بیماریوں کا گھر ہے تو بیماری خود بخود چلی جائے گی۔

[۳-] باب ما جاء ما يُطعم المریض؟

[۲۰۳۷-] حدثنا أحمد بن منيع، نا إسماعيل بن إبراهيم، نا محمد بن السائب بن بركة، عن أمه، عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أخذ أهله الوعك، أمر بالحساء، فصنع، ثم أمرهم فحسوا منه، وكان يقول: "إنه ليرتو فؤاد الحزين، ويسرو عن فؤاد السقيم، كما تسرو إحدانا الوسخ بالماء عن وجهها" هذا حديث حسن صحيح، وقد روى الزهري، عن عروة، عن عائشة، عن النبي صلى الله عليه وسلم شيئاً من هذا، حدثنا بذلك الحسين الجري، نا أبو إسحاق الطالقاني، عن ابن المبارك، عن يونس، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة، عن النبي صلى الله عليه وسلم بمعناه، حدثنا بذلك أبو إسحاق.

لغات: الوعك: تيز بخار..... الحساء والحسا والحسو والحسو: ہر رقیق چیز جو پی جا سکے، ایک قسم کا کھانا جو آٹا پانی اور گھی ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ حسا (ن) حسوا المرق: تھوڑا تھوڑا پینا..... رتا يرتو رتوا القلب: دل کو قوی کرنا..... سرا يسرو سروا الثوب: کپڑے اتارنا، سڑی عنہ الهم: غم زائل ہونا، دور ہونا۔

سند کی بحث: اس حدیث کو محمد بن السائب اپنی ماں سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، اور محمد کی ماں کا نام کسی نے نہیں لکھا، البتہ ان کے نسب نامہ میں دادا کی جگہ بركة (عورت کا نام) آتا ہے، ممکن ہے یہ تصحیف ہو اور یہ ان کی ماں کا نام ہو، ابن ماجہ (تحقیق: محمد فواد عبد الباقي) میں سند اس طرح ہے: ثنا محمد بن السائب، عن بركة، عن أمه، عن عائشة (حدیث ۳۲۳۵ باب التلبينة، کتاب الطب) یعنی بركة سے پہلے بن نہیں ہے بلکہ عن ہے، پس عن أمه کو عن بركة کا بدل بنائیں گے اور اس کی نظیر ترمذی (کتاب الزکاة باب ۵) میں گذر چکی ہے قال: روى شريك هذا الحديث عن خصيف، عن أبي عبيدة، عن أبيه، عن عبد الله، اس سند میں عن عبد الله: عن أبيه سے بدل ہے یعنی ابو عبیدہ کے والد حضرت ابن مسعود ہی ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی عن أمه کو عن بركة سے بدل بنایا جاسکتا ہے، یعنی بركة ہی محمد بن السائب کی ماں ہیں۔

البتہ باب کے بالکل آخر میں جو حدثنا بذلك أبو إسحاق ہے اس کا مطلب واضح نہیں، کیونکہ ابو اسحاق طالقانی: امام ترمذی کے استاذ نہیں، اور رمزی نے بھی تحفۃ الاشراف (۶:۱۲) میں امام ترمذی کی یہ عبارت اسی طرح نقل کی ہے، پھر لکھا ہے: کذا فی نسخ السماع: یعنی انھوں نے اپنے اساتذہ سے جو ترمذی پڑھی ہے اس میں یہ عبارت اسی طرح ہے، اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں کیا گڑبڑ ہوئی ہے۔

باب ماجاء لا تُكْرَهُوا مَرَضًاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور مت کرو

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تُكْرَهُوا مَرَضًاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيهِمْ: اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے پلاتے ہیں، یعنی ان کو نہ کھانے سے ضعف لاحق نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا مداوا کر دیتے ہیں، اور اگر اس شدید ناگواری کی حالت میں زبردستی کھلاؤ گے تو اس کی طبیعت کھانے کے نظم و انتظام کی طرف متوجہ ہوگی، اور وہ مرض کی مقاومت نہیں کر سکے گی، مگر دو کیفیتوں میں فرق کرنا ضروری ہے: ایک: مریض کو بھوک تو ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، اس حالت میں اس کو حریہ دینا چاہئے، اور دوسری حالت یہ ہے کہ مریض بالکل کھانا ہی نہیں چاہتا، اس کو بھوک ہی نہیں، پس ایسی حالت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے، اور اللہ کے کھلانے پلانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کھانے پینے کی حاجت نہیں، پھر زبردستی اس کو کیوں کھلایا پلایا جائے؟!

[۴-] باب ماجاء لا تُكْرَهُوا مَرَضًاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

[۲۰۳۸-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا بَكْرُ بْنُ يُونُسَ بْنِ بُكَيْرٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُكْرَهُوا مَرَضًاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيهِمْ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء في الحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

کلونجی کا بیان

کلونجی کے اور نام: شونیز اور الحبة السوداء (سیاہ دانہ) ہیں، یہ پیاز کے بیج کے مشابہ سیاہ رنگ کے بیج ہوتے ہیں

جن کی بوتیز اور مزہ تلخ ہوتا ہے، ان کا مزاج گرم خشک ہے، مسالوں، اچاروں اور دواؤں میں عام طور پر مستعمل ہے، اس لئے عطاروں اور پرچون کی دکانوں میں ملتی ہے، کلونجی: کثیر المنافع دواء ہے، کبھی اس کو مفرد استعمال کرتے ہیں، کبھی دوسری دواؤں کے ساتھ مرکب کر کے استعمال کرتے ہیں، پھر کبھی اس کا سفوف بنا کر کھلاتے ہیں اور کبھی جو شانہ بنا کر پلاتے ہیں اور اس کا روغن بھی نکالتے ہیں، نیز سرد کام میں اس کو سونگھاتے بھی ہیں اور دھونی بھی دیتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: علیکم بهذه الحبة السوداء، فَإِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ، إِلَّا السَّامَ: آپ لوگ اس کا لے دانے (کلونجی) کو لازم پکڑو یعنی اس سے علاج کرو اور دیگر استعمالات میں بھی لو، اس لئے کہ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔

تشریح: کلونجی میں ہر شفاء ہے: یہ حدیث عام ہے یا خاص؟ اس میں اختلاف ہے۔ خطابی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ ارشاد بظاہر عام مگر حقیقت میں خاص ہے، کیونکہ کوئی جڑی بوٹی ایسی نہیں جو ہر بیماری کا علاج ہو، کلونجی بھی صرف بار داور مرطوب بیماریوں کا علاج ہے، اس لئے کہ اس کا مزاج گرم خشک ہے اور یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا آگے باب ۲۹ میں سنا کے بارے میں آرہا ہے کہ اگر کسی چیز میں موت کا علاج ہوتا تو وہ سنا میں ہوتا، ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ کثیر المنافع دوائیں ہیں۔

اور دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ارشاد عام ہے، کلونجی ہر بیماری کی دواء ہے مگر اس کے استعمال کے طریقے مختلف ہیں، کبھی مفرد استعمال کی جاتی ہے، اور کبھی دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر استعمال کی جاتی ہے، نیز مرض کی رعایت اور قواعد طب کا لحاظ بھی ضروری ہے، اس طرح وہ ہر بیماری کی دواء بن جاتی ہے، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ إِلَّا السَّامَ استثناء ہے، پس ایک بیماری کو مستثنیٰ کر کے کلونجی ہر بیماری کی دواء ہے، جیسے ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خُسْرٍ﴾، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا ﴿الآیۃ کا حال ہے۔

مگر صحیح رائے پہلی معلوم ہوتی ہے کہ کلونجی کثیر المنافع دواء ہے کیونکہ جب اس کا مزاج گرم خشک ہے تو وہ بار داور مرطوب بیماریوں ہی کا علاج ہو سکتی ہے، ہر بیماری کا علاج کیسے ہو سکتی ہے؟ اور جب دوسری دوائیں اس کے ساتھ ملا کر استعمال کریں گے تو سارا فائدہ کلونجی کا کہاں رہا، اس میں دوسری دوائیں بھی شریک ہو گئیں۔ اور آیت کریمہ سے استدلال اس لئے درست نہیں کہ طب نبوی کی روایات تبلیغ رسالت کی قسم سے نہیں ہیں، جیسا کہ ابواب الطب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے، اور جب ان حضرات نے یہ فرمایا کہ مرض کی رعایت اور قواعد طب کا لحاظ بھی ضروری ہے تو انھوں نے حدیث کو خود ہی خاص کر دیا، کیونکہ اس قید کا مطلب یہ ہے کہ کلونجی صرف انہی امراض میں استعمال کی جاسکتی ہے جو بار داور مرطوب ہیں، کیونکہ کلونجی کا مزاج حار یا بس ہے، اس لئے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ بظاہر عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے۔ واللہ اعلم

[۵-] باب ماجاء في الحَبَّةِ السَّودَاءِ

[۲۰۳۹-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الْحَبَّةِ السَّودَاءِ، فَإِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ، إِلَّا السَّامَ" وَالسَّامُ: الْمَوْتُ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ بُرَيْدَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: السَّامُ کے معنی ہیں: موت، اور یہ معنی امام زہری رحمہ اللہ نے بیان کئے ہیں۔

بابُ ماجاء في شُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ

اونٹوں کا پیشاب پینے کا بیان

کتاب الطہارۃ باب ۵۵ (تحفة اللمعی ۳۱۶:۱) میں یہ حدیث گزری ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے، ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی اور جوئی بیماری نے ان کو پکڑ لیا، پس نبی ﷺ نے ان کو زکوٰۃ کے اونٹوں میں بھیج دیا اور فرمایا: "اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو" اور باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس روایت کا حوالہ ہے وہ ابن المنذر نے مرفوعاً روایت کی ہے: عَلَیْکُمْ بِأَبْوَالِ الْإِبِلِ، فَإِنَّهَا نَافِعَةٌ لِدَرَبَةِ بَطُونِهِمْ: آپ لوگ اونٹوں کا پیشاب لازم پکڑو یعنی اس سے علاج کرو، کیونکہ وہ معدہ کے فساد کا علاج ہے۔

تشریح: اس حدیث کی بنا پر یہ مسئلہ اختلافی ہوا ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کے فضلات پاک ہیں یا ناپاک؟ امام مالک، امام محمد اور امام احمد رحمہم اللہ پاک قرار دیتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ ناپاک کہتے ہیں، اور اس حدیث کو ضرورت اور علاج پر محمول کرتے ہیں، تفصیل جلد اول میں گزر چکی ہے۔

فائدہ: ناپاک یا حرام چیز سے علاج جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر روایت یہ ہے کہ جائز نہیں مگر دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حرام اور ناپاک میں شفا ہو اور کوئی دوسری دواء معلوم نہ ہو تو گنجائش ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، شامی میں یہ مسئلہ مصرح ہے۔

[۶-] باب ماجاء في شُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ

[۲۰۴۰-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، نَا عَفَّانُ، نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، نَا حُمَيْدٌ، وَثَابِتٌ، وَقَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ نَاسًا مِنْ غُرَبَاءِ قَدِيمُوا الْمَدِينَةَ، فَاجْتَوَوْهَا، فَبَعَثَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ، وَقَالَ: "اشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا" وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهِ

زہر وغیرہ سے خودکشی کرنے کا بیان

سَمٌّ: کی سین پر تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں، اور کشی: کاف کے پیش کے ساتھ ہے، کشتن مار ڈالنا سے ماخوذ ہے، کشیدن: کھینچنا سے ماخوذ نہیں، اور خودکشی حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، حدیثوں میں اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، کیونکہ جس طرح دوسرے کو قتل کرنا حرام ہے خود کو مار ڈالنا بھی حرام ہے، آدمی نہ اپنی جان کا مالک ہے نہ اعضاء کا کہ جس طرح چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے۔ پھر خودکشی کا فائدہ کچھ نہیں، آدمی سمجھتا ہے کہ میں مر کر مصیبتوں سے نجات پا جاؤں گا حالانکہ آدمی مر کر بھی نہیں مارتا، کیونکہ:

یہ نکتہ سیکھا میں نے بو الحسن سے ﴿﴾ کہ روح مرتی نہیں مرگ بدن سے

حضرت امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے یہ بات واضح کی ہے کہ موت بدن سے روح کے جدا ہونے کا نام ہے، پس بدن تو مارتا ہے مگر روح نہیں مرتی، اس کو جسم سے نکلنے کے بعد جزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر خودکشی کرنے سے کیا فائدہ؟ ہو سکتا ہے آگے اور بھی سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے، اس لئے مؤمن کو کبھی یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ، يَتَوَجَّأُ بِهَا بَطْنُهُ: فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا: جس نے اپنے آپ کو مار ڈالا کسی لوہے سے یعنی چھری تلوار وغیرہ سے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس سے اپنے پیٹ کو بھونکے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش رہے گا!

۲- وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ، فَسَمُّهُ فِي يَدِهِ، يَدْحَسَاهُ: فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا: اور جس نے اپنے آپ کو مار ڈالا کسی زہر سے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش کے لئے رہے گا۔

تشریح: یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ عبیدہ بن جُمید کو شک ہے، وہ کہتے ہیں: اُرَاهُ رَفَعَهُ: میرا گمان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، لیکن آگے اعمشؒ کے دوسرے تلامذہ کی جو سندیں آ رہی ہیں ان میں یہ حدیث بالاتفاق مرفوع ہے۔

حدیث (۲): یہ اعمشؒ کے تلمیذ شعبہؒ کی روایت ہے، اس میں دو باتیں تو وہی ہیں جو پہلی حدیث میں ہیں، اور

تیسری بات یہ ہے:

۳- وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ يَتَرَدَّى: فِي نَارِ جَهَنَّمَ، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا: اور جو شخص کسی پہاڑ سے گرا، پس اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو وہ پہاڑ سے گرے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش کے لئے رہے گا۔

تشریح: اس حدیث کو اعمشؒ سے وکیع اور ابو معاویہ بھی شعبہ کی طرح روایت کرتے ہیں، یعنی وہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صحیح حدیث ہے، اور پہلی حدیث سے صحیح تر ہے، اعمش کے دیگر متعدد تلامذہ نے بھی یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے، پس عبیدہ کو جو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک تھا وہ صحیح نہیں، یہ حدیث بالیقین مرفوع ہے۔

حدیث (۳): اور مذکورہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند سے بھی مروی ہے: محمد بن عجلان: سعید مقبری سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَهْمٍ عُذِبَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ: جس نے اپنے آپ کو کسی زہر سے مار ڈالا وہ دوزخ کی آگ میں سزا دیا جائے گا، اس حدیث میں خَالِدًا مُخَلَّدًا فیہا اَبَدًا نہیں ہے، اور یہ حدیث اسی طرح ابو الزناد: عبد الرحمن بن ہر مزاعرج سے، وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یعنی ابو الزناد کی سند سے بھی حدیث میں خَالِدًا مُخَلَّدًا فیہا اَبَدًا نہیں ہے۔

اور امام ترمذیؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ تیسری روایت صحیح ترین ہے، جس میں خَالِدًا مُخَلَّدًا فیہا اَبَدًا نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ گنہگار مومنین دوزخ میں جائیں گے، مگر بعد میں وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے، اور کسی روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ مومنین ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، اس لئے صحیح روایت یہ تیسری ہے، جس میں خَالِدًا مُخَلَّدًا فیہا اَبَدًا نہیں ہے۔

حدیث (۴): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے گندی دواء سے یعنی زہر کے ذریعہ علاج کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث اس باب میں لا کر اشارہ کیا کہ زہر کے ذریعہ خودکشی کرنا عام ہے، خواہ مرنے کے لئے زہر پیا ہو، یا علاج کے طور پر زہر پیا ہو اور مر گیا ہو، دونوں صورتوں میں خودکشی کرنے کا گناہ ہوگا، کیونکہ خطرناک دوائیں ماہر حکیم کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں، بے احتیاطی کی صورت میں حکیم اور بیمار دونوں کو قتل نفس کا گناہ ہوگا، مگر اس حدیث میں دوائے خبیث کی تفسیر زہر سے متعین نہیں کیونکہ یہ تفسیر یا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کی ہے یا نیچے کے کسی راوی نے کی ہے بہر حال حدیث کا جز نہیں اور حرام اور ناپاک دواء سے بھی اس کی تفسیر کی جاسکتی ہے، پس حدیث عام ہوگی، زہر کے ساتھ خاص نہ رہے گی۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان سے ان کے تین شاگرد روایت کرتے ہیں، ابوصالح ذکوان، سعید مقبری اور عبد الرحمن بن ہرمز اعرج، پھر اعرج سے ابو الزناد روایت کرتے ہیں، یہ روایت بخاری (حدیث ۱۳۶۵) میں ہے، اس میں: خالداً مخلداً فیہا ابدان نہیں ہے، اور سعید مقبری سے محمد بن عجلان روایت کرتے ہیں، اس میں بھی یہ بات نہیں ہے۔

اور ابوصالح ذکوان سے سلیمان اعمش روایت کرتے ہیں، پھر ان سے چار تلامذہ روایت کرتے ہیں: (۱) عبیدہ بن حمید، جن کو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے، باقی تین تلامذہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں اور اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے (۲) اور شعبہ کی حدیث بخاری (حدیث ۵۷۷۸) میں اور نسائی (حدیث ۱۹۶۵) میں ہے (۳) اور ابو معاویہ کی حدیث ابو داؤد (حدیث ۳۸۷۳) میں اور مسند احمد (۲: ۲۵۴) میں ہے (۴) اور وکیع کی روایت مسلم (حدیث ۱۰۹) اور ابن ماجہ (حدیث ۳۲۶۰) میں ہے، ان تمام روایات میں خالداً مخلداً فیہا ابدان ہے، پس ان سب روایات کو جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں غیر صحیح کہنا جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے: ممکن نہیں، اس لئے اشکال اپنی جگہ باقی ہے۔ اور اسی قسم کی روایات سے گمراہ فرقوں (معتزلہ وغیرہ) نے استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس لئے اہل السنۃ والجماعۃ نے اس قسم کی روایات کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب: یہ حدیث متحمل کے بارے میں ہے، یعنی جو شخص خودکشی وغیرہ گناہوں کو حلال سمجھ کر کرتا ہے وہ کافر ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ ہر گناہ کو حلال سمجھنا کفر نہیں ہے، بلکہ صرف اس گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے جس کی حرمت لعینہ ہو اور اس کا ثبوت ایسی دلیل قطعی سے ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، اور خودکشی اگرچہ حرام ہے مگر اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں، اور ارشاد پاک: ﴿لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ اگرچہ نص قطعی ہے مگر ظنی الدلالة ہے، انفس سے مراد دیگر مؤمنین بھی ہو سکتے ہیں، اُی لا یقتل بعضکم بعضاً اور انفسکم سے ان کو اس لئے تعبیر کیا ہے کہ سب مؤمنین کنفس واحدہ ہیں۔

دوسرا جواب: خلود سے مکث طویل مراد ہے۔ خَلَدَ بِالْمَكَانِ کے معنی ہیں: دیر تک قیام کرنا، اور خَلَدَهُ کے معنی ہیں: عمر بھر قید رکھنا، سورۃ النساء آیت ۹۳ میں کسی مسلمان کو قصد قتل کرنے والے کے بارے میں ﴿فَجَزَاءُ ۙ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا﴾ آیا ہے یعنی اس کی سزا جہنم ہے جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہوگا، اس آیت کی تفسیر مکث طویل سے کی گئی ہے، یعنی خلود سے لمبی مدت تک جہنم میں رہنا مراد ہے۔ اور الأبد مطلق زمانہ کے لئے بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے: طَالَ الْأَبَدُ عَلَى لُبْدٍ: یعنی اس پر ایک طویل زمانہ گزر چکا ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور زجر و توبیخ کے طور پر وارد ہوئی ہے، یعنی اس گناہ کی اصل سزا تو یہی ہے مگر دیگر نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ مؤمنین پر یہ سزا جاری نہیں ہوگی، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ کسی

نہ کسی دن جہنم سے نکال لیا جائے گا، کیونکہ تمام اہل حق متفق ہیں کہ بجز کفر و شرک کے کوئی امر موجب خلود فی النار نہیں۔ امام ترمذی نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ لائن الروایات الی آخرہ: ترجمہ: اس لئے کہ روایات صرف اس طرح آتی ہیں کہ اہل توحید و دوزخ میں سزا دیئے جائیں گے پھر وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور (روایات میں) ذکر نہیں کیا جاتا کہ مومنین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ غایت بیان کئے بغیر سزا کا ذکر ہے۔

[۷-] بَابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهِ

[۲۰۴۱-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا عُبَيْدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - أَرَاهُ رَفَعَهُ - قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ، يَتَوَجَّأُ بِهَا بَطْنُهُ: فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ، فَسَمُّهُ فِي يَدِهِ، يَتَحَسَّاهُ: فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا"

[۲۰۴۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ، يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ: فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ، فَسَمُّهُ فِي يَدِهِ، يَتَحَسَّاهُ: فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ يَتَرَدَّى: فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، نَا وَكِيعٌ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ.

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ، هَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

[۲۰۴۳-] وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ عَجَلَانَ، عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ عَذَّبَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ" وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: "خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا"

وَهَكَذَا رَوَاهُ أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهَذَا أَصَحُّ، لِأَنَّ الرِّوَايَاتِ إِنَّمَا تَجْنِي بِأَنَّ أَهْلَ التَّوْحِيدِ يُعَذَّبُونَ فِي النَّارِ، ثُمَّ يُخْرَجُونَ مِنْهَا، وَلَا يَذْكُرُ: "أَنَّهُمْ يُخَلَّدُونَ فِيهَا"

[۲۰۴۴-] حَدَّثَنَا سُؤَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ، يَعْنِي السَّمَّ.

ملحوظہ: خبیث دواء کی تفسیر زہر سے یا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے یا نیچے کے کسی راوی نے کی ہے اور یہ تفسیر متعین نہیں، حرام سے بھی تفسیر کی جاسکتی ہے۔

باب ماجاء فی کَرَاهِيَةِ النَّدَاوِي بِالْمُسْكِرِ

نشہ آور چیز سے علاج کرانے کی ممانعت

ابواب الاشرارہ کے شروع میں یہ حدیث گزری ہے کہ: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور حرام اور ناپاک چیز سے علاج کے بارے میں ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ ممنوع ہے، لیکن اگر نشہ آور چیز میں علاج منحصر ہو، اور دوسرا کوئی علاج معلوم نہ ہو تو مجبوری میں حرام اور ناپاک چیز سے بھی علاج کرانے کی گنجائش ہے، اور شامی میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

حدیث: حضرت طارق بن سويد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے خمر (انگوری شراب) کے بارے میں پوچھا: آپؐ نے ان کو منع کیا، انھوں نے عرض کیا: ہم خمر سے علاج کرتے ہیں، یعنی اس کو دواء کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلَكِنَّهَا دَاءٌ: وہ علاج نہیں ہے، بلکہ وہ آفت ہے، یعنی جب اس کی عادت پڑ جاتی ہے تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، جیسے پیسا ہوا تمباکو دانتوں میں ملنا: عادی بنا دیتا ہے، پھر اس کے لئے آدمی بے چین رہتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اگر خمر (انگوری شراب) کے بارے میں ہے تو کسی تاویل کی حاجت نہیں، کیونکہ انگوری شراب قطعاً حرام ہے، اور اگر یہ حدیث ہر مسکر کے بارے میں ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے تو پھر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے تصورات میں شراب میں ذاتی شفاء تھی: اس کی نفی کی ہے کہ خمر دواء نہیں، یعنی اس میں ذاتی شفاء نہیں، بلکہ وہ بیماری ہے یعنی بلاء ہے، کیونکہ اس کی عادت بہت بری ہے۔

فائدہ: چار قسم کی شرابیں بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں، وہ چار یہ ہیں: (۱) انگور کی پکی شراب (۲) اور انگور کی پکی شراب (۳) اور منقی کی شراب (۴) اور کھجور کی شراب، ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، گھر میں رکھنا اور کسی کام میں لانا جائز نہیں۔

اور دیگر نشہ آور چیزوں میں سے جو خشک ہیں وہ پاک ہیں، اور شدید ضرورت کے وقت علاج کے طور پر طیب کے مشورہ سے اتنی مقدار کھانا جس سے نشہ نہ ہو درست ہے، اور جو نشہ آور چیزیں سیال ہیں یعنی رقیق ہیں جن کو شراب کہتے ہیں، ان میں سے مذکورہ چار شرابیں تو قطعی حرام ہیں، اور ان کے علاوہ کا حکم یہ ہے کہ بعض روایات سے ان کا بھی حرام اور نجس ہونا معلوم ہوتا ہے، اور بعض روایات سے ان کا پاک ہونا اور دواء کے طور پر اتنی مقدار پینا

جس سے نشہ نہ ہو جائز ہونا معلوم ہوتا ہے، اور جس چیز کی حلت و حرمت میں اختلاف ہو: مسلمان کی طبیعت اسے قبول نہیں کر سکتی، لیکن عموم بلوی ایسی چیز ہے جس سے فتویٰ میں ایسے موقع پر گنجائش نکلتی ہے، اور یہاں سے تمام انگریزی ادویات کا حکم نکل آیا، تمام انگریزی ادویات میں اسپرٹ ملی ہوئی ہوتی ہے، اگر وہ مذکورہ چار شرابوں کے علاوہ دیگر شرابوں سے بنی ہوئی ہو تو ایسی اسپرٹ ملی ہوئی دواء کا شیخین کے نزدیک استعمال جائز ہے (اس کی مفصل بحث بہشتی زیور حصہ نہم ص: ۱۰۱-۱۰۳ میں ہے)

[۸-] باب ماجاء فی کراہیۃ التدّاویٰ بالمُسکِرِ

[۲۰۴۵-] حدثنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَأَلَهُ سُؤَيْدُ بْنُ طَارِقٍ، أَوْ: طَارِقُ بْنُ سُؤَيْدٍ، عَنِ الْخَمْرِ؟ فَهَآءُ: فَقَالَ: إِنَّا لَنَتَدَاوَى بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلَكِنَّهَا دَاءٌ"
حدثنَا مُحَمَّدُ، نَا النَّضْرُ، وَشَبَابَةُ، عَنْ شُعْبَةَ بِمِثْلِهِ، قَالَ مُحَمَّدُ: قَالَ النَّضْرُ: طَارِقُ بْنُ سُؤَيْدٍ، وَقَالَ شَبَابَةُ: سُؤَيْدُ بْنُ طَارِقٍ؛ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری موجودگی میں نبی ﷺ سے یہ بات پوچھی گئی کیونکہ پوچھنے والے صحابی حضری تھے، یعنی حضرت وائل کے ہم وطن تھے، ان کا نام طارق بن سوید ہے، اور بعض راوی اس کے برعکس سوید بن طارق کہتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی السَّعُوْطِ وَغَيْرِهِ

ناک میں دوا ٹپکانے وغیرہ علاج کا بیان

لغات: السَّعُوْطُ (فتح السین) اسم ہے، ناک میں ڈالنے کی دواء، اور السَّعُوْطُ (بضم السین) مصدر ہے۔ سَعَطَ الدَّوَاءَ: ناک میں دواء چڑھانا (یہ فرق الطَّهْوَر اور الطُّهْوَر کی طرح ہے) لَدُوْد (فتح اللام) اسم ہے، منہ میں زبان کی ایک جانب سے ڈالنے کی دواء، لُدُوْد (بضم اللام) مصدر ہے، لَدَّ المریض: بیمار کی زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دواء ڈالنا..... الْحِجَامَةُ: پچھنے لگانا، یعنی سینگ کے ذریعہ خراب خون چوسنا..... الْمَشْيُ: مسہل دواء، أَمَشَى الدَّوَاءَ فَلَانًا: دواء سے کسی کو دست آنا، اسْتَمَشَى فَلَانًا اور اسْتَمَشَى بالدَّوَاءِ: مسہل دست آور) دوا لینا، جَلَّابَ لَیْنَا..... تَدَاوَى: دواء لینا، اپنا علاج کرنا..... جَلَا يَجْلُو بَصْرَهُ بِالْكُحْلِ: نگاہ کو سرمہ

سے صاف کرنا، جلادینا..... الْمُكْحَلَةُ: سرمہ دانی، اِنْكَحَلَ الرجلُ: سرمہ لگانا۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک وہ چیزیں جن سے آپ لوگ علاج کرتے ہیں: ان میں بہترین: ناک میں دواء ڈالنا، اور گوشہ فم میں دواء ڈالنا اور سینگ لگانا اور مسہل لینا ہے، چنانچہ جب صحابہ نے آپ کے گوشہ فم میں دواء ڈالی، اور وہ نمٹ گئے تو آپ نے فرمایا: سب کے گوشہ فم میں دواء ڈالی جائے، راوی کہتا ہے: پس سبھی کے گوشہ فم میں دواء ڈالی گئی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ۔

تشریح:

۱- دماغی بیماریوں کے لئے ناک میں دواء ڈالنا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ کس دماغی بیماری میں کونسی دواء ناک میں ٹپکائی جائے، یہ بات لوگ جانتے تھے، اس لئے حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں آیا، اور آج بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں یا طب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے مطابق حکیم علاج کرتے ہیں۔

ایک واقعہ: میرے ابا قدس سرہ نے بیان کیا کہ ایک بیل رات بھر کھونٹے سے سر کوٹتا تھا، اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے، اتفاق سے ایک ہالی (ہل چلانے والا) آیا، ابا نے اس سے تذکرہ کیا کہ یہ بیل رات بھر کھونٹے سے سر کوٹتا ہے، ہالی کھیت میں گیا اور ایک پودا لایا، اور اس کو کوٹ لیا، پھر اس نے ابا سے کہا: بیل کے منہ کو اوپر پکڑے رہو، اور اس نے وہ کوٹا ہوا پودا ہتھیلیوں میں لے کر دونوں نتھنوں میں چھوڑا، بیل نے بہت ہچر مچر کی مگر ابا نے نہیں چھوڑا، پھر جب ہالی نے کہا: اب چھوڑ دو تو بیل نے ایک زوردار چھینک لی اور اس کی ناک سے ایک مینڈکی نکلی، پانی پیتے ہوئے دماغ میں چڑھ گئی ہوگی، اس کے بعد بیل ٹھیک ہو گیا۔

۲- اور نمونیا وغیرہ میں زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دواء ڈالتے ہیں، اس کا نام لدود ہے، یہ بھی بہترین طریقہ علاج ہے۔ نبی ﷺ جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ کو نمونیا ہو گیا ہے، حالانکہ آپ کو یہ بیماری نہیں تھی، بلکہ اس زہر کا اثر لوٹ آیا تھا جو آپ کو خیبر میں دیا گیا تھا، صحابہ اپنے خیال کے مطابق لدود کرنا چاہتے تھے، آپ نے منع فرمایا، پھر آپ کو غشی سی طاری ہو گئی تو گھر والے بے چین ہو گئے اور انھوں نے لدود کیا، جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے منہ میں دواء کا اثر محسوس کیا۔ آپ سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا: مجھے کس نے لدود کیا؟ سب خاموش رہے، آپ نے فرمایا: گھر میں جتنے ہیں سب کے منہ میں دواء ڈالی جائے، چنانچہ سب کے منہ میں دواء ڈالی گئی، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں پھر بھی ان کا لدود کیا گیا، صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا گیا، کیونکہ آپ نے ان کو مستثنیٰ کیا تھا اور اس کی وجہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ آئی ہے کہ وہ دواء پلانے میں شریک نہیں تھے، غرض اس طرح آپ نے سب کو لدود کروا کر اپنا انتقام لے لیا، ورنہ اپنے حبیب ﷺ کا انتقام اللہ تعالیٰ لیتے اور معلوم نہیں کیا سزا ملتی، اب سستے چھوٹ گئے۔

۴۔ مسہل لینا بھی بہترین طریقہ علاج ہے، مگر لوگ اس کی اہمیت نہیں جانتے، حالانکہ ہمیدہ میں ایک مرتبہ کوئی ہلکا مسہل لیا جائے تو پیٹ صاف ہو جائے گا اور معدہ کی بیماریوں سے حفاظت ہو جائے گی۔

میرے استاذ حضرت شیخ محمود عبدالوہاب محمود قدس سرہ جامعہ ازہر کی طرف سے دارالعلوم دیوبند میں مبعوث تھے، میں ان کا خادم تھا، اور میں نے سبع طول انہی سے حفظ کی ہیں، وہ مہینہ میں ایک مرتبہ مسہل ضرور لیتے تھے، ان کے پاس کوئی سفید پاؤڈر تھا، رات کو اس کی ایک مقدار گھول کر پی لیتے تھے، صبح چار پانچ دست آجاتے تھے، میں نے دو سال ان کی خدمت کی ہے، مجھے یاد نہیں کہ کبھی ان کو حکیم یا ڈاکٹر کے یہاں جانا پڑا ہو۔

۱- اِنْ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّذْدُودُ، وَالسَّعُوْطُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالْمَشْيُ: آپ لوگ جن طریقوں سے علاج کرتے ہو ان میں بہترین طریقے گوشہ نشینی میں دواؤ النانہ، ناک میں دواؤ ٹیکانا، سینگے لگانا اور مسہل لینا ہے۔

۲- وَخَيْرٌ مَا اكْتَسَبْتُمْ بِهِ الْإِيمَانَ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنِيبُ الشَّعْرَ: اور وہ سرے جن کو آپ لوگ آنکھ میں ڈالتے ہو ان میں بہترین ائمہ ہے، پس بیشک وہ نگاہ کو جلا دیتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے۔

۳- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے آپ سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلایاں ڈالتے تھے۔

ملفوظ: نمبر ۲ اور ۳ کی تفصیل ابواب اللباس (باب ۲۳) میں گزر چکی ہے اور شامل (ص: ۵) میں بھی یہ روایت ہے۔

[٢٠٤٦-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَدْوِيَّةَ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَمَّادٍ، نَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ، وَاللَّدُودُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالْمَشْيُ" فَلَمَّا اشْتَكَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَدَهُ أَصْحَابُهُ، فَلَمَّا فَرَعُوا، قَالَ: "لُدُّوهُمْ" قَالَ: فَلَدُّوا كُلُّهُمْ غَيْرَ الْعَبَّاسِ.

[٢٠، ٤٧] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، نَايِرُ بْنُ هَارُونَ، نَاعْبَادُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ: اللَّدْدُ، وَالسَّعُوطُ،

وَالْحِجَامَةُ، وَالْمَشْيُ، وَخَيْرَ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْإِنْمِدُ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ“ قَالَ: وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ مُكْحَلَةٌ، يَكْتَحِلُ بِهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ “ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَهُوَ حَدِيثُ عَبَادِ بْنِ مَنْصُورٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْكَيِّ

گرم لوہے سے داغنے کی ممانعت

الکئی اور الکئیہ مصدر ہیں، کَوَاهُ یَکْوِی: لوہا تپا کر کھال کو داغنا، اسی سے کپڑوں کی پریس کو المکھوۃ کہتے ہیں، گزشتہ زمانہ میں کچھ بیماریوں کا علاج داغنا تھا، اور یہ نہایت تکلیف دہ علاج تھا، اگر چہ سُن کرنے والی دواء لگا کر داغنے تھے مگر جب سُن کرنے والی دواء کا اثر ختم ہو جاتا تھا تو بے چین کرنے والی تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔ اس لئے نبی ﷺ نے علاج کے اس طریقہ سے منع فرمایا۔ پہلے باب میں ممانعت کی روایت ہے، مگر آپ نے متعدد مرتبہ اس طریقہ سے علاج کیا بھی ہے، دوسرے باب میں یہ روایت ہے، پس نہایت سخت مجبوری میں یہ علاج کرنا چاہئے، اور اگر دوسرا متبادل علاج موجود ہو تو یہ علاج نہیں کرنا چاہئے، یہ سخت تکلیف دہ علاج ہے، اور یہی حکم خطرناک آپریشن کا ہے، جب کوئی چارہ نہ رہے تو ایسا آپریشن کرنا چاہئے، اور اگر کوئی متبادل طریقہ ہو تو ایسے خطرناک آپریشن سے بچنا چاہئے، کیونکہ علاج سنت ہے، مگر کوئی خاص طریقہ علاج سنت نہیں، اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

حدیث (۱): حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے گرم لوہے سے داغنے سے منع فرمایا، حضرت عمران کہتے ہیں: مگر ہم مصیبت میں پھنس گئے (ان کو بوا سیر تھی) پس ہم نے گرم لوہے سے دغویا، مگر ہم کامیاب نہ ہوئے، اور نہ ہم با مراد ہوئے (فلاح و نجاج ہم معنی ہیں) یعنی دغوانا بے فائدہ رہا۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے بدن پر نکلنے والی تکلیف دہ سرخ پھنسیوں کو نبی ﷺ نے گرم لوہے سے داغنا تھا۔

تشریح: حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے بعد جلدی انتقال ہو گیا تھا، اس لئے اسلامی تاریخ میں ان کا نام نہیں ابھرا، ورنہ ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کی سعی سے جمعہ شروع ہوا ہے، اور ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے سر پرست آپ ہی تھے، آپ کو الشوکہ کا عارضہ تھا، یعنی منہ اور بدن پر تکلیف دہ سرخ پھنسیاں ہو گئی تھیں، اور ان کا علاج داغنا ہی تھا، اس لئے نبی ﷺ نے ان کو داغنا تھا، اسی طرح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غزوہ احزاب میں بازو کی رگ کٹ گئی تھی، نبی ﷺ نے خون بند کرنے کے لئے ان کو دو مرتبہ داغنا تھا، غرض جب کوئی علاج نہ رہے تو یہ خطرناک علاج اختیار کیا جاسکتا ہے۔

[۱۰]- باب ماجاء فی کراهیة الکی

[۲۰۴۸]- حدثنا محمد بن بشار، نا محمد بن جعفر، نا شعبة، عن قتادة، عن الحسن، عن عمران بن حصين: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الكي، قال: فابتلينا، فاكثونا، فما أفلحنا ولا أنجحنا، هذا حديث حسن صحيح.

[۲۰۴۹]- حدثنا عبد القدوس بن محمد، نا عمرو بن عاصم، نا همام، عن قتادة، عن الحسن، عن عمران بن حصين، قال: نهينا عن الكي.

وفي الباب: عن ابن مسعود، وعقبة بن عامر، وابن عباس، هذا حديث حسن صحيح.

[۱۱]- باب ماجاء فی الرخصة فی ذلك

[۲۰۵۰]- حدثنا حميد بن مسعدة، نايزيد بن زريع، نا معمر، عن الزهري، عن أنس: أن النبي صلى الله عليه وسلم كوى أسعد بن زرارة من الشوكة. وفي الباب: عن أبي، وجابر، هذا حديث حسن غريب.

باب ماجاء فی الحجامه

چھنے لگوانے کا بیان

سینگی لگوانا فساد خون کا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ سینگی جسم کے کس حصہ میں لگائی جائے؟ اور کن بیماریوں میں لگائی جائے؟ اور کن تاریخوں میں لگائی جائے؟ یہ باتیں اس فن کے ماہرین جانتے ہیں، ہمارے یہاں چونکہ یہ طریقہ رائج نہیں اس لئے ہم تفصیلات نہیں جانتے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ گردن کی ہر دو جانب کی رگوں میں اور مونڈھے میں چھنے لگواتے تھے، اور چاند کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخوں میں لگواتے تھے۔

لغات: الأخذ: گردن کی دونوں جانبوں میں دو پوشیدہ رگوں میں سے ایک..... الکاهل: کندھا، مونڈھا۔ حدیث (۲): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اس رات کا تذکرہ کیا جس میں آپ کو معراج میں لے جایا گیا۔ آپ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرے انھوں نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی امت کو سینگی لگانے کا حکم دیں۔

تشریح: ملائکہ انسانوں کی مصلحت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور یہ مضمون تفصیل سے حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے، ملائکہ کی تو جہات ہمیشہ انسانوں کی طرف مبذول رہتی ہے، چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ کے ذریعہ مؤمنین کو یہ خیر کی بات بتلائی، اور یہ حدیث قاسم بن عبد الرحمن روایت کرتے ہیں، یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم نہیں ہیں جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے، بلکہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

حدیث (۳): یہ طویل روایت ہے، اس میں چھ باتیں ہیں:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تین سینگی لگانے والے غلام تھے، ان میں سے دو سینگی لگانے کا پیشہ کرتے تھے، اور اجرت لا کر حضرت ابن عباسؓ کو اور ان کے گھر والوں کو دیتے تھے، اور ایک غلام ان کو اور ان کے گھر والوں کو سینگی لگایا کرتا تھا، یعنی وہ اس کام کے لئے ریز رو تھا۔

۲- عکرمہ کہتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سینگی لگانے والا غلام بہترین غلام ہے، خون لے جاتا ہے اور پیٹھ ہلکی کرتا ہے، اور نگاہ کو جلا بخشتا ہے (یہ سینگی لگانے کے تین اہم فائدے ہیں)

۳- اور ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ کو معراج میں لے جایا گیا تو آپؐ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرے تو انھوں نے کہا: آپؐ سینگی لگانے کو لازم پکڑیں۔

۴- اور نبی ﷺ نے فرمایا: وہ دن جن میں تم سینگی لگواتے ہو: ان میں بہترین دین سترہ، انیس اور اکیس تاریخیں ہیں۔

۵- اور نبی ﷺ نے فرمایا: وہ علاج جو آپؐ لوگ کرتے ہیں، ان میں بہترین ناک میں دواء ٹپکانا، گوشہ نم میں دواء ڈالنا، سینگی لگوانا اور مسہل لینا ہے۔

۶- اور حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے منہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے دواء ڈالی۔ آپؐ نے پوچھا: میرے منہ میں کس نے دواء ڈالی؟ سب خاموش رہے، پس آپؐ نے فرمایا: کوئی باقی نہ رہے ان لوگوں میں سے جو گھر میں ہیں، مگر اس کے منہ میں دواء ڈالی جائے، آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے علاوہ امام لغت نصر بن شمیلؒ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں، لدود کے معنی وُجور کئے ہیں، مگر یہ تفسیر صحیح نہیں، وُجور کے معنی ہیں: منہ کے درمیان میں دواء ڈالنا، کبھی مریض کا منہ کسی وجہ سے بند ہو جاتا ہے تو منہ کے بیچ میں دواء ڈالی جاتی ہے، اس کو وُجور کہتے ہیں، اور لدود: زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دواء ڈالنے کا نام ہے۔

تشریح: یہ بات کہ نبی ﷺ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے لدود کیا تھا صحیح نہیں، متفق علیہ روایت میں یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت عباسؓ موجود نہیں تھے، اور نبی ﷺ نے ان کا استثناء اسی بنا پر کیا تھا کہ وہ اس موقع پر موجود نہیں تھے۔

[١٢]- باب ماجاء فى الحِجَامَةِ

[٢٠٥١]- حدثنا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ، نَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، نَا هَمَّامٌ، وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، قَالَا: نَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ، وَالْكَاهِلِ، وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعِ عَشْرَةَ، وَتِسْعَ عَشْرَةَ، وَإِحْدَى وَعِشْرِينَ.

وفى الباب: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَّارٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

[٢٠٥٢]- حدثنا أَحْمَدُ بْنُ بَدِيلٍ بْنُ قُرَيْشٍ الْكُوفِيُّ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ - هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: حَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةٍ أُسْرِيَ بِهِ: أَنَّهُ لَمْ يَمُرَّ عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا أَمَرُوهُ: أَنْ مُرَّ أَمَتُكَ بِالْحِجَامَةِ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ.

[٢٠٥٣]- حدثنا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، نَا عَبَادُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ، قَالَ:

[١]- كَانَ لَابْنِ عَبَّاسٍ غِلْمَةٌ ثَلَاثَةٌ حَجَّامُونَ، فَكَانَ اثْنَانِ يُعْلَانِ عَلَيْهِ، وَعَلَى أَهْلِهِ، وَوَاحِدٌ يَحْجِمُهُ وَيَحْجِمُ أَهْلَهُ.

[٢]- قَالَ: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ: "نِعَمَ الْعَبْدُ الْحَجَّامُ، يَذْهَبُ بِالدَّمِ، وَيُخِفُّ الصُّلْبَ، وَيَجْلُو عَنِ الْبَصَرِ"

[٣]- وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ غُرِجَ بِهِ، مَامَرَ عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ.

[٤]- وَقَالَ: "إِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُونَ فِيهِ: يَوْمُ سَبْعِ عَشْرَةَ، وَيَوْمُ تِسْعِ عَشْرَةَ، وَيَوْمُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ"

[٥]- وَقَالَ: "إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعْوُطُ، وَاللَّدَوْدُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالْمَشْيُ"

[٦]- وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَدَهُ الْعَبَّاسُ وَأَصْحَابُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَدَنِي؟" فَكُلُّهُمْ أَمْسَكُوا فَقَالَ: "لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِمَّنْ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لَدَّ، غَيْرَ عَمِّهِ الْعَبَّاسِ" قَالَ النَّضْرُ: اللَّدَوْدُ: الْوَجُورُ.

وفى الباب: عَنْ عَائِشَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيهِ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ.

باب ماجاء فی التداوی بالحِناء

مہندی سے علاج کرنا

مہندی انار جیسا ایک درخت ہے، اس کے پتے سنا کے پتوں کے مشابہ ہیں، ان کو پیس کر عورتیں ہاتھوں پر لگاتی ہیں، جس سے سرخ رنگ پیدا ہوتا ہے، اس کا مزاج سرد اور گرم دو جوہروں سے مرکب ہے، جن میں گرم جوہر غالب ہے، مگر سرد جوہر کی قوت بہت جلد نمایاں ہوتی ہے، اور اس کا مزاج سرد خشک بیان کیا جاتا ہے، مہندی مُسَنَّج الم اور مخفف ہے، ورموں کو تحلیل کرتی ہے، مدر بول اور مصفی خون ہے، اس کو پانی میں پیس کر ہاتھ پاؤں کی سوزش کو رفع کرنے کے لئے ہتھیلی اور تلووں پر لگاتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف بیماریوں میں مختلف طرح سے استعمال کی جاتی ہے (مخزن مفردات، کتاب الادویہ) (مُدْر: پیشاب لانے والی دواء)

حدیث: حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو پہلے نبی ﷺ کی باندی تھیں، اور آپ کی خدمت کرتی تھیں، پھر آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا، اور اپنے آزاد کردہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا، وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو جب بھی کوئی پھوڑا پھنسی نکلتی یا کوئی زخم ہوتا تو آپ مجھے حکم دیتے: میں اس پر مہندی لگاتی (کیونکہ مہندی ورم کو تحلیل کرتی ہے، اور زخم کی سوزش زائل کرتی ہے)

راوی کا تعارف: اس حدیث کو حضرت سلمیٰ سے ان کے پوتے عبید اللہ بن علی بن ابی رافع روایت کرتے ہیں، بعض راویوں نے ان کا نام الٹ کر علی بن عبید اللہ کر دیا ہے، یہ صحیح نہیں، اور غلط فہمی کی وجہ یہ بنی کہ حضرت ابورافع کے ایک صاحبزادے عبید اللہ نامی بھی تھے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سکرٹری تھے، لوگوں نے اس علی کو ان کا لڑکا قرار دیدیا، حالانکہ حضرت ابورافع کے علی نامی بھی ایک لڑکے تھے جن کے عبید اللہ نامی یہ لڑکے ہیں، پھر ان سے فائدہ روایت کرتے ہیں جو ابورافع کے خاندان کے آزاد کردہ ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے فائدہ کے شاگرد حماد کی سند لکھی ہے جس میں علی بن عبید اللہ ہے جو صحیح نہیں، پھر فائدہ کے دوسرے شاگرد زید بن حباب کی سند پیش کی ہے جس میں صحیح نام عبید اللہ بن علی ہے۔

[۱۳-] باب ماجاء فی التداوی بالحِناء

[۲۰۵۴-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدِ الْخَبَّاطُ، نَا فَائِدُ مَوْلَى لَالِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ جَدَّتِهِ، وَكَانَتْ تَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: مَا كَانَ يَكُونُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ إِلَّا أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ

أَصْعَ عَلَيَّهَا الْحِنَاءُ.

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ فَائِدٍ. وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ فَائِدٍ فَقَالَ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَدَّتِهِ سَلَمَى، وَعَبِيدُ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ أَصَحُّ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، نَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ فَائِدٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ مَوْلَاهُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَدَّتِهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

لغات: الْقَرْحَة: پھوڑا، پھنسی جس میں مواد پیدا ہو گیا ہو، جمع قُرُوح..... الذَّكْبَة: مصیبت، حادثہ، زخم، جمع نَكَبَات۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّقِيَةِ

جھاڑ پھونک کی ممانعت

یہ دو باب ہیں، پہلے باب میں جھاڑ پھونک کی ممانعت کی روایت ہے، اور دوسرے باب میں جواز کی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان روایات کو ناخ و منسوخ قرار دیا ہے یعنی پہلے ممانعت تھی، پھر اجازت ہو گئی۔

حدیث (۱): نَبِيُّ ﷺ نے فرمایا: مَنْ اِكْتَوَى، اَوْ اسْتَرْقَى، فَهُوَ بِرِيءٌ مِنَ التَّوَكُّلِ: جس نے گرم لوہے سے دغوا یا، یا جھاڑ پھونک کروائی: وہ توکل (اللہ پر اعتماد) سے بری (دست بردار) ہو گیا، یعنی یہ دونوں عمل توکل کے منافی ہیں، مگر جس طرح سخت ضرورت میں گرم لوہے سے علاج کرانا جائز ہے، خاص بیماریوں میں جھاڑ پھونک کرانا بھی جائز ہے، پس اس وقت یہ دونوں عمل توکل کے منافی نہیں ہونگے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نَبِيُّ ﷺ نے تین بیماریوں میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی: ڈنک کے زہر سے، نظر بد سے اور پہلو کی پھنسی سے۔

سند کی بحث: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عبد اللہ بن الحارث روایت کرتے ہیں یا ان کے بیٹے یوسف؟ معاویہ بن ہشام کی سند میں عبد اللہ روایت کرتے ہیں اور سفیان کے دوسرے شاگردوں کی سند میں یوسف روایت کرتے ہیں، امام ترمذی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

حدیث (۳): نَبِيُّ ﷺ نے فرمایا: لَا رُقِيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ: جھاڑ پھونک نہیں مگر نظر بد سے یا ڈنک کے زہر سے (یہ حصر ادعائی ہے، یعنی یہ دو خطرناک بیماریاں ہیں اس لئے ان میں جھاڑ پھونک کروانی چاہئے)

تشریح: ابواب الطب کے شروع میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ بیماریاں دو طرح کی ہیں: اس لئے علاج بھی دو ہیں: اکثر بیماریاں جسمانی ہوتی ہیں اور وہ دواء سے ٹھیک ہوتی ہیں، دعا، تعویذ اور جھاڑ پھونک ان میں کم اثر کرتے

ہیں، جیسے کسی کو چوٹ لگ گئی تو دواء فائدہ کرے گی، جھاڑ سے خاص فائدہ نہیں ہوگا، اور کچھ بیماریاں جھاڑ سے جلدی متاثر ہوتی ہیں جیسے سانپ بچھوکازہر، نظر بد اور پہلو کی پھنسیاں وغیرہ۔ یہ جھاڑ کی بیماریاں ہیں، ان میں جھاڑ سے فوری فائدہ ہوتا ہے، اور دوائیں دیر سے اثر کرتی ہیں، اور کچھ بیماریاں بین بین ہوتی ہیں جیسے بخار دواء سے بھی اترتا ہے اور جھاڑ پھونک سے بھی تخفیف ہوتی ہے، پس ہر بیماری کو جھڑوانا توکل کے منافی ہے، جیسے ہر بیماری میں گرم لوہے سے داغنا توکل کے منافی ہے، اور جو بیماریاں بین بین ہیں ان میں جھاڑ پھونک کی اجازت ہے، توکل کے منافی نہیں۔ نبی ﷺ آخری بیماری میں خود کو موعو ذتین سے جھاڑتے تھے، پھر جب آپ میں سکت نہ رہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں قل پڑھ کر آپ کے ہاتھ پر دم کرتیں، پھر ان کو آپ کے بدن پر پھیرتیں، اور جو بیماریاں جھاڑ کی ہیں ان میں جھڑوانا مورو بہ ہے، پس وہ توکل کے منافی کیسے ہو سکتا ہے؟

رہی یہ بات کہ کونسی بیماری جھاڑ کی ہے؟ یہ جھاڑنے والے جانتے ہیں، اور ایک موٹی علامت یہ ہے کہ ہر رضی بیماری جھاڑ سے بھاگتی ہے، اسی طرح جس بیماری میں جھاڑنے سے فوری فائدہ ہو وہ بھی جھاڑ کی بیماری ہے، اور ایسی بیماریاں دو ہی نہیں ہیں، بلکہ متعدد ہیں، اور جو بیماریاں بین بین ہیں ان میں بھی جھڑوانا مفید ہے، مگر خواہ مخواہ جھاڑ پھونک یا تعویذ گنڈے کرنا اور ان پر اعتماد کرنا توکل کے منافی ہے، پہلے باب کی حدیث کا مصداق یہی صورت ہے۔

[۱۴]- باب ماجاء فی کَرَاهِيَةِ الرُّقْيَةِ

[۲۰۵۵]- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَقَّارِ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ احْتَوَى أَوْ اسْتَرْقَى فَهُوَ بَرِيءٌ مِنَ التَّوَكُّلِ"
وفی الباب: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۵]- باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

[۲۰۵۶]- حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْخُزَاعِيُّ، نَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ، وَالْعَيْنِ، وَالنَّمْلَةِ.

[۲۰۵۷]- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، وَأَبُو نَعِيمٍ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ، وَالنَّمْلَةِ. وَهَذَا عِنْدِي أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ.

وفي الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَجَابِرٍ، وَعَائِشَةَ، وَطَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ، وَعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، وَأَبِي خَزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ.

[٢٠٥٨-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَاسُفِيَّانُ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا رُقِيَّةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ، أَوْ حِمَةٍ" وَرَوَى شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ بُرَيْدَةَ.

لغات: کَوَاهِ یَنْحَوِی کَیْمًا: لوہا گرم کر کے علاج کے لئے داغنا..... اسْتَرْقِی: جڑھوانا..... الحُمَةُ: زہر، خاص طور پر نیشِ عقرب، مگر مراد عام ہے، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ ذِي حُمَةٍ..... الثَّمَلَةُ: پہلو کی پھنسیاں۔

بابُ ماجاء في الرُّقِيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

معوذتین (سورہ فلق اور سورہ ناس) سے جھاڑنا

المُعَوِّذَةُ: اسم فاعل واحد مؤنث، پناہ دینے والی، الْمُعَوِّذَتَانِ (تثنیہ) سورہ فلق اور سورہ ناس جو سحر وغیرہ دفع کرنے کے لئے اکسیر ہیں، یہ دونوں سورتیں چونکہ بندے کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں اس لئے ان کا یہ نام ہے۔
 الْعُوْذَةُ: تعویذ، گنڈ اوغیرہ، جو بیماری دور کرنے کے لئے یا سحر جن کو دفع کرنے کے لئے قرآنی آیات یا اللہ کا نام لکھ کر یا پڑھ کر تیار کیا جاتا ہے، اسی کو تعویذ بھی کہتے ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ آسیب کو اور نظربد کو مختلف دعاؤں سے جھاڑا کرتے تھے، یہاں تک کہ سورہ فلق اور سورہ ناس نازل ہوئیں تو آپ نے ان دونوں کو لے لیا، یعنی ان سے جھاڑنا شروع کیا اور ان کے علاوہ جھاڑوں کو چھوڑ دیا، مگر بالکل نہیں چھوڑا، دیگر جھاڑوں سے بھی آپ جھاڑتے تھے، حدیثوں میں وہ جھاڑیں بھی آئی ہیں، پس اس حدیث کو اکثری احوال پر محمول کر لیا گئے۔

[١٦-] باب ماجاء في الرُقِيَةِ بِالْمُعَوَّذَتَيْنِ

[٢٠٥٩-] حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُنُسَ الْكُوفِيُّ، نَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكِ الْمُرْنِيُّ، عَنْ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ، وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ، حَتَّى نَزَلَتِ الْمُعَوَّذَتَانِ، فَلَمَّا نَزَلَتْ أَخَذَ بِهِمَا، وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا.

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

باب ماجاء فی الرُقِیَّةِ مِنَ الْعَیْنِ

نظر بد سے جھاڑنے کا بیان

کسی کسی کی نظر بڑی زہریلی ہوتی ہے، جب کوئی چیز ان کی نگاہ میں کھب جاتی ہے تو ان کی آنکھ سے زہریلی لہریں نکلتی ہیں جو معیون کو متاثر کرتی ہیں، جیسے بعض سانپوں کی نظر سے نظر مل جائے تو ان کی آنکھوں سے زہریلی لہریں نکلتی ہیں اور حاملہ عورت کا حمل گرا دیتی ہیں، اور آدمی کو اندھا کر دیتی ہیں، اسی طرح نظر بد کو بھی سمجھنا چاہئے، اور ایسے سخت نظر والے لوگ معاشرے میں معروف ہوتے ہیں، لوگ ان سے بچتے ہیں اور اپنے بچوں کو ان سے بچاتے ہیں، بلکہ کبھی عام آدمی کی نظر بھی لگ جاتی ہے، بلکہ کبھی ماں باپ کی نظر بھی بچہ کو لگ جاتی ہے، جبکہ وہ بچہ کو بہت زیادہ پیار کرتے ہیں، مگر یہ نظر مہلک نہیں ہوتی، پس ہر شخص کو چاہئے کہ جب اس کو کوئی چیز پسند آئے تو فوراً ماشاء اللہ یا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہہ لے، نظر کا اثر فوراً ازل ہو جائے گا۔

حدیث (۱): حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو پہلے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان کی اولاد بہت خوبصورت تھی، انھوں نے حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد نبی ﷺ سے عرض کیا کہ جعفر کی اولاد کو نظر بہت جلدی لگ جاتی ہے تو کیا میں ان کو جھڑواؤں؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدْرِ لَسَبَقْتَهُ الْعَيْنُ: ہاں جھڑواؤ، کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی ہے تو وہ نظر بد ہے، یعنی نظر بد قوی التاثیر ہے۔

تشریح: سَابِقَ الْقَدْرِ: اسم فاعل مفعول کی طرف مضاف بھی ہو سکتا ہے اور سَابِقَ الْقَدْرِ: فعل ماضی اور مفعول بھی ہو سکتا ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے، یعنی تقدیر سے آگے کوئی چیز نہیں جاسکتی، جو کچھ مقدر ہے وہی ہوگا، لیکن اگر فرض کرو: کوئی چیز تقدیر کو اور ٹیک کر سکتی ہے تو وہ نظر بد کر سکتی ہے، اس لئے اگر کسی کو نظر لگ جائے تو اس کو جھڑوانا چاہئے۔

سند کی بحث: یہ روایت سفیان کے علاوہ ایوب سختیانی بھی عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایت میں: أَنَّ أَسْمَاءَ كَتَبَتْ عَنْ أَسْمَاءَ، یعنی عبیدہ واقعہ بیان نہیں کرتے، کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں تھے، بلکہ وہ یہ حدیث حضرت اسماءؓ سے روایت کرتے ہیں، پس یہی سند صحیح ہے مگر سند میں انقطاع ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ حضرات حسین رضی اللہ عنہما کو اس جھاڑ سے جھاڑتے تھے: أُعِيدْتُ كَمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ: پناہ میں دیتا ہوں میں تم دونوں کو اللہ کے کامل کلمات کے ذریعہ (مراد قرآن کریم ہے یا اللہ کے اسماء و صفات ہیں) ہر شیطان اور زہریلے کیڑے سے، اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ سے، یعنی لگنے والی نظر سے، اور آپؐ نے فرمایا: حضرت ابراہیم

علیہ السلام بھی اسی طرح حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو جھاڑتے تھے۔
 تشریح: اگر ایک بچہ ہو تو کُما کی جگہ نہ کہیں گے، اور بچی ہو تو نہ کہیں گے، اور چند بچے ہوں تو کُمر کہیں گے،
 اور چند بچیاں ہوں تو کُن کہیں گے۔ اور یہ بہت قیمتی جھاڑ ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اور التَّامَّة: کے معنی ہیں:
 کامل، جس میں کوئی کمی اور عیب نہ ہو، یا اس کے معنی ہیں: مفید، اور هَامَّة کی جمع هَوَامُّ ہے، ہر وہ زہریلا جانور جس
 کے کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے، اور جس کے کاٹنے سے آدمی نہ مرے جیسے بچھو اور بھڑ تو وہ سَامَّة ہے، اور لَامَّة کے
 معنی ہیں: ملامت کرنے والی، یعنی لگ جانے والی۔

[۱۷]- باب ماجاء فی الرُّقِيَةِ مِنَ الْعَيْنِ

[۲۰۶۰]- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ - وَهُوَ ابْنُ عَامِرٍ -
 عَنْ عَبْدِ بْنِ رِفَاعَةَ الزُّرْقِيِّ: أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ
 إِلَيْهِمُ الْعَيْنُ، أَفَأَسْتَرْقِي لَهُمْ؟ قَالَ: "نَعَمْ، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقُ الْقَدْرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ"
 وفي الباب: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَبُرَيْدَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَقَدْ رَوَى هَذَا عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عَبْدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ
 أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا
 عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ بِهَذَا.

[۲۰۶۱]- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَيَعْلَى، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ
 الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، يَقُولُ: "أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ،
 وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ" وَيَقُولُ: "هَكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يُعَوِّذُ إِسْحَاقَ وَإِسْمَاعِيلَ"
 حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ
 نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء أنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ، وَالْغَسْلُ لَهَا

نظر برحق ہے اور اس کے لئے دھونا

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لا شئ فی الہام، والعین حق، ہام: کوئی چیز نہیں، اور نظر واقعی لگتی ہے۔

تشریح: ہامۃ: آؤ کو کہتے ہیں، لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ بے اصل بات ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو شخص قتل کیا جائے اور اس کا قصاص نہ لیا جائے تو اس کی روح آؤ بن کر جا بجا پکارتی پھرتی ہے: ”مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ“ پھر جب اس کا قصاص لے لیا جائے تو وہ اڑ جاتی ہے، یہ بھی بے اصل بات ہے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں: مقتول کی کھوپڑی سے ایک پرندہ نکلتا ہے جو یہ پکارتا ہے، یہ بھی بے اصل بات ہے، البتہ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ نظر لگتی ہے یہ صحیح بات ہے، نظر واقعی لگتی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لو کان شیئ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقْتُهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اغْتَسِلْتُمْ فَأَغْسِلُوا: اگر کوئی ایسی چیز ہوتی جو تقدیر کو اور ٹیک کر سکتی تو نظر بد ضرور تقدیر کو اور ٹیک کرتی، اور جب تم سے دھونے کے لئے کہا جائے تو دھوؤ۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں نظر بد کا ایک علاج یہ تھا کہ عائن (جس کی نظر لگی ہے) وہ اطراف بدن کو اور وسط بدن کو ایک برتن میں دھوتا تھا، پھر وہ غسلہ معیون پر ڈالا جاتا تھا، پس وہ اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا تھا، اس کی تفصیل حاشیہ میں ہے (۱) اب اسلام نے اچھی اچھی جھاڑیں بتلا دی ہیں اس لئے اب لوگ اس طریقہ پر عمل نہیں کرتے، جب یہ طریقہ رائج تھا اور عائن سے نہانے کے لئے کہا جاتا تھا تو وہ اپنی بدنامی کے ڈر سے ہجر مچر کرتا تھا، اس لئے آپؐ نے حکم دیا کہ تمہارا کیا بگڑتا ہے، دھو کر پانی دیدو، بیمار کا فائدہ ہو جائے گا۔

ملحوظہ: پہلی حدیث کی پہلی سند حائس تہمتی پر رک جاتی ہے، یہ بھی صحابی ہیں، اور اس کی دوسری سند جو باب کے آخر میں ہے اس میں حضرت حابسؓ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور اس اختلاف سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ حابسؓ بھی صحابی ہیں، پس یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

(۱) امام زہری رحمہ اللہ نے دھونے کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ جس کی نظر لگی ہو اس کے پاس ایک بڑا پیالہ (یا تسلیا یا بالٹی) بھر کر لے جایا جائے وہ شخص اس میں اپنی ہتھیلی ڈالے، پھر کلی کر کے پیالہ میں ڈالے، پھر وہ پیالہ میں اپنا چہرہ دھوئے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر پیالہ میں اپنی دائیں ہتھیلی دھوئے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ریڑھے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر اپنی دائیں کہنی پر پانی ریڑھے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنی بائیں کہنی پر پانی ریڑھے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر اپنے دائیں پیر پر پانی ریڑھے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنے بائیں پیر پر پانی ریڑھے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر اپنے دائیں گھٹنے پر پانی ریڑھے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنے بائیں گھٹنے پر پانی ریڑھے، پھر لنگی کے اندر کا حصہ اس میں دھوئے اور پیالہ زمین پر نہ رکھا جائے پھر جس کو نظر لگی ہے اس پر پیچھے سے یکبارگی وہ سارا پانی ڈال دیا جائے، اور لنگی کے اندر کے حصہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: مذاکیر یعنی ذکر اور دونوں فوطے پیالے میں دھوئے۔ اور بعض کہتے ہیں: رانیں اور ران کا بالائی حصہ اس میں دھوئے (شرح السنہ: ۶: ۲۶۳)

[۱۸-] باب ماجاء أَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ، وَالْغَسْلَ لَهَا

[۲۰۶۲-] حدثنا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، نَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ، أَبُو غَسَّانٍ الْعَنْبَرِيُّ، نَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: ثَنَى حَيَّةُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ، ثَنَى أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا شَيْءَ فِي الْهَامِ، وَالْعَيْنُ حَقٌّ"

[۲۰۶۳-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ الْبَغْدَادِيُّ، نَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْحَضْرَمِيُّ، نَا وَهَيْبٌ، عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ لَسَبَقْتَهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اغْتَسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَحَدِيثُ حَيَّةَ بْنِ حَابِسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ، رَوَى شَيْبَانٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ حَيَّةَ بْنِ حَابِسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ وَعَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَحَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ، لَا يَذْكُرَانِ فِيهِ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

بابُ ماجاء في أَخَذِ الْأَجْرَ عَلَى التَّعْوِيذِ

تعویذ پر اجرت لینے کا بیان

جھاڑ پھونک اور تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی ایک علاج ہے، پس جس طرح دواء کی اجرت لینا جائز ہے تعویذ کی اجرت لینا بھی جائز ہے، اور طاعات مقصودہ پر اجارہ کے باطل ہونے کے حنفیہ کے جو دلائل ہیں ان کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں طاعت مقصود ہوتی ہے اور جھاڑ پھونک میں علاج مقصود ہوتا ہے۔

پھر جس طرح جسمانی علاج کبھی کامیاب ہوتا ہے اور کبھی کامیاب نہیں ہوتا، اسی طرح روحانی علاج بھی کبھی کامیاب ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا، پس عاملوں کے بارے میں یہ بدگمانی جو عام ہے کہ یہ جھوٹے، پیسے بٹورنے والے اور دھوکہ دینے والے ہیں یہ بات عمومی طور پر صحیح نہیں۔ ہاں جس طرح حکیم ڈاکٹر بوگس بھی ہوتے ہیں عاملوں میں بھی یہ جنس نایاب نہیں، مگر سب کو ایک لاشی سے ہانکنا درست نہیں، پس جس طرح حکیم ڈاکٹر سے چند دن علاج کرانے کے بعد فائدہ نظر نہیں آتا تو معالج بدل لیتے ہیں اسی طرح کسی عامل کے علاج سے بھی فائدہ نظر نہ آئے تو دوسرے عامل کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے ایک سریہ (چھوٹے لشکر) میں بھیجا، ہم ایک قوم کے پاس اترے، یعنی کسی گاؤں کے پاس پڑاؤ کیا، پس ہم نے ان سے مہمانی مانگی (اس زمانہ میں

یہی دستور تھا، گاؤں والے سریوں کی ایک وقت کی دعوت کیا کرتے تھے، تفصیل تحفۃ اللمعی (۴: ۵۲۶ باب ۳۰) میں گزر چکی ہے) پس ان لوگوں نے ہماری میزبانی نہ کی، پھر ان کا سردار ڈسا گیا، یعنی اس کو بچھونے کاٹ لیا، پس وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ لوگوں میں کوئی بچھو جھاڑنا جانتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، میں جانتا ہوں مگر میں اس کو نہیں جھاڑوں گا جب تک تم ہمیں بکریاں نہ دو، ان لوگوں نے کہا: ہم آپ کو تیس بکریاں دیں گے، ہم نے وہ قبول کیں، اور میں نے اس پر سورہ فاتحہ سات مرتبہ پڑھی، وہ چنگا ہو گیا، اور ہم نے بکریوں پر قبضہ کر لیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس ہمارے دلوں میں ان بکریوں کے بارے میں کچھ وسوسہ آیا، اس لئے ہم نے کہا: جلدی نہ کرو، یعنی ابھی ان بکریوں کو مت کھاؤ، یہاں تک کہ تم نبی ﷺ کے پاس پہنچو، حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: پس جب ہم آپ کے پاس پہنچے تو میں نے وہ بات آپ سے ذکر کی جو میں نے کی تھی، آپ نے فرمایا: وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رُقِيَّةٌ اَ تَمَّ نَے کیسے جانا کہ سورہ فاتحہ جھاڑ ہے؟ بکریوں کو لے لو اور میرا بھی اپنے ساتھ حصہ لگاؤ۔

تشریح: یہ حدیث امام سلیمان اعمش کی ہے، وہ ابوبشر جعفر بن ابی وحشیہ ایسا یثکری سے، اور وہ ابونضرہ منذر بن مالک بن قُطَعۃ عبدی بصری سے، اور وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، یعنی ابوبشر اور ابوسعید کے درمیان واسطہ ابونضرہ کا ہے اور اس حدیث کو امام شعبہ اور ابوعوانہ وغیرہ بھی ابوبشر سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ ابوالتوکل سے، اور وہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں یعنی درمیان میں واسطہ ابوالتوکل کا ہے۔ ابوعوانہ کی روایت بخاری (حدیث ۲۲۷۶ و ۵۷۴۹) میں اور شعبہ کی روایت بخاری (حدیث ۵۷۳۶) اور مسلم (حدیث ۲۲۰۱) میں ہے، اور یہی دوسری سند صحیح ہے جو اگلے نمبر پر آرہی ہے، مگر امام ترمذیؒ نے پہلی سند کو بھی صحیح قرار دیا ہے یہ عجیب بات ہے، دوسری سند کے بعد خود فرمائیں گے کہ اس صحیح یہ ہے، پھر اس کی مقابل سند حسن صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟

حدیث (۲): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چند صحابہ عرب کے ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے، پس ان لوگوں نے ان کی نہ تو دعوت کی اور نہ ان کو مہمان بنایا، پس ان کا سردار بیمار پڑ گیا، پس وہ ہمارے پاس آئے، اور انھوں نے کہا: آپ لوگوں کے پاس کوئی دواء علاج ہے، ہم نے کہا: ہاں، مگر آپ لوگوں نے نہ ہماری میزبانی کی اور نہ ہمارا اکرام کیا، پس ہم علاج نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ لوگ ہمارے لئے کوئی اجرت مقرر کریں، چنانچہ انھوں نے علاج کی اجرت بکریوں کا ایک ریوڑ مقرر کی، پس ہم میں سے ایک شخص نے مریض پر الحمد شریف پڑھنی شروع کی، پس وہ اچھا ہو گیا، پس جب ہم نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو ہم نے آپ سے یہ بات ذکر کی، آپ نے فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقِيَّةٌ: آپ کو کیسے پتہ چلا کہ سورہ فاتحہ جھاڑ ہے؟! اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے اجرت کی ممانعت کا تذکرہ نہیں کیا، اور نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُوا وَاَصْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ: کھاؤ اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ۔

تشریح: اس دوسری حدیث کی سند میں ابوبشر اور ابوسعید خدریؓ کے درمیان ابوالتوکل کا واسطہ ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ سند پہلی سند سے اصح ہے، اور اس حدیث سے جھاڑ پھونک اور تعویذ کی اجرت کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے (مگر یہ استدلال واضح نہیں، اس لئے کہ اگر یہ بکریاں اجرت تھیں تو وہ صرف جھاڑنے والے کا حق تھیں، یعنی صرف حضرت ابوسعید خدریؓ کی ملک تھیں، سارے سریہ پر ان کی تقسیم اور ساتھ میں نبی ﷺ کا بھی حصہ رکھنا

بلاؤں کا علاج بھی ہے۔ داری میں روایت ہے کہ سورہ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے، چنانچہ میں ہر بیماری کو سورہ فاتحہ سے جھاڑتا ہوں، اور الحمد للہ فائدہ ہوتا ہے، ایک مرتبہ میری بھتیجی کو کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا، میں نے اس کو سورہ فاتحہ سے جھاڑا، اور وہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو گئی، البتہ عمل کی تاثیر کے لئے اکل حلال اور صدق مقال ضروری ہے، اور قرآن و حدیث میں جو دعائیں آئی ہیں ان کی تاثیر پر یقین بھی ضروری ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مریض کا یقین ضروری ہے یہ قطعاً غلط ہے، عامل کا یقین ضروری ہے، اگر پختہ ایمان کے ساتھ سورہ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جائے تو ان شاء اللہ ہر بیماری میں جھاڑ مفید ہوگی۔

[۱۹]- باب ماجاء فی اخذ الاجر علی التَّعْوِیْدِ

[۲۰۶۴]- حَدَّثَنَا هَذَا، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ، فَزَلَّزْنَا بِقَوْمٍ، فَسَأَلْنَا هُمُ الْقَرَى، فَلَمْ يَقْرُونَا، فَلِدَغَ سَيِّدُهُمْ، فَأَتُونَا، فَقَالُوا: هَلْ فِيكُمْ مَنْ يَرْقِي مِنَ الْعُقَرِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، أَنَا، وَلَكِنْ لَا أَرْقِيهِ حَتَّى تُعْطُونَا غَنَمًا، قَالُوا: فَإِنَّا نُعْطِيكُمْ ثَلَاثِينَ شَاةً، فَقَبَّلْنَا، فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ الْحَمْدَ سَبْعَ مَرَّاتٍ، فَبَرَأَ، وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ، قَالَ: فَعَرَضَ فِي أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْءٌ، فَقُلْنَا: لَا تَعْجَلُوا حَتَّى تَأْتُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ: ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِي صَنَعْتُ، قَالَ: "وَمَا عَلِمْتُ أَنَّهَا رُقِيَّةٌ؟ أَقْبِضُوا الْغَنَمَ، وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو نَضْرَةَ: اسْمُهُ الْمُنْذِرُ بْنُ مَالِكِ بْنِ قُطَيْبَةَ. وَرَخَّصَ الشَّافِعِيُّ لِلْمُعَلِّمِ أَنْ يَأْخُذَ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ أَجْرًا، وَيَرَى لَهُ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلَى ذَلِكَ، وَاحْتَجَّ بِهَذَا الْحَدِيثِ.

وَرَوَى شُعْبَةُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ هَذَا الْحَدِيثَ. [۲۰۶۵]- حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنِي عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ، نَا شُعْبَةُ، نَا أَبُو بَشِيرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْمُتَوَكِّلِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ، فَلَمْ يَقْرُوهُمْ، وَلَمْ يُضَيِّفُوهُمْ، فَاشْتَكَى سَيِّدُهُمْ، فَأَتُونَا، فَقَالُوا: هَلْ عِنْدَكُمْ دَوَاءٌ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، وَلَكِنْ كُمْ لَمْ تَقْرُونَا وَلَمْ تُضَيِّفُونَا، فَلَا نَفْعُ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعَلًا، فَجَعَلُوا عَلَى ذَلِكَ قُطِيعًا مِنْ غَنَمٍ، فَجَعَلَ رَجُلٌ مِّنَّا يَقْرَأُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَبَرَأَ، فَلَمَّا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ، قَالَ: "وَمَا يَذَرِيكَ أَنَّهَا رُقِيَّةٌ؟" وَلَمْ يَذْكُرْ نَهْيًا مِنْهُ، وَقَالَ: "كُلُّوا، وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ"

۱۰- حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ الْأَعْمَشِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِبَّاسٍ، وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِیْثَ عَنْ أَبِي بَشْرِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي وَحْشِيَّةٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَجَعْفَرُ بْنُ إِبَّاسٍ: هُوَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةٍ.

وضاحت: پہلی حدیث کے آخر میں وروی شعبۂ وأبو عوانۃ البخ میں عن ابی بشر ہندوستانی نسخے میں چھوٹ گیا ہے، صحیحین کی سندوں میں اس کا ذکر ہے، اور مزنی نے تحفۃ الاشراف (۳: ۴۵۳) میں امام ترمذی کی عبارت نقل کی ہے، وہاں بھی عن ابی بشر ہے اور مصری نسخہ میں بھی ہے، اس لئے میں نے سند میں اس کا اضافہ کیا ہے۔ ترجمہ: اور امام شافعی رحمہ اللہ نے (اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نے) معلم کے لئے اجازت دی ہے کہ وہ تعلیم قرآن پر اجرت لے، اور امام شافعی دیکھتے ہیں معلم کے لئے کہ وہ اس پر شرط کرے، یعنی پہلے سے اجرت طے کر لے، ورنہ اجارہ فاسدہ ہوگا، اور امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے (مگر جب اس سے تعویذ کی اجرت پر استدلال صحیح نہیں تو تعلیم قرآن کی اجرت پر استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟) یہ یعنی شعبہ کی سند سے حدیث صحیح ہے اور یہ سند اعمش کی سند سے صحیح تر ہے، اعمش: جعفر بن ایاس سے نقل کرتے ہیں، ایاس کی کنیت ابو وحشیہ ہے، پھر وہ ابو نصرۃ سے، اور وہ ابو سعید خدریٰ سے روایت کرتے ہیں، اور اسی طرح یعنی شعبہ کی طرح متعدد حضرات اس حدیث کو ابو بشر سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ ابو المتوکل سے اور وہ ابو سعید خدریٰ سے روایت کرتے ہیں، یعنی درمیانی واسطہ ابو المتوکل کا ہے، ابو نصرۃ کا نہیں ہے، یہی سند صحیح ہے اور اسی کو شیخین نے صحیحین میں لیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّقْيِ وَالْأَدْوِيَةِ

جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ کا بیان

اس باب میں جو حدیث ہے اس کا ابواب الطب سے کوئی خاص تعلق نہیں، یہ حدیث درحقیقت ابواب القدر کی ہے، اور وہاں آئے گی، اور تفصیل بھی وہیں آئے گی، یہاں صرف ترجمہ پڑھ لیں۔

حدیث: ابو خزامہ کے والد کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! بتائیں: وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم کرواتے ہیں اور وہ دوائیں جن کے ذریعہ ہم علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز جن کو ہم برتتے ہیں: کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کچھ ٹلا سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ھٰی مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ: یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں، پس ٹلانے کا کیا سوال؟ اس کی تفصیل ابواب القدر میں آئے گی۔

تشریح: سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے کہ زہریؒ کے استاذ کون ہیں؟ ابو خزامہ یا ان کے بیٹے ابن

ابی خزامة؟ پہلی سند میں عن ابی خزامة ہے اور دوسری سند میں عن ابن ابی خزامة ہے، اور صحیح سند پہلی ہے، کیونکہ زہریؒ کے دیگر تلامذہ عن ابی خزامة، عن اُبیہ کہتے ہیں، اور حضرت ابو خزامة کی یہی ایک حدیث ہے۔

[۲۰-] باب ماجاء فی الرُّقَى وَالْأَدْوِيَةِ

[۲۰۶۶-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَافِعُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْفِيهَا، وَدَوَاءً نَدَاوِي بِهِ، وَتَقَاةً نَتَّقِيهَا: هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا؟ قَالَ: "هِيَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۰۶۷-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، نَافِعُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ ابْنِ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

وَقَدْ رَوَى عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ كِلْتَا الرَّوَايَتَيْنِ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنْ ابْنِ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ.

وَقَدْ رَوَى غَيْرُ ابْنِ عُيَيْنَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ، وَهَذَا أَصَحُّ، وَلَا نَعْرِفُ لِأَبِي خِزَامَةَ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ.

بابُ ماجاء فی الْكُمَامَةِ وَالْعَجْوَةِ

کھمبی اور کھجور کا بیان

حدیث میں چونکہ دونوں کا تذکرہ ساتھ آیا ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے بھی دونوں کو ایک باب میں جمع کیا ہے:

الْكُمَامَةُ: کھمبی، ایک قسم کی سفید نبات جو اکثر برسات میں پیدا ہوتی ہے اور خود رو ہے، اس کی سبزی بھی پکاتے ہیں اور تل کر بھی کھاتے ہیں، اس کو سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں، اگر وہ سیاہ یا سرخی مائل ہو تو آنکھ کے لئے مضر ہے اور بالکل سفید ہو تو مفید ہے۔

العجوة: کھجور کی ایک قسم جو کالی ہوتی ہے اور اس کی گٹھلی بڑی ہوتی ہے، کھجور کا مزاج گرم ہے اس لئے اس کو مکھن کے ساتھ کھاتے ہیں اور اس میں غذائیت بہت زیادہ ہے، اور عجوہ میں فوائد بہت ہیں، مگر وہ بہت گراں ہے اور ہمارے ملک میں عام طور پر نہیں ملتی، اس لئے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

حدیث: نَبِيٌّ ﷺ نے فرمایا:

۱- الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ: عجوہ جنتی پھل ہے، اور اس میں زہر کی دوا ہے۔

تشریح: جنتی پھل ہونے کے دو مطلب ہیں:

پہلا مطلب: اگر یہ تمثیل (پیرایہ بیان) ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عجوہ بابرکت اور نہایت مفید پھل ہے، صحیحین کی روایت میں ہے کہ جو شخص نہار منہ روزانہ عجوہ کے سات دانے کھائے وہ سحر اور زہر سے متاثر نہیں ہوگا، اور اس کے علاوہ بھی عجوہ میں بہت فوائد ہیں۔

دوسرا مطلب: اور اگر حدیث میں بیان حقیقت ہے تو اس کا مطلب وہ ہے جو بڑا اور طبرانی کی روایت میں آیا ہے: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو ان کو جنت کے پھلوں کا توشہ دیا، اور ان کو ہر صنعت سکھائی، پس تمہارے یہ پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں، البتہ ان پھلوں میں تبدیلی آگئی ہے اور جنت کے پھل بدستور ہیں (مجمع الزوائد: ۸: ۱۹۷)

فائدہ: اور یہ جو کتابوں میں لکھا ہے کہ عجوہ کا درخت نبی ﷺ کا لگایا ہوا ہے یہ بات صحیح نہیں، عجوہ کا وجود پہلے سے تھا، ہاں حضرت سلمان فارسیؓ کے لئے نبی ﷺ نے جو کھجور کے درخت لگائے ہیں وہ ممکن ہے عجوہ کے ہوں۔

۲- وَالْكَمَّاءُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاءُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ: کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے مفید ہے (اور من وہ میٹھا گوند تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور غذا بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا)

تشریح: کھمبی من سے ہے اس کے بھی دو مطلب ہو سکتے ہیں:

پہلا مطلب: اگر یہ تمثیل ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی مفت حاصل ہونے والی نعمت ہے، جیسے من بنی اسرائیل کو مفت ملتا تھا، اور باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے کہ صحابہ نے کہا: کھمبی زمین کی چچک ہے، پس آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا، اس سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب: اور اگر یہ بیان واقعہ ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر جو من اترا تھا اس کا اثر زمین میں باقی رہ گیا ہے جو کبھی کبھی کھمبی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

احادیث کا خلاصہ: باب کی پہلی حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے دونوں مضمون ہیں، اور دوسری حدیث میں جو سعید بن زیدؓ کی ہے صرف دوسرا مضمون ہے، پھر تیسری حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے: حدیث کا شان و رود بھی ہے، پھر اس کے بعد کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ انھوں نے تین، پانچ یا سات کھمبیاں لیں، اور ان کو نچوڑ لیا، اور ان کا پانی ایک شیشی میں بھر لیا پھر ان کی ایک چندھیا باندی تھی اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ اچھی ہو گئی۔

اس کے بعد آخری روایت باب سے بے جوڑ ہے، قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: مجھ سے بیان کیا گیا (یعنی درمیان میں کوئی مجہول واسطہ ہے) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شونیز یعنی کلونچی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے، پھر قتادہؒ نے اس کا طریقہ استعمال بیان کیا کہ ہر دن اکیس دانے لے کر کپڑے میں پوٹلی باندھ لی جائے،

پھر اس کو پانی میں بھگو دیا جائے، پھر پہلے دن دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ پٹکایا جائے، اگر ایک دن میں بیماری دور نہ ہو تو پھر اکیس دانے باندھ کر بھگوئے جائیں اور دوسرے دن بائیں نتھنے میں دو قطرے اور دائیں میں ایک قطرہ پٹکایا جائے، اب بھی اگر شفا نہ ہو تو تیسرے دن پھر اکیس دانے بھگوئے جائیں اور دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ پٹکایا جائے، اسی طرح شفا ہونے تک عمل جاری رکھا جائے، مگر یہ علاج کس بیماری کا ہے؟ یہ بات بیان نہیں کی، اس لئے بات بے فائدہ ہے، نیز باب سے اس کا جوڑ بھی نہیں، اس کو کلونجی کے باب میں آنا چاہئے تھا۔

[۲۰۶۸] باب ماجاء فی الکَمَاءِ وَالْعَجْوَةِ

[۲۰۶۸] - حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ أَبِي السَّفَرِ، وَمَحْمُودُ بْنُ غِيْلَانَ، قَالَا: ثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ؛ وَالْكَمَاءُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاوُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ" وفي الباب: عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَجَابِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ عَامِرٍ.

[۲۰۶۹] - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدِ الطَّنَافِيسِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَمْرٍو بْنِ حُرَيْثٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْكَمَاءُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاوُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۰۷۰] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا: الْكَمَاءُ جُذْرُ الْأَرْضِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْكَمَاءُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاوُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ، وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهِيَ شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[۲۰۷۱] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: أَخَذْتُ ثَلَاثَةَ أَكْمُو، أَوْ: خَمْسًا، أَوْ: سَبْعًا، فَعَصَرْتُهُنَّ، فَجَعَلْتُ مَاءً هُنَّ فِي قَارُورَةٍ، فَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِي [عَمَشَاءَ] فَبَرَأَتْ.

[۲۰۷۲] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: الشُّونِيزُ دَوَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ، قَالَ قَتَادَةُ: يَأْخُذُ كُلُّ يَوْمٍ إِحْدَى وَعِشْرِينَ حَبَّةً،

فَيَجْعَلُهُنَّ فِي خِرْقَةٍ، فَيَنْقَعُهُ، فَيَسْتَعِطُّ بِهِ كُلَّ يَوْمٍ فِي مَنْحَرِهِ الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ، وَالْأَيْسَرِ قَطْرَةً،
وَالثَّانِي فِي الْأَيْسَرِ قَطْرَتَيْنِ، وَفِي الْأَيْمَنِ قَطْرَةً، وَالثَّالِثُ فِي الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ، وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةً.

وضاحت: عبارت میں کھڑی دو قوسوں کے درمیان [عَمَشَاء] یعنی چوندھیا بڑھایا ہے، یہ مشکوٰۃ سے بڑھایا ہے، مشکوٰۃ میں یہ روایت ترمذی سے منقول ہے اور اس میں یہ لفظ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ الْكَاهِنِ

غیب کی باتیں بتلانے والے کی اجرت

حدیث: نبی ﷺ نے کتے کی قیمت سے، رنڈی کی فیس سے اور غیب کی باتیں بتلانے والے کے نذرانے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث پہلے دو جگہ (ابواب النکاح باب ۳۵ اور ابواب البیوع باب ۴۶) میں گذر چکی ہے، اور یہاں کاہن کا مسئلہ ہے۔ نبی ﷺ نے اس کو پیش کئے جانے والے نذرانے سے منع کیا، کیونکہ غیب کی باتیں کوئی نہیں جانتا، اور کاہنوں کی باتیں اٹکل بچو کے تیر ہوتی ہیں، اس لئے ان کی اجرت جائز نہیں۔ اجرت منفعۃ معلومہ ہی کی جائز ہے، مگر حدیث میں اجرت کا لفظ نہیں ہے، بلکہ حُلُوَان ہے حلوٰ نذرانہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، اور اس کے جواز کے لئے کوئی شرط نہیں، دینے والا اگر خوشی سے دے تو جائز ہے، جیسے عَسْبُ الْفَحْلِ (سانڈ کی اجرت) سے منع کیا تو کسی نے عرض کیا: إِنَّا نَحْكُمُ: ہم طے کر کے کوئی اجرت نہیں لیتے بلکہ بطور نذرانہ ہمیں دیا جاتا ہے، تو نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی، تاہم کاہن کے حلوے کی ممانعت فرمائی تاکہ لوگ کہانت سے باز آجائیں اور کہانت کو ذریعہ معاش نہ بنائیں، پس یہ ممانعت لغیرہ ہے۔

ملفوظہ: اس باب کا اور اس حدیث کا ابواب الطب سے کوئی خاص تعلق نہیں، مگر یہ کہ کہا جائے کہ کاہن اپنے جن کو منتر کے ذریعہ حاضر کرتا ہے اور ابواب الطب میں رُتبی (منتروں) کا بھی بیان ہے، پس ہو سکتا ہے کہ اسی مناسبت سے یہ حدیث اور یہ باب یہاں لائے ہوں۔ یا یہ کہا جائے کہ جھاڑ پھونک کی اجرت تو جائز ہے مگر کہانت کی اجرت جائز نہیں۔

[۲۲-] بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ الْكَاهِنِ

[۲۰۷۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلُوَانِ الْكَاهِنِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی کراهیة التعلیق

کوڑی وغیرہ باندھنے کی ممانعت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے گول مول لفظ ”لُکَا“ استعمال کیا ہے، کیا چیز لُکَا نے کی ممانعت ہے؟ اس کی وضاحت نہیں کی، لوگ علاج کے لئے یا احتیاط کے طور پر مختلف چیزیں باندھتے ہیں، قرآن و حدیث سے تیار کئے ہوئے تعویذ بھی باندھتے ہیں، اعداد کے تعویذ بھی پہنتے ہیں، اور گندے، ٹونے اور ٹونکے بھی کرتے ہیں، اور جھڑواتے بھی ہیں، اور روایات ان سلسلہ میں مختلف ہیں۔

پہلی روایت: ابوداؤد (حدیث ۳۸۸۳) میں ہے: إِنَّ الرُّقَى وَالْتَّمَائِمَ وَالتَّوَلَةَ شُرُكٌ: جھاڑ پھونک، گھونگے اور تسخیر شوہر کا عمل شرک ہے، یعنی یہ ہندوانہ چیزیں ہیں۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں ایسے منتروں سے جھاڑتے تھے جن میں مورتیوں سے اور شیاطین سے استمداد ہوتی تھی، ان کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ وہ منتر شرک ہیں، اور تمیمہ: کوڑی، گھونگا ہے جو ایک قسم کے دریائی کیڑے کا خول ہے جو ہڈی کے مانند یا سینک کی قسم کا ہوتا ہے جو بطور تعویذ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ نظر نہ لگے، عام طور پر اسے بچوں کے گلوں میں باندھتے ہیں، اسی طرح ہندو گھر کے دروازے پر پتے وغیرہ باندھتے ہیں اور گاؤں میں جو راستہ داخل ہوتا ہے اس پر بھی باندھتے ہیں، اسی طرح مرچوں کی کیاری میں کالی ہانڈی اونڈھی کرتے ہیں یا پیسے کے تنے میں کالے بال باندھتے ہیں، یہ سب تمیمہ ہیں اور ہندوانہ چیزیں ہیں۔

اور تَوَلَة: ٹوٹکا یعنی محبت کا تعویذ جو بیوی اپنے خاوند کے لئے کراتی ہے، یہ بھی چونکہ از قبیل جادو ہے، اس لئے شرک ہے۔

اس حدیث میں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ حضرت زینبؓ کے گلے میں ڈورا دیکھا، آپؐ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ بیوی نے کہا: پڑھا ہوا دھاگہ ہے، آپؐ نے اس کو کاٹ دیا اور فرمایا: تم عبد اللہ کے گھر والے اس سے بے نیاز ہو اور مذکورہ حدیث سنائی، اس پر حضرت زینبؓ نے کہا: میری آنکھ دکھتی تھی میں فلاں یہودی سے جھڑواتی تھی، جب وہ جھاڑتا تھا تو درد ختم ہو جاتا تھا، معلوم ہوا کہ جھاڑ فائدہ کرتی ہے، ابن مسعودؓ نے فرمایا: وہ شیطانی حرکت تھی، شیطان انگلی چھوتاتا تھا، جب یہودی جھاڑتا تھا تو شیطان رک جاتا تھا (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ حدیث ۴۵۵۲)

دوسری حدیث: لَا رُقِيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ: یعنی نظر بیدار ہر ہی کو جھڑوانا چاہئے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً منتر ممنوع نہیں، جھاڑ کی بیماری کو جڑھوانا جائز ہے، حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں ایک باندی تھی جس کو جن کی نظر لگی تھی تو آپؐ نے اس کو جڑھوانے کا امر فرمایا۔

تیسری حدیث: باب کی حدیث ہے، جو ابن ابی لیلیٰ صغیر کی ہے، جن کا نام محمد ہے، وہ اپنے بھائی عیسیٰ سے روایت کرتے ہیں: وہ حضرت عبداللہ بن عکیم ابو معبد جہنی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے گئے، ان کو خسرہ نکلا ہوا تھا، یہ ایک جلدی بیماری ہے، جس میں بدن سرخ ہو جاتا ہے، اور تیز بخار چڑھتا ہے، عیسیٰ نے حضرت عبداللہ سے کہا: آپ کوئی چیز کیوں نہیں لٹکا لیتے (غالبا عربوں میں اس مرض میں کوئی گندہ باندھنے کا رواج تھا، عیسیٰ نے اس کو باندھنے کا مشورہ دیا) حضرت نے فرمایا: الموتُ أَقْرَبُ من ذلك: اس سے مرجانا بہتر ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ: جس نے کوئی چیز باندھی وہ اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اس حدیث سے قرآن وحدیث کے تعویذوں کے علاوہ ہر چیز باندھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

چوتھی حدیث: مسند احمد (۱۵۴:۲) میں روایت ہے: مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أْتَمُّ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللَّهُ لَهُ: جس نے کوڑی باندھی: اللہ اسے بامراد نہ کرے، اور جس نے گھونگا باندھا اللہ تعالیٰ اس کو آرام نہ پہنچائے، اس روایت سے بھی تعویذ کے علاوہ چیزیں باندھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اور علماء میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے، کچھ حضرات ہر چیز کو ناجائز کہتے ہیں، نجدی حضرات کا یہی خیال ہے، وہ قرآنی تعویذ کو بھی ناجائز کہتے ہیں، صرف جھاڑنے کو جائز کہتے ہیں اور دوسرے حضرات قرآنی تعویذ باندھنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، وہ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ إِلَى آخِرِهِ لَكَهْرِبِجُونَ کے گلوں میں ڈالتے تھے ^(۱) اور صحیح رائے یہی ہے، قرآن وحدیث سے بنایا ہوا تعویذ بوقت ضرورت پہننا جائز ہے، اور بے ضرورت پہننا یا بچوں کو پہننا تا توکل کے منافی ہے، اور ٹونے ٹونکے بالکل ناجائز ہیں ^(۲) اور قرآن وحدیث سے جھاڑنا سنت ہے، میں بچوں وغیرہ کو جھاڑتا ہوں، اسی طرح پینے کا تعویذ دیتا ہوں، مگر

(۱) یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا فَرَعَ أَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ، فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ، وَعِقَابِهِ، وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَأَنْ يَحْضُرُونِ: فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ" وكان عبدُ اللَّهِ بنِ عمرو يُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ، كَتَبَهَا فِي صَلَكٍ، ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ (مشکوٰۃ حدیث ۲۴۷۷ باب الاستعاذۃ، کتاب الدعوات)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک خوبصورت بچہ دیکھا تو آپ نے فرمایا: دَسَّمُوا نُؤْتَهُ، كَيْلَا تُصِيبُهُ الْعَيْنُ اس کی ٹھوڑی کا گڑھا کالا کر دو تا کہ اس کو نظر نہ لگے، بعض لوگ اس روایت سے ٹونے ٹونکے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور عورتیں بھی بچوں کو کاجل لگا کر کسی جگہ سیاہ دھبہ بنا دیتی ہیں، مگر یہ روایت اللہ جانے کس کتاب کی ہے، اس کی سند کا حال معلوم نہیں، علامہ بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنہ (۲۶۳:۶) میں رُوِی کہہ کر بیان کی ہے، یعنی اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز احادیث صحیحہ کی موجودگی میں کسی کے قول سے استدلال نہیں کیا جاتا ۱۲

باندھنے کا تعویذ سخت ضرورت کے بغیر نہیں دیتا، کیونکہ اس سلسلہ میں لوگوں نے بہت بے احتیاطی شروع کر دی ہے، بے ضرورت بچوں کے گلوں میں تعویذ ڈالتے ہیں یہ توکل کے منافی ہے۔

ایک واقعہ: میری ایک بچی تھی جس کا نام عائشہ تھا، وہ پونے دو سال کی عمر میں راندری میں وفات پا گئی، اسے یرقان ہوا میں اس کا علاج کرتا رہا، اتفاق سے میرے یہاں ایک مولانا صاحب مہمان آئے، انھوں نے بچی کو دیکھا تو کہا: اسے یرقان ہو رہا ہے، میں ایک تعویذ دیتا ہوں اسے باندھ لو، میں نے کہا: میں تعویذ نہیں باندھتا، آپ کوئی جھاڑ جانتے ہوں تو جھاڑ دیں، کیونکہ میرے نزدیک بچی کا مرجانا تعویذ باندھنے سے آسان ہے، انھوں نے کہا: فلاں حضرت کا تعویذ ہے، میں نے کہا: چاہے کسی کا ہو میں نہیں باندھتا، بچی چند دن کے بعد وفات پا گئی، اور مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں، جو اللہ نے مقدر کیا تھا وہ ہوا۔

[۲۳-] باب ماجاء فی کراہیۃ التعلیق

[۲۰۷۴-] حدثنا محمد بن مَدْوِيَّة، نا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عِيسَى، وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ أَبِي مَعْبِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَعُوذُهُ، وَبِهِ حُمْرَةٌ، فَقُلْتُ: أَلَا تَعْلَقُ شَيْئًا؟ قَالَ: الْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ! قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَعْلَقَ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ"

وَحَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى.

حدثنا محمد بن بَشَّارٍ، نا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ.

بابُ ماجاء فی تَبْرِيدِ الْحُمَّى بِالْمَاءِ

پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”بخار آگ کا جوش ہے پس اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو“

تشریح: یہ روایت حضرت رافع، حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور بَرَدٌ بَرْدٌ بَرْدًا وَبَرْدٌ بِالْمَاءِ لازم بھی ہے اور متعدی بھی، ٹھنڈا ہونا اور ٹھنڈا کرنا دونوں معنی ہیں، پس حدیث میں اَبْرَدُوْهَا کو مجرد سے بھی پڑھ سکتے ہیں (اَبْرَدُوْهَا) اور مزید سے بھی (اَبْرَدُوْهَا) اِبْرَادُ باب افعال کے معنی ٹھنڈا کرنے کے ہیں، مگر علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ فصیح مجرد سے پڑھنا ہے..... اور فُورٌ کے معنی ہیں: جوش، اور فَنِجٌ کے

معنی ہیں: پھیلاؤ، یہ بیان حقیقت ہے یا تمثیل؟ اس کی تفصیل تحفۃ الأَلَمَعِي (۴۵۵:۱، کتاب الصلوٰۃ باب ۶) میں گزر چکی ہے..... اور حضرت اسماءؓ کی حدیث مسلم شریف میں ہے، ان کے پاس جب کوئی بخار والی عورت آتی تو وہ پانی منگواتیں اور اس کے گریبان میں ڈالتیں پھر نبی ﷺ کا یہ ارشاد سناتیں۔

اور علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں طب نبوی کے بیان میں بخار کے علاج کے سلسلہ میں بہت ہی اچھی تفصیل کی ہے، اس کا پورا خلاصہ بیان کرنا تو مشکل ہے، اس میں سے ایک بات یہ ہے کہ پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنے کا حکم اہل حجاز کے ساتھ خاص ہے، یعنی جو مالک گرم خشک ہیں اور جہاں دھوپ لگتی ہے وہاں بخاری کا پانی میں نہانا مفید ہے، اور یہ حدیث اگرچہ بظاہر عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے، جیسے استنجاء کرتے وقت آپؐ کا ارشاد: شَرِّقُوا وَ غَرِّبُوا اور استقبال قبلہ میں آپؐ کا ارشاد: مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قبلۃ عام حکم نہیں ہے بلکہ مدینہ اور مدینہ کی جہت والوں کے لئے خاص حکم ہے، اسی طرح بخار میں نہانے کا حکم بھی اہل حجاز کے ساتھ خاص ہے (علامہ ابن القیم کی بات پوری ہوئی)

اور ہمارے ملک میں بھی اطباء اور ڈاکٹر بعض بخاروں میں سر پر اور پاؤں پر برف رکھنے کا یا ملنے کا یا کپڑا بھگو کر رکھنے کا علاج بتاتے ہیں۔ اور بخاروں کی بہت سی قسمیں ہیں، پس یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم سب بخاروں کے لئے نہیں ہے، خاص بخاروں کے لئے ہے، جیسے گردن توڑ بخار وغیرہ۔

یہ تو بخار کی تدبیر کا بیان تھا، پھر آخری روایت میں اس کی ایک جھاڑ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ لوگوں کو بخار میں اور سبھی درودوں میں یہ دعا سکھلایا کرتے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيرِ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ، مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَّعَّارٍ، وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ: بڑی ہستی اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، عظیم ہستی اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، ہر پھڑکنے والی رگ کی برائی سے اور آگ کی گرمی کی برائی سے، نَعَّارٌ: اسم مبالغہ ہے، نَعْرَ يَنْعُرُ نَعْرًا العِرْقُ کے معنی ہیں: رگ پھٹ کر زور زور سے خون نکلتا۔ اور ایک دوسری روایت میں يَعَّارٌ ہے، یہ بھی اسم مبالغہ ہے، اور يَعْرَتِ الشَّاةُ، تَيَعَّرُ (ف، ض) يَعْرًا: بکری کا میانا، آواز نکالنا، یعنی آواز کے ساتھ خون کا نکلتا، اور مراد خون کا باہر نکلنا نہیں ہے بلکہ رگوں میں خون کا پریش بڑھ جانا ہے، اور آگ کی گرمی سے مراد بخار ہے۔

اس دعا سے بخار والے کو دوسرا شخص بھی جھاڑ سکتا ہے، اور مریض خود بھی یہ دعا پڑھ سکتا ہے، پھر چاہئے کہ وہ اپنے اوپر دم کرے، اور جب بھی پڑھے سات مرتبہ پڑھے، اور اسی طرح وقفہ وقفہ سے بار بار پڑھتا رہے، ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔

رہی دواء تو سادہ معاشرہ میں اس کی طرف توجہ کم کی جاتی ہے، دعا تدبیر ہی سے کام چلایا جاتا ہے، اور شہری معاشرہ میں لوگ دواء دار و کرنا چاہتے ہیں، پس وہ کسی حکیم یا ڈاکٹر کی طرف رجوع کریں۔

[۲۴]- باب ماجاء فی تبرید الحمی بالماء

[۲۰۷۵]- حدثنا هناد، نا أبو الأحوص، عن سعيد بن مسروق، عن عباية بن رفاعه، عن جده رافع بن خديج، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الحمى فور من النار، فأبردوها بالماء" وفي الباب: عن أسماء بنت أبي بكر، وابن عمر، وابن عباس، وامرأة الزبير، وعائشة.

[۲۰۷۶]- حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، نا عبدة بن سليمان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن الحمى من فيح جهنم، فأبردوها بالماء"

[۲۰۷۷]- حدثنا هارون بن إسحاق، ثنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن فاطمة بنت المنذر، عن أسماء بنت أبي بكر، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه، وفي حديث أسماء كلام أكثر من هذا، وكلا الحديثين صحيح.

[۲۰۷۸]- حدثنا محمد بن بشار، ثنا أبو عامر العقدي، ثنا إبراهيم بن إسماعيل بن أبي حبيبة، عن داود بن حصين، عن عكرمة، عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم من الحمى، ومن الأوجاع كلها، أن يقول: "بسم الله الكبير، أعوذ بالله العظيم، من شر كل عرق نعار، ومن شر حر النار"

هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث إبراهيم بن إسماعيل بن أبي حبيبة، وإبراهيم يضعف في الحديث، ويروى: عرق نعار.

وضاحت: حضرت اسماء کی روایت میں جو اسد کلام ہے وہ مسلم شریف میں ہے اور تقریر میں میں نے اس کو ذکر کر دیا ہے، اور دونوں حدیثیں صحیح ہیں یعنی یہ روایت حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے اور حضرت اسماء سے بھی، پس کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ راویوں کو وہم ہوا ہے، کسی نے حضرت عائشہ کا ذکر کر دیا اور کسی نے حضرت اسماء کا بلکہ یہ حدیث دونوں سے مروی ہے، اسی طرح پہلی حدیث جو حضرت رافع سے مروی ہے وہ بھی صحیح ہے..... اور آخری روایت ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

باب ماجاء فی الغيلة

دودھ پلانے کے زمانہ میں صحبت کرنا

غَالَتِ الْمَرْأَةُ وَلَدَهَا، يَغِيْلُ غَيْلًا كَمَا مَعْنَى: زَمَانَةُ حَمْلٍ فِي دُودْهِ پِلَانَا، اور غَالُ الرَّجُلُ وَلَدَهُ كَمَا مَعْنَى

ہیں: بچہ کی شیر خواری کے زمانہ میں اس کی ماں سے صحبت کرنا۔ لغت میں اس فعل کے دونوں معنی ہیں، مگر یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں، یہی معنی بیان کئے ہیں، اور دودھ پلانے کے زمانہ میں بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں روایات مختلف ہیں:

حدیث (۱): حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا، فَإِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فَيَذَعُ غَيْرُهُ عَنْ فَرْسِهِ: اپنی اولاد کو چپکے سے مت مار ڈالو، اس لئے کہ زمانہ رضاعت میں بیوی سے صحبت کرنا شاہ سوار کو پاتا ہے، پس اس کو گھوڑے سے ہچھاڑ دیتا ہے، یعنی جس زمانہ میں عورت بچہ کو دودھ پلا رہی ہو اس زمانہ میں اگر شوہر اس سے صحبت کرے تو بچہ کو اس کا ضرر پہنچتا ہے، اور ضرر مخفی ہوتا ہے، فوراً ظاہر نہیں ہوتا، بڑی عمر میں جا کر ظاہر ہوتا ہے، جب وہ شاہ سوار بن جاتا ہے اچانک گھوڑے سے گر پڑتا ہے، یہ اس صحبت کا ضرر ہے اس لئے مدت رضاعت میں شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے صحبت نہ کرے (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ حدیث ۳۱۹۶)

حدیث (۲): حضرت عکاشہ بن محسنؓ کی اخیانی بہن حضرت جد امہ بنت وہبؓ کہتی ہیں: میری موجودگی میں نبی ﷺ نے چند لوگوں سے فرمایا: بخدا! میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں دودھ پلانے والی عورت سے صحبت کرنے سے منع کر دوں، پھر میں نے روم اور فارس کے احوال میں غور کیا تو وہ دودھ پلانے والی عورت سے صحبت کرتے ہیں اور یہ چیز بچوں کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچاتی (یہ حدیث باب میں بھی ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے)

تشریح: پہلی حدیث میں دودھ پلانے کے زمانہ میں بیوی سے صحبت کرنے کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں اجازت ہے، اور اس تعارض کا حل یہ ہے کہ پہلی حدیث منسوخ ہے، نبی ﷺ کا پہلا اجتہاد یہ تھا کہ اس سے بچے کو ضرر پہنچتا ہے اس لئے منع فرمایا، پھر روم و فارس کے احوال میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی ضرر نہیں اس لئے آپؐ نے اجازت دیدی۔

فائدہ: حمل کے زمانہ میں شروع میں تو عورت کا دودھ ٹھیک ہوتا ہے، مگر کچھ عرصہ کے بعد جب عورت کا دودھ پیلا پڑ جائے تو وہ بچے کے لئے ناموافق ہو جاتا ہے، اس لئے جب حمل پر کچھ عرصہ گزر جائے اور دودھ میں تغیر آجائے تو دودھ پلانا بند کر دینا چاہئے، نیز دودھ پلانے والی عورت سے شوہر کا صحبت کرنا چونکہ استقرار حمل کا سبب ہے اس لئے بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے مگر ایک بیوی والا کیا کرے!

[۲۵]- باب ماجاء فی الغیلة

[۲۰۷۹]- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا يَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ، نَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ بَنَاتِ وَهْبٍ، وَهِيَ جُدَامَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "أَرَدْتُ أَنْ أَنْهِيَ عَنِ الْغِيَالِ، فَإِذَا فَارِسُ وَالرُّومُ يَفْعَلُونَ، وَلَا يَقْتُلُونَ أَوْلَادَهُمْ"

وفى الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ جَدَامَةَ بِنْتِ وَهَبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.
قَالَ مَالِكٌ: وَالْغِيَالُ: أَنْ يَطَأَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ تُرْضِعُ.

[۲۰۸۰-] حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ، ثَنَا ابْنُ وَهَبٍ، ثَنَى مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ جَدَامَةَ بِنْتِ وَهَبٍ الْأَسَدِيَّةِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهِيَ عَنِ الْغِيَلَةِ، حَتَّى ذُكِرْتُ أَنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ يَصْنَعُونَ ذَلِكَ، وَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ"

قَالَ مَالِكٌ: وَالْغِيَلَةُ: أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ تُرْضِعُ.
قَالَ عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عِيسَى، قَالَ ثَنَى مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ نَحْوَهُ.
قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

وضاحت: پہلی حدیث میں جو محمد بن عبد الرحمن بن نوفل ہیں انہی کی کنیت ابوالاسود ہے، امام مالک رحمہ اللہ ان سے ہی روایت کرتے ہیں، اس لئے دوسری حدیث میں ہمارے نسخہ میں عن ابی الاسود کے بعد جو واو ہے وہ غلط ہے، مصری نسخہ میں نہیں ہے اس لئے اس کو حذف کیا ہے..... اور باب میں امام مالک کا قول دو مرتبہ آیا ہے کیونکہ وہ دونوں روایتوں میں مذکور ہے (دونوں حدیثیں امام مالک کی سند سے ہیں)

باب ماجاء فى دواء ذات الجنب

پہلو کے درد (نمونیا) کا علاج

ذات الجنب کو نمونیا کہتے ہیں، اس میں پھیپھڑے کی جھلی میں ورم ہو جاتا ہے، پھر جھلی اور پھیپھڑے کے درمیان پانی کا ترشح ہونے لگتا ہے یہ حقیقی ذات الجنب ہے، اور یہی دق ہے، پھر پھیپھڑے پر زخم ہو جاتے ہیں یہ سہل ہے، جس کو ٹی بی کہتے ہیں (ٹی بی کینسر کی طرح جسم کے ہر حصہ میں ہو سکتی ہے، نمونیا کے آخری شکل کے ساتھ خاص نہیں) ذات الجنب خطرناک بیماری ہے اس میں پہلو میں سخت درد ہوتا ہے، اس لئے اس بیماری میں دواء کھلائی بھی جاتی ہے اور لپ بھی کیا جاتا ہے۔

حدیث (۱): حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ذات الجنب میں زیتون کا تیل اور ورس بتایا کرتے تھے۔

تشریح: نَعْتَهُ (ف) نَعْتًا: حالت بیان کرنا، یہ وہی فعل ہے جس سے نعت منعت (موصوف صفت) مستعمل ہیں، اور ورس ایک قسم کا پودا ہے جس کو رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے، عرب اور ملک حبشہ میں پیدا ہوتا ہے، خضاب میں مہندی کے ساتھ اس کے پتے بھی ملائے جاتے ہیں، یہ دواء ذات الجنب میں کس طرح استعمال کی جائے؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ورس کے پتے زیتون کے تیل میں پیس لئے جائیں، پھر وہ دواء گوشہ فم میں ڈالی جائے اور اس جانب سے ڈالی جائے جس طرف درد ہے، مگر حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں: حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا بتایا ہوا یہ طریقہ ان کے اپنے تجربہ پر مبنی ہے، ورنہ لیپ کرنا بھی ذات الجنب میں مفید ہے، اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ بڑے طبیب تھے، علاج معالجہ بھی کرتے تھے، اس لئے حضرت کی بات وزنی ہے، اسی طرح علامہ ابن القیم رحمہ اللہ بھی بہت بڑے حکیم تھے، فن کے بڑوں میں ان کا نام آتا ہے، اس لئے ان دونوں حضرات کی بات وزنی ہوتی ہے۔

حدیث (۲): حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ذات الجنب کا علاج کریں قُطّ بحرّی اور زیتون کے تیل سے۔

تشریح: قُطّ کو کوٹھ کہتے ہیں، یہ ایک نبات کی جڑ ہے، اور تین قسم کی ہوتی ہے (۱) شیریں: جو سفید زردی مائل ہوتی ہے، اور وزن میں ہلکی اور خوشبودار ہوتی ہے، اس کو قُطّ بحرّی اور قُطّ عربی بھی کہتے ہیں (۲) تلخ: جس کا رنگ باہر سے سیاہی مائل ہوتا ہے، اور توڑنے پر اندر سے زردی مائل نکلتا ہے، یہ موٹی اور وزن میں ہلکی ہوتی ہے، اس کو قُطّ ہندی کہتے ہیں (۳) سرخی مائل: جو وزنی اور خوشبودار ہوتی ہے، مگر تلخ نہیں ہوتی، یہ زہریلی ہونے کی وجہ سے استعمال نہیں کی جاتی، اور اس علاج کے بارے میں حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کچھ نہیں فرمایا کہ یہ پلانے کی دوا ہے یا لیپ کرنے کی، میرے خیال میں یہ بھی لیپ کرنے کی دوا ہے۔

[۲۶]- باب ماجاء فی دَوَاءِ ذَاتِ الْجَنْبِ

[۲۰۸۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْعُثُ الزَّيْتُ وَالْوَرَسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ، قَالَ قَتَادَةُ: وَيُلْدُّ مِنَ الْجَانِبِ الَّذِي يَشْتَكِيهِ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ: اسْمُهُ مَيْمُونٌ، هُوَ شَيْخُ بَصْرِيِّ.

[۲۰۸۲-] حَدَّثَنَا رَجَاءُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعُدْرِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ أَبِي رَزِينٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خَالِدِ الْحَدَّاءِ، ثَنَا مَيْمُونُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَذَاوَى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مَيْمُونٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، وَقَدْ رَوَى عَنْ مَيْمُونٍ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذَا الْحَدِيثَ، وَذَاتُ الْجَنْبِ: يَعْنِي السَّلَّ.

وضاحت: دونوں حدیثوں کو حضرت زید بن ارقم سے ابو عبد اللہ روایت کرتے ہیں، ان کا نام میمون ہے، باپ کا صحیح نام معلوم نہیں، کچھ لوگ ”استاذ“ بتاتے ہیں، یہ بصرہ کے رہنے والے تھے اور ضعیف راوی ہیں، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک اچھے ہیں، اس لئے ان کی دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ میمون سے متعدد ذی علم حضرات نے یہ حدیث روایت کی ہے، پس یہ ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے..... پھر امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ ذات الجنب سے سئل مراد ہے، حالانکہ سئل ذات الجنب کا آخری مرحلہ ہے، جس میں پھپھڑے میں زخم ہو جاتے ہیں، جس کو ٹی بی کہتے ہیں، اور سئل سے پہلے وق کا مرحلہ ہے، اور اس سے پہلے ذات الجنب ہے، پس جو دواء ذات الجنب کے لئے مفید ہوگی وہ وق میں بھی مفید ہوگی، اور سئل میں بھی۔

باب

درود کی ایک جھاڑ

حدیث: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے، درو الخالیکہ میں اتنے سخت درد میں مبتلا تھا کہ قریب تھا کہ وہ درد مجھے ہلاک کر دے، پس آپ نے فرمایا: اپنا دایاں ہاتھ درود کی جگہ پر سات مرتبہ پھیرا اور کہو: اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ، وَقُدْرَتِهِ، وَسُلْطَانِهِ: مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ: اللہ کی عزت، قدرت اور بادشاہت کی استعانت سے پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کی برائی سے جو میں پارہا ہوں، حضرت عثمان کہتے ہیں: میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وہ تکلیف دور فرمادی، چنانچہ میں برابر وہ دعا اپنے گھر والوں کو اور ان کے علاوہ کو بتلاتا رہتا ہوں، طلبہ کو بھی یہ جھاڑ یاد کرنی چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

باب [۲۰۸۳]

[۲۰۸۳-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنُ، ثَنَا مَالِكُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبِ السُّلَمِيِّ، أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي

الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: أَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَنِي وَجَعٌ، قَدْ كَادَ يُهْلِكُنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "امْسَحْ بِيَمِينِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ، وَقُلْ: أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ، مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ" قَالَ: فَقَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللَّهُ مَا كَانَ بِي، فَلَمْ أَزَلْ أَمُرُّ بِهِ أَهْلِي وَغَيْرَهُمْ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء في السَّنا

سنا کا بیان

سنا کا پودا جنگلی نیل کے مشابہ ہوتا ہے، اور دو بالشت تک بلند ہوتا ہے، اس کے پتے مہندی کے پتوں کے مانند اور پھول کسی قدر نیل گول ہوتے ہیں، اس کی پھلی چٹھی ہوتی ہے، اور اس کے اندر چٹا، لمبوتر اور کسی قدر خمیدہ چھوٹا سا بیج ہوتا ہے، اس کا مزاج گرم خشک ہے، اور یہ ٹلین اور مسہل ہے، اس کے پتے دواء کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، سب سے بہتر وہ سنا ہے جو بلا دجاجاز سے آتی ہے، اس لئے وہ سنا کلی کے نام سے مشہور ہے۔

سنا کو اگر بغرض تلین استعمال کرنا ہو تو مقدار قلیل میں مثلاً تین ماشہ دیتے ہیں، اور زیادہ مقدار میں استعمال کر کے مسہل قوی کا کام لیتے ہیں، اخلاط فاسدہ کو خارج کرنے کے لئے بہترین مسہل ہے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد بیماریوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے (مخزن مفردات ص: ۲۳۳)

حدیث: حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے ان سے پوچھا: تم کس چیز کا مسہل لیتی ہو؟ انھوں نے کہا: شہرہم کا (شہرہم: چنے کی طرح کا ایک دانہ ہے، اس کا مزاج سخت حار ہے، اس کا پانی دواء کے طور پر پیتے ہیں، اس کا دانہ بھی مسہل ہے اور اس کی جڑ بھی مسہل ہے) نبی ﷺ نے فرمایا: گرم انگار! بند کھول دینے والا! جَارَ حَارَ کا تابع ہے، مگر عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، بلکہ معنی دارد ہوتا ہے، جَارَ: جَوَّ سے اسم فاعل ہے، کھینچنے والا یعنی بہت دست لانے والا، وہ اپنی حدت کی وجہ سے اس مادہ کو بھی کھینچ لاتا ہے جس کا نکل جانا صحت کے لئے مضر ہے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں: پھر میں نے سنا کا مسہل لیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: لَوْ أَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيهِ شِفَاءٌ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنا: اگر کوئی چیز ایسی ہوتی جس میں موت کا علاج ہو تو وہ سنا ہی میں ہوتا، یعنی سنا کثیر الفوائد نبات ہے، موت کا علاج بھی اس میں ہو سکتا تھا مگر موت کا علاج کسی چیز میں نہیں۔

تشریح: اس حدیث کی سند میں عتبہ بن عبد اللہ مجہول راوی ہے، اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے، اور پہلے ہم نے یہ بات بیان کی ہے کہ مہینہ میں ایک مرتبہ مسہل لینا چاہئے، اس سے پیٹ کی بیماریوں سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے، مگر اب لوگ کھاتے بہت ہیں، اور معدہ صاف نہیں کرتے اس لئے بیمار پڑتے ہیں اور ڈاکٹروں کی جیب بھرتے ہیں۔

اور حار کا ترجمہ میں نے گرم انگار: تابع کی وجہ سے کیا ہے، کیونکہ عربی میں تابع کے اگرچہ معنی ہوتے ہیں مگر وہ متبوع میں تاکید بھی پیدا کرتا ہے۔

[۲۸-] باب ماجاء في السَّنا

[۲۰۸۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، ثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَى عُثْبَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهَا بِمَا تَسْتَمْشِينَ؟ قَالَتْ: بِالشُّبْرَمِ، قَالَ: "حَارٌّ جَارٌّ؟" قَالَتْ: ثُمَّ اسْتَمَشَيْتُ بِالسَّنا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ أَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيهِ شِفَاءٌ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنا" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

بابُ ماجاء في العَسَلِ

شہد کا ذکر

شہد کو کون نہیں جانتا؟ فارسی میں اس کو انگلیں اور عربی میں عَسَل کہتے ہیں، شہد کی مکھیاں پھولوں وغیرہ کا رس چوس کر اپنے چھتے میں شہد بناتی ہیں جو شکر کے قوام کے مانند شیریں ہوتا ہے، اس میں مختلف پھولوں کی بو، مزہ اور تاثیر بھی ہوتی ہے، شہد کا مزاج گرم خشک ہے، وہ درموں کو پکاتا اور تحلیل کرتا ہے، بدن کو طاقت بخشتا ہے اور ہضم میں امداد کرتا ہے، اور قبض کو رفع کرتا ہے، پھوڑے پھنسیوں پر لگاتے ہیں، اور جلانے بصر کے لئے آنکھوں میں بھی ڈالتے ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اور اس نے کہا: میرے بھائی کو دست آتے ہیں؟ (پس میں اس کو کیا دواء پلاؤں؟) آپ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، چنانچہ اس نے اس کو شہد پلایا، پھر وہ آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو شہد پلایا، مگر اس سے دست بڑھ گئے؟ آپ نے فرمایا: اس کو (پھر) شہد پلاؤ، راوی کہتے ہیں: اس نے اس کو پھر شہد پلایا، پھر وہ آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو شہد پلایا پس اس کو اور زیادہ دست آنے لگے، نبی ﷺ نے فرمایا: صَدَقَ اللَّهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أُخَيْكَ، اسْفَهَ عَسَلًا: اللہ کا ارشاد سچا ہے کہ فیہ شفاء للناس: شہد میں لوگوں کے لئے شفا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یعنی دست نہیں آنے چاہئیں، اس کو اور شہد پلا، چنانچہ اس نے اس کو اور شہد پلایا تو وہ اچھا ہو گیا۔

تشریح: معدے کے اندر تو لیے جیسے روئیں ہوتے ہیں، وہی کھانا ہضم کرتے ہیں، اس میں کبھی سُدے بھر جاتے ہیں، جب مریض کو شہد پلایا گیا اور وہ ہضم نہ ہوا تو دست آنے لگے، پھر پلایا تو دست بڑھ گئے، پھر پلایا تو اور

بڑھ گئے، اس طرح بعدہ اندر سے صاف ہو گیا، اور اس کی ہضم کی قوت لوٹ آئی، چنانچہ وہ اچھا ہو گیا، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر دواء کا ایک کورس ہے، جب وہ کورس پورا ہو بھی فائدہ ہوتا ہے، دواء کی تھوڑی مقدار استعمال کرنے سے اگر فائدہ ظاہر نہ ہو تو مایوس نہیں ہونا چاہئے، ماہر حکیم کی رائے کے مطابق دواء کا استعمال جاری رکھنا چاہئے، نبی ﷺ سے ماہر کون ہو سکتا ہے؟ ان صاحب نے علاج جاری رکھا تو آخر میں بامراد ہوئے۔

[۲۹-] باب ماجاء فی العسل

[۲۰۸۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمَتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ أَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنَهُ؟ فَقَالَ: "اسْقِهِ عَسَلًا" فَسَقَاهُ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَدْ سَقَيْتُهُ عَسَلًا، فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا! قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْقِهِ عَسَلًا" قَالَ: فَسَقَاهُ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي قَدْ سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا! قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "صَدَقَ اللَّهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، اسْقِهِ عَسَلًا" فَسَقَاهُ فَبَرَأَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

لغت: اسْتَطْلَقَ بطنه: پیٹ چلنا، دست آنا۔

باب

بیمار کو جھاڑنے کی ایک دعا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بھی مسلمان بندہ جو کسی ایسے بیمار کی بیمار پرسی کرے جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، پس وہ سات مرتبہ کہے: اَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، أَنْ يَشْفِيكَ: عظیم المرتبت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، جو بڑے عرش کے مالک ہیں کہ وہ آپ کو شفا بخشیں: مگر وہ صحت یاب ہو جائے گا۔

تشریح: یہ دعاسات مرتبہ پڑھ کر مریض پر دم کی جائے اور حدیث میں مانافیہ ہے اور من زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے، اور لم يحضر أجله: مریض کی صفت ہے، اور رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ: اللہ کی صفت ہے اور أَنْ يَشْفِيكَ: اَسْأَلُكَ کا مفعول ثانی ہے، اور اِلَّا نَفْسِي کا اثبات ہے، اور عَفْوًا کے معنی ہیں: نشان مٹنا، یعنی بیمار کا صحت یاب ہونا، یہ دعا بھی طلبہ کو یاد کرنی چاہئے، اور جب کسی بیمار کے پاس جائیں تو اس سے دم کریں۔

باب [۳۰-]

[۲۰۸۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيدَ أَبِي خَالِدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمِنْهَالَ بْنَ عَمْرٍو، يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَعُوذُ مَرِيضًا، لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ، فَيَقُولُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيكَ: إِلَّا عُوفِيَ"
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَأَنْعَرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو.

باب

بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا ایک طریقہ

پہلے یہ بات گذری ہے کہ بخار آگ کا جوش ہے، پس اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو، مگر وہاں ٹھنڈا کرنے کا طریقہ مذکور نہیں، بخار کو ٹھنڈا کرنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں، مثلاً نہانا، کپڑا بھگو کر سر پر رکھنا یا پیروں سے لگانا وغیرہ، اور اس کا ایک طریقہ اس باب میں مذکور ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو بخار آئے، تو (جاننا چاہئے کہ) بخار جہنم کا ایک ٹکڑا ہے، پس چاہئے کہ اس کو اپنے سے پانی کے ذریعہ بجھائے، پس چاہئے کہ نہر میں ٹھنڈا ہونے کے لئے ٹھہرا رہے، اور اپنا منہ ادھر کرے جدھر سے پانی آرہا ہے، اور کہے: بِسْمِ اللَّهِ اشْفِ عَبْدَكَ، وَصَدَّقَ رَسُولَكَ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! اپنے بندے کو شفا بخشے اور اپنے رسول کے فرمان کو سچا ثابت کیجئے، اور وہ نہر میں صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے اترے، اور چاہئے کہ وہ اس میں تین غوطے لگائے تین دن تک، پس اگر وہ تین دن میں اچھانہ ہو تو پانچ دن، اور اگر پانچ دن میں بھی اچھانہ ہو تو سات دن، پس اگر وہ سات دن میں بھی اچھانہ ہو تو نو دن، پس بخار ان شاء اللہ نو دن سے متجاوز نہیں ہوگا (مگر عرب میں جاری نہریں نہیں ہیں، اس لئے اس حدیث کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں)

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی سعید بن زُرمہ حمصی جزائری ہے، مستور راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ ہر بخار میں اور ہر ملک میں یہ طریقہ مفید نہیں، گرم ملکوں میں لو لگنے سے جو بخار ہو جاتا ہے اسی میں یہ طریقہ مفید ہے۔

باب [۳۱]-

[۲۰۸۷]- حدثنا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْقَرُ الرَّبَاطِيُّ، ثنا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، ثنا مَرْزُوقُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الشَّامِيُّ، ثنا سَعِيدٌ - رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ - ثنا ثَوْبَانُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا أَصَابَ أَحَدُكُمْ الْحُمَّى، فَإِنَّ الْحُمَّى قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ، فَلْيُطْفِئْهَا عَنْهُ بِالْمَاءِ، فَلْيَسْتَنْقِعْ فِي نَهْرٍ جَارٍ، فَلْيَسْتَقْبِلْ جَرِيئَهُ، فَيَقُولُ: "بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ، وَصَدِّقْ رَسُولُكَ" بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَقَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَلَيُعْمَسُ فِيهِ ثَلَاثَ عَمَسَاتٍ، ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي ثَلَاثٍ فَخَمْسٌ، فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي خَمْسٍ فَسَبْعٌ، فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي سَبْعٍ فَتِسْعٌ، فَإِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِإِذْنِ اللَّهِ" هذا حديثٌ غريبٌ.

باب التَّدَاوِي بِالرَّمَادِ

راکھ سے علاج کرنے کا بیان

روئی میں خون بند کرنے کی خاصیت ہے، پھر روئی یا سوتی کپڑا جلا کر زخم پر دبایا جائے تو اس سے جلدی خون بند ہو جاتا ہے، اسی طرح کسی بھی چیز کی راکھ زخم میں بھردی جائے تو اس سے بھی خون بند ہو جاتا ہے۔

حدیث: ابو حازم کہتے ہیں: حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے ایک بات پوچھی گئی، میں اس وقت وہاں موجود تھا، پوچھا گیا: کس چیز کے ذریعہ نبی ﷺ کے زخم کا علاج کیا گیا؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا: اب کوئی نہیں رہا جو مجھ سے زیادہ یہ بات جانتا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لا رہے تھے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے (چہرے) سے غون دھور ہی تھیں، اور آپؐ کے لئے ایک چٹائی جلائی گئی پس اس کی راکھ سے آپؐ کا زخم بھرا گیا۔

تشریح: یہ قصہ غزوہٴ احد کا ہے، خود ٹوٹ کر آپ ﷺ کے ماتھے میں گر گیا تھا جس سے زخم ہو گیا تھا، اس کا اس طرح علاج کیا گیا تھا۔

باب [۳۲]- التَّدَاوِي بِالرَّمَادِ

[۲۰۸۸]- حدثنا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: سَأَلَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَأَنَا أَسْمَعُ: بِأَيِّ شَيْءٍ دَوَوِي جُرْحَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي؛ كَانَ عَلِيٌّ يَأْتِي بِالْمَاءِ فِي تَرْسِهِ، وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ، وَأُحْرِقُ لَهُ حَصِيرٌ، فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

لغات: دَوَوِي (دواؤں کے ساتھ) دَاوَى المریض مُداوَاةً کا مجہول ہے، اس کے معنی ہیں: علاج کرنا، دوا دارو کرنا، اور اس کا مجرد دَوَوِي فلانا کے معنی ہیں: بیمار ہونا..... حُشِي: حَشَا يَحْشُو حَشْوًا کا مجہول ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز میں کوئی چیز بھرنا۔

بَابُ

مريض کو زندگی کی امید دلانا

کوئی کسی کی بیمار پرسی کے لئے جائے تو اسے زندگی کی امید دلائے، مثلاً کہے: اللہ آپ کی عمر دراز کریں، آپ نہ گھبرائیں، کوئی خاص بیماری نہیں، ان شاء اللہ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے، اس طرح آپ کے دعا دینے سے تقدیر ٹلے گی نہیں، مگر مریض کا دل خوش ہو جائے گا، حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کے لئے اس کی موت میں گنجائش پیدا کرو یعنی تسلی اور سکون بخشنے والی باتیں کرو، پس بیشک یہ چیز کسی چیز کو پھیرتی نہیں یعنی اس سے تقدیر ٹلتی نہیں، اور وہ اس کے دل کو خوش کر دیتی ہے، اور مایوس کرنے والی باتیں مریض کو رنجیدہ کرتی ہیں۔

تشریح: اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن محمد بن ابراہیم تمیمی منکر الحدیث ہے، یعنی نہایت ضعیف راوی ہے، اس لئے یہ حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے۔

لطیفہ: ایک شخص کسی کی بیمار پرسی کے لئے گیا، اس بے وقوف نے بجائے بیمار پرسی کے تعزیت شروع کر دی، گھر والوں نے کہا: ابھی ان کا انتقال نہیں ہوا! تو آپ کہتے ہیں: ان شاء اللہ جلدی ہو جائے گا! (ایسی باتیں کرنا بے وقوفی کی علامت ہے)

باب [۳۳-]

[۲۰۸۹-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْجِيُّ، ثَنَا عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ السَّكُونِيُّ، عَنْ مُوسَى بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ إِبْرَاهِيمَ النَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَتَقَسُّوا لَهُ فِي أَجَلِهِ، فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا، وَيُطَيِّبُ نَفْسَهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.



بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الفرائض

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میراث کا بیان

میراث کے اکثر احکام قرآن کریم میں ہیں، اور جو باتیں قرآن کریم میں ہوتی ہیں وہ حدیثوں میں نہیں آتیں، البتہ کچھ مسائل احادیث سے اور کچھ مسائل اجماع امت سے ثابت ہیں، پس وہی مسائل ان ابواب میں آئیں گے، اور میراث کے احکام کی حکمتیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں بہت عمدہ بیان کی ہے، ان کو رحمۃ اللہ الواسعہ جلد چہارم (ص: ۶۲۶-۶۲۷) میں پڑھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلْيُورَثْتِهِ

مال کے وارث وراثت میں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے وراثت کے لئے ہے، اور جس نے ضائع ہونے والے یعنی نادار عیال چھوڑے ان کا میں ذمے دار ہوں۔

تشریح: یہ حدیث کتاب الجنائز (حدیث ۱۰۵۳) میں امام زہری رحمہ اللہ کی سند سے مفصل گزر چکی ہے، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ وراثت ہی کے لئے ہے، حکومت کا اس میں کوئی حصہ نہیں، آج کل غیر مسلم حکومتیں بھی مرنے والے کی وارث ہوتی ہیں اگر وہ مالدار ہوتا ہے تو اس کے ترکہ پر ٹیکس لگاتی ہیں، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، ترکہ سارا اس کے وراثت کا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اسلامی حکومت ویلفیر حکومت ہے، جو لوگ بے روزگار ہیں ان کی ذمہ داری حکومت پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور ارشاد ہے کہ اگر میں ایک سال زندہ رہا تو بیواؤں کے لئے ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ وہ عمر کے علاوہ کسی کی محتاج نہیں رہیں گی، اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ غریب پروری

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، مگر اب یہ بات غیروں نے لے لی اور مسلمان حکومتیں اس سے بے بہرہ ہو گئیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الفرائض

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ

[۲۰۹۰-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ، ثَنَا أَبِي، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، ثَنَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ ضِيَاعًا فَلِإِيَّيَّ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْوَلَ مِنْ هَذَا وَاتَّمَّ.

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَأَنَسٍ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "مَنْ تَرَكَ ضِيَاعًا" يَعْنِي ضَائِعًا، لَيْسَ لَهُ شَيْءٌ فَلِإِيَّيَّ، يَقُولُ: أَنَا أَهْوَلُهُ وَأَنْفَقُ عَلَيْهِ.

لغت: ضِيَاعًا: مصدر ہے، پھر اسم کے طور پر بھی مستعمل ہے، اور اسم فاعل کے معنی میں ہے، یعنی ایسے بال بچے چھوڑے جن کے پاس کچھ نہیں، جن کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں، اس لئے وہ ضائع ہو جائیں گے۔ اور حدیث کے آخری ٹکڑے کا مطلب امام ترمذی نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کی کفالت میں کروں گا، اور ان پر خرچ میں کروں گا۔

بابُ ماجاء في تَعْلِيمِ الْفَرَاِضِ

فرائض کی تعلیم کا بیان

فرائض: فريضة کی جمع ہے، اس کے چند معانی ہیں: (۱) بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل اور قانون۔ یعنی اللہ کی مقرر کی ہوئی وہ حد جس کا بندوں کو پابند بنایا گیا ہے، یا اس سے روکا گیا ہے، یعنی اوامر و نواہی (۲) کسی انسان کے ذمہ لازم کیا ہوا کام یا حصہ مال (۳) ڈیوٹی اور فرض (۴) میراث۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تَعَلَّمُوا الْفَرَاِضَ وَالْقُرْآنَ، وَعَلَّمُوا النَّاسَ، فَإِنِّي مَقْبُوضٌ: فرائض اور

قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ، پس میں یقیناً وفات پانے والا ہوں۔

تشریح: ”میں یقیناً وفات پانے والا ہوں“ یہ دونوں باتوں کی تعلیل ہے کہ فرائض اور قرآن سیکھ لو، میرے بعد کون سکھائے گا؟ اور لوگوں کو سکھلاؤ، اس لئے کہ یہ سلسلہ لوگوں کے ذریعہ جاری رہے گا، آپ ﷺ تو وفات پا جائیں گے، رہی یہ بات کہ اس حدیث میں فرائض سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ علم المیراث مراد ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں، بظاہر پہلے معنی مراد ہیں، یعنی وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں، اور تمام اوامر و نواہی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

اور باب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: علم سیکھ لو، اور اسے لوگوں کو سکھلاؤ، فرائض سیکھ لو اور اسے لوگوں کو سکھلاؤ، اور قرآن سیکھ لو اور اسے لوگوں کو سکھلاؤ، اس لئے کہ میری یقیناً وفات ہونے والی ہے، اور علم بھی غنقریب سیڑ لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہونگے، یہاں تک کہ دو آدمی ایک حکم شرعی میں اختلاف کریں گے اور وہ دونوں کسی ایسے کو نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کرے، یہ روایت داری اور دارقطنی میں ہے (مشکوٰۃ حدیث ۲۷۹) پس اگر فرائض سے علم المیراث مراد ہے تب تو باب پر استدلال ظاہر ہے، اور اگر احکام شرعیہ مراد ہیں تو بھی ورثاء کے حصص اس کا ایک فرد ہیں، اس لئے حدیث عام سے علم المیراث کی اہمیت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں محمد بن القاسم اسدی ضعیف راوی ہے، فضل بن دہم بھی کچھ اچھا راوی نہیں، اور عوف اعرابی کے تلامذہ میں سخت اختلاف ہے، کوئی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے، اور ابو اسامہ سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، مگر اس میں ایک مبہول راوی بھی ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[۲-] باب ماجاء فی تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

[۲۰۹۱-] حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ وَاصِلٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ الْأَسَدِيُّ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دَلْهِمٍ، ثَنِي عَوْفٌ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْآنَ، وَعَلَّمُوا النَّاسَ، فَإِنِّي مَقْبُوضٌ"

هَذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ، وَرَوَى أَبُو أُسَامَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَوْفٍ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عَوْفٍ بِهَذَا نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْبَنَاتِ

میراث میں بیٹیوں کا حصہ

اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملتا ہے، اور اگر میت کے بیٹے بھی ہوں تو بیٹے اور بیٹیاں عصبہ بنتے ہیں، اور بیٹے کو دو ہر اور بیٹی کو اکہر ملتا ہے، اور قرآن کریم میں اگر چہ دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ مقرر کیا گیا ہے مگر سورۃ النساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کا حصہ دو تہائی مقرر کیا گیا ہے، اس لئے یہی حصہ دو بیٹیوں کو بھی ملے گا، غرض بیٹیوں کے تمام احوال قرآن میں مذکور ہیں، اس لئے حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، باب میں جو روایت ہے وہ آیت میراث کا شان نزول ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی سعدی دو بیٹیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سعد بن الربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے ابا آپ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں، اور ان کے چچا نے دونوں کا مال لے لیا ہے، پس دونوں کے لئے کوئی مال نہیں رہا، اور ان دونوں کی شادی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ان کے پاس کچھ مال ہو، نبی ﷺ نے فرمایا: يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ: اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمائیں گے، چنانچہ میراث کی آیتیں نازل ہوئیں پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا، اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو، اور باقی آپ کا ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: جو بات قرآن کریم سے دلالت النص کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی وہ اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔

[۳-] بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْبَنَاتِ

[۲۰۹۲-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَزَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ، نَاعِبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: جَاءَتْ امْرَأَةٌ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ، إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا، وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَحَدًا مَالَهُمَا، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا، وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ، قَالَ: "يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ" فَزَلَّتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمَّهُمَا، فَقَالَ: "أَعْطِ ابْنَتَي سَعْدِ الثُّلُثَيْنِ، وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمْنَ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَأَنَعَرَفُوهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَقِيلٍ، وَقَدْ رَوَاهُ شَرِيكُ أَبِيصَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَقِيلٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ بِنْتِ الْإِبْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ

ایک بیٹی کے ساتھ پوتی کا حصہ

اگر بیٹیاں نہ ہوں تو پوتیاں بیٹیوں کے قائم مقام ہوتی ہیں، اور ایک پوتی کو نصف اور ایک سے زائد کو ثلثان ملتا ہے، اور اگر ایک صلیبی بیٹی ہو تو پوتیوں کو سدس ملتا ہے، تاکہ لڑکیوں کا دو تہائی پورا ہو جائے، کیونکہ نصف اور ثلث کا مجموعہ ثلثان ہوتا ہے، اور اگر لڑکیاں دو یا زیادہ ہوں تو پوتیاں محروم رہتی ہیں، ہاں اگر ان کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی پوتیا یا پڑپوتا ہو تو پھر پوتیاں ان کے ساتھ عصبہ بالغیر ہوتی ہیں اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچتا ہے وہ ان کو ملتا ہے، البتہ اگر میت کا کوئی بیٹا ہو تو پھر پوتے پوتیاں محروم ہوتے ہیں، اس لئے کہ بیٹا میت سے قریب ہے، پس اس کا حق مقدم ہے۔

حدیث: ہزریل بن شرحبیل کہتے ہیں: ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، اور ان سے پوچھا: میت کی ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن ہے، پس میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ دونوں نے جواب دیا: بیٹی کو آدھا ملے گا اور باقی حقیقی بہن کو ملے گا، (اور پوتی محروم رہے گی کیونکہ حدیث میں ہے: اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ: بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ، چنانچہ ان دونوں حضرات نے آدھا بیٹی کو دلویا اور باقی بہن کو) اور دونوں نے اس شخص سے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، اور ان سے بھی یہ مسئلہ پوچھو، وہ یقیناً ہماری پیروی کریں گے، یعنی وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ چنانچہ وہ حضرت عبداللہ کے پاس گیا اور ان کے سامنے صورت مسئلہ رکھی، اور ان کو وہ فتویٰ بھی بتایا جو ابو موسیٰ اشعری اور سلمان بن ربیعہ نے دیا تھا، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: اگر میں یہ فتویٰ دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا! اور میں راہ یاب نہیں رہوں گا! بلکہ میں اس صورت میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو نبی ﷺ نے کیا ہے کہ بیٹی کے لئے آدھا ہے، اور پوتی کے لئے چھٹا ہے تاکہ بیٹیوں کا دو تہائی مکمل ہو جائے، اور جو کچھ بچے گا وہ حقیقی بہن کا ہے، کیونکہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ مع الغیر ہوتی ہیں۔

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور مسئلہ وہی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ نے بتایا ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تو سبھی جانتے ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، ان سے پہلے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گورنر تھے، اور سلمان بن ربیعہ بھی کوفہ کے گورنر رہے ہیں، کہتے ہیں: یہ بھی صحابی ہیں، ورنہ جلیل القدر تابعی تو ہیں ہی۔

ملاحظہ: ترمذی میں سلیمان بن ربیعہ ہے مگر یہ تصحیف ہے، اس نام کا کوئی آدمی نہیں، اور ابو داؤد (حدیث ۲۸۹۳)

اور ابن ماجہ (حدیث ۲۷۲۱) اور جامع الاصول (۳۷۳:۱۰) میں سلمان بن ربیعہ ہے اور یہی صحیح ہے، اور یہ حدیث بخاری (حدیث ۶۷۳۶) میں بھی ہے مگر اس میں صرف حضرت ابو موسیٰ کا ذکر ہے، البتہ مسند احمد (۳۸۹:۱) میں سلمان بن ربیعہ ہے مگر صحیح سلمان بن ربیعہ ہے۔

[۴-] باب ماجاء فی مِیراثِ بِنْتِ الْاِبْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ

[۲۰۹۳-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ الْأَوْدِيِّ، عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى أَبِي مُوسَى، وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ، فَسَأَلَهُمَا عَنْ ابْنَةٍ، وَابْنَةِ ابْنٍ، وَأُخْتٍ لِأَبٍ وَأُمٍّ، فَقَالَا: لِلْابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ مَا بَقِيَ، وَقَالَا لَهُ: انْطَلِقْ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ، فَاسْأَلْهُ، فَإِنَّهُ سَيَتَابِعُنَا، فَأَتَى عَبْدَ اللَّهِ، فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ، وَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَا، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: قَدْ ضَلَلْتُ إِذَا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ! وَلَكِنِّي أَقْضِي فِيهَا كَمَا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلْابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ، تَكْمِلَةَ الثَّلَاثِينَ، وَلِلْأُخْتِ مَا بَقِيَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ ثُرَوَانَ كُوفِيٌّ، وَقَدْ رَوَاهُ أَيْضًا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ.

بابُ ماجاء فی مِیراثِ الْاِخْوَةِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ

حقیقی بھائیوں کی میراث

ماں اور باپ دونوں میں شریک حقیقی بھائی ہیں، اور صرف باپ میں شریک علاتی بھائی ہیں، اور صرف ماں میں شریک اخینی بھائی ہیں، اول دو بھائی عصبہ ہیں اور اخینی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں، پس وہ تو اپنا مقررہ حصہ پائیں گے، مگر جب عصبہ کا نمبر آئے گا تو حقیقی بھائی وارث ہونگے اور علاتی بھائی محروم ہونگے، کیونکہ حقیقی بھائیوں کے میت سے دور شتے ہیں، باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی، اور علاتی بھائیوں سے صرف ایک رشتہ ہے، باپ کی طرف سے، اور میراث کا قاعدہ ہے: الاقرب فالاقرب: پس حقیقی اقرب ہوئے، اس لئے وہ عصبہ ہوں گے، اور وارث ہونگے، اور علاتی محروم رہیں گے، ہاں اگر حقیقی بھائی نہ ہوں تو پھر علاتی بھائی عصبہ بنیں گے۔

یہاں ایک اشکال ہے کہ حقیقی اور علاتی تو ایک باپ کی اولاد ہیں، پس حقیقی عصبہ ہوئے اور علاتی محروم رہے ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقی اقرب ہیں اس لئے وہ وارث ہوئے، جیسے باپ اور دادا دونوں ہوں تو باپ وارث ہوتا ہے، اور بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا وارث ہوتا ہے، کیونکہ وہ اقرب ہے، اور حقیقی اور علاتی دونوں باپ

کے تعلق سے تو یکساں ہیں، مگر یہاں میت بھائی ہے، اس کے تعلق سے حقیقی اقرب ہیں اور علاتی ابعد، اس لئے صرف حقیقی وارث ہونگے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اخانی کا رشتہ صرف ماں کی طرف سے ہے، پھر وہ حقیقی اور علاتی بھائیوں کے ساتھ وارث کیسے ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اخانی ذوی الفروض ہیں، اور حقیقی اور علاتی عصبہ ہیں، پس یہ دو الگ الگ جہتیں ہیں اور الأقرب فالأقرب کا ضابطہ ایک طائفہ میں چلتا ہے، یا یہ کہیں کہ یہ قاعدہ صرف عصبات میں چلتا ہے، ذوی الفروض میں نہیں چلتا۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو باتیں فرمائیں:

پہلی بات: فرمایا: آپ حضرات یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ ذَيْنَ﴾ یعنی وصیت نکالنے کے بعد جس کی تم وصیت کر جاؤ یا دین کے بعد (النساء آیت ۱۲) یعنی وصیت کا نفاذ دین سے پہلے ہوگا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض چکایا ہے، چنانچہ مسئلہ یہی ہے: میت کی تجہیز و تکفین کے بعد جو ترکہ بچے گا اس کے جمع سے میت کے قرضے چکائے جائیں گے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ ہوگی، اور جو باقی بچے گا وہ ورثاء میں تقسیم ہوگا، اور آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم تاکید کے لئے ہے، یعنی وصیت کو قرض سے زیادہ اہم سمجھنا چاہئے، کیونکہ قرض مانگنے والے تو دوسرے دن گھر آ کر بیٹھ جائیں گے اور موصی لہ یعنی جس کے لئے وصیت کی ہے وہ کوئی خاص تقاضہ نہیں کر سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بیان میں اس کو مقدم کیا۔

دوسری بات: نبی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ: أَعْيَانُ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ، دُونَ بَنِي الْعَلَاتِ: حقیقی بھائی بہن وارث ہونگے نہ کہ علاتی بھائی بہن۔

تشریح: اعیان کی اضافت بنی الام کی طرف اضافت بیانہ ہے اور اس کا لفظی ترجمہ ہے: ”ماں کے بیٹوں کے خالص“، یعنی حقیقی بھائی، اور مراد حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں ہیں، ابن کو تغلیباً ذکر کیا ہے..... اسی طرح بنو العلات سے علاتی بھائی اور علاتی بہنیں مراد ہیں، ابن کو یہاں بھی تغلیباً ذکر کیا ہے، اور يَتَوَارَثُونَ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں..... اور حقیقی اور علاتی میں وجہ ترجیح چونکہ ماں کا رشتہ ہے اس لئے حدیث میں اعیان کے ساتھ بنی الام (ماں کے لڑکے) کا اضافہ فرمایا۔

پھر اسی مضمون کو دوسرے جملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح ادا کیا: الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأَبْنَيْهِ وَأُمِّهِ، دُونَ أَخِيهِ لِأُمِّهِ: آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے، نہ کہ اپنے علاتی بھائی کا، اس جملہ کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلے جملہ کا ہے اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائی بلکہ یہ نبی ﷺ کا فیصلہ ہے، اس کی دوسری حدیث میں صراحت ہے، اور یہ روایت اگرچہ حارث اعمور کی ہے جو متکلم فیہ راوی ہے، مگر پوری امت نے اس حدیث کو قبول کیا

ہے کہ وصیت سے دین مقدم ہے اور علاتی سے حقیقی مقدم ہے، اس لئے حارث اعور کا ضعف اثر انداز نہیں ہوگا۔

[۵-] باب ماجاء فی مِيرَاثِ الْإِخْوَةِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ

[۲۰۹۴-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّكُمْ تَقْرَأُونَ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالَّذِينَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ، وَأَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَاتِ: الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمُّهُ، دُونَ أَخِيهِ لِأَبِيهِ“

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

[۲۰۹۵-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ، نَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَاتِ.

هَذَا حَدِيثٌ لَأَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْحَارِثِ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

بَابُ مِيرَاثِ الْبَنِينَ مَعَ الْبَنَاتِ

بیٹوں کا حصہ بیٹیوں کے ساتھ

پہلے دو باتیں جان لیں:

پہلی بات: مصری نسخہ میں باب بلا ترجمہ ہے اور ہمارے نسخہ میں ترجمہ بھی ہے، اور جس نے بھی یہ ترجمہ قائم کیا ہے ٹھیک قائم نہیں کیا، کیونکہ بیٹے تو عصبہ ہیں، وہ خواہ بیٹیوں کے ساتھ ہوں یا تنہا: عصبہ ہوتے ہیں، اگر باب اس طرح ہوتا: میراث البنات مع البنین تو ایک بات بھی تھی، کیونکہ بیٹیاں ذوی الفروض ہیں، مگر جب وہ بیٹوں کے ساتھ ہوں تو عصبہ بالغیر ہو جاتی ہیں، اور لڑکے کو لڑکی سے دو گنا ملتا ہے۔

دوسری بات: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث اس باب میں اور آئندہ باب میں ہے وہ محمد بن المنکدر کی روایت ہے، پھر اس باب میں روایت ان کے شاگرد عمرو بن ابی قیس ازرق رازی کوئی کی ہے، یہ راوی صدوق ہے، مگر غلطیاں کرتا ہے، تقریب میں ہے: صدوق لہ او هام، چنانچہ اس روایت میں اس سے دو غلطیاں ہو گئی ہیں اور آئندہ باب میں محمد بن المنکدر کے شاگرد ابن عیینہ کی روایت ہے وہ صحیح ہے اس میں کوئی غلطی نہیں۔

حدیث: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے والد حضرت عبد اللہ جنگ احد میں شہید ہوئے، اس وقت حضرت جابر جنگ کے قابل نہیں تھے، چنانچہ باپ نے رات کو بیٹے کو بٹھا کر وصیت کی کہ میں تو ان شاء اللہ کل شہید ہو جاؤں گا، پس تم اپنی بہنوں کا خیال رکھنا، ان کی سات یا نو بہنیں تھیں، پھر حضرت جابر کی شادی ہوئی، ابھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی کہ وہ سخت بیمار پڑے، فرماتے ہیں: نبی ﷺ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے، میں قبیلہ بنو سلمہ میں بیمار تھا (یہ حضرت جابر کا قبیلہ ہے) پس میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں اپنا مال اپنی اولاد کے درمیان کس طرح تقسیم کروں؟ (یہ پہلی غلطی ہے، جب حضرت جابر نے یہ مسئلہ پوچھا تھا اس وقت ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، وہ کلام تھے) پس نبی ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا، پس آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ﴾ نازل ہوئی (یہ دوسری غلطی ہے، اس موقع پر یہ آیت نازل نہیں ہوئی، بلکہ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ نازل ہوئی ہے جیسا کہ اگلے باب میں آ رہا ہے)

[۶-] بَابُ مِيرَاثِ الْبَنَيْنِ مَعَ الْبَنَاتِ

[۲۰۹۶-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَعْدٍ، نَا عَمْرُو بْنُ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: جَاءَ نَبِيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوذُنِي، وَأَنَا مَرِيضٌ فِي بَنِي سَلَمَةَ، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ! كَيْفَ أَقْسِمُ مَالِي بَيْنَ وَلَدِي؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ شَيْئًا، فَنَزَلَتْ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ: لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنْثَى﴾ الْآيَةُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

بَابُ مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ

بہنوں کا حصہ

اس باب میں وہی حدیث ہے جو اوپر آئی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بیمار پڑا، پس نبی ﷺ میری عیادت کے لئے آئے، پس آپ نے مجھے پایا کہ میں بیہوش ہوں، پس آپ میرے پاس آئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اور دونوں پیدل تشریف لائے تھے، پس آپ نے وضو فرمائی، اور مجھ پر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ڈالا، تو میں ہوش میں آ گیا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے مال میں کس طرح فیصلہ کروں؟ یا کہا: میں اپنے مال میں کیا کروں؟ پس آپ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا، اور حضرت جابر کی نو بہنیں تھیں، یہاں تک کہ آیت میراث ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ نازل ہوئی، حضرت جابر فرماتے ہیں: یہ آیت میرے ہی معاملہ میں

نازل ہوئی ہے۔

تشریح: یہ صورت واقعہ کی صحیح ترجمانی ہے، اور یہ روایت حضرت سفیان بن عیینہ کی ہے اور ان کے متابع بھی ہیں اور اوپر کے باب میں جو روایت تھی وہ عمرو بن ابی قیس کی تھی، اس واقعہ میں سورۃ النساء کی آخری آیت نازل ہوئی ہے، اسی میں کلالہ کا حکم ہے، کلالہ: وہ شخص ہے جس کے نہ باپ دادا اور تک ہوں اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد ہو۔

[۷-] باب مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ

[۲۰۹۷-] حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: مَرَّضْتُ فَأَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوذُنِي، فَوَجَدَنِي قَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ، فَأَتَانِي وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ، وَهُمَا مَاشِيَانِ، فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَأَفَقْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ أَوْ: كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ فَلَمْ يُجِبْنِي شَيْئًا، وَكَانَ لَهُ تِسْعُ أَخَوَاتٍ، حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ؟ قُلْ: اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ﴾ الْآيَةَ، قَالَ جَابِرٌ: فِي نَزَلَتْ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء في ميراث العصبية

عصبہ کی میراث کا بیان

عصبہ: میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں متعین نہیں، وہ تنہا ہونے کی حالت میں تمام ترکہ، اور ذوی الفروض کے ساتھ ہونے کی حالت میں باقی ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں، پھر عصبہ کی دو قسمیں ہیں: نسبی اور سببی، عصبہ نسبی: وہ ہیں جن کا میت سے نسبی تعلق ہوتا ہے، اور عصبہ سببی: وہ ہیں جن کا میت سے آزاد کرنے کا تعلق ہوتا ہے۔

پھر عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں: (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ: ہر وہ مذکر رشتہ دار ہے جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ آئے، یہ چار ہیں: جزء میت، اصل میت، اصل قریب یعنی باپ کا جز، اور اصل بعید یعنی دادا کا جز، اور عصبہ بغیرہ: وہ عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں، یعنی بیٹی، پوتی، حقیقی اور علاتی بہنیں، اور عصبہ مع غیرہ: وہ عورتیں ہیں جو مؤنث فروع کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں، اور وہ دو ہیں: حقیقی اور علاتی بہنیں، اس باب میں صرف عصبہ بنفسہ کا بیان ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوَّلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ: ملاؤم مقررہ

حصول کو ذوی الفروض کے ساتھ، یعنی ترکہ میں سے پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دیدو، پھر جو ترکہ بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔

تشریح: رَجُلٍ کے بعد ذَکْرٍ کی قید وضاحت کے لئے ہے، یعنی یہ صفت کاشفہ ہے، اور اُولٰی کے معنی اقرب کے ہیں، اور میت سے اقرب اس کا جزء ہوتا ہے، یعنی بیٹا، پوتا، پھر اصل: اقرب ہوتی ہے یعنی باپ، دادا، پھر باپ کا جزء اقرب ہوتا ہے، یعنی بھائی، بھتیجے، پھر دادا کا جزء ہے، یعنی چچا، چچا زاد، عصبات میں یہی ترتیب ہے، وہ اسی ترتیب سے وارث ہونگے، اور اقرب کی موجودگی میں البعد محروم ہوگا۔

سوال: بیٹا صرف عصبہ ہے، اور باپ دادا ذوی الفروض بھی ہیں اور عصبہ بھی، ایسا کیوں ہے؟

جواب: بیٹے صرف عصبہ اس لئے ہیں کہ ان کو زیادہ سے زیادہ میراث ملے، ذوی الفروض کے بعد جو بھی بچ جائے گا وہ سب بیٹے لے لیں گے، اور باپ دادا چونکہ دوسرے نمبر کے عصبہ ہیں اس لئے ان کا کچھ نہ کچھ حصہ مقرر کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ محروم رہ جائیں گے، اس لئے وہ ذوی الفروض بھی ہیں اور دوسرے نمبر پر عصبہ بھی ہیں، پس جب میت کے بیٹے نہیں ہونگے تو باقی ماندہ ترکہ یہ اصول لیں گے۔

اور باب کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۶۷۳۲، مسلم حدیث ۱۶۱۵) مگر چونکہ اس کی ایک سند مرسل بھی ہے جو باب کے آخر میں ہے، اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو صرف حسن کہا ہے۔

[۸-] باب ماجاء فی مِیراثِ الْعَصْبَةِ

[۲۰۹۸-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، نَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ، ثَنَا وَهَيْبٌ، ثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْحَقُّوْا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرَ"

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلٌ.

بابُ ماجاء فی مِیراثِ الْجَدِّ

دادا کا میراث میں حصہ

دادا بھی باپ ہے، اور اس کا مقررہ حصہ چھٹا ہے، پھر وہ عصبہ بھی ہے، البتہ باپ کی موجودگی میں دادا محروم رہتا

ہے، کیونکہ باپ میت سے اقرب ہے۔

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا: میرے پوتے کا انتقال ہو گیا ہے، پس میراث میں میرا کتنا حصہ ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تیرا چھٹا حصہ ہے“ پھر جب اس نے پیٹھ پھیری تو آپ نے اس کو بلایا، اور فرمایا: ”تیرے لئے ایک دوسرا چھٹا حصہ بھی ہے“ پھر جب اس نے پیٹھ پھیری تو اس کو بلایا اور فرمایا: ”یہ دوسرا چھٹا حصہ تیرے لئے خوراک ہے“ یعنی عصبہ ہونے کی بنا پر ہے۔

تشریح: اور دونوں چھٹے حصے ملا کر شروع سے تہائی حصہ دادا کو اس لئے نہیں دیا کہ اس کے فریضہ ہونے کا وہم پیدا نہ ہو، اور صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ میت کی دو بیٹیاں اور یہ دادا ہوگا، پس بیٹیوں کے لئے دو تہائی اور باقی ایک تہائی دادا کے لئے ہے، اس میں سے پہلا چھٹا ذوالفرض ہونے کی بنا پر ہے، اور دوسرا چھٹا عصبہ ہونے کی بنا پر، اور یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اگرچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، مگر چونکہ ابوداؤد میں معقل بن یسار کی حدیث شاہد موجود ہے اس لئے امام ترمذی نے حدیث کی تصحیح کی ہے۔

[۹-] باب ماجاء فی میراث الجدّ

[۲۰۹۹-] حدثنا الحسن بن عرفة، ثنا يزيد بن هارون، عن همام بن يحيى، عن قتادة، عن الحسن، عن عمران بن حصين، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إن ابن ابني مات، فمالي من ميراثه؟ فقال: "لك السدس" فلما ولى دعاه، فقال: "لك السدس آخر" فلما ولى دعاه، قال: "إن السدس الآخر لك طعمة" هذا حديث حسن صحيح، وفي الباب: عن معقل بن يسار.

باب ماجاء فی میراث الجدّة

دادی کا میراث میں حصہ

عربی میں دادی اور نانی کو جدّہ کہتے ہیں، پھر جدّہ کی دو قسمیں ہیں: صحیحہ اور فاسدہ صحیحہ ذوی الفروض میں سے ہے اور فاسدہ ذوی الارحام میں ہے، اور جدہ صحیحہ اس مؤنث اصل بعید کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں جد فاسد کا واسطہ نہ آئے، اور جد فاسد اس مذکر اصل بعید کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ آئے، پس باپ کی ماں، دادا کی ماں وغیرہ جدہ صحیحہ ہیں، اور نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے، کیونکہ نانا جد فاسد ہے۔

اور جدہ صحیحہ کو اگر کوئی حاجب نہ ہو تو چھٹا حصہ ملتا ہے، خواہ وہ پدری (دادی) ہو یا مادر (نانی) اور خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، سب چھٹے حصہ میں شریک ہوتی ہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ جدہ فاسدہ نہ ہو بلکہ صحیحہ ہو اور مرتبہ

میں سب برابر ہوں، یعنی اگر ایک جدہ ایک واسطہ سے دادی ہو، اور دوسری جدہ ایک ہی واسطہ سے نانی ہو تو دونوں چھٹا حصہ پائیں گی، اور اگر ایک قریب کی ہو مثلاً ماں کی ماں ہو اور دوسری دور کی ہو مثلاً دادا کی ماں ہو یعنی پردادی ہو تو قریب والی نانی وارث ہوگی، اور دور والی پردادی محروم ہوگی۔

فائدہ: ماں کی وجہ سے تمام جدات ساقط ہو جاتی ہیں، خواہ پدری ہوں یا مادری، اور باپ کی وجہ سے صرف پدری جدات یعنی دادیاں ساقط ہوتی ہیں، مادری جدات یعنی نانیاں ساقط نہیں ہوتیں، اور دادا کی وجہ سے صرف وہ دادیاں ساقط ہوتی ہیں جو اس کے واسطہ سے ہیں، جیسے دادا کی ماں..... اور قریب والی جدات خواہ کسی طرف کی ہوں دور والی جدات کو محروم کرتی ہیں۔

حدیث: سفیان بن عیینہ: امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں، امام زہریؒ نے کبھی قال قبیصۃ کہا یعنی درمیان میں کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا، اور کبھی عن رجل عن قبیصۃ کہا، یعنی درمیان میں مجہول واسطہ بڑھایا، حضرت قبیصۃؒ کہتے ہیں: ایک نانی (ماں کی ماں) یا فرمایا: دادی (باپ کی ماں) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اور اس نے کہا: میرے پوتے کا انتقال ہو گیا ہے، یا کہا: میرے نواسہ کا انتقال ہو گیا ہے، اور مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ میرا بھی قرآن میں حصہ ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تیرے لئے قرآن کریم میں کوئی حصہ نہیں پاتا، اور میں نے نبی ﷺ کو کسی چیز کا فیصلہ کرتے بھی نہیں سنا، اور میں عنقریب لوگوں سے پوچھوں گا، پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ نبی ﷺ نے اس کو چھٹا حصہ دیا ہے، حضرت ابو بکر صدیق نے پوچھا: یہ بات آپ کے ساتھ کسی نے سنی ہے؟ حضرت مغیرہؒ نے کہا: محمد بن مسلمہ نے سنی ہے، راوی کہتا ہے: پس حضرت ابو بکرؓ نے اس کو چھٹا حصہ دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دوسری دادی آئی جو اس دادی کے برخلاف تھی (یعنی پہلے دادی آئی تھی تو اب نانی آئی یا اس کے برعکس) سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: امام زہریؒ سے میں نے بس اتنی ہی روایت سنی ہے، مگر زہریؒ کے شاگرد عمر نے مجھے اس روایت میں یہ بات بھی بتائی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم دونوں اکٹھی ہو جاؤ تو وہ چھٹا تم دونوں کے لئے ہے، اور تم دونوں میں سے جو کسی اس چھٹے حصہ کے ساتھ تنہا ہو تو وہ چھٹا حصہ اس کے لئے ہے۔

پھر یہی روایت امام مالکؒ: زہریؒ سے، وہ عثمان بن اسحاق سے، اور وہ حضرت قبیصہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دادی حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئی، پس اس نے اپنی میراث مانگی، حضرت ابو بکرؓ نے اس سے کہا: تیرے لئے اللہ کی کتاب میں کوئی حصہ نہیں، اور تیرے لئے نبی ﷺ کی سنت میں بھی کوئی حصہ نہیں (یعنی کوئی حدیث بھی میرے علم میں نہیں) پس تو واپس جا، میں لوگوں سے دریافت کروں گا، چنانچہ آپؐ نے لوگوں سے دریافت کیا، پس حضرت مغیرہؒ نے کہا: میری موجودگی میں نبی ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

پوچھا: کیا آپ کے ساتھ آپ کے علاوہ بھی کوئی ہے؟ پس محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی وہی بات کہی جو حضرت مغیرہؓ نے کہی تھی، پس حضرت ابو بکرؓ نے دادی کے لئے اس حصہ کو نافذ کیا، راوی کہتا ہے: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دوسری دادی آئی۔ اس نے بھی اپنا حصہ مانگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تیرے لئے کتاب اللہ میں کوئی چیز نہیں، بلکہ وہی چھٹا حصہ تیرے لئے بھی ہے پس اگر تم دونوں اس میں جمع ہو جاؤ تو وہ چھٹا حصہ تمہارے درمیان ہے، اور تم میں سے جو کسی اس چھٹے حصہ کے ساتھ تھا ہو تو وہ اس کے لئے (جیسے بیوی ایک ہو یا زیادہ ان کے لئے چوتھا یا آٹھواں حصہ ہے، اسی طرح جتنی بھی دادیاں ہوں گی وہ چھٹے میں شریک ہوں گی)

[۱۰] باب ماجاء فی میراث الجدة

[۲۱۰۰] - حدثنا ابن أبي عمير، ثنا سفيان، ثنا الزهري، قال مرة: قال قبيصة، وقال مرة: عن رجل، عن قبيصة بن ذؤيب قال: جاءت الجدة أم الأم أو: أم الأب إلى أبي بكر، فقالت: إن ابن ابني أو: أن ابن ابني مات، وقد أخبرت أن لي في الكتاب حقا، فقال أبو بكر: ما أجلك في الكتاب من حق، وما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى لك بشيء، وسألت الناس، فشهد المغيرة بن شعبة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطاهما السدس، قال: ومن سمع ذلك معك؟ قال: محمد بن مسلمة. قال: فأعطاهما السدس، ثم جاءت الجدة الأخرى التي تخالفها إلى عمر، قال سفيان: وزادني فيه معمر، عن الزهري، ولم أحفظه عن الزهري، ولكن حفظته من معمر، أن عمر قال: إن اجتمعتم فهو لكما، وأيتكما انفردت به فهو لها.

[۲۱۰۱] - حدثنا الأنصاري، ثنا معن، ثنا مالك، عن ابن شهاب، عن عثمان بن إسحاق بن خرشة، عن قبيصة بن ذؤيب، قال: جاءت الجدة إلى أبي بكر، فسألته ميراثها، فقال لها: مالك في كتاب الله شيء، ومالك في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم شيء، فأرجعي حتى أسأل الناس، فسأل الناس، فقال المغيرة بن شعبة: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطاهما السدس، فقال: هل معك غيرك؟ فقام محمد بن مسلمة، فقال مثل ما قال المغيرة بن شعبة، فأنفذه لها أبو بكر، قال: ثم جاءت الجدة الأخرى إلى عمر بن الخطاب، فسألته ميراثها، فقال: مالك في كتاب الله شيء، ولكن هو ذلك السدس، فإن اجتمعتم فيه فهو بينكما، وأيتكما خلّت به فهو لها.

هذا حديث حسن صحيح، وهو أصح من حديث ابن عيينة، وفي الباب: عن بريدة.

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا

جدہ کے بیٹے کی موجودگی میں اس کا حصہ

ماں تمام جدات کے لئے حاجب ہے خواہ پدری ہوں یا مادری..... اور باپ فقط پدری جدات کے لئے حاجب ہے..... اور جد صحیح صرف ان جدات کے لئے حاجب ہے جن کے درمیان وہ واسطہ بنتا ہے، یعنی جو دادیاں جد صحیح کے واسطہ سے دادیاں ہیں وہ جد صحیح کی وجہ سے ساقط ہوں گی، مگر باب کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اس حدیث میں باپ اپنی ماں کے لئے حاجت نہیں بن رہا۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر وراثت میں دادی ہو اور اس کا بیٹا بھی ہو، یعنی میت کا باپ بھی ہو تو نبی ﷺ نے اس کے بیٹے کے ساتھ دادی کو چھٹا حصہ دیا، اور یہ پہلی دادی ہے جس کو نبی ﷺ نے میراث دی ہے در انحالیکہ اس کا بیٹا زندہ تھا۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں محمد بن سالم ہمدانی ابوہل کوئی ہے جو ضعیف ہے، اور مسئلہ میں اختلاف ہے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم باپ کو حاجب مانتے ہیں، اور اس کی وجہ سے پدری جدہ کو ساقط کرتے ہیں، یہی جمہور علماء کی یعنی چاروں ائمہ کی رائے ہے، اور حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے نزدیک باپ کی ماں: باپ کی موجودگی میں وارث ہوتی ہے، اور اس رائے کو قاضی شریح، حسن بصری، اور ابن سرین رحمہم اللہ نے لیا ہے۔

اور اس ضعیف حدیث کی تین تو جہیں کی جاسکتی ہیں:

پہلی توجیہ: شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے کہ میت کا باپ غلام یا کافر ہوگا، اس لئے اس کو دادی کے لئے حاجب نہیں مانا ہوگا، مگر یہ توجیہ دور کی کوڑی ہے۔

دوسری توجیہ: حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کی ہے کہ جدہ کا یہ بیٹا میت کا باپ نہیں تھا، بلکہ یہ جدہ نانی تھی اور اس کا بیٹا میت کا ماموں تھا، اور ماموں اپنی ماں کے لئے حاجب نہیں بنتا، یہ بہترین توجیہ ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں دادی وارث ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ اگر یہ حدیث نانی اور ماموں سے متعلق تھی تو مسئلہ میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا۔

تیسری توجیہ: میری ناقص رائے میں یہ دادی کا بیٹا میت کا باپ تھا اور شروع اسلام میں اس حالت میں دادی کو وارث بنایا گیا تھا، مگر بعد میں یہ حکم ختم ہو گیا، اور جن صحابہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا وہ سابقہ رائے پر برقرار رہے، اور حدیث

کے الفاظ: **أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا**: اس طرف مشیر ہے کہ یہ پہلی داوی تھی جس کو وارث بنایا گیا، بعد میں یہ حکم ختم ہو گیا، اور میت کے باپ کو داوی کے لئے حاجب قرار دیا گیا، اور یہی جمہور صحابہ کی رائے ہے اور اسی کو ائمہ اربعہ نے لیا ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء فی مِیراثِ الجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا

[۲۱۰۲-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا: إِنَّهَا أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدُسًا مَعَ ابْنِهَا، وَابْنُهَا حَيٌّ. هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ وَرَّثَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَدَّةَ مَعَ ابْنِهَا، وَلَمْ يُورَثْهَا بِغَضُّهُمْ.

بابُ ماجاء فی مِیراثِ الخَالِ

ماموں کا میراث میں حصہ

ماموں ذوی الارحام میں ہے۔ ذوی الارحام: میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں مقرر نہیں، نہ اجماع سے طے ہے اور نہ وہ عصبات ہیں، جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں، بھانجیا اور نواسہ وغیرہ۔ ذوی الارحام کی توریث میں اختلاف ہے، اکثر صحابہ وتابعین کی رائے یہ ہے کہ ذوی الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا، احناف اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ ذوی الارحام کو ترکہ نہیں دیا جائے گا، اور کوئی وارث نہ ہو تو ترکہ بیت المال (اسلامی سرکاری خزانہ) میں داخل کیا جائے گا، پھر وہاں سے غریبوں پر خرچ ہوگا۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مسلک یہی ہے۔

حدیث: حضرت سہل بن حنیف کے صاحبزادے ابو امامہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ حضرت ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”اللہ اور اس کے رسول اس شخص کے مولیٰ (کارساز) ہیں جس کا کوئی مولیٰ نہیں، اور ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں“

تشریح: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور راویوں میں اختلاف ہے، بعض آخر میں حضرت عائشہ کا ذکر کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے، اور اس مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف تھا، جیسا کہ اوپر آیا، اور اکثر اہل علم نے اس روایت کو لیا ہے وہ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی اس کی تفصیل اوپر آگئی۔

[۱۲-] باب ماجاء فی مِیراثِ الْخَالِ

[۲۱۰۳-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمٍ بْنِ عَبَّادِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: كَتَبَ مَعِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اللَّهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ، وَالْخَالُ وَارِثٌ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ"

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَالْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[۲۱۰۴-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، نَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْخَالُ وَارِثٌ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ أُرْسِلَهُ بَعْضُهُمْ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ عَائِشَةَ.

وَاخْتَلَفَ فِيهِ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَرَّثَ بَعْضُهُمُ الْخَالَ وَالْخَالَهَ وَالْعَمَّةَ وَإِلَى هَذَا الْحَدِيثِ ذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَوْرِيثِ ذَوِي الْأَرْحَامِ، وَأَمَّا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَلَمْ يَوَرِّثْهُمْ وَجَعَلَ الْمِيرَاثَ فِي بَيْتِ الْمَالِ.

بابُ ماجاء فی الَّذِي يَمُوتُ وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ

لا وارث کے ترکہ کا حکم

ترکہ سے ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، سب سے پہلے ترکہ سے میت کا کفن و دفن کیا جاتا ہے، پھر باقی سے میت کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے، پھر باقی کے تہائی سے میت کی وصیت نافذ کی جاتی ہے، پھر باقی ماندہ ترکہ میت کے وارثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، اور ورثاء میں پہلا نمبر ذوی الفروض کا ہے، پھر عصبہ نسبی کا، پھر عصبہ سببی کا، پھر ذوی الارحام کا، پھر مولی الموالات کا، یعنی جس سے میت نے دوستی کی ہو، احناف کے نزدیک میراث میں یہ عقد معتبر ہے اور شوافع کے نزدیک معتبر نہیں، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو وہ شخص وارث ہوگا جس کے لئے میت نے اپنے غیر سے نسب کا اقرار کیا ہے، مثلاً یہ کہا ہے کہ وہ میرا بھائی ہے، یا چچا ہے اور موت تک وہ اپنے اقرار پر برقرار رہا ہے، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو اور میت نے کسی کے لئے تہائی سے زائد کی یا سارے ترکہ کی وصیت کی ہے تو وہ زائد یا سارا ترکہ موصی لہ کو دیا جائے گا، اور اگر وہ بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال میں یعنی اسلامی حکومت کے خزانہ میں رکھ دیا جائے گا جو غریبوں پر خرچ ہوگا۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام ایک کھجور کی شاخ سے گر پڑا

اور مرگیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: انظروا هل له من وارث؟ دیکھو اس کا کوئی وارث ہے؟ لوگوں نے بتایا: کوئی وارث نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اس کا ترکہ گاؤں کے لوگوں میں سے کسی کو دیدو“

تشریح: میت کے وارث نبی ﷺ تھے کیونکہ انبیاء مورث نہیں ہوتے مگر وارث ہوتے ہیں، حضرت گنگوہی نے اسی کو ترجیح دی ہے، مگر نبی ﷺ نے اس کا ترکہ نہیں لیا، گاؤں کے کسی غریب کو دیدیا، کیونکہ وارث کو یہ حق ہے کہ وہ خود ترکہ نہ لے بلکہ کسی اور کو دیدے۔

[۱۳-] باب ماجاء فی الذی یموت، ولیس له وارث

[۲۱۰۵-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ مُجَاهِدِ بْنِ وَرْدَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَعَ مِنْ عَذْقِ نَخْلَةٍ، فَمَاتَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”انظروا هل له من وارث؟“ قَالُوا: لَا، قَالَ: ”فادفعوه إلى بعض أهل القرية“ وفي الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب فی میراث المولی الأسفل

آزاد شدہ کا میراث میں حصہ

آزاد شدہ وارث نہیں اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی کا انتقال ہوا اور اس کا کوئی وارث نہیں تھا، صرف ایک غلام تھا، جس کو مرنے والے نے آزاد کیا تھا، پس نبی ﷺ نے اس کو مرنے والے کی میراث دی۔

تشریح: تمام ائمہ متفق ہیں کہ ایسی صورت میں ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا، پھر غرباء پر خرچ کیا جائے گا، پس نبی ﷺ نے شاید غریب ہونے کی وجہ سے آزاد کردہ کو ترکہ دیا ہوگا۔

[۱۴-] باب ماجاء فی میراث المولی الأسفل

[۲۱۰۶-] حدثنا ابن أبي عمير، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَوْسَجَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَجُلًا مَاتَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا إِلَّا عَبْدًا هُوَ أَعْتَقَهُ، فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيرَاثَهُ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي هَذَا الْبَابِ: إِذَا مَاتَ رَجُلٌ وَلَمْ يَتْرُكْ عَصَبَةً: أَنَّ مِيرَاثَهُ يُجْعَلُ فِي بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ الْمِيرَاثِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ

مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

موانع ارث چار ہیں: غلامی، قتل، اختلاف دین اور اختلاف ملک (صرف کفار کے حق میں) غلام خواہ کسی طرح کا ہو وارث نہیں ہوتا، اور قاتل بھی مقتول کا وارث نہیں ہوتا، اور قتل کی پانچ قسمیں ہیں: عمد، شبه عمد، خطا، شبه خطا اور قتل بالسبب، پہلی چاروں قسموں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، اور پانچویں قسم (قتل یا سبب) میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوتا (تفصیل طرازی شرح سراجی ص: ۱۹ کے حاشیہ میں ہے)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ: یعنی نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا، اور کفر سے مراد اسلام کا انکار ہے، پس دیگر تمام مذاہب ایک ملت ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہونگے، مگر ان کے اور مسلمان کے درمیان تو ریث جاری نہیں ہوگی اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اور مسلمان مرتد کا وارث ہوگا، لیکن مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، اس لئے کہ ارتداد بمنزلہ موت ہے، پس جس طرح مسلمان اپنے رشتہ دار کا اس کے مرنے کے بعد وارث ہوتا ہے، مرتد کے ارتداد کے بعد بھی اس کا وارث ہوگا، چنانچہ مرتد کے اموال مسلمان ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں گے، اور جس طرح مردہ زندہ کا وارث نہیں ہوتا: مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

اور یہ حکم ان اموال کا ہے جو مرتد نے حالت اسلام میں کمائے ہیں، اور جو اموال اس نے حالت ارتداد میں کمائے ہیں وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مال فی ہیں، ان کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ بھی مسلمان ورثاء کو ملیں گے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حالت اسلام اور حالت ارتداد میں کمائے ہوئے سب اموال بیت المال میں داخل کئے جائیں گے۔

[۱۵] - بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ الْمِيرَاثِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ

[۲۱۰۷] - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَكَذَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا هُشَيْمٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ" حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ نَحْوَهُ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ جَابِرٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ

عَمْرُو، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، هَكَذَا رَوَاهُ مَعْمَرٌ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَ هَذَا.
وَرَوَى مَالِكٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

وَحَدِيثُ مَالِكٍ وَهَمٌّ، وَهَمٌّ فِيهِ مَالِكٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ مَالِكٍ، فَقَالَ: عَنْ عَمْرٍو بْنِ عُثْمَانَ،
وَأَكْثَرُ أَصْحَابِ مَالِكٍ قَالُوا: عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عُثْمَانَ.

وَعَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَقَّانٍ: هُوَ مَشْهُورٌ مِنْ وَلَدِ عُثْمَانَ، وَلَا نَعْرِفُ عُمَرَ بْنَ عُثْمَانَ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي مِيرَاثِ الْمُرْتَدِّ، فَجَعَلَ
بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ الْمَالَ لَوَرَّثْتَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ،
وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يَرِثُ وَرَثَتُهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
"لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ" وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

وضاحت: امام ترمذی نے حدیث کی سند پر لمبی بحث کی ہے، اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ حضرت اسامہ سے روایت کرنے والے راوی کا نام عمرو (فتح العین) ہے، عمر (بضم العین) نہیں ہے، ابن عیینہ کا یہی بیان ہے اور ان کے متابع عمرو وغیرہ ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ عمر کہتے ہیں یہ ان کا وہم ہے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں عمر و نامی صاحبزادے تو معروف ہیں مگر عمر نامی صاحبزادے کو امام ترمذی نہیں جانتے۔

پھر امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے، یعنی مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے، پھر امام ترمذی نے مرتد کی میراث کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے، بعض صحابہ وغیرہ اہل علم مرتد کے مال کو مسلمان ورثاء کے لئے گردانتے ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں: مسلمان ورثاء وارث نہیں ہونگے، ان کی دلیل باب کی حدیث ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، اور یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے (اور دوسرے ائمہ اس حدیث میں مرتد کو داخل نہیں کرتے)

[بَابُ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ]

دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

حنفیہ کے نزدیک اسلام کے علاوہ سارے مذاہب ایک ملت ہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں لکھا ہے: الْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَتَوَارَثُونَ به: یعنی اسلام کا انکار کرنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ کفر کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث

ہونگے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو واضح قرار دیا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ الگ الگ ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے، اور مشرکین اور مورتیاں پوجنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے، اور حنابلہ کے نزدیک ہر مذہب الگ ملت ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے، اور باب کی حدیث میں احناف کے نزدیک دو ملتوں سے کفر و اسلام مراد ہیں، پس اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو گذشتہ باب کی حدیث کا ہے، اور یہاں مصری نسخہ میں باب ہے جو بڑھایا گیا ہے۔ اور ابو داؤد (حدیث ۲۹۱۱) میں بھی یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے۔

سوال: غیر مذہب والوں کی تواریث سے اسلام کو کیا لینا ہے؟ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں یا نہ ہوں، یہ اسلامی مسئلہ نہیں ہے، پھر وہ حدیثوں میں کیوں زیر بحث آیا ہے؟

جواب: غیر مذہب کے لوگ بھی اسلامی مملکت کے شہری ہوتے ہیں، اور وارث اور مورث میں سے ایک اسلامی ملک کا شہری ہو اور دوسرا دار الکفر کا شہری ہو ایسا بھی ہوتا ہے، پس انتظام مملکت کی حیثیت سے اسلامی حکومت کو یہ مسئلہ درپیش آسکتا ہے، اس لئے اس مسئلہ سے بحث ضروری ہے۔

[۱۶-] [بَابُ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ]

[۲۱۰۸-] حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، نَا حُصَيْنُ بْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ"
هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ، إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى.

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ مِيرَاثِ الْقَاتِلِ

قاتل وارث نہیں ہوتا

ابھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، حدیث میں ہے: الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ: اور فقہی قاعدہ ہے: مَنْ اسْتَعْجَلَ بِالشَّيْءِ قَبْلَ أَوَانِهِ: عُوقِبَ بِحَرْمَانِهِ: جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے لینا چاہے وہ (بطور سزا) اس چیز سے محروم کر دیا جاتا ہے، کیونکہ اگر قاتل کو میراث سے محروم نہیں کیا جائے گا تو لوگ میراث کی خاطر مورث کو قتل کریں گے اور نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

اور باب کی حدیث نہایت ضعیف ہے، اس کا ایک راوی اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروة متروک (نہایت ضعیف) ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، متعدد اہل علم نے اسحاق کو متروک

قرار دیا ہے، جن میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی شمار ہے، مگر مسئلہ تمام علماء کے نزدیک یہی ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، خواہ کوئی قتل ہو، چوک کر قتل کیا ہو یا جان بوجھ کر، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر چوک کر قتل کیا ہے تو قاتل وارث ہوگا، یہی امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

جمہور نے حدیث کے عموم پر نظر کی ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، خواہ کوئی قاتل ہو، اور قتل بالسبب کو قتل مجازاً کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں قتل نہیں ہوتا، اور امام مالک رحمہ اللہ نے علت پر نظر کی ہے کہ قتل خطا سے ناحق قتل کا دروازہ نہیں کھلتا، اس لئے وہ قاتل وارث ہوگا۔

[۱۷-] باب ماجاء فی إِبْطَالِ مِيرَاثِ الْقَاتِلِ

[۲۱۰۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ"
هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ، لَا يُعْرَفُ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَإِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ قَدْ تَرَكَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْقَاتِلَ لَا يَرِثُ، كَانَ الْقَتْلُ خَطَأً أَوْ عَمْدًا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا كَانَ الْقَتْلُ خَطَأً، فَإِنَّهُ يَرِثُ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْمَرْأَةِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

شوہر کی دیت سے عورت کو حصہ ملے گا

یہ مسئلہ ابواب الدیات (تحفۃ اللمعی ۴: ۳۴۵ باب ۱۸ حدیث ۱۴۰۰) میں گذر چکا ہے کہ مقتول کی دیت سے اس کی بیوی کو میراث ملے گی، اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ میراث نہ ملے، کیونکہ دیت شوہر کے مرنے کے بعد ثابت ہوتی ہے اور موت سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی فتویٰ دیا تھا، مگر اس مسئلہ میں ایک دوسری جہت ہے کہ عورت جب تک عدت میں ہوتی ہے فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے، پس گویا دیت نکاح کے اندر واجب ہوئی، اس لئے عورت کو میراث ملے گی، علاوہ ازیں: دیت قبیل الموت ثابت ہوتی ہے اس لئے بھی عورت وارث ہوگی۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مقتول کی دیت عاقلہ ادا کرے گا، اور عورت کو اس کے شوہر کی دیت سے کچھ نہیں ملے گا، مگر حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے ان کو بتلایا کہ نبی ﷺ نے ان کے پاس خط بھیجا تھا کہ اشیمن ضباہی کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت سے حصہ دیا جائے، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

[۱۸-] باب ماجاء فی مِيرَاثِ الْمَرْأَةِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

[۲۱۱۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَعَبْدُ وَاحِدٍ، قَالُوا: نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا، فَأَخْبَرَهُ الصَّحَّاحُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيُّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ: "أَنْ وَرِثَ امْرَأَةٌ أَشِيمَ الضَّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمِيرَاثَ لِلْوَرَثَةِ، وَالْعَقْلَ عَلَى الْعَصَبَةِ

میراث ورثاء کے لئے ہے اور دیت خاندان پر ہے

یہ مسئلہ اجماعی ہے اور پہلے تحفۃ اللمعی (۲: ۳۴۰ ابواب الدیات باب ۱۵، حدیث ۱۳۹۵) میں گزر چکا ہے کہ میراث کے حق دار ورثاء ہیں، اور دیت خاندان پر ہوتی ہے، اگرچہ یہ بات الغنم بالغنم کے خلاف ہے، یعنی ضابطہ یہ ہے کہ جو تادان بھرے وہی فائدہ اٹھائے، پس جب خاندان نے دیت ادا کی ہے تو میراث بھی ان کو ملنی چاہئے، مگر مسئلہ یہ نہیں ہے، نبی ﷺ نے بنو لحيان کی ایک عورت کے پیٹ کے بچہ کے بارے میں جو مردہ گر گیا تھا غرہ کا فیصلہ فرمایا، یعنی ایک بردہ (غلام یا باندی) ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ دیت ڈنڈا مارنے والی عورت کے عاقلہ پر لازم کی، پھر جب اس عورت کی وفات ہوئی جس پر بردہ کا فیصلہ کیا گیا تھا یعنی ڈنڈا مارنے والی عورت کی وفات ہوئی تو نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کے لئے ہے، اور اس کی دیت اس کے خاندان پر ہے۔

اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ وراثت کی بنیاد تعاون، تناصر اور ہمدردی پر ہے، اور خاندان کے لوگ ہی ایک دوسرے کے نفع و ضرر کو اپنا نفع و ضرر سمجھتے ہیں اور وہی ایک دوسرے کی ہر طرح مدد کرتے ہیں، اس لئے وہی ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔ اور دیت کا مدار ہاتھ پکڑنے پر ہے یعنی برائی سے روکنے پر ہے، پس جو لوگ گناہ کرنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں وہی اگر گناہ سے نہیں روکیں گے تو سزا بھگتیں گے اور وہ سزا یہ ہے کہ ان کو دیت ادا کرنی ہوگی، اور ظاہر ہے یہ طاقت قبیلہ ہی میں ہوتی ہے اس لئے دیت ان پر لازم ہوتی ہے، غرض میراث اور دیت کی جہتیں مختلف ہیں اس لئے احکام بھی مختلف ہیں۔

[۱۹-] باب ماجاء أَنَّ الْمِيرَاثَ لِلْوَرَثَةِ، وَالْعَقْلَ عَلَى الْعَصَبَةِ

[۲۱۱۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي جَنَيْنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لِحْيَانَ، سَقَطَ مَيِّتًا، بِغُرَّةِ عَبْدِ

أَوْ أُمَّةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا بِغُرَّةٍ تُوَفِّيتُ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ عَقْلَهَا عَلَى عَصَبَتِهَا"
 وَرَوَى يُونُسُ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.
 وَرَوَى مَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَمَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: باب کی حدیث لیث بن سعد نے امام زہری سے روایت کی ہے، پھر انھوں نے سعید بن المسیب سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور زہری کے دوسرے شاگرد یونس: امام زہری کے اساتذہ میں سعید بن المسیب اور ابو سلمہ دونوں کا ذکر کرتے ہیں اور زہری کے تیسرے شاگرد امام مالک: زہری عن ابی سلمہ کی سند سے حدیث کو موصول کرتے ہیں، اور سعید بن المسیب کی سند سے مرسل کرتے ہیں (اور اصح مرفوع ہونا ہے)

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يُسَلِّمُ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ

جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کا حکم

اس باب میں مولی الموالات کی میراث کا مسئلہ ہے، موالات ایک خاص قسم کی دوستی کا نام ہے، اور وہ اس طرح کی جاتی ہے کہ جس کا کوئی والی وارث نہ ہو، دوسرے سے کہے: آپ میرے مولیٰ (ذمہ دار) بن جائیں، میں آپ کو اپنا وارث بناتا ہوں، اگر مجھ سے کوئی موجب دیت امر سرزد ہو تو آپ دیت دیں، دوسرا اس کو قبول کرے۔ یہ ”عقد موالات“ ہے اور قبول کرنے والا ”مولی الموالات“ ہے (یہ عقد جانبین سے بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے مولی الموالات اور وارث ہوں گے) یہ عقد احناف کے نزدیک معتبر ہے، شوافع کے نزدیک معتبر نہیں، اور اس عقد کے لئے چند شرائط ہیں، جن کا بیان طرازی شرح سراجی (ص: ۴۵) میں ہے^(۱)

اس عقد کا ذکر سورۃ النساء آیت ۳۳ میں ہے: ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ، وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيْبُهُمْ﴾ ترجمہ: اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ

(۱) موالات کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ موالات کرنے والا آزاد، عاقل، بالغ ہو، وہ کسی کا آزاد کیا ہوا نہ ہو، نہ پہلے کسی سے عقد موالات کر چکا ہو اور عقد میں دیت اور وراثت کی صراحت ہو اور موالات قبول کرنے والے کے لئے صرف عاقل ہونا شرط ہے۔

جائیں، ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دو، یعنی اگر ورثاء موجود ہوں تو عقد موالات غیر معتبر ہے، رشتہ دار ہی وارث ہونگے، اور اگر کوئی وارث نہ ہو اور میت نے کسی سے عقد موالات کر رکھا ہو تو میراث کا وہی حقدار ہوگا، حدیث میں ضابطہ ہے: **الْغَنَمُ بِالْغُرْمِ**: نفع بعوض تاوان ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۶۶۰)

اور جب کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ خاندان سے جدا ہو جاتا ہے اور بے آسرا رہ جاتا ہے، چنانچہ وہ اس مسلمان سے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے یہ عقد کر لیتا ہے، پس اگر اس نو مسلم نے ایسا عقد کیا ہو تو وہ اصلی مسلمان جبکہ اس نو مسلم کا کوئی بھی وارث نہ ہو وارث ہوگا، یہ احناف کا مسلک ہے۔

حدیث: تمیم داری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا: کوئی مشرک کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو دینی راہ کیا ہے؟ یعنی مسئلہ کیا ہے، وہ مسلمان اس نو مسلم کا وارث ہوگا یا نہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: **هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَخْيَاهِ وَمَمَاتِهِ**: وہ مسلمان اس نو مسلم کا زندگی اور موت میں لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہے، یعنی اس مسلمان کو اس نو مسلم کی حیات میں ہر طرح سے خبر گیری اور مدد کرنی چاہئے، اور اس کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ مسلمان اس کی میراث کا سبب سے زیادہ حقدار ہوگا۔

تشریح: اس حدیث سے مولیٰ الموالات کی توریث ثابت ہوتی ہے، اور یہی احناف کا مذہب ہے، اور جو حضرات توریث کے قائل نہیں وہ ایک دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: **إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَغْتَقَ: وِلَاءٌ** (میراث) صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے، اس حدیث میں آپؐ نے حصر کر دیا ہے، پس مولیٰ الموالات وارث نہیں ہوگا، یعنی جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس شخص کو اس نو مسلم کی میراث نہیں ملے گی، کیونکہ ولاء آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس حدیث میں جس ولاء (میراث) کا حصر کیا گیا ہے وہ ولاء عتاقہ ہے، یعنی آزاد کرنے کی وجہ سے جو میراث ملتی ہے وہ صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے، اور مولیٰ الموالات کو جو میراث ملتی ہے اس کی بنیاد دوسری ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے نے اس نو مسلم کو کفر سے نکالا ہے، اور اسلام میں داخل کیا ہے، پس گویا اس نے مردہ کو زندہ کیا ہے، پھر اس نو مسلم نے اس مسلمان کرنے والے کے ساتھ عقد موالات کیا ہے اور وہ اس نو مسلم کی زندگی بھر مدد کرتا رہا ہے اور قاعدہ ہے: **الْغُرْمُ بِالْغَنَمِ**: اس لئے وہ مسلمان اس نو مسلم کی زندگی اور موت میں اس سے سب سے زیادہ قریب ہے، اس لئے جب اس نو مسلم کا کوئی بھی وارث نہیں ہوگا تو میراث بیت المال میں نہیں رکھی جائے گی، بلکہ اس مسلمان کرنے والے کو ملے گی، کیونکہ اس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: مولیٰ الموالات وارث نہیں ہوگا، پس ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ ان کے

نزدیک قرآن کا مذکورہ حکم آیت پاک: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ سے منسوخ ہو گیا ہے (سورۃ الانفال آخری آیت) اور باب کی حدیث کے بارے میں وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

[۲۰] - باب ماجاء فی الرَّجُلِ یُسَلِّمُ عَلٰی یَدِ الرَّجُلِ

[۲۱۱۲] - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا أَبُو أُسَامَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، وَوَكَيْعٌ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهَبٍ، عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الشَّرْكِ يُسَلِّمُ عَلٰی يَدِ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ"

هَذَا حَدِيثٌ لَأَنَعَرَفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهَبٍ، وَيُقَالُ: ابْنُ مَوْهَبٍ، عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ. وَقَدْ أَذْخَلَ بَعْضُهُمْ بَيْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ وَبَيْنَ تَمِيمِ الدَّارِيِّ: قَبِيصَةَ بْنِ ذُوَيْبٍ، وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ، وَزَادَ فِيهِ: عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُوَيْبٍ، وَهُوَ عِنْدِي لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ.

وَالْعَمَلُ عَلٰی هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُجْعَلُ مِيرَاثُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ"

وضاحت:

۱- یہ روایت حضرت تمیم داریؓ سے عبد اللہ بن موہب روایت کرتے ہیں، یہی نام صحیح ہے، اور بعض روایات عبد اللہ بن وہب کہتے ہیں: یہ صحیح نہیں۔

۲- یہ روایت عبد العزیز نے عبد اللہ بن موہب سے اور انھوں نے تمیم داریؓ سے روایت کی ہے، اس کی ایک دوسری سند ابوداؤد (حدیث ۲۹۱۸) میں ہے، عبد العزیز کہتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن موہب سے سنا، وہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے حدیث روایت کر رہے تھے، قبیصہ بن ذویب سے روایت کرتے ہوئے، پھر امام ابوداؤد کے استاذ ہشام بن عمار کہتے ہیں: عن تمیم الداری۔ اور دوسرے استاذ یزید بن خالد کہتے ہیں: أَنَّ تَمِيمًا: یعنی پہلے استاذ کی روایت میں قبیصہ: حضرت تمیم داریؓ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے استاذ کی روایت میں قبیصہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں، تمیم داریؓ سے روایت نہیں کرتے، یہی یحییٰ بن حمزہ کی روایت ہے جس کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے، پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ حدیث متصل نہیں، کیونکہ قبیصہ اور عبد اللہ بن موہب کی

حضرت تمیم داریؒ سے ملاقات نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کتاب الفرائض باب ۲۲ میں فرمایا ہے: يُذَكِّرُ عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ، رَفَعَهُ، قَالَ: "هُوَ أَوَّلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّةِ هَذَا الْخَبَرِ: یعنی تمیم داریؒ سے مرفوعاً ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ مسلمان جس کے ہاتھ پر کسی نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس نو مسلم کی زندگی اور موت میں لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہے" اور محدثین میں اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے (اکثر محدثین جیسے امام ترمذی اور امام بخاری حدیث کو صحیح نہیں مانتے، چنانچہ امام بخاری نے يُذَكِّرُ فعل مجہول استعمال کیا ہے، اور ابو زرعد مشقی کہتے ہیں: هذا حديث حسن متصل، لم أر أحداً من أهل العلم يدفعه (بذل مجہود ۱۰۰: ۹۳ طبع جدید) چنانچہ بعض حضرات اس کو وارث قرار نہیں دیتے اور اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کرتے ہیں اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

ملفوظہ: شریفیہ شرح سراجی کے حواشی میں ہے کہ تمیم داریؒ کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ: الرجلُ يُسَلِّمُ عَلَى يَدَيْ وَيَوَالِدَيْهِ: یعنی ایک آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے اور میرے ساتھ موالات کرتا ہے الخ، یہ قید ملحوظ رہنی چاہئے، صرف مسلمان کرنے سے احناف کے نزدیک وارث نہیں ہوگا، بلکہ جب عقد موالات کرے گا تب قرآن کریم کی رو سے وارث ہوگا، اور قرآن کریم کے اس حکم کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اور سورۃ الانفال کی آخری آیت اس نو مسلم کے بارے میں ہے جس کے مسلمان ورثاء ہیں اور زیر بحث مسئلہ اس نو مسلم کا ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے، اور اس نے جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے موالات کر رکھی ہے۔ اور یہ حدیث جیسی بھی ہے اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وہ حکم باقی ہے۔

[بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ مِيرَاثِ وَلَدِ الزَّوْنَا]

ولد الزنا وارث نہیں ہوتا

یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، اور توریت کی بنیاد نسب پر ہے، پس زانی اور اس کی اولاد کے درمیان توریت جاری نہیں ہوگی، البتہ زانی اپنی زندگی میں زنا کی اولاد کو کچھ دیدے تو وہ مالک ہو جائے گی، اسی طرح بلا کفر میں جہاں بیت المال نہیں، زنا کی اولاد کو بیت المال کا مصرف قرار دیا جاسکتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو نسا آدمی کسی آزاد عورت کے ساتھ یا باندی کے ساتھ زنا کرے تو اولاد زنا کی اولاد ہے، نہ وہ وارث ہوگی نہ وہ مورث بنے گی، یعنی ان کی میراث بھی زانی کو نہیں ملے گی، اس حدیث کی سند میں اگرچہ ابن لہیعہ ہیں مگر مسئلہ اجماعی ہے کہ زنا کی اولاد زانی کی وارث نہیں ہوتی، نہ زانی زنا کی اولاد کا وارث ہوتا ہے۔

[۲۱-] [بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ مِيرَاثِ وَلَدِ الزَّوْنَا]

[۲۱۱۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا ابْنُ لَهَيْعَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ، فَالْوَلَدُ وَلَدُ زَنَاءٍ، لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ" وَقَدْ رَوَى غَيْرُ ابْنِ لَهَيْعَةَ، هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ وَلَدَ الزَّوْنَا لَا يَرِثُ مِنْ أَبِيهِ.

بَابُ مَنْ يَرِثُ الْوَلَاءَ؟

ولاء کا وارث کون ہوتا ہے؟

آزاد شدہ کی میراث پہلے اس کے ذوی الفروض کو ملتی ہے، پھر عصبہ نسبی کو، اور ان میں سے کوئی نہ ہو تو عصبہ سببی کو، یعنی آزاد کرنے والے کو میراث ملتی ہے، اور وہ بھی نہ ہو تو آزاد کرنے والے کے ورثاء کو میراث ملتی ہے، اور عورتوں کا ولاء میں کوئی حصہ نہیں، مگر یہ کہ وہ خود آزاد کرنے والی ہوں، جیسا کہ آئندہ باب میں آ رہا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ: ولاء کا وارث وہ ہوتا ہے جو مال کا وارث ہوتا ہے، یہ حدیث ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عصبہ سببی نہ ہو تو اس کے عصبہ نسبی وارث ہونگے، اگرچہ وہ آزاد کرنے والے نہیں ہیں، مگر وہ آزاد کرنے والے کے وارث ہیں اس لئے ولاء کے بھی وہ وارث ہونگے۔

[۲۲-] بَابُ مَنْ يَرِثُ الْوَلَاءَ؟

[۲۱۱۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا ابْنُ لَهَيْعَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ" هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيّ.

[بَابُ مَا جَاءَ مَا يَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ؟]

عورتوں کو ولاء کب ملتی ہے؟

عورتوں کو آٹھ صورتوں میں ولاء ملتی ہے: (۱) جس کو عورتوں نے آزاد کیا ہو (۲) عورتوں کے آزاد کردہ غلام نے کسی کو آزاد کیا ہو (۳) عورتوں نے مکاتب بنایا ہو (۴) عورتوں کے مکاتب نے کوئی مکاتب بنایا ہو (۵) عورتوں نے

مدبر بنایا ہو (۶) عورتوں کے مدبر نے مدبر بنایا ہو (۷) عورتوں کے آزاد کردہ غلام نے ولاء کھینچی ہو یعنی حاصل کی ہو (۸) عورتوں کے آزاد کردہ غلام کے آزاد کردہ غلام نے ولاء کھینچی ہو یعنی حاصل کی ہو (یہ آٹھوں صورتیں ایک روایت میں آئی ہیں)

علاوہ ازیں عورت نے جس بچہ کی وجہ سے شوہر سے لعان کیا ہو اور نکاح ختم کر دیا گیا ہو اور بچہ کا نسب ماں کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہو تو ماں اور اس کا یہ بچہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

اور لقیط یعنی جس بچہ کو کسی عورت نے پڑاپایا ہو اور اس کی پرورش کی ہو تو ان میں تو ریث جاری نہیں ہوگی، کیونکہ تو ریث کی بنیاد نسب یا ولاء ہے، اور لقیط میں ان میں سے کوئی بات موجود نہیں، اور حدیث باب میں جو تو ریث کا ذکر ہے اس کو علماء نے بیت المال کے مصرف پر محمول کیا ہے، یعنی اگر وہ پرورش کرنے والی عورت غریب ہو تو میراث اس کو غربت کی بنیاد پر دی جاسکتی ہے۔

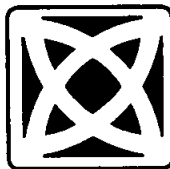
حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عورت تین میراثیں سمیٹتی ہے: اپنے آزاد کردہ کی میراث، اپنے پڑے پائے ہوئے بچہ کی میراث اور اپنی اس اولاد کی میراث جن کی وجہ سے عورت نے شوہر سے لعان کیا ہے۔

[۲۳-] [بَابُ مَا جَاءَ مَا يَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ؟]

[۲۱۱۵-] حَدَّثَنَا هَارُونُ أَبُو مُوسَى الْمُسْتَمَلِيُّ الْبَغْدَادِيُّ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، نَا عُمَرُ بْنُ رُوْبَةَ التَّغْلِبِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ النَّصْرِيِّ، عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمَرْأَةُ تَحُوزُ ثَلَاثَةَ مَوَارِيثَ: عَتِيقَهَا، وَلَقِيطَهَا، وَلَدَهَا الَّذِي لَا عَتَتْ عَنْهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبٍ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ.

﴿آخر الفرائض﴾

وضاحت: یہ روایت ابوداؤد (حدیث ۲۹۰۶) میں بھی ہے مگر عبد الواحد کے دادا کا نام نہیں ہے، اور اسماء الرجال کی کتابوں میں دادا کا نام کعب بن عمیر ہے اور ابوبسر المن کی کنیت ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الوَصَايَا

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وصیتوں کا بیان

وصیت: وہ عہد خاص ہے جس کو آدمی مرنے کے بعد انجام دینے کے لئے کہہ جاتا ہے، اور عام طور پر وصیت تبرع کی ہوتی ہے، تبرع یعنی کسی کو ذاتی منفعت کی امید کے بغیر کوئی چیز دینا، اور تبرعات چار ہیں: صدقہ، ہدیہ، وصیت اور وقف۔

صدقہ: وہ تبرع ہے جس سے اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے، اور ہدیہ: وہ تبرع ہے جس سے اس شخص کا دل خوش کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو سوغات دی جاتی ہے، اور وصیت: یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: میرے انتقال کے بعد میری فلاں جائداد یا میرا اتنا سرمایہ فلاں مصرف خیر میں خرچ کرنا، یا فلاں شخص کو دینا، اور وقف: جائداد جیسی باقی رہنے والی کوئی چیز محفوظ کرنا، اور اس کے منافع کو صدقہ کرنا۔

وصیت کی حکمت: وصیت کا طریقہ اس طرح چلا ہے کہ انسانوں میں ملکیت ایک عارضی چیز ہے، حقیقت میں ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اور یہ عارضی ملکیت اس وجہ سے ہے کہ انسانوں میں اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آتی ہے، دیگر حیوانات: چرند و پرند میں ملکیت نہیں ہے، ہر چیز اللہ کی ہے، مخلوقات اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں، اور ان میں کوئی بڑا جھگڑا بھی کھڑا نہیں ہوتا، مگر انسانوں کی صورت حال دوسری ہے، اس لئے عارضی طور پر انسانوں کی ملکیت تسلیم کی گئی، پھر جب انسان موت کے قریب پہنچ جائے اور مال سے بے نیازی کا وقت آجائے تو مستحب یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں کوتاہی کی ہے اس کی تلافی کرے، اور اس نازک گھڑی میں ان لوگوں کی غم خواری کرے جن کا حق اس پر واجب ہے۔

فائدہ: حق واجب کی وصیت واجب ہے، اور حق مستحب کی مستحب، مثلاً: کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت ہے یا اس پر کسی کا قرض ہے یا کسی طرح کا کوئی حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے، اور اگر

مصارف خیر میں کسی غریب یا دوست عزیز پر خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت مستحب ہے، اور جو بھی وصیت کرے اس کو لکھ کر محفوظ کر لینا چاہئے۔

باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث

وصیت صرف تہائی ترکہ کی جائز ہے

یہ مسئلہ کتاب الجنائز (تحفۃ اللمعی ۴: ۳۷۸) میں گزر چکا ہے۔

حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں فتح مکہ کے سال سخت بیمار ہوا (حافظؒ فرماتے ہیں: امام زہریؒ کے تمام تلامذہ متفق ہیں کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، صرف ابن عیینہؒ فتح مکہ کا بتاتے ہیں، اور حفاظ حدیث اس پر متفق ہیں کہ یہ ابن عیینہ کا وہم ہے) جس سے میں مرنے کے قریب ہو گیا (اشْفَيْتُ أَيْ صِرْتُ عَلَى شَفَاہ: یعنی میں موت کے کنارے پہنچ گیا) پس نبی ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے، اور میری صرف ایک بیٹی وارث ہے، پس کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: پس کیا میں دو تہائی مال کی وصیت کروں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: پس آدھے کی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: پس تہائی کی؟ آپؐ نے فرمایا: ”تہائی کی کر سکتے ہو، اور تہائی بھی بہت ہے، اگر آپ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ ان کو قلاش چھوڑیں کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پارتے پھیریں، بیشک آپ ہرگز کوئی خرچ نہیں کریں گے مگر اس کا ثواب دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جس کو آپ اپنی بیوی کے منہ کی طرف اٹھائیں“ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی ہجرت سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ (یعنی مکہ میں میری وفات ہوگی اور بظاہر میری ہجرت باطل ہوگی؟) آپؐ نے فرمایا: بیشک آپ ہرگز میرے بعد پیچھے نہیں کئے جائیں گے، پھر آپ کوئی ایسا کام کریں جس سے اللہ کی خوشنودی چاہیں: مگر آپ بڑھیں گے اس کی وجہ سے بلندی اور درجہ میں (لَنْ مِّنْ نَّفِيٍّ هُوَ) اور اس کے مقابلِ اِلا میں اثبات ہے جس سے حصر پیدا ہوا ہے، یعنی آپ میرے بعد زندہ رہ کر جو بھی نیک عمل کریں گے: وہ آپ کے لئے بلندی درجات کا سبب ہوگا، اس میں اشارہ ہے کہ حضرت سعدؓ حضور اقدس ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں گے، چنانچہ فرمایا: اور شاید آپ پیچھے کر دیئے جائیں (یعنی میرے بعد زندہ رہیں) یہاں تک کہ آپ سے کچھ لوگ فائدہ اٹھائیں اور کچھ دوسرے لوگوں کو آپ کی وجہ سے ضرر پہنچے (اس کے بعد آپؐ نے دعا فرمائی) ”اے اللہ! میرے صحابہ کے لئے ان کی ہجرت کو نافذ فرما یعنی وطن میں ان کا انتقال نہ ہو اور ان کو ان کی ایڑیوں پر نہ پھیر، یعنی ان کی ہجرت باطل نہ ہو، لیکن قابلِ رحم سعد بن خولہؓ ہیں نبی ﷺ نے ان پر اظہارِ غم کیا اس وجہ سے کہ ان کا مکہ میں انتقال ہوا تھا۔

تشریح: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، بلکہ تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے تہائی کو ”بہت“ قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دو وجہ سے تو وصیت جائز ہی نہیں ہونی چاہئے:

ایک: عرب و عجم کی قوموں میں میت کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور یہ ان کے نزدیک فطری بات اور لازمی امر جیسا ہے، اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، پس جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے، اور موت اس کو نظر آنے لگتی ہے تو ورثاء کی ملکیت کی راہ کھل جاتی ہے، یعنی مرض الموت میں میت کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، پس غیروں کے لئے وصیت کر کے ورثاء کو اس چیز سے مایوس کرتا جس کی وہ امید باندھے بیٹھے ہیں: ان کے حق کا انکار اور ان کے حق میں کوتاہی ہے۔

دوسری وجہ: حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ میت کا مال اس کے بعد اس کے ان قریب ترین لوگوں کو ملے جو اس کے سب سے زیادہ حقدار، سب سے زیادہ مددگار، اور سب سے زیادہ غم خوار رہے ہوں، اور ایسا مال باپ اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہیں، اسی وجہ سے دوراول کے ہنگامی حالات میں جو موالات (آپس کی دوستی) اور مواخات (بھائی چارگی) کی وجہ سے میراث ملتی تھی اس کو ختم کر دیا گیا، اور رشتہ داری کی بنیاد پر توریث کا حکم نازل ہوا۔ سورۃ الانفال آیت ۷۵ میں ارشاد پاک ہے: ”اور جو لوگ رشتہ دار ہیں: کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں“ مگر باہیں ہمہ: بارہا ایسی باتیں پیش آتی ہیں کہ رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں کی غم خواری ضروری ہو جاتی ہے، اور بہت سی مرتبہ مخصوص حالات مقتضی ہوتے ہیں کہ ان کے علاوہ کو ترجیح دی جائے، اس لئے وصیت کی اجازت دی گئی، مگر دوسروں کے لئے وصیت کی کوئی حد مقرر کرنی ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے تجاوز نہ کریں، شریعت نے وہ حد ایک تہائی مقرر کی ہے، کیونکہ ورثاء کو ترجیح دینا ضروری ہے، اور اس کی یہی صورت ہے کہ ان کو آدھے سے زیادہ دیا جائے، اس لئے ورثاء کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الوصایا

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء فى الوصية بالثلث

[۲۱۱۶-] حدثنا ابن أبي عمير، ناسفیان، عن الزهري، عن عامر بن سعد بن أبي وقاص، عن

أَبِيهِ، قَالَ: مَرَضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ، فَأَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّدُنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا، وَلَيْسَ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَتِي، أَفَأُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ؟ قَالَ: "لَا" قُلْتُ: فَثُلُثِي مَالِي؟ قَالَ: "لَا" قُلْتُ: فَالْشُّطْرُ؟ قَالَ: "لَا" قُلْتُ: فَالثُّلُثُ؟ قَالَ: "الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً إِلَّا أُجِرْتَ فِيهَا، حَتَّى اللَّقْمَةُ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ" قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَخْلَفَ عَنْ هِجْرَتِي؟ قَالَ: "إِنَّكَ لَنْ تُخْلَفَ بَعْدِي، فَتَعْمَلْ عَمَلًا تُرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللَّهِ، إِلَّا أَرَدَدْتَ بِهِ رِفْعَةً وَدَرَجَةً، وَلَعَلَّكَ أَنْ تُخْلَفَ، حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ، وَيَضُرَّ بِكَ آخَرُونَ، اللَّهُمَّ امْضُ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ، لَكِنَّ الْبَائِسَ سَعْدُ بْنُ خُوَلَةَ" يَرِثُنِي لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.

وفى الباب: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ لَيْسَ لِلرَّجُلِ أَنْ يُوصِيَ بِأَكْثَرِ مِنَ الثُّلُثِ، وَقَدْ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَنْقُصَ مِنَ الثُّلُثِ، لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ"

[باب ما جاء فى الضّرار فى الوصيّة]

وصیت میں ورثاء کو نقصان پہنچانا

یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے، اور وصیت میں نقصان پہنچانا یہ ہے کہ تہائی سے زائد کی وصیت کرے، یا وارث کے لئے وصیت کرے، یہ دونوں صورتیں شرعاً باطل ہیں، اس لئے ان پر عمل نہیں ہوگا، یا مرض موت میں وارث کو یا غیر وارث کو مال بخش دے یا اپنی حیات میں بعض ورثاء کو زیادہ دیدے اور بعض کو کم دے یا بالکل محروم کر دے، یہ سب صورتیں نقصان پہنچانے کی ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک ایک آدمی یا ایک عورت ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت والے کام کرتے ہیں، پھر دونوں کی موت کا وقت آتا ہے، پس وہ وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں، پس دونوں کے لئے دوزخ لازم ہو جاتی ہے، شہر بن حوشب کہتے ہیں: پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے آیت: ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ﴾ پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے: "وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی ہو، یا دین کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بردبار ہیں، یہ احکام ضابطہ

خداوندی ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغات میں داخل کریں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ ایک بڑی کامیابی ہے، یعنی جنت کا حقدار اس وقت ہوگا جب ورثاء میں سے کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔

اور مشکوٰۃ (حدیث ۳۰۷۸ باب الوصایا) میں حدیث ہے: مَنْ قَطَعَ مِيرَاثَ وَارِثِهِ قَطَعَ اللَّهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: جس نے اپنے وارث کی میراث کاٹ دی: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دیں گے، وارث کے حصہ میراث کو کاٹنے کی شکل یہی ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں بعض ورثاء کو یا غیر ورثاء کو مال جائیداد ہبہ کر دے جس سے بعض وارث یا سارے ورثاء محروم رہ جائیں، اس کی آخرت میں سزا بہت سخت ہے، اللہ تعالیٰ جنت سے اس کا حصہ کاٹ دیں گے۔

[۲- بابُ ماجاء فی الضَّرَارِ فی الوَصِيَّةِ]

[۲۱۱۷-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، نَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، نَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا الْأَشْعَثُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ، وَالْمَرْأَةُ، بِطَاعَةِ اللَّهِ سِتِّينَ سَنَةً، ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ، فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ، فَيَجِبُ لَهُمَا النَّارُ" ثُمَّ قَرَأَ عَلَيَّ أَبُو هُرَيْرَةَ: ﴿مِنْ بَعْضِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنَ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الَّذِي رَوَى عَنْ أَشْعَثَ بْنِ جَابِرٍ، هُوَ جَدُّ نَصْرِ الْجَهَنَّمِيِّ.

وضاحت: والمرأة کا عطف الرجل پر ہے..... اور یحضرهما الموت ہندی نسخہ میں یحضرهم الموت ہے، مصری نسخہ میں تثنیہ کی ضمیر ہے، اسی طرح مشکوٰۃ میں بھی تثنیہ کی ضمیر ہے۔

بابُ ماجاء فی الحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ

وصیت لکھ لینے کی ترغیب

یہ حدیث پہلے (تحفۃ الالمعی ۳: ۳۷۷ کتاب الجنائز باب ۵ میں) گذر چکی ہے اور وہیں حدیث کی ترکیب بھی دی ہے۔ حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: کسی ایسے مسلمان کے لئے سزاوار نہیں جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائیداد، سرمایہ، امانت یا قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی ضروری ہو کہ وہ دوراتیں گزارے مگر اس حال

میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔

تشریح: وصیت کرنے میں اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے اور موت کا وقت قریب آجائے گا تب وصیت کر دیں گے، کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، معلوم نہیں وہ کس وقت آگھرے، پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ وصیت نامہ تیار رکھے، دودن بھی ایسے نہیں گذرنے چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔
فائدہ: معاملات کی یادداشت لکھ لینا، یا کسی رازدار مثلاً بیوی، بچوں کو بتلادینا بھی وصیت نامہ لکھنے کے قائم مقام ہے۔

[۳-] باب ماجاء فی الحثّ علی الوصیّة

[۲۱۱۸-] حدثنا ابنُ أبي عمَرَ، نا سُفيانُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بَيْنَتٍ لِيَلْتَنِي، وَلَهُ مَا يُوصِي فِيهِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

بابُ ماجاء أنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُوصِ

نبی ﷺ نے کوئی وصیت نہیں کی

حدیث: طلحہ بن مصرف کہتے ہیں: میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کوئی وصیت کی ہے، انھوں نے کہا: نہیں، میں نے عرض کیا: پھر وصیت کیسے فرض ہوئی؟ اور لوگوں کو وصیت کا حکم کیسے دیا گیا؟ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے قرآن کریم کو مضبوط پکڑنے کی وصیت کی ہے۔

تشریح: سوال یہ تھا کہ جب نبی ﷺ نے کوئی وصیت نہیں کی تو وصیت مامور بہ کیسے ہوئی؟ قرآن کریم میں: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ﴾ الآية ہے، یعنی ”تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کی موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو وہ والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر وصیت کرے، جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمے یہ بات ضروری ہے“ (البقرہ آیت ۱۸۰) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ: نبی ﷺ کی سیرت قرآن کریم پر عمل کرنا تھی، پھر آپ نے وصیت کیوں نہیں کی؟

اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ وصیت کرنی ضروری ہے، مگر دنیوی وصیت ضروری نہیں، اور آپ نے دینی وصیتیں فرمائی ہیں، ان میں سے ایک وصیت یہ ہے: تَرَكَتُ فِيكُمْ أُمُورَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے: گمراہ نہیں

ہوؤ گے، ایک اللہ کی کتاب، دوسری اللہ کے رسول کی سنت، یعنی طریقہ، اسی طرح آپؐ نے امت کو نماز کے اہتمام کی اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے، اور غیر مسلموں سے جزیرۃ العرب کے انخلاء کی وصیت فرمائی ہے۔ غرض آپؐ نے متعدد دینی وصیتیں فرمائی ہیں، پس قرآن کے حکم پر عمل ہو گیا، اور دنیوی وصیت اس لئے نہیں کی کہ آپؐ نے جو کچھ چھوڑا تھا وہ صدقہ تھا، پھر کس چیز کی وصیت کرتے؟

[۴-] باب ماجاء أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُوصِ

[۲۱۱۹-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا أَبُو قَطَنِ، نَا مَالِكُ بْنُ مِغُولٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى: أَوْصَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: وَكَيْفَ كُتِبَتِ الْوَصِيَّةُ؟ وَكَيْفَ أَمَرَ النَّاسُ؟ قَالَ: أَوْصَى بِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ مِغُولٍ.

فائدہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے طویل عمر پائی ہے ۸۷ھ میں کوفہ میں آپؐ کا انتقال ہوا ہے، اور کوفہ میں آخری صحابی جن کا انتقال ہوا ہے وہ آپؐ ہیں۔

بابُ ماجاء لَا وَصِيَّةَ لِرِوَارِثِ

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں

زمانہ جاہلیت میں میراث کا کوئی قاعدہ نہیں تھا، میت کی وصیت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا، اور لوگ وصیت میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے تھے، وہ اس میں حکمت کے تقاضوں کا پورا لحاظ نہیں رکھتے تھے، کبھی زیادہ حقدار کو چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ اس کی ہمدردی زیادہ ضروری تھی اور اپنی کج فہمی سے دور کے رشتہ داروں کو ترجیح دیتے تھے، اس لئے ضروری ہوا کہ میراث کے احکام نازل کر کے فساد کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے اور توریث کے سلسلہ میں رشتہ داری کی کلی احتمالی جگہوں کا اعتبار کیا جائے، اشخاص کے لحاظ سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے، یعنی صرف رشتہ داری کو میراث کی بنیاد بنایا جائے۔ کس وارث کا میت سے کتنا تعلق ہے: یہ بات نہ دیکھی جائے، کیونکہ انسان پورے طور پر نہیں جان سکتا کہ اصول و فروع میں سے زیادہ نفع پہنچانے والا کون ہے؟ (سورۃ النساء آیت ۱۱)

غرض جب اس بنیاد پر میراث کا معاملہ طے کر دیا گیا تاکہ لوگوں کے نزاعات ختم ہوں اور ان کے باہمی کینوں کا سلسلہ رک جائے تو اس کا تقاضہ ہوا کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہو، ورنہ توریث کا سارا نظام درہم برہم

ہو جائے گا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۶۱۶)

حدیث: نبی ﷺ نے حیمۃ الوداع کی تقریر میں درج ذیل باتیں ارشاد فرمائیں:

۱- إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ: اللہ تعالیٰ نے (احکام میراث نازل کر کے) ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے، پس کسی بھی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

۲- وَالْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَحَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى: اور اولاد بستر کے لئے ہے، بستر سے مراد بیوی ہے، اور لفظ صاحب محذوف ہے، یعنی بستر والے کے لئے (شوہر کے لئے) ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، یعنی حقیقت میں بچہ کس کا ہے؟ اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے یہاں ہوگا، دنیا میں نسب شوہر سے ثابت ہوگا، مگر یہ کہ شوہر بچہ کی نفی کرے تو لعان ہوگا، پھر بچہ کا نسب ماں سے ثابت ہوگا۔ زانی سے ثابت نہیں ہوگا، اور یہ مسئلہ پہلے (تحفۃ اللمعی ۳: ۵۹۷ باب ۴۴ کتاب الزکاح) میں گزر چکا ہے۔

۳- وَمَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ التَّابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ: اور جس نے اپنے باپ کے علاوہ سے نسب کا دعویٰ کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کی طرف منسوب ہوا تو اس پر اللہ کی پھٹکار ہے جو قیامت تک مسلسل رہے گی، اور باپ کے علاوہ سے نسب کا دعویٰ کرنے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی قومیت بدل لے، مثلاً: سید نہیں ہے اور اپنے کو سید ظاہر کرے: اس کے لئے بھی یہی وعید ہے۔

۴- وَلَا تُنْفِقِ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا: اور کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ نہ کرے مگر اپنے شوہر کی اجازت سے، پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا کھانا بھی خرچ نہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ تو ہمارا بہترین مال ہے، یعنی ہمارے گھروں کا اصل سرمایہ کھانا ہی ہے پس شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا خرچ کرنا بھی جائز نہیں، یہ بھی پہلے تحفہ (۲: ۶۰۰) میں گزر چکا ہے۔

۵- وَالْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ: اور برتنے کے لئے لی ہوئی چیز ادا کی ہوئی ہے، یعنی جب استعمال کر کے فارغ ہو جائے تو عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کر کے آئے، اپنے پاس رکھ نہ چھوڑے۔

۶- وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ: اور انقاع کے لئے دیا ہوا جانور لوٹایا ہوا ہے یعنی کسی نے دودھ والی بھینس بکری کسی کو دی کہ اس کی خدمت کرو، اور اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاؤ، تو جب اس کا دودھ ختم ہو جائے: اس کو واپس کرنا چاہئے، دبا بیٹھنا جائز نہیں۔

۷- وَالْدَيْنُ مَقْضِيٌّ: اور قرض چکایا ہوا ہے، یعنی کسی سے قرض لیا تو بروقت قرضہ ادا کرنا چاہئے۔

۸- وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ: اور ضامن تاوان دینے والا ہے، یعنی اگر کسی معاملہ میں ضامن بنا ہو: پھر اصل قرضہ ادا نہ کرے تو اس ضامن کو اپنی جیب سے قرضہ بھرنا ہوگا، لوگ عام طور پر ضامن بن جاتے ہیں مگر اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔

نوٹ: ۵، ۷ اور ۸ پہلے تحفۃ الألمعی (۱۹۱:۴) ابواب البیوع (باب ۳۹) میں گزر چکے ہیں۔

اسماعیل بن عیاش کا حال: اس روایت کی سند میں اسماعیل بن عیاش آئے ہیں، ان کا استاذ اگر عراقی یا حجازی ہو تو روایت قابل اعتبار نہیں، جبکہ اسماعیل اس روایت کے ساتھ متفرد ہوں، کیونکہ اسماعیل ان اساتذہ سے نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتے ہیں، اور اگر ان کا استاذ شامی ہو تو روایت صحیح ہے، اور یہ روایت اسماعیل بن عیاش چونکہ شریحیل سے روایت کرتے ہیں جو شامی ہیں اس لئے یہ روایت صحیح ہے، اور یہ بات امام بخاریؒ نے بیان کی ہے۔

اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میں نے احمد بن الحسن کے واسطے سے امام احمدؒ کا یہ قول سنا ہے کہ اسماعیل کی حدیثیں بقیۃ بن الولید کی حدیثوں سے اچھی ہوتی ہیں، کیونکہ بقیۃ بن الولید ثقہ اساتذہ سے نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتا ہے۔

اور امام ترمذیؒ نے امام دارمیؒ کی سند سے ابواسحاق فزاری کا قول نقل کیا ہے کہ بقیۃ بن الولید کی وہ حدیثیں لوجو وہ ثقہ راویوں سے نقل کرتا ہے اور اسماعیل بن عیاش کی کوئی حدیث نہ لو، خواہ وہ ثقہ راویوں سے نقل کرے یا غمیر ثقہ راویوں سے (غرض اسماعیل مختلف فیہ راوی ہے، تقریب میں اس کے بارے میں ہے: صدوق فی روایتہ عن أهل بلده، مُخَلِّطٌ فِي غَيْرِهِمْ: یعنی اپنے شہر والوں سے روایت کرنے میں (اسماعیل خود شامی ہیں) صدوق ہیں اور ان کے علاوہ سے روایت کرنے میں غت ربود کرنے والے ہیں اور بقیۃ بن الولید کلاعی کے بارے میں لکھا ہے: صدوق كثير التدليس عن الضعفاء: ٹھیک راوی ہے، مگر بکثرت ضعیف اساتذہ کے نام چھپاتا ہے)

حدیث (۲): عمرو بن خارجہؒ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تقریر فرمائی، اور میں اس کی گردن کے نیچے تھا، اور وہ جگالی کر رہی تھی، اور اس کا تھوک میرے دونوں شانوں کے درمیان گر رہا تھا، میں نے آپؐ کو فرماتے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، پس کسی وارث کے لئے کوئی وصیت جائز نہیں، اور اولاد صاحب فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے۔

[۵-] باب ماجاء لا وصیۃ لوارث

[۲۱۲۰-] حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَا: نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عِيَّاشٍ، نَا شُرْحَبِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: "إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ، أَلَوْ لَدَّ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاوِرِ الْحَجَرِ، وَحَسَابَتُهُمْ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى، وَمَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ النَّابِغَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا تَنْفِقِ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتٍ زَوْجَهَا إِلَّا بِإِذْنِ

زَوْجَهَا“ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَلَا الطَّعَامَ؟ قَالَ: ”ذَاكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا“ وَقَالَ: ”الْعَارِيَةُ مُوَدَّةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ، وَالذِّينُ مَقْضَى، وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ“

وفى الباب: عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ.

وَرَوَايَةُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عِيَّاشٍ عَنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَأَهْلِ الْحِجَازِ لَيْسَ بِذَاكَ، فِيمَا يَتَّفَرَّدُ بِهِ، لِأَنَّهُ رَوَى عَنْهُمْ مَنَّا كَثِيرٌ، وَرَوَايَتُهُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ أَصَحُّ، هَكَذَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ.

[قَالَ:] سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ: قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: إِسْمَاعِيلُ بْنُ عِيَّاشٍ أَصْلَحُ حَدِيثًا مِنْ بَقِيَّةٍ، وَلِبَقِيَّةٍ أَحَادِيثُ مَنَّا كَثِيرٌ عَنِ الثَّقَاتِ.

وَسَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَقُولُ: سَمِعْتُ زَكَرِيَّا بْنَ عَدِيٍّ يَقُولُ: قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ الْفَرَارِيُّ: خُذُوا مِنْ بَقِيَّةِ مَا حَدَّثَ عَنِ الثَّقَاتِ، وَلَا تَأْخُذُوا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عِيَّاشٍ مَا حَدَّثَ عَنِ الثَّقَاتِ وَلَا غَيْرِ الثَّقَاتِ.

[۲۱۲۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنَمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ عَلَى نَاقَتِهِ، وَأَنَا تَحْتَ جِرَانِهَا، وَهِيَ تَقْصَعُ بِجِرَّتِهَا، وَإِنَّ لُعَابَهَا يَسِيلُ بَيْنَ كَتِفَيْ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ”إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ، وَالْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: امام احمد رحمہ اللہ کے قول میں اصل حدیث کے بجائے ہندی نسخہ میں اصلح بدنا ہے یہ تصحیف ہے، تصحیح مصری نسخہ سے کی ہے۔

لغات: الجِرَانُ (بکسر الجیم): اونٹ وغیرہ کی گردن کا اندورنی یعنی نیچے کا حصہ..... الجِرَّةُ (بکسر الجیم) جگالی..... قَصَعَ (ف) الدابة: جگالی کرنے والے جانور کا چارہ کو چبانے کے لئے منہ میں واپس لانا..... اَدْعَى الشَّيْءُ: اپنے لئے کسی چیز کا دعویٰ کرنا کہ وہ میری ہے، اپنے لئے کوئی چیز ثابت کرنا..... اَنْتَمَى إِلَى كَذَا: کسی چیز کی طرف منسوب ہونا۔

بَابُ مَا جَاءَ يُبَدَأُ بِالَّذِينَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

قرضہ: وصیت سے پہلے چکایا جائے گا

ابھی ابواب الفرائض (باب ۵) میں یہ حدیث اور یہ مسئلہ آچکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ

نے وصیت سے پہلے قرضہ کا فیصلہ فرمایا (یعنی یہ ارشاد فرمایا کہ پہلے سارے ترکہ سے قرضہ چکایا جائے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ کی جائے) جبکہ آپ لوگ وصیت کو قرضہ سے پہلے پڑھتے ہو، یعنی نبی ﷺ کے فیصلہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم محض تاکید کے لئے ہے۔

[۶-] باب ماجاء يُبْدَأُ بِالذِّينِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

[۲۱۲۲-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَاسُفِيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالذِّينِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ، وَأَنْتُمْ تَقْرَأُونَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الذِّينِ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ يُبْدَأُ بِالذِّينِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ.

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَنْصَدِّقُ أَوْ يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ

موت کے وقت خیرات کرنا یا غلام آزاد کرنا

موت کے وقت: یعنی جب آدمی بوڑھا ہو جائے، قبر میں پیر لٹکا لے اور زندگی تھوڑی نظر آنے لگے، اور ابھی مرض موت شروع نہ ہوا ہو تو اس وقت آدمی جو صدقہ خیرات کرتا ہے وہ اگرچہ معتبر ہے، اور اس کا ثواب بھی ملتا ہے، مگر وہ کوئی اعلیٰ درجہ کی عبادت نہیں، حدیث میں اس کی مثال یہ آئی ہے کہ ”پیٹ بھر گیا تو بچا ہوا کھانا بانٹ دیا“ کامل خیرات یہ ہے کہ جب آدمی کو مال کی احتیاج ہو، اور طرح طرح کے تقاضے سامنے ہوں تب آدمی پیٹ کاٹ کر غریبوں کو دے یہ اعلیٰ درجہ کا صدقہ ہے۔

اور ٹھیک موت کے وقت: یعنی جب مرض موت شروع ہو جائے، اس وقت آدمی جو بھی تبرع کرتا ہے وہ بحکم وصیت ہوتا ہے (در مختار اور شامی ۵۶۶:۲ میں اس کی صراحت ہے اور بہشتی زیور حصہ پنجم ص: ۵۹ وصیت کے بیان میں بھی تفصیل سے یہ مسئلہ ہے) اس لئے وہ تبرع تہائی ترکہ ہی سے نافذ ہوگا، مثلاً کسی نے مرض موت میں کسی مدرسہ کو پچاس ہزار روپے لٹھ چندہ دیا، پھر وہ اس بیماری میں مر گیا تو یہ دیا ہوا چندہ تہائی ترکہ سے نافذ ہوگا، اگر وہ تہائی سے زیادہ ہے تو زائد واپس لیا جائے گا، وہ ورثاء کا حق ہے۔

حدیث: ابو حبیبہ طائی کہتے ہیں: میرے بھائی نے مجھے اپنے کچھ مال کی وصیت کی، یعنی مجھے وصی بنایا کہ میں ان کا مال وجہ خیر میں خرچ کروں، پس میری ملاقات حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی، میں نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ میرے بھائی نے مجھے یہ وصیت کی ہے، پس آپ کی رائے میں مجھے وہ مال کہاں خرچ کرنا چاہئے؟ فقراء اور مساکین پر خرچ کروں یا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں پر خرچ کروں؟ حضرت ابو الدرداء نے فرمایا:

اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں مجاہدین کے برابر کسی کو نہ گردانتا، یعنی اگر میں وصی ہوتا تو مجاہدین ہی پر مال خرچ کرتا، کیونکہ یہ وجوہ خیر میں سب سے اہم مصرف ہے، پھر حضرت ابوالدرداءؓ نے موقع کی مناسبت سے ایک حدیث سنائی: مَثَلُ الَّذِي يُعْتَقُ عِنْدَ الْمَوْتِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدَى إِذَا شَبِعَ: اس شخص کا حال جو موت کے وقت غلام آزاد کرتا ہے اس شخص جیسا ہے جو ہدیہ دیتا ہے جب شکم سیر ہو جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا سوال وجواب سے کوئی خاص تعلق نہیں، صرف موقع کی مناسبت سے یہ حدیث سنائی ہے، اور اگر کچھ مناسبت پیدا کرنی ہے تو وہ یہ ہے کہ تیرے بھائی کی یہ وصیت کوئی اہم کارنامہ نہیں، مگر ثواب بہر حال اس کو ملے گا، کیونکہ جو شکم سیر ہونے کے بعد بچا ہوا کھانا غریبوں کو دیتا ہے اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

[۷-] باب ماجاء في الرجل يتصدق أو يعتق عند الموت

[۲۱۲۳-] حدثنا بNDAR، نا عبد الرحمن بن مهدي، نا سفيان، عن أبي إسحاق، عن أبي حبيبة الطائي، قال: أوصى إلى أخى بطائفة من ماله، فلقيت أبا الدرداء، فقلت: إن أخى أوصى إلى بطائفة من ماله فأين ترى لي وضعه: في الفقراء، أو المساكين، أو المجاهدين في سبيل الله؟ قال: أما أنا فلو كنت لم أعبد بالمجاهدين، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "مثل الذي يعتق عند الموت كمثل الذي يهدي إذا شبع" هذا حديث حسن صحيح.

باب

ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (پہلا باب)

ہندوستانی نسخوں میں یہاں باب بلا ترجمہ ہے، اور مصری نسخہ میں حدیث بلا باب ہے، اور دونوں نسخوں میں یہ حدیث ابواب الوصایا سے بے جوڑ ہے، اس کا تعلق آگے ابواب الولاء والہبۃ سے ہے۔

ولاء ایک حق ہے جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام یا باندی پر حاصل ہوتا ہے، اور چونکہ وہ محض حق ہے اس لئے اس کا نہ بیچنا صحیح ہے نہ ہبہ کرنا، یہ حق آزاد کرنے والے ہی کے لئے ثابت ہوتا ہے، دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا، اور یہ حدیث ابواب البیوع (باب ۳۳ تحفۃ اللمعی ۱۷۹:۴) میں گزر چکی ہے۔

حدیث: حضرت عروہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتلایا کہ بریرہؓ آپنی کتابت میں حضرت عائشہؓ سے مدد چاہنے کے لئے، اور ابھی انھوں نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا، پس ان سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تو اپنے مالکان کے پاس واپس جا، اگر وہ پسند کریں کہ میں تیری طرف سے تیرا بدل کتابت

ادا کردوں، اور تیری میراث میرے لئے ہو تو میں ایسا کر سکتی ہوں، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اپنے مالکان کو بتائی تو انھوں نے انکار کیا اور انھوں نے کہا: اگر عائشہ چاہیں کہ تجھے لوجہ اللہ آزاد کریں اور تیری میراث ہمارے لئے ہو تو وہ ایسا کر سکتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی، پس آپؐ نے فرمایا: اِبْتَا عِي، فَأَعْتَقِي، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أُعْتِقَ: تم خرید لو، پھر آزاد کردو، ولاء اسی کے لئے ہوگی جو آزاد کرے گا، پھر نبی ﷺ نے تقریر فرمائی، اس میں ارشاد فرمایا: کیا بات ہے، کچھ لوگ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں یعنی شرعاً وہ جائز نہیں ہیں، جس نے کوئی بھی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو وہ شرط اس کے لئے نہیں، اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔

تشریح: اگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا کتابت کا معاملہ باقی رہتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کا تعاون کرتیں اور وہ اپنا بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوتیں تو ولاء ان کے مالکان کو ملتا، کیونکہ اس صورت میں آزاد کرنے والے وہ ہوتے، اور اگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا خود کو عاجز کر دیتیں اور کتابت کا معاملہ ختم ہو جاتا پھر حضرت عائشہؓ خریدتیں اور آزاد کرتیں تو ولاء حضرت عائشہؓ کے لئے ہوتا، کیونکہ آزاد کرنے والی آپؓ ہوتیں، نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو یہی مشورہ دیا کہ وہ خرید کر آزاد کر دیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر آپؐ نے تقریر میں مسئلہ واضح فرمایا۔

[۸-] بَابُ

[۲۱۲۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ تَسْتَعِينُ عَائِشَةَ فِي كِتَابَتِهَا، وَلَمْ تَكُنْ قَصَّتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا، فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: ارْجِعِي إِلَى أَهْلِكَ، فَإِنْ أَحْبَبُوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكَ كِتَابَتُكَ، وَيَكُونَ وَلَاءُكَ لِي: فَعَلْتُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ بَرِيرَةَ لِأَهْلِهَا، فَأَبَوْا، وَقَالُوا: إِنْ شَاءَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكَ، وَيَكُونَ لَنَا وَلَاؤُكَ: فَلْتَفْعَلْ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِبْتَا عِي فَأَعْتَقِي، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أُعْتِقَ" ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ مَنْ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلَيْسَ لَهُ، وَإِنْ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ عَائِشَةَ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أُعْتِقَ.

بسم الله الرحمن الرحيم

أبوابُ الْوَلَاءِ وَالْهَبَةِ .

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

ولاء اور بخشش کا بیان

جب کوئی آقا اپنے غلام یا باندی کو آزاد کرتا ہے تو ان کی میراث آزاد کرنے والے کو ملتی ہے، جبکہ ان کے ورثاء میں ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں، کیونکہ آزاد شدہ آزاد کرنے والے کے خاندان کا ایک فرد بن جاتا ہے، وہی اس کی نصرت و حمایت کرتے ہیں اس لئے جب نزدیک کے ورثاء نہ رہیں تو یہ آزاد کرنے والا پھر اس کا خاندان میراث کا حق دار ہوتا ہے، اسی کا نام ولاء ہے۔

اور ہبہ کے معنی ہیں: بخشش، یعنی بلا عوض کسی کو کوئی چیز دینا، ہبہ میں بھی ثواب ملتا ہے مگر وہ مقصود نہیں ہوتا۔ اور امام ترمذی نے دونوں کو ایک ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کہ ولاء بھی ایک طرح کا ہبہ ہے۔

بابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (دوسرا باب)

یہ حدیث پہلے (تحفة الألمعی ۴: ۱۸۰ حدیث ۱۲۳۱) گذر چکی ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہؓ کو خریدنے کا ارادہ کیا، ان کے مالکان نے ولاء کی شرط لگائی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ: ولاء اس شخص کے لئے ہے جس نے قیمت دی، یا فرمایا: لِمَنْ وَلِيَ النِّعْمَةَ: ولاء اس شخص کے لئے ہے جو نعمتِ عتق کا ذمہ دار ہوا یعنی جو آزاد کرتا ہے اسی کو ولاء ملتی ہے (تفصیل ابواب الوصایا کے آخری باب میں گذر چکی)

أبواب الولاء والهبة

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء أنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

[۲۱۲۵-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ، فَاشْتَرَطُوا الْوَلَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ" أَوْ: "لِمَنْ وَلِيَ النِّعْمَةَ"
وفى الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَبَتِهِ

ولاء بیچنا اور بخشش کرنا ممنوع ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ولاء بیچنے کی اور اس کو ہبہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔

تشریح: ولاء: میراث پانے کا ایک حق ہے، جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے پر حاصل ہوتا ہے، جب آزاد کردہ وفات پائے اور اس کے ذوی القروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو آزاد کرنے والا عصبہ نسبی بن کر میراث پاتا ہے۔ عرب اس حق کو بھی بیچتے، خریدتے اور بخشش کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی (تفصیل تحفۃ: ۴: ۱۱۴ باب ۱۲۰ أبواب البیوع میں گزر چکی)

[۲-] بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَبَتِهِ

[۲۱۲۶-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ، سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَبَتِهِ.
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، وَيُرْوَى عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: لَوِ دِدْتُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ دِينَارٍ حِينِ يُحَدِّثُ بِهَذَا الْحَدِيثِ: أَذِنَ لِي حَتَّى كُنْتُ أَقُومُ إِلَيْهِ، فَأَقْبِلُ رَأْسَهُ.

وَرَوَى يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ وَهْمٌ، وَهَمَّ فِيهِ يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، وَالصَّحِيحُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَتَفَرَّدَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ.

وضاحت: باب کی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عبد اللہ بن دینار ہی روایت کرتے ہیں، کسی اور نے یہ حدیث روایت نہیں کی، کتاب العلل (تحفة اللمعی ۱: ۱۶۵) میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے، چنانچہ امام شعبہؒ سے مروی ہے کہ میری خواہش تھی کہ عبد اللہ بن دینار جب یہ حدیث بیان کر رہے تھے تو اگر وہ مجھے اجازت دیتے کہ میں ان کی طرف کھڑا ہوتا پس ان کے ماتھے کو چوم لیتا (یہ بات امام شعبہؒ نے خوشی سے فرمائی ہے، کیونکہ عبد اللہ بن دینار نے یہ حدیث امت کے لئے محفوظ کی ہے، ان کے علاوہ اور کوئی یہ روایت نہیں کرتا) اور یحییٰ بن سلیم یہ روایت عبد اللہ عمری سے، وہ نافع سے، اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں مگر یہ سند صحیح نہیں، اس میں یحییٰ سے غلطی ہوئی ہے، صحیح سند یہ ہے کہ عبد اللہ عمری: عبد اللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ کے علاوہ عبد اللہ کے متعدد تلامذہ نے اسی طرح حدیث روایت کی ہے، غرض اس حدیث کے ساتھ عبد اللہ بن دینار متفرد ہیں، ابن عمر کا اور کوئی شاگرد یہ حدیث ان سے روایت نہیں کرتا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ، أَوْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ

غیر آقاؤں سے تعلق قائم کرنا اور غیر باپ کی طرف منسوب ہونا

دور اول میں جو شخص کسی کو آزاد کرتا تھا وہ آزاد کرنے والے کی طرف اور اس کے خاندان کی طرف منسوب ہوتا تھا، مگر کچھ آزاد شدہ غیر آقا سے تعلق قائم کر لیتے تھے، ان کو دوست بنا لیتے تھے، اور ان کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح کچھ لوگ اپنا غلط نسب بیان کرتے ہیں، باپ کی جگہ کسی اور کا نام لکھتے ہیں، یا اپنا خاندان بدل لیتے ہیں، مثلاً سید نہیں ہیں مگر اپنے کو سید ظاہر کرتے ہیں، یہ حرام ہے۔

حدیث: ابراہیم تیمی اور سلیمان تیمی کے والد یزید بن شریک بن طارق تیمی کوئی کہتے ہیں: ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز (تحریر) ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ ——— وہ صحیفہ جس میں دیت کے اونٹوں کی عمریں اور زخموں کی کچھ باتیں یعنی ان کی دیتیں ہیں ——— تو وہ یقیناً جھوٹ بولتا ہے (پہلے تحفة اللمعی ۴: ۳۴۲ و ۶۱۹ میں یہ

بات گذری ہے کہ شیعوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی تردید کی ہے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی تحریر نہیں صرف قرآن کریم ہمارے پاس ہے جو سبھی مسلمانوں کے پاس ہے، البتہ میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں کچھ احکام ہیں مگر وہ بھی عام ہیں، دیگر صحابہ بھی ان باتوں کو جانتے تھے)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صحیفہ میں یہ تین باتیں ہیں:

۱- نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ محترم ہے غیر پہاڑ سے شور پہاڑ تک، پس جو شخص اس حرم میں کوئی نئی بات (بدعت وغیرہ) پیدا کرے یا کسی نئی بات کو ٹھکانہ دے، اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول کرتے ہیں اور نہ کوئی فرض عبادت۔

۲- اور جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کے ساتھ تعلق قائم کیا تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی، اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اس کی طرف سے نہ کوئی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ کوئی نفل عبادت۔

۳- اور مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، اس کی کوشش کرتا ہے ان کا معمولی آدمی۔

تشریح:

۱- شور پہاڑ مکہ میں بھی ہے اور وہی مشہور ہے، اس لئے کچھ لوگوں کو اشکال ہوا کہ اس حدیث میں راویوں کو وہم ہوا ہے، مگر محققین کہتے ہیں: شور نامی پہاڑی مدینہ منورہ میں بھی ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کے حرم کی طرح مدینہ کا بھی حرم ہے، ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ محترم ہے وہاں شکار کرنا، ہری گھاس کا ٹٹا حرام ہے، پھر فقہاء میں اختلاف ہے کہ حرم مدینہ: حرم مکہ ہی کی طرح محترم ہے یا اس کا مرتبہ کچھ کم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک دونوں کا درجہ مختلف ہے، مدینہ منورہ کے حرم کا حال جمی (سرکاری چراگاہ) جیسا ہے، اور ائمہ ثلاثہ حرم مدینہ کو بالکل حرم مکہ کی طرح مانتے ہیں، مگر امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ شکار کی جزاء واجب نہیں کرتے، پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی حرم مدینہ کا درجہ کم ہے۔

۲- اور حدیث کے معنی ہیں: نئی بات، یعنی بدعت، اور محدث اگر دال کے زبر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بھی بدعت کے ہیں، اور اگر دال کے زیر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بدعتی کے ہیں..... جاننا چاہئے کہ ہر گناہ اور غلط بات ہر جگہ ناجائز ہے اور محترم اور پاک جگہ میں اس کی قباحت و شناعة اور بھی بڑھ جاتی ہے، جیسے کوئی سڑک پر پیڑی پیئے اور مسجد میں پیئے تو دونوں میں فرق ہے، مسجد میں پینا بہت برا ہے، اسی طرح حرم مدینہ میں بدعت ایجاد کرنا بہت برا ہے، اور کسی بدعتی کو حرم میں ٹھکانہ دینا یعنی اپنا مہمان بنانا بھی بہت برا ہے، کیونکہ جب بدعتی حرم میں آئے گا تو وہاں

اپنی بدعت پھیلائے گا۔

۳- اور صرف وعدل میں سے ایک کے معنی ہیں: نفل عبادت اور دوسرے کے معنی ہیں: فرض عبادت۔ پھر اختلاف ہے کہ کس لفظ کے معنی فرض عبادت کے ہیں اور کس لفظ کے معنی نفل عبادت کے؟ درحقیقت صرف کے معنی خرچ کرنے کے ہیں، یعنی وہ عبادت جو بندہ اپنی طرف سے پیش کرتا ہے، یعنی نفل عبادت، اور عدل کے معنی برابر کے ہیں، یعنی بندہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے جو بندگی ہے وہ بجالانا عدل ہے، پس اس سے مراد فرض عبادت ہے۔

۴- تَوَلَّى فُلَانًا کے معنی ہیں: کسی سے تعلق قائم کرنا، دوست بنانا۔ اور اَدَّعَى کے معنی ہیں: نسب بیان کرنا، اور آزاد شدہ کا تعلق آزاد کرنے والے کے ساتھ ہی اس لئے ضروری ہے کہ ولاء: نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے، پس غیر مُعْتَق سے تعلق قائم کرنا، غیر باپ کو باپ ظاہر کرنے کی طرح ہے، اس لئے یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔

۵- اور یہ حدیث پہلے (تحفة الأئمعی ۴: ۵۲۰ حدیث ۱۵۷۳) گزر چکی ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، ان کا معمولی آدمی اس کی کوشش کرتا ہے، یعنی معمولی آدمی بھی امان دے سکتا ہے، اور سب مسلمانوں پر اس کا پاس و لحاظ واجب ہے۔

[۳-] باب ماجاء فی مَنْ تَوَلَّى غَیْرَ مَوَالِیْهِ، اَوْ اَدَّعَى اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ

[۲۱۲۷-] حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَطَبَنَا عَلِيٌّ، فَقَالَ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرُوهُ، إِلَّا كِتَابَ اللَّهِ وَهَذِهِ الصَّحِيفَةُ: صَحِيفَةٌ فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ، وَأَشْيَاءٌ مِنَ الْجَرَاحَاتِ: فَقَدْ كَذَبَ.

وَقَالَ فِيهَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

[۱] الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ غَيْرِ إِلَى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.

[۲] وَمَنْ اَدَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِیْهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ.

[۳] وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَذْنَاهُمْ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ، وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَلِيٍّ.

وضاحت: اعمش کے اکثر تلامذہ اس حدیث کی سند وہ بیان کرتے ہیں جو باب کے شروع میں ہے یعنی: عن:

ابراہیم النبی، عن أبیه: اور امام شعبہ: ابراہیم تیمی اور حضرت علیؑ کے درمیان حارث بن سوید کا واسطہ لاتے ہیں، مگر محدثین کا خیال ہے کہ پہلی سند ہی اصح ہے۔

باب ماجاء فی الرجل ینتفی من ولده

اولاد کے نسب کا انکار کرنا

یہ اوپر والے باب کا برعکس باب ہے، اوپر والے باب میں یہ مسئلہ تھا کہ باپ سے ہٹ جانا اور غیر باپ کی طرف اپنے کو منسوب کرنا حرام ہے، اب یہ مسئلہ ہے کہ اپنی اولاد سے ہٹ جانا ان کے نسب کا انکار کرنا بھی حرام ہے، معمولی شبہ کی بنا پر اپنی اولاد کے نسب کا انکار کر دینا بھی حرام ہے۔

حدیث: قبیلہ فزارہ کا ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا (یہ بدو تھا) اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیوی نے کالا لڑکا جنا ہے (وہ خود گورا ہوگا، بچہ کالا پیدا ہوا تو اس کو شبہ ہوا کہ شاید بی نے گڑ بڑ کی ہے، اس لئے اس نے بچہ کا انکار کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں اس نے حضور اقدس ﷺ سے مشورہ کیا) نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: ”تیرے پاس اونٹ ہیں؟“ اس نے کہا: ہاں، آپ نے پوچھا: ”ان کے رب کیا ہیں؟“ اس نے کہا: سرخ، آپ نے پوچھا: ”کیا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے؟“ اس نے کہا: ہاں، ان میں خاکستری بھی ہیں، آپ نے پوچھا: ”یہ رنگ اونٹوں میں کہاں سے آیا؟“ اس نے کہا: شاید کسی رگ نے اس کو کھینچا ہو (یعنی نسل میں اوپر کوئی خاکستری اونٹ رہا ہو، جس کا اثر نیچے ظاہر ہوا) آپ نے فرمایا: فہذا لعل عرقاً نزعہ، پس یہ بھی شاید کسی رگ نے اس کو کھینچا ہو (یعنی تیرے خاندان میں اوپر کوئی باپ گندی رنگ کا رہا ہوگا جس کا اثر تیرے لڑکے میں ظاہر ہوا) غرض نبی ﷺ نے اس کو لڑکے کی نفی کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ یہ معمولی شبہ ہے، اور بے دلیل گمان ہے اور اگلے باب میں یہ حدیث آرہی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ گورے تھے اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ گندی تھے، اس وجہ سے لوگ ان کے نسب میں شک کرتے تھے، مگر ایک قیافہ شناس نے صرف پیر دیکھ کر ایک کو دوسرے کا جزء قرار دیا، معلوم ہوا کہ رنگ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، عورت حمل کے زمانہ میں جو کھاتی، پیتی اور دیکھتی ہے اس کا بھی بچہ کے رنگ پر اثر پڑتا ہے، اور خاندان میں اوپر کوئی شخص ہوتا ہے جس کا رنگ نسل میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح ہم شکل ہونا بھی ضروری نہیں، یہ دیکھ کر کہ بچہ میری شکل کا نہیں یا میرے خاندان کے مشابہ نہیں: بچہ کی نفی کرنا بھی جائز نہیں۔ غرض دلیل قوی کے بغیر اولاد کا انکار نہیں کرنا چاہئے، ایک حدیث میں ہے کہ اولاد تو تیری طرف ٹٹکتی باندھ کر دیکھ رہی ہے اور تو اس سے ہٹا جا رہا ہے! ہمیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا!

[۴-] باب ماجاء في الرَّجُلِ يَنْتَفِي مِنْ وَلَدِهِ

[۲۱۲۸-] حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ الْعَطَّارُ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، قَالَا: نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ فَزَارَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدًا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَمَا أَلَوْنُهَا؟" قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: "فَهَلْ فِيهَا أَوْرَقٌ؟" قَالَ: نَعَمْ، إِنَّ فِيهَا لَوْرَقًا، قَالَ: "أَتَاهَا ذَلِكَ؟" قَالَ: لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهَا، قَالَ: "فَهَذَا لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

نعت: اَنْتَفَى يَنْتَفَى: دور ہونا، ہٹنا، کہا جاتا ہے: نَفَاهُ فَاَنْتَفَى: اسے ہٹایا تو وہ ہٹ گیا..... اُورَق: وہ اونٹ جس کا رنگ سفید سیاہی مائل ہو۔

بابُ ماجاء في القَافَةِ

قیافہ شناسوں کا بیان

القَافَةُ: القَافَةُ کی جمع ہے یعنی قیافہ شناس، قیافہ: ایک علم ہے جس کے ذریعہ خدوخال اور علامات سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں کا بیٹا یا بھائی ہے، اسی طرح اعضاء کو دیکھ کر آدمی کے باطنی اخلاق بھی معلوم کئے جاتے ہیں، اسی طرح پیروں کے نشان دیکھ کر چور کو پہچانا جاتا ہے، مگر یہ سب ظنی باتیں ہیں۔

ائمہ ثلاثہ نسب میں قیافہ کا اعتبار کرتے ہیں، اور احناف اعتبار نہیں کرتے، مثلاً ایک مشترک باندی ہے، اس کے بچہ ہوا اس کے دونوں آقا دعویٰ کرتے ہیں کہ بچہ میرا ہے کیونکہ دونوں نے اس باندی سے صحبت کی ہے (مشترک باندی سے کسی کے لئے بھی صحبت کرنا جائز نہیں) اسی طرح کسی عورت سے شوہر کے علاوہ نے شبہ کی وجہ سے یعنی بیوی سمجھ کر صحبت کی، پھر اولاد میں شوہر میں اور اس شخص میں اختلاف ہوا تو ائمہ ثلاثہ قیافہ کی مدد سے نسب کا فیصلہ کرتے ہیں۔

اور احناف کہتے ہیں: شریعت نے نسب کے لئے قطعی ضابطہ مقرر کر دیا ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر: یعنی نسب شوہر ہی سے ثابت ہوگا اور زانی کے لئے سنگ ہے یعنی نامرادی ہے، پس جس نے بیوی سمجھ کر صحبت کی ہے اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا، اور جہاں دو شخص صاحب فراش ہوں جیسے کسی باندی سے دو آقاؤں نے صحبت کی تو بچہ دونوں کا ہوگا، بچہ دونوں کی میراث پائے گا، اور وہ دونوں ایک باپ کی میراث پائیں گے۔

اور یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ باب میں جو حدیث ہے وہ قیافہ شناسی کی اعتباریت کی دلیل ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ اس کو دلیل مانتے ہیں اور احناف کے نزدیک وہ دلیل نہیں ہے (تفصیل حدیث کے بعد آئے گی)
 حدیث: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے وہ گورے تھے، اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے محبوب تھے، وہ گندمی رنگ کے تھے، اس لئے لوگ ان کے نسب میں شبہ کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ ان کے پاس خوش خوش آئے، آپ کے چہرے کی لکیریں چمک رہی تھیں، آپ نے فرمایا: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ مُجَزَّز نے ابھی زید اور اسامہ کو دیکھا پس اس نے کہا: هذه الأقدام بعضها من بعض: یہ پیر باپ بیٹے کے ہیں۔

یہ امام لیث کی روایت ہے، اور سفیان بن عیینہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ مجز زید اور اسامہ کے پاس سے گذر اور انحالیکہ دونوں نے اپنے سر چھپا رکھے تھے، اور دونوں کے پیر نظر آرہے تھے، تو اس نے مذکورہ بات کہی۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا خوش ہونا دلیل ہے کہ مجز کی بات صحیح ہے اور قیافہ معتبر ہے، پس اس سے نسب ثابت ہو سکتا ہے، اور احناف کہتے ہیں: آپ کا خوش ہونا اس وجہ سے تھا کہ اب لوگوں کی چہ میگوئیاں بند ہو جائیں گی، ورنہ نسب تو پہلے سے ثابت تھا، غرض اس حدیث سے قیافہ شناسی کی اعتباریت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، اور اتنی بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ علم قطعی نہیں، پس اس علم کی بنیاد پر چور کو مشخص کر کے اس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں، اسی طرح اس علم کی بنیاد پر کسی کے اچھے برے اخلاق کا فیصلہ کرنا بھی درست نہیں، پھر نسب جیسی اہم بات کا اس ظنی علم کی بنیاد پر کیسے فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

[۵-] باب ماجاء فی القافۃ

[۲۱۲۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُورًا، تَبَرَّقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ: "أَلَمْ تَرَيَ أَنَّ مُجَزَّزًا نَظَرَ آفَئًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: هَذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ"
 هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَزَادَ فِيهِ: "أَلَمْ تَرَيَ أَنَّ مُجَزَّزًا مَرَّ عَلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، وَقَدْ غَطَّيَا رُؤُوسَهُمَا، وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ" هَكَذَا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.
 وَقَدْ احْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِهَذَا الْحَدِيثِ فِي إِقَامَةِ أَمْرِ الْقَافَةِ.

لغات: أَسَارِيرُ: ہتھیلی، پیشانی اور چہرے کی لکیریں، اس کا واحد أَسْرَارُ ہے، اور مادہ: س، ر، ہ ہے۔ أَلَمٌ تَرَىٰ میں نون نسوة محذوف ہے۔۔۔۔۔ مجرز (پہلے مشددز کے زیر اور زبر کے ساتھ) ایک قیافہ شناس کا نام ہے، یہ قبیلہ مدح لُح کا تھا، اس قبیلہ کے لوگ قیافہ شناسی میں مشہور تھے، لوگ ان کی باتوں کو حجت سمجھتے تھے۔۔۔۔۔ اور آخر میں ہکذا حدثنا سے امام ترمذی نے ابن عیینہ کی سند کو موصول کیا ہے۔۔۔۔۔ اور آخری جملہ کا ترجمہ ہے: بعض اہل علم نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے قیافہ شناسوں کے معاملہ کو برپا کرنے میں، یعنی ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے قیافہ شناسوں کے قول سے نسب ثابت کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَثِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهَدِيَّةِ

ہدیہ دینے لینے کی ترغیب

تحفہ کی اسی جلد میں ابواب البر والصلة باب ۳۴ میں ہدیہ قبول کرنے کا تذکرہ آچکا ہے۔
حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تَهَادَوْا، فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ: باہم ہدیے دو، اس لئے کہ ہدیہ سینہ کے کینہ کو دور کرتا ہے، وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً لِّجَارَتِهَا، وَلَوْ شِقَّ فَرْسِنٍ شَاةٍ: اور ہرگز معمولی نہ سمجھے کوئی پڑوسن (کسی ہدیہ کو) اپنی پڑوسن کے لئے، چاہے وہ بکری کا کھر ہو۔
تشریح: تَهَادَوْا: تَهَادَى، تَهَادَى سے فعل امر ہے، اور بمعنی مُهَادَاةٌ ہے، یعنی ایک دوسرے کو ہدیہ دینا، اور وَحَرَ (بفتح الحاء و سکونھا) کے معنی ہیں: کینہ، غیظ و غضب، دشمنی، انتہائی غصہ، اور لِّجَارَتِهَا: محذوف سے متعلق ہے، اِی: لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً هَدِيَّةً مُهَادَاةً لِّجَارَتِهَا: اور فَرْسِنٍ: (بکسر السین) اونٹ کا کھریا پیر، یہاں مراد بکری کا کھر ہے۔
ہدیہ کا لین دین دلوں کی کدورت کو دور کرتا ہے، اور میل ملاپ اور محبت پیدا کرتا ہے، اور اس کا تعلق تجربہ سے ہے، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہدیہ میں کوئی بڑی اور اہم چیز دینا ضروری نہیں جو بھی چیز میسر ہو ہدیہ میں دی جاسکتی ہے، مثلاً کسی عورت کے پاس بکری کے کھر ہی ہوں تو وہ اپنے پڑوسی کو ہدیہ دے، اور پہلے یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ عرب میں کھر سینک کر رکھ لیتے تھے، پھر اس کا سالن پکاتے تھے۔

[۶-] بَابُ مَا جَاءَ فِي حَثِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهَدِيَّةِ

[۲۱۳۰-] حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ، نَا أَبُو مَعْشَرٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "تَهَادَوْا، فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ؛ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً لِّجَارَتِهَا، وَلَوْ شِقَّ فَرْسِنٍ شَاةٍ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَأَبُو مَعْشَرٍ: اسْمُهُ نَجِيعٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قَبْلِ حَفْظِهِ.

وضاحت: اس حدیث کی سند میں ابو معشر کج مولیٰ بنی ہاشم ہے جس کو حدیثیں ٹھیک یاد نہیں تھیں، وہ سعید مقبری سے روایت کرتا ہے، پھر سعید براہ راست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ صحیح سند یہ ہے کہ سعید مقبری اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، بخاری کی سند میں عن ابیہ کا اضافہ ہے (بخاری حدیث ۲۵۶۶ کتاب الہبۃ) اس لئے یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّجُوعِ فِي الْهَبَةِ

ہبہ کر کے واپس لینا مکروہ ہے

یہ حدیث اور یہ باب أبواب البیوع (باب ۶۱، تحفہ: ۲۲۲) میں گذر چکا ہے، پوری تفصیل وہاں ہے۔ حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کا حال جو عطیہ دیتا ہے پھر اس کو واپس لے لیتا ہے اس کتے جیسا ہے جس نے کھایا یہاں تک کہ جب شکم سیر ہو گیا تو قی کر دی، پھر لوٹا، پس اس نے اپنی قی ہی کھالی (کتے کو جب کوئی مردار ملتا ہے تو بے تحاشہ کھاتا ہے یہاں تک کہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے پس وہ قی کر کے خود کو ہلکا کر لیتا ہے، پھر جب اس کو کھانا نہیں ملتا اور خوب بھوکا ہوتا ہے اور اپنی قی پر گذرتا ہے تو اس کو کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے، پس کسی بھی مسلمان کو اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی عطیہ دے، پھر اسے واپس لے لے، مگر باپ نے بیٹے کو جو عطیہ دیا ہے وہ اس کو واپس لے سکتا ہے (پھر وہی حدیث ہے جو اوپر گذری) تشریح: احناف کے نزدیک سات موانع ہیں، اگر ان میں سے کوئی مانع موجود ہو تو رجوع نہیں ہو سکتا، اور اگر ساتوں موانع موجود نہ ہوں تو تراضی طرفین سے یا قضاء قاضی سے رجوع ہو سکتا ہے، مگر رجوع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر باپ نے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو وہ واپس لے سکتا ہے، باپ کے علاوہ کسی بھی شخص کے لئے موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں، نہ قضاء نہ دیانہ، اور امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حنفیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں لَا يَحِلُّ سے استثناء ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کو کچھ دے کر واپس لے تو یہ رجوع جائز ہے، کیونکہ باپ بیٹوں میں ایسا ہوتا ہے، یہ واپس لینا سرپرست ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے، اس میں ادنیٰ کراہیت نہیں، غرض اس حدیث میں رجوع کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ لَا تَحِلُّ سے استثناء ہے کہ باپ کا واپس لینا جائز ہے (تفصیل أبواب البیوع میں گذر چکی ہے)

[۷-] باب ماجاء فی کراهیة الرجوع فی الهبة

[۲۱۳۱-] حدثنا أحمد بن منيع، نا إسحاق بن يوسف الأزرق، نا حسين المكتب، عن عمرو بن شعيب، عن طاووس عن ابن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "مثل الذي يعطي العطية، ثم يرجع فيها، كالكلب أكل حتى إذا شبع قاء، ثم عاد فرجع في قيئه"
وفي الباب: عن ابن عباس وعبد الله بن عمرو.

[۲۱۳۲-] حدثنا محمد بن بشر، نا ابن أبي عدي، عن حسين المعلم، عن عمرو بن شعيب، قال: حدثني طاووس، عن ابن عمر، وابن عباس، يرفعان الحديث، قال: "لا يحل لرجل أن يعطي عطية، ثم يرجع فيها، إلا الوالد فيما يعطي ولده، ومثل الذي يعطي العطية ثم يرجع فيها، كمثل الكلب أكل حتى إذا شبع قاء، ثم عاد في قيئه"
هذا حديث حسن صحيح، قال الشافعي: لا يحل لمن وهب هبة أن يرجع فيها إلا الوالد، فله أن يرجع فيما أعطى ولده، واحتج بهذا الحديث.

﴿تم الولاء والهبة﴾

وضاحت: پہلی حدیث کا ایک راوی حسین بن زکوان المعلم، المكتب ہے یہ بصرہ کے رہنے والے اور ثقہ ہیں، اور المكتب: الإکتاب سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں: لکھنا سکھانے والا، یہ معلم (استاذ) تھے جو بچوں کو لکھنا سکھاتے تھے اس لئے ان کا یہ لقب ہو گیا تھا۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَبْوَابُ الْقَدَرِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

تقدير کا بیان

قَدَرَ (ض، ن) قَدَرًا وَقَدَرًا (بفتح الدال وسكونها) اور قَدَّرَ تَقْدِيرًا کے معنی ہیں: فیصلہ کرنا، حکم لگانا، کہا جاتا ہے: قَدَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْأَمْرَ: اور قَدَّرَ لَهُ الْأَمْرَ: اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کسی امر کا فیصلہ فرمایا، کوئی چیز اس کے لئے تجویز کی، اور شریعت کی اصطلاح میں تقدیر نام ہے قضاء (فیصلہ) کا، یعنی کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے جو پلاننگ کی ہے اس کا نام ”تقدیر الہی“ ہے، عربی میں عام طور پر لفظ قَدَر مستعمل ہے اور اردو میں تقدیر، مطلب دونوں کا ایک ہے۔

قضاء و قدر میں فرق:

قضاء و قدر در حقیقت ایک ہیں مگر کبھی دونوں میں فرق کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حکم ازلی قضاء ہے اور اس کا وقوع قدر ہے، پس قضاء قدر سے سابق ہے مگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے، تقدیر پلاننگ کا نام ہے، اور قضاء اس کے وقوع کا نام ہے، مثلاً جب کوئی مکان بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اجمالی نقشہ ذہن میں قائم کر لیتے ہیں یہ قدر ہے، پھر اس اجمالی نقشہ کے مطابق مکان تیار کرتے ہیں یہ موجود فی الخارج مکان بمنزلہ قضاء ہے، آگے رضابہ قضاء کا باب آ رہا ہے، اس سے بھی یہی فرق سمجھ میں آتا ہے کہ جو کچھ واقع ہو یعنی جب تقدیر کا ظہور ہو تو بندے کو اس پر راضی رہنا چاہئے، یہ بات دونوں میں فرق کی طرف اور تقدیر کے سابق اور قضاء کے لاحق ہونے کی طرف مشیر ہے، مگر یہ کوئی اہم فرق نہیں، برائے نام فرق ہے اس لئے دونوں کو ایک کہنا بھی درست ہے۔

بھلی بری تقدیر کا مطلب:

حدیث جبریل میں ایمانیات میں تُوْمِنُ بِالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرُّهُ آيَاہ یعنی مومن ہونے کے لئے تقدیر پر ایمان

ضروری ہے اور اس کے بھلے برے ہونے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، اور ابن ماجہ کے مقدمہ میں بالاقدر کلمہ: خیرھا وشرھا، خلوها ومورها۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام طے کردہ باتوں پر، خواہ وہ بھلی ہوں یا بری، میٹھی ہوں یا کڑوی، ایمان لانا ضروری ہے، ان حدیثوں میں ضمیروں کا مرجع قدر اور اقدار ہیں، اور تقدیر الہی کا بھلا برا اور میٹھا کڑوا ہونا انسانوں کے اعتبار سے، ہے ورنہ اللہ کی پلاننگ کے اعتبار سے ہر چیز بھلی ہے پس بھلی بری تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ طے کردہ باتیں انسانوں کے لئے مفید ہوں یا مضر، میٹھی ہوں یا کڑوی، یعنی اچھی لگیں یا بری سب پر ایمان لانا ضروری ہے، جیسے گھی کے بارے میں تجویز الہی یہ ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ مہلک ہے، اسی طرح ایمان اور اعمال صالحہ کے بارے میں طے ہے کہ وہ جنت میں لے جانے والے اعمال ہیں، اور کفر و معاصی جہنم میں لے جانے والے ہیں، یعنی اول انسان کے لئے مفید اور ثانی مضر اعمال ہیں، اسی طرح بچہ کا زندہ رہنا انسان کو پسند ہے اور مر جانا نا پسند ہے، بہر حال یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تقدیر الہی کا قائل بھی ہے اور اس کا پابند بھی ہے، لوگ بڑی قیمت دے کر گھی خریدتے ہیں، اور استعمال کرتے ہیں، اور زہر کے پاس کوئی نہیں پھٹکتا، اور کسی کو اس معاملہ میں تقدیر الہی پر اعتراض نہیں، مگر جب ایمان و اعمال صالحہ اور کفر و اعمال طالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان باتیں چھانٹتا ہے اور جب اس کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو جزع فزع کی حد کر دیتا ہے، یہ تقدیر پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۶۶۱) خلاصہ: یہ ہے کہ لوگ ”بھلی بری تقدیر“ کا مطلب: نفس الامر کے اعتبار سے بھلی بری تقدیر یعنی فی نفسہ بھلی بری تقدیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اس اعتبار سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کوئی برا نہیں کارخانہ خداوندی میں۔ بلکہ مراد انسان کے تعلق سے بھلا برا ہونا ہے یعنی انسان کے لئے مفید اور غیر مفید ہونا ہے، اور اس کو کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تسلیم کرتا ہے اور مفید باتیں حاصل کرنے کی اور مضر باتوں سے بچنے کی سعی کرتا ہے۔ پس اعمال و واقعات میں بھی یہ بات مان لینی چاہئے اور یہی بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے۔

تقدیر کا دائرہ:

کائنات خواہ ارضی ہو یا سماوی، اس کا کوئی ذرہ اور اس کا کوئی حال تقدیر کے دائرہ سے باہر نہیں، اور تقدیر صرف اجمالی نہیں، بلکہ تفصیلی ہے، یعنی تقدیر میں صرف مسببات و معلولات ہی نہیں بلکہ ان کے اسباب و علل بھی ہیں، ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم (دکھ درد میں) کرواتے ہیں، اور وہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز (اور بچاؤ کی تدبیریں) جن کو ہم اپناتے ہیں کیا یہ چیزیں قضاء و قدر کو نال سکتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ”یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں“ یعنی ہم جن مقاصد کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں

اور اس سلسلہ میں جن اسباب کو اختیار کرتے ہیں وہ سب اللہ کی تقدیر کے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی، اور وہ فلاں جھاڑ پھونک یا فلان دواء کرے گا جس سے وہ اچھا ہو جائے گا۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ (ناقابل) ہونا اور ہوشیار ہونا“ (رواہ مسلم) یعنی آدمی کی صفات: قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، اور عقل مندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں پس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ سب اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہے۔ اسی طرح مکلف مخلوقات کے جملہ احوال بھی قضاء و قدر کے دائرہ میں ہیں، یعنی یہ طے کر دیا گیا ہے کہ جن و انس ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوقات ہوں گی اور ان میں سے فلاں فلاں اپنے کسب و اختیار سے یہ عمل کر کے جنت میں جائیں گے اور اتنے افراد یہ عمل کر کے جہنم میں جائیں گے، اور دیگر مخلوقات کے لئے جزوی اختیار نہیں ہوگا، اس لئے وہ پاداش عمل کے قانون سے مستثنیٰ ہوں گی۔ غرض سب احوال اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ تقدیر الہی میں طے شدہ ہیں۔

تقدیر کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں، وہ جو چاہیں کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں، اور وہ اپنے چاہنے میں کسی کے پابند نہیں، وہ اپنی مشیت میں ہر طرح آزاد ہیں، مگر یہ ان کا مخلوقات پر فضل و کرم ہے، اور انسان کے لئے جس کو خلافت ارضی سونپی گئی ہے ضروری بھی ہے کہ انھوں نے اپنی مشیت کو آزاد اور بے قید نہیں رکھا، بلکہ ہر چیز کو تقدیر الہی سے وابستہ کر دیا ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات طے شدہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو انسان بڑی الجھنوں میں پڑ جاتا، اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا کہ وہ کیا کھائے، اور کیا نہ کھائے، کیونکہ نتیجہ معلوم نہیں، اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کے کیا آثار پیدا کریں گے، کیونکہ آثار و نتائج طے شدہ نہیں، اس طرح وہ اندھیرے میں رہتا کہ وہ کونسی زندگی اپنائے، جس سے مولیٰ خوش ہو، اور کیسی زندگی اپنانے سے احتراز کرے کہ مولیٰ ناخوش نہ ہو، وہ ہمیشہ شش و پنج میں مبتلا رہتا، کوئی فیصلہ نہ کر پاتا، کیونکہ کوئی بات طے شدہ نہیں، اور اب جبکہ ساری باتیں طے کر دی گئیں ہیں انسان ہر چیز کے متعلق آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے، عقل کی روشنی یا معمولی راہ نمائی بھی اس کے لئے کافی ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کے بارے میں عقل سے کام لینے کی اور اس میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر زندگی اور کائنات کے لئے کوئی قانون اور نظام ہی نہ ہوتا، اور یہ سب کچھ بے قید مشیت ایزدی کی کرشمہ سازی ہوتی، تو پھر ان میں غور و فکر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر کوئی غور و فکر کرتا بھی تو اس کا حاصل کیا ہوتا؟! (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۶۶۲)

تقدیر کا مسئلہ آسان ہے:

اور تقدیر کا مسئلہ آسان ہے، اس میں کچھ پیچیدگی نہیں، یہ مسئلہ نصاریٰ کی تثلیث کی طرح نہیں ہے جس کا راز آج

تک کوئی نہیں پاسکا، نہ آئندہ پاسکے گا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمانیات میں شامل ہے، تقدیر پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا، اور ایمان کا مکلف ہر عاقل و بالغ ہے، اور سب لوگوں کی عقلیں یکساں نہیں، پس کوئی ایسا مسئلہ ایمانیات میں کیسے شامل کیا جاسکتا ہے جو ہر ایک کے لئے قابل فہم نہ ہو، ورنہ بعض لوگوں کے حق میں تکلیف والا ایطاق لازم آئے گی، جو باطل ہے، پس لامحالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ تقدیر کا مسئلہ ہر کس و ناکس کے لئے قابل فہم ہے، کیونکہ یہ کوئی دقیق مسئلہ نہیں، اور حدیث شریف میں جو تقدیر کے باب میں تنازع کی ممانعت آئی ہے، اور اس معاملہ میں تنازع کی وجہ سے امم سابقہ کے ہلاک ہونے کا ذکر آیا ہے، اس میں تنازع سے بحث و مباحثہ مراد ہے، اور قضاء و قدر میں بحث ممنوع اس لئے ہے کہ یہ خدا کی صفات میں بحث ہے، کیونکہ قضاء و قدر اللہ کی صفات ہیں، اور صفات میں بحث: ذات میں غور و فکر ہے، اور خالق میں غور کرنے کی ممانعت ہے۔

اور سابقہ امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد ان کی گمراہی ہے، قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے، اس لئے آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت در آئیں جب انھوں نے اس مسئلہ کو بحث کا موضوع بنایا — اور تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے (معارف الحدیث: ۱۷۵)

تقدیر کا مسئلہ مشکل کیوں بن گیا ہے؟

اور تقدیر کا مسئلہ دو وجہ سے مشکل بن گیا ہے:

پہلی وجہ: یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ درحقیقت صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے، اور صفات الہیہ کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، ان کی تمام حقیقت سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں، صفات کے باب میں ایک حد پر پہنچ کر رک جانا پڑتا ہے، اسی طرح تقدیر کے مسئلہ میں بھی ایک حد پر رکنا ضروری ہے، مگر لوگ رکتے نہیں، وہ سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بات صفات کے تعلق سے ممکن نہیں، یہی بات درج ذیل حدیث میں سمجھائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے“ (بس تقدیر کا مسئلہ اتنا ہی ہے) صحابہ نے عرض کیا: پس کیا ہم اس نوشتہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں؟ اور عمل چھوڑ نہ دیں؟! (یہ تقدیر کے مسئلہ پر اٹھنے والا سوال ہے) آپؐ نے فرمایا: ”عمل کئے جاؤ، ہر ایک کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، نیک بخت کو نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور بد بخت کو بد بختی کے کاموں کی، اور دلیل میں آپؐ نے سورۃ اللیل کی آیات (۵-۱۰) پڑھیں (مشکوٰۃ حدیث: ۸۵)

اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کے سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ ان کو عمل میں لگایا ہے، کیونکہ قضاء و قدر کے مسئلہ کو جس حد تک آپؐ نے بیان فرمایا ہے اسی حد تک سمجھا جاسکتا ہے، اس سے آگے کی بات سمجھنے کی کوشش

نہیں کرنی چاہئے، اس حد پر رک جانا ضروری ہے، تمام صفات خداوندی کا یہی معاملہ ہے۔

یہی بات کہ تقدیر کا مسئلہ صفات الہیہ کا مسئلہ کیسے ہے؟ یہ بات اس سے واضح ہے کہ عرف میں قضاء و قدر ایک ساتھ بولتے ہیں، یہ دو مترادف لفظوں کا عطف تفسیری کے ساتھ استعمال ہے، اور ”قضاء“ کا صفت الہی ہونا قرآن کریم میں بیسیوں جگہ مصرح ہے، مثلاً: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل ۲۳) اور سورۃ الاحزاب آیت ۳۸ میں ہے: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا﴾ (اور اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہے) ان آیات سے قضاء و قدر کا صفت الہی ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

دوسری وجہ: ہماری صفات مفہوم کے اعتبار سے ہماری ذات سے زائد (مغائر) ہیں اور وجود کے اعتبار سے متحد، اسی طرح ہماری متعدد صفات اپنے مفہام کے اعتبار سے جدا جدا ہیں مگر سب ذات کے وجود میں شامل ہیں، یعنی صفات: ذات کے ساتھ مل کر ایک اکائی بناتی ہیں، یہی حال بلا تشبیہ ذات رب اور صفات الہیہ کا ہے، اور ہر صفت کا اپنا ایک دائرہ ہے جیسے صفت سمع کا دائرہ الگ ہے، اور صفت بصر کا الگ، مگر کبھی ایک صفت کے دوسری صفت پر اثرات پڑتے ہیں، اگر ان سب باتوں کو باریک بینی سے ملحوظ نہ رکھا جائے تو حقائق بھی میں دشواری پیش آئے گی، مثلاً خداوند قدوس کے تعلق سے اگر تقدیر معلق کا قائل ہو جائے تو شمول علم کے مسئلہ پر اس کا اثر پڑے گا، یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کا علم عام و تام نہیں، حالانکہ شمول علم کے مسئلہ میں آج تک کسی فرقہ نے اختلاف نہیں کیا، اسی طرح بندوں کو ان کے اختیاری اعمال میں مختار کل مانا جائے تو عموم قدرت کے مسئلہ پر اثر پڑے گا، ماننا پڑے گا کہ کچھ چیزیں اللہ کے اختیار میں نہیں، بندوں کے اختیار میں ہیں، تو بہ ایسی حماقت بھری بات کون مان سکتا ہے!

اسی طرح لوگ قضاء و قدر کے مسئلہ کو شمول علم کے مسئلہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ہے تو ویسا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ کا علم غلط نہیں ہو سکتا، پھر بندے باختیار کیسے ہوئے؟ وہ تو مجبور محض ہو گئے! حالانکہ سوچنے کا انداز یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر ازل میں سب چیزوں کو طے شدہ نہیں مانیں گے تو شمول علم کی بات غلط ہو کر رہ جائے گی، جب کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کا علم محیط ہے تو ضروری ہے کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہو، ورنہ اللہ کو ان کا علم کیسے ہوگا؟ غرض صفات کے دائرے الگ الگ ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اور ایک صفت کے دوسری صفت پر پڑنے والے اثرات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے تقدیر کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے تین اہم فائدے:

پہلا فائدہ: تقدیر پر ایمان کے ذریعہ آدمی اس ہم آہنگ نظم و انتظام کو سمجھ سکتا ہے جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا

ہے، وہ جان لے گا کہ تمام کائنات ایک منظم و متحد قانون کی پابند ہے، کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے برتاؤ میں پوری طرح یگانگت ہے، سرمو تفاوت نہیں۔

دوسرا فائدہ: جس شخص کا تقدیر الہی پر ٹھیک ٹھیک ایمان ہوگا اور وہ جانتا ہوگا کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات فیصل ہو چکی ہے، اس کی نگاہ اللہ کی قدرت کاملہ کی طرف اٹھی رہے گی، وہ دنیا و مافیہا کو خدا کا پرتو سمجھے گا، وہ جان لے گا کہ ہر چیز قضاء و قدر سے ہے حتیٰ کہ اختیاری اعمال میں بھی بندوں کو جو اختیار حاصل ہے وہ اللہ کی دین ہے، انھوں نے ہی ازل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکلف مخلوقات کو ایک جزوی اختیار حاصل ہو، اسی فیصلے کی وجہ سے بندے مختار ہیں، اور بندوں کا حال اس معاملہ میں ایسا ہے جیسا آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا ہے کہ وہ ذی صورت کا پرتو اور ظل ہے، اسی طرح بندوں کو اختیار بھی خالق ارض و سماء کی طرف سے ملا ہے، اور جب بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھے گا اور خود کو ”مردہ بدست زندہ“ سمجھے گا تو وہ ہر معاملہ میں مطمئن رہے گا، کسی معاملہ میں اس کو کوئی غیر معمولی پریشانی لاحق نہیں ہوگی، وہ ہر حالت کو اللہ کی طرف سے سمجھے گا ﴿قُلْ: كُلُّ مَنْ عِنْدَ اللَّهِ، فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾ (النساء: ۷۸) ترجمہ: آپ فرمادیتے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے۔

تیسرا فائدہ: جس طرح دیدار خداوندی آخرت میں نصیب ہوگا مگر اس کی تیاری نمازوں کی پابندی کے ذریعہ اسی دنیا میں کرنی ہے، اسی طرح تقدیر پر ایمان آدمی میں رفتہ رفتہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ وہ خدا کی یکساں اور اہم آہنگ تدبیر و وحدانی کو سمجھ سکے، گو کہ اس کا انکشاف تام آخرت میں ہوگا، مگر اس کی صلاحیت ابھی سے پیدا کرنی ہے، اور وہ تقدیر پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ: ۱: ۶۶۳-۶۶۶)

تقدیر کے ساتھ تدبیر ضروری ہے:

جاننا چاہئے کہ تقدیر پر ایمان لانا معرفت خداوندی کے لئے ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تمام صفات کے ساتھ پہچاننا ضروری ہے، اور اللہ کی صفات میں قضاء و قدر بھی ہیں، مگر تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ معرفت خودی بھی ضروری ہے، یعنی اپنا مقام و مرتبہ پہچاننا بھی ضروری ہے، کیونکہ ہم بندے ہیں، بندگی ہمارا وصف خاص ہے، پس اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر: معرفت خداوندی کے لئے ضروری ہے اور اپنی جانب سے تقدیر پر نظر: معرفت خودی کے لئے ضروری ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق بنایا ہے، پس ہمیں اپنے اختیار سے اپنے لئے مفید کام کرنے چاہئیں، اور اپنے اختیار سے اپنے لئے مضر کاموں سے بچنا چاہئے، تاکہ آخرت میں ہمارے لئے جو مفید گھر ہے یعنی جنت وہ ہمیں ملے، اور جو مضر جگہ ہے یعنی جہنم اس سے ہم بچ جائیں،

آگے قضاء و قدر کی جو روایات آرہی ہیں ان کو پڑھتے وقت یہ نکتہ خاص طور پر پیش نظر رہنا چاہئے، جب نبی ﷺ نے تقدیر کا مسئلہ سمجھایا تو صحابہ کو اشکال پیش آیا یہ اشکال ان کو اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا، نبی ﷺ نے ان کی نظر اس طرف پھیری کہ ہم بندوں کو اپنی جانب سے تقدیر کو دیکھنا چاہئے، یہی تدبیر ہے، فرمایا: اعملوا فكل ميسر لما خلق له: اپنے اختیار سے اچھے عمل کرو، ہر انسان کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے یعنی دوسرے عمل کا وہ تصور ہی نہیں کر سکتا۔

تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے:

اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر تقدیر مبرم اور ملزم ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ لازم کرنے والا ہے، جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے یعنی اس طے شدہ امر سے حوادث کا تخلف نہیں ہو سکتا، اور تقدیر: معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ”والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر بڑھاتا ہے، اور جھوٹ روزی گھٹاتا ہے، اور دعا فیصلہ خداوندی کو پھیر دیتی ہے“ یہ باتیں معلق صرف بندوں کے علم اور ظہور حوادث کے اعتبار سے ہیں، علم الہی کے تعلق سے ہر شی طے شدہ ہے، ازل سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہونا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ طالب علم اگر محنت کرے گا تو امتحان میں کامیاب ہوگا، اور کھیلے گا تو فیل ہوگا، یہ بات صرف بندوں کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے اعتبار سے نہیں، ان کو ازل سے وہ پہلو معلوم ہے جو ظہور پذیر ہونے والا ہے، بلکہ وہ پہلو انہی کا طے کیا ہوا ہے، ورنہ علم الہی کا ناقص ہونا لازم آئے گا کیونکہ ماننا پڑے گا کہ کچھ باتیں ان کو ازل میں متعین طور پر معلوم نہیں تھیں توبہ! توبہ!!

اور اس سے جبر اس لئے لازم نہیں آتا کہ علم: معلوم سے متزع ہوتا ہے یعنی معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم کبھی علم کے تابع نہیں ہوتا، جیسے تاج محل کا واقعی علم وہ ہے جو تاج محل سے حاصل ہو، تاج محل کبھی ہمارے تصور کے تابع نہیں ہو سکتا، بس فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے، اکتسابی نہیں، اس لئے وہ معلومات کے محتاج نہیں، وہ لازمال میں جو کچھ رونما ہونے والا ہے: اس کو ازل سے بغیر معلومات کے جانتے ہیں اور چونکہ ان کا علم واقعہ کے مطابق ہے اس لئے وہ جو کچھ جانتے ہیں وہی ہوگا، ورنہ ان کا علم غلط ہو جائے گا، مگر قاعدہ وہی رہے گا کہ علم: معلوم سے حاصل ہوتا ہے یعنی علم معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا اس لئے جبر لازم نہیں آئے گا۔

خلاصہ کلام:

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ قدر و تقدیر کے معنی ہیں: اندازہ کرنا، اسکیم بنانا اور پلاننگ کرنا، جس طرح آدمی حویلی بناتا ہے تو پہلے نقشہ بناتا ہے، پھر اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے علم ازلی میں اس عالم

کے لئے پلاننگ کی ہے، جس میں انسان کا مکلف ہونا بھی شامل ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے جزوی اختیار دیا ہے، اور وہ اپنے اختیار سے کیا کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، کائنات کا کوئی ذرہ ان سے مخفی نہیں، اور یہ معرفت خداوندی کا پہلو ہے اور اس اعتبار سے تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ معرفت خداوندی ناقص رہ جائے گی۔

اور معرفت خودی کے نقطہ نظر سے اس طرح سوچنا چاہئے کہ ہم بندے ہیں اور مجبور بندے نہیں ہیں، بلکہ جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہیں، پس ہم بہ اختیار خود اچھا بھی کر سکتے ہیں اور برا بھی، پس ہمیں اچھے کاموں کی سعی کرنی چاہئے اور برے کاموں سے بچنا چاہئے، یہ اپنی جانب سے تقدیر الہی پر غور کرنے کا طریقہ ہے، نبی ﷺ نے صحابہ کو اسی کی تعلیم دی ہے، یہی تقدیر کے ساتھ تدبیر ہے، اور دنیوی امور کی حد تک ہر شخص تدبیر کی ضرورت کا قائل ہے، ہر شخص ہاتھ پیر ہلاتا ہے تاکہ روزی روٹی ملے، اشکال صرف ایمان و کفر اور اعمال صالحہ و سیئہ میں پیش آتا ہے، یہ ٹھیک نہیں، اس میں بھی تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر ضروری ہے یعنی اپنے اختیار تمیزی سے ایمان لانا اور نیک کام کرنا ضروری ہے، تاکہ ہم جنت سے ہم کنار ہوں۔ واللہ الموفق۔

مثالوں سے مزید وضاحت:

بعض مسائل ذو چہتین ہوتے ہیں، اور دونوں جہتوں کے احکام الگ ہوتے ہیں، وہاں اگر فرق مراتب نہ کیا جائے تو مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے، مثلاً:

۱- حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، حتیٰ کہ نبی ﷺ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے، بلکہ اللہ کے فضل و کرم کی وجہ سے جائیں گے..... یہاں بھی سوال پیدا ہوگا کہ پھر عمل سے کیا فائدہ؟ نیز قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں کہ ایمان و اعمال صالحہ جنت میں لے جائیں گے اور کفر و اعمال سیئہ جہنم میں پہنچائیں گے، پس پہلی حدیث ان تصریحات کے خلاف ہے!

اس کا جواب یہی ہے کہ پہلی حدیث میں جو بات ہے وہ عقیدہ ہے۔ اور قرآن و حدیث کی تصریحات میں اسباب کا بیان ہے، جو برائے عمل ہیں، کیونکہ اسباب محض اسباب ہوتے ہیں، مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہیں، پس جس طرح کھانے پینے سے شکم سیری اور سیرابی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ شکم سیر اور سیراب کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، مگر شکم سیری اور سیرابی کے لئے اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں، کیونکہ وہ برائے عمل ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ رزاق ہیں، قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، مگر یہ عقیدہ ہے، برائے عمل یہ بات نہیں ہے، عمل

کے لئے وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے روزی کے لئے پیدا کئے ہیں، چنانچہ ہر شخص روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے، اور جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہتا ہے وہ بے وقوف ہے، یہاں بھی مسئلہ کی دو جانبیں ہیں: ایک: اللہ کی جانب ہے اور وہ صرف عقیدہ ہے۔ اور دوسری: عمل کی جانب ہے اور وہ اسباب کو اختیار کرنا ہے۔

اسی طرح تقدیر کے مسئلہ کی بھی دو جانبیں ہیں: ایک: اللہ کی جانب ہے کہ سب کچھ ازل سے طے شدہ ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ جانتے بھی، مگر یہ صرف عقیدہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے۔ اور دوسری: بندوں کی جانب ہے، جو عمل کی جانب ہے یعنی ہم کو یہ حکم ہے کہ اپنے اختیار تمیزی سے اچھے کام کریں تاکہ اچھے انجام سے ہم کنار ہوں۔ کیونکہ یہ دنیا دار الاسباب ہے، یہاں ہر چیز کا سبب ہے، جس سے مسببات وجود میں آتے ہیں، اور تقدیر الہی میں صرف مسببات نہیں، بلکہ اسباب بھی ہیں، اور کائنات کو برتنے کی حد تک ہر شخص اس کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہے، پس کیوں نہ ایمان و اعمال صالحہ اور کفر اور اعمال سیئہ میں بھی یہ بات تسلیم کر لی جائے؟ یعنی جو جنت میں جائے گا وہ اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ بھی اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا، اور تقدیر الہی اسباب و مسببات کے مجموعہ کا نام ہے، تقدیر میں صرف مسببات ہی نہیں ہیں، اسباب بھی ہیں، اور اسباب اختیار کرنا یہ عمل کی جانب ہے اور اسی اعتبار سے تقدیر معلق ہے، امید ہے کہ اس سے مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی، مزید تفصیل احادیث کی شرح میں آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ التَّشْدِيدِ فِي الْخَوْضِ فِي الْقَدْرِ

تقدیر میں بحث و تکرار کی سخت ممانعت

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم تقدیر میں جھگڑ رہے تھے، پس آپؐ اس حد تک غضبناک ہوئے کہ رخ انور سرخ ہو گیا، گویا آپؐ کے دونوں رخساروں میں انار نچوڑ دیئے گئے ہیں، پس آپؐ نے فرمایا: ”کیا اسی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا اسی کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟ وہ لوگ جو تم سے پہلے ہوئے وہ اسی وقت ہلاک ہوئے جب انھوں نے اس معاملہ میں جھگڑا شروع کیا، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تقدیر میں مت جھگڑو“

تشریح: ممانعت تقدیر کے باب میں سوال کرنے کی نہیں ہے، تقدیر کا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے صحابہ نے بھی سوال کیا ہے۔ بلکہ ممانعت تقدیر کے مسئلہ میں الجھنے کی ہے اور اس کی پوری حقیقت جاننے کی کوشش کرنے کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت دوسری صفت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ صفت قضاء و قدر: صفت شمول علم کے ساتھ، اور صفت قدرت: صفت مشیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور ان دوسری صفات کی وجہ سے

جب مسئلہ الجھ جاتا ہے تو اس کو حل کرنا ہر شخص کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے عام لوگ اگر تقدیر میں بحث شروع کریں گے تو گمراہی کا اندیشہ ہے، پچھلی امتیں اسی مسئلہ میں بحثیں کر کے گمراہ ہوئی ہیں، اور اس امت میں بھی فکری گمراہی تقدیر کے مسئلہ ہی سے شروع ہوئی ہے، کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے کہا: الْأَمْرُ أَنْفٌ: معاملہ اچھوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا، نہ رونما ہونے والے واقعات کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے، بلکہ جب زید چلتا ہوا گرتا ہے تو لوگوں کو بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ گرا اور اسی وقت اللہ کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گرا، توبہ! اور انسان اپنے اعمال اختیار یہ کا خود خالق ہے اس لئے وہ مکلف ہے اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، یہ فرقہ خود کو قدریہ کہتا ہے، حالانکہ وہ لا قدریہ ہے، یعنی تقدیر کا منکر ہے، جیسے غیر مقلدین خود کو غیر مقلد کہتے ہیں حالانکہ وہ تقلید میں مقلدین سے بھی آگے ہیں، اسی طرح یہ لوگ منکر تقدیر ہو کر بھی خود کو قدری کہتے ہیں، اسی کو کہتے ہیں: برعکس نہند نام زنگی کا فور!

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہے اور جو طے ہے وہ ہو کر رہے گا اور انسان بے بس ہے، اینٹ پتھر کی طرح ہے کہ جہاں چاہا ہوا ٹھا کر رکھ دو، اس لئے ایمان و کفر اور اعمال صالحہ و سیدہ یکساں ہیں، یہ فرقہ جبریہ کہلاتا ہے اور یہ بھی گمراہ فرقہ ہے، کیونکہ جب انسان کا کوئی اختیار نہ رہا تو جزاء و سزا کیسی؟ حالانکہ انسان خود میں اور جانوروں میں بدیہی طور پر فرق کرتا ہے، جانوروں کو کوئی ان کے افعال کا ذمہ دار نہیں گردانتا اور انسان کو ہر سمجھ دار اس کے اختیاری فعل کا ذمہ دار سمجھتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مجبور محض نہیں۔

بلکہ معاملہ بین بین ہے اور ہر بات تفصیلی طور پر طے ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ جانتے بھی ہیں، اور اسباب و مسببات کے دائرہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اچھوتا نہیں، بلکہ طے شدہ امر ہے، اور تکلیف و مجازات کی بنیاد انسان کا کسب و اکتساب ہے، یعنی اس کو جو جزوی اختیار دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے برے کام کرتا ہے اسی کی بنیاد پر مجازات ہوگی۔

اور تقدیر میں خوض کرنے (گھسنے) کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ تقدیر کے مسئلہ کو عقل کے دائرہ میں لانا اور اس کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرنا اور کوئی محقق اور واضح مرتبہ جبر و قدر کے درمیان ثابت کرنا جس سے ہر شخص بات سمجھ جائے اور فرق واضح ہو جائے: تقریباً ناممکن ہے اور تقدیر کی حقیقت کا انکشاف تقریباً محال ہے اس لئے اس میں غور و خوض کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی جبری ہو جاتا ہے یا قدری، پس ہر شخص کو چاہئے کہ تقدیر پر ایمان لائے، نصوص میں جو کچھ آیا ہے اس کو تسلیم کرے، اگرچہ اس کی حقیقت نہ جان سکے، اور اگلے لوگوں نے جب تقدیر میں بحث و تکرار شروع کی تو ان میں فکری گمراہی رونما ہوئی اور وہ جادہ مستقیم سے ہٹ گئے اس لئے نبی ﷺ نے اس امت کو سختی سے تقدیر کے مسئلہ میں الجھنے سے منع فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَبْوَابُ الْقَدَرِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء من التَّشْدِيدِ فِي الْخَوْضِ فِي الْقَدَرِ

[۲۱۳۳-] حدثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ، نَا صَالِحُ الْمُرِّي، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ، فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، حَتَّى كَأَنَّمَا فُقِيَ فِي وَجَنَتَيْهِ الرَّمَانُ، فَقَالَ: "أَبْهَذَا أُمِرْتُمْ؟ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هَذَا الْأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَنَازَعُوا فِيهِ"

وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ صَالِحِ الْمُرِّي، وَصَالِحِ الْمُرِّي: لَهُ غَرَائِبُ يَتَفَرَّدُ بِهَا.

وضاحت: اس حدیث کا ایک راوی صالح بن بشیر مری البو بشر بصری: غیر صالح (ضعیف) ہے اس کی روایتیں عجیب و غریب ہوتی ہیں، اور ان کا وہی راوی ہوتا ہے، مگر اس حدیث کے چونکہ شواہد ہیں، باب میں تین روایتوں کا حوالہ ہے اور ان کے علاوہ بھی تین روایتیں ہیں اس لئے حدیث کا مضمون صحیح ہے، اور تقدیر میں منازعت ممنوع ہے۔

باب [فی حِجَاجِ آدَمَ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَام]

آدم وموسى عليهما السلام میں ایک مناظرہ

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: آدم وموسى عليهما السلام میں مناظرہ ہوا، پس موسى عليه السلام نے کہا: اے آدم! آپ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ہے، اور آپ میں اپنی خاص روح پھونکی ہے، آپ نے لوگوں کو بے راہ کر دیا اور ان کو جنت سے نکال دیا، نبی ﷺ نے فرمایا: پس آدم عليه السلام نے جواب دیا: آپ وہ موسى ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا ہے، کیا آپ مجھے ایک ایسے عمل پر ملامت کرتے ہیں جس کو میں نے کیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر لکھ دیا ہے آسمان وزمین پیدا کرنے سے پہلے؟ نبی ﷺ نے

فرمایا: پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے، یعنی موسیٰ علیہ السلام لا جواب ہو گئے۔
تشریح:

۱- یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، مسلم میں مفصل اور بخاری میں اختصار کے ساتھ پانچ جگہ ہے، علاوہ ازیں ابوداؤد (حدیث ۴۷۰۱) میں بھی ہے، اور مصری نسخہ میں حسن کے ساتھ صحیح بھی ہے۔ پس امام ترمذی کی بحث اس معین سند کے بارے میں ہے کہ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی؟ سلیمان تیمی: حضرت ابو ہریرہؓ تک سند پہنچاتے ہیں اور اعمش کے دیگر تلامذہ بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں، اور اعمش کے بعض تلامذہ حضرت ابوسعید خدریؓ تک سند پہنچاتے ہیں، مگر چونکہ یہ حدیث اس سند کے علاوہ دیگر اسانید سے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، اس لئے امام ترمذی کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے۔

۲- یہ مناظرہ کہاں ہوا؟ مسلم شریف کی روایت میں عند ربہما ہے یعنی یہ مناظرہ عالم ارواح میں بارگاہ خداوندی میں ہوا، جہاں حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ارواح جمع ہوئی تھیں۔

۳- نوشتہ تقدیر کو تاہی کا عذر تو نہیں بن سکتا مگر اس کے ذریعہ الزام رفع کیا جاسکتا ہے، چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور عتاب خداوندی نازل ہوا تو آپ نے فوراً توبہ کی، تقدیر کا عذر پیش نہیں کیا، مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو الزام دیا تو آپ نے اپنی لغزش کا وہ پہلو سامنے رکھا جو نوشتہ تقدیر تھا، جس کے مطابق واقعات کا رونما ہونا ضروری تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام لا جواب ہو گئے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش میں دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: وہ ہے جس کا تعلق خاص حضرت آدم علیہ السلام کی ذات سے ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب تک آپ نے شجرہ ممنوعہ نہیں کھایا تھا جنت کی سب نعمتیں حاصل تھیں، اس وقت آپ کی حالت فرشتوں جیسی تھی، کوئی کلفت پیش نہیں آتی تھی، پھر جب آپ نے درخت کھالیا تو صورت حال بدل گئی، اس پہلو سے درخت کا کھانا ایک ایسا گناہ تھا جس سے استغفار ضروری تھا، چنانچہ آپ نے استغفار کیا جو بارگاہ خداوندی میں قبول ہوا۔

اور دوسرا پہلو: وہ ہے جس کا تعلق نظام عالم سے ہے جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے کر دیا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق آدم کی غرض نوع انسانی کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا ہے، اور ایک ایسی مخلوق وجود میں لانا ہے جس میں خیر و شر کی صلاحیتیں جمع ہوں، جن کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا جائے، اس پہلو سے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ کھانا اللہ کی مراد کے مطابق اور ان کی حکمت کے موافق تھا۔

اور جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو یہ دوسرا پہلو ان سے مخفی تھا، پہلا ہی پہلو پیش نظر تھا اس لئے آپ پر عتاب نازل ہوا اور آپ نے استغفار کیا، جس کا مداوا کیا گیا، پھر جب وفات کے بعد آپ بارگاہ خداوندی

میں منتقل ہوئے تو واقعہ کا یہ دوسرا پہلو واضح ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واقعہ کے پہلے پہلو سے اعتراض کیا تھا مگر جب ان کے سامنے معاملہ کا یہ دوسرا پہلو آیا تو وہ خاموش ہو گئے، اور بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔

فائدہ: ابواب القدر کی تمہید میں میں نے یہ بات عرض کی ہے کہ بندوں کو تقدیر کا معاملہ اپنی جانب سے دیکھنا چاہئے، یعنی اپنے اختیار اور اسباب و مسببات کے دائرہ میں سوچنا چاہئے، تقدیر الہی کی جانب سے نہیں دیکھنا چاہئے، ہاں جب معاملات کھل جائیں تو جس طرح چاہیں سوچیں، حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جب ان سے لغزش ہوئی تھی تو معاملہ کو اسی طرح سوچا تھا اور توبہ کی تھی، کیونکہ بندے کی بندگی کے لائق یہی طریقہ ہے، پھر جب معاملہ کلیہ ہو گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے دوسرے انداز سے گفتگو کی۔

اور اس کی نظیر یہ ہے کہ تقدیر پر تکیہ نہیں کرنا چاہئے، معاملات کو اسباب کے دائرہ میں لانا چاہئے، اور اچھائی کے اسباب اختیار کرنے چاہئیں اور برائی کے اسباب سے بچنا چاہئے، پھر جب معاملہ ایک طرف ہو جائے تو تقدیر پر اعتماد کرنا چاہئے، مثلاً کسی کا لاڈ لایچہ بیمار پڑے تو وہ ہر طرح سے علاج معالجہ کرائے، تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے، مگر جب بچہ فوت ہو جائے تو رضابہ قضاء کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، اب آدمی کو یہ سوچنا چاہئے کہ جو مقدر تھا وہ ہوا اور اسی میں میرے لئے خیر تھی، یہ تقدیر پر ایمان کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

نوٹ: ہندی نسخوں میں باب بلا ترجمہ ہے اور مصری نسخہ میں ترجمہ بھی ہے جو بڑھایا گیا ہے۔

[۲-] باب [فی حجاج آدم و موسی علیہما السلام]

[۲۱۳۴-] حدثنا يحيى بن حبيب بن عريبي، نا المَعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، نا أَبِي، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى، فَقَالَ مُوسَى: يَا آدَمُ أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، أَغَوَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ؟" قَالَ: فَقَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِكَلَامِهِ، أَتَلُوْمَنِي عَلَى عَمَلٍ عَمِلْتُهُ: كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ قَالَ: فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى

وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَجُنْدُبٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ النَّبِيِّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُ أَصْحَابِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ

بدبختی اور نیک بختی کا بیان

حدیث (۱): حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتلائیے جو کام ہم کرتے ہیں وہ نئے ہیں یا طے شدہ؟ آپؐ نے فرمایا: اے عمر! وہ طے شدہ ہیں، اور ہر ایک آسان کیا ہوا ہے: اگر وہ نیک بختوں میں سے ہے تو وہ نیک بختی والے کام کرتا ہے، اور اگر وہ بدبختوں میں سے ہے تو وہ بدبختی والے کام کرتا ہے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقدیر کا مسئلہ پوچھا تھا کہ جو واقعات پیش آتے ہیں اور جو کام ہم کرتے ہیں وہ پہلے سے طے شدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو جانتے ہیں، یا معاملہ اچھوتا ہے یعنی اس کے بارے میں پہلے سے کچھ طے نہیں، نہ اللہ تعالیٰ کو ان کا کوئی علم ہے، آپؐ نے فرمایا: تقدیر الہی میں ہر چیز طے شدہ ہے، مگر بندوں کو تقدیر کی جہت سے نہیں سوچنا چاہئے، اگر وہ اس جہت سے سوچیں گے تو فوراً سوال پیدا ہوگا کہ پھر عمل سے کیا فائدہ؟ اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: بندوں کو معاملات اپنی جہت سے دیکھنے چاہئیں، کیونکہ جو نیک کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اللہ اس کو توفیق دیتے ہیں اور اس کے کاموں کی تخلیق کرتے ہیں، اور جو برے کام کرتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے۔ اور دنیوی امور کی حد تک ہر شخص اسی طرح سوچتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اگر وہ ہاتھ پیر ہلائے گا تو روٹی ملے گی، اشکال صرف اعمالِ صالحہ اور سیئہ میں ہوتا ہے، حالانکہ ان اعمال کو بھی دنیوی امور ہی کی طرح سوچنا چاہئے، کیونکہ تقدیر اجمالی نہیں ہے، بلکہ تفصیلی ہے کہ فلاں بندہ اپنے اختیار سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اور اسی پر اس کی موت آئے گی اور وہ نیک بندوں کے زمرے میں شامل ہوگا اور دوسرا اس کے برعکس ہوگا، پس ہر ایک کو اچھے کام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور برے کاموں سے بچنا چاہئے۔

بہ الفاظ دیگر: تقدیر مبرم صرف اللہ کی جانب سے ہے، بندوں کی طرف سے معلق ہے، یعنی مسببات: اسباب کے تابع ہیں، اور بندے کے اختیاری اعمال میں کسب بھی منجملہ اسباب ہے، اور اس پر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

حدیث (۲): حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے، آپؐ زمین کرید رہے تھے، اچانک آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا: ”تم میں سے کوئی نہیں مگر اس کا دوزخ کا ٹھکانہ اور اس کا جنت کا ٹھکانہ جانا گیا ہے (اور کوچہ کہتے ہیں: لکھا گیا ہے) صحابہ نے عرض کیا: پس کیا ہم تکیہ نہ کریں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: لا، اَعْمَلُوا فِكْلًا مُبَسَّرًا لِّمَا خَلَقَ لَهُ: نہیں بلکہ عمل کرو، یعنی اپنے اختیار کو استعمال کرو اور اچھے کام کرو، کیونکہ ہر شخص اس ٹھکانہ کے لئے آسان کیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی پہلے آپؐ نے اللہ کی جانب سے تقدیر کا مسئلہ سمجھایا ہے کہ ازل سے ہر معاملہ طے

ہے، پھر جب اس پر سوال پیدا ہوا تو آپؐ نے لوگوں کی توجہ دوسری طرف پھیری کہ ہمیں تقدیر کا معاملہ اپنی طرف سے تقدیر معلق کی طرح دیکھنا چاہئے، کیونکہ جب دنیوی معاملات میں ہر شخص ایسا کرتا ہے تو ایمان و عمل کے معاملہ میں ایسا کیوں نہ کرے؟!

[۳-] بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ

[۲۱۳۵-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ مَا نَعْمَلُ فِيهِ: أَمْرٌ مُبْتَدَعٌ أَوْ مُبْتَدَأٌ، أَوْ فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ؟ قَالَ: "فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ، يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! وَكُلُّ مُبَسَّرٍ: أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ، فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلْسَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ"

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ، وَأَنَسٍ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۱۳۶-] أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلَوَانِيُّ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، وَوَكَيْعٌ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ، إِذْ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ قَالَ: "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ عَلِمَ - قَالَ وَكَيْعٌ: إِلَّا قَدْ كُتِبَ - مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ، وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ" قَالُوا: أَفَلَا نَتَكَلَّمُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "لَا، اْعْمَلُوا، فَكُلُّ مُبَسَّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: مُبْتَدَعٌ اور مُبْتَدَأُ کے ایک معنی ہیں: دونوں اسم مفعول ہیں، اول: ابْتَدَعَ سے ہے جس کے معنی ہیں: نئی چیز جاری کرنا، ایجاد کرنا، اور دوسرا ابْتَدَأُ الشَّيْءُ سے ہے جس کے معنی ہیں: شروع کرنا (اور ایک تیسرا لفظ ہے الْأَنْفُ: جدید، تازہ، اچھوتا یعنی جسے ابھی تک استعمال نہ کیا گیا ہو) راوی کو شک ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کونسا لفظ استعمال کیا تھا..... ما قَدْ فُرِغَ مِنْهُ: وہ کام جس سے نمٹا جا چکا ہے..... الشَّقَاءُ اور الشَّقَاوَةُ: دونوں کے معنی ہیں بد بختی..... اور دوسری حدیث میں جو واقعہ ہے وہ قبرستان کا ہے، نبی ﷺ کسی میت کی تدفین کے لئے تشریف لے گئے ہیں، اور صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں اور دست مبارک میں چھڑی ہے جس سے زمین کرید رہے ہیں۔

بابُ ماجاء أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالْخَوَاتِيمِ

اخروی انجام آخری اعمال کے مطابق ہوگا

زندگی میں نشیب و فراز آتے ہیں، آدمی گمراہ ہوتا ہے پھر ایمان لاتا ہے، اور مؤمن ہوتا ہے پھر گمراہ ہو جاتا ہے، پس آخرت میں فیصلہ کس طرح ہوگا؟ اول زندگی کا اعتبار ہوگا یا آخر کا یا مجموعہ کا یا خیر و شر میں سے جو غالب ہوگا اس کا اعتبار ہوگا؟ احادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آخری زندگی کا اعتبار ہوگا، وہ جیسی ہوگی اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے جو صادق (سچے) اور مصدوق (تصدیق کئے ہوئے) ہیں فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش جمع کی جاتی ہے اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن میں، یعنی اس مدت میں نطفہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی، حرارت کی وجہ سے بس معمولی تغیر ہوتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں جما ہوا خون ہوتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے، اور وہ چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے، وہ اس کی روزی، اس کی مدت عمر، اس کا عمل اور بد بخت یا نیک بخت ہونا لکھتا ہے، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک جنتیوں والے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، یعنی موت کے قریب تک ایمان و عمل صالح میں مشغول رہتا ہے، پھر اس پر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے پس اس کے لئے زندگی ختم کی جاتی ہے دوزخ والوں کے عمل کے ساتھ، پس وہ دوزخ میں جاتا ہے، اور تم میں سے ایک آدمی دوزخ والوں کے کام کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے پس اس کے لئے اختتام کیا جاتا ہے جنتیوں کے عمل کے ساتھ پس وہ جنت میں جاتا ہے۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں مراحل تخلیق کا جو تذکرہ آیا ہے وہ اگلے مضمون کی تمہید ہے، یعنی جب اس میں فرشتہ روح پھونکتا ہے تو وہ چار باتیں لکھتا ہے، یہ تقدیر الہی کے پانچ مظاہر میں سے چوتھا مرحلہ ہے، جس کی تفصیل باب ۱۶ میں آرہی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان مراحل کو تفصیل سے بیان کیا ہے (دیکھیں: رحمۃ اللہ: ۶۷۴) اور فرشتہ کا یہ نوشتہ ایسا قطعی اور اٹل ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخی لکھا گیا ہے بسا اوقات ایک مدت تک جنتیوں جیسی پاک بازانہ زندگی گذارتا ہے، پھر اچانک اس کے رویہ میں تبدیلی آ جاتی ہے اور وہ دوزخ میں لے جانے والے برے اعمال کرنے لگتا ہے اور اسی حالت میں مر کر دوزخ میں پہنچ جاتا ہے، وقس علیہ الآخر۔

۲- اور اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بد اعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا فیصلہ نہیں

کرنا چاہئے، کیونکہ معلوم نہیں زندگی کے باقی حصہ میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے، اسی طرح آج اعمال خیر کی توفیق مل رہی ہے تو اس پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ برابر حسن عمل کے لئے فکر مند اور کوشاں رہنا چاہئے۔

[۴-] بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالْخَوَاتِيمِ

[۲۱۳۷-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: ثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: "إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ، فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عِلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ، فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤَمِّرُ بِأَرْبَعٍ: يَكْتُبُ رِزْقَهُ، وَأَجَلَهُ، وَعَمَلَهُ، وَشَقِي أَوْ سَعِيدٌ، فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ! إِنْ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمَرُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنْ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمَرُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، نَا الْأَعْمَشِ، نَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: ثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ.

وفی الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ، يَقُولُ: مَا رَأَيْتُ بِعَيْنِي مِثْلَ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ، عَنِ الْأَعْمَشِ نَحْوَهُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، نَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ نَحْوَهُ.

وضاحت: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس کی دوسری سند میں ایک راوی ہیں: یحییٰ بن سعید قطان، ان کے بارے میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھوں نے یحییٰ جیسا آدمی نہیں دیکھا..... صادق کے معنی ہیں: سچ کہنے والا اور مصدوق کے دو معنی ہیں: ایک: تصدیق کیا ہوا، یعنی لوگوں نے جن کی تصدیق کی ہو دوسرے: جن کو سچی باتیں بتائی گئیں، صدق کے یہ معنی بھی آتے ہیں، یعنی آپ کے پاس جو وحی آتی ہے وہ سچی ہوتی ہے، شیطانی نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَأَبَوَاهُ يَهُودَانِهِ، وَيُنَصِّرَانِهِ، وَيُشْرِكَانِهِ: ہر

بچہ ملت (فطرت اسلامی) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا ہندو بنا دیتے ہیں، پوچھا گیا: یارسول اللہ! پس جو شخص اس سے پہلے مر گیا؟ یعنی بالغ ہونے سے پہلے مر گیا، اور اس کے ماں باپ نے اس کو ابھی تک یہودی، عیسائی یا ہندو نہیں بنایا اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ اعلم بما کانوا عاملین بہ: وہ جو کچھ کرنے والے تھے اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔

تشریح:

۱- کسی حدیث میں ملے ہے، کسی میں فطرۃ اور کسی میں اسلام وغیرہ، اور سب کی مراد ایک ہے یعنی ہر بچہ اسلام کی استعداد پر پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان اس دنیا میں نیا پیدا نہیں ہوتا، اس دنیا میں اس کا صرف جسم بنتا ہے، کیونکہ یہ عالم اجساد ہے، اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا ہو چکی ہے، اور تمام روحوں عالم ارواح میں موجود ہیں، وہاں سے وہ روح شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہے، سورۃ الاعراف کی آیت ۷۲ ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ، أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوا بَلَىٰ، شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾ ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں، تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

یہ عہد الست اور عالم دُڑ کا واقعہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی گئی، جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا، یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان سے پوچھا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں؟“ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں، یہ مضمون مسند احمد (۲: ۲۷۲) اور مستدرک حاکم (۲: ۵۴۴) میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحوں اصلاہ میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے: الأرواحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ: عالم ارواح میں روحوں خاص ترتیب سے جیسے فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں، پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لا کر فرشتہ پھونکتا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۱۱۶) الغرض معرفت خداوندی اور ربوبیت ربانی کا علم ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد انسان کو اس عہد کی تفصیلات بھول گیا ہے، مگر اصل استعداد موجود ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آڑے وقت میں انسان کو اللہ یاد آتا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ معرفت اس کی فطرت میں ہے۔

پس اگر کوئی مانع پیش نہ آئے تو بچہ اسی فطرت پر بڑا ہوتا ہے، مگر کبھی عوارض پیش آتے ہیں، بچہ جن ہاتھوں میں

اور جس ماحول میں پلتا بڑھتا ہے وہ ماحول اس کو بگاڑ دیتا ہے، اس وقت وہ فطری علم جہالت سے بدل جاتا ہے، جیسے ہر جانور صحیح سالم پیدا ہوتا ہے پھر لوگ پہچان کے لئے بکریوں کے کان کاٹتے ہیں، مگر کوئی بکری کان کٹی پیدا نہیں ہوتی، اسی طرح ہر انسانی بچہ فطرت اسلامی پر جنماتا ہے پھر بعد میں اس کو گمراہ کر دیا جاتا ہے، اور فطرت کی یہ تفسیر ابوداؤد کی روایت (حدیث ۴۷۱۶ کتاب السنۃ باب ۱۹) میں ہے۔ حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: هَذَا عِنْدَنَا حَيْثُ أَخَذَ اللَّهُ الْعَهْدَ عَلَيْهِمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ حَيْثُ قَالَ: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا: بَلَىٰ أَيْهَ لَيْعَنِي كُلُّ مَوْلُودٍ يُؤَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ هَمَارَے نزدیک باپیں طور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے عہد و پیمان لیا ہے، جب ان کو اصلا بآباء سے نکالا تھا جس کا تذکرہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوا بَلَىٰ میں ہے۔

۲- اور یہ جو نابالغ بچوں کے بارے میں فرمایا کہ ”وہ جو کچھ کرنے والے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں“ یہ نابالغ بچوں کے حکم میں توقف پر دلالت کرتا ہے اور احکام شرعیہ میں توقف کی وجہ صرف یہی نہیں ہوتی کہ اس کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی، بلکہ توقف کی وجہ بھی ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نابالغ بچوں کا حکم دو طرح کا ہے، دنیوی اور اخروی:

۱- نابالغ بچوں کا دنیوی حکم یہ ہے کہ وہ خیر الابوین کے تابع ہوتے ہیں: اگر ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو بچہ بھی مسلمان تصور کیا جائے گا، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور اس کی میراث مسلمان ورثاء کو ملے گی، اور اگر بچہ کے والدین غیر مسلم ہیں تو اس کو مسلمان تصور نہیں کیا جائے گا۔

۲- اور نابالغ بچوں کا اخروی حکم یہ ہے کہ جو بچہ نابالغ ہونے کی حالت میں مر گیا اگر وہ مسلمان کا بچہ ہے تو اس کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ وہ جنتی ہوگا، اور اطفال مشرکین کے بارے میں اختلاف ہے، پانچ چھ قول ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) وہ دوزخی ہونگے، یہ مذہب بنی البطلان ہے کیونکہ سلف کا اجماع ہے کہ عمل بد کے بغیر عذاب نہیں ہوتا۔
(ب) وہ اعراف میں ہونگے، وہاں ان کو نہ عذاب ہوگا نہ راحت پہنچے گی، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔

(ج) ان کا آخرت میں امتحان ہوگا جیسے اصحاب فترت اور پاگلوں کا امتحان ہوگا جو کامیاب ہونگے جنت میں جائیں گے اور جو ناکام ہونگے جہنم میں جائیں گے، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ آخرت دار جزاء ہے دار تکلیف نہیں۔

(د) ایک رائے یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہونگے، مگر اس قول کی مرفوع حدیث سے کوئی دلیل نہیں، اور قرآن کریم میں جو دو جگہ ﴿وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ﴾ آیا ہے وہ لڑکے جنت کی مخلوق ہیں۔

(ھ) اطفال مشرکین بھی جنتی ہونگے، یہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(و) اور ایک رائے یہ ہے کہ اطفال مشرکین کے مسئلہ میں توقف کیا جائے، توقف کے دو معنی ہیں: ایک: کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہونا یا حکم نہ لگا سنا، یعنی سکوت اختیار کرنا، دوسرے: کسی چیز پر کوئی کلی حکم نہ لگانا، اطفال کے مسئلہ میں توقف بالمعنی الثانی ہے، یعنی نہ ہم سب کو ناجی کہتے ہیں نہ ناری، کون ناجی ہوگا اور کون ناری؟ اس کی تعیین اللہ کے سپرد ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے اکابر کا مسلک یہی ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں حدیثیں مختلف ہیں، اور نسخ یعنی تقدیم و تاخیر کا کوئی قرینہ نہیں اور سند کے اعتبار سے قوی اللہ أعلم بما کانوا عاملین بہ ہے، جو توقف پر دلالت کرتی ہے، پس یہی قول رائج ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۹۰)

[۵-] بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

[۲۱۳۸-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْقُطَيْبِيُّ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ رَبِيعَةَ الْبُنَائِيُّ، نَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْإِمْلَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، وَيَنْصَرَانِهِ، وَيُشْرِكَانِهِ" قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَمَنْ هَلَكَ قَبْلَ ذَلِكَ؟ قَالَ: "اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ بِهِ"

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، وَالْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، قَالَا: نَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، وَقَالَ: "يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَغَيْرُهُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ"

وضاحت: پہلی سند عبدالعزیز بن ربیعہ بنانی بصری کی ہے، یہ مقبول راوی ہے، اس کی حدیث میں لفظ ملة اور يُشْرِكَانِهِ ہے، اور امام وکیع اور شعبہ رحمہما اللہ وغیرہ کی روایت میں لفظ فطرة اور يُمَجِّسَانِهِ ہے، اور مطلب سب کا ایک ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ

تقدیر کو دعائی پھیر سکتی ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَرُدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَرُدُّ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ: تقدیر کو صرف دعائی

پھیر سکتی ہے، اور زندگی میں صرف حسن سلوک ہی اضافہ کر سکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مقصد: دعا اور حسن سلوک کی قوت تاثیر اور اہمیت بیان کرنا ہے، یعنی اگر کوئی چیز قضاء و قدر کو پھیر سکتی ہے تو وہ دعا ہی پھیر سکتی ہے، مگر تقدیر اٹل ہے وہ ٹل نہیں سکتی، اور کوئی چیز زندگی میں اضافہ کر سکتی ہے تو وہ حسن سلوک ہی کر سکتا ہے۔ مگر اجل طے ہے، اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا، اور حدیث کا یہ مطلب مسئلہ تقدیر کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یعنی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہونے کے اعتبار سے سوچنے کی صورت میں ہے، مگر چونکہ بندوں کی طرف سے تقدیر معلق ہوتی ہے یعنی اسباب و مسببات کے دائرہ میں ہوتی ہے، اور بندوں کو پہلے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ مقدر کیا ہے؟ اس لئے بندوں کے اعتبار سے دعا سے صورت حال بدل جاتی ہے، برے احوال اچھے احوال سے منقلب ہو جاتے ہیں، بد حالی خوش حالی سے متبدل ہو جاتی ہے اس لئے خود بھی دعا کرنی چاہئے، اور اللہ کے نیک بندوں سے بھی دعا کرانی چاہئے۔

مگر آج کل جو طریقہ چل پڑا ہے کہ بزرگوں سے کہتے ہیں: ”دعا میں یاد رکھنا“ یہ تکیہ کلام ہے، مقصود کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ ایسے لوگوں سے اگر فوراً پوچھا جائے کہ کیا دعا کرانی ہے؟ تو وہ ہیں ہیں کر کے رہ جاتے ہیں، ان کے ذہن میں کوئی دعا نہیں ہوتی، اور نہ کوئی دعا کرنا مقصود ہوتا ہے، ایسا دعا کے لئے کہنا بے کار ہے، بلکہ کوئی اہم مقصد پیش نظر ہو تو اس کے لئے خود بھی دعا کرنی چاہئے اور نیک آدمیوں سے بھی، اسی طرح نیک غریبوں سے بھی اپنا مقصد ظاہر کر کے دعا کرانی چاہئے کیونکہ دعا سے حالات میں تبدیلی آتی ہے، وہ قضاء و قدر کو پھیر دیتی ہے۔

اسی طرح خاندان کے ساتھ اور تمام مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے حیات میں اضافہ ہوتا ہے، لوگ ایسے بندوں کو ان کی موت کے بعد عرصہ تک یاد رکھتے ہیں، اور ان کی زندگی کے لمحات خیر کے کاموں میں خرچ ہوتے ہیں۔

[۶-] بَابُ مَا جَاءَ لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ

[۲۱۳۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، وَسَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ، قَالَا: نَا يَحْيَى بْنُ الصَّرِيْسَ، عَنْ أَبِي مَوْدُودٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا يَرُدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ“
وفى الباب: عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَأَنَّهُ رُوِيَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ الصَّرِيْسَ.
وَأَبُو مَوْدُودٍ: اثنان: أَحْلَهُمَا: يُقَالُ لَهُ: فَضَةٌ، وَالْآخَرُ: عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، أَحْلَهُمَا بَصْرِيٌّ، وَالْآخَرُ مَدِينِيٌّ، وَكَانَا فِي عَصْرِ وَاحِدٍ، وَأَبُو مَوْدُودٍ الَّذِي رَوَى هَذَا لِلْحَدِيثِ اسْمُهُ فَضَّةٌ بَصْرِيٌّ.

وضاحت: یحییٰ بن صریس (مصر) بجلی رازی قاضی صدوق راوی ہیں..... اور ابو مودود جس کو فضہ کہا جاتا تھا

بصری ہے اور معمولی درجہ کا راوی ہے، یہی یہ حدیث روایت کرتا ہے اور اس کی روایت صرف ترمذی میں ہے، اور اس زمانہ کا ایک دوسرا راوی عبدالعزیز بن ابی سلیمان ہڈی ہے اس کی کنیت بھی ابو مودود ہے وہ مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا وہ مقبول راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبُعِي الرَّحْمَنِ

دل رحمان کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ بکثرت یہ دعا کرتے تھے: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبَّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ! اے دلوں کے اٹھنے پلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر مضبوط رکھ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور اس دین پر جس کو آپ لائے ہیں، ایمان لائے، پس کیا آپ ہم پر کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں (جو یہ دعا بکثرت کرتے ہیں) آپ نے فرمایا: نعم، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ شَاءَ: ہاں دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں وہ ان کو اٹھتے پلھتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کے اقوال و افعال میں امت کی تعلیم کا پہلو بھی ملحوظ ہوتا ہے، نبی ﷺ کے مذکورہ دعا بکثرت کرنے سے صحابہ یہی سمجھتے تھے کہ یہ ہمیں دعا کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم بھی یہ دعا بکثرت کریں، اور یہ دعا بکثرت وہ بندہ کرتا ہے جو اپنے انجام سے غافل نہیں ہوتا، جس کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں آگے کیا احوال پیش آئیں اور یہی بات بندگی کے لائق ہے، اور یہی تقدیر کا بندوں کے حق میں معلق ہونا ہے، اور یہی بندوں کا تقدیر کو بندگی کی جہت سے دیکھنا ہے، کیونکہ معلوم نہیں کیا اسباب پیش آئیں اور انسان کیسے حالات سے دوچار ہو کہ اس کی ڈگر بدل جائے، اور وہ ایمان سے نکل کر کفر میں جا پڑے، اور جو بندہ ہمیشہ یہ دعا کرتا رہتا ہے وہ ان شاء اللہ جادہ مستقیم پر مضبوط رہتا ہے۔

۲- اس حدیث میں اللہ پاک کی قدرت کا ملکہ کا بیان ہے جس طرح اللہ پاک کا علم ہر چیز کو شامل ہے ان کی قدرت بھی کامل ہے، کائنات کا کوئی ذرہ نہ ان کے علم سے باہر ہے نہ ان کی قدرت سے خارج، اگر ایک بھی چیز ان کو علم نہ ہو گا یا کوئی بھی چیز ان کی قدرت سے خارج ہو جائے گی تو ان کا علم اور ان کی قدرت ناقص ہوگی، پس وہ خدا کہاں رہے؟ بلکہ جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق کے اختیاری افعال، حتیٰ کہ اس کا چاہنا بھی اللہ کی قدرت و اختیار میں ہے۔

اور جزاء و سزا کے لئے کامل اختیار ضروری نہیں، ایک حد تک اختیار کافی ہے جو انسان کو حاصل ہے، انسان کے

احوال میں اور چوپایوں کے احوال میں غور کرنے سے یہ بات عیاں ہے، اور ایک حد تک اختیار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھایا ہے۔ ایک شخص آپ کے پاس یہی سوال لے کر آیا کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے یا مجبور؟ آپ نے فرمایا: مختار بھی ہے اور مجبور بھی، اس نے کہا: یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، وہ کھڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا: ایک پیر اٹھا لو اس نے اٹھا لیا، آپ نے فرمایا: دوسرا بھی اٹھا لو، کہنے لگا دوسرا کیسے اٹھاؤں گر پڑوں گا، آپ نے فرمایا: پہلا پیر اٹھانے تک تم با اختیار تھے اب مجبور ہو گئے، اسی طرح بندوں کی مشیت و اختیار کا ابتدائی حصہ ان کے اختیار میں ہے مگر آخری سران کے اختیار میں نہیں، یعنی انسان کو جزوی اختیار حاصل ہے، کلی اختیار حاصل نہیں، اور مجازات کے لئے جزوی اختیار بھی کافی ہے (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۹۴ میں ہے)

[۷-] بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعِي الرَّحْمَنِ

[۲۱۴۰-] حَدَّثَنَا هَذَا، نَا مُعَاوِيَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبَّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ" فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ! آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ، فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟ قَالَ: "نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ شَاءَ"

وفى الباب: عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِي ذَرٍّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَدِيثُ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ أَصَحُّ.

وضاحت: امام اعمش رحمہ اللہ کے اکثر شاگرد اس حدیث کی سند حضرت انس رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں اور بعض شاگرد حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک، اور اصح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت انس کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے نام رجسٹروں میں لکھ لئے ہیں

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ گھر میں سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے، درانحالیکہ آپ کے ہاتھ میں دو رجسٹر تھے، پس فرمایا: ”جانتے ہو یہ دو رجسٹر کیا ہیں؟“ ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتلائیں (تو ہم جان سکتے ہیں) پس آپ نے اس رجسٹر کے لئے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھا، فرمایا: ”یہ تمام جہانوں کے پالنہار کی طرف سے ایک رجسٹر ہے جس میں جنتیوں کے، ان کے

باپ دادوں کے اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان لگا دی گئی ہے یعنی ٹوٹل کر دیا گیا ہے، پس کبھی بھی نہ تو ان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان میں کوئی کمی کی جائے گی، پھر آپؐ نے اس رجسٹر کے لئے جو آپؐ کے بائیں ہاتھ میں تھا، فرمایا: ”یہ تمام جہانوں کے پانہار کی طرف سے ایک رجسٹر ہے، اس میں جہنمیوں کے، ان کے باپ دادوں کے اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان لگا دی گئی ہے، پس کبھی بھی نہ تو ان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان میں کوئی کمی کی جائے گی“

صحابہ نے عرض کیا: پس عمل کا کیا فائدہ اے اللہ کے رسول! اگر وہ ہے ایک ایسا معاملہ جس سے نمٹنا جا چکا ہے؟ (یعنی جنت اور جہنم میں جانے والے طے ہو چکے ہیں تو اب عمل سے کیا فائدہ؟) پس آپؐ نے فرمایا: سَدُّ دُورًا وَقَارِبُورًا: ٹھیک ٹھیک چلو اور قریب قریب رہو، پس بیشک جنتی کی زندگی کا اختتام جنتیوں کے عمل پر ہوگا، اگرچہ وہ کوئی عمل کرتا رہا ہو، اور بیشک دوزخی کی زندگی کا اختتام دوزخیوں کے عمل پر ہوگا اگرچہ وہ کوئی عمل کرتا رہا ہو۔

پھر نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا، پس دونوں رجسٹروں کو ڈال دیا، پھر فرمایا: قَدْ فَرَّغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ: فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ، وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ: تمہارے پروردگار بندوں کے معاملات سے منٹ چکے: ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں! تشریح:

۱- یہ دور رجسٹر جو آپؐ کے ہاتھوں میں تھے: محسوس تھے یا معنوی؟ حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ محسوس تھے، اور دوسری دنیا کی چیزیں جس طرح انبیاء کے لئے متمثل ہوتی ہیں صحابہ وغیرہ کے لئے بھی کبھی متمثل ہوتی ہیں، مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کبھی صحابہ کو بھی نظر آتے تھے، اسی طرح اگر یہ رجسٹر صحابہ کو بھی نظر آئے ہوں تو اس میں کوئی استبعاد نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اتنے سارے نام ایک ایک رجسٹر میں کیسے آگئے؟ اور اتنے بڑے بڑے رجسٹر ہاتھوں میں لے کر آپؐ کیسے تشریف لائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب کمپیوٹر اور ڈی جیٹل کا زمانہ ہے، بڑے سے بڑا کتب خانہ ایک چھوٹی سی چٹ میں آجاتا ہے، پس یہ سارے نام قابل تحمل رجسٹروں میں کیوں نہیں آسکتے؟

۲- اس حدیث میں تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تعارف ہے یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے اور ابد تک کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا علم واقعی ہے، اس میں کسی غلطی کا احتمال نہیں، اس لئے ناموں کے آخر میں جو ٹوٹل ہے وہ قطعی ہے، اس میں کسی کمی بیشی کا سوال نہیں۔

۳- پھر تقدیر کے مسئلہ پر صحابہ نے اعتراض کیا کہ جب معاملہ منٹ چکا ہے، جنتی اور جہنمی طے ہو چکے ہیں تو اب عمل سے کیا فائدہ؟ اس اعتراض کے جواب میں نبی ﷺ نے ان کا ذہن دوسری طرف پھیرا کہ بندوں کو یہ معاملہ اپنی

طرف سے دیکھنا چاہئے، بندوں کے حق میں تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس بندوں کو چاہئے کہ وہ ٹھیک ٹھیک صراطِ مستقیم پر چلیں اور اگر نہیں تو دور نہ جائیں، قریب قریب ہی رہیں، ایسے بندوں کی واپسی کا امکان رہتا ہے، اور جو بندے صراطِ مستقیم سے بہت دور چلے جاتے ہیں ان کا واپسی کا امکان ختم ہو جاتا ہے، پھر آپؐ نے یہ بات واضح کی کہ اعتبارِ آخری عمل کا ہے، جنتی کی زندگی جنت والے کاموں پر ختم ہوتی ہے، چاہے وہ پہلے کچھ بھی کرتا رہا ہو، اسی طرح جہنمی کی زندگی جہنم والے کاموں پر پوری ہوتی ہے چاہے وہ پہلے کچھ بھی کرتا رہا ہو، پس ہر شخص کو آخری لمحہ تک صراطِ مستقیم پر آنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ہر مؤمن کو آخری لمحہ تک صراطِ مستقیم سے چٹا رہنا چاہئے، جو گمراہ ہے وہ بھی مایوس نہ ہو، اپنی آخرت سنوارے اور جو ہدایت پر ہے وہ بھی غرور میں مبتلا نہ ہو کیونکہ کسی بھی وقت گاڑی پٹری سے اتر سکتی ہے، اللہ ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھیں اور ہر گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں (آمین)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں تو اس کو استعمال کرتے ہیں، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس طرح استعمال کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: يُؤَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ: اس کو موت سے پہلے نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

تشریح: امام محمد رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے۔ وفات کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: کیا معاملہ رہا؟ بتایا: اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، پوچھا: کس طرح؟ فرمایا: مجھے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: ”محمد! اگر مجھے تیرے ساتھ خیر منظور نہ ہوتی تو میں تجھے اپنا علم نہ دیتا، جا تیری بخشش کر دی“

یہ عالم کو استعمال کرنے کی مثال ہے۔ دوسری مثال ابن ماجہ (حدیث ۸) میں ہے: لَا يَزَالُ اللَّهُ يَغْرِسُ فِي هَذَا الدِّينِ غَرْسًا يَسْتَعْمِلُهُمْ فِي طَاعَتِهِ: اللہ تعالیٰ برابر اس دین کے لئے پودے لگاتے رہتے ہیں جن کو اپنی اطاعت میں استعمال کرتے ہیں، اس حدیث میں عام مسلمانوں کو استعمال کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ان کو نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

[۸-] بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

[۲۱۴۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي قَبِيلٍ، عَنْ شُفَّيِّ بْنِ مَاتِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفِي يَدِهِ كِتَابَانِ، فَقَالَ: ”أَتَدْرُونَ مَا هَذَانِ الْكِتَابَانِ؟“ فَقُلْنَا: لَا، يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا، فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ الْيُمْنَى: ”هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ، فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ، وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا“ ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي شِمَالِهِ: ”هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ،

وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ، فَلَا يَزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا“
 فَقَالَ أَصْحَابُهُ: فَفِيمَ الْعَمَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ كَانَ أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ؟ فَقَالَ: ”سَدُّوْا، وَقَارِبُوا،
 فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُحْتَمِلُهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ عَمِلَ أَىَّ عَمَلٍ، وَإِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُحْتَمِلُهُ
 بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنْ عَمِلَ أَىَّ عَمَلٍ“
 ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ، فَنَبَذَهُمَا، ثُمَّ قَالَ: ”فَرَعَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ:
 فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ“

حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ أَبِي قَبِيلٍ نَحْوَهُ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، هَذَا حَدِيثٌ
 حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَأَبُو قَبِيلٍ: اسْمُهُ حَيْثُ بْنُ هَانِيٍّ.

[۲۱۴۲-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ“ فَقِيلَ: كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ”يُؤَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ“ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ لَا عَدُوَّ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ

چھوت کی بیماری، مقتول کے سر کا پوندہ اور صفر کی نحوست بے اصل باتیں ہیں

حدیث: ابو زرہؓ کہتے ہیں: ہمارے ایک استاذ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے
 ہمیں بتلایا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے ہمارے سامنے تقریر فرمائی، پس فرمایا: لَا يُعْدِي شَيْءٌ شَيْئًا: کوئی
 بیماری کسی کو نہیں لگتی، پس ایک بدو نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک اونٹ جس کا حشفہ خارش زدہ ہو گیا ہے اس کو ہم
 باڑے میں داخل کرتے ہیں پس وہ سارے اونٹوں کو خارش لگا دیتا ہے، آپؐ نے فرمایا: فَمَنْ أُجْرَبَ الْأَوَّلُ؟ پس
 پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ یعنی اس خارش زدہ اونٹ نے تو تیرے اونٹوں کو متاثر کیا مگر اس کو خارش کہاں
 سے لگی؟ اسی طرح ایک سے دوسرے پر بات ٹالی جائے گی تو کوئی نہ کوئی آخری اونٹ نکلے گا، اس کے بارے میں
 یہی سوال ہوگا، اور کہنا ہوگا کہ اس کو اللہ کے حکم سے خارش لگی، پس یہی بات ہر جگہ کیوں نہ کہی جائے!

پھر آپؐ نے فرمایا: لَا عَدُوَّ: کوئی چھوت کی بیماری نہیں، یعنی ایک کی بیماری خود بخود دوسرے کو نہیں
 لگتی، وَلَا صَفَرَ: اور ماہ صفر کو جو منحوس سمجھا جاتا ہے وہ بھی بے اصل بات ہے، اور ایک حدیث میں ہے: وَلَا هَامَةَ: اور
 مقتول کی کھوپڑی سے پرندہ نکلنے کا تصور بھی بے اصل ہے، خَلَقَ اللَّهُ كُلَّ شَيْءٍ فَكَتَبَ حَيَاتَهَا، وَرَزَقَهَا،
 وَمَصَائِبَهَا: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا، پس اس کی زندگی، اس کی روزی اور اس کی مصیبتیں لکھ دیں یعنی بوقت

پیدائش ہی یہ ساری باتیں طے کر دی گئی ہیں..... پس نحوست کا عقیدہ اور کھوپڑی کا پرندہ تو بے اصل باتیں ہیں کیونکہ یہ تقدیر الہی سے متعارض تصورات ہیں، ہاں بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط مجملہ اسباب مرض ہے، اس لئے دوسری حدیث میں ہے: **فَوَ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارُكَ مِنَ الْأَسَدِ**: کوڑھی کے پاس سے ایسے بھاگو جیسے شیر کے پاس سے بھاگتے ہو، پس احتیاط اولیٰ ہے مگر سمجھنا کہ ایسے مریض کے قریب جائیں گے تو اس کی بیماری لامحالہ لگ جائے گی یہ عقیدہ تقدیر کے منافی ہے۔

لغات: العَدَوَى: چھوت چھات، مرض کا تعدیہ، یعنی بیمار سے بیماری کا تندرست آدمی کی طرف منتقل ہونا، بیماری لگنا، **أَعَدَى** فلاناً مِنْ مَوْضِعِهِ: کسی کو اپنی بیماری لگانا..... **الْهَامَةُ**: زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اعتقاد کے مطابق مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکل کر کہتا تھا: مجھے سیراب کرو، مجھے سیراب کرو، اور جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے وہ یہی کہتا رہتا تھا، اس کو **الْصَّدَى** (سخت پیاس) بھی کہتے تھے۔

[۹-] بَابُ مَا جَاءَ لَا عَدَوَى وَلَا هَامَةً وَلَا صَفَرَ

[۲۱۴۳-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، نَا أَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرٍو بْنِ جَرِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا صَاحِبُ لَنَا عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "لَا يُعْدِي شَيْئٌ شَيْئًا" فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْبَعِيرُ أَجْرَبُ الْحَشْفَةِ، نُذْبِنُهُ، فَيُجْرَبُ الْإِبِلُ كُلُّهَا! فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَمَنْ أَجْرَبُ الْأَوَّلِ! لَا عَدَوَى، وَلَا صَفَرَ، خَلَقَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ، فَكَتَبَ حَيَاتَهَا، وَرَزَقَهَا، وَمَصَائِبَهَا" **وفى الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَنَسٍ.**

[قال:] وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرٍو بْنِ صَفْوَانَ الثَّقَفِيَّ الْبَصْرِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ الْمَدِينِيِّ، يَقُولُ: لَوْ حَلَفْتُ بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ وَالْمَقَامِ: لَحَلَفْتُ أَنِّي لَمَرَّ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ.

وضاحت:

۱- اعرابی کا قول ہمارے نسخوں میں اس طرح ہے: **الْبَعِيرُ أَجْرَبُ الْحَشْفَةِ**: ایک اونٹ جس کا حشفہ خارش زدہ ہو گیا۔ **نُذْبِنُهُ**: ہم اس کو باڑے میں داخل کرتے ہیں (الذَّئِبُ کے معنی ہیں: بکریوں کے لئے بنایا ہوا بانس کا باڑہ، یہاں مطلق باڑہ مراد ہے، اس سے فعل **إِذْبَانٌ** بنایا ہے) **فَيُجْرَبُ الْإِبِلُ كُلُّهَا**: پس وہ سارے ہی اونٹوں کو خارش لگا دیتا ہے (مگر اہل لغت نے الذَّئِبُ (اسم) تو لکھا ہے اور لسان العرب میں یہ بھی ہے کہ یہ فارسی لفظ ہے جو عربی میں آیا ہے، مگر اس کا فعل نہیں لکھا اور بعض نسخوں میں **يُذْبِنُهُ** ہے یعنی وہ خارش کو قریب کرتا ہے)

۲- اور یہی حدیث جامع الاصول (۵۱۸:۱۰) میں ترمذی کے حوالہ سے نقل ہوئی ہے، وہاں الفاظ یہ ہیں: فَمَا بِالْإِبْلِ يَأْتِيهَا الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ الْحَشْفَةُ بِذَنْبِهِ فَيُجْرِبُهَا كُلُّهَا: پس اونٹوں کا کیا حال ہے، ان میں ایک ایسا اونٹ آتا ہے جس کا حشفہ خارش زدہ ہو گیا ہے وہ اپنی دم کے ساتھ (آتا ہے) پس وہ سارے اونٹوں کو خارش لگا دیتا ہے (بِذَنْبِهِ يَأْتِيهَا سے متعلق ہے) اور مطلب یہ ہے کہ اس کی دم حشفہ سے لگتی ہے جس سے دم خارش زدہ ہو جاتی ہے، پھر اس سے خارش دوسرے اونٹوں کو لگتی ہے۔

۳- اور مسند احمد (۳۲۷:۲) میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ النُّقْبَةَ تَكُونُ بِمَشْفَرِ الْبَعِيرِ، أَوْ بَعَجِبِهِ فَتَشْمَلُ الْإِبِلَ جَرَبًا: (النُّقْبَةُ: کھلی، الْمَشْفَرُ: اونٹ کا موٹا ہونٹ، عَجَبُ الذَّنْبِ: دم کی جڑ کا آخری حصہ) یعنی بیشک خارش اونٹ کے ہونٹ میں یا اس کی دم کی جڑ میں ہوتی ہے پس وہ سبھی اونٹوں کو خارش زدہ کر دیتا ہے۔

۴- اور شرح السنۃ (۲۶۶:۶) میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ النُّقْبَةَ تَكُونُ بِمَشْفَرِ الْبَعِيرِ، أَوْ بِذَنْبِهِ فِي الْإِبِلِ الْعَظِيمَةِ فَتُجْرَبُ كُلُّهَا: بیشک خارش اونٹ کے ہونٹ میں یا اس کی دم میں ہوتی ہے وہ اونٹوں کے بڑے ریوڑ میں آتا ہے تو سبھی کو خارش لگ جاتی ہے۔

ان سبھی لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ خارش پہلے اونٹ کے ہونٹ میں اور پیشاب کے عضو کے سرے پر لگتی ہے جس کو حشفہ کہا گیا ہے، پھر اس سے دم متاثر ہوتی ہے، پھر وہ دم جھٹکتا ہے تو وہ خارش دوسرے اونٹوں کو بھی لگ جاتی ہے۔ ترجمہ: علی بن المدینی کہتے ہیں: اگر میں رکن (حجر اسود) اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم کھلایا جاؤں تو میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے عبد الرحمن بن مہدی سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْإِيمَانَ بِالْقَدَرِ: خَيْرُهُ وَشَرُّهُ

بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا، یہاں تک کہ تقدیر پر ایمان لائے، اس کے بھلے پر بھی اور اس کے برے پر بھی، اور یہاں تک کہ وہ یقین کرے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ اس کو چوک نہیں سکتا تھا، اور جو کچھ اس کو چوک گیا ہے وہ اس کو پہنچ نہیں سکتا تھا۔

تشریح: یہ حدیث اگرچہ عبد اللہ بن میمون کی وجہ سے نہایت ضعیف ہے کیونکہ یہ راوی منکر الحدیث اور متروک ہے مگر حدیث کا مضمون صحیح ہے، حدیث جبریل میں ہے: وَتُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ (مسلم، کتاب الایمان کی پہلی حدیث)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا یہاں تک کہ چار باتوں کی تصدیق کرے: (۱) گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے دین حق کے ساتھ بھیجا ہے (۲) اور

موت کی تصدیق کرے (۳) اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تصدیق کرے (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔
تشریح:

۱- یہ حدیث امام شعبہ رحمہ اللہ کی ہے اور ان کے شاگرد ابو داؤد طیالسی کی سند میں ربیع بن حراش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، اور نصر بن شمیل کی سند میں مجہول آدمی کا واسطہ ہے، امام ترمذی نے ابو داؤد طیالسی کی سند کو ترجیح دی ہے، اور کعب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ربیع نے بحالت اسلام کوئی جھوٹ نہیں بولا، اس لئے یہ روایت صحیح ہے۔

۲- پہلے ابواب القدر کی تمہید میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ تقدیر کے تعلق سے دو باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے: ایک: نفس تقدیر پر، یعنی جو کچھ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ابد تک ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں طے شدہ ہے، کوئی معاملہ اچھوتا نہیں اور نہ کوئی امر منتظر ہے۔

دوسری: بندوں کے تعلق سے عالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی پلاننگ اس طرح ہے کہ کچھ اعمال و اخلاق اور کچھ چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں اور کچھ مضر، خبیثہ و شرّہ کی ضمیریں قدر کی طرف لوٹتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے تعلق سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کوئی چیز بری نہیں، مگر بندوں کے تعلق سے بعض چیزیں بھلی ہیں، اور بعض چیزیں بری یعنی بعض چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں اور بعض چیزیں مضر، اور کائناتی چیزوں کی حد تک انسان اس کو مانتا بھی ہے اور برتا بھی ہے، اپنے لئے مفید چیزیں اختیار کرتا ہے اور مضر چیزوں سے بچتا ہے، مگر جب اعمال و اخلاق کا معاملہ آتا ہے تو وہ طرح طرح کی باتیں چھانٹتا ہے، حالانکہ کچھ اعمال اور کچھ اخلاق انسان کے لئے مفید ہیں جو اس کو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور کچھ اعمال و اخلاق مضر ہیں جو اس کو جہنم میں پہنچائیں گے، پس جو بندہ بھلی بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہے، وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اپناتا ہے، اور جو اس کو نہیں مانتا وہ ہر کھا کر مرتا ہے اور جہنم میں جاتا ہے۔

۳- پھر نبی ﷺ نے پہلی حدیث کے آخر میں یہ مضمون سمجھایا ہے کہ تقدیر اٹل ہے جو کچھ انسان کو پہنچنا طے ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے اور جس کا نہ پہنچنا طے ہے وہ ہرگز نہیں پہنچ سکتا، مگر یہ تقدیر کی تعریف اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے اعتبار سے ہے، اور بندے کے اعتبار سے تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس انسان کو وہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں جن سے خیر پیدا ہو، اور ان اسباب سے بچنا چاہئے جن سے نقصان پہنچے، مگر بہر حال ہوگا وہی جو تقدیر میں ہے۔

۴- اور دوسری حدیث میں موت پر ایمان کا تذکرہ آیا ہے، اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مرنا تو ایک بدیہی حقیقت ہے اس کا تو ہر کوئی قائل ہے پھر موت پر ایمان لانے کا کیا مطلب؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ایمان لانا خالی دکھاوے کا ہوتا ہے جس پر آثار و نتائج مرتب نہیں ہوتے، اور دوسرا

ایمان لانا دل کی تھاہ سے ہوتا ہے جس پر آثار و نتائج مرتب ہوتے ہیں، اور موت کو جو لوگ مانتے ہیں مگر اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کرتے ان کا موت پر سرسری ایمان ہے، یہ کافی نہیں، موت پر حقیقی ایمان ضروری ہے، اور یہ مؤمن کا نصیب ہے، وہ موت سے ڈر کر اگلی زندگی کی تیاری کرتا ہے، حدیث میں یہی ایمان لانا مراد ہے۔

[۱۰-] بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْإِيمَانَ بِالْقَدَرِ: خَيْرُهُ وَشَرُّهُ

[۲۱۴۴-] حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ، نَا عَبْدَ اللَّهِ بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، وَحَتَّى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئْهُ، وَأَنَّ مَا أَخْطَاهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبْهُ"

وفى الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَيْمُونٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَيْمُونٍ مُتَكْرِرُ الْحَدِيثِ.

[۲۱۴۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، أَنبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رَبِيعِ بْنِ جَرَّاشٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ: يَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّي رَسُولُ اللَّهِ، بَعَثَنِي بِالْحَقِّ، وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ، وَيُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، عَنْ شُعْبَةَ، نَحْوَهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: رَبِيعٌ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عَلِيٍّ، حَدِيثُ أَبِي دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عِنْدِي أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ النَّضْرِ، وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رَبِيعٍ، عَنْ عَلِيٍّ.

حَدَّثَنَا الْجَارُودُ، قَالَ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ: بَلَغَنِي أَنَّ رَبِيعَ بْنَ جَرَّاشٍ لَمْ يَكْذِبْ فِي الْإِسْلَامِ كَذِبَةً.

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّفْسَ تَمُوتُ حَيْثُ مَا كُتِبَ لَهَا

آدمی وہاں ضرور پہنچتا ہے جہاں موت مقدر ہوتی ہے

حدیث: حضرت مطر بن عکاسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے کسی سر زمین میں موت کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے اس زمین کی طرف حاجت گردانتے ہیں۔

تشریح: عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں موت مقدر ہوتی ہے آدمی وہاں جا بستا ہے، اس کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ اس جگہ میں قیام اور بود و باش خوشگوار ہے، یا کوئی تقریب (کسی کی ملاقات، ملازمت وغیرہ) باعث ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے، لیکن اگر ایسی کوئی صورت پیش نہیں آتی اور وہاں موت مقدر

ہوتی ہے تو پھر وہ صورت پیش آتی ہے جس کا اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ ناگاہ کوئی ایسی حاجت پیش آتی ہے کہ آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اسباب کے نظام میں خلل ڈالنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس لئے کوئی نہ کوئی سبب بن جاتا ہے اور آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے۔

یہی مضمون حضرت ابو عزرہؓ کی حدیث میں بھی ہے، مگر ان کی حدیث میں اِلَیْهَا حاجۃ اور بَہَا حاجۃ میں راوی کو شک ہے اور مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے۔

[۱۱]- بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّفْسَ تَمُوتُ حَيْثُ مَا كُتِبَ لَهَا

[۲۱۴۶]- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا مُوَمَّلٌ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مَطَرِ بْنِ عُكَامِيسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قَضَى اللَّهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ، جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً" وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي عَزْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَلَا نَعْرِفُ لِمَطَرِ بْنِ عُكَامِيسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا مُوَمَّلٌ، وَأَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ نَحْوَهُ.

[۲۱۴۷]- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ - الْمَعْنَى وَاحِدٌ - قَالَا: ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قَضَى اللَّهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ، جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً" أَوْ قَالَ: "بِهَا حَاجَةً" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو عَزْرَةَ: لَهُ صُحْبَةٌ، اسْمُهُ يَسَارُ بْنُ عَبْدِ، وَأَبُو الْمَلِيحِ بْنُ أُسَامَةَ: اسْمُهُ عَامِرُ بْنُ أُسَامَةَ بْنِ عُمَيْرٍ الْهُذَلِيُّ.

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَرُدُّ الرُّقَى وَالِدَّوَاءُ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا

جھاڑ پھونک اور دوا دار و تقدیر کو ٹال نہیں سکتے

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اور اس نے پوچھا: بتلائیے جو جھاڑ پھونک ہم کرتے ہیں اور جو علاج معالجہ ہم کرتے ہیں اور جو پرہیز ہم اختیار کرتے ہیں کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر میں سے کچھ بھی پھیر سکتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہٰی مِنْ قَدَرِ اللَّهِ: یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں۔

تشریح:

۱- یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے، اس کی پہلی سند میں امام زہری: ابو خزیمہ کے بیٹے سے روایت کرتے ہیں، اور وہ

اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ صحیح نہیں، کیونکہ سفیان بن عیینہ کے متعدد تلامذہ عن ابی خزامة عن ابیہ کہتے ہیں، ابن نہیں بڑھاتے، یعنی زہریؒ یہ حدیث ابو خزامة سے روایت کرتے ہیں، اور وہ اپنے والد سے، پہلے صحابی ابو خزامة نہیں بلکہ ان کے والد ہیں، امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ صحیح ہے، کیونکہ زہریؒ کے متعدد تلامذہ بھی اسی طرح سند بیان کرتے ہیں (الا صابہ میں ابو خزامة کے سلسلہ میں اختلاف لکھا ہے کہ وہ صحابی ہیں یا ان کے والد صحابی ہیں؟)

۲- تقدیر کے مسئلہ میں یہ حدیث بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہے کہ ہر چیز ازل سے طے ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، مگر بندوں کے اعتبار سے تقدیر میں اسباب و مسببات کا پورا سلسلہ شامل ہے، جھاڑ پھونک، علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر یہ سب صحت کے اسباب ہیں، اور یہ بھی تقدیر میں شامل ہیں، اسی کو میں بار بار کہتا ہوں کہ بندوں کی طرف سے تقدیر معلق ہوتی ہے اور اسی جہت سے بندوں کو امور کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے اور اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تقدیر کے جو معنی ہیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ صرف ایمانی بات ہے، اور عملی مرحلہ یہ ہے کہ اچھائی کے اسباب اختیار کرے تاکہ بھلائی سے ہمکنار ہو، اس کی نظیر یہ حدیث ہے کہ جنت میں کوئی اپنے عمل سے نہیں جائے گا جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، جبکہ قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں کہ جنت میں بندے ایمان وعمل صالح کی وجہ سے جائیں گے، یہ دونوں باتیں صحیح ہیں، اعتقاد پہلی بات کا رکھنا ہے کہ جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، مگر عمل دوسری بات پر کرنا ہے، کیونکہ ایمان اور عمل صالح دخول جنت کے اسباب ہیں، اور یہ دنیا دار الاسباب ہے اس لئے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے، مگر اسباب: اسباب ہوتے ہیں، ان میں تاثیر اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، اس لئے جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، مگر اسباب کے سہارے جائے گا۔ اسی طرح تقدیر کے مسئلہ کو بھی سوچنا چاہئے کہ ہر چیز مقدر ہے مگر تقدیر اجمالی نہیں بلکہ اسباب بھی تقدیر میں شامل ہیں، اس لئے دار الاسباب میں اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں، تاکہ ان سے مسببات پیدا ہوں، اس لئے سائل کا یہ سوال کہ یہ باتیں تقدیر کو پھیر سکتی ہیں؟ بے معنی ہے، کیونکہ یہ تمام چیزیں تقدیر میں شامل ہیں۔

[۱۲]- بَابُ مَا جَاءَ لَا تَرُدُّ الرُّقَى وَالِدَوَاءَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا

[۲۱۴۸]- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ ابْنِ أَبِي خَزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ رُقَى نَسْتَرْقِيهَا، وَدَوَاءَ نَنْدَاوِي بِهِ، وَتَفَافَةً نَنْقِيهَا، هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا؟ قَالَ: "هِيَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ" هَذَا حَدِيثٌ لَأَنْعَرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ، وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ،

عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ، وَهَذَا أَصَحُّ، هَكَذَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ.

لغات: رُفِی: رقیہ کی جمع ہے: تعویذ منتر وغیرہ..... استَرْقِی فلاناً: کسی سے تعویذ لینا، دم کرنے کو کہنا..... تَدَاوَى: دوا لینا، اپنا علاج کرانا..... تَقَاة: اپنی حفاظت کرنا، بچاؤ کرنا..... اتَّقَى الشَّيْءَ: بچنا، احتراز کرنا، دور رہنا۔

باب ماجاء فى القدریة

منکرین تقدیر کا حکم

علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمہ اللہ نے اسلامی فرقوں کے اختلاف کی چار بنیادیں بیان کی ہیں: (۱) صفاتِ الہی کا اثبات و نفی (۲) قدر و جبر (۳) عقائد و اعمال کا ارتباط (۴) عقل و نقل کا دائرہ کار۔

پہلا اختلاف: اس طرح پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں نصوص میں جو اس قسم کے الفاظ آئے ہیں جو جسمانیات کے لئے مخصوص ہیں، مثلاً: عرش پر متمکن ہونا، چہرہ، ہاتھ اور انگلیاں ہونا اور قیامت کے دن فرشتوں کے جھرمٹ میں آنا وغیرہ وغیرہ، ان کے حقیقی معنی لئے جائیں یا مجازی؟ کچھ لوگوں نے حقیقی معنی مراد لئے، پھر جب ان میں غلو پیدا ہوا تو ان میں سے مُجَسِّمَة اور مُشَبَّهَة نکل آئے جو اللہ تعالیٰ کے لئے انسانوں جیسے ہاتھ پاؤں ماننے لگے، اور دوسروں نے ان کے مجازی معنی لئے، اور حقیقی معنی کا سرے سے انکار کر دیا، اس کے قائل معتزلہ ہوئے جن کا دوسرا نام منکرین صفات ہے، وہ کہتے ہیں: اگر ہم اللہ تعالیٰ کے لئے صفات مانیں اور ان کو قدیم مانیں تو تعدد قدماء اور تعدد آلہ لازم آئے گا، اور اگر صفات کو حادث کہیں تو خدا کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا جو خدا کے حدوث کو مستلزم ہوگا، اس لئے معتزلہ نے یہ راہ اختیار کی کہ خدا کے لئے علیحدہ صفات نہیں، بلکہ ان کی ذات ہی سے وہ تمام نتائج حاصل ہوتے ہیں جو ہم کو صفات سے حاصل ہوتے ہیں۔

اور اہل السنہ والجماعہ نے تنزیہ بمع التفویض کا طریقہ اختیار کیا، انھوں نے اللہ کے لئے ان تمام صفات کو ثابت کیا مگر ان کی حقیقت کے ادراک سے خود کو قاصر سمجھا، اللہ کے ہاتھ، پاؤں اور انگلیاں ہیں اور وہ عرش پر متمکن بھی ہیں مگر ان کی حقیقتیں ہم نہیں جانتے، صرف ان صفات کے آثار و نتائج ہم سمجھ سکتے ہیں اور یہی اسلم راستہ ہے۔

دوسرا اختلاف: اس میں ہوا کہ انسان کے افعال اختیار یہ کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں یا بندہ؟ بعض نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہمارے بس کی نہیں، یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی اختیاری نہیں، لیکن یہ بات ماننے کی صورت میں ہم اپنے افعال میں مجبور محض ہو جاتے ہیں اور تکلیف اور ثواب و عقاب کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے، اور قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں بعض میں صاف صراحت ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کراتا ہے ﴿قُلْ كُلُّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ اور بعض آیات میں یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے: ﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

نَفْسِكَ چنانچہ مسلمانوں میں مختلف رائیں قائم ہو گئیں۔

۱- جو لوگ زیادہ آزاد تھے انھوں نے خود کو مجبور محض مان لیا، اور وہ جبر یہ کہلائے۔

۲- اور معتزلہ نے یہ رائے قائم کی کہ انسان اپنے افعال میں مختار کل ہے اور کوئی بات پہلے سے طے شدہ نہیں اور بندہ اپنے اختیار سے کوئی کام کرتا ہے تب وہ بات اللہ کے علم میں آتی ہے، تو بہ! البتہ یہ اختیار اس کو خدا نے دیا ہے اس لئے خدا کے کامل اختیار میں فرق نہیں آتا۔

۳- اور اہل السنہ والجماعہ کی رائے یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جزوی اختیار دیا ہے اور وہ کسب و ارادہ کا اختیار ہے، پھر بندوں کے افعال کا خلق اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ جزوی اختیار تکلیف اور ثواب و عقاب کی بنیاد ہے۔

تیسرا اختلاف: اس میں ہوا ہے کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال داخل ہیں یا نہیں؟ حدیثوں میں حیاء وغیرہ کے بارے میں آتا ہے کہ: إِنَّهُ مِنَ الْإِيمَانِ: چنانچہ محدثین نے ایمان کی حقیقت میں اعمال کو بھی داخل مانا، اور انھوں نے ایمان کی حقیقت تین چیزوں کا مجموعہ قرار دیا: تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور اعمال صالحہ۔

دوسری طرف کچھ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اعتقاد و عمل میں تفریق کی اور ایمان صرف تصدیق کا نام رکھا اور اقرار و اعمال کو کوئی حیثیت نہ دی، اور انھوں نے کہا کہ تصدیق کے ساتھ کوئی عمل صالح مفید نہیں، اور کوئی عمل غیر صالح مضر نہیں، یہ لوگ مرجعہ کہلائے، ارجاء کے معنی ہیں: مؤخر کرنا، یعنی انھوں نے اعمال کو ایمان سے پیچھے ہٹا دیا۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اعمال کو ایمان حقیقی کا جز تو نہیں مانا مگر ایمان کامل میں ان کا دخل تسلیم کیا، وہ فرماتے ہیں: آخرت میں فیصلہ صرف تصدیق قلبی پر ہوگا، اور دنیا میں احکام اسلام جاری کرنے کے لئے تصدیق کے ساتھ اقرار لسانی بھی ضروری ہے، اور اعمال ایمان کامل کا جز ہیں، یعنی نیک اعمال سے ایمان کی بہجت بڑھتی ہے اور بد اعمالیوں سے ایمان کی رونق گھٹتی ہے، یہی رائے صحیح ہے، مگر بعض لوگوں نے امام اعظمؒ کے سر بھی ارجاء کا الزام دھر دیا اور ان کا نام بھی مرجعہ میں لکھ دیا۔

چوتھا اختلاف: اس میں ہوا کہ عقل و نقل کی حدود کیا ہیں؟ دونوں کا درجہ مساوی ہے یا ان میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل ہے؟ معتزلہ عقل کو ترجیح دیتے ہیں، اور اشاعرہ اور ماترید یہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ متعدد مسائل میں ان میں اختلاف ہوا، مثلاً: اللہ تعالیٰ محالات کا حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ پر عدل و انصاف واجب ہے یا نہیں؟ اور چیزیں فی نفسہ اچھی بری ہیں یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ (ماخوذ از علم الکلام شبلی)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کی دو قسموں کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں: ایک: مرجعہ، دوسرے قدریہ۔

اشترح: مرجعہ وہ لوگ ہیں جو اعمال کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام

ہے اور اس کے ساتھ نہ اچھا عمل مفید ہے نہ برا عمل مضر، اور قدر یہ تقدیر کے قائل نہیں وہ بندوں کو افعال اختیار یہ کمال خالق مانتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ازل سے واقعات کا علم بھی نہیں مانتے: ان دونوں فرقوں کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں، اور ظاہر ہے کہ جب کوئی حصہ نہیں تو وہ مسلمان کہاں رہے؟ الایہ کہ حدیث کو وعید مانا جائے۔

[۱۳]- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَدَرِيَّةِ

[۲۱۴۹]- حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، نَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ حَبِيبٍ، وَعَلِيِّ بْنِ نِزَارٍ، عَنْ نِزَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ: الْمُرْجَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ"
وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ، ثَنَا سَلَامٌ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ، نَا عَلِيُّ بْنُ نِزَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

وضاحت: اس حدیث کی تین سندیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں: پہلی سند میں علی بن نزار اسدی کو فی اپنے والد نزار بن حیان اسدی سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں، اور دوسری سند میں محمد بن بشر: سلام بن ابی عمرہ سے روایت کرتا ہے، یہ سلام: ابو علی خراسانی ہے اور یہ بھی ضعیف راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، تہذیب التہذیب میں ہے کہ وہ ثقہ روایات سے الٹ پلٹ روایتیں بیان کرتا ہے، چنانچہ اس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں، اور تیسری سند میں محمد بن بشر: علی بن نزار سے روایت کرتا ہے اور وہ عکرمہ سے، اس سند میں علی کے باپ نزار بن حیان کا واسطہ نہیں، مگر یہ علی خود ضعیف ہے، اس لئے اس حدیث کی تمام سندیں صحیح نہیں، پس اس حدیث کی بنیاد پر ان فرقوں کو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

بَابُ

انسان ننانوے اسباب موت میں گھرا ہوا ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: انسان متمثل ہوا ہے یعنی نفس الامر میں پیدا کیا گیا ہے درانحالیکہ ننانوے (اسباب) موت اس کے پہلو کی طرف متوجہ ہیں، اگرچہ جاتے ہیں اس سے یعنی بچ جاتا ہے وہ سارے ہی اسباب موت

سے تو جا پڑتا ہے وہ بڑھاپے میں، یہاں تک کہ مر جاتا ہے یعنی اس سبب موت سے مفر نہیں۔

تشریح: موت کے یہی اسباب تقدیر الہی ہیں اور انسان اپنے اختیار سے یا بے احتیاطی سے ان اسباب کا ارتکاب کرتا ہے، یا ان سے بچ جاتا ہے، لیکن آخری سبب یعنی بڑھاپے سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

مثلاً: مثل الشیء کا مجہول ہے اس کے معنی ہیں: کسی چیز کی اس طرح وضاحت کرنا جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے، یہاں مراد انسان کا نفس الامر میں پیدا کیا جاتا ہے..... وجودی کے تین ظرف ہیں: خارج، ذہن اور نفس الامر، جب کوئی چیز خارج میں موجود ہوتی ہے تو اس کی طرف اشارہ حسیہ کیا جاسکتا ہے، اور جو چیز ذہن میں موجود ہوتی ہے وہ اعتبار معتبر کے تابع ہوتی ہیں، اگر کوئی فرض کرے تو وہ ذہن میں ہوتی ہے ورنہ نہیں، اور نفس الامر: خارج اور ذہن سے عام ہے، نفس الامر میں جو چیز ہوتی ہے اس کی طرف اشارہ حسیہ نہیں کیا جاسکتا اور وہ اعتبار معتبر کے تابع بھی نہیں ہوتی، بلکہ اس کا وجود حقیقی ہوتا ہے، اس حدیث میں انسان کے اسی مرتبہ میں وجود کا تذکرہ ہے، اور المَیْنَةُ کے معنی ہیں: موت، مگر مراد اسباب موت ہیں۔

[۱۴-] باب

[۲۱۵۰-] حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ مُحَمَّدُ بْنُ فِرَاسٍ الْبَصْرِيُّ، نَا أَبُو قُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، نَا أَبُو الْعَوَّامِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَثَلُ ابْنِ آدَمَ، وَإِلَى جَنْبِهِ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ مَنِيَّةً، إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ، حَتَّى يَمُوتَ". هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَأَبُو الْعَوَّامِ: هُوَ عَمْرَأُ الْقَطَّانُ.

وضاحت: اس حدیث کا راوی عمران بن ذاکر ابو العوام القطان صدوق یہم ہے، یعنی ٹھیک ہے مگر حدیثوں میں غلطیاں کرتا ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی صرف تحسین کی ہے۔

باب ماجاء فی الرِّضَاءِ بِالْقَضَاءِ

فیصلہ خداوندی پر راضی رہنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: انسان کی نیک بختی میں سے اس کا خوش رہنا ہے اس بات پر جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کی ہے، اور انسان کی بد بختی میں سے اس کا اللہ سے خیر طلبی کو چھوڑنا ہے، اور انسان کی بد بختی میں سے اس کا ناراض ہونا ہے اس بات سے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کی ہے۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی محمد بن ابی حمید جس کو حماد بن ابی حمید بھی کہا جاتا ہے اور وہی ابو

ابراہیم مدنی بھی ہے، یہ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

اور اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ انسان کو اسباب اختیار کرنے چاہئیں، بھلائی سے ہمسکار ہونے کی سعی کرنی چاہئے، اور برے احوال سے بچنے کی امکانی کوشش کرنی چاہئے، پھر جو کچھ قضاء و قدر سے پیش آئے اس پر خوش رہنا چاہئے، یہی انسان کی نیک بختی ہے یعنی اس کے لئے مفید ہے اور دو باتیں انسان کی بد بختی میں سے ہیں: ایک: اہم کام میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرنا، دوم: قضاء و قدر سے جو کچھ پیش آئے اس پر جیس بہ جیس ہونا، کیونکہ انسان کی یہ ناراضگی قضاء و قدر کو نال نہیں سکتی، البتہ وہ اپنے لئے پریشانی کھڑی کر لیتا ہے۔

[۱۰۵-] باب ماجاء فی الرضاء بالقضاء

[۲۱۵۱-] حدثنا محمد بن بشار، نا أبو عامر، عن محمد بن أبي حميد، عن إسماعيل بن محمد بن سعد بن أبي وقاص، عن أبيه، عن سعد، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللَّهِ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سُخْطُهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ، وَيُقَالُ لَهُ أَيْضًا: حَمَادُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ، وَهُوَ أَبُو إِبْرَاهِيمَ الْمَدِينِيُّ، وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيُّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

باب

تقدیر کا انکار گمراہی ہے

حدیث (۱): نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا، اس نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، ابن عمرؓ نے فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے یعنی غلط عقیدہ اختیار کیا ہے، پس اگر اس نے بدعت ایجاد کی ہے تو میرا سلام اس سے مت کہنا، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے: اس امت میں یا فرمایا میری امت میں زمین میں دھسنا یا شکل بگڑنا یا پتھر برسا یا جانا ہوگا تقدیر کا انکار کرنے والوں میں۔

تشریح: وہ شخص جس نے سلام بھیجا تھا وہ بصرہ کا باشندہ تھا اور منکرین تقدیر میں سے تھا، یہ فرقہ سب سے پہلے بصرہ میں وجود میں آیا تھا، اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کا سلام قبول نہیں کیا، سلام قبول کرتے تو جواب دیتے، پس اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ گمراہ فرقوں کے ساتھ سلام دعا کا رابطہ نہیں ہونا چاہئے۔

اور حدیث میں جو فی هذه الأمة یا فی امتی میں شک ہے وہ اللہ جانے کس کو ہے، ابن عمرؓ کو ہے، نافع کو ہے

یا نیچے کے کسی راوی کو ہے، یہ متعین نہیں، اور خَسَفٌ أَوْ مَسَخٌ أَوْ قَذْفٌ میں جو اُو ہے وہ توبیع کا ہے، یعنی منکرین تقدیر پر ان میں سے کوئی بھی عذاب آسکتا ہے، اور فی اهل القدر: فی هذه الأمة سے بدل بعض ہے حرف جر کے اعادہ کے ساتھ۔

حدیث (۲): عبد الواحد بن سلیم کہتے ہیں: میں مکہ مکرمہ پہنچا، وہاں میری ملاقات حضرت عطاء بن ابی رباح سے ہوئی، میں نے ان سے عرض کیا: اے ابو محمد! بصرہ والے تقدیر میں گفتگو کرتے ہیں، یعنی وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں، حضرت عطاءؒ نے فرمایا: میرے بچے! تو نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: سورۃ الزخرف پڑھ، عبد الواحد کہتے ہیں: پس میں نے پڑھا: ”حم، قسم ہے اس واضح کتاب کی، بیشک ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تاکہ (اے عربو) تم (آسانی سے) سمجھ لو، اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے“ حضرت عطاءؒ نے پوچھا: جانتا ہے: ام الکتاب یعنی لوح محفوظ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، حضرت عطاءؒ نے فرمایا: ام الکتاب ایک نوشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے لکھ لیا ہے، اس میں یہ ہے کہ فرعون دوزخی ہے، اور اس میں: ”ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو“ ہے یعنی ابولہب کا انجام بھی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (پس بصرہ والوں کا تقدیر کا انکار کرنا اس آیت کے خلاف ہے اس لئے وہ گمراہ ہیں)

پھر حضرت عطاءؒ نے بیان کیا: پس میری ملاقات حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ولیدؓ سے ہوئی، یہ بھی صحابی ہیں، نبی ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں، پس میں نے ان سے پوچھا: آپ کے ابا نے موت کے وقت کیا وصیت کی تھی؟ ولیدؓ نے کہا: مجھے بلایا اور کہا: اے میرے پیارے بچے! اللہ سے ڈر، اور جان لے کہ تو ہرگز اللہ سے نہیں ڈر سکتا جب تک کہ تو اللہ پر ایمان نہ لائے، اور ساری تقدیر پر ایمان نہ لائے، اس کے بھلے پر بھی اور اس کے برے پر بھی، پس اگر تو مر گیا اس کے علاوہ عقیدہ پر تو دوزخ میں جائے گا، پس بیشک میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پس فرمایا: لکھ! اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ اللہ نے فرمایا: تقدیر لکھ، جو ہو چکا وہ بھی لکھ اور جو تا ابد ہونے والا ہے وہ بھی لکھ۔

تشریح: اس حدیث کا راوی عبد الواحد بن سلیم بصری ضعیف راوی ہے، اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے، اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جو تقدیر کا منکر ہے وہ جہنم میں جائے گا، رہی یہ بات کہ یہ گمراہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا کسی وقت نکالے جائیں گے؟ تو اس کا مدار اس پر ہے کہ اگر وہ چھوٹے دائرے سے نکل گئے ہیں تو کبھی نہ کبھی جنت میں آئیں گے، اور اگر وہ بڑے سرکل سے نکل چکے ہیں جیسے قادیانی تو ان کے جنت میں آنے کا کوئی امکان نہیں، اور ان دائروں اور سرکلوں کی تفصیل پہلے (تحفہ ۳: ۲۰۱ کتاب الحج باب ۲ میں) گزر چکی ہے۔

اور حدیث کے آخر میں جو ماکان اور ماہو کائن آیا ہے اس سے مراد یا تو ارشاد نبوی کے وقت سے ماکان اور مایکون ہے، یا قلم کی پیدائش سے سابق و لاحق مراد ہیں، کیونکہ قلم سے پہلے بھی بعض مخلوقات پیدا ہو چکی تھیں۔

[۱۶۰] باب

[۲۱۵۲] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُو عَاصِمٍ، نَا حَيْوَةُ بْنُ شَرِيحٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو صَخْرٍ، ثَنِي نَافِعٌ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، فَقَالَ: إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ قَدْ أَحَدْتُ، فَإِنْ كَانَ قَدْ أَحَدْتُ فَلَا تَقْرَأْهُ مِنِّي السَّلَامَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْ: فِي أُمَّتِي - الشُّكُّ مِنْهُ - خَسْفٌ، أَوْ مَسْخٌ، أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدْرِ".

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَأَبُو صَخْرٍ: اسْمُهُ حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ.

[۲۱۵۳] - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، نَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ سُلَيْمٍ، قَالَ: قَدِمْتُ مَكَّةَ، فَلَقَيْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! إِنَّ أَهْلَ الْبَصْرَةِ يَقُولُونَ فِي الْقَدْرِ، قَالَ: يَا بُنَيَّ! اتَّقِرْ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَاقْرَأِ الزُّخْرَفَ، قَالَ: فَقَرَأْتُ: ﴿حَمْدُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ، إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ، وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلَى حَكِيمٍ﴾ قَالَ: أَتَذَرُنِي مَا أُمُّ الْكِتَابِ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّهُ كِتَابُ كَتَبَهُ اللَّهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاءَ، وَقَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْأَرْضَ، فِيهِ أَنْ فَرَعَوْنَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَفِيهِ: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾.

قَالَ عَطَاءٌ: فَلَقَيْتُ الْوَلِيدَ بْنَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُهُ: مَا كَانَتْ وَصِيَّةُ أَبِيكَ عِنْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ دَعَانِي، فَقَالَ: يَا بُنَيَّ اتَّقِ اللَّهَ، وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَنْ تَنْقِيَ اللَّهَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِاللَّهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، فَإِنْ مِتَّ عَلَى غَيْرِ هَذَا دَخَلْتَ النَّارَ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ: اكْتُبْ، قَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

تقدیر الہی کا دوسرا مظہر

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تقدیریں طے فرمادی ہیں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بڑی تفصیل سے یہ مضمون سمجھایا ہے کہ تقدیر الہی پانچ مراحل میں ظاہر ہوتی ہے، جیسے حویلی بنانے والا پہلے انجینئر سے نقشہ بنواتا ہے، انجینئر پہلے ذہن میں

خاکہ بناتا ہے پھر اس ذہنی خاکہ کے مطابق کاغذ پر نقشہ بناتا ہے، پھر معمار اس نقشہ کے مطابق موقع پر محل تیار کرتا ہے اسی طرح بلا تشبیہ تقدیر الہی کے پانچ مختلف مراحل و مظاہر ہیں، پہلی مرتبہ: اللہ کے علم ازل میں تمام چیزوں کے اندازے ٹھہرائے گئے، پھر دوسری مرتبہ: تخلیق ارض و سماء سے پچاس ہزار سال پہلے عرش کی قوت خیالیہ میں سب چیزیں موجود ہوئیں، پھر تیسری مرتبہ: تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد جب عہد الست لیا گیا اس وقت تقدیر کا تحقق ہوا، پھر چوتھی مرتبہ: شکم مادر میں جب روح پڑنے کا وقت آتا ہے تو تقدیر کا یک گونہ تحقق ہوتا ہے، پھر پانچویں: مرتبہ دنیا میں واقعہ رونما ہونے سے ذرا پہلے تقدیر پائی جاتی ہے، تقدیر کے یہ مراحل انسانوں کے احوال کے اعتبار سے ہیں، دیگر مخلوقات کا حال اس سے مختلف ہو سکتا ہے، تفصیل حجۃ اللہ البالغہ میں ہے (دیکھیں: رحمۃ اللہ الواسعہ: ۶۷۸-۶۷۹)

[۲۱۵۴]- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُنْذِرِ الصَّغَانِيُّ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقَرِّي، نَا حَبِوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، ثَنِي أَبُو هَانِيٍّ الْخَوْلَانِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبَلِيَّ، يَقُولُ: "قَدَّرَ اللَّهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَيْنِ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

تقدیر الہی کا قرآن سے ثبوت

حدیث (۴): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مشرکین قریش نبی ﷺ کے پاس آئے، اور انھوں نے تقدیر میں بحث شروع کی تو سورۃ القمر کی یہ آیات نازل ہوئیں: ”جس روز یہ لوگ اپنے منہوں کے بل جہنم میں گھیٹے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو، ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے“ یہی تقدیر الہی ہے، اس آخری آیت میں مشرکین قریش سے کہا گیا کہ تمہارا دوزخ میں جانا طے ہے، مگر اس کا ایک وقت مقرر ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے، پس وہ وقت آنے دو، پھر دوزخ کا مزہ چکھو!

[۲۱۵۵]- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: نَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ زِيَادِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ الْمَخْزُومِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ مُشْرِكُو قُرَيْشٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُخَاصِمُونَ فِي الْقَدَرِ، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿﴾ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.



بسم الله الرحمن الرحيم

أبوابُ الْفِتَنِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

آزمائشوں کا بیان

فتنہ: کا مادہ فتنٌ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: سونے کو آگ میں تپا کر کھراکھوٹا معلوم کرنا۔ أصلُ الْفِتَنِ: إدخالُ الذهبِ النَّارَ، لِنَظَرِهِ جَوْدَتَهُ مِنْ رَدَاءِ تِه (راغب) پھر فتنہ کے معنی آزمائش کے ہو گئے، اور آزمائش میں چونکہ تکلیف دی جاتی ہے اس لئے ایذا رسانی اور اس کی مختلف شکلوں کے لئے اور آزمائش میں جو کھوٹا ثابت ہو اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے ان سب کے لئے قرآن وحدیث میں لفظ فتنہ اور اس کے مشتقات استعمال کئے گئے ہیں، پس فتنہ کے معنی ہیں: آزمائش، آفت، دنگا فساد، ہنگامہ، دکھ دینا، اور تختہ مشق بنانا وغیرہ۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں انسان ہر گھڑی میدان امتحان میں کھڑا ہے، ایمان و کفر تو بڑے امتحانات ہیں مگر مومن کا بھی مختلف شکلوں میں امتحان ہوتا ہے، حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ ہر امت کی آزمائش کرتے ہیں اور میری امت کی آزمائش مال سے کریں گے“ (مشکوٰۃ حدیث ۵۱۹۳) پس اگر مومن اس آزمائش میں کامیاب ہو جائے تو زہد نصیب! ورنہ اس کا خمیازہ دنیا و آخرت میں بھگتنا پڑے گا۔

فتنوں کی قسمیں: فتنے چھ قسم کے ہیں:

پہلی قسم: — آدمی کے اندر کا فتنہ — اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہو جائے، اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے جسم میں فہم کے اعتبار سے تین باریک (خفی) چیزیں ہیں: قلب، عقل اور نفس دل: سے غصہ، بہادری، حیا، محبت، خوف، انقباض و انبساط جیسے احوال کا تعلق ہے..... اور عقل کا دائرہ کار وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں پہنچ کر حواس خمسہ ظاہرہ کا کام ختم ہو جاتا ہے، اور عقل: بدیہی اور نظری دونوں قسم کے علوم کا ادراک کرتی ہے، جیسے تجربہ اور حدس وغیرہ کے ذریعہ جو بدیہی باتیں جانی جاتی ہیں وہ عقل کا کام ہے، اسی طرح برہان

وخطابیات وغیرہ کے ذریعہ جو نظری علوم حاصل کئے جاتے ہیں: وہ بھی عقل کا فعل ہے..... اور نفس خواہش کرتا ہے یعنی انسان کی بقاء کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں جیسے کھانا، پینا، سونا اور صحبت کرنا: ان کی نفس خواہش کرتا ہے۔

قلب کے برے احوال:

۱- جب قلب پر بہیمی خصلتیں قبضہ جمالیاتی ہیں، اور اس کی دلچسپیاں جانوروں جیسی ہو جاتی ہیں تو وہ قلب بہیمی کہلاتا ہے (یہ ادنیٰ درجہ ہے)

۲- اور جب خواب یا بیداری میں قلب شیطان کے وسوسے قبول کرتا ہے تو وہ قلب: قلب شیطانی ہو جاتا ہے، سورۃ الانعام آیت ۱۱۲ میں ایسے لوگوں کو شیاطین الانس (انسان نما شیطان) کہا گیا ہے (یہ فساد قلب کا اعلیٰ درجہ ہے)

قلب کے اچھے احوال:

۱- جب قلب پر ملکی خصلتیں قبضہ جمالیاتی ہیں تو وہ قلب: قلب انسانی کہلاتا ہے، اور اس وقت خوف اور محبت وغیرہ جذبات ان برحق اعتقادات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں جن کو آدمی نے محنت سے حاصل کیا ہے (یہ صلاح کا ادنیٰ درجہ ہے)

۲- اور جب دل کی صفائی اور نور قوی ہو جاتا ہے تو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو ”روح“ کہتے ہیں، اب اس دل میں انبساط ہی انبساط ہوتا ہے، انقباض کا نام و نشان نہیں رہتا، اور الفت و محبت ہی رہ جاتی ہے، قلق و بے چینی کا نام و نشان مٹ جاتا ہے، اس دل کے احوال کو صوفیاء ”انفاس“ کہتے ہیں، جب قلب اس حال میں پہنچ جاتا ہے تو ملکی خصوصیات عادتِ ثانیہ بن جاتی ہیں، اور وہ اکتسابی نہیں رہتیں (یہ صلاح کا اعلیٰ درجہ ہے)

عقل کے برے احوال:

۱- جب عقل پر بہیمی خصلتیں غالب آ جاتی ہیں تو عقل مکار ہو جاتی ہے، اور آدمی کو ایسے خیالات آنے لگتے ہیں جو فطری تقاضوں کی طرف مائل ہوتے ہیں، جیسے جماع کے خیالات آتے ہیں، اگر شہوت کی فراوانی ہوتی ہے، اور کھانوں کے خیالات آتے ہیں اگر وہ بھوکا ہوتا ہے (یہ فساد عقل کا ادنیٰ درجہ ہے)

۲- اور اگر عقل پر شیطان کی وحی قبضہ جمالیاتی ہے تو آدمی کو بہترین نظام کی شکست و ریخت کے خیالات آتے ہیں، معتقدات حقہ میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، اور ایسی مکروہ و منکر ہیئتوں کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے جن سے نفوس سلیمہ نفرت کرتے ہیں (یہ فساد عقل کا اعلیٰ درجہ ہے)

عقل کے اچھے احوال:

۱- جب عقل پر کسی درجہ میں ملکی خصلتیں قبضہ جمالیاتی ہیں تو وہ بدیہی یا نظری، ارتقائی اور احسانی علوم کی تصدیق

کرنے لگتی ہے، جن کی تصدیق ضروری ہے (یہ ادنیٰ درجہ ہے)

۲- اور جب عقل کی صفائی اور نور قوی ہو جاتا ہے تو اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ”سر“ کہتے ہیں جس کا کام ایسے علوم کو قبول کرنا ہے جن کا خواب میں یا ذہانت، کشف اور غیبی آواز وغیرہ کے ذریعہ عالم غیب سے فیضان کیا جاتا ہے (یہ درمیانی درجہ ہے)

۳- اور جب عقل ایسی مجرد ذات کی طرف مائل ہوتی ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے تو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو ”عقل خفی“ کہتے ہیں (اور یہ عقل کی ترقی کا اعلیٰ درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں) نفس کے تین احوال:

۱- جب نفس بھی خصلتوں کی طرف اترتا ہے تو وہ نفس اتارہ کہلاتا ہے (یہ برافنس ہے)
 ۲- اور جب نفس: ملکیت و بہیمیت کے درمیان مترد ہوتا ہے، کبھی ملکیت کی طرف جھکتا ہے، کبھی بہیمیت کی طرف، تو وہ نفس لواہ کہلاتا ہے (یہ بین بین حالت ہے اور غنیمت ہے)
 ۳- اور جب نفس: شریعت کے احکام کا پابند ہو جاتا ہے، اور کبھی اس کے خلاف اقدام نہیں کرتا، ہمیشہ اس کے موافق ہی عمل کرتا ہے تو وہ نفس مطمئنہ کہلاتا ہے (یہ عمدہ نفس ہے)

غرض: قلب عقل اور نفس کے خارجی اثرات کی وجہ سے جو برے احوال ہیں وہ آدمی کے اندرونی فتنے ہیں، جن سے اپنی حفاظت ضروری ہے، اور قرآن وحدیث میں عام طور پر اسی فتنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، سورۃ الانبیاء آیت ۳۵ میں ہے: ﴿وَنَبْلُوهُمْ بِالنَّاسِ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ترجمہ: اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو یعنی سختی، نرمی، تندرستی، بیماری، تنگی، فراخی، عیش، مصیبت وغیرہ احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے، تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے، اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کُنَدن کون ہے اور خُزف کون؟!

دوسری قسم: — گھر میں فتنہ — اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے، حدیث میں ہے: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، یعنی دربار لگاتا ہے، پھر وہ لشکر کی ٹکڑیاں بھیجتا ہے، ان میں سے اس کے نزدیک مرتبہ میں قریب تر وہ ہوتا ہے جو ان میں سے سب سے بڑا فتنہ پیا کرے: ان میں سے ایک آتا ہے، اور کہتا ہے: میں نے یہ کیا وہ کیا، شیطان کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا! پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے: میں ایک شخص کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرادی! شیطان اس کو قریب کرتا ہے، اور کہتا ہے: پٹھے! تو نے بڑا اچھا کام کیا! (مسلم ۱۰۷: ۱۷ مصری)

تیسری قسم: — وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے — اور وہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے، اور لوگوں کا ناحق حکومت کی آڑ کرنا ہے، حدیث میں ہے: ”شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے

اس کی پرستش کریں، البتہ وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے (مسلم ۵۶:۱ مصری)

چوتھی قسم: — ملی فتنہ — اور وہ یہ ہے کہ مخصوص صحابہ وفات پا جائیں اور دین کا معاملہ نا اہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے، پس اولیاء اور علماء دین میں غلو کریں اور بادشاہ اور عوام دین میں سستی برتیں، نہ اچھے کاموں کا حکم دیں، نہ برے کاموں سے روکیں، پس زمانہ: زمانہ جاہلیت ہو کر رہ جائے، حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی بھی امت میں جو نبی مبعوث کیا ہے اس کے لئے اس کی امت میں سے مخصوص حضرات اور ساتھی ہوتے تھے جو اس کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تھے اور اس کے دین کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے جانشین ایسے ناخلف ہو گئے جو وہ باتیں کہتے تھے جو کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا وہ حکم نہیں دیئے گئے تھے۔ پس جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ رائے کے دانے کے برابر بھی نہیں“ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۵۷۷ باب الاعتصام)

پانچویں قسم: — عالمگیر فتنہ — یہ بد دینی کا فتنہ ہے، جب یہ فتنہ رونما ہوتا ہے تو لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے نکل جاتے ہیں، اور لوگ تین طرح کے ہو جاتے ہیں۔

ایک: جو سب سے زیادہ سترے اور سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہوتے ہیں: وہ دو کام کرتے ہیں: ایک: طبیعت کے تقاضوں سے بالکلیہ برطرف ہو جاتے ہیں، ان کی اصلاح نہیں کرتے، یعنی تارک الدنیا ہو جاتے ہیں، اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہو کر سنیا سی بن جاتے ہیں، حالانکہ شریعت کی یہ تعلیم نہیں، شریعت نے طبیعت کی اصلاح کا حکم دیا ہے، اور اس کی صورتیں تجویز کی ہیں۔ دوم: مجردات یعنی ملائکہ کی مشابہت اور ان کا اشتیاق پیدا کرتے ہیں اور اس کی وہ کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرتے ہیں، مثلاً شب بیداری کرنا، یا کثرت سے روزے رکھنا وغیرہ۔

دوسرے: عام لوگ ہوتے ہیں جو بہیمیت خالصہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور حیوانیت کو شر مادینے والے کام کرنے لگتے ہیں۔

تیسرے: بیچ کے لوگ ہوتے ہیں جو نہ پوری طرح ان کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ ان کی طرف۔ چھٹی قسم: — فضائی حادثات کا فتنہ — بڑے بڑے طوفات اٹھتے ہیں، وبائیں پھیلتی ہیں، زمین دھنستی ہے، اور بڑے علاقہ میں آگ لگتی ہے، اور عام تباہی مچتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حادثات کے ذریعہ مخلوق کو ڈراتے ہیں تاکہ وہ اپنی بد اعمالیوں سے باز آئیں (یہ ساری تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۶۵۵:۵-۶۵۸) سے ماخوذ ہے)

فتن، ملاحم اور علامات قیامت کی روایتوں کا انداز:

فتن، ملاحم اور علامات قیامت کی روایات اہم ہیں۔ ان کا خاص مقصد: ملت کو زندگی کے نشیب و فراز سے واقف کرنا ہے، تاکہ وہ اپنی زندگی میں فتنوں کا شکار ہو کر متاع زندگی لٹا نہ دیں..... اور چونکہ یہ تینوں باتیں آئندہ

پیش آنے والی ہیں اس لئے ان کی روایات میں مجازی تعبیرات ہیں، یعنی آگے جو کچھ پیش آئے گا اس کو نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کی تعبیرات میں اداء فرمایا ہے، مثلاً یاجوج ماجوج جب لوگوں سے نمٹ جائیں گے تو کہیں گے: آؤ! اب آسمان والوں کو قتل کریں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، جو خون آلود ہو کر واپس لوٹیں گے، وہ خوش ہونگے کہ ہم نے ایک فرشتہ مارا..... اب اس کی کیا صورت ہوگی، اور ان کے تیروں کی کیا نوعیت ہوگی وہ وقت بتلائے گا، اسی طرح ان روایات میں وقت کی تحدید بھی نہیں کی جاتی، اس لئے آئندہ جو واقعات پیش آئیں گے ان میں سے متعدد واقعات پیش خبری کا مصداق ہو سکتے ہیں، پس قطعیت کے ساتھ کسی ایک واقعہ کو ان روایات کا مصداق قرار دینا درست نہیں، یہ روایات ایک اجمالی راہنمائی ہیں جس سے مؤمنین آنے والے فتنوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

فتنوں پر تفصیلی کلام کی حکمتیں:

نبی ﷺ نے فتنوں پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، اور اس میں چند حکمتیں ہیں:

- ۱۔ بعض فتنوں کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے حفاظت کا سامان کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ فتنے اختیاری ہیں، اور اختیاری کام کی دونوں جہتیں اختیاری ہوتی ہیں، جیسے کذب بیانی اور جھوٹی گواہی کا فتنہ اختیاری ہے۔
- ۲۔ بعض فتنے اگرچہ غیر اختیاری ہیں، جیسے دجال کا فتنہ، ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان کے شر سے واقف ہو جائے تو ان سے بچنا آسان ہو جائے گا۔
- ۳۔ بعض فتنوں کے بیان کے ساتھ ہی ان سے بچنے کی راہ بھی بتادی ہے، جیسے دریائے فرات کا پانی سوکھ جائے گا اور سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا تو فرمایا: ”پس اس میں سے کچھ نہ لینا“
- ۴۔ سبھی فتنے قیامت کی نشانیاں ہیں، ان کے بیان کرنے کا یہ مقصد بھی ہے کہ لوگوں کو قیامت کا نزدیک آنا معلوم ہو جائے، اور وہ آخرت کی تیاری میں مشغول ہوں۔

۵۔ اور سب سے اہم فائدہ: مخلص اور غیر مخلص کو جدا کرنا ہے، جیسے امتحان اسی مقصد سے لیا جاتا ہے کہ کس نے پڑھا ہو یا دیکھا ہے اور کس نے یاد نہیں کیا، اسی طرح مؤمن کا بھی وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا ہے کہ کون دعویٰ ایمان میں کھرا ہے اور کون کھوٹا، چنانچہ صرف مدنی زندگی میں صحابہ کرام کم از کم دس مرتبہ امتحان لیا گیا۔ اب یہ نبی ﷺ کی غایت درجہ شفقت ہے کہ امت کو وہ کمزور پونٹ بتادیئے جہاں ایک مؤمن فیل ہو سکتا ہے۔

ایک واقعہ: نصیر الدین طوسی نے اپنے زمانہ کے بادشاہ سے کہا کہ وہ رصد گاہ قائم کرنا چاہتا ہے، بادشاہ نے پوچھا: اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ طوسی نے کہا: ہم ستاروں کی چالوں پر نظر رکھیں گے اور جو واقعات رونما ہونے والے

ہیں ان سے پہلے سے وائف ہو جائیں گے، بادشاہ نے پوچھا: کیا ہم ان واقعات کو ہونے سے روک سکیں گے؟ طوسی نے کہا: نہیں، وہ واقعات پیش آکر رہیں گے، بادشاہ نے پوچھا: رصد گاہ کا خرچ کیا ہے؟ طوسی نے کہا: پچاس ہزار روپے۔ بادشاہ نے کہا: جب ہم ان واقعات کو روک نہیں سکتے تو ان کو جاننے سے کیا فائدہ؟ اور اتنا بڑا خرچ کیوں کیا جائے؟ طوسی نے کہا: میں اس کا فائدہ بتاؤنگا۔

پھر طوسی نے ایسے بہت سارے برتن بنوائے جو وزن میں ہلکے ہوں، مگر بجلیں بہت! جب برتن تیار ہوئے تو طوسی نے بادشاہ سے دربار کرنے کی درخواست کی۔ دربار شروع ہو گیا، جب دربار شباب پر تھا تو حسب پروگرام وہ برتن چھت کے سوراخ سے دربار میں ڈالے گئے، اور لوگوں میں وہ بھگڈر مچی کہ الامان والحفیظ! مگر بادشاہ اور طوسی بہ اطمینان بیٹھے رہے، کیونکہ ان کو پہلے سے اس ڈرامہ کا علم تھا۔ جب ہنگامہ ختم ہوا تو طوسی نے کہا: ہمیں چونکہ اس حادثہ کا پہلے سے علم تھا اس لئے ہم مطمئن رہے اور لوگوں کو علم نہیں تھا اس لئے ان کے ازار بند ٹوٹ گئے، یہ حوادث کو پہلے سے جاننے کا فائدہ ہے، چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور اسلام میں سب سے پہلی رصد گاہ طوسی نے بنائی۔

اسی طرح فتن کی واقفیت بھی ظہورِ فتن کے زمانے میں ایمان کی حفاظت کا سامان ہے، نیز جو فتن سے واقف نہیں وہ نادانستہ طور پر بھی فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، غرض مختلف حکمتوں سے نبی ﷺ نے فتن پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

اس امت میں فتنوں کی زیادتی:

فیض الباری (۴: ۴۹۵) میں ہے کہ فتنہ وہ چیز ہے جس سے مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ امت محمدیہ میں فتنے زیادہ آئیں گے، حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری قدس سرہ اس کی وجہ سوچتے رہے تو آپ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ گذشتہ امتوں پر عذاب آتا تھا اور وہ نیست و نابود کر دی جاتی تھیں، اور اس امت کے لئے بقاء مقدر ہے اس لئے بدکار اور نیکوکار میں امتیاز ضروری ہے، اس لئے اس امت کے لئے فتنے مقدر کئے گئے ہیں تاکہ ان سے امتیاز حاصل ہو (شاہ صاحب کی بات پوری ہوئی) پس فتنہ ہر شخص کے لئے مضر نہیں آگ میل کو بھسم کرتی ہے اور سونے کو نکھارتی ہے، اسی طرح فتنے مؤمنین کی پرواز بڑھاتے ہیں، ان کے لئے فتنوں میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ

کسی مسلمان کا قتل بجز تین وجوہ کے جائز نہیں

حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان کا قتل بجز تین وجوہ کے جائز نہیں، مگر امت میں قتل و قتال کا بازار ہمیشہ گرم رہے گا، ان تین وجوہ کے علاوہ بھی لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے، یہی قتل و قتال: فتنے اور آزمائشیں ہیں، آئندہ یہ روایت آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے تین دعائیں مانگی تھیں، جن میں سے دو قبول ہوئیں اور ایک قبول نہیں ہوئی: آپ

نے مانگا تھا کہ امت عام قح سے ہلاک نہ ہو، اور امت کا اغیار استیصال نہ کریں، یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں، اور آپؐ نے مانگا تھا کہ امت میں تلوار نہ چلے، مگر یہ بات قبول نہ ہوئی، پس امت میں نزاع تو ہوگا اور قتل و قتل کی نوبت بھی آئے گی۔ اور ابھی یہ حدیث گذری ہے کہ شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے اس کی پرستش کریں، مگر وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے۔ لہذا شیطان کی چال سے مؤمنین کو ہوشیار رہنا چاہئے اور آپس میں نہیں لڑنا چاہئے۔

حدیث: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مصر کے بلوایوں نے گھر میں گھیرا تو آپؐ نے اوپر سے جھانکا اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں (بتلاؤ) کیا تم جانتے ہو کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ: زَنَى بَعْدَ إِحْصَانٍ، أَوْ ارْتَدَّ بَعْدَ إِسْلَامٍ، أَوْ قُتِلَ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَقُتِلَ بِهِ: کسی مسلمان کا خون جائز نہیں مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے: شادی ہونے کے بعد زنا کرنے سے، اور اسلام قبول کرنے کے بعد واپس لوٹ جانے سے اور کسی نفس کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے، پس وہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے (لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں ہم یہ حدیث جانتے ہیں، پس آپؐ نے فرمایا: بخدا! نہ تو میں نے زمانہ جاہلیت میں زنا کیا، نہ زمانہ اسلام میں، اور جب سے میں نے نبی ﷺ سے بیعت اسلام کی ہے اسلام سے واپس بھی نہیں پھرا، اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو، پھر آپؐ لوگ میرے قتل کے درپے کیوں ہو!

تشریح: یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے پہلے ابواب الدیات (باب ۱۰۰ تحتہ الألعى ۳۳۲:۴) میں گذر چکی ہے، اور یہاں اس حدیث کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ امت میں ناحق قتل جاری رہے گا، اور یہی امت کے لئے فتنے اور آزمائشیں ہیں، سب سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے ہیں مگر وہ غیر مسلم غلام کے ہاتھ سے شہید کئے گئے تھے، مسلمانوں کے ہاتھ سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمانؓ کا ہوا ہے، پھر فتنوں کا وہ سلسلہ چلا کہ الامان والحفیظ!

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الفتن

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ

[۲۱۵۶-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الصَّبِيِّ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ

بِ سَهْلِ بْنِ حُفَيْفٍ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ، فَقَالَ: أَنْشُدْكُمْ بِاللَّهِ! أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ: زِنَى بَعْدَ إِحْصَانٍ، أَوْ ارْتِدَادٍ بَعْدَ إِسْلَامٍ، أَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَقَتِلَ بِهِ" قَوْلَ اللَّهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا فِي إِسْلَامٍ، وَلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ، فِيمَ تَقْتُلُونَنِي؟

وفی الباب: عن ابن مسعود، وعائشة، وابن عباس، هذا حديث حسن، وروى حماد بن سلمة، عن يحيى بن سعيد هذا الحديث، ورفعته، وروى يحيى بن سعيد القطان، وغير واحد، عن يحيى بن سعيد هذا الحديث فوقفوه، ولم يرفعه، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن عثمان بن النبي صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: حدیث کی سند میں جو یحییٰ بن سعید ہیں وہ انصاری ہیں، وہ جلیل القدر تابعی ہیں، حماد بن زیدان سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں، اور انصاری کے دوسرے تلامذہ مثلاً یحییٰ قطان وغیرہ یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور اس کی سند حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر موقوف کرتے ہیں، مگر یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت عثمانؓ سے مرفوع منقول ہے، اور دوسرے صحابہ سے بھی مرفوع منقول ہے، اس لئے اس کا مرفوع ہونا صحیح ہے۔

باب ماجاء فی تحريم الدماء والأموال

مسلمانوں کی جان و مال کی حرمت

مسلمانوں کی جانیں اور ان کے اموال سب مسلمانوں کے لئے حرام ہیں، مگر ان میں بھی دست درازی ہوتی رہتی ہے، یہی فتنے اور آزمائشیں ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریر میں لوگوں سے سوال کیا: یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: بڑے حج کا دن ہے، یعنی منی کا پہلا دن ہے، پس آپؐ نے اس موقع پر چار باتیں ارشاد فرمائیں:

۱- فَإِنْ دِمَاءُكُمْ وَأَمْوَالُكُمْ وَأَعْرَاضُكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا: تمہارے خون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان حرام ہیں، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں، یعنی جس طرح حج کے دنوں میں حرم شریف میں ان چیزوں میں دست درازی جائز نہیں، اسی طرح مسلمانوں

کی مذکورہ تین چیزوں میں کبھی بھی دست درازی جائز نہیں (باب سے متعلق یہی بات ہے)

۲- أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ: سنو! کوئی جنایت کرنے والا جنایت نہیں کرتا مگر اپنی ذات پر، یعنی اس کا ضرر اسی کو پہنچتا ہے، جو کرتا ہے وہی بھرتا ہے۔ دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، زمانہ جاہلیت میں لوگ قاتل کے باپ کو یا اس کے بیٹے کو یا خاندان کے دوسرے شخص کو مقتول کے قصاص میں قتل کیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا، اور فرمایا: آدمی کی جنایت اس کی ذات ہی پر ہوتی ہے، پھر اگلے نمبر پر اس کلی کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جو کہ شائع ذائع تھی۔

۳- أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلَى وَلَدِهِ، وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلَى وَالِدِهِ: سنو! کوئی جنایت کرنے والا اپنی اولاد پر جنایت نہیں کرتا، اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ پر جنایت کرتی ہے، یعنی باپ کا گناہ اولاد کے سر اور اولاد کا گناہ باپ کے سر نہیں پڑتا، ہر ایک اپنے کئے کا ذمہ دار ہے، یہ مذکورہ کلی کی ایک جزئی ہے، بالتخصیص منع فرمایا ہے کہ قاتل کے عوض میں اس کے باپ یا اولاد کو نہ مارا جائے۔

۴- أَلَا إِنْ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيْسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هَذِهِ أَبَدًا، وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تَحَقَّرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَسَيَرَضَى بِهِ: سنو! اور بیشک شیطان اس بات سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ تمہارے ان علاقوں میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے، البتہ اس کی فرمانبرداری کی جائے گی، تمہارے ان کاموں میں جن کو تم معمولی سمجھتے ہو، پس وہ اسی پر خوش ہو جائے گا، یہ چھوٹے چھوٹے کاموں میں شیطان کی عبادت و اطاعت کا بیان ہے، مثلاً: اس نے نماز قضا کرادی، زکوٰۃ سے غافل کر دیا، کسی کی حق تلفی کرادی وغیرہ۔

اور الکوکب الدری میں ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ کوئی عرب کبھی مشرک نہ ہو، اور شیطان کی عبادت نہ کرے، حدیث کا مقصد صرف اتنا بتانا ہے کہ شیطان فی الحال اسلام کی شوکت، شہرت اور قوت دیکھ کر اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ لوگ واپس پلٹ جائیں اور کفر اختیار کر لیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی شیطان کی پوجا نہ کرے (حضرت گنگوہیؒ کی بات پوری ہوئی) یعنی یہ حدیث خطابی ارشاد ہے، منطقی کلیہ نہیں ہے اور اس قسم کی روایات میں عمومی اور اکثری احکام بیان ہوتے ہیں، پس اگر بعض افراد قاعدہ سے نکل جائیں تو یہ بات مضر نہیں۔

[۲-] بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ

[۲۱۵۷-] حَدَّثَنَا هَذَا، ثَنَا أَبُو الْأَخْوَصِ، عَنْ شَيْبِ بْنِ عُرْقَدَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْأَخْوَصِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلنَّاسِ: "أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟" قَالُوا: "يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ"، قَالَ:

١- فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا.

۲- أَلَا لَا يَجْنِي جَانٌّ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ.

٣- أَلَا لَا يَجْنِي جَانٌّ عَلَى وَلَدِهِ، وَلَا مَوْلُودٌ عَلَى وَالِدِهِ.

٤- أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيَسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هَذِهِ أَبَدًا، وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا

تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَسِيرْ ضَى بِهِ.

وفي الباب: عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، وَحَذِيفَةَ بْنِ عَمْرٍو السَّعْدِيِّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَرَوَى زَائِدَةُ، عَنْ شَيْبِ بْنِ غَرْقَدَةَ نَحْوَهُ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شَيْبِ بْنِ غَرْقَدَةَ.

وضاحت: اس حدیث کی شکیب سے آخر تک یہی سند ہے، پھر نیچے روایتیں کرنے والے متعدد ہیں ابوالاحوص بھی ہیں اور زائدہ بھی۔

بابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَرُوَّعَ مُسْلِمًا

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو گھبرائے

کسی مسلمان کو گھبراہٹ میں ڈالنا اور ڈرانا بھی ایک طرح کا فتنہ ہے اس سے بھی لوگوں کو بچنا چاہئے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَاعِبًا جَدًّا، فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيُرِدَّهَا إِلَيْهِ، تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لاشی نہ لے، درانحالیکہ وہ کھیل کرنے والا ہو، سنجیدگی سے لینے والا ہو، پس جس نے اپنے بھائی کی لاشی لی تو چاہئے کہ وہ اسے لوٹا دے۔

تشریح: لاعِبًا جَدًّا: دونوں حال ہیں لایاخذ کے فاعل سے، اور یہ متضاد حال دو طرح سے جمع ہوتے ہیں:

۱۔ لاشی مزاج کے طور پر لی، پھر اسے دہالی اور واپس نہیں کی تو ابتداء میں کھیل تھا اور آخر میں سنجیدگی ہو گئی۔

۲۔ اور شرح السنہ میں ہے کہ کسی کا سامان لیا، چرانے کا ارادہ نہیں تھا صرف اس کو غصہ دلانا اور پریشان کرنا مقصود تھا، پس وہ چرانے کے اعتبار سے تو کھیل کرنے والا ہے اور غصہ دلانے میں اور گھبرانے میں اور تکلیف پہنچانے میں سنجیدہ ہے، اس طرح یہ دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔

[۳-] بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا

[٢١٥٨-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، نَا ابْنُ أَبِي ذُئْبٍ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ،

عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَاعِبًا

جَادًا، فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرْدِّهَا إِلَيْهِ“

وفى الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَسَلْيَمَانَ بْنِ صُرَدَ، وَجَعْدَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي ذَنْبٍ، وَالسَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ: لَهُ صُحْبَةٌ، قَدْ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ غُلَامٌ، قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالسَّائِبُ ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ، وَأَبُوهُ يَزِيدُ بْنُ السَّائِبِ: هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ.

وضاحت: یہ حدیث ابن ابی ذنب: السائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں، یہ بھی صحابی ہیں، انھوں نے نبی ﷺ سے بچپن میں حدیثیں سنی ہیں، وفات نبوی کے وقت یہ سات سال کے تھے، اور ان کے ابا یزید بن السائب بڑے صحابی ہیں، انھوں نے نبی ﷺ سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشَارَةِ الرَّجُلِ عَلَى أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ

کسی بھی مسلمان کو ہتھیار دکھانا

کبھی لوگ قتل کے ارادہ کے بغیر دوسرے کو ہتھیار دکھاتے ہیں، چاقو سے اشارہ کر کے کہتے ہیں: چاقو مار دوں گا! باندوق پستول تان کر کہتے ہیں: اڑا دوں گا۔ یہ ممنوع ہے، کبھی شیطان اس ڈرامے کو واقعہ بنا دیتا ہے، پس اس سے بچنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ یہ چیز فتنہ نہ بن جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَسَارَ عَلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، لَعَنَتْهُ الْمَلَائِكَةُ: جس نے اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار کے ذریعے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، دوسری سند سے اس حدیث میں یہ اضافہ ہے: وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ: چاہے وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو، اس کو بھی ہتھیار نہیں دکھانا چاہئے، اگرچہ اس صورت میں قتل کا ارادہ یا احتمال نہیں ہوتا، صرف ڈرانا مقصود ہوتا ہے مگر شیطان کبھی اس کو بھی واقعہ بنا دیتا ہے۔

[۴-] بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشَارَةِ الرَّجُلِ عَلَى أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ

[۲۱۵۹-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ، نَا مَحْبُوبُ بْنُ الْحَسَنِ، نَا خَالِدُ الْحَذَاءُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”مَنْ أَسَارَ عَلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ لَعَنَتْهُ الْمَلَائِكَةُ“

وفى الباب: عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا

الْوَجْهَ، يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيثِ خَالِدِ الْحَذَاءِ.
وَرَوَى أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَيْرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعَهُ، وَزَادَ فِيهِ: "وَإِنْ كَانَ
أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ" حَدَّثَنَا بِذَلِكَ قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ بِهَذَا.

وضاحت: یہ حدیث محمد بن سیرین سے خالد حذاء روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں، امام ترمذی نے اس کو غریب قرار دیا ہے کیونکہ رفع میں خالد کا کوئی متابع نہیں، مگر مسلم شریف (حدیث ۲۶۱۶) میں ایوب سختیانی سے ابن عیینہ کی روایت ہے، وہ بھی اس حدیث کو مرفوع کرتے ہیں، اور وان کان أخاه لأبیه وأمه کا اضافہ اسی حدیث میں ہے، ہاں ایوب کے شاگرد حماد بن زید اس کو مرفوع نہیں کرتے، مگر جب خالد حذاء کے متابع ہیں اور ان کی روایت مسلم میں ہے تو حدیث کا مرفوع ہونا صحیح ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُولاً

سونتی ہوئی تلوار دینے کی ممانعت

اگر کسی کو چھری، چاقو، تیر، پیکان یا تلوار وغیرہ دینی پڑے تو یہ چیزیں کھلی اور سونتی ہوئی نہیں دینی چاہئیں، بلکہ چاقو بند کر کے، تلوار میان میں رکھ کر کے یا پھل اپنی طرف اور دستہ دوسرے کی طرف کر کے دینا چاہئے، تاکہ غلطی سے لگ نہ جائے اور فتنہ نہ بن جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ سونتی ہوئی تلوار دی جائے، یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، حماد بن سلمہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں، اور عبد اللہ بن لہیعہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر سے اور وہ حضرت بنہ جہنی سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے پہلی سند کو صحیح قرار دیا، کیونکہ ابن لہیعہ ضعیف راوی ہیں۔

[۵-] بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُولاً

[۲۱۶۰-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ الْبَصْرِيُّ، نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولاً.
وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، وَرَوَى ابْنُ لَهْيَعَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ بَنَّةِ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَدِيثُ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عِنْدِي أَصَحُّ.

بَابُ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی گارنٹی میں ہے

پس ایسے نمازی بندے کو ستانا اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ ڈالنا ہے اور جو شخص اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لیتے ہیں، اور اس کو آزمائشوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے آزمائش سے بچنے کے لئے ایسے بندے کو نہیں ستانا چاہئے۔ اور یہ حدیث حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی سند سے کتاب الصلوٰۃ باب ۵۲ (حدیث ۲۱۷) میں گزر چکی ہے۔

[۶]- بَابُ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

[۲۱۶۱]- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا مَعْدِيُّ بْنُ سُلَيْمَانَ، نَا ابْنُ عَجَلَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ، فَلَا يَتَّبِعَنَّكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذِمَّتِهِ"

وفى الباب: عَنْ جُنْدُبٍ، وَابْنِ عُمَرَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

لغت: لَا يَتَّبِعَنَّكُمْ کو مجرد سے بھی پڑھ سکتے ہیں اور مزید سے بھی، تَبِعَ الشَّيْءُ، وَاتَّبَعَهُ کے معنی ہیں: پیچھے چلنا، پیچھے پڑنا، یعنی اللہ تعالیٰ انتقام لینے کے لئے ہرگز تمہارا پیچھا نہ کریں۔

بَابُ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ

جماعت کے ساتھ لگا رہنا

فتنوں سے حفاظت کا ایک ذریعہ اجتماعیت اور اجتماعیت کے ساتھ لگا رہنا ہے، اتحاد و اتفاق میں جو قوت ہے وہ تشنت و افتراق میں نہیں، چند کمزور باہم مل کر قوی ہو جاتے ہیں اور مضبوط پہلوان تنہا ہچھاڑ دیا جاتا ہے، بچپن میں یہ واقعہ آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ جب ایک شخص کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے دس بیٹوں کو بلایا، اور ان کو ایک ایک چھڑی دی، اور کہا: اسے توڑ دو، سب نے توڑ دی، پھر اس نے ویسی ہی دس چھڑیاں منگوائیں اور ان کو جمع کر کے باندھ دیا، پھر ہر ایک سے توڑنے کے لئے کہا تو کوئی نہ توڑ سکا، اب باپ نے نصیحت کی کہ آزمائشوں اور فتنوں سے بچنا ہو تو اجتماعیت کے ساتھ رہنا، تمہیں دشمن نہیں توڑ سکے گا، ورنہ تم بے حیثیت ہو جاؤ گے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ اور مضبوط تھا مو اللہ کی رسی کو، یعنی اللہ کے دین کو سب اکٹھے ہو کر اور

بٹ نہ جاؤ، مگر یہ نعمت بڑی مشکل سے حاصل ہوتی ہے جب تک کسی قوم کے ساتھ اللہ کو خیر منظور ہوتی ہے: وہ ایک لڑی میں منسلک رہتی ہے، پھر جب اس کی نکت واد بار کا وقت آتا ہے تو وہ خواہ مخواہ آپس کے جھگڑوں میں پھنس جاتی ہے، اور اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ اور آپس میں مت لڑو، ورنہ تمہارے پیر پھسل جائیں گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

حدیث (۱): جابیہ جو ملک شام کا ایک گاؤں ہے، جو دمشق سے جانب جنوب تقریباً پچھتر کلومیٹر ہے، جو قدیم زمانہ سے لشکروں کی چھاؤنی رہا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی شام کی بڑی چھاؤنی تھی وہاں حضرت عمرؓ نے ابجری میں تشریف لے گئے ہیں، وہاں آپؓ نے فوج کے سامنے تقریر فرمائی کہ لوگو! میں تمہارے درمیان کھڑا ہوا ہوں جیسا نبی ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے، پس آپؓ نے فرمایا:

۱- أَوْصِيكُمْ بِأَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبُ، حَتَّى يَخْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدُ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ: میں آپ لوگوں کو میرے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے متصل ہیں، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے متصل ہیں، پھر جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ آدمی قسم کھائے گا اور وہ قسم کھلایا نہیں جائے گا، اور گواہی دے گا اور اس سے گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: تین زمانے خیر القرون (بہترین زمانے) ہیں، صحابہ کا زمانہ، پھر تابعین کا زمانہ، پھر تبع تابعین کا زمانہ، اس کے بعد کوئی خیر نہیں، اور یہ زمانے طول و عرض میں ایک ساتھ چلتے ہیں، نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں جن مسلمانوں نے بحالت ایمان نبی ﷺ کی زیارت کی تھی وہ صحابہ تھے، مگر سب مسلمانوں نے نبی ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی، مدینہ منورہ سے جو دور رہتے تھے ان میں سے اکثر کو آپؐ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی، پھر ان کے قبیلہ میں کوئی صحابی کسی ضرورت سے گیا اور اس بستی والوں نے صحابی کی زیارت کی تو وہ تابعی ہو گئے، پھر جن مسلمانوں نے ان تابعین کو دیکھا وہ تبع تابعی ہوئے، اور جنہوں نے تابعی کو بھی نہیں دیکھا وہ چوتھے قرن کے لوگ ہوئے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔

اسی طرح نبی ﷺ کی وفات کے بعد سن ۱۱۰ ہجری تک صحابہ حیات رہے، اس زمانہ میں ان کے ساتھ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے لوگ بھی تھے، پھر سن ۱۱۰ ہجری کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے لوگ تھے، پس ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ تینوں قرن آگے پیچھے ہیں، بلکہ زمین کی پہنائی میں اور زمانہ کی درازی میں یہ چاروں قرن ایک ساتھ ہیں۔

اور اس حدیث میں نبی ﷺ نے امت کو وصیت کی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے ساتھ قابل لحاظ معاملہ کریں، اسی

طرح تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ بھی، پھر صورت حال خراب ہو جائے گی، جھوٹ پھیل جائے گا، لوگ قسمیں کھانے پر دلیر ہو جائیں گے، کوئی قسم نہیں کھلائے گا تب بھی قسم کھائیں گے، اور گواہی دینے کا جذبہ اتنا بڑھ جائے گا کہ گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا تب بھی وہ آگے بڑھ کر گواہیاں دیں گے۔

۲- اَلَا لَا يَخْلُوْنَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ: سنو! ہرگز تنہا نہ ہو کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ مگر ان دونوں کا تیسرا شیطان ہے، یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم دو ہیں، وہاں تیسرا شیطان ضرور موجود ہوتا ہے، اور وہ آگ لگانے میں دیر نہیں کرتا، یہ حدیث پہلے باب ۵۲ کتاب النکاح (تحفہ ۳: ۶۱۰) میں گزر چکی ہے۔

۳- علیکم بالجماعة، وایاکم والفرقة، فإن الشیطان مع الواحد، وهو من الاثنین ابعدا: اجتماعت کو لازم پکڑو، اور افتراق سے بچو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے، یعنی شیطان تنہا کو جتنا ضرر پہنچا سکتا ہے دو کو اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتا، اور جتنا دو کو پہنچا سکتا ہے تین کو اتنا نہیں پہنچا سکتا، پس زیادہ سے زیادہ اجتماعت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

۴- مَنْ ارَادَ بُخْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمْ الْجَمَاعَةَ: جو شخص جنت کے وسط میں جگہ چاہتا ہے: چاہئے کہ وہ اجتماعت کو لازم پکڑے، اجتماعت کے ساتھ جو دینی کام انجام پاتے ہیں وہ انفرادیت کے ساتھ انجام نہیں پاسکتے، اسی لئے باجماعت نماز پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

۵- مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ، وَسَاءَ تَهْ سَيَّلَتْهُ فَذَلِكُمُ الْمُؤْمِنُ: جس کو اپنی نیکی سے خوشی ہو اور اپنی برائی سے تکلیف ہو، وہ مؤمن ہے، یہ ایک کسوٹی ہے، جس سے آدمی اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس میں ایمان ہے یا نہیں؟ یوں ہر شخص خود کو مؤمن کہتا ہے مگر ایمان کی حقیقت ہمارے اندر ہے یا نہیں؟ وہ اس کسوٹی سے معلوم ہوگی۔

ملحوظہ: یہ حدیث فی نفسہ حسن صحیح ہے مگر اس کی یہاں جو سند ہے اس میں النضر بن اسماعیل ابوالمغیرہ مضبوط راوی نہیں، اس لئے اس سند سے یہ حدیث ضعیف ہے، اور یہ حدیث مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے۔ حدیث (۲): نَبِیِّ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَةٍ، وَیَدُ اللّٰهُ عَلٰی الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَدَّ شَدًّا اِلٰی النَّارِ: بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو (یا فرمایا: محمد ﷺ) کی امت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کریں گے، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اور جو شخص تنہا ہو اور دوزخ کی طرف تنہا ہوا (شد: لازم ہے اس لئے اس کا مجہول نہیں آئے گا)

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں:

پہلا مضمون: امت کسی گمراہی پر متفق ہو جائے یہ بات ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی امت کی اس سے حفاظت فرماتے ہیں، اسی لئے اجماع امت حجت ہے، اجماع کی حجت سورۃ النساء کی آیت ۱۱۵ سے بھی

ثابت ہے، اور بہت سی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے، اور اس مسئلہ میں غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک امت کا اجماع حجت نہیں، مگر وہ عام طور پر صاف انکار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں: قطعی اجماع حجت ہے، ظنی اجماع حجت نہیں، یعنی جو اجماع اخبار آحاد سے منقول ہو وہ حجت نہیں، اسی کو کہتے ہیں: ”ناچنا نہیں آگن ٹیڑھا“ آخر اجماع قطعی کیسے بنے گا؟ لیا اس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوگا، اور جب اخبار آحاد حجت ہیں جو مفید ظن ہیں تو پھر وہ اجماع جو حدیثوں ہی کی طرح منقول ہو، کیوں حجت نہیں! (اجماع کی حیثیت پر مزید کلام مقدمہ (تحفۃ اللمعی: ۵۸:۱) میں گذر چکا ہے)

دوسرا مضمون: اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اور باب کے آخری حدیث میں علی کے بجائے مع ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے کہ اللہ کی نصرت، حمایت اور مدد جماعت کے شامل حال رہتی ہے، پس جو بندہ جماعت کے ساتھ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مستفید ہوگا۔

تیسرا مضمون: اور جو جماعت سے علیحدہ ہو یعنی اہل السنہ والجماعہ سے جدا پڑا اور کسی گمراہ فرقے کے ساتھ ہو گیا وہ دوزخ کی طرف علیحدہ ہو یعنی وہی تنہا جہنم میں جائے گا۔

ملاحظہ: اس حدیث کی سند کا ایک راوی سلیمان المدینی ضعیف ہے لیکن باب کی آخری حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مصری نسخہ میں حسن غریب ہے، علاوہ ازیں اس روایت کے متعدد شواہد ہیں، اس لئے یہ روایت صحیح ہے۔ غیر مقلدین چونکہ اجماع کو حجت نہیں مانتے اس لئے وہ اس روایت میں طرح طرح سے کیڑے نکالتے ہیں۔

[۷-] بَابُ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ .

[۲۱۶۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا النَّصْرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ أَبُو الْمُغِيرَةِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْفَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قُمْتُ فِيكُمْ كَمَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا، فَقَالَ:

[۱-] أَوْصِيكُمْ بِأَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ، حَتَّى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدُ الشَّاهِدُ، وَلَا يُسْتَشْهَدُ.

[۲-] أَلَا لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِأَمْرَةِ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ.

[۳-] عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفِرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ أَبْعَدُ.

[۴-] مَنْ أَرَادَ بِحُبُوحَةِ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ.

[۵-] مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمْ الْمُؤْمِنُ .
 هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
 [۲۱۶۳-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثَنَا سُلَيْمَانُ الْمَدِينِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي - أَوْ قَالَ: أُمَّةٌ مُحَمَّدٍ - عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَذُ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَدَّ شَدًّا إِلَى النَّارِ"
 هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَسُلَيْمَانُ الْمَدِينِيُّ: هُوَ عِنْدِي سُلَيْمَانُ بْنُ سُفْيَانَ، وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ.

[۲۱۶۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَذُ اللَّهُ مَعَ الْجَمَاعَةِ"
 هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَأَنَّهُ لَمْ يَرْوَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بابُ مَا جَاءَ فِي نَزُولِ الْعَذَابِ إِذَا لَمْ يُغَيَّرِ الْمُنْكَرُ

منکر کو مٹایا نہ جائے تو عذاب آئے گا

دعوت یعنی لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانا فرض ہے، پھر دعوت کی دو قسمیں ہیں: غیروں کو دعوت دینا اور اپنوں کو دعوت دینا یعنی غیروں کو دین کی طرف بلانا، اور اپنوں کو دین پر جمانا، یہ دونوں ہی دعوتیں ضروری ہیں، سورہ آل عمران آیت ۱۱۰ میں ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ ترجمہ: تم لوگ اچھی جماعت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہو، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اس آیت میں دونوں دعوتوں کا ذکر ہے، اخراجت للناس میں غیروں کو دعوت دینے کا ذکر ہے، قرآن کریم الناس سے غیروں کا ذکر کرتا ہے، اور تأمرون سے آخر تک اپنوں کو دعوت دینے کا اور خود کو ایمان کے تقاضوں پر جمانے کا ذکر ہے۔

پھر جاننا چاہئے کہ پہلی قسم کی دعوت سے اگر امت تغافل برتے تو اس پر عذاب کی دھمکی نہیں دی گئی، مگر دوسری دعوت میں غفلت برتنے پر احادیث شریفہ میں عذاب کی خبر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسروں کو دعوت خود بخود پہنچے گی، اور اگر اپنوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور وہ نام کے مسلمان رہ جائیں تو وہ دوسروں کی دین بیزاری کا سبب بن جائیں گے، ان کو اگر دعوت دی بھی جائے گی تو وہ اثر انداز نہیں

ہوگی، اس لئے پہلے محنت اسلامی معاشرہ پر ہونی چاہئے، اگلے باب میں اس سلسلہ کی روایات آرہی ہیں۔

البتہ اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک آیت سے غلط فہمی ہو سکتی ہے، یہاں اس کا ازالہ کیا جا رہا ہے، سورۃ المائدہ آیت ۱۰۵ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، اس آیت کے ظاہر سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، اس کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، مگر یہ بات قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطاب عام میں فرمایا: لوگو! تم یہ آیت کریمہ پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو، تم یہ سمجھتے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، سنو! میں نے خود نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرم کے ساتھ ان کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔

پس اس حدیث کی روشنی میں آیت کریمہ یا تو پہلی دعوت کے ساتھ خاص ہے، یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ میں اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں، اور نصیحت و فہمائش سے بھی باز نہیں آتے تو تم ان کے غم میں نہ پڑو، ان کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اور سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرے، پھر بھی لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں (نوائد شیریہ)

اور اگر یہ آیت مسلمانوں کو بھی عام ہے تو إذا اهتديتم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی داخل ہے، مسلمانوں کی اصلاح کی فکر اولاً ہر شخص پر ضروری ہے، پھر امکان بھر کوشش کرنے کے بعد اگر لوگ نہ سنیں تو وہ ذمہ دار نہیں۔ ابوداؤد (حدیث ۴۳۴۱) میں ہے: حضرت ابو ثعلبہ ششی رضی اللہ عنہ سے علیکم أنفسکم کا مطلب پوچھا گیا، آپؓ نے فرمایا: میں نے اس کا مطلب نبی ﷺ سے پوچھا ہے، آپؓ نے فرمایا: بَلِ انْتُمْ رَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَذَاهُوا عَنِ الْمُنْكَرِ، حَتَّى إِذَا رَأَيْتَ شُعْخًا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤَثَّرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ، فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ، وَذَنْعُكَ الْعَوَامَ۔ ترجمہ: بلکہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو، اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو یہاں تک کہ جب تم دیکھو ایسی بخیلی کو جس کی پیروی کی جا رہی ہے، اور ایسی خواہش کو جس کے پیچھے چلا جا رہا ہے، اور ایسی دنیا کو جسے ترجیح دی جا رہی ہے، اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اتر رہا ہے تو اپنے آپ کو لازم پکڑو، اور عوام کا خیال چھوڑو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محنت کے بعد علیکم أنفسکم کا نمبر ہے۔

[۸-] بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ الْعَذَابِ إِذَا لَمْ يُغَيَّرِ الْمُنْكَرُ

[۲۱۶۵-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَائِزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، نَا إِسْمَاعِيْلَ بْنَ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصَّدِّيقِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَأُونَ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الظَّالِمَ، فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ، أَوْشَكَ أَنْ يَعْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَائِزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ نَحْوَهُ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَائِشَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَاللُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، وَحُذَيْفَةَ، هَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ نَحْوَ حَدِيثِ يَزِيْدَ، وَرَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

معروف: ہر وہ کام ہے جس کا اچھا ہونا عقل و شرع سے پہچانا جاتا ہو، اور منکر: ہر وہ کام ہے جس کا برا ہونا عقل و شرع سے پہچانا جاتا ہو، معروف و منکر اسم مفعول ہیں، ان کے لغوی معنی ہیں: جانا ہوا اور انجانا، اور پچھلے باب میں یہ بات عرض کی گئی ہے کہ دعوت کے دو دائرے ہیں: ایک: غیروں کو دین کی طرف بلانا، دوسرا: مسلمانوں کے احوال کو سنوارنا اور ان کو بھلی باتوں کا حکم دینا، اور برائیوں سے روکنا، کیونکہ امت اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسرے خود ہی اس سے متاثر ہونگے، اور اگر امت کا حال بگڑ جائے تو ان کو دیکھ کر دوسرے بھی دین سے بدک جائیں گے، اس لئے اصل محنت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہونی چاہئے۔ اسی وجہ سے اس سے غفلت برتنے پر احادیث میں وعیدیں آئی ہیں، مگر امت ایک عرصہ سے اس طرف سے غافل ہے، چنانچہ رفتہ رفتہ امت کا جو حال ہو گیا ہے وہ ہر شخص کے سامنے ہے، آج بلا مبالغہ اسی فیصد مسلمان بس نام کے مسلمان ہیں، جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود! والی بات صادق آتی ہے اور کسی کو فکر نہیں: نہ باپ اولاد سے کچھ کہتا ہے، نہ شوہر بیوی سے، نہ بھائی بھائی سے، سب اپنی دنیا میں لگن ہیں، پھر عذاب نہیں آئے گا تو کیا رحمت کے جھونکیں چلیں گے!

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! البتہ ضرور بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکنا بہت جلد اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دیں گے، پھر تم اللہ سے دعائیں مانگو گے

اور وہ تمہاری دعائیں قبول نہیں کریں گے۔

تشریح: عذاب کی یہ دھمکی اصلاح معاشرہ کی فکر چھوڑنے کی صورت میں دی گئی ہے، غیروں کو دعوت دینے میں کوتاہی کرنے پر ایسی کوئی دھمکی نہیں آئی، پس بنیادی اہمیت امت مسلمہ کو سنبھالنے کی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کرو اور باہم ایک دوسرے پر تلواریں چلاؤ، اور تمہاری دنیا کے وارث بن جائیں تمہارے بدترین لوگ!

تشریح: قیامت سے پہلے ایسا آزمائش کا زمانہ ضرور آئے گا اور یہ ملت کے بگاڑ کا آخری درجہ ہوگا کہ لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے، آپس میں خوں ریزی ہوگی اور حکومت کی باگ ڈور برے لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی، اس کے بعد خیر نہیں، صرف قیامت کا انتظار باقی رہے گا۔

ملحوظ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل اور اس کے بعد کے واقعات اس حدیث کا مصداق نہیں، کیونکہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وارث ہوئے تھے اور وہ نیکوں کے سردار تھے۔

حدیث (۳): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے اس لشکر کا تذکرہ کیا جس کو زمین میں دھنسیا جائے گا (اس کا تذکرہ آگے باب فی الحسف (باب ۱۹) میں آ رہا ہے) حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس لشکر میں زبردستی لایا ہوا شخص بھی تو ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: إِنَّهُمْ يُبْعَثُونَ عَلٰی نِبَاتِهِمْ: وہ لوگ اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے، یعنی وہ لوگ بھی زمین میں دھنسائے جائیں گے مگر قیامت کے دن ان کے ساتھ ان کی نیتوں کے مطابق معاملہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت ہو اور ظن غالب ہو کہ امر و نہی کا فائدہ ہوگا تو امور واجبہ میں امر و نہی واجب ہیں اور امور مستحبہ میں مستحب، اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو امور واجبہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں، البتہ اگر آدمی ہمت کر کے اصلاح حال کی کوشش کرے تو بڑے ثواب کا حق دار ہوگا۔

[۹-] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

[۲۱۶۶-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، فَتَذَعُونَهُ

فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ

حدثنا علي بن حجر، نا إسماعيل بن جعفر، عن عمرو بن أبي عمرو بهذا الإسناد نحوه، هذا حديث حسن.

[۲۱۶۷-] حدثنا قتيبة، نا عبد العزيز بن محمد، عن عمرو بن أبي عمرو، عن عبد الله بن عبد الرحمن الأنصاري الأشهلي، عن حذيفة بن اليمان، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتُلُوا إِمَامَكُمْ، وَتَجْتَلِدُوا بِأَسَافِكُمْ، وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ" هذا حديث حسن.

[۲۱۶۸-] حدثنا نصر بن علي، نا سفيان، عن محمد بن سوقة، عن نافع بن جببر، عن أم سلمة، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ ذَكَرَ الْجَيْشَ الَّذِي يُخَسَفُ بِهِمْ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: لَعَلَّ فِيهِمُ الْمُكْرَهُ! قَالَ: "إِنَّهُمْ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ" هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

لغت: تَجْتَلِدُ: ایک دوسرے کو تلوار مارنا، مجرد: جَلَدَهُ بِالسَّيْفِ: تلوار سے مارنا

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

منکر کو ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے روکنا

پہلے چند ضروری باتیں جان لینی لیں:

۱- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہیں اور یہ دینی خیر خواہی ہے، اور جن لوگوں نے ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ﴾ سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، اسی طرح ﴿وَلَا تَوْرُ وَازِرَةٌ وَذَرَّ أَخْوَى﴾ سے استدلال کیا ہے اس کا جواب آچکا کہ آیت کا حکم اصلاح حال کی کوشش کے بعد ہے، اور یہ دوسرے کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کی سزا ہے۔

۲- پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں اگر کچھ لوگ اس کو انجام دیدیں تو باقی سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا، ورنہ تمام قادرین گنہ گار ہوں گے، جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو، اپنی اولاد کو یا اپنے غلام کو معروف میں کہتا ہے اور منکر میں دلیہ پائے تو اس کی اصلاح فرض ہے، اور عام مسلمانوں میں کوتاہی دیکھے اور اس کا خیال ہو کہ کہنے سے

کچھ فائدہ نہیں ہوگا تو بھی کہنا ضروری ہے، ﴿فَإِنَّ الذَّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی نصیحت کرنے سے مؤمنین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۳- اور علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کو بھی یہ فریضہ انجام دینا چاہئے، بلکہ صدر اول میں تو عام مسلمان حکام پر بھی نکیر کرتے تھے، البتہ یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا مسائل سے واقف ہو، پھر اگر مسئلہ واجبات ظاہرہ کا اور محرمات مشہورہ کا ہے جیسے نماز، روزہ اور زنا اور شراب نوشی وغیرہ جن کو سب مسلمان جانتے ہیں، پس ان سے روکنے کی ذمہ داری بھی سب کی ہے، اور اگر مسئلہ مجتہد فیہ ہو تو جوابل علم مسئلہ میں بصیرت رکھتے ہیں انہی کا یہ مقام ہے۔

۴- اور اس فریضہ کے آداب میں سے یہ ہے کہ حکمت کا لحاظ کر کے بات کہی جائے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جس نے اپنے بھائی کو چپکے سے نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ خیر خواہی کی، اور اس کو سنوار دیا، اور جس نے اس کو علانیہ نصیحت کی اس نے اس کو رسوا کیا، اور اس کو عیب دار کر دیا، ہاں اگر کوئی منکر عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہو تو کسی کا نام لئے بغیر عام لوگوں کے سامنے بھی نکیر کر سکتے ہیں۔

حدیث: طارق بن شہاب کہتے ہیں: مروان نے سب سے پہلے عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دیا، تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: آپ کا یہ عمل سنت (دینی راہ) کے خلاف ہے، مروان نے جواب دیا: یا فلاں! اَتُرِکَ مَا هَذَا لَكَ: اوصاحب! پہلے والا طریقہ اب مفید نہیں رہا، یعنی پہلے لوگ نماز کے بعد خطبہ سننے کے لئے بیٹھتے تھے، مگر اب لوگ چل دیتے ہیں، اور نصیحت ضروری ہے، اس لئے میں پہلے خطبہ دیتا ہوں، یہی وقت کا تقاضا ہے، مگر اس کی یہ بات صحیح نہیں تھی، لوگ اس لئے چل دیتے تھے کہ بنو امیہ اپنے خطبوں میں بنو ہاشم کی برائی کرتے تھے جس کو لوگ سننا نہیں چاہتے تھے، پس قصور خود ان کا تھا۔

اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ: اس شخص نے وہ فریضہ انجام دیا جو اس پر تھا، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے: مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكَرْهُ بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ: جو کسی نا جائز امر کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور جس کے بس میں یہ بات نہ ہو تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنی زبان سے بدلے، اور جس کے بس میں یہ بھی نہ ہو تو وہ اپنے دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ بات ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (یہ حدیث مسلم) حدیث (۴۹) میں ہے)

تشریح:

۱- جمعہ اور عیدین کے خطبے چونکہ ثانوی درجہ میں مطلوب ہیں، اصل نماز مقصود ہے اس لئے ان کو نماز کے بعد رکھا

گیا ہے، پھر جمعہ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا جس کی وجہ سے خطبہ مقدم کیا گیا، تفصیل پہلے (تحفۃ اللمعی ۲: ۴۰۵ ابواب العیدین باب ۶۸ میں) گذر چکی ہے، اور عیدین کے خطبے اپنی اصل پر ہیں، لیکن خلافت راشدہ کے بعد مروان نے عیدین کے خطبوں میں بھی تبدیلی کی اور ان کو بھی پہلے دینا شروع کیا، اور سب سے پہلے یہ کام کس نے کیا؟ اس سلسلہ میں مختلف نام لئے گئے ہیں، حضرت عمر کا، حضرت عثمان کا، حضرت معاویہ کا، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کا مگر یہ سب نام صحیح نہیں، سب سے پہلے یہ کام مروان نے کیا، پھر جب بنو عباس کا درو آیا تو صورت حال صحیح ہو گئی اور آج تک وہی معمول بہ ہے۔

۲- اور بخاری و مسلم میں یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان پر نکیر کی، وہ دونوں عید گاہ ساتھ ساتھ آئے تھے، مروان سیدہ منبر کی طرف چلا تو حضرت ابوسعید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا مگر وہ نہیں مانا، اور جواب دیا: قَدْ تَوَكَّلْتُكَ مَا تَعْلَمُ! آپ جو جانتے ہیں وہ زمانہ گیا! حضرت ابوسعید خدریؓ نے جواب دیا: كَلَّا! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا تَأْتُونَ بِخَيْرٍ مِّمَّا أُعْلِمُ! ہرگز نہیں، قسم اس ہستی کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم لوگ نہیں لاؤ گے کوئی کام بہتر ان کاموں سے جو میں جانتا ہوں، یہ بات تین مرتبہ کہہ کر حضرت ابوسعید صف میں جا بیٹھے (مسلم شریف حدیث ۸۸۹) پھر اس شخص نے جس کا اس روایت میں ذکر ہے کھڑے ہو کر نکیر کی، اس لئے اس کے عمل کا درجہ بڑھ گیا، اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بندے نے جو اس پر حق تھا چکا دیا۔

۳- کسی منکر کو ہاتھ سے بدلنا یہ ہے کہ منکر میں مشغول لوگوں کو کسی بھی طرح اس سے روک دے، مثلاً: آلات لہو و لعب توڑ دے، ان کی سرزنش اور پٹائی کرے، مگر یہ کام حاکم کا ہے، قوت نافذہ کے بغیر یہ کام کرنے سے فتنہ ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ زبان سے تبدیلی کرنے کا ہے، یعنی برائی میں مشغول لوگوں کو سمجھایا جائے، ان پر اعتراض کیا جائے، یہ کام عام احوال میں ہر شخص کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص بے ہمت ہو اور اس کی بھی ہمت نہ کر سکے، تو آخری درجہ دل سے منکر کو برا سمجھنے کا ہے، اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں، بلکہ اس سے نیچے مداہنت فی الدین ہے جو پورے معاشرے کو لے ڈالتی ہے، اور اس کا تذکرہ آئندہ باب میں آ رہا ہے۔

۴- اور اس آخری درجہ کو جو ایمان کا ضعیف ترین درجہ قرار دیا ہے یہ مسبب سے سبب پر استدلال ہے، اس استدلال کا نام استدلالِ اِنْفِی ہے، جیسے دھوئیں سے آگ پر استدلال کیونکہ ایمان ایک قلبی حالت ہے اور امر مخفی ہے، پس اس کی قوت و ضعف کا اندازہ مؤمن کے اعمال سے لگایا جائے گا جو قوی الایمان ہوگا، وہ بر ملا نکیر کرے گا، اور جو کم ہمت ہوگا وہ ہچکچائے گا، یہ اس کے ایمان کے ضعف کی دلیل ہے مگر یہ خیال رہے کہ ایمان اس کا بھی ناقص نہیں، البتہ وہ کمزور ہے، چنانچہ اس کے آثار ظاہر نہیں ہوئے، اور وہ منکر کو صرف دل سے برا سمجھ کر رہ گیا، لیکن بہر حال یہ بھی

ایک ایمانی درجہ ہے جیسے قوی اور ضعیف دونوں کامل انسان ہیں، مگر دونوں میں فرق ہے، پھر اس کے بعد ایمان ہی ناقص ہے۔ یہ مدہانت کرنے والے اور موافقت کرنے والے لوگ ہیں۔

[۱۰-] بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

[۲۱۶۹-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ: خَالَفْتَ السُّنَّةَ! فَقَالَ: يَا فُلَانُ تَرِكَ مَا هُنَاكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَوْعَفُ الْإِيمَانِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مِنْهُ

منکرات میں مدہانت کرنے والے کی مثال

اس باب میں وہی مسئلہ ہے جو گذشتہ باب میں تھا، اُس باب میں ایمان کے آخری درجہ تک بات آئی تھی، اب اس باب میں ایک دوسری روایت ذکر کر رہے ہیں جو مدہانت فی الدین کے باب سے ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی حالت جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور جو اللہ کی حدود میں مدہانت کرنے والا ہے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی اور نہ کرنے والوں کی اور اس میں مدہانت برتنے والوں کی حالت اس قوم جیسی ہے جس نے سمندر میں سفر کے لئے ایک کشتی میں قمر اندازی کی، پس بعض کے حصہ میں بالائی منزل آئی، اور بعض کا قمر زیریں منزل میں نکلا، پس جو لوگ نیچے والے طبقہ میں تھے وہ اوپر جاتے تھے تاکہ سمندر میں سے پانی اٹھائیں، وہ لوگ بالائی منزل والوں پر پانی گراتے تھے جس سے کچھ ہو جاتی تھی، پس بالائی منزل والوں نے کہا: ہم تمہیں اوپر نہیں آنے دیں گے، تم ہمیں پریشان کرتے ہو، نچلی منزل والوں نے کہا: ہم کشتی کی تہہ میں سوراخ کریں گے کیونکہ پانی تو ہمیں بہر حال چاہئے، نبی ﷺ نے فرمایا: پس اگر ان اوپر والوں نے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑا اور ان کو کشتی میں سوراخ کرنے سے روکا تو سبھی بچ جائیں گے اور اگر انھوں نے ان کو سوراخ کرنے دیا تو سبھی ڈوب جائیں گے۔

تشریح: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے کی اور دل سے اس کو برانہ سمجھنے کی یہ بہت عمدہ مثال ہے، یہی لوگ مدہانت فی الدین کہلاتے ہیں اور ان کا وبال سب کو بھگتنا پڑے گا، کاش لوگ سمجھیں۔

[۱۱] - بَابُ مِنْهُ

[۲۱۷۰] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ، وَالْمُذْهَبِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فِي الْبَحْرِ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا، وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلُهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا يَصْعَدُونَ، فَيَسْتَقُونَ الْمَاءَ، فَيَصُبُّونَ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا، فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا: لَا نَدْعُكُمْ تَصْعَدُونَ فَنُودُّونَا، فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا: فَإِنَّا نَنْقُبُهَا فِي أَسْفَلِهَا فَتَسْتَقِي، فَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ فَمَنَعُوهُمْ نَجَوْا جَمِيعًا، وَإِنْ تَرَكَوهُمْ غَرِقُوا جَمِيعًا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: حدود اللہ: داخلی سرکل ہیں جس کا تذکرہ پہلے (تحفہ ۲۰۱: ۳ کتاب الحج باب ۲ میں) آیا ہے، اور جس سے باہر نکلنے والا آدمی فاسق ہے..... الْمُذْهَبُ (اسم فاعل) أَذْهَنَ فِي الْأَمْرِ: کسی معاملہ میں نرمی برتنا، اور الْمُذْهَبُ (اسم فاعل) ذَاهَنَهُ مُذَاهَنَةً: مدہانت کرنا، حق پوشی کرنا..... سَهْمٌ: حصہ، إِسْتَهَمَ: قمر اندازی کر کے اپنا حصہ معلوم کرنا..... نَقَبَ الْجِدْلَ أَوْ الْجِدَارَ: کھال یا دیوار میں سوراخ کرنا..... اور یہ حدیث بخاری شریف کتاب الشركة اور کتاب الشہادۃ میں ہے۔

بَابُ أَفْضَلِ الْجِهَادِ كَلِمَةً عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةً عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ: بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

تشریح: ابوداؤد (حدیث ۴۳۴۳) میں أَفْضَلُ الْجِهَادِ إلخ ہے اور بعض کتابوں میں عدل کی جگہ حق بھی ہے، جہاد میں پچاس فیصد شہید ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پچاس فیصد غازی بننے کا، بلکہ شہید ہونے کا احتمال اور بھی کچھ کم ہوتا ہے، دس پندرہ فیصد ہی احتمال ہوتا ہے کہ میدان میں کام آجائے گا، اور ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے میں معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے، دس، بیس فیصد ہی جان بچنے کا امکان ہوتا ہے، باقی احتمال تو گردن پٹنے کا ہوتا ہے، اس لئے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہت بڑا جہاد ہے، علاوہ ازیں: مجاہد جہاد میں ایک کافر کو مارتا ہے، اور ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والا ساری قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے، جبکہ بادشاہ اس کی بات قبول کر لے، اس طرح اس کے جہاد کی افادیت زیادہ ہے اس لئے یہ افضل جہاد ہے۔

[۱۲-] بَابُ أَفْضَلِ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

[۲۱۷۱-] حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الْكُوفِيُّ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُصْعَبٍ أَبُو يَزِيدَ، نَا إِسْرَائِيلَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ"
وفى الباب: عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: اس حدیث میں اگر چہ عطیہ عوفی ہیں جو ضعیف شمار کئے گئے ہیں، مگر چونکہ اس حدیث کے شواہد ہیں، حضرت ابوامامہ کی حدیث ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے، اور حضرت طارق بن شہاب کی حدیث نسائی میں ہے اس لئے امام ترمذی نے حدیث کی تحسین کی ہے، یا اس لئے تحسین کی ہے کہ عطیہ امام ترمذی کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف نہیں ہیں، ان کا حال صدوق یخطی، کثیراً ہے اور ایسے راوی کی حدیث امام ترمذی کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

بَابُ سُؤَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا فِي أُمَّتِهِ

نبی ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگیں

حدیث (۱): ایک دن نبی ﷺ عالیہ (بلندی کی طرف کے گاؤں) سے تشریف لارہے تھے، جب مسجد بنو معاویہ سے گذرے تو مسجد میں تشریف لے گئے، اور وہاں آپ نے دو نقلیں پڑھیں، صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ پڑھیں پھر نبی ﷺ نے لمبی دعا فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج آپ نے ایک ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ نہیں پڑھا کرتے تھے، یعنی اس وقت نماز پڑھنے کا آپ کا معمول نہیں تھا، آپ نے فرمایا: ہاں، یہ خلاف معمول نماز ہے، یہ رغبت و رہبت والی نماز ہے، یعنی اور نمازیں تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہیں جن سے مقصود بندگی کا اظہار اور اللہ کی معبودیت کا اقرار ہوتا ہے مگر میں نے یہ نماز رغبت و رہبت والی پڑھی ہے، میں نے اس نماز میں کچھ دعائیں مانگی ہیں یہ امید باندھ کر کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں۔ اور اس ڈر کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول نہ فرمائیں (اس طرح اس نماز میں رغبت و رہبت دونوں جمع ہو گئے) پھر آپ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اس نماز میں تین دعائیں مانگیں، پس اللہ نے مجھے دو عنایت فرمائیں اور ایک سے منع کر دیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا کہ وہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے دیدی، اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان پر کوئی دشمن ان کے علاوہ سے مسلط نہ کریں جو ان کو جڑ مڑ سے اکھاڑ دے، پس اللہ نے یہ بات بھی مجھے عنایت فرمائی، اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان کے بعض کو بعض کی سختی نہ چکھائیں یعنی وہ آپس

میں نہ لڑیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے عنایت نہ فرمائی (پس مسلمان باہم لڑیں گے اور یہی فتنے ہونگے) ملحوظہ: اس حدیث کے شروع میں جو مضمون بڑھایا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسلم شریف (حدیث ۲۸۹۰) میں آیا ہے، البتہ اُس روایت میں دوسری دعایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو غرق نہ کر دیں تو اللہ نے وہ دعا قبول فرمائی۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین جمع کر دی، یعنی پوری زمین کو ایک چھوٹے سے نقشہ کے شکل میں مجھے دکھایا، پس میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھا، اور بیشک میری امت کی حکومت عنقریب ان مقامات تک پہنچے گی جو میرے لئے زمین میں سے جمع کئے گئے ہیں، اور میں دو خزانے: سرخ و سفید دیا گیا، سرخ سے سونے کی کرنسی مراد ہے، اور سفید سے چاندی کی کرنسی، عرب سے لگے ہوئے جو دو سپر پاور تھے ایران و روم یہ ان کی کرنسیاں تھیں، یعنی دونوں حکومتوں کی دولتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمائیں، اور میں نے پروردگار سے اپنی امت کے لئے یہ مانگا کہ وہ اس کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کریں، اور یہ کہ وہ اس پر کوئی دشمن مسلط نہ کریں غیر مسلموں میں سے جو ان کے اصل مرکز کو حلال و جائز سمجھ لے، اور بیشک میرے پروردگار نے فرمایا: اے محمد! (ﷺ) میں جب کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو وہ پھیرا نہیں جاتا (اس کا تعلق آنے والی بات سے ہے) اور بیشک میں آپ کو دیتا ہوں آپ کی امت کے مفاد میں کہ میں ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا، اور نہ میں ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط کروں گا جو غیر مسلموں میں سے ہو اور وہ ان کی مرکزیت کو تباہ کر دے، اگرچہ اکٹھا ہو جائیں ان پر وہ سب لوگ جو زمین کے کناروں میں ہیں، یعنی ساری دنیا مل کر بھی ان کو تہس نہس نہیں کر سکے گی، البتہ یہ ہوگا کہ ان کے بعض بعض کو ہلاک کریں گے، اور ان کے بعض بعض کو قید کریں گے (یہ وہ تیسری بات ہے جو قبول نہیں ہوئی، اور اِنِّیْ قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ کا تعلق اسی سے ہے، یعنی ایسا فیصلہ ضرور ہوگا کہ امت آپس میں لڑے) تشریح:

۱- اس حدیث میں یَسْتَبِيحُ بَيِّضَتُهُمْ ایک محاورہ ہے، اسْتَبَاحُہ کے دو معنی ہیں: جائز و مباح سمجھنا اور جڑ سے اکھاڑنا، اور البَيِّضَةُ کے بھی دو معنی ہیں: لوہے کا خود جو جنگ میں پہنا جاتا ہے اور انڈا، اور اس لفظ سے کسی شی کی اصل بھی مراد لی جاتی ہے، بَيِّضَةُ القوم: احاطہ یا محفوظ جگہ کو کہتے ہیں، اور بَيِّضَةُ الدار: مکان کے بیچ کو کہتے ہیں، پس اس محاورہ کے معنی ہیں: جو ان کی مرکزیت کو اور ان کی اصل جگہ کو پامال کر دے، اور اس کو اجاڑ دے، اور اس پر قبضہ کر لے ایسا نہیں ہوگا۔

۲- ابواب القدر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبرم ہے لیکن بندوں کی جانب سے معلق ہے، یعنی اسباب سے مسببات پیدا ہوتے ہیں اور اس میں محو اثبات بھی ہوتا ہے، اس حدیث میں یہ

بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قطعی طور پر طے کر دی ہے کہ ایسے اسباب پیدا نہیں ہونگے کہ امت عام قحط سالی سے ہلاک ہو جائے، اور غیر ان کے سر پر مسلط ہو کر ان کی مرکزیت کو نیست و نابود کر دیں، البتہ آپس میں خلفشار اور جنگ و جدال کے اسباب رونما ہوتے رہیں گے اور جب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کریں گے تو اس فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

ملفوظ: یہ حدیث مسلم (حدیث ۲۸۸۹) میں بھی ہے، مگر اس میں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ کس موقع کا ہے، ممکن ہے غزوہ خندق میں جب آپ ﷺ نے دو تین مرتبہ کدال چلایا تھا اور پھر ٹوٹا تھا، اور اس میں روشنی چمکی تھی اور اس میں زمین سمیٹ کر آپ کو دکھائی گئی تھی اور قیصر و کسری کے محلات بھی دکھائے گئے تھے: یہ ارشاد شاید اس موقع کا ہو۔

[۱۳-] بَابُ سُؤَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا فِي أُمَّتِهِ

[۲۱۷۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَهَبُ بْنُ جَرِيرٍ، ثَنَا أَبِي، قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَبَّابٍ بْنِ الْأَرْتِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً فَأَطَالَهَا، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! صَلَّيْتَ صَلَاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيْهَا، قَالَ: "أَجَل! إِنَّهَا صَلَاةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ: إِنِّي سَأَلْتُ اللَّهَ فِيهَا ثَلَاثًا، فَأَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ، وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً: سَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِسَنَةِ، فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُدْبِقَ بَعْضُهُمْ بِأَسْ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيهَا"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ سَعْدِ بْنِ عُمَرَ.

[۲۱۷۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زَوَى لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةِ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهَا عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يَرُدُّ، وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأَمْتِكَ أَنْ لَا أَهْلِكَهُمْ بِسَنَةِ عَامَّةٍ، وَلَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا - أَوْ قَالَ: مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا - حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يَهْلِكُ بَعْضًا، وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْفِتْنَةِ

فتنوں کے زمانہ میں آدمی کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟

حدیث: ام مالک بہزیرہ رضی اللہ عنہا جو اسی ایک حدیث کی راویہ ہیں، کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک فتنہ کا تذکرہ کیا، پس اس کو نزدیک کیا، یعنی اس طرح بیان کیا کہ گویا وہ آیا ہی چاہتا ہے، پس ام مالکؓ نے عرض کیا: اس فتنے میں بہترین شخص کون ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا:

۱- رَجُلٌ فِي مَا شَيْئِهِ، يُؤَدِّي حَقَّهَا، وَيَعْبُدُ رَبَّهُ: وہ بندہ جو اپنی بکریوں میں ہو، بکریوں کا حق ادا کرتا ہو، اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو، یعنی بکریاں لے کر بستی سے دور نکل گیا ہو، بکریوں کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور پروردگار کی عبادت کرتا ہو، اس طرح فتنوں سے الگ تھلک رہتا ہو وہ بہترین آدمی ہو۔

۲- رَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ، يُخَيِّفُ الْعَدُوَّ، وَيُخَوِّفُونَهُ: اور وہ بندہ جو اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے ہو، وہ دشمن کو ڈراتا ہو اور دشمن اس کو ڈراتے ہوں، یعنی گھوڑا لے کر جہاد میں نکل گیا ہو، وہ اپنی دھاک دشمن پر بٹھاتا ہو اور دشمن اسے ڈراتے ہوں: اس طرح وہ جہاد میں مشغول ہو اور فتنہ سے محفوظ ہو تو وہ بہترین آدمی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تَكُونُ الْفِتْنَةُ، تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ، قَتَلَاهَا فِي النَّارِ: ایک فتنہ ہوگا جو عربوں پر جھاڑ و پھیر دے گا یعنی عرب اس میں بڑی تعداد میں مارے جائیں گے اس فتنہ کے سارے مقتول دوزخ میں جائیں گے، اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ: اس فتنہ میں زبان تلوار سے زیادہ سخت ہوگی۔

تشریح: یہ حدیث زیادتی ہے یہ راوی خود تبیم گوش (چاندی جیسا سفید کان والا) تھا یا اس کے ابائیمیں گوش تھے، اور یہ اسی ایک حدیث کا راوی ہے، پھر یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ اس میں اختلاف ہے، اور اس فتنہ کا مصداق ابھی نہیں پایا گیا، ابھی ایسا کوئی فتنہ ظاہر نہیں ہوا جو عربوں پر جھاڑ و پھیر دے۔ اسْتَنْظَفَ الشَّيْءَ کے معنی ہیں: وصول کر لینا، یعنی سارے عربوں کا خاتمہ کر دے، ایسا فتنہ ابھی تک نہیں پایا گیا، اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی تھی وہ اس کا مصداق نہیں، پس اس حدیث کی بنا پر دونوں طرف کے مقتولوں کو دوزخی کہنا صحیح نہیں، اور اس باب میں اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ فتنوں کے زمانہ میں زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے، اگر لوگوں سے الگ تھلک ہو جائے تب تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر لوگوں کے درمیان رہے تو پھر آدمی کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ کف لسان کرے، تاکہ کسی درجہ میں فتنے کے ضرر سے محفوظ رہے۔

[۱۴]- بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْفِتْنَةِ

[۲۱۷۴]- حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى الْقَزَّازُ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ

جَحَادَةَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أُمِّ مَالِكٍ الْبَهْرِيَّةِ، قَالَتْ: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ خَيْرُ النَّاسِ فِيهَا؟ قَالَ: "رَجُلٌ فِي مَاشِيَّتِهِ، يُؤَدِّي حَقَّهَا، وَيَعْبُدُ رَبَّهُ، وَرَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ، يُخَيِّفُ الْعَدُوَّ، وَيُخَوِّفُونَهُ"
 وفي الباب: عَنْ أُمِّ مُبَشَّرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَرَوَاهُ لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أُمِّ مَالِكٍ الْبَهْرِيَّةِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
 [۲۱۷۵-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجَمْعِيُّ، نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَيْمِينَ كُوشٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَكُونُ الْفِتْنَةُ، تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ، فَتَلَاهَا فِي النَّارِ، اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ"
 هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، يَقُولُ: لَا نَعْرِفُ لَزِيَادِ بْنِ سَيْمِينَ كُوشَ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ، وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ لَيْثٍ، فَرَفَعَهُ، وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ لَيْثٍ فَوْقَهُ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْأَمَانَةِ

امانت داری کا فقدان

امانت: کے لغوی معنی ہیں: ذمہ داری، فرض منصبی، دیانت داری، راست بازی۔ اَمِنْ (س) فلاناً علی کذا: کسی پر اعتماد کرنا، ذمہ داری دینا، اَمَنْ (ک) اَمَانَةً: اَمِنْ ہونا، دیانت دار ہونا۔
 اور امانت: اصطلاح میں اس ذمہ داری (Responsibility) کا نام ہے جو انسان پر اللہ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے عائد کی جاتی ہے، سورۃ الاحزاب میں ہے: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ﴾ ترجمہ: ہم نے امانت یعنی احکام خداوندی جو بمنزلہ امانت ہیں آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کئے، پس انھوں نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، یعنی ان مخلوقات میں اس ذمہ داری کو سر لینے کی صلاحیت نہیں تھی، اور وہ مخلوقات اس سے سہم گئیں، یعنی ان میں مطلق صلاحیت نہیں تھی، اور انسان نے اس ذمہ داری کو اٹھالیا، یعنی اس میں اس امانت کو اٹھانے کی پوری صلاحیت تھی، یہ امانت (ذمہ داری) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد کی گئی ہے، جس کا نام شریعت ہے۔

اور حدیث میں ہے: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ: اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں، اور اس شخص میں دین نہیں جس میں عہد و پیمان کا لحاظ نہیں (رواہ احمد ۳: ۱۳۵، مشکوٰۃ حدیث ۳۵) اس حدیث میں اس امانت کا تذکرہ ہے جو لوگوں کے تعلق سے عائد ہوتی ہے، مثلاً کوئی ملازم ہے، مدرس ہے، حاکم ہے، لوگوں

کے ساتھ معاملات کرتا ہے تو ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ امانت کہلاتی ہیں، اور ان کو پورا کرنا بھی دین کا تقاضہ ہے، پس لوگوں میں امانت داری کا فقدان ایک بڑا فتنہ ہے جس کا درج ذیل حدیث میں تذکرہ ہے۔

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے دو باتیں بیان کیں: ان میں سے ایک میں نے دیکھ لی، یعنی وہ پوری طرح میرے سامنے آگئی اور دوسری کا میں منتظر ہوں، یعنی ابھی وہ پوری طرح میرے سامنے نہیں آئی، البتہ کچھ کچھ آثار شروع ہو گئے ہیں۔

پہلی بات: نبی ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی تھاہ میں اتری، پھر قرآن مجید اترنا، اور لوگوں نے دینی راہ سیکھی یعنی جب زمانہ نبوت کا آغاز ہونے والا تھا تو پہلے لوگوں کے دلوں میں تعلیمات نبوی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی گئی، پھر قرآن اترنا شروع ہوا جس کو لوگوں نے سیکھا، اور دینی طریقہ جانا، اس پہلی بات کا پیکر محسوس صحابہ کی جماعت ہے جس کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

دوسری بات: پھر نبی ﷺ نے ہم سے یہ بات بیان فرمائی کہ امانت کسی طرح اٹھالی جائے گی؟ فرمایا: آدمی ایک نیند سوئے گا یعنی ذرا غافل ہوگا، حقیقۃً سونا مراد نہیں کہ امانت دل سے نکال لی جائے گی، پس امانت کا اثر ایک چھالے کی طرح رہ جائے گا، پھر وہ ایک نیند سوئے گا تو باقی ماندہ امانت بھی اس کے دل سے نکال لی جائے گی، پس اس کا اثر آبلے کی طرح رہ جائے گا، جیسے آپ اپنے پیر پر چنگاری لڑھکائیں، پس آبلہ پڑ جائے، اور وہ آپ کو پھولا ہوا نظر آئے، درانحالیکہ اس میں کوئی کارآمد چیز نہ ہو، پھر آپ نے ایک کنکری لی اور اپنے پیر پر لڑھکائی (یہ مثال کو پیکر محسوس بنایا)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: پھر لوگوں کا حال یہ ہو جائے گا کہ وہ ایک دوسرے سے لین دین کریں گے، مگر شاید ہی کوئی ایسا انسان پائیں گے جو امانت ادا کرے، یہاں تک کہ کہا جائے گا: فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار آدمی ہے، اور یہاں تک کہ کہا جائے گا آدمی کے بارے میں: کس قدر مضبوط آدمی ہے! کس قدر زریک ہے! کس قدر عقلمند ہے! مگر اس کے دل میں رائے کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔

حضرت حذیفہ کہتے ہیں: بخدا! مجھ پر ایک زمانہ گزر چکا ہے اور میں پرواہ نہیں کرتا تھا کہ تم میں سے کس کے ساتھ سودا کروں، اس لئے کہ وہ شخص اگر مسلمان ہوگا تو ضرور اس کا دین اس چیز کو مجھ پر پھیرے گا، اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوگا تو ضرور اس کا عامل مجھ پر اس چیز کو پھیرے گا، مگر اب میں آپ لوگوں سے معاملات نہیں کرتا، مگر فلاں اور فلاں سے۔

لغات: قوله: نَزَلْتُ فِي جَذَرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ: الجَذَرُ: ہر چیز کی جڑ، اصل، جمع جُذُور، یعنی امانت لوگوں کے دلوں کی تھاہ میں اتری، جیسے بوائی سے پہلے کھیت تیار کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قلوب

میں صلاحیت پیدا کی، تاکہ وہ دین کو قبول کریں..... بقولہ: يَذْنُمُ الرَّجُلُ الذَّنْمَةَ: آدمی ایک سونا سونے کا، اس سے سونا مراد نہیں، بلکہ دفعۃً مزاجوں کی تبدیلی مراد ہے یعنی سویا تو کامل الایمان تھا، بیدار ہوا تو امانت داری ماند پڑ چکی تھی، اور اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی..... الوُحْتُ: کسی چیز کا ہلکا سا نشان، دھبہ، چھٹی جو دیکھنے میں جلدی محسوس نہیں ہوتی مگر وہ عمل کا واقعی اثر ہوتی ہے، یعنی ابھی امانت کا دل میں کچھ اثر باقی ہے..... مَثَلُ أَثَرِ الْمَجْلُ: آبلے کے نشان کی طرح چھالا جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہوتا ہے، اور وہ پھولا ہوا نظر آتا ہے، مگر اس میں سوائے گندگی کے کچھ نہیں ہوتا، یعنی اب امانت داری بالکل ختم ہو گئی ہے، مگر آدمی بناوٹی امانت دار نظر آتا ہے جو فتنہ کے سوا کچھ نہیں، مَجَلْتُ يَدَهُ (ن) مَجَلًا: ہاتھ میں آبلہ پڑنا، چھالہ پڑنا..... نَفِطْتُ يَدَهُ نَفْطًا: ہاتھ میں آبلہ پڑنا..... مَا أَجْلَدُهُ (فعل تعجب) کس قدر مضبوط اور طاقت ور ہے، کس قدر باہمت اور با استقلال ہے..... مَا أَظْفَرُهُ (فعل تعجب) کس قدر ذہین، زیرک اور تیز طبع ہے..... مَا أَعْقَلُهُ (فعل تعجب) کتنا بڑا عقلمند ہے۔

تشریح:

۱- امانت جب ابتداءً قلوب سے نکالی جاتی ہے تو اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، ہر شخص اس کو سمجھ نہیں سکتا، اس کا نشان دل میں رہتا ہے مگر اس کی تاثیر واضح نہیں ہوتی، اس لئے اس کو دھبہ کے ساتھ تشبیہ دی، کام کرتے کرتے ہاتھ میں نشان پڑ جاتا ہے، جس سے کھال میں معمولی تغیر آ جاتا ہے اور وہ محسوس کیا جاسکتا ہے، پھر جب دوسری مرتبہ امانت داری نکالی جاتی ہے تو اس کا اثر ہر شخص محسوس کر سکتا ہے، اس لئے اس کو آبلہ کے ساتھ تشبیہ دی، اور پیر پر کنکری لڑھکا کر بات واضح کی کہ جس طرح چنگاری پیر پر گزر جائے تو جگہ جگہ آبلے پڑ جاتے ہیں جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے، وہ انگوڑ کے دانہ کی طرح نظر آتا ہے، مگر اس میں گندے پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

۲- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ماحول میں صحابہ غالب تھے تو ان کے دل نور ایمان سے منور تھے، اور اس زمانہ کے کفار بھی ان کے آثار سے متاثر تھے، پس شاید باید کوئی خیانت کرتا تھا، اس لئے میں بے تکلف ہر ایک سے معاملہ کرتا تھا، میں سوچتا تھا کہ جس سے میں معاملہ کر رہا ہوں اگر وہ مؤمن ہے تو وہ ایمان کے تقاضے سے میری امانت ادا کرے گا اور اگر وہ غیر مسلم ہے تو اس پر جو مسلمان حاکم ہے وہ میری امانت ادا کرائے گا، مگر اب لوگوں کا حال برا ہو گیا ہے اور حکام بھی لا پرواہ ہو گئے ہیں، اس لئے میں آنکھ بند کر کے ہر کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا، بلکہ ٹھوک بجا کر قائل اعتماد آدمی کے ساتھ ہی معاملہ کرتا ہوں۔

سوال: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں نے دوسری بات نہیں دیکھی، اور اب فرما رہے ہیں کہ وہ بدلا ہوا زمانہ بھی میں نے دیکھ لیا، پس یہ دو باتیں متعارض ہیں؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ زمانہ میں تبدیلی ابھی پوری طرح نہیں آئی، کچھ کچھ آثار شروع ہوئے ہیں، مگر چونکہ

حدیث میں ہے: الْحَزْمُ سُوءُ الظَّنِّ: چوکنا پن بدظنی میں ہے، اس لئے حضرت حذیفہؓ نے پھونک پھونک کر قدم رکھنا شروع کر دیا ہے، مگر جیسا پہلی بات کا مشاہدہ کر لیا ہے، ایسا کامل مشاہدہ ابھی اس دوسری بات کا نہیں ہوا۔
ملفوظ: یہ حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۶۳۹۷، مسلم حدیث ۱۷۳)

[۱۵-] بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْأَمَانَةِ

[۲۱۷۶-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهَبٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ، قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا، وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ:

[۱-] حَدَّثَنَا: أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ، وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ “ [۲-] ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْأَمَانَةِ، فَقَالَ: ” يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ، فَتَقْبِضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظِلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً، فَتَقْبِضُ الْأَمَانَةُ، فَيَظِلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجَلِّ، كَجَمْرِ دَخَرَجَتِهِ عَلَى رَجُلِكَ، فَتَنْفِطُ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا، وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ“ ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً فَدَخَرَجَهَا عَلَى رَجُلِهِ.

[۳-] قَالَ: ” فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ، لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُودِي الْأَمَانَةَ، حَتَّى يُقَالَ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، وَحَتَّى يُقَالَ لِلرَّجُلِ: مَا أَجَلْدُهُ! وَأَظْرَفُهُ! وَأَعْقَلُهُ! وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ“

[۴-] قَالَ: وَلَقَدْ أَتَى عَلَى زَمَانٍ وَمَا أَبَالِي أَيْكُمْ بَايَعْتُ فِيهِ، لِأَنَّ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدُّنَّهُ عَلَى دِينِهِ، وَلَكِنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدُّنَّهُ عَلَى سَاعِيهِ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أَبَايَعُ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ لَتَرْكِبْنِ سَنَنِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

لوگ اگلوں کی روش پر ضرور چلیں گے

السَّنَن (بفتح السين) طریقہ، نمونہ، طرز، کہا جاتا ہے: بَنَوْا بُيُوتَهُمْ عَلَى سَنَنِ وَاحِدٍ: انھوں نے ایک ہی انداز کے گھر بنائے، دوسرا لفظ ہے السُّنَّة: خاص طریقہ، سیرت خواہ اچھی ہو یا بری، اس کی جمع سُنَن ہے، یہ لفظ باب میں نہیں ہے۔

حدیث: جب نبی ﷺ حنین تشریف لے جا رہے تھے تو لشکر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گذرا، جس کو ذات النواط کہا جاتا تھا (النَّوْط: لٹکانے کی جگہ یا چیز، جمع أنواط، أناط الشيء به وعليه: کوئی چیز لٹکانا،

معلق کرنا، وابستہ کرنا، یہ ایک کیکر کا درخت تھا جو متبرک قرار دے دیا گیا تھا اس پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اور وہاں ناپچتے کودتے تھے۔ اور حنین کے اس سفر میں مکہ مکرمہ کے قریب آدو ہزار نو مسلم بھی ساتھ تھے (انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط مقرر کیجئے، جیسا مشرکین کے لئے ذات انواط ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ بات تو ایسی ہی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ یعنی ہمارے لئے ایک ایسا ہی معبود مقرر کیجئے جیسا ان لوگوں کے لئے ہے (الاعراف آیت ۱۳۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو جواب دیا: ”تم واقعی بڑی جہالت میں ہو“ اور نبی ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ضرور چلو گے ان لوگوں کے طریقہ پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں، یعنی تم نے بھی بنی اسرائیل کی طرح مطالبہ شروع کر دیا جو جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

تشریح: یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے، اور آئندہ یہ حدیث آرہی ہے کہ میری امت پر ایسا وقت ضرور آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آچکا ہے، بالکل ہو، ہو، جیسا چیل چیل کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اُران میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہے تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ضرور پیدا ہونگے جو یہ حرکت کریں گے۔
فائدہ: کسی دلیل شرعی کے بغیر کسی چیز سے کوئی فضیلت وابستہ کر لینا جہالت ہے، حدیبیہ میں جس کیکر کے درخت کے نیچے نبی ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، لوگ وہاں نمازیں پڑھنے لگے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا، اسی طرح دارالعلوم دیوبند جس انار کے درخت کے نیچے سے شروع ہوا تھا وہ درخت مسجد چھتہ میں تھا، اس کے ساتھ بھی طرح طرح کے خرافات شروع ہو گئے تھے، تبرکات لوگ اس کے پتے لے جاتے تھے اور کھاتے تھے، اللہ کے کسی بندے نے وہ درخت کاٹ دیا، اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اس نے بہت اچھا کام کیا۔
اس قسم کی خود ساختہ متبرک چیزیں لوگوں کے لئے فتنہ بن جاتی ہیں اور جب اعتقاد میں غلو پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کا دین بگڑ جاتا ہے، شیعوں کو دیکھتے نہیں، ہر ملک میں اور ہر شہر میں ان کے کر بلا ہیں، اور ہر سال وہ تعزیے نکالتے ہیں، اور اپنے خود ساختہ ڈھانچوں کے ساتھ ضرتح حسینؑ جیسا معاملہ کرتے ہیں، یہ سب خرافات ہیں اور قطعاً ممنوع ہیں، لوگوں کو اس قسم کی چیزوں سے قطعاً دور رہنا چاہئے، ورنہ یہ بات ان کے دین کے بگاڑ کا سبب بن جائے گی۔

[۱۶-] بَابُ لَتَرَكُبْنِ سَنَنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

[۲۱۷۷-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَدَانَ بْنِ أَبِي سَدَانَ، عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ، مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِينَ، يُقَالُ لَهَا: ذَاتُ أَنْوَاطٍ، يُعَلَّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ

أَنَوَاطٍ، كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنَوَاطٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سُبْحَانَ اللَّهِ! هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ".
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ: اسْمُهُ الْحَارِثُ بْنُ عَوْفٍ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

بابُ ماجاء في كَلَامِ السَّبَاعِ

درندوں کا لوگوں سے باتیں کرنا

عجائبات بھی کبھی فتنے کا سبب بن جاتے ہیں، کوئی انوکھی بات پیش آتی ہے تو لوگ پاگل ہو کر اس کے پیچھے دوڑتے ہیں، شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بوستان میں سومنات کی ایک مورتی کے دعا میں ہاتھ اٹھانے کا مشاہدہ لکھا ہے، لوگ کس قدر اس مورتی کے پیچھے پاگل تھے، وہ بوستان میں پڑھیں، اسی طرح ابھی قریب زمانہ میں مشہور ہوا کہ گیش کی مورتی دودھ پیتی ہے، بس ساری دنیا کے ہندو اس کے پیچھے پاگل ہو گئے، جاہل مسلمانوں کے لئے بھی اس قسم کے عجائبات فتنے کا سبب بنتے بن جاتے ہیں۔

اور تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اس قسم کے عجائبات اکثر جھوٹے ہوتے ہیں، ایک مرتبہ پالن پور کے علاقہ میں مشہور ہوا کہ ایک شخص ہل چلا رہا تھا، اس نے بیل کو لکڑی ماری، بیل نے مڑ کر کہا: کیوں مارتا ہے؟ بس ہالی بے ہوش ہو کر گر گیا اور مر گیا، میرے والد صاحب قدس سرہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں بس میں پالن پور جا رہا تھا، جب بس اس گاؤں سے گذری جہاں کا یہ واقعہ تھا تو وہاں سے کچھ لوگ بس میں چڑھے، والد صاحب نے ان سے واقعہ کی حقیقت معلوم کی تو وہ لوگ حیرت سے کہنے لگے: ہمارے گاؤں میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، ہم نے تو سنا ہے کہ کالیوا (والد صاحب کے گاؤں) میں ایسا واقعہ پیش آیا ہے، معلوم ہوا کہ ڈھول میں پول تھا۔

غرض اگر واقعات حقیقی بھی ہوں جیسے قیامت کی نشانیوں میں یہ بات ہے کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے تو بھی اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، آخر درندے حضرت سلیمان علیہ السلام سے باتیں کرتے ہی تھے، پس اس قسم کے واقعات انسان کے دین کے لئے فتنہ نہیں بننے چاہئیں کہ لوگ اس درندے ہی کو پوجنا شروع کر دیں، جیسے ہندو شیر وغیرہ کو پوجتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے، اور یہاں تک کہ آدمی سے بات کرے گا اس کے کوڑے کا سرا، اور اس کے چپل کا تمہ، اور اس کو بتلا دے گی اس کی ران وہ نئی باتیں جو اس کی فیملی نے اس کے بعد پیدا کی ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں تین باتیں قیامت کی علامت کے طور پر بیان کی گئی ہیں: (۱) درندوں کا انسانوں سے باتیں کرنا (۲) کوڑے کے کنارے کا اور چپل کے تسمہ کا آدمی سے باتیں کرنا (۳) اور آدمی کی ران کا اس کے گھر کے احوال کی اطلاع دینا، اس کی شکل کیا ہوگی؟ وہ وقت بتائے گا، نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کی تعبیرات میں کلام فرمایا ہے، وقت پر اس کی جو بھی صورت ہوگی وہ سامنے آئے گی، قبل از وقت اس کی تعیین مشکل ہے۔

[۱۷-] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ السَّبَاعِ

[۲۱۷۸-] حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، نَا أَبِي، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ الْفَضْلِ، نَا أَبُو نَضْرَةَ الْعَبْدِيُّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُكَلَّمَ السَّبَاعُ الْإِنْسَ، وَتَحْتَى يُكَلَّمَ الرَّجُلُ عَذْبَةً سَوَطِهِ، وَشِرَاكَ نَعْلِهِ، وَتُخْبِرُهُ فَخِذُهُ بِمَا أَحَدَتْ أَهْلُهُ بَعْدَهُ"

وفى الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، لَأَنَّهُ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْقَاسِمِ بْنِ الْفَضْلِ، وَالْقَاسِمُ بْنُ الْفَضْلِ ثَقَّةٌ مَأْمُونٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَثَقَّةٌ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ.

وضاحت: یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور صحیح ہے، البتہ قاسم بن الفضل سے آخر تک یہی سند ہے، مگر یہ راوی محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي انْشِقَاقِ الْقَمَرِ

معجزة شق القمر کا بیان

معجزات بھی چونکہ از قبیل عجائبات ہوتے ہیں اس لئے جہاں وہ کچھ لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان بنتے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب بھی بنتے ہیں، شق القمر کا معجزہ جس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ہے باوجود مطالبہ کے کفار مکہ کے لئے ایمان کا سبب نہ بنا، بلکہ فتنہ بن گیا، ان لوگوں نے کہہ دیا: ہم پر جادو کر دیا!

معجزة شق القمر:

ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ حضور اقدس ﷺ کے پاس جمع ہو کر آئے، جن میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن مطلب، زمعة بن الاسود اور

نضر بن حارث وغیرہ تھے، اور انھوں نے آپؐ سے کہا: اگر آپؐ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیے، رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا، آپؐ نے فرمایا: اگر میں یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان لے آؤ گے؟ انھوں نے کہا: ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، پس چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا جبل ابی قیس پر تھا، اور دوسرا جبل قیقعان پر، دیر تک لوگ حیرت سے دیکھتے رہے اور حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرماتے رہے: اَشْهَدُوا، اَشْهَدُوا! لوگو! گواہ رہو، لوگو! گواہ رہو، عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا، مشرکین مکہ نے کہا: تم نے ہم پر جادو کر دیا، ہم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرتے ہیں ہم ان سے دریافت کریں گے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد (ﷺ) تمام لوگوں پر جادو کر دیں، اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے، اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمد (ﷺ) نے تم پر سحر کیا ہے، چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا، ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے، مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے، اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے، عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا، اس وقت سورہ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

معجزہ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور اس پر تمام سلف و خلف کا اجماع ہے، اور کسی شاذ و نادر (مودودی صاحب) نے جو انشق القمر ماضی کو بمعنی سَيَذْنُقُ القمر لیا ہے (یہ ترجمہ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں کیا ہے) وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیث صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف و خلف کے خلاف ہے، جو قابل اعتبار نہیں۔

مخالفین اسلام اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں، جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اجسام سفلیہ میں کون و فساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں، اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون و فساد محال نہیں، خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان وزمین، شمس و قمر اور شجر و حجر سب برابر ہیں، جس قادر مطلق نے شمس و قمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے، بہر حال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں، ہاں مستبعد ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لئے مستبعد ہونا ضروری ہے، جو لوگ محض استبعاد کی بنا پر محال قرار دیتے ہیں ان کو محال اور مستبعد کا فرق معلوم نہیں، اور رہی یہ بات کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صد ہا اور ہزار ہا ایسے عجیب واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام و نشان نہیں، نیز شق القمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے اور شق القمر صرف

تھوڑی دیر کے لئے رہا اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا تو تعجب نہیں، بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا، نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی، عموماً لوگ سوئے ہونگے، نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہو گیا، تمام عالم کو دکھانا مقصود نہیں تھا (ماخوذ از سیرۃ المصطفیٰ: ۱/۲۳۶)

[۱۸-] بابُ ماجاء فی انشقاقِ القمرِ

[۲۱۷۹-] حدثنا محمودُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: انْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اشْهَدُوا"
وفی الباب: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَنَسٍ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

لغات: انشقق: پھٹنا، چرنا، شگاف پڑنا، کر یک ہونا..... انفلق الشیء: پھٹنا، اور یہ حدیث کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں جب چاند پھٹا تو آپؐ نے فرمایا: لوگو! گواہ رہو، یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے مسلم (حدیث ۲۸۰۱ کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر) میں بھی ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۲۸۶۲، مسلم حدیث ۲۸۰۰)

بابُ ماجاء فی الحسفِ

زمین دھسنے کا ذکر

قیامت کی علامتیں بہت ہیں ان میں ایک زمین کا دھسننا بھی ہے اور چونکہ قیامت کی ساری علامتیں از قبیل عجائبات ہیں اس لئے وہ لوگوں کے لئے فتنہ (آزمائش) بنتی ہیں، قیامت کی ایک نشانی بعثت نبوی بھی ہے، حدیث میں ہے: بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ: میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں اور آپؐ نے شہادت کی اور درمیانی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں، اسی طرح معجزہ شق القمر بھی قرب قیامت کی ایک نشانی ہے، سورۃ القمر میں اس کی صراحت ہے اور درج ذیل حدیث میں دس دیگر نشانوں کا تذکرہ ہے۔

حدیث: حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے ہم پر بالا خانہ سے جھانکا (یہ بالا خانہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ کے اوپر تھا، اور وہاں سے مسجد کی طرف کھڑکی کھلتی تھی) اور ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دیکھو تم دس نشانیاں:

۱- سورج کا مغرب سے طلوع کرنا (اس کی تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے)

۲- یاجوج و ماجوج کا خروج: ان کا خروج بھی دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے، سورۃ الانبیاء آیت ۹۶ میں ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ، وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ یعنی یہ بات ناممکن ہے کہ مرے ہوئے انسان دنیا میں لوٹ آئیں یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلنے آئیں گے اور سچا وعدہ نزدیک آپہنچے گا (تو مردے دوبارہ زندہ ہونگے) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نفعِ صور سے پہلے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ظاہر ہوگی کہ یاجوج و ماجوج کے تمام قبیلے ایک ساتھ امنڈ آئیں گے اور دنیا میں عام غارت گری شروع کر دیں گے، اور اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے (ہدایت القرآن ۵: ۲۳۳) اس کا تذکرہ بھی آگے باب ۲۱ میں آرہا ہے۔

۳- دابة الارض کا خروج: قیامت سے پہلے مکہ مکرمہ کی صفائی پہاڑی پھٹے گی اور اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے، اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشانی لگا کر جدا کر دے گا، اس کا تذکرہ سورۃ النمل آیت ۸۲ میں ہے۔

۴- ۶- مشرق میں زمین دھنسے گی، اور مغرب میں زمین دھنسے گی، اور جزیرۃ العرب میں زمین دھنسے گی۔
۷- عدن کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جائے گی، یا فرمایا: لوگوں کو جمع کرے گی، پس وہ آگ ان کے ساتھ رات گزارے گی جہاں وہ رات گزاریں گے، اور وہ ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی جہاں وہ قیلولہ کریں گے۔

۸- دخان یعنی دھواں، جس کا تذکرہ سورۃ الدخان آیات ۱۰ و ۱۱ میں ہے: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ، يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ سو آپ (ان کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، یہ ایک دردناک سزا ہے..... اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ نشانی پانی جاچکی یا آئندہ پائی جائے گی؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہجرت کے بعد مکہ میں قحط پڑا اس وقت یہ صورت پیش آچکی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ صورت آگے پیش آئے گی۔

۹- دجال کا خروج، اس کی تفصیل آگے باب ۴۶ میں آرہی ہے۔

۱۰- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا، اس کی تفصیل آئندہ باب ۵۲ میں آرہی ہے، یا ایسی ہوا کا چلنا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے (اور یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ مسلم شریف، ج ۱، یث ۲۹۰۱) میں اور ابوداؤد (حدیث ۴۳۱۱ کتاب الملاحم) میں ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جن دس نشانیوں کا ذکر ہے ان میں ترتیب زمانی کا لحاظ نہیں، اور پہلی روایت میں جو عبدالرحمن بن مہدی کی ہے سات نشانیوں کا تذکرہ ہے، اور دوسری حدیث میں جو کعب کی ہے دُخان کا بھی ذکر ہے اور کعب رحمہ اللہ کے متابع ابوالاحوص ہیں وہ بھی فرأت قزاز سے اسی طرح روایت کرتے ہیں، اور امام شعبہ اور مسعودی کی روایت میں دجال کا بھی ذکر ہے، پس یہ نویں نشانی ہے اور آخری روایت میں جو شعبہ کی ہے دسویں نشانی مذکور ہے، اور وہ ایک ایسی ہوا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی، اگر یہ وہی نشانی ہے جس کا تذکرہ پہلی حدیث میں ہے کہ عدن کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جس کے ساتھ ہوا بھی ہوگی جو کچھ لوگوں کو سمندر میں ڈال دے گی تو پھر دسویں نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا ہے، اور اس کا تذکرہ سورۃ الزخرف آیت ۶۱ میں ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُونَ﴾ اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں، پس تم لوگ قیامت میں شک نہ کرو۔

حدیث (۲): حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ اس گھر (بیت اللہ شریف) پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا، جب وہ لوگ بیدار (چٹیل زمین) میں ہونگے تو ان کے اگلے اور ان کے پچھلے سب دھنسا دیئے جائیں گے، اور ان کے درمیان کے بھی نہیں بچیں گے (صرف ایک شخص بچے گا جو واپس جا کر حادثہ کی اطلاع دے گا) حضرت صفیہؓ نے پوچھا: جو شخص ان میں سے اس حملہ کو ناپسند کرتا ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائیں گے اس پر جو ان کے دلوں میں ہوگا، یعنی ان سے حسب نیت معاملہ کیا جائے گا، مگر دنیوی عذاب سب پر آئے گا، یہی جزیرۃ العرب کا خسف ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں آیا ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسا، شکلوں کا بگڑنا اور پتھر برسایا جانا ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کئے جائیں گے در انحالیکہ ہم میں نیک لوگ ہونگے؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، إِذَا ظَهَرَ الْخُبُثُ: ہاں جب گندگی عام ہو جائے (پھر آخرت میں حشر لوگوں کے قلوب کے اعتبار سے ہوگا)

[۱۹-] باب ماجاء فی الخسف

[۲۱۸۰-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَاعِبُ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانَ، عَنْ فُرَاتِ الْقَزَازِ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ، قَالَ: أَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غُرْفَةٍ، وَنَحْنُ نَتَذَكَّرُ السَّاعَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَرَوْا عَشْرَ آيَاتٍ: طُلُوعُ

السَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَيَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ، وَالْدَّابَّةُ، وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ: خَسَفٍ بِالشَّمْسِ، وَخَسَفٍ بِالمَغْرِبِ، وَخَسَفٍ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنٍ، تَسُوقُ النَّاسَ، أَوْ: تَحْشُرُ النَّاسَ، فَتَبِيتَ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا“

حدثنا محمود بن غيلان، نا وكيع، عن سُفيان نحوه، وزاد فيه: ”والدخان“
حدثنا هناد، نا أبو الأحوص، عن فُرات القزاز نحو حديث وكيع، عن سُفيان.
حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو داود الطيالسي، عن شعبة، والمسعودي، سمعا فُراتا القزاز نحو حديث عبد الرحمن، عن سُفيان، عن فُرات، وزاد فيه: ”الدجال أو: الدخان“
حدثنا أبو موسى محمد بن المثنى، نا أبو النعمان الحكم بن عبد الله العجلي، عن شعبة، عن فُرات نحو حديث أبي داود، عن شعبة، وزاد فيه: ”والعاشرة: إمّا ريح تطرحهم في البحر، وإمّا نزول عيسى بن مريم“

وفي الباب: عن علي، وأبي هريرة، وأم سلمة، وصفيّة، هذا حديث حسن صحيح.
[۲۱۸۱-] حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو نعيم، نا سُفيان، عن سلمة بن كهيل، عن أبي إدريس المرهبي، عن مسلم بن صفوان، عن صفيّة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لا يَنْتَهِي النَّاسُ عَنْ غَزْوِ هَذَا الْبَيْتِ، حَتَّى يَغْزَوْ جَيْشٌ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ: بِبَيْدَاءِ مِنَ الْأَرْضِ، خُسِفَ بِأُولِهِمْ وَآخِرِهِمْ، وَلَمْ يَنْجُ أَوْسَطُهُمْ“ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَمَنْ كَرِهَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: ”يَنْعُتُهُمُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي أَنْفُسِهِمْ“ هذا حديث حسن صحيح.

[۲۱۸۲-] حدثنا أبو كريب، نا صفي بن ربيع، عن عبد الله بن عمر، عن عبيد الله، عن القاسم بن محمد، عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”يَكُونُ فِي آخِرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسَفٌ، وَمَسْخٌ، وَقَذْفٌ“ قالت: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَتَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: ”نَعَمْ إِذَا ظَهَرَ الْخُبْتُ“

هذا حديث غريب من حديث عائشة، لا نعرفه إلا من هذا الوجه، وعبد الله بن عمر تكلم فيه يحيى بن سعيد من قبل حفظه.

وضاحت: یہ آخری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے ضعیف ہے، اس میں عبد اللہ عمری ضعیف راوی ہے، مگر یہی حدیث حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی سند سے متفق علیہ ہے، جو آگے باب ۳۱ میں بھی آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

سورج کا مغرب سے نکلنا

علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ سورج اپنی رفتار پر چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت قریب آجائے گی، پس وہ غروب ہونے کے بعد مغرب سے نکلے گا، اور ایسا ایک ہی دن ہوگا یا پھر ایسا ہی ہوتا رہے گا؟ اس سلسلہ کی تفصیلات صحیح روایات میں مروی نہیں بظاہر ایسا ایک ہی دن ہوگا، پھر حسب معمول طلوع و غروب ہوگا بہر حال یہ کرشمہ خداوندی بھی لوگوں کے لئے آزمائش بن جائے گا۔

حدیث: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں غروب آفتاب کے وقت مسجد میں پہنچا، نبی ﷺ تشریف فرما تھے، آپ نے پوچھا: ابوذرؓ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ جاتا ہے تاکہ سجدہ کرنے کی اجازت چاہے، پس اس کو اجازت دیدی جاتی ہے یعنی اس کو آگے بڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے، چنانچہ وہ اگلے دن مشرق سے طلوع کرتا ہے اور گویا اس سے کہا گیا: جہاں سے آیا ہے وہیں سے طلوع ہو (یعنی ایک وقت آئے گا کہ اس کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی) پس وہ اپنے ڈوبنے کی جگہ سے طلوع کرے گا، حدیث کا کوئی راوی کہتا ہے: پھر نبی ﷺ نے پڑھا: ﴿وَذَلِكَ مُسْتَقَرُّ لَهَا﴾ یہ سورج کے ٹھہرنے کی جگہ ہے یعنی سورج اپنی چال چلتا رہے گا تا آنکہ یہ دن آئے گا تو وہ ٹھہر جائے گا۔ یہ سورہ یسین کی آیت ۳۸ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے، اصل آیت یہ ہے: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ اور اللہ کی ایک نشانی آفتاب ہے، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، اس کو حضرت ابن مسعود نے پڑھا ہے: ﴿وَذَلِكَ مُسْتَقَرُّ لَهَا﴾ یعنی سورج چلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا مستقر آجائے گا اور وہ مستقر مغرب سے طلوع ہونا ہے (یہ آیت میں قراءت نہیں ہے، بلکہ آیت سے اقتباس ہے اور نبی ﷺ نے ذلک بڑھا کر اقتباس فرمایا ہے جو قراءت بن گئی)

تشریح: یہ روایت متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۷۴۲۳، مسلم حدیث ۱۵۹) اس حدیث کے ذیل میں طلبہ دو باتیں سمجھنا چاہتے ہیں:

پہلی بات: قدیم سائنس یہ کہتی تھی کہ سورج زمین کے گرد چکر لگاتا ہے، جس سے طلوع و غروب ہوتا ہے، اور شب و روز بنتے ہیں اور اب فلکیات یہ کہتی ہے کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور اس کی چال سے شب و روز بنتے ہیں، دونوں صورتوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے غروب کے بعد عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حدیث میں پیرایہ بیان ہے اور مقصد یہ مضمون سمجھانا ہے کہ سورج حکم الہی کے تابع ہے، وہ ہر وقت زبان حال سے انقیاد ظاہر کرتا ہے کیونکہ ہر لمحہ اس کا طلوع و غروب جاری ہے اور جو حکم ملتا ہے اس کی تابع داری کرتا ہے، وہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ اس کو دوسرا حکم ملے، غرض عرش کے نیچے سجدہ کرنا انقیاد کی تعبیر ہے، ہماری طرح سجدہ کرنا مراد نہیں، سورۃ الحج آیت ۱۸ میں ارشاد پاک ہے: ”کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہیں تمام وہ مخلوقات جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی“ مخلوقات کا یہ سجدہ ان کی حالت کے مناسب ہے یعنی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ظاہر کرتی ہے اور وہ حکم کے تابع ہے۔

غرض سورج کے سجدہ کرنے کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت میں بھی آیا ہے، وہی سجدہ اس حدیث میں بھی مراد ہے، پس طلبہ اگر ذہنوں سے انسانوں کا معروف سجدہ نکال دیں تو بات ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

دوسری بات: سورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے یا زمین گھوم رہی ہے، جو بھی ہو اس کا طلوع و غروب ہمارے سامنے نمودار ہونے اور چھپنے کے اعتبار سے ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ کس نقطہ سے واپس لوٹے گا؟ اور کونسے ملک میں مغرب سے طلوع ہوگا؟ اور دوسرے ممالک کا کیا حال ہوگا؟

جواب: ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ آئندہ پیش آنے والے یہ واقعات عصر حاضر کی تعبیر میں سمجھائے گئے ہیں، پھر جب وہ واقعات پیش آئیں گے ان کی صحیح صورت حال سامنے آئے گی، فی الوقت ہم کما حقہ نہیں سمجھ سکتے، وقت ہی بتائے گا کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی، جیسے اوقات نماز کے ابواب میں یہ حدیث (نمبر ۱۵۷) گزری ہے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے، مگر چونکہ یہ دوسری دنیا کی بات ہے اس لئے ہم اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح یہ بات بھی چونکہ آئندہ پیش آنے والی ہے اس لئے ابھی ہم اس کی تفصیلات نہیں جانتے، مگر صادق علیہ السلام نے جو کچھ بتایا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

[۲۰]- بَابُ مَا جَاءَ فِي طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

[۲۱۸۳]- حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ، فَقَالَ: ”يَا أَبَا ذَرٍّ! أَتَدْرِي أَيَّنَ تَذْهَبُ هَذِهِ؟“ قَالَ: قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ”فَإِنَّهَا تَذْهَبُ لِتَسْتَأْذِنَ فِي السُّجُودِ، فَيُؤْذَنَ لَهَا، وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا: اطْلُعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا“ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: (وَذَلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا) وَقَالَ: ذَلِكَ قِرَاءَةُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ.

وفي الباب: عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ، وَحَدِيقَةَ بْنِ أَسِيدٍ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي مُوسَى، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء في خروج يأجوج ومأجوج

يا جوج وما جوج کا خروج

یا جوج وما جوج کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (۱۱۰:۲) میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں، اور انہیں کی شکل و صورت اور جسمانی اوصاف رکھتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۳۸۶:۶) میں تحریر فرمایا ہے کہ یا جوج وما جوج: یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں، اور روح الملعنی میں ہے کہ یہی رائے وہب بن منبہ کی ہے، اور متاخرین میں سے بھی اکثر کی یہی رائے ہے۔

زنی یہ بات کہ دنیا کی موجودہ اقوام میں سے یا جوج وما جوج کون ہیں؟ اس کا جواب یقین کے ساتھ نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یا جوج وما جوج بہت قدیم نام ہیں اور مرد و ایام کے ساتھ نام بدل جاتے ہیں، آج دنیا میں کوئی قوم ان ناموں سے موسوم نہیں، اس لئے اس کی تعیین دشوار ہے، علماء کی ایک رائے یہ ہے کہ یا جوج وما جوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا ہے جو یورپ، امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع و منشاء ہیں، ان کے دو بڑے قبیلے موگ اور یوچی کہلاتے تھے جو عربی زبان میں یا جوج وما جوج بن گئے ہیں، واللہ اعلم۔ اور یا جوج وما جوج کا خروج و عروج دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے۔

حدیث: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نیند سے بیدار ہوئے، آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے: لا إله إلا الله: آپ نے یہ کلمہ تین بار دوہرایا، پھر فرمایا: عربوں کے لئے ہلاکت ہے، اس برائی سے جو نزدیک آنے لگی ہے، آج یا جوج وما جوج کی دیوار اتنی کھول دی گئی، اور آپ نے دس یا نوے کا عقد بنایا، حضرت زینب کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے جبکہ ہمارے اندر نیک لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نعم، إذا ظَهَرَ الْخُبْتُ: ہاں جب گندگی پھیل جائے۔

تشریح: یہ روایت بخاری (حدیث ۳۵۹۸) میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرمائیں گے کہ سفیان بن عیینہ نے اس کی سند شاندار پیش کی ہے، انھوں نے اس حدیث کی سند میں چار خواتین کا ذکر کیا ہے: (۱) حضرت زینب بنت ابی سلمہ (۲) حضرت حبیبہ بنت عبید اللہ بن جحش (۳) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) اور حضرت زینب بنت جحش،

اول دونی ﷺ کی ربیبہ ہیں اور آخری دوام المؤمنین ہیں، مگر بخاری میں زہری کے شاگرد شعیب کی روایت ہے اس میں حبیبہ کا واسطہ نہیں، امام ترمذی بھی کہیں گے کہ زہری کے شاگرد معمر کی سند میں حبیبہ کا ذکر نہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ خواب کا واقعہ ہے، یعنی خواب میں آنحضرت ﷺ نے یہ منظر دیکھا ہے اور خواب اکثر تمثیلی رنگ میں نظر آتا ہے اور اس کی تعبیر ہوتی ہے، چنانچہ اس خواب کی تعبیر آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ عرب کے لئے شرور و فتن کا دور شروع ہونے والا ہے، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعاً دیوار میں اس روز اتنا سوراخ ہو گیا تھا، جیسے آنحضرت ﷺ نے ذوالفقار کے بارے میں جنگ احد کے موقع پر خواب دیکھا تھا کہ آپؐ نے اس کو ہلایا تو اس کی دھار جھڑ گئی، اور یہ بات خواب میں آپؐ کو ناگوار ہوئی، بیدار ہونے کے بعد آپؐ نے اس کی تعبیر اس شکست سے بیان فرمائی جو جنگ احد میں پیش آئی۔ ذوالفقار کی دھار حقیقت میں جھڑی نہیں تھی (یا جوج و ما جوج کا تذکرہ سورۃ الکہف آیت ۹۴ میں آیا ہے، میں نے تفسیر ہدایت القرآن میں اس کے تمام متعلقات پر تفصیلی کلام کیا ہے، طلبہ اس کو ضرور دیکھ لیں)

[۲۱]- باب ماجاء فی خروج یا جوج و ما جوج

[۲۱۸۴]- حدثنا سعيد بن عبد الرحمن المخزومي، وغير واحد، قالوا: ناسفیان، عن الزهري، عن عروة، عن زينب بنت أبي سلمة، عن حبيبة، عن أم حبيبة، عن زينب بنت جحش، قالت: استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم من نوم، مُحمرًا وجهه، وهو يقول: "لا إله إلا الله" - يرددُها ثلاث مرَّات - "ويل للعرب، من شرٍّ قد اقترَب، ففتح اليوم من ردمٍ يا جوج و ما جوج مثل هذه" وعقدَ عشرًا، قالت زينب: قلت: يا رسول الله! أفنهلك و فينا الصالحون؟ قال: "نعم إذا كثر الخبث"

هذا حديث حسن صحيح، وقد جَوَّدَ سُفْيَانُ هَذَا الْحَدِيثَ، وَقَالَ الْحَمِيدِيُّ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ: حَفِظْتُ مِنَ الزُّهْرِيِّ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ أَرْبَعَ نِسَوَةٍ: زَيْنَبُ بِنْتُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ حَبِيبَةَ، وَهُمَا رِيبَتَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ، عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ حَجَّشٍ زَوْجِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَى مَعْمَرٌ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ حَبِيبَةَ.

باب ماجاء في صفة المارقة

خوارج کا حال

اسلام میں جو فتنے سب سے پہلے رونما ہوئے ان میں خوارج کا فتنہ بھی ہے، اس کے آثار حضرت عثمان غنی رضی

اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے ظاہر ہونے لگے تھے، مگر یہ فرقہ باقاعدہ جنگ صفین کے بعد مصطفیٰ شہود پر جلوہ گر ہوا، صفین میں جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا اور فریقین نے دو شخصوں کو حکم بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس تحکیم پر خوارج ہی نے مجبور کیا تھا، ورنہ حضرت علیؑ تو جنگ جیت چکے تھے، پھر جب نمائندہ نامزد کرنے کا وقت آیا تو حضرت علیؑ: حضرت ابن عباسؓ کو نامزد کرنا چاہتے تھے، مگر ان لوگوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کیا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو نامزد کریں، پھر جب پنچایت نے فیصلہ سنایا اور وہ ان کی مرضی کے خلاف ہوا تو انھوں نے کہنا شروع کیا: **إِنَّا الْحَكَمُ إِلَّا لِلَّهِ**: فیصلہ تو خدا ہی کا ہے، پس اس حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے دونوں فریق کافر ہو گئے، اور وہ باغی جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی حرواء نامی گاؤں میں اکٹھا ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اتمام حجت کیا پھر جو لوگ کسی طرح نہ مانے ان سے جنگ کی اور ان کو تتر بتر کر دیا، مگر ان کا نظریہ اور ان کے عقائد آج بھی موجود ہیں، ان کا مشہور عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، اور جب بھی امیر المؤمنین سنت کی خلاف ورزی کرے اس کے خلاف بغاوت فرض ہے، اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے وہ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو کافر قرار دیتے ہیں، غرض یہ دور اول کا بڑا فتنہ تھا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: زمانہ کے آخر میں کچھ لوگ نکلیں گے جو:

۱- نو عمر ہونگے اَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ: حقیقت میں مرکب تو صیفی ہے یعنی نئی عمر کے لوگ ہونگے۔

۲- عقل کے اوجھے ہونگے، سَفْهَاءُ: سَفِیْہَہ کی جمع ہے: بیوقوف اور احلام: حُلُم کی جمع ہے: عقل۔

۳- يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيهِمْ: قرآن پڑھتے ہونگے جو ان کی ہنسلوں سے آگے نہیں بڑھے گا، یعنی ان کے دل قرآن کی تعلیمات سے متاثر نہیں ہوں گے۔ التَّرْقُوءُ: ہنسی کی ہڈی، یہ دو ہڈیاں ہوتی ہیں، مجازاً گلا، جمع تَرَاقٍ، بَلَغَتِ الرُّوحُ التَّرَاقِيَّ: دم بلب ہو گیا، قرب موت سے کنایہ۔

۴- يَقُولُونَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ النَّبِيِّ: وہ مسلمانوں کی بعض باتوں کے قائل ہونگے، اس میں من تبعیضیہ ہے اور خَيْرُ النَّبِيِّ سے مسلمان مراد ہیں، سورۃ البینہ آیت ۷ میں ایمان والوں کی یہ صفت آئی ہے، یعنی وہ تمام اسلامی عقائد کے قائل نہیں ہونگے، کچھ باتوں کے قائل ہونگے، اس جملہ کا یہی مطلب ہے، مگر چونکہ ان کا مشہور قول: **إِنَّا الْحَكَمُ إِلَّا لِلَّهِ**: تھا اس لئے شارحین نے ان کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر اس جملہ کی شرح کی ہے چنانچہ وہ اس کی شرح میں مختلف نظر آتے ہیں، حالانکہ اس کا مطلب واضح تھا۔

۵- يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ: وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، المَارِقُ: (اسم فاعل) دائرہ مذہب سے نکل جانے والا، تیر کی طرح کسی چیز میں سے پار ہو جانے والا۔ الرَّمِيَّةُ: تیر پھینک کر جو شکار کیا جائے۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے، جمع: رَمَايَا۔

فائدہ: اس حدیث میں تو اس فرقے کے اتنے ہی اوصاف آئے ہیں اور اس فرقہ کی تعیین بھی نہیں کی گئی مگر دیگر احادیث میں اور بھی اوصاف آئے ہیں، بخاری شریف کتاب استنبات المؤمنین باب ۷ میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں جن میں اس فرقہ کی تعیین ہے کہ یہ فرقہ خوارج کا ہے، جس کا دوسرا نام حروریہ ہے اور یہی مارقة ہے، یہ فرقہ ۳۶ ہجری میں وجود پذیر ہوا، اور ۳۷ ہجری میں نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا صفایا کیا، مگر چونکہ ان کا بقایا موجود ہے اس لئے قیامت تک ان کے اذناں اس حدیث کا مصداق ہیں۔

[۲۲]- باب ماجاء فی صفة المارقة

[۲۱۸۵]- حدثنا أبو كريب، نا أبو بكر بن عيَّاش، عن عاصم، عن زر، عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يُخْرَجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ: أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ، سُفْهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَقُولُونَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ"

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَقَدْ رَوَى فِي غَيْرِ هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ: إِنَّمَا هُمُ الْخَوَارِجُ الْحَرُورِيَُّّةُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْخَوَارِجِ.

وضاحت: وقد روى في غير هذا الحديث إلى آخره میں امام ترمذی نے جو بات بیان کی ہے وہ اوپر فائدہ میں ذکر کی ہے۔ وغیرہم: ای غیر الحروریۃ یعنی خوارج مراد ہیں، خواہ وہ کسی جگہ کے ہوں کیونکہ مدارعقاقد پر ہے۔

بابُ ماجاء فی الأثرۃ

ترجیح دینے کا بیان

الأثرۃ (مصدر) ترجیح دینا، کسی کو کسی سے مقدم کرنا، یہ بات بھی فتنہ کا سبب بن جاتی ہے، اگر نااہل کو ترجیح دی جائے تب تو بہت بڑا فتنہ ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے: إِذَا وُسِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ: جب حکومت کا کام کسی نااہل کو سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو، یعنی پھر اتنے فتنے رونما ہونگے کہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا، اور اگر اہل کو ترجیح دی جائے تب بھی بعض مرتبہ ترجیح واضح نہیں ہوتی، اس لئے کچھ لوگوں کے لئے

باعث شکایت ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ سربراہ مملکت کسی طرح اس شخص کی ترجیح لوگوں کے سامنے واضح کرے، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو جوان تھے قریب کرتے تھے، مجلس کے اکابر کو اشکال ہوا تو حضرت نے لوگوں سے پوچھا: بتاؤ، سورۃ النضر کے نزول کا کیا مقصد ہے؟ سب نے کہا: اس میں غلبہ اسلام کی خبر دی گئی ہے، آپؐ نے ابن عباسؓ سے پوچھا: تم بھی یہی کہتے ہو؟ ابن عباسؓ نے کہا: نہیں، اس سورت کے ذریعہ نبی ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں بھی یہی جانتا ہوں، اس واقعہ کے بعد اہل مجلس نے حضرت ابن عباسؓ کی برتری تسلیم کر لی۔

حدیث (۱): اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک انصاری نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فلاں کو حکومت کا کام سونپا اور مجھے نہیں سونپا (حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ اہل نہیں تھا یعنی آپؐ نے اس کو مجھ پر ترجیح دی، نبی ﷺ نے فرمایا: جو عہدہ مانگتا ہے میں اس کو عہدہ نہیں دیتا، تم نے چونکہ کام مانگا تھا اس لئے میں نے تمہیں کام نہیں دیا، میں نے اس کو تم پر ترجیح نہیں دی) بیشک آپؐ لوگ عنقریب میرے بعد ترجیح دیکھیں گے، یعنی آئندہ جو حکومت کے ذمہ دار ہوں گے وہ غیر انصار کو انصار پر ترجیح دیں گے، پس اس وقت تم صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ”آپؐ لوگ عنقریب میرے بعد ترجیح کا مشاہدہ کریں گے، اور ایسے امور دیکھیں گے جن کو آپؐ لوگ اوپر سمجھیں گے“ صحابہ نے عرض کیا: پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”حکام کو ان کا حق ادا کرو، اور اللہ سے وہ حق مانگو جو تمہارے لئے ہے“ (یعنی ترجیح کے وقت صبر کرنا، فتنہ پیدا نہ کرنا)

[۲۳-] باب ماجاء فی الأثرۃ

[۲۱۸۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، نَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اسْتَغَمَلْتُ فَلَانًا، وَلَمْ تَسْتَغْمِلْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي أَثَرَةً، فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۱۸۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهَبٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي أَثَرَةً، وَأُمُورًا تُذَكِّرُونَهَا“ قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: ”أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ، وَاسْأَلُوا اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

قیامت تک پیش آنے والی باتیں نبی ﷺ نے صحابہ کو بتادیں

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک دن عصر کی نماز دن میں جلدی پڑھادی، پھر آپؐ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، پس آپؐ نے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جو قیامت تک پیش آنے والی ہے، مگر وہ بات ہمیں بتلا دی، جس نے اس کو یاد رکھا: یاد رکھا اور جو اس کو بھول گیا: بھول گیا، اور ان باتوں میں سے جو آپؐ نے فرمائیں یہ باتیں تھیں:

۱- بیشک دنیا سرسبز و شیریں ہے، اور بیشک اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں ناسب بنانے والے ہیں، پس دیکھنے والے ہیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟ سنو! پس دنیا سے بچو، اور عورتوں سے بچو!

تشریح: دنیا کو ہری بھری گھاس سے تشبیہ جانوروں کے تعلق سے دی ہے، اور شیریں کے ساتھ انسانوں کے تعلق سے دی ہے، جس طرح جانور ہری گھاس خوب چرتا ہے اور انسان میٹھی چیز خوب کھاتا ہے، دنیا کا حال بھی ایسا ہی ہے، صحابہ کرام کو بھی یہ دنیا ملنے والی تھی مگر دنیا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ دنیا دیکر دیکھنا چاہتے ہیں کہ بندے اس کو کس طرح برتتے ہیں، پھر آپؐ نے خصوصیت سے دو حکم دیئے:

ایک: دنیا سے بچنے کا، یعنی ناجائز طریقوں سے دنیا حاصل نہ کی جائے، اور جائز طریقوں سے حاصل کی ہوئی دنیا جائز مصارف میں خرچ کی جائے، اگر ان اپ شاپ دنیا کمائی یا لڑائی تو وہ وبال جان بن جائے گی۔
دوسرا حکم: عورتوں سے بچنے کا، عورتوں بچوں کی وجہ سے انسان ان اپ شاپ دنیا جمع کرتا ہے اور لڑاتا ہے اس لئے خاص طور پر اس معاملہ میں تنبیہ کی۔

اور ان باتوں میں سے جو اس دن آپؐ نے فرمائیں: یہ بات بھی تھی:

۲- سنو! ہرگز نہ رو کے کسی کو لوگوں کی ہیبت اس سے کہ وہ حق بات کہے جبکہ وہ اس بات کو جانتا ہو، راوی کہتا ہے: پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بہت سی باتیں دیکھیں پس ہم ڈر گئے! یعنی ہم نے ان غلط باتوں پر نکیر نہ کی۔

اور ان باتوں میں سے جو اس دن آپؐ نے فرمائیں: یہ بات بھی تھی:

۳- سنو! بیشک گاڑا جائے گا ہر بے وفا کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا اس کی بے وفائی کے بقدر، یعنی جتنی بڑی بے وفائی کی ہوگی اتنا بڑا جھنڈا ہوگا اور کوئی بے وفائی امیر المؤمنین کے ساتھ بے وفائی سے بڑی نہیں، یعنی امیر

المؤمنین سے بیعت کر کے درپردہ اس کی مخالفت کرنا سب سے بڑی بے وفائی ہے، اس کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا، یعنی وہ جھنڈا سرین کی گوشت میں گڑا ہوا ہوگا، اور پیچھے لہرا رہا ہوگا، اور وہ میدان قیامت میں اس کی رسوائی کا ذریعہ بنے گا۔

اور ان باتوں میں سے جو ہم نے اس دن یاد رکھیں: یہ بات بھی تھی:

۴- سنو! انسان مختلف درجات میں پیدا کئے گئے ہیں: (۱) ان میں سے کوئی مؤمن جنا جاتا ہے، یعنی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے، اور مؤمن جیتا ہے، اور مؤمن مرتا ہے (۲) اور ان میں سے کوئی کافر جنا جاتا ہے، اور کافر جیتا ہے اور کافر مرتا ہے (۳) اور ان میں سے کوئی مؤمن جنا جاتا ہے، اور مؤمن جیتا ہے، اور کافر مرتا ہے (۴) اور ان میں سے کوئی کافر جنا جاتا ہے، اور کافر جیتا ہے اور مؤمن مرتا ہے۔

۵- سنو! (۱) اور کسی انسان کو غصہ دیر میں آتا ہے اور جلدی اتر جاتا ہے (۲) اور کسی کو غصہ جلدی آتا ہے اور جلدی اتر جاتا ہے، پس یہ اس کے برابر ہو گیا یعنی ایک کی کمی کی دوسرے سے تلافی ہو گئی (۳) سنو! اور ان میں سے کسی کو غصہ جلدی آتا ہے اور دیر سے اترتا ہے..... سنو! اور لوگوں میں بہترین وہ ہے جسے غصہ دیر میں آئے اور جلدی اتر جائے (یہ پہلی قسم ہے) اور ان میں بدترین وہ ہے جسے غصہ جلدی آئے اور دیر میں اترے (یہ تیسری قسم ہے)

۶- سنو! (۱) اور بیشک ان میں سے بعض اچھی طرح حق ادا کرنے والے ہوتے ہیں اور اچھی طرح حق کا مطالبہ کرتے ہیں (۲) اور ان میں سے بعض حق چکانے میں برے ہوتے ہیں اور حق کا مطالبہ کرنے میں اچھے ہوتے ہیں (۳) اور ان میں سے بعض حق چکانے میں اچھے ہوتے ہیں اور حق کا مطالبہ کرنے میں برے ہوتے ہیں، پس یہ اس کے بدل ہو گیا، یعنی ایک کی تلافی دوسرے سے ہو گئی (۴) سنو! اور بیشک ان میں سے بعض ادا نیکی میں برے ہوتے ہیں اور مطالبہ میں بھی برے ہوتے ہیں، سنو! اور لوگوں میں بہترین وہ ہے جو حق چکانے میں بھی اچھا ہو اور حق کا مطالبہ کرنے میں بھی اچھا ہو (یہ پہلی قسم ہے) سنو! اور لوگوں میں بدترین وہ ہے جو حق چکانے میں بھی برا ہو اور حق کا مطالبہ کرنے میں بھی برا ہو (یہ چوتھی قسم ہے)

ملفوظہ: ۴-۶ انسانوں کے مختلف درجات کا بیان ہے۔

۷- سنو! اور بیشک غصہ انسان کے دل میں ایک چنگاری ہے، کیا تم دیکھتے نہیں اس کی دونوں آنکھوں کی سرخی کی طرف، اور اس کی گردن کی رگوں کے پھولنے کی طرف؟! پس جو شخص غصہ میں سے کچھ بھی محسوس کرے اسے چاہئے کہ وہ زمین سے چپک جائے، یعنی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، اس سے غصہ ہلکا پڑ جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے سورج کو دیکھنا شروع کیا کہ کتنا باقی ہے؟ پس نبی ﷺ نے فرمایا:

۸- سنو! بیشک نہیں باقی رہا ہے دنیا میں سے اس حصہ کی بہ نسبت جو اس میں سے گزر چکا ہے مگر اتنا جتنا بچا ہے تمہارے اس دن سے اس حصہ کی بہ نسبت جو اس میں سے گزر چکا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جَدعان ہے جو ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک صدوق ہے، یہ مسلم شریف اور سنن اربعہ کا راوی ہے، اس لئے امام ترمذی نے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے، پھر باب میں چند صحابہ کا حوالہ ہے وہ سب بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے سامنے وہ تمام باتیں بیان کیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں، اور مراد بڑے بڑے واقعات ہیں کیونکہ تمام واقعات کا احاطہ اس مختصر وقت میں ممکن نہیں۔

[۲۴-] بَابُ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

[۲۱۸۸-] حَدَّثَنَا عُمَرَانُ بْنُ مُوسَى الْقَزَّازُ الْبَصْرِيُّ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، نَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا صَلَاةَ الْعَصْرِ بِنَهَارٍ، ثُمَّ قَامَ خَطِيبًا، فَلَمْ يَدْعُ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا أَخْبَرَنَا بِهِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ، وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ، وَكَانَ فِيمَا قَالَ:

[۱-] ”إِنَّ الدُّنْيَا خَصْرَةٌ حُلْوَةٌ، وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَنَاطِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ؟ أَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا، وَاتَّقُوا النَّسَاءَ“ وَكَانَ فِيمَا قَالَ:

[۲-] ”أَلَا لَا تَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّ، إِذَا عَلِمَهُ“ قَالَ: فَبَكَى أَبُو سَعِيدٍ، فَقَالَ: قَدْ وَاللَّهِ رَأَيْنَا أَشْيَاءَ، فَهَبْنَا. وَكَانَ فِيمَا قَالَ:

[۳-] ”أَلَا إِنَّهُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، بِقَدْرِ غَدَرَتِهِ، وَلَا غَدْرَةَ أَعْظَمُ مِنْ غَدْرَةِ إِمَامٍ عَامَةٍ، يُرَكِّزُ لَوَاؤُهُ عِنْدَ إِسْتِهِ“ وَكَانَ فِيمَا حَفِظْنَا يَوْمَئِذٍ:

[۴-] ”أَلَا إِنَّ بَنِي آدَمَ خَلِقُوا عَلَى طَبَقَاتٍ شَتَّى: فَمِنْهُمْ: مَنْ يُولَدُ مُؤْمِنًا، وَيَحْيَى مُؤْمِنًا، وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا، وَمِنْهُمْ: مَنْ يُولَدُ كَافِرًا، وَيَحْيَى كَافِرًا، وَيَمُوتُ كَافِرًا، وَمِنْهُمْ: مَنْ يُولَدُ مُؤْمِنًا، وَيَحْيَى مُؤْمِنًا، وَيَمُوتُ كَافِرًا، وَيَحْيَى كَافِرًا، وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا“

[۵-] "أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ: الْبَطِيءَ الْغَضَبِ، سَرِيعَ الْفَيْءِ، وَمِنْهُمْ: سَرِيعَ الْغَضَبِ، سَرِيعَ الْفَيْءِ، فِتْلِكَ بِتْلِكَ، أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ: سَرِيعَ الْغَضَبِ، بَطِيءَ الْفَيْءِ، أَلَا وَخَيْرُهُمْ بَطِيءُ الْغَضَبِ سَرِيعُ الْفَيْءِ، وَشَرُّهُمْ سَرِيعُ الْغَضَبِ بَطِيءُ الْفَيْءِ"

[۶-] "أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ: حَسَنَ الْقَضَاءِ، حَسَنَ الطَّلَبِ، وَمِنْهُمْ: سَيِّءَ الْقَضَاءِ، حَسَنَ الطَّلَبِ، وَمِنْهُمْ: حَسَنَ الْقَضَاءِ، سَيِّءَ الطَّلَبِ، فِتْلِكَ بِتْلِكَ، أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ: السَّيِّءَ الْقَضَاءِ، السَّيِّءَ الطَّلَبِ، أَلَا وَخَيْرُهُمُ الْحَسَنُ الْقَضَاءِ، الْحَسَنُ الطَّلَبِ، أَلَا وَشَرُّهُمْ سَيِّءُ الْقَضَاءِ سَيِّءُ الطَّلَبِ"

[۷-] "أَلَا وَإِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةً فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ، أَمَا رَأَيْتُمْ إِلَى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاحِ أَوْدَاجِهِ؟ فَمَنْ أَحْسَرَ بَشَنِي مِنْ ذَلِكَ فَلْيَلْصِقْ بِالْأَرْضِ"

قَالَ: وَجَعَلْنَا نَلْتَفِتُ إِلَى الشَّمْسِ، هَلْ بَقِيَ مِنْهَا شَيْءٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

[۸-] "أَلَا إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيمَا مَضَى مِنْهَا، إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هَذَا فِيمَا مَضَى مِنْهُ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَفِي الْبَابِ: عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، وَأَبِي زَيْدٍ بْنِ أَخْطَبَ، وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِي مَرْيَمَ، ذَكَرُوا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الشَّامِ

شام والوں کا تذکرہ

ملک شام کے اب چار ملک بن گئے ہیں: (۱) سوریہ: جس میں دمشق، حمص، حماہ اور حلب واقع ہیں (۲) لبنان (۳) اردن جس میں عمان اور خلیج عقبہ ہیں (۴) فلسطین جس میں قدس اور غزہ ہیں۔

شام کے فضائل میں متعدد روایات آئی ہیں، اور بعض روایات میں وہاں کے فتنوں کا بھی ذکر آیا ہے، وہ روایات درج ذیل ہیں:

حدیث (۱): حضرت قرۃ بن ایاس مزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا:

(۱) إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ، فَلَا خَيْرَ فَيْكُمْ: جب شام والوں میں بگاڑ آجائے تو تم میں کوئی خیر نہیں (اس کا پہلا ظہور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا)

(۲) اور فرمایا: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ مدد کیا ہوا رہے گا، ان کو ضرر نہیں پہنچائیں گے وہ لوگ جو ان کو رسوا کرنا چاہیں گے، تا آنکہ

قیامت قائم ہو جائے۔

تشریح: امام ترمذی نے امام بخاری کے حوالہ سے حضرت علی بن المدینی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ طائفہ منصورہ: محدثین کرام ہیں، آپ کی یہ بات صحیح ہے مگر تمام حقیقت نہیں، بلکہ تمام اہل السنہ والجماعہ اس کا مصداق ہیں، خواہ وہ مفسرین ہوں، محدثین ہوں، فقہاء ہوں، ارباب زوایا ہوں یا ارباب سیف و سناں ہوں، سب اہل حق اس حدیث کا مصداق ہیں۔

حدیث (۲): حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے کہاں کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”یہاں کا“ اور آپ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا۔
تشریح: یہ حدیث مجمل ہے اور ابوداؤد (حدیث ۲۳۸۳) میں ابن حوالہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اسلام کا معاملہ یہاں تک پہنچے گا کہ لوگ مختلف لشکر بن جائیں گے، ایک لشکر شام میں ہوگا، دوسرا یمن میں، تیسرا عراق میں، ابن حوالہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے انتخاب فرمائیں، اگر میں وہ وقت پاؤں، آپ نے فرمایا: عليك بالشام: تم شام چلے جانا، کیونکہ شام اللہ کی بہترین زمین ہوگی، اور اس کی طرف اللہ کے بہترین بندے سمٹ جائیں گے..... پہلی حدیث میں شام والوں کے بگاڑ کا تذکرہ ہے، اور اس حدیث میں ان کی خوبی کا ذکر ہے، اور دونوں باتیں احوال کے تابع ہیں، احوال اچھے ہوں تو وہ بہترین جگہ ہے، اور فتنے سرابھاریں تو وہاں جانا مناسب نہیں۔

[۲۵]- باب ماجاء في أَهْلِ الشَّامِ

[۲۱۸۹]- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فَيْكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ“

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَوَالَةَ، وَابْنِ عُمرَ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۱۹۰]- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيْنَ تَأْمُرُنِي؟ قَالَ: ”هَاهُنَا“ وَنَحَا بِيَدِهِ نَحْوَ الشَّامِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابٌ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ میرے بعد دین کا (عملی) انکار کرنے والے نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔

تشریح: مسلمانوں کے باہمی نزاعات مونڈنے والے ہیں، اور سر نہیں مونڈتے، دین مونڈتے ہیں، فتنے جب بڑھتے ہیں تو قتل و قاتل کی نوبت آتی ہے جو عملی طور پر دین کا انکار ہے، حدیث میں ہے: سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقَتْلُهُ كُفْرٌ: مسلمان کو گالی دینا بدکاری ہے اور اس کو قتل کرنا دین کا (عملی) انکار ہے، اللہم احفظنا منه۔

[۲۶-] بَابٌ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

[۲۱۹۱-] حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، نَا فَضِيلُ بْنُ غَزْوَانَ، ثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ"

وفى الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَجَرِيرٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَكُرْزِ بْنِ عِلْقَمَةَ، وَوَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، وَالصَّنَابِغِيِّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابٌ مَا جَاءَ أَنَّهُ تَكُونُ فِتْنَةٌ: الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

جب فتنے سر اُبھاریں تو جوان میں کم سے کم حصہ لے وہ بہتر ہے

حدیث: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنہ رونما ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "عَنْقَرِيبُ فِتْنَةٍ رَوْنَمَا هُوَ، اس میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا،" حضرت سعدؓ نے عرض کیا: اگر فتنہ پرداز میرے گھر میں در آئے اور میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ مجھے قتل کرے (تو میں کیا کروں؟) آپؐ نے فرمایا: تُكُنْ كَأَبْنِ آدَمَ: تم حضرت آدم علیہ السلام کے بہترین لڑکے (ہائیل) کی طرح ہو جانا۔

[۲۷-] بَابٌ مَا جَاءَ أَنَّهُ تَكُونُ فِتْنَةٌ: الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

[۲۱۹۲-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَّجِ، عَنْ بُسْرِ

بن سَعْدٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ: الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي" قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ دَخَلَ عَلَى بَيْتِي، وَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ لِيَقْتُلَنِي؟ قَالَ: "كُنْ كَابْنِ آدَمَ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَخَبَّابِ بْنِ الْأَرْتِّ، وَأَبِي بَكْرَةَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي وَاقِدٍ، وَأَبِي مُوسَى، وَخَرَّشَةَ.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ، وَزَادَ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ رَجُلًا، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ سَعْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۴۲۵۷) میں بھی ہے اس میں سعید اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے درمیان حسین بن عبدالرحمن اشجعی کا واسطہ ہے، اور مسند احمد (۱: ۱۸۵) میں ترمذی ہی کی سند ہے، پس صحیح یہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ كَقِطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

عنقریب شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنہ ہونگے!

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اعمال میں ایسے فتنوں سے سبقت کرو جو تاریک رات کے ٹکڑوں جیسے ہونگے، یعنی ان فتنوں کے آنے سے پہلے نیک اعمال کرلو، جب فتنے آئیں گے تو اعمال صالحہ نہیں کر سکو گے، آدمی صبح کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور شام کرے گا کافر ہونے کی حالت میں، اور شام کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور صبح کرے گا کافر ہونے کی حالت میں، ان میں سے ایک اپنا دین دنیا کے سامان کے عوض میں بیچ دے گا۔
تشریح: فتنوں کے زمانہ میں احوال بدلتے دیر نہیں لگتی، صبح کچھ اور شام کچھ، اور شام کچھ اور صبح کچھ ہو جاتا ہے، اور آدمی دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر دین بیچ دیتا ہے، اور "تاریک رات کے ٹکڑوں" سے مراد سنگین فتنے ہیں جیسے دجال کا فتنہ یا ایسے معاملات ہیں جن میں حق کدھر ہے اس کا پتہ نہ چلے، جیسے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانہ کا فتنہ۔

حدیث (۲): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ ایک رات بیدار ہوئے، پس فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے اتارے گئے! اور کتنے خزانے اتارے گئے! کوئی ہے جو حجرے والیوں کو بیدار کرے؟ یعنی ازواج مطہرات کو جگا دے تاکہ وہ عبادت میں مشغول ہوں، ہائے! بہت سی دنیا میں کپڑے پہننے والیاں آخرت میں تنگی ہوں گی۔

تشریح: یہ نبی ﷺ کا خواب ہے، اور تعبیر کا محتاج نہیں، آپؐ نے خواب میں فتنوں کو خزانوں کی شکل میں اترتے ہوئے دیکھا، کیونکہ مال و دولت فتنوں کا سامان ہے، جب مال آتا ہے تو آدمی آپے سے باہر ہو جاتا ہے، اور لوگ عبادتوں میں سست پڑ جاتے ہیں، کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں، اس لئے آپؐ نے خواہش ظاہر کی کہ کوئی ہے جو ازواج مطہرات کو بیدار کر دے تاکہ وہ عبادت میں لگیں، فتنے آنے سے پہلے جو کر سکتی ہیں کر لیں اور مال کا اثر فیشن کی شکل میں بھی نمودار ہوتا ہے، عورتیں خاص طور پر ایسے کپڑے پہنتی ہیں جو پردہ کے مقصد کی تکمیل نہیں کرتے، یہی وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں کپڑے پہنے ہوئے ہیں، مگر آخرت میں ننگی ہوں گی۔

حدیث (۳): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اس کا مضمون وہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے کہ قیامت سے پہلے شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنے رونما ہوں گے، صبح کو آدمی ان فتنوں میں ایمان کی حالت میں ہوگا، اور شام کو کافر ہو جائے گا، اور شام کو مؤمن ہونے کی حالت میں ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا، کچھ لوگ اپنا دین دنیا کے سامان کے بدلے میں بیچ دیں گے۔

حدیث (۴): اور یہ جو پہلی اور تیسری حدیث میں فرمایا ہے کہ آدمی صبح کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور شام کرے گا کافر ہونے کی حالت میں، اور شام کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور صبح کرے گا کافر ہونے کی حالت میں: اس کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: صبح میں اپنے بھائی کے مال، آبرو اور خون کو حرام سمجھتا ہوگا، اور شام کو حلال سمجھ لے گا، اور شام کو اپنے بھائی کے مال، آبرو اور خون کو حرام سمجھتا ہوگا اور صبح کو حلال سمجھ لے گا، یعنی دن اور رات گزرتے گزرتے خیالات بدل جائیں گے۔ اور حرام کو حرام سمجھنا ایمان ہے اور اس کو حلال سمجھ لینا کفر ہے۔ اور اس تفسیر میں اشارہ ہے کہ یہ فتنے فساد ذات البین کے قبیل کے ہوں گے، مسلمانوں کے باہمی نزاعات اور قتل و غارت گری اس کا مصداق ہیں۔

حدیث (۵): حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک شخص کو نبی ﷺ سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا: بتلائیں: اگر ہم پر ایسے حکام ہوں جو ہمیں ہمارا حق نہ دیں اور ہم سے اپنا حق مانگیں تو ہم کیا کریں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا، وَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ: ان کی بات سنو، اور ان کا کہنا مانو، ان پر وہ ذمہ داری ہے جو ان پر لادی گئی ہے، اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جو تم پر لادی گئی ہے۔

تشریح: اس دنیا میں ہر شخص کے حقوق و فرائض ہیں، فرائض ادا کرنے ہیں اور حقوق مانگنے ہیں، لیکن لوگ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں، اور حقوق طلبی میں چست ہوتے ہیں، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے، اول فرائض ادا کرنے چاہئیں، پھر حقوق کی خواہش کرنی چاہئے، جیسے ماں باپ پر، استاذ پر، حاکم پر، شوہر پر: اولاد کے، طلبہ کے، پبلک کے اور بیوی کے حقوق ہیں ان کو پہلے ادا کرنا چاہئے، کیونکہ یہ فرض منصبی ہے، پھر اپنے

حقوق کی خواہش کرنی چاہئے، مگر لوگ فرائض تو ادا کرتے نہیں اور حقوق کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں، اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ اگر حکام اپنی ذمہ داری پوری نہ کریں اور حقوق کا مطالبہ کریں تو تمہیں اپنی ذمہ داری پہلے پوری کرنی چاہئے، ان کی بات سنی چاہئے اور ان کا حکم ماننا چاہئے، پھر اگر وہ تمہارے حقوق ادا نہیں کریں گے تو وہ خود ماخوذ ہو گئے اور تم سبک دوش رہو گے!

[۲۸-] بَابُ مَا جَاءَ سَتَكُونُ فِتْنَةً كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

[۲۱۹۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ أَحَدُهُمْ دِينَهُ بَعْرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۱۹۴-] حَدَّثَنَا سُؤَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدِ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَيْقِظَ لَيْلَةً، فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللَّهِ! مَاذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ! مَاذَا أَنْزَلَ مِنَ الْخَزَائِنِ! مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ؟ يَارُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةً فِي الْآخِرَةِ!" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

[۲۱۹۵-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتْنٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ أَقْوَامٌ دِينَهُمْ بَعْرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا"

وفى الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَجُنْدُبٍ، وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَأَبِي مُوسَى، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

[۲۱۹۶-] حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، نَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: كَانَ يَقُولُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: "يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا" قَالَ: يُصْبِحُ مُحَرَّمًا لِدَمِ أَخِيهِ، وَعَرَضُهُ، وَمَالِهِ، وَيُمْسِي مُسْتَحِلًّا لَهُ، وَيُمْسِي مُحَرَّمًا لِدَمِ أَخِيهِ، وَعَرَضُهُ، وَمَالِهِ، وَيُصْبِحُ مُسْتَحِلًّا لَهُ"

[۲۱۹۷-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ،

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاثِلِ بْنِ حُجْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَجُلٌ يَسْأَلُهُ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أَمْرٌ يَمْنَعُونَا حَقًّا، وَيَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْمَعُوا، وَأَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِلُوا، وَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَا حُمِلْتُمْ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فى الهرج

قتل کی گرم بازاری

هَرَجَ الْقَوْمُ يَهْرَجُ هَرْجًا: لوگوں کا فتنہ و فساد اور قتل و قتل میں مبتلا ہونا، اردو میں اس کو ہرج مرزج یعنی شورش بلوی کہتے ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: إِذْ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا: يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ، وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ: تمہارے آگے ایسے دن ہیں جن میں علم اٹھالیا جائے گا اور ہرج ان دنوں میں زیادہ ہو جائے گا، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل۔

تشریح: لفظ وَرَاءَ: اضداد میں سے ہے، پیچھے اور آگے دونوں معنی ہوتے ہیں، یہاں آگے کے معنی ہے، اور علم اٹھالنے جانے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی گرم بازاری ختم ہو جائے گی، لوگ فتنوں میں پڑ جائیں گے اور فتنے بڑھ کر بلوی کی شکل اختیار کر لیں گے، پس جو شخص آنے والے ان حالات سے واقف ہوگا وہ ان میں کم حصہ لے گا، وہ اپنے کام میں مشغول رہے گا، آج کل فتنوں کا دور ہے، اخبار اور ریڈیو وغیرہ اس کثرت سے سیاسی باتیں پھیلاتے ہیں کہ ہمارے طلبہ بھی ان میں دلچسپی لینے لگتے ہیں، اور ان کی علمی محنت ماند پڑ جاتی ہے، طلبہ عزیز کو چاہئے کہ ان امور کی طرف قطعاً التفات نہ کریں، تاکہ ان کی علمی زندگی برباد نہ ہو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهَجْرَةِ إِلَى: ہرج میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے، یعنی اس کا عظیم ثواب ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ جب حالات بگڑ جائیں تو بہ تکلف اہتمام سے عبادتوں میں لگے رہیں، ایسے وقت کی عبادتیں بہت مفید ہوتی ہیں۔

[۲۹-] باب ماجاء فى الهرج

[۲۱۹۸-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَفِيقٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا: يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ، وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ"

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: "الْقَتْلُ"

وفی الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. [۲۱۹۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، رَدَّهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، رَدَّهُ إِلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، رَدَّهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهَجْرَةِ إِلَى" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ.

وضاحت: رَدَّهُ إِلَى: رفع حدیث کا نیا انداز ہے یعنی معلیٰ نے حدیث کو لوٹایا معاویہ کی طرف ای روای عنہ۔

جب تلوار میان سے نکل آتی ہے تو واپس نہیں جاتی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ: جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی یعنی تلوار نکل آئے گی تو پھر قیامت تک امت سے اٹھائی نہیں جائے گی، یعنی پھر فتنے آتے ہی رہیں گے، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا شروع ہو جائے گا اور یہی ہرج مرج ہے۔

[۲۲۰۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّخَاذِ السَّيْفِ مِنْ حَشَبٍ

لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم

حدیث (۱): عُدَيْسَةُ تَابِعِيَةٍ كَهْتِي هِيَ: حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے ابا اُھبان بن صفی غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو اپنے ساتھ جنگ میں شرکت کی دعوت دی، میرے ابا نے ان کو جواب دیا: میرے دوست اور آپ کے چچا زاد بھائی نے یعنی نبی ﷺ نے مجھ سے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف ہو تو میں لکڑی کی تلوار بنا لوں، چنانچہ میں نے بنالی ہے، پس اگر آپ چاہیں تو میں اس کو لے کر آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت کروں، عدیسہ کہتی ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو چھوڑ دیا، یعنی شرکت پر اصرار نہیں کیا۔

حدیث (۲): حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فتنوں کے بارے میں فرمایا: كَسَرُوا فِيهَا قَسِيَّتَكُمْ، وَقَطَعُوا فِيهَا أَوْتَارَكُمْ، وَالزَّمُوا فِيهَا أَجْوَافَ بُيُوتِكُمْ، وَكُونُوا كَأَنْبِ آدَمَ: توڑ دو تم

فتنوں میں اپنی کمانوں کو، اور کاٹ دو تم ان میں اپنی تانتوں کو، اور چپک جاؤ تم ان میں اپنے گھروں کے بیچ سے یعنی گھروں کے اندر گھس جاؤ، اور ہو جاؤ تم حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح۔

لغات: القوس (مذکر و مؤنث) کمان جس سے تیر چلایا جاتا ہے، جمع اقواس و قیسی..... الوتر: کمان کی تانت، جمع أوتار..... اور حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے سے مراد ہانبل ہیں جن کو قاتیل نے قتل کیا تھا مگر انھوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا، چنانچہ دارین میں وہی کامیاب رہے۔

[۳۰] - باب ماجاء فی اتّخاذ السیف من خشب

[۲۲۰۱] - حدثنا علی بن حجر، نا إسماعیل بن إبراهيم، عن عبد الله بن عبيد، عن عديسة بنت أهبان بن صيفي الغفاري، قالت: جاء علي بن أبي طالب إلى أبي، فدعاه إلى الخروج معه، فقال له أبي: إن خليلي وابن عمك عهد إلي إذا اختلف الناس: أن اتخذ سيفاً من خشب، فقد اتخذته، فإن شئت خرجت به معك، قالت: فتركته.

وفی الباب: عن محمد بن مسلمة، هذا حديث حسن غريب، لا نعرفه إلا من حديث عبد الله بن عبيد.

[۲۲۰۲] - حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، نا سهل بن حماد، نا همام، نا محمد بن جحادة، عن عبد الرحمن بن ثروان، عن هزيل بن شرحبيل، عن أبي موسى، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال في الفتن: "كسروا فيها قسيكم، وقطعوا فيها أوتاركم، والزموا فيها أجواف بيوتكم، وكونوا كآدم".

هذا حديث حسن غريب، وعبد الرحمن بن ثروان: هو أبو قيس الأودي.

باب ماجاء فی أشرط الساعة

علامات قیامت کا بیان (پہلا باب)

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے، میرے بعد تم میں سے کوئی نہیں کہے گا کہ اس نے یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی ہے (بصرہ میں وفات پانے والے صحابہ میں حضرت انسؓ آخری صحابی ہیں اس لئے آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ نبی ﷺ سے یہ حدیث سننے والا اب میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا) نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ: (۱) علم

اٹھایا جائے گا (۲) جہل ظاہر ہوگا (۳) زنا پھیل جائے گا (۴) شراب پی جائے گی (۵) عورتیں زیادہ ہو جائیں گی (۶) اور مرد کم ہو جائیں گے، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا سر پرست ایک مرد ہوگا۔

تشریح: یا تو مرد جنگلوں میں بہت مارے جائیں گے اس لئے یہ صورت حال ہو جائے گی یا لڑکیوں کی افزائش بڑھ جائے گی، دونوں احتمال ہیں۔

حدیث (۲): زبیر بن عدی کہتے ہیں: ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ہم نے ان سے ان مظالم کا شکوہ کیا جو ہمیں حجاج سے پہنچ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: مَا مِنْ عَامٍ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ: نہیں ہے کوئی سال مگر جو سال اس کے بعد ہے وہ اس سے بھی برا ہے یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو، یعنی صورت حال دن بدن خراب ہوتی جائے گی، میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يَقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ: نہیں برپا ہوگی قیامت یہاں تک کہ نہیں کہا جائے گا زمین میں اللہ اللہ، یعنی جب تک زمین پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی بھی باقی ہے قیامت نہیں آئے گی، اور جب کوئی بھی اللہ کا نام لینے والا زمین پر باقی نہیں رہے گا قیامت برپا ہو جائے گی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صورت حال بگڑتی بگڑتی یہاں تک پہنچ جائے گی کہ اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

ملاحظہ: اس حدیث کو ابن عدی نے مرفوع کیا ہے، اور خالد بن الحارث نے مرفوع نہیں کیا، امام ترمذی نے اس غیر مرفوع کو اصح قرار دیا ہے مگر حدیث مرفوع کی بھی تحسین کی ہے، یہ عجیب بات ہے!

حدیث (۴): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَشْعَدُ النَّاسِ بِالْدُّنْيَا لُكْعُ بَنِي لُكْعٍ: قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ لوگوں میں دنیا حاصل کرنے میں سب سے زیادہ نیک بخت: کمینہ کا بیٹا کمینہ ہوگا۔

تشریح: اللُكْعُ: کمینہ، یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اللُكْعُ سے معدول ہے، اور کبھی پیار میں چھوٹے بچہ کو بھی لُكْعُ کہتے ہیں، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دینی بگاڑ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ دنیا کے مال و مناصب کے وارث خاندانی بیوقوف ہو جائیں گے، اور انہی کی عزت افزائی ہوگی اور دین داروں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔

حدیث (۵): نبی ﷺ نے فرمایا: زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قتی کر ڈالے گی، سونے چاندی کے ستونوں کی شکل میں، یعنی بے حساب خزانے زمین سے نکل آئیں گے۔ اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ پھر چور آئے گا اور مال دیکھ کر کہے گا: اسی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا، اور قاتل آئے گا اور کہے گا: اسی کی وجہ سے میں نے قتل کیا، اور قلعہ رحمی کرنے والا آپئے گا اور کہے گا: اسی کی وجہ سے میں نے خاندان سے قطع تعلق کیا، پھر وہ لوگ اس مال کو چھوڑ کر چلے جائیں گے، اس میں سے کوئی کچھ بھی نہیں لے گا۔

فائدہ: ان سب روایات میں علامات قیامت کا ذکر ہے، اور اگلے باب میں بھی بہت سی علامتوں کا ذکر آ رہا ہے۔

[٣١-] باب ماجاء في أَسْرَاطِ السَّاعَةِ

[٢٢٠٣-] حدثنا محمود بن غِيْلَانَ، نا النَّضْرُ بنُ شُمَيْلٍ، نا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَحَدْتُكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي: أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنْ أَسْرَاطِ السَّاعَةِ: أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيُظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيَفْشُو الزَّنا، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ، وَيَقُلَّ الرِّجَالُ، حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً قَيْمٌ وَاحِدٌ"

وفى الباب: عَنْ أَبِي مُوسَى، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[٢٢٠٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، نا يَحْيَى بنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ الزُّبَيْرِ بنِ عَدِيٍّ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: فَشَكَّوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ، فَقَالَ: "مَا مِنْ عَامٍ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرُّ مِنْهُ، حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ" سَمِعْتُ هَذَا مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[٢٢٠٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، نا ابنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ: اللَّهُ اللَّهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

حدثنا مُحَمَّدُ بنُ الْمُثَنَّى، نا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ.

[٢٢٠٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ، نا عَبْدُ الْعَزِيزِ بنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِي عَمْرٍو، ح: وَثَنَا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا إِسْمَاعِيلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَنْصَارِيِّ الْأَشْهَلِيِّ، عَنْ حَذِيفَةَ بنِ الْيَمَانِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَسْعَدُ النَّاسِ بِالْذُّنْبِ لُكْعُ بنِ لُكْعٍ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بنِ أَبِي عَمْرٍو.

[٢٢٠٧-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، نا مُحَمَّدُ بنُ فَضِيلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حَارِثٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَقْبِي الْأَرْضُ أَفْلاذَ كِبِدِهَا، أَمْثَالَ الْأُسْطُوانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِصَّةِ" قَالَ: "فَيَجِيءُ السَّارِقُ، فَيَقُولُ: فِي هَذَا قُطِعَتْ يَدِي! وَيَجِيءُ الْقَاتِلُ، فَيَقُولُ: فِي هَذَا قُتِلْتُ! وَيَجِيءُ الْقَاطِعُ، فَيَقُولُ: فِي هَذَا قُطِعَتْ رَحِمِي! ثُمَّ يَدْعُوْنَهُ، فَلَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ شَيْئًا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

بَابُ

علامات قیامت کا بیان (دوسرا باب)

یہ باب گذشتہ باب کا ذیلی باب ہے، اس میں بھی علامات قیامت کا بیان ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں سے پہلی دو حدیثیں ضعیف ہیں، پہلی حدیث میں فرج بن فضالہ تنوخی شامی ضعیف راوی ہے، علاوہ ازیں محمد بن عمر کا اپنے دادا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع نہیں، اور دوسری حدیث کی سند میں رُشح جذامی مجہول راوی ہے، مگر دونوں حدیثیں ایک دوسرے کی شاہد ہیں، اور تیسری حدیث کی سند میں اختلاف ہے کہ وہ موصول ہے یا مرسل؟

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر بلا اترے گی، پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ پندرہ کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

۱- إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُولًا: جب غنیمت کا مال دولت سمجھا جائے، یعنی بادشاہ اور رئیس اس کو اپنے باپ کا مال سمجھیں اور غریب مسلمانوں پر شرع کے موافق تقسیم نہ کریں۔ الْمَغْنَمُ: الْغَنِيمَةُ: جمع مَغْنَمٍ، جنگ میں بزرور حاصل کیا ہوا مال، مجازاً مال مفت، بلا مشقت حاصل شدہ چیز، اور دُولًا: دُولَةٌ يَدُولَةٌ کی جمع: دست گرداں چیز یعنی اول بدل ہونے والی چیز۔ جو کبھی کسی کے پاس ہو اور کبھی کسی کے پاس۔

۲- وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا: اور امانت کا مال لوٹ کا مال سمجھا جائے، لوگ امانتوں کو کھا جائیں اور صاحب مال کو واپس نہ کریں۔

۳- وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا: اور زکوٰۃ کو ڈنڈ (ٹیکس) سمجھا جائے، جب زکوٰۃ کے بارے میں یہ تصور ہو جائے گا تو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے، اور اگر کریں گے تو بس برائے نام ادا کریں گے، رضاء و رغبت سے ادا نہیں کریں گے۔

۴- وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ: اور آدمی اپنی بیوی کا کہنا مانے، یعنی اس کا ہر جائز ناجائز مطالبہ پورا کرے، اور اس کی غلط سلط باتیں سن کر خاندان سے بگاڑ لے۔

۵- وَعَقَّ أُمَّهُ: اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، یعنی ماں کے مقابلہ میں بیوی کو ترجیح دے، اس کی باتیں سننے اور ماں کے ساتھ بدسلوکی کرے۔

۶- وَبَرَّ صَدِيقَهُ: اور اپنے دوست کے ساتھ حسن سلوک کرے، اس کے ساتھ نرم مزاجی سے پیش آئے۔

۷- وَجَفَّ أَبَاهُ: اور اپنے باپ کے ساتھ ظلم روا رکھے، اس پر ظلم و ستم ڈھائے۔

۸- وَازْتَفَعَتِ الْأَصَوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں یعنی ان پاک جگہوں کا احترام

دل سے نکل جائے، وہاں لوگ باتیں اور شور و شغب کرنے لگیں۔

۹- وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ يَأْذُلُهُمْ: اور قوم کا ذلیل ان کا سردار بن جائے، یعنی کمینوں کا راج ہو جائے (زعیم القوم خبر مقدم ہے)

۱۰- وَأَكْرَمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ: اور آدمی کی عزت کی جائے اس کی برائی کے ڈر سے، یعنی اس کی شرافت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کی شرارت کی وجہ سے لوگ اس کا اکرام کریں۔

۱۱- وَشَرِبَتِ الْخُمُوزُ: اور شرابیں پی جائیں، یعنی شراب نوشی عام ہو جائے۔

۱۲- وَلَبَسَ الْحَرِيْرُ: اور ریشم پہنا جائے، یعنی مردوں میں ریشم پہننے کا رواج چل پڑے۔

۱۳- وَأَتَّخَذَتِ الْقِيَانُ: اور گانے والی باندیاں رکھی جائیں، یعنی گانے کے اسباب فراہم کئے جائیں، قِيَانُ: الْقِيْنَةُ کی جمع ہے: باندی، زیادہ تر اس کا استعمال مغنیہ کے لئے ہوتا ہے۔

۱۴- وَالْمَعَارِثُ: اور آلاتِ لہو اختیار کئے جائیں، الْمَعَارِثُ: الْمِعْرَافُ کی جمع ہے، باج، ساز، آلہ موسیقی، سارنگی وغیرہ۔

۱۵- وَلَكِنْ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْلَاهَا: اور اس امت کے پچھلے: پہلوں پر لعنت بھیجیں، یعنی لوگ سلف صالحین: محدثین و مجتہدین کی برائی کرنے لگیں۔

تو چاہئے کہ لوگ اس وقت انتظار کریں سرخ آندھی کا یا زمین میں دھنسنے کا، یا شکلوں کے بگڑنے کا، یعنی جب یہ پندرہ باتیں عام ہوں گی تو قیامت قریب آجائے گی، یہی پندرہ باتیں آخری زمانے کے فتنے ہیں۔

دوسری حدیث: میں بھی یہی پندرہ باتیں ہیں، پہلی بات میں الْمَغْنَمُ کے بجائے الْفَيْءُ ہے، فئی: وہ مال ہے جو لڑے بھڑے بغیر حاصل ہوتا ہے، اور مراد مالِ مفت ہے، جیسے اداروں کو ملنے والے چندے: اداروں کے ذمہ داران کو باپ کا مال سمجھنے لگیں..... اور چوتھی بات: تُعَلِّمَ لَغَيْرِ الدِّينِ ہے، یعنی علمِ دین خدا کی رضامندی کے لئے نہیں، بلکہ

مال و جاہ، فخر و ریاء اور نزاع و جدال کے لئے حاصل کیا جائے..... اور اس حدیث میں چونکہ پندرہ کا عدد مذکور نہیں، اس لئے اس ایک بات کے بڑھنے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا، اور اگر پندرہ کا عدد ملحوظ رکھنا ہے تو ظہرتِ القینانُ

والمعارِثُ کو ایک شمار کیا جائے..... اُقْصَى: دور کرنا..... اس حدیث میں سَادِ الْقَبِيلَةِ فَاسْقُهُمْ ہے، یعنی بدکار آدمی قبیلہ کا سردار بن جائے، یہ جملہ کان زعیمِ القومِ اُرْدَلُہُمْ کے ہم معنی ہے..... اور اس حدیث کے آخر میں ہے: پس

چاہئے کہ لوگ انتظار کریں ان برائیوں کے پائے جانے کے وقت سرخ آندھی کا، اور زمین میں بھونچال کا، اور زمین میں دھنسنے کا، اور شکلیں بگڑنے کا، اور پتھر برسنے کا، اور ایسی قدرتی نشانیوں کا جو پے بہ پے واقع ہوگی، جیسے پرانا ہار جس کا

دھاگا کاٹ دیا گیا ہو پس مہرے مسلسل کرنے لگیں، اسی طرح علاماتِ قیامت کا ظہور پے بہ پے ہوگا۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسا، شکلیں بگڑنا اور پتھر برسنا ہوگا، ایک مسلمان نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: إذا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ، وَالْمَعَارِثُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ: جب گانے والی باندیاں اور آلات لہو و لعب عام ہو جائیں اور شرابیں پی جائیں (اس حدیث کو عبد اللہ بن عبد القدوس نے مرفوع کیا ہے اور اعمش کے دوسرے شاگرد اعمش سے اور وہ عبد الرحمن بن سابط سے اور وہ نبی ﷺ سے مرسل روایت کرتے ہیں)

[۳۲]- بَابُ

[۲۲۰۸]- حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، نَا الْفَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ أَبُو فَضَالَةَ الشَّامِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا فَعَلْتَ أُمْتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً: حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ، قِيلَ: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُولًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّى أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَخَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْدَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ، وَلَبِسَ الْحَرِيرُ، وَاتَّخَذَتِ الْقِيَانُ، وَالْمَعَارِثُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا: فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ، أَوْ خَسْفًا، أَوْ مَسْخًا"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ غَيْرَ الْفَرَجِ بْنِ فَضَالَةَ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَضَعْفُهُ مِنْ قَبْلِ حَفِظِهِ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ وَكِيعٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ.

[۲۲۰۹]- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ الْمُسْتَلِيمِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ رُمَيْحِ الْجَذَامِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اتَّخَذَ الْفَيءُ دُولًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَتُعَلِّمُ لَغَيْرِ الدِّينِ، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَعَقَّى أُمَّهُ، وَأَدْنَى صَدِيقَهُ، وَأَقْصَى أَبَاهُ، وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَسَادَ الْقَبِيلَةُ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْدَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَظَهَرَتِ الْقَبِيلَاتُ، وَالْمَعَارِثُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا: فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ، وَزَلْزَلَةً، وَخَسْفًا، وَمَسْخًا، وَقَدْفًا، وَآيَاتٍ تَتَابَعُ، كِنِظَامِ بَالٍ قُطِعَ سَلْكُهُ فِتْنَابَعُ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

[۲۲۱۰]- حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكُوفِيُّ، ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْقُدُّوسِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ

هَلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسَفٌ، وَمَسْخٌ، وَقَذْفٌ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَتَى ذَلِكَ؟ قَالَ: "إِذَا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ، وَالْمَعَارِيفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ"
هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَابِطٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

بابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ"

ارشاد نبوی: "میں قیامت کے ساتھ اس طرح بھیجا گیا ہوں"

السَّاعَةُ: منصوب ہے اور او کا معنی مع ہے، یعنی میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہوں۔
حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: بُعِثْتُ أَنَا فِي نَفْسِ السَّاعَةِ، فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هَذِهِ هَذِهِ: میں قیامت کے سانس میں مبعوث کیا گیا ہوں یعنی بالکل ساتھ آیا ہوں (نَفْسَ، بفتح الفاء، سانس) پس میں اس سے اتنا آگے آ گیا ہوں جتنا یہ انگلی اس انگلی سے آگے ہے، آپ نے یہ بات اپنی دو انگلیوں: سبابہ اور وسطی کے تعلق سے فرمائی، یعنی درمیانی انگلی ذرا آگے ہے، اسی طرح نبی ﷺ قیامت سے پہلے تشریف لائے ہیں، اور قیامت پیچھے آرہی ہے۔
حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ: میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہوں، پھر ابوداؤد طیالسی نے (جو حدیث کے راوی ہیں) انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا کہ جیسے ان دو انگلیوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی، یعنی بڑی انگلی بڑھی ہوئی ہے، اسی قدر نبی ﷺ قیامت سے پہلے تشریف لائے ہیں اور مسلم شریف میں ہے: امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے حضرت قتادہ سے ان کے وعظ میں سنا: كَفَضَلِ أَحَدَهُمَا عَلَى الْأُخْرَى: پھر شعبہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ قتادہ نے یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے یا اپنی طرف سے کہی ہے (مسلم حدیث ۲۹۵۱ کتاب الفتن باب ۲۷) اور مسلم ہی میں حضرت انس کی اس روایت کے آخر میں ہے: قَالَ: وَضَمَّ السَّبَابَةَ وَالْوُسْطَى: حضرت انس نے فرمایا: اور نبی ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا یا۔

تشریح: پس اس اشارہ کے دو مطلب ہو گئے:

پہلا مطلب: جس طرح دونوں انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، نبی ﷺ کی تشریف آوری بھی قیامت سے ملی ہوئی ہے، درمیان میں کسی نبی کا فصل نہیں۔
دوسرا مطلب: نبی ﷺ قیامت سے کچھ پہلے مبعوث ہوئے ہیں، اور قیامت پیچھے آرہی ہے، اب رہی یہ بات

کہ آپ کتنا پہلے آئے ہیں؟ اور قیامت کتنی پیچھے آرہی ہے؟ اس کا قطعی اندازہ لگانا مشکل ہے، کیونکہ شروع سے ڈالنے کی پیمائش معلوم نہیں (آمد و صرف کا ڈالنا بنتا ہے اور اس کی پیمائش ہوتی ہے) اس لئے آخر سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

[۳۳-] بابُ ماجاء فی قولِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: ”بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ“
[۲۲۱۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ هَبَّاجٍ الْأَسَدِيُّ الْكُوفِيُّ، نَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَرْحَبِيُّ، نَا عَبِيدَةُ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ قَبَسِ بْنِ أَبِي حَارِثٍ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ الْفِهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”بُعِثْتُ أَنَا فِي نَفْسِ السَّاعَةِ، فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقْتُ هَذِهِ هَذِهِ“:
لِأَصْبَعِيَّةٍ: السَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى.

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.
[۲۲۱۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، أَنَبَانَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ“ وَأَشَارَ أَبُو دَاوُدَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى، كَفَضْلٍ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: آخری جملہ: کفضل ہمارے نسخوں میں فما فضل ہے، تصحیح مسلم شریف سے کی ہے۔

بابُ ماجاء فی قتالِ التُّرُكِ

ترکوں کے ساتھ جنگ کا تذکرہ

عرب: حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام کی اولاد ہیں اور ترک و روم: دوسرے صاحبزادے یافث کی اولاد ہیں، اور انہی میں یا جوج و ماجوج بھی ہیں، عربوں کے ان کے ساتھ بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں، حدیثوں میں اس کی پیشین گوئی ہے، رومیوں کے ساتھ تو معرکے خلفاء راشدین کے زمانہ میں پیش آئے، اور ترکوں کے ساتھ معرکے چنگیز خاں اور ہلاکو خان کے زمانہ میں پیش آئے، جنہوں نے خلافت اسلامیہ کو تہہ بالا کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی اور وہ پاسبان اسلام بن گئے اور خلافت عثمانیہ وجود میں آئی جس نے لمبے عرصہ تک اسلام کی حفاظت کی۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- لا تقوم الساعة حتى تُقاتِلُوا قَوْمًا نَعَالُهُمُ الشَّعْرُ: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم جنگ کرو ایسی قوم سے جن کے چپل بال ہیں۔

تشریح: ”جن کے چل بال ہیں“ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: ایک: ان کے بال اتنے لمبے ہونگے کہ چپلوں تک پہنچے ہوئے ہونگے (یہ مطلب ایک لطیفہ ہے) دوسرا: وہ ایسے چل پہنتے ہونگے جو بالوں سے بٹے ہوئے ہونگے یا ان کے چپلوں کے چڑے پر بال ہونگے، یہ مطلب صحیح ہے۔

۲- وَلَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمَطْرَقَةُ: اور قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم جنگ کرو ایسی قوم سے جن کے چہرے گویا تہہ بہ تہہ چڑا چڑھائی ہوئی ڈھالیں ہیں، الْمَجْنُّ (بکسر المیم) ڈھال، جَمْعُ مَجَانٍّ (بفتح المیم) الْمَطْرَقَةُ: (اسم مفعول) أَطْرَقَ الشَّيْءُ بِالْجِدْلِ وَنَحْوِهِ: چڑا وغیرہ چڑھانا، ایک چیز کے حصوں کو ملا دینا، اور ایک روایت میں مَطْرَقَةٌ ہے، طَرَّقَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں: اچھلی طرح کوٹنا پیٹنا، پس دونوں لفظوں کے معنی ایک ہیں۔

تشریح: حدیث میں اگرچہ دو الگ الگ جملے ہیں مگر دونوں سے مراد ترک ہیں، اور ان کی یہ علامت کہ وہ بالوں کے یا بالدار چل پہنچے ہوئے ہونگے صرف اس وقت ہوگی جب ان کی عربوں سے جنگ ہوگی، اور دوسری علامت: گویا ان کے چہرے تہہ بہ تہہ چڑا چڑھائی ہوئی ڈھالیں ہیں، یہ علامت ہمیشہ کے لئے ہے، ترکوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں، پچکے ہوئے اور دبیز ہوتے ہیں میرے استاذ حضرت مولانا محمد ہاشم بخاری صاحب ترک تھے، ان کا چہرہ ایسا ہی تھا۔ اور پہلے یہ حدیث گزری ہے کہ عربوں کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہے، یا جوج و ما جوج کی دیوار دس یا نوے کے بقدر کھل گئی ہے، وہ حدیث اور یہ حدیث ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، چنگیز خان کا خونی معرکہ پیش آچکا ہے وہ ابتدائی معرکہ تھا، اور آخری معرکہ یا جوج و ما جوج کے ساتھ پیش آئے گا۔

ملاحظہ: ترکوں میں سے جو مسلمان ہو گئے وہ امت مسلمہ ہیں، اب وہ اس حدیث کا مصداق نہیں، صرف ان کے کفار اس حدیث کا مصداق ہیں، ان کے ساتھ امت مسلمہ کو جنگ لڑنی ہوگی، اور وہ اس امت کے لئے بڑا فتنہ بنیں گے۔

[۳۴-] باب ماجاء فی قتالِ التُّرْكِ

[۲۲۱۳-] حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَا: نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”لَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نَعَالُهُمُ الشَّعْرُ، وَلَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمَطْرَقَةُ“

وفی الباب: عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَعَمْرِو بْنِ تَغْلِبٍ، وَمُعَاوِيَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ: إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ

جب شہنشاہ ایران ختم ہوگا تو اور کوئی شہنشاہ نہیں ہوگا

کسری: جمع اکاسیرۃ، ایران کے بادشاہوں کا لقب ہے، اور قیصر: روم کے بادشاہوں کا لقب ہے، عرب سے ملے ہوئے یہ دو سپر پاور تھے اور جزیرۃ العرب پر کسری کی جزوی عملداری بھی تھی، اور قیصر بھی عربوں کو کھانے کے لئے منہ کھولے ہوئے تھا، اور قریش کی معیشت شام و عراق کی تجارت سے وابستہ تھی، اس لئے جب قریش مسلمان ہوئے تو ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ پڑوسی طاقتیں ان کی معیشت تنگ کر دیں گی اور ان کے اسفار بند ہو جائیں گے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کو خوش خبری سنائی کہ جب کسری ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی کسری نہیں ہوگا، اور جب قیصر ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی قیصر نہیں ہوگا، اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! ضرور دونوں کے خزانے راہ خدا میں خرچ کئے جائیں گے۔

تشریح: یہ مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ دونوں ملک عنقریب فتح ہونے والے ہیں اور دونوں کی دولتیں مسلمانوں کے ہاتھ آنے والی ہیں، اور راہ خدا میں خرچ ہونے والی ہیں۔

اور سپر پاور کا خاتمہ بچوں کا کھیل نہیں ہوتا، جب تک بھاری شورش، عام کوشش، زبردست فوج اور اربوں کھربوں دولت خرچ نہ کی جائے یہ بات ممکن نہیں، اس لئے اس کی فتنہ سامانی اظہر من الشمس ہے، خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان طاقتوں سے مکر شروع ہوئی، ایران تو بہت جلد ختم ہو گیا مگر روم کی مرکزیت ختم کرنے میں عرصہ لگا، لیکن بہر حال یہ دونوں طاقتیں ٹوٹ گئیں ——— لَتَنْفَقَنَّ: لام تاکید بانون تاکید، فعل مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب، اور کنوزُہما: اس کا نائب فاعل۔

[۳۵] - بَابُ مَا جَاءَ: إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ

[۲۲۱۴] - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، نَافِعُ بْنُ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرُ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الْحِجَازِ

قیامت سے پہلے حجاز کی طرف سے ایک آگ نکلے گی

حدیث: عنقریب حضر موت سے یا فرمایا: حضرت موت کے سمندر کی جانب سے قیامت سے پہلے ایک آگ

نکلے گی جو لوگوں کو جمع کرے گی، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تم شام چلے جانا“
تشریح: اس آگ کی نوعیت کیا ہوگی؟ اور وہ لوگوں کو شام کی طرف کیوں جمع کرے گی؟ یہ بات قبل از وقت نہیں بتائی جاسکتی، نہ آگ کی نوعیت متعین کی جاسکتی ہے مگر جب یہ آگ نکلے گی تو لوگوں کے لئے بڑا فتنہ ہوگی، یہی اس حدیث کا اور اس باب کا مقصد ہے۔

[۳۶]- بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الْحِجَازِ

[۲۱۵-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا سَيِّبَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قَلَابَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتٍ أَوْ: مِنْ نَحْوِ بَحْرٍ حَضَرَ مَوْتٌ، قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ“ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَقَالَ: ”عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ“
وفى الباب: عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي ذَرٍّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ.

بَابُ مَا جَاءَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ

قیامت سے پہلے جھوٹے نبی پیدا ہونگے

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْبَعِثَ كَذَّابُونَ دَجَالُونَ، قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ: قِيَامَتِ بَرِ پانچویں ہوگی یہاں تک کہ بڑے جھوٹے بڑے مکار جاگیں گے جو تقریباً تیس ہونگے، سب دعویٰ کریں گے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: قِيَامَتِ بَرِ پانچویں ہوگی: (۱) یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکین کے ساتھ مل جائیں گے (۲) اور یہاں تک کہ وہ مورتیوں کی پوجا کریں گے (۳) اور عنقریب ہونگے میری امت میں تیس بڑے جھوٹے، سب مدعی ہونگے کہ وہ نبی ہیں حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

تشریح: دونوں حدیثوں میں جھوٹی نبوت کے فتنے کا تذکرہ ہے، اور دوسری حدیث میں ارتداد کے فتنے کا بھی تذکرہ ہے، وفات نبوی کے بعد ارتداد کا فتنہ پھیلا اور کچھ قبیلے مشرکین کے ساتھ مل گئے، اور انھوں نے مورتیوں کی پوجا شروع کر دی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ سے لوہا لیا اور اس کو کفرِ کردار تک پہنچایا۔

اور جھوٹی نبوت کا فتنہ مسیلہ کذاب سے شروع ہوا، اس سے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا اور اس کو بھی نیست و نابود کر دیا، مگر جھوٹی نبوت کا فتنہ ختم نہیں ہوا، یہ فتنہ قیامت تک جاری رہنے والا فتنہ ہے، اور جس طرح سچی نبوت رحمت ہے، جھوٹی نبوت زحمت ہے، اور تمیں کی تعداد سنگین فتنہ پردازوں کی ہے، یعنی ایسے متنبی جن کی پارٹیاں ہونگی، جن کا سلسلہ چلے گا وہ تقریباً تمیں ہونگے، اور وہ لوگوں کے لئے فتنہ بنیں گے، رہے برساتی مینڈک تو ان کا کوئی شمار نہیں، ہر زمانہ میں ایسے متنبی پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور نبی ﷺ نے امت کو دو ٹوک بتا دیا ہے کہ آخری پیغمبر آپ ﷺ ہیں، آپ کے بعد کسی قسم کی کوئی نئی نبوت نہیں، اگر مسلمان اس حقیقت کو سمجھ لیں تو جھوٹی نبوت کے فتنے سے محفوظ ہو جائیں۔

[۳۷-] بَابُ مَا جَاءَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ

[۲۲۱۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنْبِهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْبَعِثَ كَذَّابُونَ دَجَالُونَ، قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ"

وفى الباب: عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۲۱۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَأَنْبِيَّ بَعْدِي" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ: فِي تَقْيِيفِ كَذَّابٍ وَمُبِيرٍ

قبیلہ ثقیف میں بڑا جھوٹا اور ہلاک ہوگا

ثقیف عرب کا مشہور قبیلہ ہے، طائف اور حنین اس کا مقام تھا، اور کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے، بڑا جھوٹا، اور مبیر: اسم فاعل ہے اُبارہ سے، جس کے معنی ہیں: ہلاک کرنا، اس کا مجرد بار یَبُورُ بَوْرًا ہے، جس کے معنی ہیں: ہلاک ہونا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "قبیلہ ثقیف میں ایک بڑا جھوٹا اور ایک ہلاک ہوگا" علماء نے کذاب کا مصداق: مختار بن ابی عبید ثقفی کو اور ہلاک کو کا مصداق: حجاج بن یوسف ثقفی کو قرار دیا ہے، جس نے علاوہ میدان جنگ کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو ناحق قتل کیا ہے، جن میں بڑے بڑے تابعین اور اولیاء اللہ بھی ہیں۔

فائدہ: مختار بن ابی عبید بن ایک ہجری میں پیدا ہوا، اور سن ۶۷ ہجری میں مارا گیا، بنو امیہ کے خلاف بغاوت کرنے

والوں میں سے تھا اور طائف کا رہنے والا بڑا بہادر آدمی تھا، اس کی بہن حضرت ابن عمرؓ کے نکاح میں تھیں، جن کا نام صفیہ بنت ابی عبید تھا، جب سن ۶۱ ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو یہ بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، پھر جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے تو یہ ان کے ساتھ ہو گیا، اسی طرح کے احوال سے گذرتا رہا، یہاں تک کہ ابن زیاد نے اس کو قتل کیا، لوگوں میں اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نبوت کا اور نزول وحی کا دعویدار ہے۔ اور حجاج بن یوسف ثقفی ۴۰ ہجری میں پیدا ہوا، اور ۹۵ ہجری میں مرا، طائف اس کی جائے پیدائش ہے، اور شام میں پروان چڑھا، عبدالملک نے اس کو امیر لشکر بنایا تھا، اس نے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کے ساتھ مکہ میں جنگ کی، کوفہ اور بصرہ کے درمیان واسطہ شہر بسایا، اس نے قرآن میں اعراب لگوائے اور اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کے ذریعہ ہندوستان کے فتح کی داغ بیل ڈالی، غرض اس نے کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں مگر اس کی برائی کی کوئی حد نہیں۔

[۳۸-] بَابُ مَا جَاءَ: فِي تَقْيِيفِ كَذَّابٍ وَمُبِيرٍ

[۲۲۱۸-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَرِيكَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُصْمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فِي تَقْيِيفِ كَذَّابٍ وَمُبِيرٍ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ. حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ وَاقِدٍ، نَا شَرِيكَ نَحْوَهُ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شَرِيكَ، وَشَرِيكَ يَقُولُ: عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُصْمٍ، وَإِسْرَائِيلُ يَقُولُ: عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُصْمَةَ. وَيُقَالُ: الْكَذَّابُ: الْمُخْتَارُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، وَالْمُبِيرُ: الْحَجَّاجُ بْنُ يَوْسَفَ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلَمٍ الْبَلْخِيُّ، نَا النَّضْرُ بْنُ شَمِيلٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ، قَالَ: أَحْصَوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا، فَبَلَغَ مِائَةَ أَلْفٍ وَعِشْرِينَ أَلْفَ قَتِيلٍ.

وضاحت: سند کا ایک راوی عبداللہ ہے اس کے باپ کا نام عصم ہے یا عصمہ؟ شریک: عصم کہتے ہیں اور اسرائیل عصمہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُرْنِ الثَّالِثِ

تَبَعُ تَابِعِينَ كَابِيَانِ

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں میں بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے

ملے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں، پھر ایسے لوگ آئیں گے جو پھول جائیں گے، اور موٹا پے کو پسند کریں گے، وہ گواہی دیں گے اس سے پہلے کہ ان سے گواہی طلب کی جائے۔

لغات: تَسْمَنُ: موٹا ہونا، پھول جانا..... السَّمْنُ: موٹاپا، جسم کی پھلاوٹ..... یہ حدیث محمد بن فضیل نے اسی طرح روایت کی ہے، یعنی اعمش اور ہلال کے درمیان علی بن مدرک کا واسطہ بڑھایا ہے، مگر اعمش کے دوسرے شاگرد جو حفاظ ہیں: یہ واسطہ نہیں بڑھاتے، پھر کعب رحمہ اللہ کی سند پیش کی ہے ان کی سند میں یہ واسطہ نہیں۔ امام ترمذی نے اسی حدیث کو اصح قرار دیا ہے (مگر حافظ رحمہ اللہ نے الذنک الظراف میں محمد بن فضیل کے دو متابع پیش کئے ہیں، وہ بھی علی بن مدرک کا واسطہ بڑھاتے ہیں، اور علامہ ابو عمر نے اسی کو درست قرار دیا ہے (تحفۃ الاشراف ۸: ۱۹۳) پس یہ اضافہ مزید فی متصل الاسناد کے قبیل سے ہو سکتا ہے)

حدیث (۲): حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا ہوں یعنی صحابہ کا دور، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہیں، یعنی تابعین کا دور (حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں: اور میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے تیسرے قرن کا ذکر کیا یا نہیں) پھر ایسے لوگ پیدا ہونگے جو گواہی دیں گے اور وہ گواہی طلب نہیں کئے جائیں گے، اور وہ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اور ان میں موٹاپا پھیل جائے گا!“

تشریح: پہلے یہ بات آچکی ہے کہ یہ تینوں ادوار زمانے کی چوڑائی میں اور لمبائی میں ایک ساتھ چلتے ہیں، نبی ﷺ کی حیات میں صحابہ بھی تھے، تابعین بھی تھے، اور تبع تابعین بھی، اور اس روایت میں اگرچہ شک ہے کہ نبی ﷺ نے تیسرے قرن کا ذکر کیا یا نہیں؟ مگر مسلم شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت متعدد طرق سے مروی ہے، اس میں تیسرے قرن کا بھی ذکر ہے، اور یہی امت میں معروف و مشہور ہے، پس یہی صحیح ہے یعنی یہ فضیلت تینوں قرون کے لئے ہے۔

اور یہ فضیلت صحبت نبوی کی برکت سے ہے، پھر جس قدر زمانہ نبوی سے دوری ہوتی گئی اثر ماند پڑتا گیا، چنانچہ تین قرون کے بعد اثر ختم ہو گیا، لوگوں میں جسم کی اصلاح کا جذبہ بڑھ گیا، اور دل کی اصلاح کا جذبہ گھٹ گیا، اور جب قلوب کا حال درست نہیں رہا تو گواہیوں میں اور امانتوں میں خیانت شروع ہو گئی، اور یہ بات عمومی احوال کے اعتبار سے ہے، سب لوگوں کا یہ حال نہیں ہوا، حدیث میں ہے: ”میری امت کی مثال بارش جیسی ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ پہلی بارش مفید ہے یا بعد والی“ پس بعد میں بھی لوگ اچھے احوال والے ہوئے ہیں، اور ابواب الفتن میں اس حدیث کے ذکر کا منشا یہ ہے کہ جب ایسے برے لوگ پیدا ہونگے اور احوال بگڑ جائیں گے تو وہ لوگوں کے لئے آزمائش بن جائیں گے، لوگ مؤمن ہونے کی وجہ سے ان پر اعتماد کریں گے اور وہ بد باطن ہونے کی

وجہ سے ان کو نقصان پہنچائیں گے، یہی دور مابعد کا فتنہ ہے۔

[۳۹-] باب ماجاء فی القرن الثالث

[۲۲۱۹-] حدثنا واصل بن عبد الأعلى، نا محمد بن الفضل، عن الأعمش، عن علي بن مذك، عن هلال بن يساف، عن عمران بن حصين، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يأتي من بعدهم قوم يتسمنون، ويحبون السم، يعطون الشهادة قبل أن يسألوها"

هكذا روى محمد بن فضال هذا الحديث، عن الأعمش، عن علي بن مذك، عن هلال بن يساف، وروى غير واحد من الحفاظ عن الأعمش، عن هلال بن يساف، ولم يذكروا فيه: علي بن مذك.

حدثنا الحسين بن حريث، نا وكيع، عن الأعمش، نا هلال بن يساف، عن عمران بن حصين، عن النبي صلى الله عليه وسلم، فذكر نحوه، وهذا أصح عندي من حديث محمد بن فضال، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن عمران بن حصين، عن النبي صلى الله عليه وسلم.

[۲۲۲۰-] حدثنا قتيبة بن سعيد، نا أبو عوانة، عن قتادة، عن زرار بن أوفى، عن عمران بن حصين، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير أمتي القرن الذي بعثت فيهم، ثم الذين يلونهم" قال: ولا أعلم أذكر الثالث أم لا؟ "ثم ينشأ أقوام يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون، ويفشو فيهم السم" هذا حديث حسن صحيح.

باب ماجاء في الخلفاء

خلفاء كايان

الخليفة: جانشين، قائم مقام، اور مراد نبی ﷺ کے انداز پر حکومت کرنے والے حضرات ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد بارہ امیر ہونگے" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر نبی

ﷺ نے کچھ فرمایا، جس کو میں نہیں سمجھ سکا، پس میں نے اس شخص سے جو مجھ سے متصل تھا پوچھا (اور ایک روایت

میں ہے کہ میں نے اپنے ابا حضرت سمرہ بن جنادہ سے پوچھا) انھوں نے بتایا: نبی ﷺ نے فرمایا: کلہم من

قریش: سب امیر قریش میں سے ہونگے۔

وضاحت: اس حدیث کی پہلی سند سماک بن حرب کی ہے، وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، اور دوسری سند ابوبکر بن ابی موسیٰ کی ہے وہ بھی حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، پہلی سند معروف ہے اور دوسری غریب ہے، یعنی ابوبکر کا یہ حدیث حضرت جابرؓ سے روایت کرنا انجانا ہے۔

حدیث (۲): زیاد کہتے ہیں: میں ابن عامر کے منبر کے نیچے حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ابن عامر تقریر کر رہا تھا، اور اس نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے، اس پر ابوبلال نے کہا: ہمارے امیر کو دیکھو اس نے بدکاروں جیسے کپڑے پہن رکھے ہیں، پس حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: خاموش! میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللَّهُ: جو زمین میں اللہ کی اتھارٹی کی توہین کرتا ہے اللہ اس کی توہین کرتے ہیں۔

تشریح: پہلی حدیث میں جن بارہ خلفاء کا تذکرہ ہے وہ منہاج نبوت پر حکومت چلانے والے خلفاء ہیں، اور ان کا مسلسل ہونا ضروری نہیں، وہ وقفہ وقفہ سے ہوں گے، شروع میں چار خلفاء تو متصل آئے ہیں پھر پانچویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں، اسی طرح بعد میں بھی ایسے خلفاء ہوتے رہیں گے جو منہاج نبوت پر حکومت کریں گے، اور قیامت قائم ہونے سے پہلے ایسے بارہ خلفاء ضرور ہوں گے۔

اور منہاج نبوت پر خلافت کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت کو اپنی ملک نہ سمجھے، بلکہ اللہ کی چیز سمجھے اور خود کو صرف رسول اللہ ﷺ کا نائب تصور کرے، اور وہ حکومت سے کوئی ذاتی فائدہ نہ اٹھائے، اور یہ سب خلفاء قریش میں سے ہوں گے، اور قیامت سے پہلے ان کی بارہ کی تعداد پوری ہو جائے گی۔

اور دوسری حدیث میں یہ مضمون ہے کہ بادشاہ کا احترام ضروری ہے، اگر لوگ بادشاہ کی شخصیت کا احترام نہیں کریں گے تو وہ حکومت کیسے چلائے گا؟ پھر سلطان عام ہے خواہ ماتحت امیر ہو یا خلیفہ ہو کیونکہ جب سلطان (اتھارٹی) کی تعظیم ضروری ہے تو خلیفہ کی تعظیم بدرجہ اولیٰ ضروری ہے، اور جو حاکم کا احترام نہیں کرے گا وہ ذلیل ہوگا اور یہی رسوائی اس کے لئے فتنہ (آزمائش) ہوگی، اسی مناسبت سے یہ حدیث ان ابواب میں لائے ہیں۔

[۴۰-] باب ماجاء فی الخلفاء

[۲۲۲۱-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَكُونُ مِنْ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا" قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمُهُ، فَسَأَلْتُ الَّذِي يَلِينِي، فَقَالَ: قَالَ: "كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ.

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ،

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ هَذَا الْحَدِيثِ.

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، يُسْتَعْرَبُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَفِي
الْبَابِ: عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

[٢٢٢٢-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا أَبُو دَاوُدَ، نَا حَمِيدُ بْنُ مِهْرَانَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ كُسَيْبٍ الْعَدَوِيِّ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ أَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مَنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ، وَهُوَ يَخْطُبُ، وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رَقَاقٌ، فَقَالَ أَبُو بَلَالٍ: انْظُرُوا إِلَى أَمِيرٍ نَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ! فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ: اسْكُتْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللَّهُ"، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِلَافَةِ

خلافتِ راشدہ کا بیان

حدیث (۱): حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: الْخِلَافَةُ فِي أُمْتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مَلِكٌ بَعْدَ ذَلِكَ: خلافتِ راشدہ میری امت میں تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد شہنشاہیت ہوگی، حدیث کے راوی سعید بن جہان کہتے ہیں: پھر مجھ سے حضرت سفینہؓ نے فرمایا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت گنو (ان کی خلافت دو سال ہے) پھر فرمایا: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت گنو (حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال اور حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال ہے، کل چوبیس سال ہوئے) پھر فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت گنو (ان کی خلافت چھ سال ہے) پس ہم نے خلافت کو تیس سال پایا۔

سعید بن جہان کہتے ہیں: میں نے حضرت سفینہؓ سے کہا: بنو امیہ کہتے ہیں: خلافت ان میں ہے، یعنی وہ بھی خلفاء راشدین ہیں، حضرت سفینہؓ نے فرمایا: زرقاء کے بیٹے جھوٹ بولتے ہیں، وہ بدترین بادشاہ ہیں (اور ملوکیت کی علامت یہ ہے کہ بادشاہ حکومت کو کسی درجہ میں اپنی ملکیت سمجھے، اور اس میں من مانی کرے)

اور باب میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایات ہے کہ نبی ﷺ نے خلافت کے سلسلہ میں کوئی وصیت نہیں کی یعنی آپؐ نے خلفاء نامزد نہیں فرمائے۔

حدیث (۲): ابن عمرؓ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ سے کہا گیا: کاش آپؓ خلیفہ بناتے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اگر میں خلیفہ بناؤں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنایا ہے، یعنی میرے لئے جواز ہے، اور اگر میں خلیفہ نہ بناؤں تو نبی ﷺ نے خلیفہ نہیں بنایا، پس میرے لئے اس کی بھی گنجائش ہے۔

تشریح: مسلم شریف کتاب الإمامۃ کے شروع میں یہ حدیث مفصل آئی ہے، اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

ابن عمرؓ کہتے ہیں: جب حضرت عمرؓ نے دونوں کا تذکرہ کیا تو میں سمجھ گیا کہ آپؐ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، آپؐ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کریں گے، چنانچہ آپؐ نے کسی کو معین طور پر خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ چھ آدمیوں میں خلافت دائر کی اور حدیث میں جو لمبا مضمون ہے وہ مسلم شریف (حدیث ۱۸۲۳) میں ہے۔

العقاد خلافت کے مختلف طریقے: انعقاد خلافت کے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: ارباب حل و عقد بیعت کے ذریعہ خلیفہ متعین کریں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

دوسرا طریقہ: موجودہ خلیفہ بعد والے خلیفہ کو نامزد کرے، اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

تیسرا طریقہ: خلیفہ: خلافت کو ایک جماعت میں دائر کر دے، اور کہہ دے کہ ان میں سے ایک کو منتخب کیا جائے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

چوتھا طریقہ: استیلاء (تغلب) ہے، یعنی ایسا شخص جو خلافت کی شرطوں کا جامع ہے لوگوں پر غلبہ پالے اور حکومت پر قبضہ جمالے، تو اس سے بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ عورت کی خلافت بھی اس طرح منعقد ہو جاتی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس طرح منعقد ہوئی تھی؟ اس میں اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپؐ ان مہاجرین و انصار کے بیعت کرنے سے خلیفہ ہوئے تھے جو بروقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، یعنی پہلے طریقہ پر آپؐ کی خلافت منعقد ہوئی تھی، اور دوسری رائے یہ ہے کہ آپؐ کی خلافت کا انعقاد بذریعہ شوری ہوا تھا، مگر یہ رائے ضعیف ہے، اس کی تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۲۲۶:۵) میں ہے۔

[۴۱-] باب ماجاء فی الخِلافة

[۲۲۲۳-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ، نَا حَشْرَجُ بْنُ نُبَاتَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمَهَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَفِينَةُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْخِلاَفَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مَلِكٌ بَعْدَ ذَلِكَ" ثُمَّ قَالَ لِي سَفِينَةُ: أَمْسِكْ خِلاَفَةَ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ: وَخِلاَفَةُ عُمَرَ، وَخِلاَفَةُ عُثْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: أَمْسِكْ خِلاَفَةَ عَلِيٍّ، فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِينَ سَنَةً.

قَالَ سَعِيدٌ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ يَزْعُمُونَ أَنَّ الْخِلاَفَةَ فِيهِمْ، قَالَ: كَذَبَ بَنُو الزَّرْقَاءِ! بَلْ هُمْ مُلُوكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوكِ.

وفی الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، قَالَا: لَمْ يَعْهَدْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخِلاَفَةِ شَيْئًا، هَذَا

حدیث حسن، قَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمَهَانَ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ.

[۲۲۲۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، نَا عَبْدَ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ

اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَبِلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: لَوْ اسْتَخْلَفْتُ! قَالَ: إِنْ اسْتَخْلَفْتُ فَقَدْ

اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ، وَإِنْ لَمْ اسْتَخْلَفْ: لَمْ يَسْتَخْلَفْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وفى الحديث قصة طويلة، هذا حديث صحيح، وقد روى غير وجه عن ابن عمر.

باب ماجاء أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ

قیامت تک خلفاء قریش میں سے ہونگے

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

حدیث (۱): عبد اللہ بن ابوالہزیل کہتے ہیں: قبیلہ ربیعہ کے کچھ لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس قبیلہ بکر بن وائل (یہ قبیلہ ربیعہ کی شاخ ہے) کے ایک شخص نے کہا: ”قریش یا تو (فسق و عصیان سے) باز آجائیں یا اللہ تعالیٰ اس (حکومت کے) معاملہ کو ان کے علاوہ عام عربوں میں کر دیں گے“، پس حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: آپ غلط کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: قُرَيْشٌ وُلَاةُ النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ: قریش لوگوں کے حاکم ہونگے خیر و شر میں قیامت تک۔

تشریح: الوُلاة: الوالی کی جمع ہے بمعنی حاکم، فرمانروا۔ اور خیر و شر سے مراد زمانہ اسلام اور زمانہ جاہلیت ہے، یعنی گذشتہ زمانہ میں بھی یہی حاکم تھے اور اب بھی قیامت تک یہی حاکم رہیں گے، اور یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: شب و روز کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ آزاد شدہ لوگوں میں سے ایک شخص بادشاہ بنے گا جس کا نام ”ہجباہ“ ہوگا (یہ روایت مسلم شریف (حدیث ۲۹۱۱) میں ہے) علاوہ ازیں اس مسئلہ سے متعلق یہ حدیثیں بھی ہیں:

حدیث (۳): مسلم شریف میں حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ النَّاسُ تَبِعُ لِقُرَيْشٍ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ: لوگ خیر و شر میں قریش کے تابع ہونگے، یعنی جاہلیت میں بھی وہی لیڈر تھے اور اب اسلام میں بھی وہی سردار ہونگے۔

حدیث (۴): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ روایت ہے: لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ: یہ معاملہ (حکومت) برابر قریش میں رہے گا جب تک لوگوں میں دو آدمی رہیں گے۔

حدیث (۵): مشہور حدیث ہے: الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ: حکومت کے سربراہ قریش میں سے ہوں۔

حدیث (۶): مسند احمد میں سند صحیح سے روایت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میری موت آئی اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوئے تو میں ان کو خلیفہ بناؤں گا، اور اگر ان کا انتقال ہو گیا تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤں گا (حضرت معاذ انصاری ہیں قریشی نہیں)

حدیث (۷): نبی ﷺ نے مختلف جگہوں میں عبد اللہ بن رواحہ، زید بن حارثہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کو امیر بنایا ہے۔

تشریح: شیعوں کے نزدیک خلیفہ راشد کا ہاشمی بلکہ علوی ہونا شرط ہے، مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ یہ اشتراط لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرے گا، کہنے والے کہیں گے: یہ نیا دین اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کے لئے ہے، علاوہ ازیں خلیفہ کے لئے کسی متعین خاندان میں سے ہونے کی شرط لگانا حرج اور تنگی کا باعث ہے، ممکن ہے اس خاندان میں ایسا آدمی نہ ہو، اور دوسرے خاندان میں ہو (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۲۲۵ میں ہے) پھر امت اس پر متفق ہے کہ ماتحت امارتوں کے لئے کوئی شرط نہیں، جس میں بھی صلاحیت ہو اس کو حاکم بنایا جاسکتا ہے، اور حدیث نمبر ۷ اس کی دلیل ہے، نبی ﷺ نے مختلف مواقع میں غیر قریشیوں کو بھی امیر بنایا ہے، اور عقلاً بھی یہ بات ضروری ہے، سارے عہد کے کسی ایک قوم کے لئے خاص کر دیئے جائیں تو اس میں دشواری ہوگی، اور بدگمانی کا موقع بھی رہے گا۔

رہا خلیفہ (سربراہ اعظم) کا معاملہ تو عام طور پر اہل السنہ والجماعہ کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ راشد کا قریشی ہونا ضروری ہے، حدیث میں ہے: ”أئمة قریش میں سے ہوں“ یہ حدیث چالیس صحابہ سے مروی ہے (فتح الباری ۷: ۳۲) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: اس حدیث پر امت کا اجماع ہے (ازالۃ الخفاء) اور حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے خلیفہ راشد کے قریشی ہونے کی وجوہ بیان فرمائی ہیں کہ اس کے ذریعہ دین کی تمکین خوب ہو سکتی ہے، اور وہ دین کی سب سے زیادہ حفاظت کرے گا، اور قریشی میں حکومت کرنے کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۲۲۱ میں ہے)

اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ استیلاء و تغلب کی صورت میں تو کوئی بھی خلیفہ ہو سکتا ہے جیسا کہ باب کی دوسری روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک آزاد شدہ ججہا نامی بادشاہ بن جائے گا، یہ وہی تغلب والی صورت ہے، اور ایسی صورت میں عورت کی سربراہی بھی درست ہے، اس کی خلافت بھی منعقد ہو جائے گی، اور اس کے احکام واجب الاطاعت ہونگے۔

اور اگر استیلاء و تغلب کی صورت نہ ہو بلکہ معاملہ اختیار میں ہو تو پھر دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: تمام اسلامی دنیا کے خلیفہ کو قریشی ہونا چاہئے، روایات کا مصداق یہی صورت ہے۔
دوسری صورت: اگر یہ بات ممکن نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ حکومتیں ہوں تو ہر ملک کے بادشاہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں۔

اور حدیث ۵ وغیرہ اگرچہ عام ہیں مگر حقیقت میں خاص ہیں، وفات نبوی ﷺ کے بعد جو صورت حال پیش آنے والی تھی اس میں یہ راہنمائی تھی کہ خلیفہ قریش میں سے چنا جائے، دوسرے قبائل میں سے نہ چنا جائے، اور ایسا عام طور پر ہوتا ہے کہ حدیث بظاہر عام ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس کا مصداق خاص ہوتا ہے، اس کی نظیر کتاب الجنازہ باب ۵۲ (تحفہ: ۳: ۲۵۵) میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[۴۲-] باب ماجاء أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ

[۲۲۲۵-] حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ، نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي الْهَزْبِلِ، يَقُولُ: كَانَ نَاسٌ مِنْ رِبِيعَةَ عِنْدَ عُمَرَوِ بْنِ الْعَاصِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ: لَنَنْتَهِيَنَّ قُرَيْشٌ أَوْ لَيَجْعَلَنَّ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ فِي جُمْهُورٍ مِنَ الْعَرَبِ غَيْرِهِمْ، فَقَالَ عُمَرَوُ بْنُ الْعَاصِ: كَذَبْتَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "قُرَيْشٌ وَلَاةُ النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

وفی الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

[۲۲۲۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُو بَكْرِ الْحَنْفِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتَّى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِنَ أَمْوَالِي، يُقَالُ لَهُ: جَهْجَاهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

بابُ ماجاء في الأئمة المضلّين

گمراہ کرنے والے سربراہوں کا تذکرہ

اگر حکومت کا سربراہ گمراہ ہو جائے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرنے لگے تو وہ پورے ملک کو لے ڈوبے گا، اور اتنا بڑا فتنہ ہوگا کہ لوگ اس کی تاب نہ لاسکیں گے، اور اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں میں گہرا ربط ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي أئِمَّةً مُضِلِّينَ: مجھے اپنی امت کے حق میں گمراہ کرنے والے سربراہوں کا خطرہ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ائمہ سے مراد حکومت کے سربراہ ہیں، دینی راہنما مراد نہیں، اگرچہ گمراہ دینی راہنما بھی بڑا فتنہ ہیں اور اس حدیث کے عموم میں ان کو لیا جاسکتا ہے، مگر ماسبقِ لِأَجْلِهِ الکلام گمراہ کرنے والے حکومت کے سربراہ ہیں۔

حدیث (۲): نَبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: لَا تَنَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ، لَا يَصُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ: میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر غالب رہے گا، جو لوگ ان کو رسوا کرنا چاہیں گے وہ ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے، یعنی قیامت آجائے، یا دین کے دنیا سے اٹھ جانے کا وقت آجائے یا وہ فتنہ فرو ہو جائے۔

تشریح: پہلی حدیث خطرے کی گھنٹی ہے اور دوسری حدیث میں دین کی حفاظت کی بشارت ہے، یعنی ایسے امراء ہونگے جو خود گمراہ ہونگے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے جس طرح بنو عباس کے دور میں امراء: معتزلہ سے متاثر ہوئے اور انھوں نے غلط قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا، جس سے تمام مسلمان خوفزدہ ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رحمہ اللہ کو کھڑا کیا، جنھوں نے حکومت کی پرواہ کئے بغیر دین کا بول بالا کیا، اور ایک وقت آیا کہ اس فتنہ نے دم توڑ دیا، اور حق کا بول بالا ہوا۔

اسی طرح ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے جب نیا دین: دین الہی گھڑا تو مسلمانوں کے لئے موت وزیست کی حالت پیدا ہو گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو کھڑا کیا اور ان کی محنت سے ایک دوبادشاہوں کے بعد وہ فتنہ ختم ہو گیا، اور عالمگیرؒ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین کا بول بالا کیا۔ غرض جب بھی ایسی صورت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت فرماتے ہیں، اور اہل حق غالب رہتے ہیں، اور اعدائے دین کی مخالفت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

[۴۳-] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّينَ

[۲۲۲۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قَلَابَةَ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ، عَنْ هُرَبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي أَئِمَّةً مُضِلِّينَ " قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَنَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ، ظَاهِرِينَ، لَا يَصُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ " هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَهْدِيِّ

حضرت مہدی کا تذکرہ

مَهْدِيّ: (اسم مفعول) راہ یاب، ہدایت مآب، یعنی جس کی گھٹی میں ہدایت پڑی ہوئی ہو، یہ اسم علم نہیں ہے بلکہ

اسم وصف ہے، اور سب سے پہلے یہ صفت خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوئی ہے، فرمایا: علیکم بسنتی وسنتی الخلفاء الراشدين المہدیین، تمسکوا بہا، وعصوا علیہا بالوائجد: میرا طریقہ لازم پکڑو، اور میرے ان جانشینوں کا طریقہ لازم پکڑو جو راہ یاب، ہدایت مآب ہیں، ان کے طریقہ کو مضبوط تھا مو، اور ان کے طریقے کو ڈاڑھوں سے کاٹو۔ اس حدیث میں چاروں خلفاء کو ”مہدی“ کہا گیا ہے، اور زمانہ کے آخر میں بھی ایک خلیفہ راشد ہونگے، ان کا بھی یہی وصف روایات میں آیا ہے اور درمیان میں بھی بہت سے مہدی (دینی راہ نما) ہونگے، اس باب میں اسی آخری شخصیت کا تذکرہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ بہت سے اسلامی فرقوں کا خیال یہ ہے کہ یہ شخصیت پیدا ہو چکی ہے، لیکن تمام اہل السنہ والجماعہ کا خیال ہے کہ ابھی یہ شخصیت پیدا نہیں ہوئی، ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج یاجوج ماجوج سب ایک ساتھ پیش آنے والے واقعات ہیں، جن کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا۔

اور شیعوں کا خیال یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام: مہدی ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں، جب دنیا میں تین سو تیرہ مخلص شیعہ ہوں گے تب ان کا ظہور ہوگا، یہ سب سفسطہ (مغالطہ) وہ قیاس جو وہمیات سے مرکب ہو) ہے، اور خود انھوں نے اپنے منافق ہونے کا اقرار کر لیا۔

علاوہ ازیں: اور بھی فرقے بعض لوگوں کی مہدویت کے قائل ہیں مثلاً: ہندوستان کے مہدوی فرقہ کے لوگ محمد جو پوری کو مہدی مانتے ہیں، اور قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی کہتے ہیں، مگر روایات کی روشنی میں یہ سب ڈھکوسلے ہیں، آپ اس باب کی روایات پڑھیں، ان سے صاف معلوم ہوگا کہ ابھی اس شخصیت کا ظہور نہیں ہوا۔

ملفوظ: حضرت مہدی کے ساتھ ”امام“ یا ”علیہ السلام“ کا اضافہ درست نہیں، مہدی کی امامت کا عقیدہ شیعوں کا ہے، اہل السنہ اس کے قائل نہیں، اور شیعوں کے نزدیک ان کے بارہ امام نبوت کی حقیقت کے حامل تھے اس لئے وہ ان کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام بڑھاتے ہیں، مگر اہل السنہ اس کے قائل نہیں، رہا ”رضی اللہ عنہ“ کا استعمال تو اس کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ابھی اس شخصیت کا وجود ہی نہیں ہوا، اس لئے صرف مہدی یا حضرت مہدی کہنا چاہئے^(۱)

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي: دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک عرب کا مالک نہیں ہوگا، میرے خاندان کا ایک شخص جس کا نام میرے نام کو روندتا ہوگا (یعنی اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا)

(۱) جو لوگ مہدی کی شخصیت کے بارے میں تفصیلات جاننا چاہیں وہ مولانا محمود بارڈولی مدظلہ مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی کتاب ”ظہور مہدی کب؟ کہاں؟ اور کس طرح؟“ کا مطالعہ کریں، اس میں اچھی معلومات ہیں اور کتاب قابل اعتماد ہے (مرتب)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: یَلِیْ مِنْ أَهْلِ بَنَتِیْ یُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِیْ: حکومت کا سربراہ بنے گا میرے خاندان کا ایک آدمی جس کا نام میرے نام کو روندتا ہوگا، یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: لَوْ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا إِلَّا یَوْمًا، لَطَوَّلَ اللَّهُ ذَلِكَ الْیَوْمَ حَتَّى یَلِیْ: اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو اتنا لمبا کر دیں گے کہ وہ شخصیت حاکم بنے گی۔

حدیث (۳): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم کو ڈر ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد کوئی نئی بات پیدا ہو، پس ہم نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: بیشک میری امت میں مہدی ظاہر ہونگے، جو پانچ یا سات یا نو تک زندہ رہیں گے (حدیث کے ایک راوی زید غمی کو شک ہے کہ کونسا عدد فرمایا) حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یہ عدد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سال (یعنی اتنے سال تک وہ حکومت کریں گے) نبی ﷺ نے فرمایا: پس ان کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا: مہدی! مجھے دیجئے، مجھے دیجئے، نبی ﷺ نے فرمایا: پس مہدی لب بھر کر اس کے لئے اس کے کپڑے میں ڈالیں گے جتنا بھی وہ اٹھا سکے گا۔

تشریح: جب نبی ﷺ نے صحابہ کے سامنے تین قرونوں کی خیریت بیان فرمائی اور فرمایا کہ اس کے بعد لوگوں کے احوال بگڑ جائیں گے تو صحابہ سمجھ گئے کہ اس کے بعد فتن و حوادث شروع ہونگے، اس لئے انھوں نے مذکورہ سوال کیا۔ نبی ﷺ نے ان کی فکر دور کرنے کے لئے ظہور مہدی کی خوشخبری دی تاکہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ اس خطرناک زمانہ میں بھی ہادیوں کا ظہور ہوگا اور آخر میں بڑے مہدی کا ظہور ہوگا، اور دینی تعلیم اور سنت کی اشاعت سلسلہ جاری رہے گا۔

اور حضرت مہدی کی مدت حکومت کے بارے میں جو تین عدد آئے ہیں ان میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پانچ سال لشکر کی تیاری میں صرف ہونگے، پھر دو سال کفار سے جنگ ہوگی، پھر آخری دو سال آپ اطمینان سے حکومت کریں گے مگر یہ زبردستی کی تطبیق ہے، کیونکہ راوی کو شک ہے پس کوئی ایک ہی عدد صحیح ہے، تمام اعداد صحیح نہیں، پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟

اور آپ کا مبارک نام محمد ہوگا، آپ کے والد کا نام عبد اللہ ہوگا، آپ کا خاندانی تعلق بنو ہاشم سے ہوگا، آپ والد کی طرف سے حسنی سید ہونگے اور والدہ کی طرف سے حسینی۔ ابوداؤد (حدیث ۴۲۹۰) میں اس کی صراحت ہے، اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اللہ کی خوشنودی کے لئے خلافت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں ایک شخص کو سچی خلافت قائم کرنے کا موقع دیا۔ اور یہ دستور خداوندی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی چیز سے دست بردار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یا اس کی اولاد کو اس سے بہتر چیز عطا

[۴-۴] باب ماجاء فی المَہدی

[۲۲۲۸-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطٍ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَرَشِيُّ، نَا أَبِي، نَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ، عَنْ زُرِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي"

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ؛ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۲۲۹-] حدثنا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ الْعَطَّارُ، نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زُرِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "يَلِي رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي" قَالَ عَاصِمٌ: وَنَا أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: "لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمًا لَطَوَّلَ اللَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ حَتَّى يَلِي" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۲۳۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، نَا شُعْبَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ الْعَمِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الصَّدِّيقِ النَّاجِيَّ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَشِينَا أَنْ يَكُونَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ، فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "إِنَّ فِي أُمَّتِي الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ، يَعِيشُ خَمْسًا، أَوْ سَبْعًا، أَوْ تِسْعًا" - زَيْدُ الشَّائِكُ - قَالَ: قُلْنَا: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: سِنِينَ، قَالَ: "فَيَحْيِي إِلَيْهِ الرَّجُلُ، فَيَقُولُ: يَا مَهْدِيَّ! أَعْطِنِي، أَعْطِنِي" قَالَ: "فَيَحْيِي لَهُ فِي ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو الصَّدِّيقِ النَّاجِيُّ: اسْمُهُ بَكْرٌ بْنُ عَمْرٍو، وَيُقَالُ بَكْرٌ بْنُ قَيْسٍ.

باب ماجاء فی نزول عیسیٰ ابنِ مَریمَ

نزول عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت مہدی کے زمانہ میں دجال کا خروج ہوگا، اور جب حالات سنگین ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتاریں گے جو دجال کو قتل کریں گے اور اس فتنہ کو فرو کریں گے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! غنقریب یہ واقعہ پیش آئے گا کہ تمہارے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، دراصل ایک وہ انصاف کرنے والے حاکم ہونگے (یعنی حضرت مہدی کے بعد آپ خلیفۃ المسلمین بنیں گے، اور انصاف کے ساتھ حکومت کریں گے) پس آپ سولی کو توڑ دیں گے، اور

خنزیر کو قتل کریں گے، اور جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے، اور مال بچے گا یہاں تک کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔
 تشریح: عیسائیوں نے سولی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر ایجاد کی ہے، اور اس کو مذہبی تقدس عطا کیا ہے، اور خنزیر کی حلت بھی حضرت کے نام لگائی ہے، اس لئے جب آپ حاکم ہونگے تو تمام سولیوں کو توڑ دینے کا اور خنزیر کو قتل کرنے کا حکم دیں گے، اور جزیہ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب یا تو اسلام قبول ہوگا یا برسرِ پیکار ہونا ہوگا، کوئی بھی اسلام کے علاوہ کسی مذہب پر باقی رہ کر اسلامی ملک کا شہری نہیں بن سکے گا، اور مال کی فراوانی حضرت مہدی کے زمانہ سے شروع ہو جائے گی جس کی تکمیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگی۔

[۴۵-] بابُ ماجاء فی نزولِ عِیْسَى ابنِ مَرْیَمَ

[۲۲۳۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شَهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مَقْسِطًا، فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخَنزِيرَ، وَيَصْصَعُ الْحِزْبَةَ، وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فی الدَّجَالِ

دجال کا تذکرہ

دَجَّال: اسم مبالغہ ہے، اس کے معنی ہیں: انتہائی فریب کار، یہ مسیح کذاب کا لقب ہے جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا، اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ دَجَل (ن) دَجَلًا: فریب دینا، دَجَلَ الْحَقُّ: حق پر باطل کا پردہ ڈالنا، حق پوشی کرنا۔
 اور مَسِيحٌ: فعیل کا وزن ہے، مَسَحَ الشَّيْءُ: مَسَحَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں: ہاتھ پھیرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی مَاسِح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں، آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیمار چنگے ہو جاتے تھے، اس لئے آپ کا یہ لقب قرآن میں آیا ہے، اور دجال مَسِيح بمعنی مَمْسُوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے، اس کی ایک آنکھ پر پیدائشی طور پر ہاتھ پھیرا ہوا ہوگا جس سے وہ آنکھ چوٹ ہوگئی ہوگی، اس لئے اس کا لقب بھی مسیح ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت!

تورات میں دونوں مسیحوں کی خبر دی گئی تھی، مگر جب مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، مگر یہود کا خیال یہ ہے کہ انھوں نے مسیح ضلالت کو کیفر کردار تک پہنچا دیا، اور وہ مسیح ہدایت کا

انتظار کر رہے ہیں، چنانچہ آخر زمانہ میں جب مسیح ضلالت پیدا ہوگا تو یہود بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے اور اسی اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مسیح ہدایت کو آسمان سے اتاریں گے جو مسیح ضلالت کو قتل کریں گے، پس لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون؟

اسی طرح عیسائیوں کو بھی ایک اشتباہ ہے، نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد اس کا ازالہ بھی ہے۔ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں، آپ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور ہمارے نبی ﷺ بھی خاتم النبیین ہیں، اور آپ سبھی انبیاء کے خاتم ہیں۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کے خاتم النبیین میں الف لام عہدی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کے خاتم النبیین میں الف لام استغراقی ہے، مگر عیسائیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ان کے خاتم النبیین میں الف لام استغراقی ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام آخری پیغمبر ہیں، اس لئے وہ محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں۔ آخر زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دین محمدی کی پیروی کریں گے تب برملا ظاہر ہو جائے گا کہ خاتم النبیین کامل کون تھا اور مقید کون؟ یہ بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ایک مقصد ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ دجال کا معاملہ مخفی رکھا گیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے تمام انبیاء برابر خروج دجال کی خبر دیتے آئے ہیں، اور اپنی امتوں کو اس کے سنگین فتنہ سے ڈراتے رہے ہیں، یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ کا دور آیا، آپؐ نے گزشتہ انبیاء سے بھی واضح اور دو ٹوک انداز میں اپنی امت کو اس فتنہ سے ڈرایا، مگر آپؐ کو بھی اس کے زمانہ کا پورا اندازہ نہیں تھا، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

دجالی فتنے:

اور دجل و تلکس کے معنی ہیں: حقیقت پر پردہ ڈالنا، پس جو بھی نظریہ باطل پر طمع چڑھاتا ہے اور اس کو حق باور کراتا ہے وہ دجالی فتنہ ہے، جیسے جھوٹی نبوتوں کے فتنے: دجالی فتنے ہیں، حدیثوں میں ان پر لفظ دجال کا اطلاق آیا ہے، ایسے دجالی فتنے ہمیشہ ظہور پذیر ہوتے رہیں گے، اور آخر میں دجال اکبر کا فتنہ رونما ہوگا جس کا تذکرہ اس باب میں ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر ایسے نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو، اور میں بھی آپ حضرات کو دجال سے ڈراتا ہوں۔

۲- پھر نبی ﷺ نے ہمارے سامنے دجال کے احوال بیان فرمائے، اور فرمایا: شاید عنقریب اس کو پالیں بعض وہ لوگ جنہوں نے مجھے دیکھا ہے، یا انہوں نے میرا کلام سنا ہے (یعنی ایک صدی گزرتے گزرتے شاید یہ فتنہ رونما ہو جائے)

۳- صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دن ہمارے قلوب کا حال کیسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: مِثْلُهَا أَوْ خَيْرٌ:

آج جیسا یا اس سے بھی بہتر!

تشریح: فتنے جہاں آزمائش کا سبب بنتے ہیں ایمان کی پختگی کا سبب بھی بنتے ہیں، دجال کے دور میں بہت سے مؤمنین کے قلوب کا حال صحابہ جیسا ہو گیا اس سے بھی بہتر ہوگا۔

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی، پس اللہ کی تعریف کی، جس کے وہ اہل ہیں، پھر دجال کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ”میں آپ لوگوں کو دجال سے ڈراتا ہوں، اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو، اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے، البتہ میں اس کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی، تم جانتے ہو کہ دجال ”کانا“ ہوگا اور اللہ تعالیٰ یقیناً ”کانے“ نہیں (پھر کوئی اس کی خدائی کا دعویٰ کیسے تسلیم کرے گا؟)

اور امام زہری رحمہ اللہ کی دوسری سند سے یہ مضمون آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس دن فرمایا جبکہ آپ لوگوں کو دجال کے فتنے سے ڈار رہے تھے: ”تم جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے پروردگار کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتا (اور دجال تمہیں اپنی زندگی میں نظر آئے گا پھر وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے!) اور تم یہ بات بھی جانتے ہو کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ”کافر“ لکھا ہوا ہوگا، جس کو ہر وہ شخص پڑھ لے گا جو اس کی حرکتوں کو ناپسند کرے (اور خدا کافر نہیں ہو سکتا کافر اور مؤمن تو بندے ہی ہوتے ہیں)

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم سے یہود جنگ کریں گے، پس تم ان پر مسلط کئے جاؤ گے، یعنی تم ان پر غالب آ جاؤ گے یہاں تک کہ پھر پکارے گا: او مسلمان! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہے اس کو قتل کر“

[۴۶-] باب ماجاء فی الدَّجَالِ

[۲۲۳۲-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ، نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ خَالِدِ الْحَدَّاءِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُرَاقَةَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا قَدْ أُنْذِرَ قَوْمَهُ الدَّجَالَ، وَإِنِّي أُنْذِرُكُمْوه“ فَوَصَفَهُ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ”لَعَلَّهُ سَيُنْذِرُكَ بَعْضُ مَنْ رَأَى، أَوْ سَمِعَ كَلَامِي“ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَكَيْفَ قُلُوبُنَا يَوْمَئِذٍ؟ فَقَالَ: ”مِثْلَهَا - يَعْنِي الْيَوْمَ - أَوْ خَيْرٌ“

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، لَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا قَدْ أُنْذِرَ قَوْمَهُ الدَّجَالَ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ: اسْمُهُ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْجَرَّاحِ.

[۲۲۳۳-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ، فَأَتَانِي عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَالَ، فَقَالَ: "إِنِّي لَا نَذِيرُكُمْ هُوَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ، وَلَقَدْ أَنْذَرَ نُوحٌ قَوْمَهُ، وَلَكِنْ سَأَقُولُ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرٌ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ"

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَئِذٍ لِلنَّاسِ، وَهُوَ يُحَذِّرُهُمْ فَتَنَةً: "تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَنْ يَرَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ، وَأَنَّهُ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ، يَفْرَأُهُ مَنْ كَرِهَ عَمَلَهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۲۲۳۴-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَقَاتِلُكُمُ الْيَهُودُ، فَتُسَلِّطُونَ عَلَيْهِمْ، حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ: يَا مُسْلِمُ! هَذَا الْيَهُودِيُّ وَرَأَيْتُ فَاقْتُلْهُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء من أين يخرج الدجال؟

دجال کہاں سے نکلے گا

الکوب الدری میں ہے کہ خروج دجال دو معنی میں مستعمل ہے، ایک: دجال کا ہم پر نکلتا یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں آنا دوسرے: مطلق نکلتا یعنی اس کا ظہور ہونا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے وہ سرزمین مشرق سے نکلے گا، جس کو خراسان کہا جاتا ہے، جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے، اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان کی گھاٹی سے ہوگا، جیسا کہ باب ۴۹ کی حدیث میں آ رہا ہے۔ اور خراسان: ایک خطہ ہے، جس میں نیشاپور، طوس، مرو، سرخس، بلخ، طالقان، فاریاب اور انبار وغیرہ شہر واقع ہیں اور المنجد میں اس کا نقشہ ہے۔

حدیث: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے بیان کیا کہ دجال سرزمین مشرق سے نکلے گا جس کو خراسان کہا جاتا ہے، اس کی پیروی ایسے لوگ کریں گے جن کے چہرے گویا تہہ بہ تہہ چمڑا جمائی ہوئی ڈھالیں ہیں۔

تشریح: خروج دجال کے سلسلہ میں روایات میں چار جگہوں کا تذکرہ آتا ہے: (۱) شام و عراق کی درمیانی گھاٹی (۲) اصہبان کے مقام یہودیہ (۳) سرزمین مشرق یعنی خراسان (۴) حوز و کرمان۔

اور ان روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ دجال کا خروج اولیں شام و عراق کی وسطی گھاٹی سے ہوگا، مگر اس وقت اس کی شہرت نہ ہوگی اور اس کے اعوان و انصار یہودیہ گاؤں میں اس کے منتظر ہونگے، وہ وہاں جائے گا

اور ان کو ساتھ لے کر پہلا پڑاؤ حوزہ کرمان میں کرے گا، پھر مسلمانوں کے خلاف اس کا خروج خراسان سے ہوگا، اور یہودیہ میں جو یہودی اس کا انتظار کر رہے ہوں گے وہ ترک نسل کے ہونگے، ان کے چہرے چوڑے اور ناک چبٹی ہوگی، اور پہلے (باب ۳۳) میں عربوں کی ترکوں سے جنگ کا ذکر آیا ہے، شاید وہ یہی جنگ ہو۔ واللہ اعلم

[۴۷-] باب ماجاء مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ الدَّجَالُ؟

[۲۲۳۵-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَا: نَارُوحُ بْنُ عَبْدِادَةَ، نَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ سُبَيْعٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ الصَّدِيقِ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الدَّجَالُ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضِ بِالشَّرْقِ، يُقَالُ لَهَا: خُرَّاسَانُ، يَتَّبَعُهُ أَقْوَامٌ، كَأَنَّ وُجُوهُهُمْ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ"

وفی الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَوْدَبٍ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ.

بابُ ماجاء فی عَلَامَاتِ خُرُوجِ الدَّجَالِ

خروج دجال کی نشانیاں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جنگِ عظیم اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج سات ماہ میں ہوگا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح قیامت برپا ہونے کے ساتھ ہوگی۔

تشریح:

۱- قسطنطنیہ روم کا پایہ تخت تھا، اور قسطنطین بادشاہ کا نام تھا جس نے یہ شہر بسایا تھا، اس شہر کو سب سے پہلے یزید کی سرکردگی میں صحابہ نے فتح کیا، حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی شہر کے محاصرہ میں ہوا ہے، پھر یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور دوسری مرتبہ ترکی کے بادشاہ محمد فاتح رحمہ اللہ نے اس کو فتح کیا، اور اس کا نام استنبول یا اسلام بول رکھا، یہ شہر فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، آئندہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا، اور خروج دجال سے پہلے حضرت مہدی اس کو فتح کریں گے۔

۲- باب کی روایت ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم غسانی شامی ہے، جس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں ہوتیں، اور منذری نے مختصر سنن ابی داؤد (۶: ۱۶۳) میں امام ترمذی کا قول: ہذا حدیث غریبٌ لَا نَعْرِفُہُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ: نقل کیا ہے، پس ہمارے نسخوں میں جو حسن ہے وہ صحیح نہیں، اور ابوداؤد میں حضرت عبد اللہ بن

بسر کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جنگِ عظیم اور فتحِ قسطنطنیہ چھ سال میں ہوگا، اور ساتویں سال میں دجال نکلے گا“ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اصح کہا ہے۔

[۴۸-] بابُ ماجاء فی عَلَامَاتِ خُرُوجِ الدَّجَالِ

[۲۲۳۶-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، نَا الْحَكَمُ بْنُ الْمُبَارَكِ، نَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ الْوَلِيدِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ قُطَيْبٍ السَّكُونِيِّ، عَنْ أَبِي بَحْرِيَّةَ صَاحِبِ مُعَاذٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”الْمَلَحْمَةُ الْعُظْمَى، وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينَةِ، وَخُرُوجُ الدَّجَالِ فِي سَبْعَةِ أَشْهُرٍ“

وفی الباب: عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

[۲۲۳۷-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: ”فَتْحُ الْقُسْطَنْطِينَةِ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ“ قَالَ مُحَمَّدٌ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

وَالْقُسْطَنْطِينَةُ: هِيَ مَدِينَةُ الرُّومِ، تُفْتَحُ عِنْدَ خُرُوجِ الدَّجَالِ، وَالْقُسْطَنْطِينَةُ قَدْ فُتِحَتْ فِي زَمَانِ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

بابُ ماجاء فی فِتْنَةِ الدَّجَالِ

دجال کے فتنے کا تذکرہ

اس باب میں جو حدیث ہے وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور مسلم شریف (حدیث ۲۹۳۷) کی روایت ہے۔

حدیث: حضرت نواس بن سمان کلابی کہتے ہیں:

۱- نبی ﷺ نے ایک صبح دجال کا تذکرہ کیا، پس آپ نے کبھی دجال کا معاملہ بڑھایا اور کبھی گھٹایا، یہاں تک

کہ ہم نے اس کو کھجوروں کے جھنڈ میں گمان کیا۔

تشریح: حَقَّقْصَ: پست کیا، رَفَّعَ: بلند کیا، اونچا اٹھایا (دونوں میں ف مشدود ہے) یعنی تقریر میں اس کے فتنہ کی

نگینگی اور اس کی ذات کی رسوائی بیان کی، یا یہ مطلب ہے کہ دجال کا حال بیان کرتے ہوئے کبھی آواز بلند ہوگئی، کبھی

پست۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی سب اونچ نیچ سمجھا دی، اور کھجوروں کے جھنڈ میں گمان کرنے کا مطلب

یہ ہے کہ صحابہ سمجھے کہ دجال بس آیا۔

۲- حضرت نواسؓ کہتے ہیں: پس ہم نبی ﷺ کے پاس سے ہٹے، یعنی تقریریں کر گھر چلے گئے، پھر (شام کو) جب ہم آپؐ کی طرف لوٹے تو آپؐ نے یہ چیز یعنی گھبراہٹ ہمارے اندر جانی، پس فرمایا: مَا شَأْنُكُمْ: تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت نواسؓ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے صبح دجال کا تذکرہ کیا، پس آپؐ نے اس کو پست کیا اور بلند کیا یہاں تک کہ ہم نے اس کو بھجوروں کے جھنڈ میں گمان کیا، یعنی آپؐ نے دجال کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ہم ڈر گئے۔

۳- نبی ﷺ نے فرمایا: دجال کے علاوہ کا میں آپؐ لوگوں کے حق میں زیادہ خطرہ محسوس کرتا ہوں، اگر دجال نکلا اور میں تمہارے درمیان ہوا تو میں اس سے بحث کر کے نمٹ لوں گا یعنی تمہاری ضرورت پیش نہیں آئے گی، اور اگر وہ نکلا اور میں تمہارے اندر نہ ہوا تو ہر شخص اپنی طرف سے اس سے بحث کر لیگا، اور اللہ تعالیٰ میرا نائب ہوگا ہر مسلمان پر، یعنی اللہ تعالیٰ دجال سے بحث میں ہر مسلمان کی مدد کرے گا۔

بیشک دجال نو جوان چھوٹے گھنگریالے بال والا ہوگا، اس کی آنکھ موجود ہوگی، وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے ہم شکل ہوگا، پس جو شخص تم میں سے اس کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ غار والوں کی سورت کی ابتدائی آیتیں پڑھے۔

تشریح: حَجِیْنُجْ: فعیل کا وزن ہے اور حَاجُّ کے معنی میں ہے یعنی جھگڑنے والا، بحث و مباحثہ کرنے والا..... قَطَطُ: چھوٹے گھنگریالے بال والا..... عَيْنُهُ قَائِمَةٌ: مسلم شریف کی روایت میں عَيْنُهُ طَائِفَةٌ ہے، یعنی اس کی ایک آنکھ کی روشنی جاتی رہی ہوگی، طَفِئَتِ الْعَيْنُ کے یہی معنی ہیں، یعنی آنکھ ہوگی مگر اس میں روشنی نہیں ہوگی، یہی اس کا کانا ہونا ہے، اور عبدالعزیٰ بن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک مشرک آدمی تھا جو زمانہ جاہلیت میں مر گیا تھا، جس کو صحابہ نے دیکھا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے دجال کو اس کے ساتھ تشبیہ دی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکہف پڑھے وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر اس ہفتہ میں دجال نکلے گا تو وہ اس کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا، آج کل فتنوں کا دور ہے، ہر دن نئے دجالی فتنے ظاہر ہوتے ہیں پس لوگوں کو چاہئے کہ سورۃ الکہف کی شروع اور آخر کی دس دس آیتیں یاد کریں اور ان کو بکثرت پڑھیں۔

۴- نبی ﷺ نے فرمایا: دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا، یعنی اس کا پہلا ظہور یہاں سے ہوگا، پس وہ دائیں بائیں فساد پھیلانے لگا، اے اللہ کے بندو! ٹھہرو!

تشریح: عَاثٌ، عَيْنًا کے معنی ہیں: فساد پھیلانا، بگاڑ اور خرابی پیدا کرنا، اور يَا عِبَادَ اللَّهِ! الْبُتُوَا: نبی ﷺ کا ارشاد ہے، دجال کے زمانہ کے لوگوں سے آپؐ نے فرمایا ہے کہ دجال سے گھبرا کر بھاگو نہیں، جم جاؤ، ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

۵- حضرت نواسؓ کہتے ہیں: ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! دجال زمین میں کتنا عرصہ ٹھہرے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: چالیس دن، ایک دن ایک مہینہ کے برابر ہوگا، اور دوسرا دن جمعہ کے برابر ہوگا اور اس کے باقی ایام تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے۔

تشریح: اسماء بنت یزید بن السکن کی روایت شرح السنہ میں ہے کہ دجال زمین میں چالیس سال ٹھہرے گا، سال مہینہ کی طرح ہوگا، اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح، اور دن جیسے شعلہ بھڑک جاتا ہے۔ مگر حضرت نواسؓ کی حدیث مسلم شریف میں ہے اس لئے وہ اصح ہے، حضرت اسماء کی حدیث اس کے معارض نہیں ہو سکتی، یا یہ کہا جائے کہ ایک بیان درازی ایام کے اعتبار سے ہے اور ایک تخفیف ایام کے اعتبار سے، حضرت نواسؓ کی حدیث میں یہ ہے کہ ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور حضرت اسماء کی حدیث میں یہ ہے کہ ایک سال مہینہ کے برابر ہوگا، پس ایک ہی حقیقت کو دو جانبوں سے سمجھایا گیا ہے۔

۶- حضرت نواس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بتلائیں، وہ دن جو سال کے برابر ہوگا: کیا ہمارے لئے اس میں ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کے لئے اندازہ کرو۔

تشریح: جیسے فجر سے تقریباً چھ گھنٹے کے بعد ظہر پڑھتے ہیں پھر تقریباً تین گھنٹے کے بعد عصر، پھر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مغرب، پھر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد عشاء، پھر چھ گھنٹے کے بعد فجر پڑھتے ہیں، اسی طرح وقفہ وقفہ سے اس لمبے دن میں نمازیں پڑھنی ہوں گی، اس پورے دن میں پانچ نمازیں کافی نہیں ہوں گی، اور علماء کرام نے اس حدیث سے ان ممالک کے لئے نمازوں کا مسئلہ طے کیا ہے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے، وہاں کلینڈر کے حساب سے کاروبار ہوتے ہیں، پس اسی طرح نمازیں بھی ادا کی جائیں گی۔

۷- حضرت نواسؓ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دجال زمین میں کتنی تیزی سے گھومے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اس بارش کی طرح گھومے گا جس کے پیچھے ہوا ہو، پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا، پس وہ ان کو (اپنی خدائی کی) دعوت دے گا، پس وہ اس کو جھٹلائیں گے، اور اس پر اس کی بات پھیر دیں گے، پس دجال ان سے پھرے گا، پس لوگوں کے اموال دجال کے پیچھے ہولیں گے، پس لوگ اس حال میں ہو جائیں گے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا، پھر دجال اس قوم کے پاس واپس آئے گا پس ان کو دعوت دے گا، پس لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے، اور وہ اس کی تصدیق کریں گے، تو دجال آسمان کو برسنے کا حکم دے گا، پس آسمان برسے گا، اور زمین کو روئیدگی کا حکم دے گا تو زمین گھاس اگائے گی، پس شام کو ان کے مویشی ان پر لوٹیں گے در انحالیکہ ان کی کوبائیں زیادہ سے زیادہ دراز ہوگی، اور ان کی کوئیں زیادہ سے زیادہ پھولی ہوئی ہوگی، اور ان کے تھن زیادہ سے زیادہ دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے، پھر دجال ویرانے میں آئے گا اور اس کو حکم دے گا کہ اپنے خزانے نکال، پس وہ اس ویرانے سے پھرے گا در انحالیکہ خزانے اس کی

پیروی کریں گے، شہد کی مکھیوں کی طرح، پھر دجال ایک نوجوان کو بلائے گا (یہ مدینہ منورہ کا مومن ہوگا) جو جوانی سے بھرا ہوا ہوگا، پس اس کو تلوار سے قتل کرے گا (کیونکہ وہ اس کے خدائی کے دعوے کی تکذیب کرے گا) پھر اس کو دو ٹکڑے کر دے گا، پھر وہ اس کو بلائے گا یعنی آواز دے گا، پس وہ جوان متوجہ ہوگا در انحالیکہ اس کا چہرہ چمک رہا ہوگا، اور وہ مسکرا رہا ہوگا یعنی وہ زندہ ہو جائے گا، پس دریں اثناء کہ دجال اسی طرح ہوگا یعنی اسی طرح کی کرشمہ سازیاں دکھاتا پھر رہا ہوگا کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، دمشق شہر کی مشرقی جانب میں، سفید منارے کے پاس، دوزر دچادریں پہنے ہوئے، اپنا ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے، جب آپ اپنا سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکیں گے، اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں کی طرح دانے لڑھکیں گے یعنی رخسار پر ڈھلکیں گے۔

تشریح: اسْتَذْبَرَهُ: کسی کے پاس اس کے پیچھے سے آنا..... السَّارِحَةُ: مویشی، سَرَحَتِ الْمَاشِيَةُ: مویشی کا چراگاہ میں چرنا..... الدَّرْوَةُ: (بکسر الذال وضمها) چوٹی، بلندی، جمع ذُرَى کہا جاتا ہے: هُوَ فِي ذُرْوَةِ النَّسَبِ: وہ اعلیٰ نسب کا ہے..... اَمْدٌ: (اسم تفضیل) زیادہ لمبا..... الْخَاصِرَةُ: پہلو، سرین کی جڑ سے پسلیوں کے نیچے تک کا درمیانی حصہ، کوکھ، جمع خواصر..... اَدْرُ: (اسم تفضیل) زیادہ دودھ والی، دَرَّ الدَّرُّ: دودھ کا کثرت سے ہونا..... يَعْسُوبُ: شہد کی مکھیوں کی رانی، مراد شہد کی مکھیاں..... جَزَلَةٌ: ٹکڑا، أَجْزَلُهُ: کاٹنا، دو ٹکڑے کرنا..... شَرْقِيٌّ: مشرقی جانب، مابعد کی طرف مضاف..... مَهْرُودَةٌ: زرد رنگ سے رنگا ہوا کپڑا، هَرَدَ الثَّوْبُ: کپڑے کو درس میں رنگنا..... تَحَدَّرَ: ڈھلکنا، نیچے اترنا..... الْجُمَانُ: موتی، اور چاندی کا ڈھلا ہوا موتی، واحد: جُمَانَةٌ۔

۸- نبی ﷺ نے فرمایا: اور عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی بو نہیں پائے گا کوئی شخص مگر وہ مر جائے گا، اور آپ کے سانس کی بو آپ کی نگاہ کے منتہی تک پہنچے گی۔

تشریح: آپ کے سانس کی یہ خصوصیت اسی موقع پر ہوگی، اور یہ عجیب بات ہے: کبھی آپ کی پھونک سے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور آج آپ کے سانس سے دجال پگھل جائے گا۔

۹- نبی ﷺ نے فرمایا: پس عیسیٰ علیہ السلام دجال کو ڈھونڈھیں گے، یہاں تک کہ اس کو لد شہر کے گیٹ پر پائیں گے، پس وہ اس کو قتل کریں گے (لذا ایک شہر کا نام ہے جو فلسطین میں ہے)

۱۰- نبی ﷺ نے فرمایا: پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام ٹھہریں گے جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔

تشریح: یہ حضرت مہدی کے بعد کا زمانہ ہے، حضرت مہدی کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفۃ المسلمین بنیں گے، اور وہ ایک عرصہ تک حکومت کریں گے۔

۱۱- نبی ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجیں گے کہ میرے بندوں کو طور پر سمیٹ لو اس لئے کہ میں ایسے بندوں کو بھیج رہا ہوں جن سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی۔

تشریح: حَوَّز الدَّوَابِّ إِلَى الْمَاءِ: چوپایوں کو پانی کی طرف ہانکنا، اور یہ بندے جن سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی وہ یا جوج و ما جوج ہونگے۔

۱۲- نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ یا جوج و ما جوج کو بھیجیں گے، اور ان کا حال ویسا ہوگا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اور وہ (کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی (پہاڑ اور ٹیلے) سے پھسلنے ہونگے“ (سورۃ الانبیاء آیت ۹۶)

۱۳- نبی ﷺ نے فرمایا: اور ان کا اگلا قافلہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا، پس وہ اس کا وہ پانی پی جائیں گے جو اس میں ہوگا، پھر وہاں سے ان کا کچھلا قافلہ گزرے گا تو وہ کہیں گے: یقیناً اس بحیرہ میں کبھی پانی رہا ہوگا، پھر وہ چلیں گے یہاں تک کہ بیت المقدس کے پہاڑ پر پہنچیں گے، پس وہ کہیں گے: بخدا! ہم نے زمین کے لوگوں کو ختم کر دیا، اب آؤ جو آسمان میں ہیں ان کو قتل کریں، پس وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان پر ان کے تیر لوٹائیں گے دراصلیکہ وہ خون سے سرخ ہونگے۔

تشریح: طَبْرِيَّةٌ: ایک شہر ہے جس کی طرف نسبت طبرانی ہے، اس سے لگی ہوئی جو جھیل ہے وہ بحیرہ طبریہ ہے الدُّنَابُ: تیر، مفرد: نُسَابَةٌ۔

۱۴- اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی گھیرے جائیں گے یعنی محصور ہو جائیں گے یہاں تک کہ بیل کا سرا اس دن ان کے لئے مہنگا ہوگا، آج تمہارے لئے سودینار سے۔

تشریح: یعنی فاقہ کا یہ حال ہوگا کہ کھانے کی چیزیں بے حد گراں ہو جائیں گی۔

۱۵- نبی ﷺ نے فرمایا: پس عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کریں گے۔

تشریح: یعنی سب گڑگڑا کر دعا کریں گے کہ ان کی یہ پریشانی ختم ہو۔

۱۶- نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ یا جوج و ما جوج پر ان کی گردنوں میں نَعْفَ کِیڑے کی بیماری بھیجیں گے (نَعْف: وہ کیڑے ہیں جو اونٹ یا بکری کی ناک میں ہو جاتے ہیں) پس وہ سب کے سب ایک ہی دن میں مرجائیں گے۔ فَرَسٌ بَرَزَنٌ هَلَكِي: فَرَسٌ کی جمع ہے بمعنی قتیل، فَرَسٌ الدُّنْبُ الشَّاةِ کے معنی ہیں: بھیڑیئے نے بکری کو مار ڈالا، افْتَرَسَ کے بھی یہی معنی ہیں، اور فَرَسٌ اور مَوْتٌ مترادف الفاظ ہیں، اور كَمَوَتْ نَفْسٌ واحِدَةٌ کے معنی ہیں: یکبارگی، ایک نفس کے مرنے کی طرح، یعنی سازے یکبارگی مرجائیں گے۔

۱۷- نبی ﷺ نے فرمایا: اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی طور سے نیچے اتریں گے، پس وہ بالشت بھر جگہ نہیں پائیں گے، مگر اس کو بھر دیا ہوگا یا جوج و ما جوج کی چربی نے اور ان کی بد بو نے، اور ان کے خونوں نے، یعنی ان کی سزاوند سے زمین کا برا حال ہو رہا ہوگا۔

۱۸- نبی ﷺ نے فرمایا: پس عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونگے، یعنی پھر

گزر گڑا کر دعا کریں گے۔

۱۹- نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ یا جوج و ماجوج پر ایسے پرندے بھیجیں گے جو سختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہونگے، پس وہ ان کو اٹھائیں گے، پس وہ ان کو گہرے کھڈ میں ڈالیں گے، اور مسلمان ان کی کمانوں سے اور ان کے تیروں سے اور ان کے ترکشوں سے سات سال تک آگ جلائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان پر ایک بارش بھیجیں گے، نہیں چھپایا جائے گا اس سے کوئی بالوں کا گھر اور نہ کوئی مٹی کا گھر۔

تشریح: البُخْت: خراسانی اونٹ..... المِهْبِل: گہرا کھڈ..... البَجْعَبَة: تیروں کا تھیلا، ترکش، جمع: جَعَابُ..... لَا يُكْنَى: فعل مضارع منفی مجہول، كُنَّ الشَّيْءُ، يَكْنَى، كُنَّا: چھپانا، نظروں سے بچانا..... الوَبْر: اون..... المَدْر: مٹی کا ڈھیلا۔

۲۰- نبی ﷺ نے فرمایا: پس وہ بارش زمین کو دھو دے گی، پس وہ زمین کو چکنی سپاٹ کر دے گی (الزَّلْفَة: چکنی چٹان یا پتھر)

۲۱- نبی ﷺ نے فرمایا: پھر زمین سے کہنا جائے گا: اپنی پیداوار نکال، اور اپنی برکتیں پھیر، پس اس دن ایک جماعت ایک انار کو کھائے گی (اور سیر ہو جائے گی) اور ایک جماعت ایک انار کے چھلکے میں سایہ حاصل کرے گی، اور دودھ میں برکت ہوگی یہاں تک کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک اونٹنی کے دودھ پر اکتفا کرے گی، اور ایک قبیلہ ایک گائے کے دودھ پر اکتفا کرے گا، پس دریں اثنا کہ وہ اسی طرح ہونگے کہ اچانک اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجیں گے جو ہر مومن کی روح قبض کر لے گی، اور جو باقی رہ جائیں گے وہ جماع کریں گے گدھوں کے جماع کرنے کی طرح، یعنی بالکل ننگے ہو کر یا لوگوں کے سامنے بے شرم ہو کر گدھوں کی طرح جماع کریں گے، پس ان لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

تشریح: قَحْفُ: (بکسر القاف) کھوپڑی کا ایک حصہ، مراد چھلکا..... الرُّسُل (بکسر الراء) دودھ..... الْفَنَام: جماعت، گروہ..... اللَّفْحَةُ (بفتح اللام) بہت دودھ دینے والی اونٹنی..... الْفَخْدُ وَالْفَخْدُ: قبیلہ کی ایک شاخ..... التَّهَارُجُ: التَّنَاحُج والتَّسَافُدُ (لسان العرب) اور زخشری نے اس کا ترجمہ يَتَسَاوَرُونَ کیا ہے، تَسَاوَرَ الرِّجْلَانِ کے معنی ہیں: ایک دوسرے پر حملہ کرنا، خود کو اونچا کرنا، اوپر اٹھانا۔

[۴۹-] باب ماجاء في فِتْنَةِ الدَّجَالِ

[۲۲۳۸-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ - دَخَلَ حَدِيثُ أَحَدِهِمَا فِي حَدِيثِ الْآخَرِ - عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ جَابِرٍ

الطَائِي، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ جُبَيْرِ بْنِ نَفِيرٍ، عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْكِلَابِيِّ، قَالَ:

[١-] ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ، فَخَفَضَ فِيهِ وَرَقَعَ، حَتَّى ظَنَّنَاهُ فِي طَائِفَةِ النَّحْلِ.

[٢-] قَالَ: فَانْصَرَفْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَجَعْنَا إِلَيْهِ، فَعَرَفَ ذَلِكَ فِينَا، فَقَالَ: "مَا شَأْنُكُمْ؟" قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! ذَكَرْتَ الدَّجَالَ الْغَدَاةَ، فَخَفَضْتَ وَرَقَعْتَ، حَتَّى ظَنَّنَاهُ فِي طَائِفَةِ النَّحْلِ.

[٣-] قَالَ: "غَيْرُ الدَّجَالِ أَخَوْفُ لِي عَلَيْكُمْ، إِنْ يَخْرُجَ وَأَنَا فِيكُمْ، فَأَنَا حَاجِبُهُ دُونَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجَ وَلَسْتُ فِيكُمْ، فَأَمُرُّوْا حَاجِبَ نَفْسِهِ، وَاللَّهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ: إِنَّهُ شَابٌ قَطَطٌ، عَيْنُهُ قَائِمَةٌ، شَبِيهٌ بِعَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قَطَنِ، فَمَنْ رَأَاهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ فَوَاتِحَ سُورَةِ أَصْحَابِ الْكَهْفِ"

[٤-] قَالَ: "يَخْرُجُ مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ، فَعَاثَ يَمِينًا وَشِمَالًا، يَا عِبَادَ اللَّهِ! الْبُتُوَا"

[٥-] قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا لَبَنُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: "أَرْبَعِينَ يَوْمًا: يَوْمٌ كَشْهَرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ"

[٦-] قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ الْيَوْمَ الَّذِي كَالسَّنَةِ، أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ؟ قَالَ: "لَا، وَلَكِنْ أَقْدُرُوا لَهُ"

[٧-] قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَمَا سُرْعَتُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: "كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ، فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ، فَيَكْذِبُونَهُ، وَيَرُدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَيَنْصَرِفَ عَنْهُمْ، فَتَتَّبِعُهُ أَمْوَالُهُمْ، فَيُضْبِحُونَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ، ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ، فَيَدْعُوهُمْ، فَيَسْتَجِيبُونَ لَهُ، وَيُصَدِّقُونَهُ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ أَنْ تُمْطِرَ، فَتُمْطِرُ، وَيَأْمُرُ الْأَرْضَ أَنْ تُنْبِتَ، فَتُنْبِتُ، فَتَرَوْهُمْ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ كَأَطْوَلِ مَا كَانَتْ دُرَى، وَأَمْدَهُ خَوَاصِرَ، وَأَدْرَهُ ضُرُوعًا، ثُمَّ يَأْتِي الْخَرِبَةَ، فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كَنُوزَكَ، فَيَنْصَرِفُ مِنْهَا، فَتَتَّبِعُهُ كَيْعَاسِيْبُ النَّحْلِ، ثُمَّ يَدْعُوا رَجُلًا شَابًا، مُمْتَلِنًا شَبَابًا، فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ، فَيَقْطَعُهُ جِرْلَتَيْنِ، ثُمَّ يَدْعُوهُ، فَيُقْبِلُ يَتَهَلَّلُ، وَجْهُهُ يَضْحَكُ، فَيَبِينَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ هَبَطَ عَيْسَى بْنُ مَرْيَمَ بِشَرْقِيِّ دِمَشْقَ، عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ، بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ، وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَينِ، إِذَا طَاطَأَ رَأْسَهُ قَطْرٌ، وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جَمَانٌ كَاللُّوْلُو"

[٨-] قَالَ: "وَلَا يَجِدُ رِيحَ نَفْسِهِ - يَعْنِي أَحَدًا - إِلَّا مَاتَ، وَرِيحُ نَفْسِهِ مُنْتَهَى بَصَرِهِ"

[٩-] قَالَ: "فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ، فَيَقْتُلُهُ"

[١٠-] قَالَ: "فَلَبَّثْتُ كَذَلِكَ مَا شَاءَ اللَّهُ"

[١١-] قَالَ: "ثُمَّ يُوحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنْ حَوِّزَ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ، فَإِنِّي قَدْ أَنْزَلْتُ عِبَادًا لِي لَا يَدُ لِأَحَدٍ بِقَتْلِهِمْ"

[١٢-] قَالَ: "وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَهُمْ كَمَا قَالَ اللَّهُ: ﴿وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ﴾"

[١٣-] قَالَ: "وَيَمُرُّ أَوْلَهُمْ بِبَحِيرَةِ الطَّيْرِ، فَيَشْرَبُ مَا فِيهَا، ثُمَّ يَمُرُّ بِهَا آخِرُهُمْ، فَيَقُولُونَ: لَقَدْ كَانَ بِهِذِهِ مَرَّةً مَاءٌ، ثُمَّ يَسِيرُونَ حَتَّى يَنْتَهُوا إِلَى جَبَلٍ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَيَقُولُونَ: لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ، فَهَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، فَيَرْمُونَ بِنُشَابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرُدُّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ نُشَابَهُمْ مُحْمَرًا دَمًا"

[١٤-] وَيُحَاصِرُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَأَصْحَابُهُ، حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ يَوْمَئِذٍ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ مَائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمْ الْيَوْمَ"

[١٥-] قَالَ: "فَيَرْغَبُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى اللَّهِ وَأَصْحَابُهُ"

[١٦-] قَالَ: "فَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمُ النَّعْفَ فِي رِقَابِهِمْ، فَيُضَبِّحُونَ فَرَسَى مَوْتَى، كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ"

[١٧-] قَالَ: "وَيَهْبِطُ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ، فَلَا يَجِدُ مَوْضِعَ شِبْرِ إِلَّا وَقَدْ مَلَأَتْهُ زَهْمَتُهُمْ، وَنَنُتُهُمْ، وَدِمَاؤُهُمْ"

[١٨-] قَالَ: "فَيَرْغَبُ عِيسَى إِلَى اللَّهِ وَأَصْحَابُهُ"

[١٩-] قَالَ: "فَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ بِالْمَهْبِلِ، وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ قِسِيهِمْ، وَنُشَابِهِمْ، وَجَعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِينَ، وَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَطَرًا لَا يَكُنْ مِنْهُ بَيْتٌ وَبَرٌّ وَلَا مَدْرٍ"

[٢٠-] قَالَ: "فَيَغْسِلُ الْأَرْضُ فَيَتْرُكُهَا كَالرَّلْفَةِ"

[٢١-] قَالَ: "ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ: أَخْرِجِي ثَمَرَتِكَ، وَرَدِّي بَرَكَتِكَ، فَيَوْمِئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ الرَّمَانَةَ، وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا، وَيُبَارِكُ فِي الرِّسْلِ، حَتَّى أَنْ الْفَنَامِ مِنَ النَّاسِ لِيَكْتَفُونَ بِاللَّقْحَةِ مِنَ الْإِبِلِ، وَأَنَّ الْقَبِيلَةَ لِيَكْتَفُونَ بِاللَّقْحَةِ مِنَ الْبَقَرِ، وَإِنَّ الْفَخْدَ لِيَكْتَفُونَ بِاللَّقْحَةِ مِنَ الْغَنَمِ، فَيَبِينُمَاهُمْ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ رِيحًا، فَفَبَضَّتْ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ، وَيَبْقَى سَائِرُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ كَمَا يَتَهَارَجُ الْحُمْرُ، فَعَلَيْهِمْ تَقَوْمُ السَّاعَةِ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الدَّجَالِ

دجال کی نشانی

حدیث: نبی ﷺ سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا: آپؐ نے فرمایا: سنو! بیشک تمہارا پروردگار ”کانا“ نہیں، سنو! اور بیشک دجال کانا ہوگا، اس کی دائیں آنکھ گویا ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہے! تشریح: طَافِيَةٌ: اسم فاعل واحد مؤنث، از طَفَا الشَّيْءُ فَوْقَ الْمَاءِ، يَطْفُو، طَفُوءًا وَطُفُوءًا: پانی پر کسی شے کا تیرنا، پانی کے اندر نہ جانا۔ اور ابھی حدیث نمبر ۲۲۳۸ میں عَيْنُهُ قَائِمَةٌ آيا ہے، اور مسلم شریف میں اسی حدیث میں عَيْنُهُ طَافِيَةٌ ہے، از طَفَيْتِ النَّارُ طَفْنًا: آگ کا بجھنا، اور طَفَيْتِ الْعَيْنُ: آنکھ کی روشنی جاتی رہنا، پس سب لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ ہوگی، مگر اس میں روشنی نہیں ہوگی اور وہ انگور کے دانے کی طرح ابھری ہوئی ہوگی۔

[۵۰-] بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الدَّجَالِ

[۲۲۳۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنَعَانِيُّ، نَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الدَّجَالِ؟ فَقَالَ: ”أَلَا! إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا! وَإِنَّهُ أَعْوَرُ، عَيْنُهُ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عَيْنَةُ طَافِيَةٍ“

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وَحَذِيفَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَسْمَاءَ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبِي بَكْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَالْفَلْتَانُ بْنُ عَاصِمٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الدَّجَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ

دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: دجال مدینہ منورہ پر پہنچے گا، پس وہ ایسے فرشتوں کو پائے گا جو مدینہ منورہ کا پہرہ دے رہے ہوں گے، چنانچہ مدینہ منورہ میں اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو طاعون (پلیگ) داخل ہوگا نہ دجال، یعنی مدینہ منورہ بحفاظت خداوندی ان دو آفتوں سے محفوظ رہے گا، دجال احد پہاڑ کے پیچھے تک پہنچے گا، مگر اندر نہیں جاسکے گا، فرشتے اس کے چہرے کو پھیر دیں گے، یعنی اس کی رائے بدل جائے گی، اور وہ دوسری طرف نکل جائے گا (اسی موقع پر یہ قصہ پیش آئے گا کہ ایک نوجوان مدینہ منورہ سے نکلے گا اور دجال کا مقابلہ کرے گا، اور اس کے دعویٰ

خدائی کی تکذیب کرے گا، چنانچہ دجال قتل کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا، پھر آواز دے گا تو وہ جوان زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا، وہ اب بھی اس کی تکذیب کرے گا، پس وہ دوبارہ اس کو قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں کر سکے گا)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- الْإِيمَانُ يَمَانٌ: ایمان تو یمن والوں کا ہے، یَمْنٌ میں سے یاء نسبت حذف کر کے اس کے عوض الف بڑھایا ہے، یہ حدیث یمن والوں کے لئے بڑی فضیلت ہے، یمن والوں میں اخلاص ہوتا ہے اور دل نرم ہوتا ہے، اور وہ نفاق سے دور ہوتے ہیں۔

۲- وَالْكَفْرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ: اور کفر مشرق کی جانب سے ہے، یعنی ہمیشہ ادھر ہی سے کفر سر ابھارے گا، مسئلہ کذاب ادھر ہی کا تھا، اور دجال کا خروج بھی ادھر ہی سے ہوگا۔

۳- وَالسَّكِينَةُ لِأَهْلِ الْغَنَمِ: اور اطمینان بکریاں پالنے والوں میں ہوتا ہے، ان کی مزاجی کیفیت نرم ہوتی ہے، ان میں وقار ہوتا ہے، کیونکہ جس کی جس چیز کے ساتھ مزاولت ہوتی ہے اس کے اثرات اس میں پیدا ہوتے ہیں، بکریاں مسکین جانور ہیں اس لئے بکریاں پالنے والوں میں تواضع اور سکون ہوتا ہے۔

۴- وَالْفَبْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ: أَهْلُ الْخَيْلِ وَأَهْلُ الْوَبَرِ: اور گھمنڈ اور دکھاوا چلانے والوں میں یعنی گھوڑے پالنے والوں میں اور اونٹ پالنے والوں میں ہوتا ہے۔ فَدَّ يَفْدُ فَدًّا وَفَدِيدًا کے معنی ہیں: سخت آواز ہونا، الْفَدَّاد: سخت گفتار، کرخت آواز والا، یعنی جن کے پاس اونٹوں اور گھوڑوں کا بڑا ریوڑ ہوتا ہے ان میں یہ برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

۵- اور مسیح دجال آئے گا یعنی مدینہ منورہ کے پاس آئے گا، جب وہ احد پہاڑ کے پیچھے ہوگا تو فرشتے اس کے چہرے کو شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں ہلاک ہوگا۔

[۵۱-] بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الدَّجَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ

[۲۲۴۰-] حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْخُزَاعِيُّ، نَايِرُ بْنُ هَارُونَ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَأْتِي الدَّجَالُ الْمَدِينَةَ، فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا، فَلَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونَ وَلَا الدَّجَالُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ"

وفى الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَقَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، وَمِخَجَنٍ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

[۲۲۴۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ

أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْإِيمَانُ يَمَانٌ، وَالْكَفَرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، وَالسَّكِينَةُ لِأَهْلِ الْغَنَمِ، وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ: أَهْلُ الْحَيْلِ وَأَهْلُ الْوَبْرِ، يَأْتِي الْمَسِيحُ: إِذَا جَاءَ دُبُرُ أَحَدٍ صَرَفَتْ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ، وَهَذَا لَكَ يَهْلُكُ" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ الدَّجَالِ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو شہر لد کے گیٹ پر قتل کریں گے (یہ لد: فلسطین یا شام میں ایک شہر ہے، دجال بھاگ کر اس شہر میں گھسنا چاہے گا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچ کر اس کو قتل کریں گے)

[۵۲-] بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ الدَّجَالِ

[۲۲۴۲-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شَهَابٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْأَنْصَارِيَّ، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيِّ، مِنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمِّي مُجَمَّعَ بْنَ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَالَ بَبَابٍ لَدٍ"

وفى الباب: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَنَافِعِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأَبِي بَرَزَةَ، وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَكَيْسَانَ، وَعُثْمَانَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَابْنَ مَسْعُودٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو، وَسَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ، وَالنَّوَّاسِ بْنَ سَمْعَانَ، وَعَمْرُو بْنَ عَوْفٍ، وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بَابُ

دجال کی پیشانی پر ك، ف، د لکھا ہوگا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی نہیں گذرے مگر انھوں نے اپنی امت کو کانے کذاب سے ڈرایا ہے، سنو! بیشک وہ کا نا ہے اور بیشک تمہارا پروردگار کا نا نہیں، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا (کافر الگ الگ حروف میں لکھا ہوا ہوگا یعنی ك، ف، ر تا کہ حروف شناس بھی اس کو پڑھ لے)

باب [-۵۳]

[۲۲۴۳-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَامِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ، إِلَّا إِنَّهُ أَعْوَرٌ، وَإِنْ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء في ذكر ابن صياد

ابن صياد کا تذکرہ

ابن صياد: (شکاری کا لڑکا) اور ابن صائد (شکاری کا لڑکا) کا نام صاف تھا، یہ مدینہ کے ایک یہودی کا لڑکا تھا، نبی ﷺ کو اس پر دجال ہونے کا شبہ تھا، مگر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ وہ دجال نہیں تھا، وہ واقعہ حرام میں غائب ہو گیا اور پتہ ہی نہیں چلا کہ کدھر گیا اور بعض کہتے ہیں: اس کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ واللہ اعلم اور وہ کاہن بھی تھا، یعنی جن اس کے تابع تھا اور وہ غیب کی باتیں بتلاتا تھا، اور اس کی کوئی بات صحیح بھی ہو جاتی تھی، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، مگر بعد کے احوال نے ثابت کیا کہ وہ دجال اکبر نہیں تھا، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام باب لہ پر قتل کریں گے بہر حال اس شخص کا معاملہ عجیب تھا، مگر بعد کے احوال نے معاملہ کلیئر کر دیا کہ وہ دجال اکبر نہیں تھا۔

فائدہ: بعض باتیں نبی ﷺ کو اجمالی بتائی جاتی تھیں، ان کا تفصیلی علم آپ کو بھی نہیں دیا گیا تھا، اور ایسا کرنے میں حکمت و مصلحت ہوتی تھی، مثلاً: جمعہ کے دن ساعتِ مرجوۃ کا علم تعین کے ساتھ آپ کو نہیں دیا گیا تھا، اسی طرح شبِ قدر کا علم بھی تعین کے ساتھ نہیں دیا گیا تھا، بلکہ ایک رمضان کی شبِ قدر کا علم دیا گیا تو علامت ایسی مقرر کی جو شبِ قدر گزرنے کے بعد پائی گئی..... ایسی صورت میں نبی ﷺ اندازے سے احوال بیان کرتے تھے، چنانچہ شبِ قدر اور ساعتِ مرجوۃ کے بارے میں احتمالی مواقع کا آپ نے تذکرہ فرمایا، بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تو یہ بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کے ذہن کے مطابق جواب دیتے تھے (تحفۃ اللمعی ۳: ۱۶۷)

یہی معاملہ دجال کے علم کا تھا، ابن صیاد میں احتمال تھا کہ شاید وہ دجال اکبر ہو، اس لئے آپ نے اس کو جانچا، مگر کوئی قطعی بات سامنے نہ آئی، اور حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ یہی دجال اکبر ہے تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

حدیث (۱): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرا اور ابن صیاد کا ساتھ ہوا، یا توجج کے لئے جاتے ہوئے یا عمرہ کے لئے جاتے ہوئے، پس لوگ آگے نکل گئے، اور میں اور وہ پیچھے رہ گئے، پس جب میں اس کے

ساتھ تنہا ہوا تو میرے اس سے روٹنے کھڑے ہو گئے، اور میں اس سے بہت متوحش ہوا، ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے، پس جب میں نے پڑاؤ ڈالا تو میں نے اس سے کہا: اپنا سامان اس جگہ رکھ جہاں وہ درخت ہے یعنی میرے سامان کے ساتھ اپنا سامان مت رکھ اور میرے قریب مت ٹھہر۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: پس اس نے کچھ بکریاں دیکھیں، پس اس نے پیالہ لیا، اور چلا، پس اس نے دوہا، پھر وہ میرے پاس دودھ لایا، اور مجھ سے کہنے لگا: اے ابوسعید! پیو، پس میں نے ناپسند کیا کہ اس کے ہاتھ سے کوئی چیز پیوں ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں، پس میں نے اس سے کہا کہ یہ دن گرمی کا ہے اور میں اس میں دودھ کو ناپسند کرتا ہوں! (یہ سچا بہانہ تھا)

پس اس نے کہا: اے ابوسعید! میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ ایک رسی لوں اور اس کو اس درخت سے باندھوں، پھر گلا گھونٹ لوں، ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ میرے حق میں اور میرے بارے میں کہتے ہیں، بتاؤ! جن پر میری باتیں پوشیدہ ہو سکتی ہیں (ہو سکتی ہیں) مگر تم پر ہرگز پوشیدہ نہیں ہو سکتیں، آپ لوگ سب سے زیادہ نبی ﷺ کی حدیثوں کو جاننے والے ہو، اے جماعت انصار! کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کافر ہوگا، اور میں مسلمان ہوں؟ کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال بائع ہوگا، اس کی کوئی اولاد نہیں ہوگی، اور میں مدینہ میں اپنی اولاد چھوڑ کر آیا ہوں؟ کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کے لئے مکہ اور مدینہ حلال نہیں، اور کیا میں مدینہ والوں میں سے نہیں ہوں؟ اور کیا میں آپ کے ساتھ مکہ کی طرف نہیں چل رہا؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس بخدا! وہ برابر اسی قسم کی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے سوچا: شاید اس کے نام جھوٹی باتیں لگائی گئی ہیں، پھر اس نے کہا: اے ابوسعید! بخدا! میں ضرور بتاتا ہوں آپ کو ایک سچی بات، بخدا! میں دجال کو جانتا ہوں، اور اس کے ماں باپ کو پہچانتا ہوں، اور وہ فی الحال زمین میں کہاں ہے وہ بھی میں جانتا ہوں، پس میں نے کہا: تَبَّأَ لَكَ سَائِرُ الْيَوْمِ! تیرا اس ہو ہمیشہ کے لئے!

[۵۴-] باب ماجاء فی ذکر ابن صیّاد

[۲۲۴۴-] حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، نَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: صَحِبَنِي ابْنُ صَيَّادٍ: إِمَّا حُجَّاجًا، وَإِمَّا مُعْتَمِرِينَ، فَانْطَلَقَ النَّاسُ، وَتَرَكْتُ أَنَا وَهُوَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ بِهِ أَفْشَعَرْتُ مِنْهُ، وَاسْتَوْحَشْتُ مِنْهُ، مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ، فَلَمَّا نَزَلْتُ، قُلْتُ لَهُ: ضَعْ مَتَاعَكَ حَيْثُ تِلْكَ الشَّجَرَةُ.

قَالَ: فَأَبْصَرَ غَنَمًا، فَأَخَذَ الْقَدَحَ، فَانْطَلَقَ، فَاسْتَحْلَبَ، ثُمَّ أَتَانِي بِلَبَنٍ، فَقَالَ لِي: يَا أَبَا سَعِيدٍ

أَشْرَبَ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَشْرَبَ عَنْ يَدِهِ شَيْئًا، لِمَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ، فَقُلْتُ لَهُ: هَذَا الْيَوْمُ يَوْمٌ صَائِفٌ، وَإِنِّي أَكْرَهُ فِيهِ اللَّبَنَ.

فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ! لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَخْذَ حَبْلًا، فَأُوثِقَهُ إِلَى الشَّجَرَةِ، ثُمَّ أَخْتَنِقَ لِمَا يَقُولُ النَّاسُ لِي، وَفِيَّ، أَرَأَيْتَ مَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ حَدِيثِي فَلَنْ يَخْفَى عَلَيْكُمْ، أَنْتُمْ أَعْلَمُ النَّاسِ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! يَامَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَافِرٌ وَأَنَا مُسْلِمٌ؟ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ عَقِيمٌ لَا يُؤَلِّدُ لَهُ، وَقَدْ خَلَقْتُ وَلَدِي بِالْمَدِينَةِ! أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحِلُّ لَهُ مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ، أَلَسْتُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ؟ وَهُوَ ذَا أَنْطَلِقُ مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ.

قَالَ: فَوَ اللَّهُ مَا زَالَ يَجِيءُ بِهَذَا، حَتَّى قُلْتُ: فَلَعَلَّهُ مَكْذُوبٌ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ! وَاللَّهِ لَا خَبْرَ نَكَ خَبْرًا حَقًّا: وَاللَّهِ إِنِّي لَا عَرَفُهُ، وَأَعْرِفُ وَالِدَهُ، وَأَيْنَ هُوَ السَّاعَةُ مِنَ الْأَرْضِ، فَقُلْتُ: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ! هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

وضاحت: یہ حدیث سعید بن ایاس جریری سے امام مسلم (حدیث ۲۹۲۷) نے روایت کی ہے..... إمام حجاجا اور معتمرین: صحب کے فاعل ومفعول سے حال ہیں..... وهو ذَا أَنْطَلِقُ: میں ہو ضمیر شان ہے اور ذاسے ابن صیاد مراد ہے اور اس میں تکلم سے غیبت کی طرف التفات ہے۔



حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس سے گذرے، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ابن صیاد بچوں کے ساتھ بنو مغالہ کے قلعہ کے پاس کھیل رہا تھا، اور وہ (ابھی) بچہ تھا، پس اس کو پتا نہیں چلا یہاں تک کہ نبی ﷺ نے اس کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھا، اور پوچھا: ”کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“ اس نے نبی ﷺ کی طرف دیکھا، اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ناخواندہ لوگوں کے رسول ہیں، ابن عمر کہتے ہیں: پھر ابن صیاد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ: ”میں اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں“ پھر نبی ﷺ نے پوچھا: تیرے پاس کیا چیز آتی ہے؟ اس نے کہا: ایک سچا اور ایک جھوٹا میرے پاس آتا ہے، یعنی ایک آکر سچی بات بتاتا ہے اور دوسرا جھوٹی بات بتاتا ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: خُلِّطَ عَلَيْكَ الْأُمُورُ: تجھ پر معاملہ گڈمڈ کر دیا گیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرے لئے ایک بات چھپائی ہے (بتا وہ کیا

ہے؟) اور نبی ﷺ نے اس کے لئے آیت کریمہ: ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ چھپائی، پس اس نے کہا: وہ دُخ ہے یعنی بات کے قریب پہنچ گیا مگر ساری بات نہ بتا سکا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اِخْسَا فَلَئِنْ تَعْدُوْا قَدْ رَكَ: ”دور ہو، تو ہرگز نہیں بڑھے گا تیرے رتبہ سے“ یعنی تو بس کاہن ہے اور کانہوں تک ہی تیرا معاملہ رہے گا، اس سے آگے نہیں بڑھے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے، میں اس کی گردن اڑا دوں، نبی ﷺ نے فرمایا: اِنْ يَكُ حَقًّا فَلَنْ تُسَلِّطَ عَلَيْهِ، وَاِنْ لَا يَكُ، فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ: اگر ابن صیاد ہی واقعی دجال ہے تو تم ہرگز اس پر مسلط نہیں کئے جاؤ گے (کیونکہ اس کے قاتل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں) اور اگر وہ دجال نہیں ہے تو اس کے قتل میں آپ کے لئے کوئی خیر نہیں (کیونکہ بے گناہ ذمی کا قتل جائز نہیں)

[۲۶۴۵-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِابْنِ صَيَّادٍ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَمَانِ، عِنْدَ أُطْمِ بْنِ مَعَالَةَ، وَهُوَ غُلَامٌ، فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: ”أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟“ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ، قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ“ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَا يَأْتِيكَ؟“ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: يَأْتِينِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”خُلِّطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ“ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا، وَخَبَالَةً: ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾“ فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: وَهُوَ الدُّخُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”اِخْسَا، فَلَنْ تَعْدُوْا قَدْ رَكَ“ قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنْ يَكُ حَقًّا فَلَنْ تُسَلِّطَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَا يَكُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ“ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: يَعْنِي الدَّجَالَ.

وضاحت: یہ حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۱۳۵۳، مسلم حدیث ۲۹۳۰)..... الْأَطْمَرُ وَالْأُطْمَرُ: قلعہ، بلند مکان، جمع: آطام وَاُطُوم..... اِخْسَا عَنِّي: میرے پاس سے دور ہو..... حدیث کے راوی عبدالرزاق نے کہا: علیہ اور قتلہ کی ضمیروں کا مرجع دجال ہے۔

حدیث (۳): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی ابن صیاد سے مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں ملاقات ہوئی، پس آپ نے اس کو روک لیا، درانحالیکہ وہ یہودی لڑکا تھا، اور اس کی بالوں کی چونیاں تھیں، اور آپ

کے ساتھ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے، پس نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس نبی ﷺ نے فرمایا: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكُتِبَہِ وَرُسُلُہِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: میں اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخری دن پر ایمان لایا۔ پھر اس سے نبی ﷺ نے پوچھا: تجھے کیا دکھتا ہے؟ اس نے کہا: میں پانی پر تخت دیکھتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا: وہ سمندر پر ابلیس کا تخت دیکھتا ہے، پھر نبی ﷺ نے پوچھا: اور تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا: میں ایک سچے کو اور دو جھوٹوں کو، یا کہا: میں دو سچوں کو اور ایک جھوٹے کو دیکھتا ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اس پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا یعنی اس کی معلومات صحیح اور غلط کارل گڈا ہیں، پس تم دونوں اس کو چھوڑو یعنی قتل نہ کرو (یہ بات آپ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمائی ہے)

[۶۱۴۲-] حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، نَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: لَقِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ صَيَّادٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ، فَاحْتَبَسَهُ، وَهُوَ غَلَامٌ يَهُودِيٌّ، وَلَهُ ذُوَابَةٌ، وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟" فَقَالَ: "أَتَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ؟" فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكُتِبَہِ وَرُسُلُہِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَاتَرَى؟" قَالَ: "أَرَى عَرْشًا فَوْقَ الْمَاءِ" قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَرَى عَرْشَ إِبْلِيسَ فَوْقَ الْبَحْرِ" قَالَ: "مَاتَرَى؟" قَالَ: "أَرَى صَادِقًا وَكَاذِبَيْنِ، أَوْ: صَادِقَيْنِ وَكَاذِبًا" قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لُبَسَ عَلَيْهِ، فَدَعَاهُ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عُمَرَ، وَحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، وَحَفْصَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

وضاحت: یہ حدیث بھی مسلم شریف (حدیث ۲۹۲۵) میں ہے۔ اور اس میں آخری جملہ فدعوہ ہے۔



حدیث (۴): نبی ﷺ نے فرمایا: دجال کا باپ اور اس کی ماں تیس سال ٹھہرے رہیں گے، ان کے لئے کوئی اولاد نہ ہوگی، پھر ان کے لئے ایک کانٹا لڑکا ہوگا جو سب چیزوں سے زیادہ ضرر رساں اور سب چیزوں سے زیادہ بے منفعت ہوگا، اس کی دونوں آنکھیں سوئیں گی، مگر اس کا دل نہیں سوئے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں: پھر ہمارے سامنے نبی ﷺ نے اس کے والدین کے احوال بیان کئے، اور فرمایا: اس کا باپ دراز قامت، چھریرے بدن کا ہوگا، گویا اس کی ناک چونچ ہے یعنی اس کی ناک لمبی پتلی ہوگی اور اس کی ماں بھاری عورت، لمبی پستانوں والی ہوگی۔

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں: پس میں نے مدینہ میں یہودیوں میں سے ایک بچہ کے بارے میں سنا، پس میں اور زبیر بن العوام گئے، یہاں تک کہ ہم دونوں اس کے ماں باپ پر داخل ہوئے، پس اچانک نبی ﷺ کے بیان کئے ہوئے اوصاف ان دونوں میں موجود تھے، ہم نے پوچھا: کیا تم دونوں کی کوئی اولاد ہے؟ پس دونوں نے کہا: ہم تیس سال ٹھہرے رہے، ہماری کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی، پھر ہمارے یہاں ایک کانالڑکا پیدا ہوا جو سب سے زیادہ مضرت رساں اور سب سے زیادہ بے منفعت ہے، اس کی دونوں آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا، ابوبکرؓ کہتے ہیں: پس ہم ان دونوں کے پاس سے نکلے، پس اچانک وہ ایک جھاردار کھل میں دھوپ میں پڑا ہوا تھا، اور کچھ بڑا بڑا رہا تھا، پس اس نے اپنا سر کھولا اور کہا: تم دونوں نے کیا کہا؟ ہم نے کہا: اور کیا تو نے وہ سنا جو ہم نے کہا؟ اس نے کہا: ہاں، میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔

[۲۲۴۷-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ، نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَمُكُّ أَبُو الدَّجَالِ وَأُمُّهُ ثَلَاثِينَ عَامًا، لَا يُولَدُ لَهُمَا وَلَدٌ، ثُمَّ يُولَدُ لَهُمَا غُلَامٌ أَعْوَرٌ، أَضْرُ شَيْئٍ وَأَقْلَهُ مَنَفَعَةٍ، تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ"

ثُمَّ نَعَتْ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُوبَيٍّ فَقَالَ: "أَبُوهُ طَوَالٌ، ضَرْبُ اللَّحْمِ، كَانَ أَنْفَهُ مَنَقَارًا، وَأُمُّهُ امْرَأَةٌ فَرِصَاحِيَّةٌ، طَوِيلَةُ الثَّدْيَيْنِ"

قَالَ أَبُو بَكْرَةَ: فَسَمِعْتُ بِمَوْلُودٍ فِي الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ، فَذَهَبْتُ أَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ، حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبُوبَيٍّ، فَإِذَا نَعَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمَا، قُلْنَا: هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَا: مَكَّنَّا ثَلَاثِينَ عَامًا لَا يُولَدُ لَنَا وَلَدٌ، ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ أَعْوَرٌ، أَضْرُ شَيْئٍ وَأَقْلَهُ مَنَفَعَةٍ، تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ.

قَالَ: فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا، فَإِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِي بَطْنِ قَيْطِيَّةٍ، وَلَهُ هَمْهَمَةٌ، فَكَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ، فَقَالَ: مَا قُلْتُمَا؟ قُلْنَا: وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ.

وضاحت: یہ حدیث ضعیف ہے، علی بن زید بن جعدان: محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، مگر امام ترمذی کے نزدیک: یہ راوی ٹھیک ہے، اس لئے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے..... طوال (بضم الطاء) طویل کا مبالغہ ہے..... فَرِصَاحِيَّةٌ: ضخمة عظيمة، وفي النهاية: فَرِصَاحِيَّةٌ: ضخمة عظيمة الثديين..... منجدل: أى مُلْقَى على الجدالة، وهي الأرض.

باب

وہ حدیث: جس سے غلط فہمی ہوئی کہ صدی کے ختم پر قیامت آئے گی

حدیث (۱): حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا: آپ لوگ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہو، حالانکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں! آج زمین پر کوئی سانس لینے والی جان ایسی نہیں جس پر سوسال آئیں! یعنی سوسال پورے ہوتے ہوتے ہر تنفس مر جائے گا اور یہ قرن ختم ہو جائے گا۔

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی، پھر جب سلام پھیرا، تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”تم اپنی اس رات کو دیکھو، پس بیشک اس رات سے سوسال کے ختم پر ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو آج زمین کی پیٹھ پر ہے!“ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صدی ختم ہوتے ہوتے یہ قرن ختم ہو جائے گا۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: پس لوگوں نے نبی ﷺ کی اس بات کو غلط سمجھا، اور انھوں نے سوسال کے بارے میں باتیں شروع کر دیں کہ صدی کے ختم پر قیامت آجائے گی، حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ قرن ختم ہو جائے گا۔ تشریح: لوگوں نے اس حدیث کے ذیل میں حیاتِ خضر، حیاتِ عیسیٰ اور حیاتِ جنات کے مسائل چھیڑے ہیں، انھوں نے خیال کیا ہے کہ یہ منطقی کلیہ ہے، پس اس سے کوئی جزئیہ خارج نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ یہ خطابی ارشاد ہے، جو اکثری احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر بعض جزئیات اس سے خارج ہو جائیں تو مضر نہیں، غرض: اس حدیث میں مذکورہ مسائل سے تعرض نہیں کیا گیا، ان مسائل کو اور دلائل سے طے کرنا چاہئے اگر ان کو طے کرنا ضروری ہو۔

[۵۵] - باب

[۲۲۴۸] - حَدَّثَنَا هَذَا، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَا عَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مَنُفُوسَةٌ - يَعْنِي الْيَوْمَ - يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ“
وفي الباب: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَبُرَيْدَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[۲۲۴۹] - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبِي بَكْرٍ بْنِ سُلَيْمَانَ - وَهُوَ ابْنُ أَبِي حَتْمَةَ - أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ صلاۃ العشاء، فی آخر حیاتیہ، فلما سلم قام، فقال: "أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ، [فَإِنَّ] عَلَى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا، لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ" قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَوَهْلَ النَّاسِ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ، فِيمَا يَتَحَدَّثُونَ بِهَذِهِ الْأَحَادِيثِ نَحْوَ مِائَةِ سَنَةٍ، وَإِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ" يُرِيدُ بِذَلِكَ: أَنَّ يَنْحَرِمَ ذَلِكَ الْقَرْنُ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم شریف (حدیث ۲۵۳۸) کتاب فضائل الصحابة باب ۵۳ میں ہے..... اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی مسلم شریف (حدیث ۲۵۳۷) میں ہے، اور [فَإِنَّ] مسلم شریف سے بڑھایا ہے..... وَهْلَ (بفتح الہاء) بمعنی غلط ہے اور مسلم شریف کی عبارت زیادہ واضح ہے قال ابن عمر: فَوَهْلَ النَّاسِ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ، فِيمَا يَتَحَدَّثُونَ مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ إِلَى آخِرِهِ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الرِّيَّاحِ

ہوا کو برا کہنے کی ممانعت

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہوا کو برا مت کہو، پس جب تم دیکھو وہ بات جس کو تم ناپسند کرتے ہو تو کہو: اے اللہ! بے شک ہم آپ سے اس ہوا کی خیر مانگتے ہیں، اور اس کی خیر مانگتے ہیں جو ہوا میں ہے، اور اس کی خیر مانگتے ہیں جس کا ہوا حکم دی گئی ہے، اور ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں اس ہوا کی برائی سے، اور اس کی برائی سے جو ہوا میں ہے اور اس کی برائی سے جس کا ہوا حکم دی گئی ہے“

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت أبواب البر والصلۃ میں باب اللعنۃ میں گزر چکی ہے کہ ہوا پر لعنت مت بھیجو، کیونکہ وہ مامور (حکم دی ہوئی) ہے، پس ہوا پر لعنت بھیجنا آمر پر لعنت بھیجنا ہے..... اور کبھی دل کی بھڑاس نکالنی ضروری ہوتی ہے تو مذکورہ دعا کرو، اس سے دل ہلکا ہو جائے گا..... اور کبھی اچھی بری ہوا چلنے سے اچھے برے احوال مراد لئے جاتے ہیں پس یہ زمانے کو برا کہنا ہوا، اور اس کی بھی ممانعت آئی ہے، کیونکہ زمانہ اللہ تعالیٰ ہیں یعنی وہ جس طرح چاہتے ہیں زمانے کو پھیرتے ہیں، پس زمانہ کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے، اسی طرح ہوا کو برا کہنا بھی اللہ تعالیٰ کی برائی تک مفہمی ہوتا ہے، پس جب فتنوں کی بری ہوا چلے تو اس کی برائی مت کرو، بلکہ اصلاح کی فکر کرو۔

[۵۶] باب ماجاء فی النّهی عن سبّ الرّیاح

[۲۲۵۰] - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حَبِيبٍ بْنِ الشَّهِيدِ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ، نَا الْأَعْمَشُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الرِّيحِ، وَخَيْرِ مَا فِيهَا، وَخَيْرِ مَا أُمِرْتُ بِهِ، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الرِّيحِ، وَشَرِّ مَا فِيهَا، وَشَرِّ مَا أُمِرْتُ بِهِ" -

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب

کسی جزیرہ میں مقید و جال اور حساسہ کی روایت

حدیث: حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کہتی ہیں: نبی ﷺ منبر پر چڑھے، پس مسکرائے، اور فرمایا: تمہیں داری نے مجھ سے ایک بات بیان کی ہے، جس سے مجھے خوشی ہوئی، پس میں پسند کرتا ہوں کہ وہ بات آپ لوگوں سے بیان کروں (انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ) فلسطین کے کچھ لوگ سمندر میں ایک کشتی میں سوار ہوئے، پس کشتی نے ان کے ساتھ چکر لگایا یعنی کشتی ان کے ساتھ راستہ سے بھٹک گئی، یہاں تک کہ سمندر کے جزیروں میں سے کسی جزیرہ میں ان کو ڈال دیا، پس اچانک وہ ایک بہت زیادہ کپڑے پہنے ہوئے یعنی بہت زیادہ بالوں والے جانور کے پاس تھے، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، پس ان لوگوں نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں حساسہ (زبردست جاسوس، بہت سراغ لگانے والا) ہوں، ان لوگوں نے کہا: ہمیں اپنے حالات بتا۔ اس نے کہا: میں نہ تمہیں حالات بتاؤں گا، نہ میں تم سے حالات معلوم کروں گا، بلکہ تم گاؤں کے آخر میں پہنچو، وہاں وہ شخص ہے جو تم کو حالات بتائے گا، پس ہم گاؤں کے آخر میں پہنچے، پس اچانک ایک شخص زنجیر میں جکڑا ہوا ہے، پس اس نے کہا: زُغر کے چشمہ کے بارے میں مجھے بتاؤ؟ (یہ چشمہ شام میں ہے) ہم نے کہا: وہ لبریز ہے اور زور سے بہہ رہا ہے، اس نے کہا: بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ؟ ہم نے کہا: وہ بھی لبریز ہے اور خوب بہہ رہا ہے، اس نے کہا: مجھے بیسان کے نخلستان کے بارے میں بتاؤ جو اردن اور فلسطین کے درمیان ہے، کیا اس میں پھل آنے لگا؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: مجھے نبی (آئی) کے بارے میں بتاؤ کیا وہ مبعوث ہو گئے؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: بتاؤ لوگوں کا ان کے ساتھ کیا

معاملہ رہا؟ ہم نے کہا: لوگ بہت تیزی سے ان کی بات قبول کر رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے: پس وہ کو دا ایسا کو دنا کہ قریب تھا وہ (کہ بیڑیوں سے نکل جائے) ہم نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں دجال ہوں، اور یہ کہ وہ تمام شہروں میں پہنچے گا سوائے طیبہ کے، اور طیبہ مدینہ منورہ ہے۔

تشریح: یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۲۹۴۲ کتاب الفتن) میں عامر شعمی، عن فاطمۃ بنت قیس کی سند سے مروی ہے، اور اس میں دو مضمون ہیں:

پہلا مضمون: یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک جہاد میں شہید ہو گئے، اور وہ بیوہ ہو گئیں تو نبی ﷺ نے ان کو پہلے ام شریک انصاریہ کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا، پھر فرمایا: وہ مہمان نواز عورت ہے، ان کے پاس لوگوں کی آمد بکثرت رہتی ہے، اس لئے وہ اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن ام مکتوم کے پاس عدت گذاریں۔

اور دوسرا مضمون: یہی ہے جو اس روایت میں ہے کہ دجال ایک جزیرے میں مقید ہے، وہاں کچھ لوگ اتفاقاً پہنچ گئے، جن کی ملاقات پہلے جاسہ سے ہوئی، پھر دجال سے ہوئی اور ان میں باہم گفتگو ہوئی۔

اس روایت کا پہلا مضمون حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے رد کر دیا ہے، اور احناف نے بھی اس کو نہیں لیا، اور دوسرا مضمون بھی اپنے داخلی اور خارجی تناقضات کی وجہ سے قابل قبول نہیں، اور یہ روایت اس کے تمام طرق کے ساتھ علامہ ابن کثیرؒ نے النہایۃ (۹۳:۱) میں جمع کی ہے، اس کی روشنی میں اس روایت کے تناقضات درج ذیل ہیں:

۱- امام مسلم ہی نے کتاب الطلاق (باب ۶ حدیث ۳۶۱/۳۸۰-۵۴) میں متعدد طرق سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص: حضرت علیؓ کے ساتھ یمن کی طرف گئے، اور وہاں سے انھوں نے حضرت فاطمہؓ کو تیسری طلاق بھیجی جو باقی رہ گئی تھی، اور شوہر کے کارندے نے عدت کے خرچ کے لئے جو پیش کئے، جس کو انھوں نے منظور نہیں کیا، اور انھوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: لیس لك علیہ نفقة: اور مسلم کی اس روایت (حدیث ۲۹۴۲) میں یہ ہے کہ ان کے شوہر اسلام کے ابتدائی جہاد میں نبی ﷺ کے ساتھ شہید ہو گئے تھے یہ دونوں باتیں متناقض ہیں۔

۲- کتاب الطلاق کی روایات میں یہ ہے کہ عدت کے بعد ان کے پاس حضرت معاویہ اور حضرت ابو جہم نے منگنی بھیجی، اور کتاب الفتن کی روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے منگنی بھیجی۔

۳- کتاب الطلاق کی روایات میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عدت کے بعد حضرت اسامہ کی منگنی ڈالی اور کتاب الفتن کی روایت میں یہ ہے کہ پہلے منگنی ڈالی۔

۴- مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ دجال سے ملاقات کا واقعہ خود حضرت تمیم داری کا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: حَدَّثَنِي: أَنَّهُ رَكَبَ فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا مِنْ لَحْمٍ وَجُدَامٍ: اور مسلم ہی میں سیار ابو الحکم کی

روایت میں ہے: إن بنی عمّ لتمیم الداری رکبوا فی البحر: یعنی سفر میں حضرت تمیم کے عم زاد گئے تھے، خود حضرت تمیم نہیں گئے تھے..... اور مسلم ہی میں یہ بھی ہے: حدثنی تمیم الداری: أن ناساً من قومه كانوا فی البحر:..... اور مسند احمد میں ہے: أخبرنی أن رهطاً من بنی عمه رکبوا فی البحر..... پس اگر صاحب واقعہ حضرت تمیم داری نہیں تو بیچ میں مجہول واسطے ہیں۔

۵- یہ واقعہ: صحابہ کو کس نے سنایا؟ نبی ﷺ نے یا خود حضرت تمیم داری نے؟ عام روایات میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ واقعہ روایت کیا مگر مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ خود تمیم داری کی زبانی آپؐ نے لوگوں کو یہ واقعہ سنوایا، قال: حدثنی تمیم، فرأی تمیمًا فی ناحية المسجد، فقال: یا تمیم! حدث الناس ما حدثتني، قال: کنا فی جزيرة، فإذا نحن بدابة، لاندري ما قبلها من دبرها إلى آخره (نہایہ ابن کثیر: ۱۰۱)

۶- عام روایات میں ہے: انطلقوا إلى هذا الرجل بالدبر: دیر کے معنی ہیں: راہب خانہ، عیسائی درویشوں کی خانقاہ..... اور ابوداؤد کی روایت (نمبر ۴۳۲۵) میں ہے: اذهب إلى ذلك القصر: اور قصر کے معنی ہیں: محل۔

۷- اگر یہ روایت صحیح ہے تو ابن صیاد کی جانچ والی روایت بے معنی ہو جاتی ہے، حالانکہ ابن صیاد والی روایت متفق علیہ ہے، اور اس روایت کے دونوں مضمون صرف مسلم شریف میں ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ دونوں مضمون روایت نہیں کئے، صرف پہلے مضمون پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنقید روایت کی ہے..... اور اگر یہ کہنا جائے کہ یہ واقعہ بعد کا ہوگا، کیونکہ حضرت تمیم داری سن ۹ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں تو پھر سوال ہوگا کہ صحابہ آخر تک ابن صیاد کے بارے میں شک میں مبتلا کیوں رہے؟ اس واقعہ کے بعد تو ان کا ذہن صاف ہو جانا چاہئے تھا۔

۸- اور روایت کا یہ جملہ تو عجیب ہے: لاندري ما قبلها من دبرها: یعنی اس کی قبل اور دبر میں ہم امتیاز نہیں کر پارہے تھے، حالانکہ یہ دونوں اعضاء جانوروں میں عام طور پر ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، ہاں اگر راوی کہتا کہ اس کا منہ کدھر تھا اور دُم کدھر تھی: اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا: تو ایک بات بھی تھی۔

۹- نیز یہ لوگ بڑے مضبوط دل کے تھے، نہ جسامہ سے خوف زدہ ہوئے نہ دجال سے، بڑے اطمینان سے دونوں سے باتیں کرتے رہے، حالانکہ ایسی صورت میں انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے اور چھٹی گم ہو جاتی ہے۔

۱۰- حضرت تمیم داری: وہ صحابی ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ سے پہلے بیان کی اجازت ملی تھی، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہفتے کے دنوں میں بھی بیان کی اجازت دیدی تھی۔ اگر یہ واقعہ خود حضرت تمیم داری کا تھا تو ایسا عجیب واقعہ مقرر بار بار بیان کرتا ہے، پھر کیا بات ہے کہ اس کو صرف ایک خاتون (فاطمہ بنت قیسؓ) روایت کرتی ہیں، کوئی دوسرا صحابی اس کو کیوں روایت نہیں کرتا؟ نہایہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی کی متابعت کا ذکر ہے، مگر ان کی روایات معلوم نہیں کن کتابوں میں ہیں۔

۱۱- اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ آباد بربریۃ تھا، وہاں پورا گاؤں بسا ہوا تھا، اور اب ذرائع معلومات وسیع ہو گئے ہیں، آخر یہ جزیرہ کہاں ہے؟ اور وہ لوگ جب راستہ بھول گئے تھے تو اس جزیرے سے واپس کیسے لوٹے؟ یہ وہ اشکالات ہیں جن کی وجہ سے یہ روایت قطعاً قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم

باب [۵۷]

[۲۲۵۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، نَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ الْمُنْبَرَ، فَصَحَّحَكَ، فَقَالَ: إِنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ حَدَّثَنِي بِحَدِيثٍ، فَقَرَحْتُ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ: إِنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ فَلَسْطِينَ رَكِبُوا سَفِينَةً فِي الْبَحْرِ، فَجَالَتْ بِهِمْ، حَتَّى قَدَفْتَهُمْ فِي جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ، فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ لَبَّاسَةٍ نَاشِرَةٍ شَعْرَهَا، فَقَالُوا: مَا أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا الْجَسَّاسَةُ، قَالُوا: فَأَخْبِرِينَا، قَالَتْ: لَا أُخْبِرُكُمْ، وَلَا أَسْتَخْبِرُكُمْ، وَلَكِنْ انْتَوَا أَقْصَى الْقَرْيَةِ، فَإِنَّ ثَمَّ مَنْ يُخْبِرُكُمْ وَيَسْتَخْبِرُكُمْ، فَاتَيْنَا أَقْصَى الْقَرْيَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ مُوثِقٌ بِسِلْسِلَةٍ فَقَالَ: أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ زُغَرٍ؟ قُلْنَا: مَلَأَى تَدْفِقُ، قَالَ: أَخْبِرُونِي عَنِ الْبَحِيرَةِ، قُلْنَا: مَلَأَى تَدْفِقُ، قَالَ: أَخْبِرُونِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ الَّذِي بَيْنَ الْأُرْدُنِّ وَفِلَسْطِينَ، هَلْ أَطْعَمَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: أَخْبِرُونِي عَنِ النَّبِيِّ هَلْ بُعِثَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: أَخْبِرُونِي كَيْفَ النَّاسُ إِلَيْهِ؟ قُلْنَا: سِرَاعُ. قَالَ: فَتَرَى نَزْوَةً حَتَّى كَادَ، قُلْنَا: فَمَا أَنْتِ؟ قَالَ: أَنَا الدَّجَالُ، وَإِنَّهُ يَدْخُلُ الْأَمْصَارَ كُلَّهَا إِلَّا طَيْبَةَ، وَطَيْبَةَ الْمَدِينَةَ.

هذا حديث حسن صحيح غريب من حديث قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ.

لغات و ترکیب: جَالَتْ السفینۃ بہ وَاَجَالَتْ: اُدَارَہ و حَوَّلَہ عن قصده وفي مسلم: فَلَعِبَ بِهِم الموح شهراً: وہ ایک ماہ تک موجوں کے رحم و کرم پر رہے لَبَّاسٌ: كثير اللباس، و كُنِيَ بِكَثْرَةِ لِبَاسِهَا: عن كثرة شعرها نَاشِرَةً شَعْرَهَا: كالبيان لما قبله نَاشِرَةً: بالجر: صفة ثانية لدابة، و شَعْرَهَا: بالنصب على المفعولية، أى جاعلة شعرها منتشرة۔

باب

خود کو رسوا نہ کرو

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لا ینبغي للمؤمن أن یذیل نفسه: مؤمن کے لئے مناسب نہیں کہ خود کو ذلیل

کرے، صحابہ نے پوچھا: خود کو کوئی کیسے ذلیل کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ: لِمَا لَا يُطِيقُ: ایسی بلاؤں کے درپے ہو جو اس کی طاقت سے باہر ہوں۔

تشریح: من البلاء: ما لا يطيق کا بیان مقدم ہے، اصل جملہ اس طرح تھا: يَتَعَرَّضُ لِمَا لَا يُطِيقُ مِنَ الْبَلَاءِ۔ اور فقہاء نے اس حدیث سے ضابطہ بنایا ہے کہ خود کو رسوا کرنا جائز نہیں یعنی ایسا کام کرنا (اگرچہ وہ جائز ہو) جس کے نتیجے میں رسوائی ہو: مناسب نہیں مثلاً: (۱) کرنسی بلیک میں کیش کرنا (۲) بغیر ٹکٹ ریل کا سفر کرنا (۳) ٹیکس چوری کرنا، اور اس کے لئے غلط حساب بنانا (۴) بجلی چوری کرنا اور اس کے لئے میٹر بند کرنا یا گھمانا وغیرہ بہت سی جزئیات ہیں جن کا انجام رسوائی ہے، پکڑے جانے پر عزت خاک میں مل جاتی ہے، اس لئے مؤمن کو اس قسم کے امور سے بچنا چاہئے۔ اور حدیث علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر امام ترمذی کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے، اس لئے حدیث کی تحسین کی ہے۔

باب [۵۸] -

[۲۲۵۲] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ جُنْدُبٍ، عَنْ حَذِيفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُدِلَّ نَفْسَهُ" قَالُوا: وَكَيْفَ يُدِلُّ نَفْسَهُ؟ قَالَ: "يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

باب

ظالم کی بھی مدد کرو اور مظلوم کی بھی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: أَنْصُرْ أَخَاكَ: ظالماً أو مظلوماً: اپنے بھائی کی مدد کرو: خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آیا، مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپؐ نے فرمایا: تَكْفُهُ عَنْ الظلم، فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ: اس کو ظلم سے روکو، یہ تمہارا اس کی مدد کرنا ہے (یہ حدیث بخاری (حدیث ۲۴۴۳) میں ہے)

باب [۵۹] -

[۲۲۵۳] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْمُؤَدَّبُ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ، نَا حُمَيْدُ الطَّوِيلُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا" قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! نَصْرُ تَهْ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: "تَكْفُهُ عَنِ الظلم، فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَائِشَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب

بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- من سکن البادية جفا: جو جنگل میں بسا وہ تند مزاج ہوا، کیونکہ وہ نہ جمعہ و جماعت میں آئے گا نہ مجالس علماء میں شریک ہوگا، پس اس کی طبیعت میں وحشی پنا پیدا ہو جائے گا اور وہ مکارم اخلاق سے دور ہو جائے گا۔ یہ بداوت کا خاصہ ہے، اور فتنہ کے زمانہ میں جنگل میں جا بسنے کی خیریت ایک دوسری جہت سے ہے یعنی وہ اہون البلیتین ہے۔

۲- ومن اتبع الصيد غفل: اور جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل ہوا یعنی جس کو شکار کی دھن لگ گئی وہ کسی کثرت کا نہ رہا، وہ ہر وقت بندوق اٹھائے پھرے گا، اور ضروری کاموں سے بھی بے فکر ہو جائے گا۔

۳- ومن اتى أبواب السلطان افتن: اور جو بادشاہوں کے دروازوں پر گیا وہ فتنوں میں مبتلا ہوا، کیونکہ اگر وہ بادشاہ کی ہم نوائی کرے گا تو اپنا دین خراب کرے گا، اور نہیں کرے گا تو اپنی دنیا پر باد کرے گا، پس ان سے دور کی صاحب سلامت اچھی!

ملفوظ: یہ حدیث ضعیف ہے، ابو موسیٰ جو وہب بن منبہ سے روایت کرتا ہے: مجہول راوی ہے۔

خوش حالی بھی کبھی فتنوں کا سبب بنتی ہے

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے چالیس آدمیوں کو ایک خیمے میں جمع کیا اور فرمایا: ”بے شک تم دشمن کے مقابلہ میں مدد کئے ہوئے ہو، اور غنیمت حاصل کرنے والے ہو اور تمہارے لئے ممالک فتح کئے جائیں گے، پس جو شخص تم میں سے یہ حالات پائے پس چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اور چاہئے کہ وہ بھلی بات کا حکم دے اور چاہئے کہ وہ بری بات سے روکے، اور جو شخص جان بوجھ کر میرے نام جھوٹ باندھے اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“

تشریح: جب کسی قوم میں خوش حالی آتی ہے تو اللہ کا ڈراٹھ جاتا ہے، لوگوں کے احوال و دگرگوں ہو جاتے ہیں اور لوگ اپنی بد عملی کی تائید میں حدیثیں گھڑتے ہیں، یہی خوش حالی کے زمانہ کے فتنے ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ نے امت کو خوش حالی کی خوش خبری دی تو ساتھ ہی خرابیوں کی طرف بھی متوجہ کیا (یہ حدیث مسند احمد میں تین بار آئی ہے ۱: ۳۸۹، ۲: ۴۳۶ اور مصری نسخہ میں اس دوسری حدیث پر باب بلا ترجمہ ہے۔)

باب [۶۰-]

[۲۲۵۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنْ وَهَبِ بْنِ مُنْبَهٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتَنَّ".
وفى الباب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ.

[۲۲۵۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، أَنبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّكُمْ مَنْصُورُونَ، وَمُصِيبُونَ، وَمَفْتُوحٌ لَكُمْ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَاكَ مِنْكُمْ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ، وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ، وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَمَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ مُنْعِمًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب

وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ساتھیوں سے) پوچھا: کس کو یاد ہے وہ بات جو رسول اللہ ﷺ نے فتنہ کے بارے میں فرمائی ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: مجھے یاد ہے، پھر حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا: آدمی کا فتنہ (کو تا ہی) اس کی فیملی میں، اس کے مال میں، اس کی اولاد میں، اور اس کے پڑوسی میں، جن کا کفارہ: نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بنتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ان فتنوں کے بارے میں: میں نہیں پوچھتا، بلکہ اس فتنے کے بارے میں پوچھتا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارے گا! حضرت حذیفہؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے درمیان اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے یعنی وہ فتنہ آپ کے زمانہ میں نہیں آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: توڑا جائے گا، حضرت عمرؓ نے کہا: تب قیامت تک بند نہیں ہوگا۔

اور حماد کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ابو وائل کہتے ہیں: میں نے مسروق سے کہا: حضرت حذیفہؓ سے دروازے کے بارے میں پوچھو، مسروق نے پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے بتایا: وہ عمرؓ ہیں (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

تشریح: ابواب الفتن کے شروع میں حجۃ اللہ کے حوالہ سے یہ مضمون آیا ہے کہ فتنے چند قسم کے ہیں: ایک: آدمی کے اندر کا فتنہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہو جائے، اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔ دوسرا: فیملی میں فتنہ ہے، اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے، اسی طرح اولاد میں فتنہ، مال میں فتنہ اور پڑوسی میں فتنہ رونما ہوتا ہے، جس کی تلافی عبادات سے ہوتی رہتی ہے، اور ایک فتنہ وہ ہے جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے، یہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے۔ یہ فتنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد شروع ہوگا، حضرت کے زمانے تک نظام حکومت صحیح چلتا رہا، اور فتنہ کا دروازہ کھولا نہیں جائے گا، بلکہ توڑا جائے گا، اور جو دروازہ کھولا جائے وہ بند کیا جاسکتا ہے، مگر جو کواڑ توڑ دیئے جائیں ان کے بند کرنے کا سوال ہی نہیں، پس نظام مملکت کے بگاڑ کا فتنہ جب شروع ہوگا تو قیامت تک رکے گا نہیں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ ہونے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آپؓ کے زمانہ میں وہ فتنہ نہیں آئے گا، البتہ توڑنے میں آپؓ کی شہادت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

فائدہ (۱): اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ فتنوں کا علم اس لئے ضروری ہے کہ آدمی فتنوں سے بچے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی کہا ہے کہ اس فتنہ سے آپؓ کیوں ڈرتے ہیں، وہ فتنہ آپؓ کے زمانے میں نہیں آئے گا۔

فائدہ (۲): اوپر حدیث کے ترجمہ میں اشارہ آیا ہے کہ فتنہ سے مراد کوتاہیاں ہیں، اس کی تفصیل درج ذیل ہے: ۱- آدمی کا فتنہ اس کی فیملی میں: یعنی آدمی گھر والوں کی وجہ سے ایسے قول و فعل کا ارتکاب کرے جو جائز نہیں، مگر وہ کبیرہ گناہ بھی نہ ہوں۔

۲- آدمی کا اپنے مال میں فتنہ: یعنی غلط طریقہ پر مال حاصل کرنا اور غلط جگہوں میں خرچ کرنا یا مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔

۳- آدمی کا اپنی اولاد میں فتنہ: یعنی اولاد سے حد سے زیادہ محبت کرنا، ان کی وجہ سے خیر کے کاموں سے محروم رہنا یا اولاد کی وجہ سے حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال کمانا۔

۴- آدمی کا اس کے پڑوسی میں فتنہ: یعنی پڑوسی کو ستانا اور اس کی خبر گیری نہ کرنا۔

یہ وہ فتنے (کوتاہیاں) ہیں: جن کی تلافی اعمالِ صالحہ سے ہوتی رہتی ہے، لأن الحسنات یذهبن السیئات!

[۶۱-] باب

[۲۲۵۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، نَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَعَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ،

وَحَمَادٍ، سَمِعُوا أَبَا وَائِلٍ، عَنْ حُدَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ؟ فَقَالَ حُدَيْفَةُ: أَنَا، قَالَ حُدَيْفَةُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ، وَمَالِهِ، وَوَلَدِهِ، وَجَارِهِ: تُكْفَرُهَا الصَّلَاةُ، وَالصَّوْمُ، وَالصَّدَقَةُ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ، قَالَ عُمَرُ: لَسْتُ عَنْ هَذَا أَسْأَلُكَ، وَلَكِنْ عَنِ الْفِتْنَةِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ، قَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ عُمَرُ: أَيَفْتَحُ أَمْ يَكْسَرُ؟ قَالَ: بَلْ يَكْسَرُ! قَالَ: إِذَنْ لَا يَغْلِقُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ! قَالَ أَبُو وَائِلٍ فِي حَدِيثِ حَمَادٍ: فَقُلْتُ لِمَسْرُوقٍ: سَلْ حُدَيْفَةَ عَنِ الْبَابِ؟ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: عُمَرُ؛ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بَابُ

امراء کی ہاں میں ہاں ملانا حوض کوثر سے محرومی کا سبب ہے

حدیث: حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، درانحالیکہ ہم نو تھے: پانچ اور چار، دو عددوں میں سے ایک عرب سے اور دوسرا عجم سے تھا، پس آپ نے فرمایا: سنو! کیا تم نے سنا کہ عنقریب میرے بعد کچھ امراء ہونگے، پس جو ان کے پاس گیا، پس ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق کی، اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کی تو وہ میرا نہیں اور میں اس کا نہیں اور وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں پہنچے گا..... اور جو ان کے پاس نہیں گیا، اور ان کے ظلم میں ان کی مدد نہیں کی، اور ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق نہیں کی، پس وہ مجھ سے ہے اور میں اس کا ہوں، اور وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا (یہ حدیث تفصیل سے تحفہ ۵۰۲:۲ کتاب الصلوٰۃ باب ۳۱۷ حدیث ۶۱۳ میں گزر چکی ہے)

سند کی بحث: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تین سندیں بیان کی ہیں، اور تینوں ہارون بن اسحاق ہمدانی کی ہیں: (۱) ہارون ہمدانی: محمد بن عبد الوہاب قتادہ سے، وہ مسعر سے الی آخرہ روایت کرتے ہیں (۲) ہارون: محمد قتادہ سے، اور وہ سفیان سے، اور وہ ابو حصین سے پہلی سند کی طرح روایت کرتے ہیں (۳) ہارون: محمد قتادہ سے، وہ سفیان سے، وہ زبید سے، اور وہ ابراہیم سے (یہ ابراہیم خفی نہیں ہیں، کوئی اور راوی ہے جو مجہول ہے، اور وہ حضرت کعب سے روایت کرتا ہے)

دین کو تھامنا چنگاری تھامنے کی طرح ہوگا!

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: یأتی علی الناس زمانٌ، الصابرُ فیہم علی دینہ کالقابض علی الجمر:

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، جس میں اپنے دین پر جتنے والا ہاتھ میں چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہوگا۔
 تشریح: جب فتنوں کا دور آتا ہے، فسق و فجور عام ہوتا ہے اور لوگوں کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے تو دین پر جمنا دوبھر ہو جاتا ہے، اس وقت دین کو مضبوط پکڑنا اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے جتنا چنگاری ہاتھ میں پکڑنا، مگر اس وقت ثواب بھی بڑھ جاتا ہے، حضرت ابولعلہ کی حدیث میں ہے: لِلْعَامِلِ فِيهِمْ أَجْرُ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ: ان ایام میں دین پر عمل کرنے والے کے لئے پچاس آدمیوں کا اجر ہوگا، جو آج اس کے عمل کے مانند عمل کرتے ہیں، صحابہ نے پوچھا: ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر! (یہ روایت ترمذی میں آئے گی ورواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ حدیث ۵۱۳۳)

ملحوظہ: یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی امام ترمذیؒ اور نبی ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، اور ترمذی میں یہی ایک حدیث ثلاثی ہے، اور ضعیف ہے، اس کا ایک راوی عمر بن شاکر ضعیف ہے، مگر امام ترمذی کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے، کیونکہ اس سے متعدد اہل علم نے روایت لی ہے اور یہ راوی شیخ ہے، یہ لفظ صدوق کے ہم معنی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مقارب الحدیث کہا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد ہیں، یہ مضمون حضرت ابولعلہ خشنی سے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے (مسند احمد ۵: ۳۹۰) اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے (صحیحہ ۲: ۶۸۳) نوٹ: اس دوسری حدیث سے پہلے مصری نسخہ میں باب بلا ترجمہ ہے۔

[۶۲-] بَابُ

[۲۲۵۷-] حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْعَدَوِيِّ، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، قَالَ: خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ تِسْعَةٌ: خَمْسَةٌ وَأَرْبَعَةٌ، أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ مِنَ الْعَرَبِ، وَالْآخَرُ مِنَ الْعَجَمِ، فَقَالَ: "اسْمَعُوا! هَلْ سَمِعْتُمْ أَنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ، وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَى الْحَوْضِ، وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يُعْنِهِمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَارِدٌ عَلَى الْحَوْضِ" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ مِسْعَرٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

قَالَ هَارُونُ: وَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَاصِمِ الْعَدَوِيِّ، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

قَالَ هَارُونُ: وَثَنِي مُحَمَّدٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ - وَلَيْسَ بِالنَّخَعِيِّ - عَنْ

كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ مِسْعَرٍ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ حُذَيْفَةَ، وَابْنِ عُمَرَ.

[۲۲۵۸-] حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ ابْنُ ابْنَةِ السُّدِّيِّ الْكُوفِيُّ، نَا عُمَرُ بْنُ شَاكِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَعُمَرُ بْنُ شَاكِرٍ: رَوَى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ شَيْخٌ بَصْرِيٌّ.

بَابُ

بِهْتَر اور بدتر لوگ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ چند بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”کیا میں نہ بتلاؤں تمہارا بہتر اور تمہارا بدتر؟“ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: پس لوگ خاموش رہے (وہ ڈر گئے کہ معلوم نہیں کون برا ڈکلیں ہو اور کون اچھا ثابت ہو، حالانکہ نبی ﷺ عام بات بتانا چاہتے تھے) آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، پس ایک شخص (ہمت کر کے) بولا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول! ہمیں بتلائیں ہمارا بہتر اور ہمارا بدتر۔ آپ نے فرمایا: خیر کم من یُرجی خیرہ، ویؤمن شرہ، وشرکم من لا یُرجی خیرہ، ولا یؤمن شرہ۔ تم میں بہتر وہ شخص ہے جس کی خیر کی امید باندھی جائے اور اس کے شر سے مطمئن رہا جائے، اور تم میں بدتر وہ ہے جس کی خیر کی امید نہ باندھی جائے، اور جس کے شر سے بے خوف نہ رہا جائے۔

تشریح: لوگوں کا یہ شر ہی ان کا فتنہ ہے، پس جس کے شر سے لوگ بے خوف نہ ہوں وہ فتنہ خیز ہے۔

بَابُ [۶۳]

[۲۲۵۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوسٍ، فَقَالَ: "أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ؟" قَالَ: فَسَكَتُوا، فَقَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا، قَالَ: "خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجَى خَيْرُهُ، وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ، وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجَى خَيْرُهُ، وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ" هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بَابُ

جب امت میں اتر اہٹ آجائے تو برے لوگ مسلط ہو جائیں گے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب میری امت متکبرانہ چال چلے اور بادشاہوں کی اولاد یعنی روم و فارس کے لڑکے ان کی خدمت کریں تو امت کے برے لوگ ان کے اچھوں پر مسلط کر دیئے جائیں گے!“
تشریح: یہ ایک پیشین گوئی ہے، مگر ضروری نہیں کہ روم و فارس کی فتح کے ساتھ ہی یہ صورت حال پیدا ہو جائے، حالات بدلتے بدلتے وقت لگتا ہے، چنانچہ ایک وقت آیا کہ برے اچھوں پر مسلط ہو گئے۔

سند کی بحث: یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہے، کیونکہ اس کو موسیٰ بن عبیدہ ربذی ابو عبد العزیز مدنی: عبد اللہ بن دینار سے روایت کرتا ہے اور یہ راوی ضعیف ہے، خاص طور پر عبد اللہ بن دینار کی روایتوں میں۔ مگر یحییٰ بن سعید انصاری اس کے متابع ہیں، وہ بھی یہ حدیث عبد اللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں، وقد رواہ سے امام ترمذی نے یہی سند پیش کی ہے، پھر امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ دوسری سند (انصاری کی) بے اصل ہے، یہ حدیث صرف موسیٰ کی سند سے معروف ہے (مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری سند کے بے اصل ہونے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی، جبکہ انصاری سے روایت کرنے والے ابو معاویہ، پھر ان سے روایت کرنے والے امام ترمذی کے استاذ محمد بن اسماعیل واسطی دونوں ثقہ ہیں) دوسری دلیل: امام ترمذی نے یہ پیش کی ہے کہ یہ حدیث امام مالک بھی انصاری سے روایت کرتے ہیں، مگر وہ حدیث کو مرسل کرتے ہیں، وہ عبد اللہ بن دینار اور حضرت ابن عمر کا تذکرہ نہیں کرتے (مگر امام مالک رحمہ اللہ ایسا بکثرت کرتے تھے۔ وہ موصول روایات کو مرسل کرتے تھے، پس یہ بھی ابو معاویہ کی سند کے غلط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، اس لئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہ حدیث انصاری کی سند سے صحیح ہے)

باب [۶۴]-

[۲۶۶۰-] حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْكِنْدِيُّ، نَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ، ثَنَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي الْمُطِيطَاءُ، وَخَدَمَهَا أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ: أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ: سُلْطَ شِرَارُهَا عَلَى خِيَارِهَا“

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ

مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْوَاسِطِيُّ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.
وَلَا يُعْرِفُ لِحَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَصْلًا، إِنَّمَا الْمَعْرُوفُ حَدِيثُ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ.
وَقَدْ رَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ مُرْسَلًا، وَلَمْ يُذَكِّرْ فِيهِ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ.

لغت: الْمُطَيِّطَاءُ: اتر اٹھ، متکبرانہ چال، ہاتھ پھیلا پھیلا کر چلنا۔

عورتوں کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں

حدیث: حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بات کی وجہ سے جو میں نے نبی ﷺ سے سنی تھی بچالیا، جب کسری مرآتو نبی ﷺ نے پوچھا: ایران والوں نے کس کو بادشاہ بنایا؟ لوگوں نے بتایا: اس کی بیٹی کو، پس نبی ﷺ نے فرمایا: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ امْرَأَةٌ: وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنے معاملہ (حکومت) کا ذمہ دار ایک عورت کو بنایا (یہ حدیث بخاری (حدیث ۴۴۲۵) میں ہے)
حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ آئیں تو مجھے نبی ﷺ کی یہ بات یاد آئی، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کی وجہ سے بچالیا۔

تشریح: کسری کے بعد ایران کا بادشاہ شیروہ بنا تھا، مگر وہ چھ ماہ کے بعد زہر کھا کر مر گیا تو اس کی بیٹی بوران بادشاہ بنی، کیونکہ شیروہ کا کوئی بیٹا نہیں تھا، اور بھائیوں کو وہ پہلے ہی موت کی گھاٹ اتار چکا تھا۔ جب نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ ایران والوں نے ملک کا سربراہ اعظم ایک عورت کو بنایا ہے تو آپؐ نے مذکورہ ارشاد فرمایا۔

اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ عورت کو سربراہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی طرف حدیث میں کوئی اشارہ نہیں۔ اور فقہاء میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک عورت نہ امیرۃ المؤمنین بن سکتی ہے نہ قاضیہ۔ اور طبری رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جن معاملات میں عورت گواہ بن سکتی ہے امیر بھی بن سکتی ہے۔

رہی استیلاء و تغلب کی صورت: تو اس میں بالاجماع عورت کی امارت درست ہے، اس کے احکام نافذ اور واجب الاطاعت ہونگے۔ اور الیکشن، پارٹی، ووٹ اور اکثریت: تغلب ہی کی صورت ہے، کیونکہ جمہوریت میں سرگنے جاتے ہیں، بھیجا نہیں دیکھا جاتا۔

اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں، حج کے لئے تشریف لے گئی تھیں، چنانچہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما مکہ گئے اور ان کو آمادہ کیا کہ قصاص کا مطالبہ کیا جائے، ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنتے ہی کوفہ منتقل ہو گئے تھے، اس لئے یہ سب حضرات بصرہ گئے، وہاں ان کے ساتھ اجتماعیت ہو گئی اور وہ قصاص کا مطالبہ لے کر کوفہ گئے، وہاں جنگ جمل کا معرکہ پیش آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی وجہ سے ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اور بھی متعدد صحابہ جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔

[۲۶۶۱-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، نَا حُمَيْدُ الطَّوِيلُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: عَصَمَنِي اللَّهُ بِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا هَلَكَ كِسْرَى، قَالَ: "مَنِ اسْتَخْلَفُوا؟" قَالُوا: ابْنَتُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ امْرَأَةٌ" قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ - يَعْنِي الْبَصْرَةَ - ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَصَمَنِي اللَّهُ بِهِ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

بہترین اور بدترین امراء

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تم کو نہ بتلاؤں: تمہارے بہترین امراء اور ان کے بدترین امراء؟..... مسلمانوں کے بہترین امراء وہ ہیں: جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، اور تم ان کے لئے دعا کرو اور وہ تمہارے لئے دعا کریں..... اور تمہارے بدترین امراء وہ ہیں: جن سے تم دشمنی رکھو، اور وہ تم سے دشمنی رکھیں، اور جن پر تم لعنت بھیجو، اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔“

ملفوظ: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی: محمد بن ابی حمید جس کا لقب حماد تھا: ضعیف ہے، مگر یہ حدیث حضرت عوف بن مالک کی روایت سے مسلم شریف (حدیث ۱۸۵۵) میں ہے۔

[۲۶۶۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُو عَامِرٍ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِ أُمَرَائِكُمْ وَشِرَارِهِمْ؟ خِيَارُهُمُ: الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ، وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتَدْعُونَ لَهُمْ، وَيَدْعُونَ لَكُمْ، وَشِرَارُ أُمَرَائِكُمُ: الَّذِينَ يُبْغِضُونَهُمْ، وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ، وَيَلْعَنُونَكُمْ" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ، وَمُحَمَّدٌ يُضَعَّفُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

جن امراء کے کام معروف و منکر: دونوں طرح کے ہوں:

ان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عنقریب تم پر ایسے امراء ہونگے جن کے بعض کاموں کو تم پہچانتے ہو گے اور بعض کاموں کو تم اوپر سمجھتے ہو گے یعنی ان کے بعض کام اچھے ہونگے اور بعض برے، پس: (۱) جس نے ان پر زبان سے نکیر کی وہ یقیناً عہدہ برآ ہو گیا (۲) اور جس نے دل سے ناپسند کیا وہ یقیناً ان کے گناہ کے وبال سے بچ گیا (۳) البتہ جو ان کے کاموں پر خوش ہوا اور اس نے ان کی پیروی کی (وہ یقیناً ان کے گناہ میں شریک ہوا)..... عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا پس ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ یعنی ہاتھ سے ان پر نکیر نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ”نہیں، جب تک وہ نماز پڑھیں“ تشریح: مسلم شریف (حدیث ۱۸۵۵) میں حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ایسی صورت میں ان سے ترک تعلق نہ کر لیں؟ آپؐ نے فرمایا: ”نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کریں، سنو! جس پر کوئی حاکم مقرر کیا گیا، پس اس نے دیکھا کہ وہ کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس معصیت کو ناپسند کرے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے، اور ہرگز اپنا ہاتھ اس کی اطاعت سے نہ کھینچے“

اور متفق علیہ روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حکومت کے ذمہ داروں سے جھگڑا کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اور فرمایا: ”مگر یہ کہ تم کھلا کفر دیکھو، جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو، یعنی دلیل نقلی سے ان کا کفر ثابت ہو (مشکوٰۃ حدیث ۳۶۶۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی ایسا شخص زبردستی حکومت پر غلبہ حاصل کر لے جو شرائط خلافت کا جامع نہ ہو (مثلاً: الیکشن میں اس کی پارٹی جیت جائے) تو اس کی مخالفت میں جلدی نہ کی جائے، کیونکہ اس کو معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوں گی، اور سخت فتنہ برپا ہوگا، اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ نتیجہ کیا ہوگا، ہو سکتا ہے: اس سے بھی بدتر کوئی شخص غالب آجائے، پس ایک موہوم مصلحت کے لئے ایسے امر کا ارتکاب نہ کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔

ہاں جب خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری امر کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جائے، مثلاً: نماز کی فرضیت کا انکار کر دے، یا پانچ نمازوں کی فرضیت کا قائل نہ ہو، تو اس سے جنگ کرنا جائز ہے، بلکہ واجب ہے، اور یہ جواز یا وجوب اس لئے ہے کہ ایسی صورت میں خلیفہ مقرر کرنے کی جو مصلحت ہے یعنی اقامت دین: وہ فوت ہو جائے گی، بلکہ وہ پوری قوم کو لے ڈوبے گا، اس لئے اس سے برسر پیکار ہونا راہ خدا میں جہاد کرنا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۲۲۸)

[۲۲۶۳-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ صَبَّاءَ بِنِ مَحْصَنٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّهُ سَيَكُونُ عَلَيْكُمْ أئِمَّةٌ، تَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرَّ، وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ" فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَلَا نُفَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: "لَا، مَا صَلُّوا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۱۸۵۴) میں ہے..... تعرفون وتذکرون: ائمتہ کی صفیتیں ہیں اور دونوں کے مفعول محذوف ہیں، اُی تعرفون بعض افعالہم وتذکرون بعضہا..... رضی وتابع کی جزاء محذوف ہے اُی فہو الذی شارکہم فی العصیان۔

جینے میں مزہ کب تک ہے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے امراء تمہارے بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار تمہارے سیرچشم لوگ ہوں اور تمہارے معاملات تمہارے درمیان مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے تمہارے لئے بہتر ہے یعنی اس وقت تک جینے میں مزہ ہے..... اور جب تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار تمہارے کنجوس لوگ ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے حوالے ہوں: تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے یعنی پھر زندگی میں کچھ مزہ نہیں، مرجانا بہتر ہے۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، صالح بن بشیر مزی ابو بشر بصری: ضعیف راوی ہے، اگرچہ وہ نیک زاہد شخص تھا اور یہ حدیث صرف ترمذی میں ہے، دیگر کتب ستہ میں نہیں ہے۔

[۲۲۶۴-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْقَرُ، نَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَهَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَا: نَاصِلِحُ الْمُرِّي، عَنْ سَعِيدِ الْجَرِيرِيِّ، عَنْ أَبِي عَثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا كَانَتْ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ: فَظَهَرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَتْ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نَسَائِكُمْ: فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَالِحِ الْمُرِّي، وَصَالِحٍ فِي حَدِيثِهِ غَرَائِبُ، لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ، وَهُوَ رَجُلٌ صَالِحٌ.

باب

فتنوں کے زمانہ میں عمل کی اہمیت

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم یعنی صحابہ ایسے زمانہ میں ہو کہ جو شخص تم میں سے اس دین کا دسواں حصہ چھوڑ دے گا جس کا وہ حکم دیا گیا ہے تو وہ ہلاک ہو جائے گا..... پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ جو اس دین کے دسویں حصے پر عمل کرے گا جس کا وہ حکم دیا گیا ہے تو وہ نجات پا جائے گا۔“

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی نعیم بن حماد مروزی ضعیف ہے، ابن عدی نے اکامل میں اس کی ضعیف حدیثوں کا تتبع کیا ہے، یہ حدیث ان میں سے لیک ہے۔ مگر باب میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد (۱۵۵:۵) میں ہے جو اس حدیث کے لئے شاہد ہے۔

باب [۶۵-]

[۲۲۶۵-] حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ الْجَوْزَجَانِيُّ، نَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ، نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ: مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عَشْرًا أَمْرًا بِهِ هَلَكَ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ: مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بَعْضًا مَا أَمَرَ بِهِ نَجَا.“
هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ نُعَيْمِ بْنِ حَمَّادٍ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي ذَرٍّ، وَأَبِي سَعِيدٍ.

فتنہ مشرق سے سرا بھاریں گے

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ”یہاں فتنوں کی سرزمین ہے (اور مشرق کی طرف اشارہ فرمایا) جہاں شیطان کا یا فرمایا: سورج کا سینگ نکلتا ہے“
تشریح: یہ حدیث اگرچہ عام ہے، مگر مراد خاص ہے، اس میں مسیلہ کذاب کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے یا دجال کے فتنہ کی طرف، مسیلہ: یمامہ کا باشندہ تھا، جو مدینہ سے مشرق میں نجد کے علاقہ میں واقع ہے، اور دجال کا خروج بھی مشرق سے یعنی خراسان سے ہوگا، جیسا کہ پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذر چکا ہے۔

[۲۲۶۶-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُنْبَرِ، فَقَالَ: ”هَٰذَا أَرْضُ الْفِتَنِ - وَأَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ - حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ: قَرْنُ الشَّمْسِ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: یہ حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۷۰۹۲ مسلم شریف حدیث ۲۹۰۵)

مہدی دجال کا پیچھا کہاں سے کہاں تک کریں گے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے، پس ان کو کوئی چیز نہیں پھیرے گی یہاں تک کہ وہ ایلیاء میں گاڑے جائیں گے“

تشریح: اس حدیث میں حضرت مہدی کے لشکر کا تذکرہ ہے، دجال کا خروج خراسان سے ہوگا، حضرت مہدی وہیں سے اس کا پیچھا کریں گے، اور ان کا جھنڈا کالا ہوگا یعنی اس کی زمین سفید ہوگی اور اس میں کالی دھاریاں ہوں گی اس لئے وہ دور سے کالا نظر آئے گا، نبی ﷺ کا جھنڈا ایسا ہی تھا (تحفة الألمعی ۶۰۶:۳) اور ایلیاء یعنی بیت المقدس تک اس کا تعاقب کرتے چلے جائیں گے، کوئی چیز ان کے لئے سدراہ نہیں ہوگی۔ اور مسند احمد (۵: ۲۷۷) میں حضرت ثوبان کی روایت ہے: إِذَا رَأَيْتُمُ الرِّيَابَ السُّودَ، قَدْ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَّاسَانَ، فَأَنْتَوُهَا، فَإِنَّ فِيهَا خَلِيفَةَ اللَّهِ الْمَهْدِيَّ: جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آرہے ہیں تو تم اس لشکر میں شامل ہو جاؤ، کیونکہ اس میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

ملحوظہ: یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں، ترمذی کی روایت میں رشد بن سعد ہیں جو ضعیف ہیں، اور مسند احمد کی حضرت ثوبان کی روایت میں شریک بن عبد اللہ نخعی ہیں، ان کا حافظہ بھی بگڑ گیا تھا اور اس میں غالباً علی بن زید بن جعدان بھی ہے، وہ بھی ضعیف راوی ہے۔ مگر دونوں کا ضعف ہلکا ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی تحسین کی ہے۔

[۲۶۶۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَارِشِدِينَ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُوَيْبٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”يَخْرُجُ مِنْ خُرَّاسَانَ رَايَاتٌ سُودٌ، فَلَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتَّى تَنْصَبَ بِأَيْلِيَاءَ“ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ.

الحمد للہ! ابواب الفتن کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی ﴿﴾

الحمد للہ! تحفة الألمعی شرح سنن الترمذی کی جلد پنجم مکمل ہوئی، چھٹی جلد أبواب الرؤیا سے شروع ہوگی



اہم تصانیف: حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

① تحفۃ اللمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروس ترمذی کا مجموعہ ہے، پانچ جلدیں طبع ہو چکی ہیں، جو ترمذی شریف جلد ثانی کے ابواب الفتن کے ختم تک ہیں، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارک اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر لفظ حل کیا گیا ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔ غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

② رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ — حضرت الامام المجدد الشاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ان برگزیدہ علمی شخصیتوں میں سے ہیں جن کی شہرت زمان و مکان کی قیود میں محدود نہیں، وہ اگرچہ ہندوستان میں پیدا ہوئے مگر ان کی شخصیت تمام عالم اسلام کا سرمایہ ہے۔ ان کی کتابیں اور ان کے علوم و معارف اسلامی تاریخ کا انمول خزانہ ہیں۔ حضرت الامام کی بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں لیکن حکمت شرعیہ اور فلسفہ اسلام پر ان کی کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ اپنی نظیر آپ ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں اور بعض بازار میں دستیاب بھی ہیں لیکن ان سے کتاب حل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کو جنہوں نے نہایت محنت کے ساتھ اس کتاب کی شرح لکھی۔ شرح سے علماء، طلباء اور پڑھ لکھے لوگ بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ شرح پانچ جلدوں میں اور تین ہزار چھ سو صفحات میں مکمل ہوئی ہے۔ ظاہری طور پر وہ تمام محاسن کتاب میں موجود ہیں جو ہونے چاہئیں، کتابت روشن اور واضح ہے، کمپیوٹر کتابت ہے، مگر جلی خط ہونے کی وجہ سے ضعیف نگاہ والے بھی باسانی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ کاغذ نہایت اعلیٰ اور قیمتی ہے، طباعت بھی بہت عمدہ ہے، جلد مضبوط، دلکش اور خوب صورت ہے۔ اور قیمت اتنی کم ہے کہ اس ضخامت کی کتاب بازار میں اس قیمت پر دستیاب نہیں۔

نیز حضرت مفتی صاحب نے ایک احسان امت پر یہ بھی کیا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ جو دو جلدوں میں طبع ہو گیا ہے عربی خوان حضرات حاشیہ کی مدد سے کتاب حل کر سکتے ہیں اور درس میں بھی اس کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔

③ کامل برہان الہی تبیین و تشریح حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ الواسعہ میں مفتی صاحب نے عنوان قائم کر کے جو حجۃ اللہ کی آسان شرح کی ہے اس کو علحدہ کر لیا ہے اور ملکی چار جلدوں میں مذکورہ نام سے یہ نئی کتاب تیار کی ہے اس میں حجۃ اللہ البالغہ کی عربی عبارت، ترجمہ، لغات اور تشریحات شامل نہیں۔ اب یہ عام مطالعہ کی ایک بہترین کتاب بن گئی ہے جو لوگ حجۃ اللہ حل نہیں کرنا چاہتے صرف اس کے مضامین پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ قیمتی سوغات ہے، زبان آسان اور سلیس ہے، ہر قاری بے تکلف اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

④ ہادیہ شرح کافیه: کافیه علم نحو کا مشہور و مقبول متن متین ہے، اس کی عبارت سلیس اور آسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو طریقہ تدریس نے مشکل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اس پر ایک کام یہ کیا ہے کہ کافیه مفصل و مرقم کیا ہے۔ اس کے ہر مسئلہ اور ہر قاعدہ کو علحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے اور شروع میں کافیه

پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اس کے لئے ”مشقی سوالات“ دیئے گئے ہیں..... پھر دوسری شرح الوافیۃ عربی میں لکھی ہے اور اس پر وہی مفصل و مرقم متن ہے تاکہ طلبہ درس میں اس کو سامنے رکھ کر پڑھ سکیں۔

⑤ آسان نحو (دو حصے) نحو کی ابتدائی عربی کتابوں میں تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ دو حصے پڑھا کر علم نحو کی کوئی بھی عربی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔

⑥ آسان صرف (دو حصے) آسان نحو کے انداز پر تدریج کا لحاظ کر کے یہ رسالے مرتب کئے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں گردانیں ہیں قواعد برائے نام ہیں اور دوسرے حصہ میں قواعد مع گردان دیئے گئے ہیں۔ اور ابواب کی صرف صغیر دی گئی ہے۔ بہت آسان اور مفید نصاب ہے۔

⑦ آسان منطق: ترتیب تیسیر المنطق۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں تیسیر المنطق کی جگہ اب یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں تیسیر المنطق ہی کو سہل کر کے مرتب کیا گیا ہے، کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

⑧ تفسیر ہدایت القرآن: یہ مقبول عام و خاص تفسیر ہے۔ پارہ ۱۰۳۰-۹ حضرت مولانا محمد کاشف البہاشیؒ کے لکھے ہوئے ہیں اور ۱۰ تا ۱۸ مفتی صاحب نے لکھے ہیں، آگے کام جاری ہے اس تفسیر میں ہر ہر قرآنی کلمہ کے الگ الگ معنی دیئے گئے ہیں اور حاشیہ میں حل لغات اور ضروری ترکیب بھی ہے۔

⑨ الفوز الکبیر (جدید ترجمہ) قدیم ترجمہ میں سُفْم تھا، اس کو سنوارا گیا ہے، بغلی عناوین بڑھائے گئے ہیں اور ضروری حاشیہ لکھ کر عمدہ کاغذ پر کتاب طبع کی گئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں اب یہی ترجمہ پڑھایا جاتا ہے۔ متوسط استعداد کے طلبہ از خود بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کی آسان اردو شرح الخیر الکثیر مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری نے لکھی ہے، اور عربی شرح العون الکبیر ہے۔

⑩ العون الکبیر: یہ الفوز الکبیر کی عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریب کے مطابق تھی، اب جدید تعریب کے مطابق کردی گئی ہے۔

⑪ فیض المنعم: مقدمہ مسلم شریف کی اردو شرح ہے۔ اس میں ضروری ترکیب اور حل لغات بھی ہیں، غرض کتاب حل کرنے کے لئے ہر ضروری بات اس کتاب میں موجود ہے اور کوئی غیر ضروری بات نہیں لی گئی۔

⑫ تحفۃ الدرر: یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں خصوصاً مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

⑬ مبادی الفلسفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

⑭ معین الفلسفہ: یہ مبادی الفلسفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت و فلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

⑮ مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی ”تہذیب المنطق“ کی ایسی عمدہ شرح ہے کہ اس سے ”شرح تہذیب“ جو

مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔

(۱۶) محفوظات: (تین حصے) یہ آیات واحادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کرنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ بہت سے مدارس ومکاتب میں داخل نصاب ہے۔

(۱۷) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ یہ علامہ محمد امین بن عابد بن شامی کی شہرہ آفاق کتاب ”شرح عقود رسم المفتی“ کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

(۱۸) کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ”توثیق الکلام“ کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

(۱۹) حیات امام ابو داؤد: اس میں امام ابو داؤد بختانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات ومتعلقات کا مفصل جائزہ سلیس اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۲۰) مشاہیر محدثین وفقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، ازواج مطہرات، بنات طیبات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین امت، محدثین کرام، راویات کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔ حدیث کے ہر استاذ اور طالب علم کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

(۲۱) حیات امام طحاوی: اس میں امام ابو جعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، نظر طحاوی کی توضیح اور شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف ہے۔

(۲۲) اسلام تغیر پذیر دنیا میں: مسیلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سیمیناروں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

(۲۳) نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟ یہ مقالہ جامعہ ملیہ دہلی کے ایک جلسہ میں پیش کیا گیا تھا، پہلے وہ علیحدہ شائع ہوا تھا، اب اس کو اسلام تغیر پذیر دنیا میں شامل کر دیا گیا ہے۔

(۲۴) ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ناخن تراشنے، بغل کے بال اور زیر ناف لینے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے، جسم کے جوڑوں کو دھونے، ختنہ کرنے، پانی سے استنجا کرنے، بالوں میں مانگ نکالنے، مونچھیں تراشنے اور ڈاڑھی رکھنے کے متعلق واضح احکامات، مسائل دلائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، ڈاڑھی پر ہونے والے اعتراضوں کے جوابات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

(۲۵) حرمت مصاہرت: اس میں سسرالی اور دامادی رشتوں کے مفصل احکام، اور ناجائز انتفاع کا مدلل حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۲۶) زبدۃ الطحاوی: یہ امام طحاوی کی شہرہ آفاق کتاب ”شرح معانی الآثار“ کی عربی تلخیص ہے، مگر جہاں تک عام طور پر طحاوی شریف پڑھائی جاتی ہے وہاں تک کام ہوا ہے یعنی کتاب الطہارۃ کے ختم تک طبع ہوئی ہے۔

(۲۷) طرازی شرح سراجی: یہ سراجی کی مکمل شرح ہے اور ذوی الارحام کا حصہ خاص طور پر حل کیا گیا ہے۔

(۲۸) مفتاح العوائل اور گنجینہ صرف: حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب قدس سرہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تصنیفات ہیں، یہ شرح مائتہ عامل اور پنج گنج کی بہترین شروع ہیں، حضرت مفتی صاحب نے ان کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی جملہ تصنیفات

رحمۃ اللہ الواسعہ جلد اول	تحفۃ الألمعی جلد اول	کامل برہان الہی جلد اول
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد دوم	تحفۃ الألمعی جلد دوم	کامل برہان الہی جلد دوم
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد سوم	تحفۃ الألمعی جلد سوم	کامل برہان الہی جلد سوم
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد چہارم	تحفۃ الألمعی جلد چہارم	کامل برہان الہی جلد چہارم
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد پنجم	تحفۃ الألمعی جلد پنجم	مبادئ الاصول (عربی)
حجۃ اللہ البالغہ اول عربی حاشیہ	کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟	معین الاصول شرح مبادئ الاصول
حجۃ اللہ البالغہ دوم عربی حاشیہ	ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	مبادئ الفلسفہ (عربی)
ہدایت القرآن مجلد اول	آسان صرف دو حصے	معین الفلسفہ شرح مبادئ الفلسفہ
ہدایت القرآن مجلد دوم	الوافیہ شرح الکافیہ	آسان فارسی قواعد حصہ اول
ہدایت القرآن مجلد سوم	ہادیہ شرح کافیہ	آسان فارسی قواعد حصہ دوم
ہدایت القرآن مجلد چہارم	آسان خود دو حصے	عصری تعلیم اور اس کے تقاضے
ہدایت القرآن مجلد پنجم	آسان منطق ترتیب تیسر المنطق	حیات امام ابو داؤد رحمہ اللہ
ہدایت القرآن پارہ تیس (۳۰)	شرح علل الترمذی	اسلام تغیر پذیر دنیا میں
فیض المنعم مقدمہ مسلم	دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت	حیات امام طحاوی رحمہ اللہ
مفتاح التہذیب شرح تہذیب	محفوظات حصہ اول	الكلام المفید فی تحریر الأسانید
مفتاح العوائل شرح شرح ماء عامل	محفوظات حصہ دوم	(متداول کتب حدیث کی سندیں)
گنجینہ صرف شرح پنج گنج	محفوظات حصہ سوم	(مولانا روح الامین صاحب)
آپ فتویٰ کیسے دیں؟ شرح رسم المفتی	تحفۃ الدردر شرح نخبۃ الفکر	تصانیف مفتی محمد امین صاحب پالن پوری
العون الکبیر شرح الفوز الکبیر (عربی)	حرمت مصاہرت	اصلاح معاشرہ
الفوز الکبیر جدید تعریب	طرازی شرح سراجی	آداب اذان و اقامت
تذکرہ مشاہیر و محدثین کرام	زبدۃ الطحاوی شرح طحاوی (عربی)	الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر (اردو)